اللؤلؤ المکنون

جلد ہفتم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- یہودِ بنو نضیر کی عہد شکنی اور جلاوطنی
- رسول اللہ ﷺ کی تین بابرکت شادیاں
- سانحۂ افک اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءتِ قرآنی
- غزوۂ احزاب میں کفار کی شکستِ فاش اور یہودِ بنو قریظہ کا چیلنج، محاصرہ اور استیصال

دارالسلام
DARUSSALAM

دارُالسّلام
ریسرچ سنٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب..........

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقيق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com



وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 7

www.KitaboSunnat.com

اَللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْن

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام

جلد 7

- یہودِ بنونضیر کی عہد شکنی اور جلاوطنی
- رسول اللہ ﷺ کی تین بابرکت شادیاں
- سانحۂ افک اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءتِ قرآنی
- غزوۂ احزاب میں کفار کی شکستِ فاش
- یہودِ بنوقریظہ کا چیلنج، محاصرہ اور استیصال

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبھا الصلاۃ والسلام

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی تین شادیوں اور سانحۂ افک اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت قرآنی، اسلامی ریاست سے بنونضیر کی جلاوطنی، نیز غزوۂ احزاب، بنوقریظہ کا عبرتناک انجام اور سازشی عناصر کا صفایا کردینے والے غزوات وسرایا اور اہم واقعات اس جلد کا موضوع ہیں۔

نگرانِ اعلیٰ: عبدالمالک مُجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح وتنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف ومحقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہرِ تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

معاونت

مولانا محمد اجمل بھٹی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان وادب)

مولانا سیف اللہ
(فاضل علوم اسلامیہ)

ڈیزائننگ وکمپوزنگ

محمد صفت الٰہی
(آرٹ ڈائریکٹر)

محمد شعیب
(گرافک ڈیزائننگ)

عبدالخالق
(کمپوزنگ وگرافک ڈیزائننگ)

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
سعودی عرب (ہیڈ آفس)

© مکتبة دارالسلام، ١٤٣٥ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
موسوعة السيرة النبوية – ج ٧ / مكتبة دارالسلام – الرياض، ١٤٣٥ هـ
ص: ٥٣١ مقاس: ٢٤×١٧ سم
ردمك: ٦-٢٧٧-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
(النص باللغة الاردية)
١. السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٠٤١/١٤٣٥
رقم الإيداع: ١٠٤١/١٤٣٥
ردمك: ٦-٢٧٧-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 4186619 416 001

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دار مکہ انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091

• ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • ایم ایس بک انٹرپرائز فون: 42157847 44 0091

سری لنکا • دارالکتاب فون: 358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون: 00 4 32 372, 24 400 372, 34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

• غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092
info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

مُحَمَّدٍ

وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ

وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

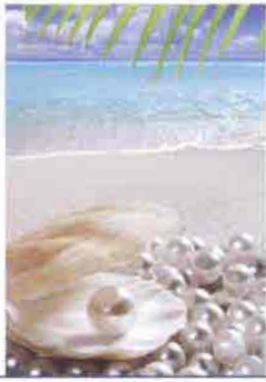
صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

رسول ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے

خوبصورت اشعار

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

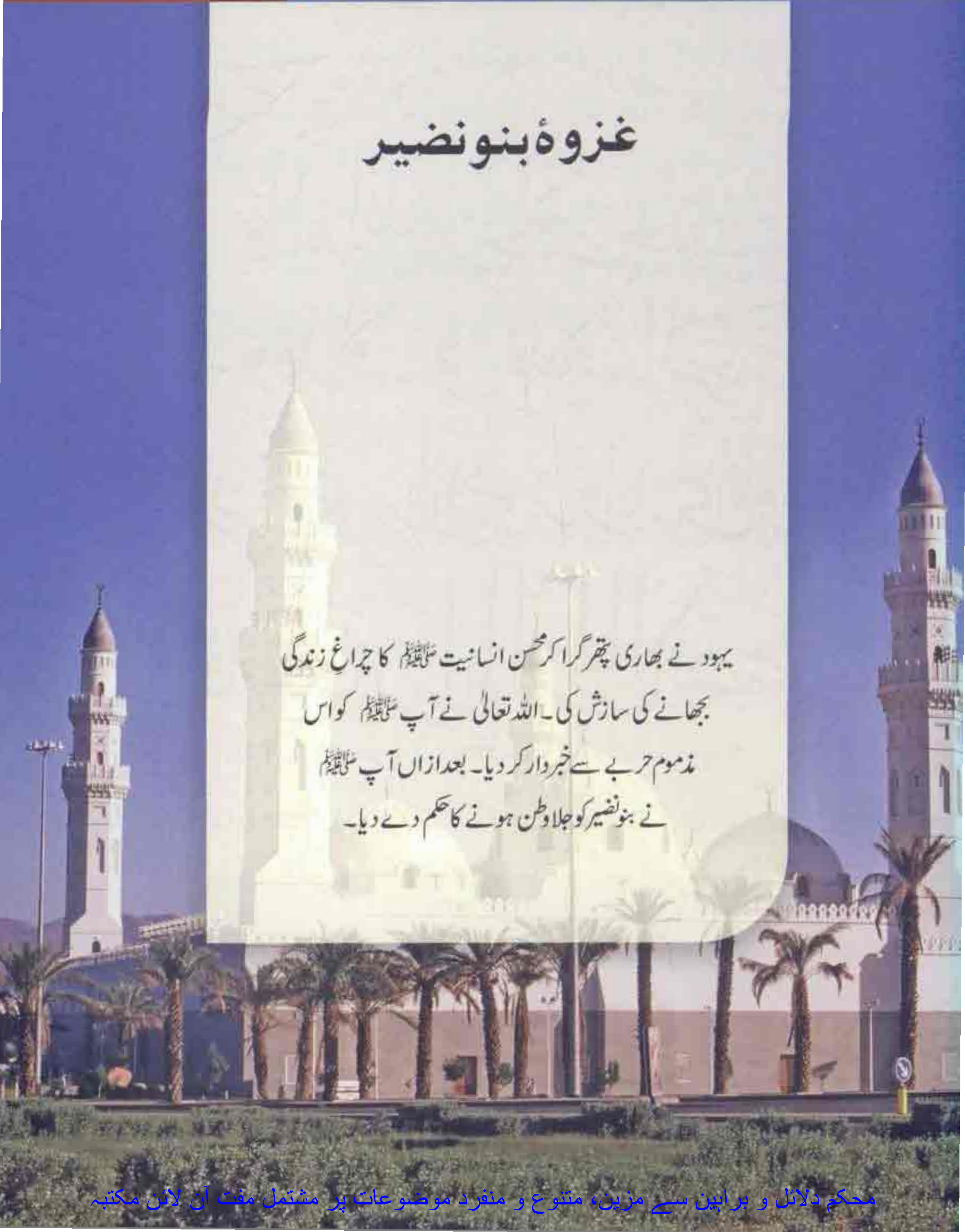


مضامین

باب: 1

غزوۂ بنو نضیر

باب: 5
غزوۂ بنی قریظہ



غزوۂ بنو نضیر

یہود نے بھاری پتھر گرا کر محسنِ انسانیت ﷺ کا چراغِ زندگی بجھانے کی سازش کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس مذموم حربے سے خبردار کر دیا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے بنو نضیر کو جلاوطن ہونے کا حکم دے دیا۔

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا
وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ
فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا
وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ
يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ
فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

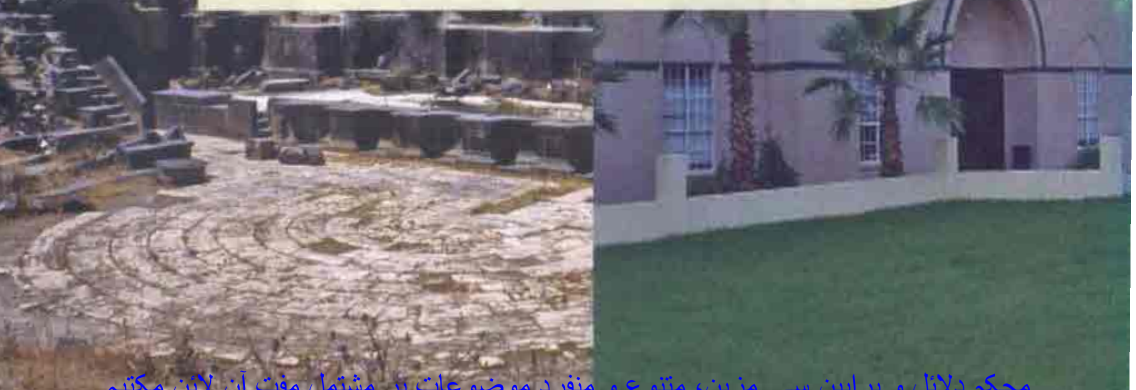
"(وہ اللہ) وہی ہے جس نے اہل کتاب کے کافروں کو پہلے اکٹھ ہی میں ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تم نے کبھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ وہ (مدینہ سے) نکلیں گے اور انھوں نے سمجھا تھا کہ بے شک ان کے قلعے انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے، پھر ان پر اللہ (کا عذاب) آیا جہاں سے انھوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اجاڑتے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی، پس اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو۔" (الحشر 59:2)

اس باب میں





اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کا بغضِ باطن عیاں کیا گیا ہے۔ مکاری وعیاری، چالاکی وسفاکی اور سازش وشرارت یہود کی فطرتِ ثانیہ ہے۔ ان کی پرانی عداوت اور خباثت کی روایت آج بھی ان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ان کی فتنہ سامانیوں، شرارتوں اور سازشوں کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری رہا۔ 4ھ/625ء میں جب رسول اللہ ﷺ حسبِ معاہدہ بنونضیر کے یہودیوں سے دیت میں حصولِ معاونت کے لیے گئے تو ان بدطینت لوگوں نے سازش کے ذریعے آپ ﷺ کو شہید کرنا چاہا اور مدینہ پر غلبہ پانے کی ناپاک کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو یہود کے مکروفریب سے نجات دلائی۔ یہود کو ذلیل ورسوا کیا اور ان کی برتری نابود ہوگئی۔ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھر برباد کرنے لگے۔ ان کے نخلستان ویران ہوگئے۔ وہ خود جلا وطن ہوئے۔ ان حالات میں مسلح تصادم اور کشت وخون کی نوبت ہی نہیں آئی۔ یہود کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ بیش بہا دولت چھوڑ کر نکل بھاگے جس کا وارث اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بنادیا۔ آئندہ اوراق میں آپ اس غزوے کی تفصیلات سمیت شراب اور جوئے کی حرمت کے تدریجی مراحل کا مطالعہ کریں گے۔



یہودیوں کا مذموم کردار

یہودی بہت پرانی قوم ہیں۔ تاریخ ان کی قدامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب بن اسحاق علیہما السلام تک لے جاتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ لوگ انھی کی نسل سے ہیں۔ ان کا ایک مخصوص مذہب ہے، ایک مخصوص تمدن ہے، ایک مخصوص ذہن ہے۔ اور ایک مخصوص ثقافت ہے۔ ان کا آبائی وطن عراق تھا۔ ان کی ایک بڑی تعداد مصر چلی گئی۔ وہاں یہ مدتوں فراعنہ کے مظالم کی زد میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا۔ انھیں تورات دی، سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر عطا کیا اور ان کی قیادت میں فرعون کے ظلم سے نجات دلائی، مزید برآں انھیں من وسلویٰ جیسے لذت بخش پکوان کھلائے۔ اس کے باوجود انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا۔ ان سے مطالبہ کیا کہ پہلے اللہ کو دکھاؤ، پھر ہم اللہ پر ایمان لائیں گے۔ مصر میں یہ لوگ گائے کو پوجتے رہے۔ بعدازاں انھوں نے اللہ کے احکام میں رد و بدل کیا۔ شرک اور زندقہ کی گندگی کا شکار ہوگئے۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی۔ انھیں کذاب کہا، سامراج کا ایجنٹ قرار دیا اور سیدنا مریم علیہا السلام کی پاکدامنی پر دھبے لگائے۔ یہ لوگ کاہنوں پر اعتقاد رکھتے تھے، سود کھاتے تھے، دھوکا دھڑی سے دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے، جھوٹ، خیانت، غداری اور عہد شکنی سے یہ لوگ کبھی باز نہیں آئے۔ مکافاتِ عمل نے انھیں فلسطین سے باہر دھکیل دیا۔ ان کا ایک ٹولہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ دوسرا ٹولہ جزیرہ نمائے عرب میں آکر خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیما اور یثرب کے مضافات میں بس گیا۔ انھوں نے مقامی عرب قبیلوں سے دوستی کی، انھیں اپنا حلیف بنایا، اس طرح اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔

انھیں تورات اور اپنے ثقہ علماء کے ذریعے یہ حقیقت معلوم ہو چکی تھی کہ اللہ کے آخری رسول کا ظہور ہونے والا ہے۔ یہودی اپنی خوشحالی اور اور نسلی برتری کے غرور کی وجہ سے اس امر کا پکا یقین رکھتے تھے کہ اللہ کے آخری رسول کا ظہور انھی میں سے ہوگا اور اس کے بل پر وہ ساری دنیا پر چھا جائیں گے۔ ...... لیکن ہمارا مقدس پروردگار تو ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ ہے۔ اُس کی حکمتِ بالغہ کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری معظم ترین رسول سیدنا محمد ﷺ کو وادی غیر ذی زرع کے خاندانِ بنو ہاشم میں پیدا فرمایا۔ یہ خبر یہودیوں پر بجلی بن کر گری اور ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ان کی نامرادی کا یہی وہ پہلا بیج تھا جو وقت کی رفتار کے ساتھ سیدنا محمد ﷺ سے

حسد، اسلام سے بغض اور مسلمانوں سے دشمنی کا تن آور درخت بن گیا۔ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کا واسطہ یہودیوں اور منافقوں سے پڑا۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی اچھی خاصی آبادی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ کے گلی کوچوں، بازاروں، منڈیوں اور مضافات میں جہاں بھی جاتے تھے انھیں یہودیوں سے سابقہ پیش آتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہودیوں کی اتنی بڑی آبادی کے انتظامی، سماجی اور سیاسی مؤثرات کے اندازہ شناس تھے۔ آپ ﷺ نے جہاں انصار ومہاجرین کے مابین بھائی چارہ قائم کر کے مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی فلاح کی راہ کھول دی، وہیں یہودیوں کو بھی اپنے کریمانہ اخلاق سے بہرہ مند فرمایا۔ آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کی رُو سے یہودیوں کو اس قدر مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی آزادی عطا کر دی جو آج امریکی یہودیوں کو بھی میسر نہیں۔

اگر یہودی تھوڑی سی دانشمندی کا مظاہرہ بھی کرتے تو اپنی تنگ نظری اور تعصب سے دستبردار ہو کر مسلمان ہو جاتے۔ ایسی صورت میں انھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول ﷺ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جاتی اور مدینہ میں انھیں جو اعلیٰ اقتصادی اور سماجی استحکام میسر تھا وہ بھی برقرار رہتا لیکن ان لوگوں کی رگوں سے اسلام دشمنی کا زہر نہیں نکلا۔ انھوں نے رسول اللہ کے انتہائی فیاضانہ سلوک کے جواب میں مشرکین مکہ سے ساز باز جاری رکھی۔ محسن انسانیت ﷺ کو کبھی بھاری پتھر مار کر ہلاک کرنے کی سازش کی، کبھی آپ ﷺ کو ضیافت کے نام پر زہر آلود بکری کا گوشت کھلانے کی مذموم ترین حرکت کی۔ جنگ احد کے شعلے بھڑکانے کے لیے درپردہ یہودیوں نے بڑا ایندھن فراہم کیا، بعد ازاں یہ لوگ میثاق مدینہ کو بالائے طاق رکھ کر کھلم کھلا مشرکین مکہ کے دست و بازو بن گئے اور مسلمانوں کے خلاف میدان کارزار میں نکل آئے۔ انھوں نے ایک مسلمان خاتون کو حجاب و نقاب سے محروم کر کے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا۔ ان کرتوتوں کی وجہ سے انھوں نے خود اپنی حیثیت خود اتنی مجروح کر لی کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے بارے میں کوئی دوٹوک فیصلہ کر دیں۔ اگلے صفحات میں آپ یہود کی ریشہ دوانیوں، رسول اللہ ﷺ کی داعیانہ زندگی کی جلوہ نمائیوں، اسلام کے فروغ اور اولین اسلامی ریاست مدینہ کے دفاع کے سبق آموز واقعات پڑھیں گے۔

بنونضیر کی جلاوطنی

بنونضیر اور ان کے سردار حُیَيّ بن اَخْطب نے ساری زندگی نبیِ اکرم ﷺ سے شدید عداوت رکھی اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف شرارتوں اور سازشوں میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، حالانکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو تورات میں موجود آپ کی صفات سے پہچان لیا تھا۔ ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد اور چچا کی نہایت لاڈلی تھی۔ میں جب بھی انھیں دوسرے بچوں کے ہمراہ ملتی تو وہ مجھے گود میں اٹھا لیتے اور دوسرے بچوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے اور قباء میں بنوعمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے تو میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابویاسر سویرے سویرے ہی ان کی خدمت میں چلے گئے اور غروب آفتاب کے وقت واپس آئے۔ وہ نہایت تھکے ماندے، افسردہ اور غمگین حالت میں بڑی مشکل سے چل کر آرہے تھے۔ میں حسب معمول بھاگ کر ان کے پاس گئی لیکن اللہ کی



مسجد قباء.... اسلام کی اولیں مسجد

قسم! دونوں نے میری طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ (میں سمجھ گئی کہ ضرور کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔) میں نے اپنے چچا ابویاسر کو اپنے والد سے یہ کہتے سنا: کیا یہ وہی ہیں؟ وہ کہنے لگے: ہاں، اللہ کی قسم! (یہ وہی ہیں)۔ چچا نے پوچھا: کیا تم انھیں (ان کی علامات سے) پہچانتے ہو؟ کیا یہ بعینہٖ وہی نبی ہیں (جن کا ہمیں انتظار تھا)؟ میرے والد نے کہا: ہاں۔ چچا نے پھر پوچھا: ان کے متعلق تمھارے دلی جذبات کیا ہیں؟ میرے والد نے جواب دیا: اللہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں، میرے دل میں ان کے لیے دشمنی ہی رہے گی۔''[1]

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے یہ واضح ہے کہ بنونضیر حسد کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی

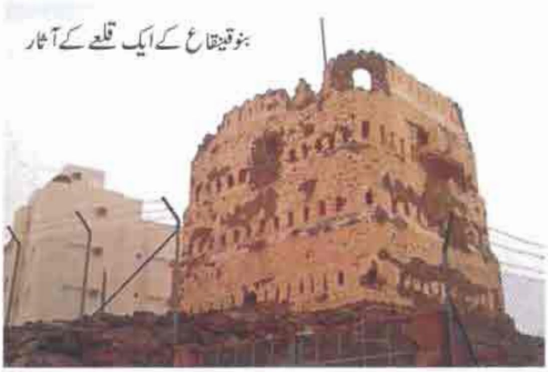
[1] دلائل النبوة للبيهقي :2/533,532.

کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ﴾

''اہلِ کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کاش کہ وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں پھیر کر کافر بنا دیں، اپنے دلوں میں حسد کرتے ہوئے، اس کے بعد کہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا۔'' [1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ اس کے باوجود وہ سابقہ انبیاء و رسل اور ان کی کتب و معجزات کے بارے میں یہود و نصاریٰ کو تفصیلات بتلاتے تھے۔ یہود و نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق بھی کرتے تھے۔ لیکن وہ رسول اللہ ﷺ سے حسد اور بغض و عناد کی بنا پر ایمان نہیں لاتے تھے اور کفر کرتے تھے۔ [2] رسول اللہ ﷺ نے حکمت اور بصیرت سے انھیں اپنا حلیف بنایا تھا۔ انھیں ان کے خاص معاملات میں مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ ان کی شرارتوں اور چیرہ دستیوں کے باوجود آپ ﷺ ہمیشہ عفوو درگزر سے کام لیتے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد نہ صرف بنونضیر بلکہ تمام یہودیوں سے عہد و میثاق کیا تھا لیکن اس سب کچھ کے باوجود یہودی ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔


بنوقینقاع کے ایک قلعے کے آثار

جنگِ بدر کے بعد یہودی قبیلہ بنوقینقاع نے میثاقِ مدینہ کی خلاف ورزی کی تو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا جس کے بعد انھیں شام کی طرف جلاوطن ہونا پڑا، پھر غزوۂ احد کے بعد 4ھ میں یہودِ بنونضیر نے شرارتوں اور سازشوں کی روش اپنائی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ بالآخر انھیں بھی مدینہ چھوڑنا پڑا۔

غزوۂ بنونضیر کی تاریخ

محققین کا خیال ہے کہ غزوۂ بنونضیر معرکۂ احد کے بعد ربیع الاول 4ھ/625ء کو پیش آیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تابعی عروہ رحمہ اللہ کے حوالے سے معلق روایت نقل کی ہے کہ یہ غزوہ جنگِ بدر کے چھ ماہ بعد اور غزوۂ احد سے پہلے پیش آیا۔ [3] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ امام زہری رحمہ اللہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے 17 رمضان 2ھ کو

[1] البقرة2:109. [2] تفسير ابن كثير، البقرة2:109،110. [3] صحيح البخاري، قبل الحديث: 4028.

غزوۂ بدر لڑا، پھر غزوہ بنونضیر پیش آیا، پھر ماہِ شوال 3 ھ کو معرکہ احد برپا ہوا، پھر اس کے بعد شوال 4 ھ کو غزوۂ خندق پیش آیا۔ [1] امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زہری اس غزوے کو غزوۂ احد سے پہلے بیان کرتے ہیں جبکہ موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور دیگر اہل مغازی اس غزوے کی تاریخ احد کے بعد بتاتے ہیں۔ [2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ زہری کی روایت کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: محمد بن شہاب زہری کا خیال ہے کہ غزوۂ بنونضیر بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا، یہ ان کا وہم ہے۔ ان کا یہ خیال درست نہیں بلکہ درست بات یہ ہے کہ غزوۂ بنونضیر جنگِ احد کے بعد پیش آیا۔ غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد غزوۂ بنوقینقاع پیش آیا تھا۔ غزوۂ بنوقریظہ جنگ خندق کے بعد اور غزوۂ خیبر، حدیبیہ کے بعد رونما ہوا۔ [3] واقدی اور ابن سعد کے مطابق یہ ہجرت کے 37 ویں مہینے ربیع الاول میں پیش آیا۔ [4] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابن ہشام نے بھی اس غزوے کو 4 ھ ہی میں راجح قرار دیا ہے۔ [5]

غزوۂ بنونضیر کے اسباب

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ بڑی نرمی اور نوازش سے کام لیا۔ انھیں ایک آزاد شہری کی حیثیت سے رہنے کے لیے ان کے جداگانہ مذہبی اور شہری حقوق کا خاص خیال رکھا۔ لیکن انھوں نے اپنے قبیح کردار سے بار بار یہ باور کرایا کہ ان کے نزدیک کسی بھی معاہدے کی کوئی حیثیت نہیں یہاں تک کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف گھناؤنی سازش کی اور وہ انتہائی مکروہ چہرے کے ساتھ منظر عام پر آ گئے۔ ان کی معاہدہ شکنی کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سے چند اہم حسب ذیل ہیں:

1 قریش کی منافقین و یہود سے ساز باز

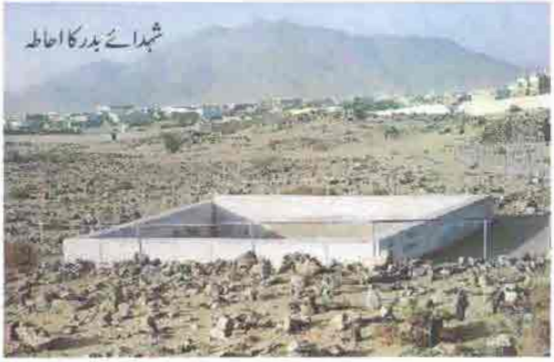
امام ابوداود رحمہ اللہ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک کے حوالے سے ایک صحابیِ رسول کی روایت بیان کرتے ہیں کہ جنگِ بدر سے پہلے قریشِ مکہ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ہمنوا اوس و خزرج کے دوسرے بت پرستوں کو خط لکھا جبکہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لا چکے تھے۔ انھوں نے لکھا کہ تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دے رکھی ہے اور ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم لوگ اس سے جنگ کرو یا اسے اپنے ہاں سے نکال دو ورنہ ہم سب مل کر تم پر دھاوا بولیں گے یہاں تک کہ تمھارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمھاری عورتوں کو اپنے قبضے میں لے آئیں گے۔ یہ خط جب عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی بت پرستوں کو پہنچا تو وہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے

[1] البداية والنهاية : 76/4. دیکھیے: المغازي للإمام الزهري، ص :71-76-79. [2] دلائل النبوة للبيهقي : 176/3 و 180.
[3] زادالمعاد :249/3. [4] المغازي للواقدي :308/1، الطبقات لابن سعد :57/2. [5] البداية والنهاية : 76/4، السيرة لابن هشام :199/3-202.

اکٹھے ہوگئے۔ آپ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ان سے ملاقات کی اور فرمایا:

«لَقَدْ بَلَغَ وَعِيدُ قُرَيْشٍ مِّنكُمُ الْمَبَالِغَ مَا كَانَتْ تَكِيدُكُمْ بِأَكْثَرَ مِمَّا تُرِيدُونَ أَنْ تَكِيدُوا بِهِ أَنْفُسَكُمْ، تُرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا أَبْنَاءَكُمْ وَ إِخْوَانَكُمْ!»

''بلاشبہ قریش کی دھمکی تم میں کام کر گئی ہے، تم اس سے بہت متاثر ہوئے ہو۔ وہ تمھارا اس سے زیادہ نقصان نہیں کر سکتے جتنا کہ تم اپنے ہاتھوں سے خود کر بیٹھنا چاہتے ہو، تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑنا چاہتے ہو!''



جب اہلِ مدینہ نے نبی کریم ﷺ کی یہ بات سنی تو وہ منتشر ہوگئے۔ کفارِ قریش کو جب یہ خبر پہنچی تو انھوں نے جنگِ بدر کے بعد یہودیوں کو خط لکھا کہ تم لوگ اسلحہ اور قلعوں کے مالک ہو۔ تم لوگ یا تو لازماً ہمارے آدمی سے جنگ کرو ورنہ ہم ایسے اور ایسے کریں گے اور پھر ہمارے اور تمھاری عورتوں کی پازیبوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوگی، یعنی ہم مردوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔ جب ان کے لکھے کی خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو اس اثنا میں بنونضیر نے آپ ﷺ سے عہد شکنی کا عزم کر لیا تھا۔ انھوں نے نبی ﷺ کو کہلا بھیجا کہ آپ اپنے تیس اصحاب کے ساتھ ہماری طرف آئیں اور تیس ہمارے علماء آئیں اور ایک درمیانی جگہ میں ملیں۔ یہ لوگ آپ کی بات سنیں۔ اگر انھوں نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

جب نبی ﷺ مقرر جگہ کے قریب پہنچے تو انھوں نے تجویز پیش کی کہ آپ صرف تین صحابہ کو ساتھ لائیں، ہمارے بھی تین عالم ہوں گے۔ ان تین یہودیوں نے خنجر چھپائے ہوئے تھے لیکن ان کی ایک عورت نے اپنے مسلمان بھائی کے سامنے یہ راز فاش کر دیا۔ اس نے فوراً رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی، لہٰذا آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے آئے۔ اگلے دن رسول اللہ ﷺ لشکر لے کر گئے اور ان کا گھیراؤ کر لیا اور ان سے کہا:

«إِنَّكُمْ وَاللّٰهِ! لَا تَأْمَنُونَ عِنْدِي إِلَّا بِعَهْدٍ تُعَاهِدُونِي عَلَيْهِ»

''اللہ کی قسم! تم لوگوں پر مجھے کوئی اعتماد نہیں الا یہ کہ تم میرے ساتھ (نئے سرے سے) عہد کرو۔''

ان لوگوں نے عہد و پیمان دینے سے انکار کر دیا۔[1]

[1] سنن أبي داود: 3004، المصنف لعبدالرزاق: 360,359/5، حديث: 9733.

2 بنونضیر کی عہد شکنی

میثاقِ مدینہ کی رو سے بنونضیر پر لازم تھا کہ وہ دشمن کو جگہ نہ دیں۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ بنونضیر نے قریش کو مسلمانوں کے راز فراہم کیے، آپ ﷺ کے خلاف جنگ پر ابھارا اور مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی۔ [1]

ان کی بدعہدی غزوۂ سویق میں بھی سامنے آئی تھی۔ بدر کے بعد ابوسفیان جب دوسو سواروں کے ہمراہ مدینہ روانہ ہوا تو بنونضیر کے ایک سردار سلام بن مشکم نے اس کی حمایت اور مہمان نوازی کی اور اسے مسلمانوں کے پوشیدہ امور سے مطلع کیا مگر مدینہ کے اسرار و احوال پر مامور عہدہ داران سے ہرگز بے خبر نہیں تھے۔ [2]

3 رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ



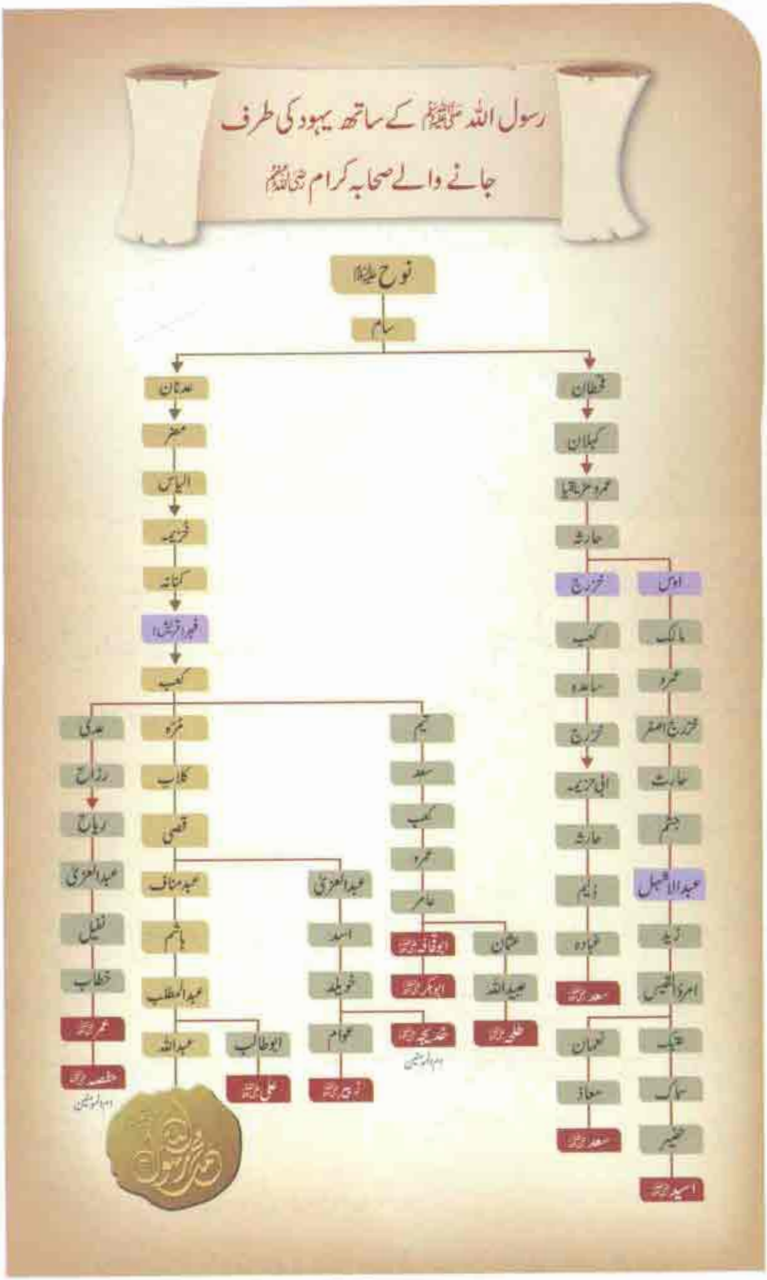
بنو عامر کے علاقے کا ایک منظر

جیسا کہ پہلے بیان ہوا [3] سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سانحۂ بئر معونہ کے بعد گرفتار ہوگئے تھے اور پھر بنوعامر کے سردار عامر بن طفیل نے اپنی ماں کی نذر پوری کرنے کے لیے انھیں رہا کر دیا تھا۔ مدینہ واپس آتے ہوئے راستے میں انھوں نے بنو عامر کے دو افراد بے خبری میں قتل کر دیے جن کو رسول اللہ ﷺ امان دے چکے تھے۔

عامر بن طفیل نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ تمھارے ایک ساتھی نے میری قوم کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا ہے، حالانکہ ان کے پاس آپ کی طرف سے عہد و امان بھی تھا، چنانچہ آپ ان دونوں کی دیت ہمیں بھیج دیں۔ نبیِ کریم ﷺ یہ سن کر بنونضیر کے پاس گئے تاکہ ان دونوں کی دیت ادا کرنے کے لیے بنونضیر سے مدد طلب کریں۔

بنونضیر ان دنوں بنو عامر کے حلیف تھے۔ اس کام کے لیے رسول اللہ ﷺ ہفتے کے دن نکلے۔ آپ نے مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد قباء میں نماز ادا کی، پھر بنونضیر کے پاس جا کر حسبِ معاہدہ دیت کے لیے مدد کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا: ابوالقاسم! آپ جو چاہتے ہیں، ہم وہی کریں گے۔ آپ یہیں بیٹھیں تاکہ ہم آپ کو کھانا کھلائیں۔ آپ ﷺ اس وقت ان کے گھروں میں سے ایک گھر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

[1] فتح الباري: 415,414/7. [2] السيرة النبوية للصلابي: 185/2. [3] دیکھیے: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا: 510-500/6.



آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر، عمر، علی، زبیر، طلحہ، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم تھے۔ ادھر یہود تنہائی میں جمع ہوئے تو ان پر شیطان سوار ہو گیا اور جو بدبختی ان کا نوشتۂ تقدیر بنی ہوئی تھی، اسے شیطان نے خوشنما بنا کر پیش کیا، یعنی ان یہود نے باہم مشورہ کیا کہ نبیِ کریم ﷺ ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ان کے شیطان صفت سردار حیی بن اخطب نے کہا:

يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ! قَدْ جَاءَكُمْ مُحَمَّدٌ فِي نَفِيرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ لَا يَبْلُغُونَ عَشَرَةً، فَاطْرَحُوا عَلَيْهِ حِجَارَةً مِنْ فَوْقِ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي هُوَ تَحْتَهُ فَاقْتُلُوهُ، فَلَنْ تَجِدُوهُ أَخْلَى مِنْهُ السَّاعَةَ، فَإِنَّهُ إِنْ قُتِلَ تَفَرَّقَ أَصْحَابُهُ، فَلَحِقَ مَنْ كَانَ مَعَهُ مِنْ قُرَيْشٍ بِحَرَمِهِمْ، وَبَقِيَ مَنْ هَاهُنَا مِنَ الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ حُلَفَاؤُكُمْ فَمَا كُنْتُمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَصْنَعُوا يَوْمًا مِنَ الدَّهْرِ فَمِنَ الْآنَ.

''اے یہود کی جماعت! محمد (ﷺ) اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تمھارے پاس آیا ہے، ان کی تعداد دس سے بھی کم ہے۔ اس پر اس گھر کے اوپر سے بڑا پتھر گرا کر اسے قتل کر دو، تمھیں اس سے بہتر موقع دوبارہ نہیں ملے گا۔ اگر اسے قتل کر دیا گیا تو اس کے ساتھی بکھر جائیں گے۔ اس کے قریشی ساتھی اپنے حرم (مکہ) میں چلے جائیں گے اور یہاں صرف اوس وخزرج رہ جائیں گے جو تمھارے حلیف ہیں، اس لیے تم جو کچھ کرنا چاہتے تھے تو ابھی کر ڈالو۔''

اس پر ایک بدبخت یہودی عمرو بن جحاش بولا: تب پھر میں اس گھر پر چڑھ کر بڑا پتھر گرا کر محمد (ﷺ) کو قتل کروں گا۔ (والعیاذ باللہ)

سلّام بن مشکم کا معارضہ

بنونضیر کے ایک یہودی سردار سلام بن مشکم نے کہا: اے جماعتِ یہود! تم ساری زندگی میری مخالفت کر لینا لیکن اس وقت میری بات مان جاؤ۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) کو تمھارے ارادے کی خبر کر دی جائے گی اور یہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی لیکن یہود نے اس کی ایک نہ سنی اور اپنے منصوبے کو روبہ عمل لانے کے عزم پر قائم رہے۔

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع

شیطانی ذہنیت کے حامل یہود اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے ہی والے تھے کہ رب العالمین کی طرف سے جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور آپ ﷺ کو یہود کے ارادے سے باخبر کیا۔ آپ ﷺ تیزی سے اٹھے گویا آپ قضائے حاجت کے لیے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہیں باتیں کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ آپ ﷺ قضائے حاجت کو گئے ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی تلاش میں

جب خاصی دیر ہوگئی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے یہاں رکے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں، یقیناً رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم آ گیا ہے، چنانچہ وہ سب وہاں سے چل پڑے۔ حیی بن اخطب کہنے لگا: ابوالقاسم نے جلدی کی ہے، ہم تو انھیں کھانا کھلا کر ان کی ضرورت پوری کرنا چاہتے تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مدینے کی طرف آ رہے تھے کہ انھیں ایک آدمی ملا، انھوں نے اس سے پوچھا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ

مسجد ابوبکر الصدیق، ہیوسٹن (ٹیکساس) امریکہ



کو دیکھا ہے؟ اس نے بتایا کہ میری ابھی ابھی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہے، آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں پہنچے تو آپ ﷺ تشریف فرما تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ وہاں سے تشریف لے آئے اور ہمیں معلوم ہی نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَمَّتِ الْيَهُودُ بِالْغَدْرِ بِي»

''یہود نے میرے ساتھ دھوکے کا ارادہ کیا تھا۔''

رسالت مآب ﷺ ازروئے وحی جلد ہی تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ نے اس لیے کچھ نہیں بتایا کہ وہ خطرے کی زد میں نہیں تھے۔ یہود کا اصل ہدف صرف آپ ﷺ کی ذات بابرکات تھی۔ اس لیے آپ ﷺ مطمئن تھے کہ میرے صحابہ نہ صرف محفوظ و مامون رہیں گے بلکہ وہ میری تلاش میں جلد ہی نکل آئیں گے۔ آپ ﷺ کا صحابہ سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ ﷺ سے جو بہت گہرا تعلق خاطر تھا، اُس کی مثال ناپید ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کا محفوظ رہنا اور پھر صحابہ کا آپ ﷺ کی جستجو میں کشاں کشاں چلے آنا، آپ ﷺ کے لیے گویا بالکل جانی بوجھی بات تھی۔

کنانہ بن صوریا کی دہائی

بنونضیر اپنے کیے پر بہت شرمندہ تھے۔ ایک یہودی کنانہ بن صوریا (صُوَيرَاء) نے کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) یہاں سے کیوں اٹھ کر چلے گئے ہیں؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں تو معلوم نہیں، تمھیں کچھ پتہ ہے تو بتا دو۔ اس نے کہا: تورات کی قسم! بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ محمد (ﷺ) کو تمھارے ارادے کی خبر کر دی گئی ہے،

چنانچہ تم اب مزید اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو۔ اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ اٹھے بھی اسی لیے ہیں کہ انھیں بذریعہ وحی بتا دیا گیا ہے کہ تم دھوکہ دہی سے کام لینا چاہتے تھے۔ وہ خاتم الانبیاء ہیں۔ تم چاہتے تھے کہ آخری پیغمبر ہارون علیہ السلام کی نسل سے آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاں سے چاہا، انھیں مبعوث فرمایا۔

بلاشبہ ہماری کتابیں جنھیں ہم پڑھتے ہیں، وہ تبدیل نہیں ہوئیں، ان میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اس نبی کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور وہ یثرب (مدینہ) میں ہجرت کرے گا۔ اس کی جو صفات ہماری کتاب (تورات) میں بیان کی گئی ہیں، صرف اور صرف ان پر صادق آتی ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھیں خون خرابے کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ تم اپنے اموال، جائیدادیں اور بچے روتے بلکتے چھوڑ جاؤ گے۔ اگر تم میری بات مان لو تو تمھارا شرف و وقار باقی رہے گا۔ تم اسلام قبول کر کے محمد (ﷺ) کے ساتھی بن جاؤ گے تو تمھارے اموال اور تمھاری اولاد محفوظ رہے گی اور تم لوگ ان کے اونچے مقام والے ساتھیوں میں سے بن جاؤ گے اور اپنے گھروں سے نکالے نہیں جاؤ گے۔

یہود نے کنانہ بن صوریا کی بات کا یہ جواب دیا کہ ہم تورات اور عہدِ موسیٰ کو نہیں چھوڑیں گے۔ کنانہ نے کہا: تو انتظار کرو، عنقریب وہ تمھیں حکم دے گا کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ، پھر تم لوگ کہنا: ہاں۔ پھر وہ تمھارے خون اور تمھارے مال اپنے لیے حلال نہیں بنائے گا اور تمھارے مال اور جائیداد تمھارے لیے چھوڑ دے گا، چاہو گے تو بیچ دو گے اور چاہو گے تو اپنے پاس رکھ لو گے۔ انھوں نے کہا: ہاں، ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

ابنِ صوریا نے کہا: اللہ کی قسم! میں پہلی چیز کو زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ اگر مجھے تمھاری رسوائی کا ڈر نہ ہوتا تو میں اسلام قبول کر لیتا اور مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اسلام قبول کرنے سے میری بیٹی شعثاء کو عار دلائی جائے گی۔ اب میں تمھارے ساتھ ہی ہوں حتی کہ مجھے بھی وہی مصیبت پہنچے گی جو تمھیں پہنچے گی۔

سلام بن مشکم نے کہا: تم نے جو کہا، میں مجبور ہو کر تمھارے ساتھ اس میں شریک ہوا ہوں۔ وہ اب ہمیں پیغام بھیجنے والا ہے کہ تم اس علاقے سے نکل جاؤ۔ اے حیی! اس کی بات کے سامنے پس و پیش نہ کرنا اور خوشی سے جلاوطنی قبول کر لینا۔ اس نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا اور اس جگہ سے چلا جاؤں گا۔[1]

سفیرِ نبوی دیارِ بنو نضیر میں

نبی کریم ﷺ نے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا:

«اِذْهَبْ إِلٰى يَهُودِ بَنِي نَضِيرٍ، فَقُلْ لَّهُمْ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَرْسَلَنِي إِلَيْكُمْ أَنِ اخْرُجُوا مِنْ بَلَدِهٖ»

[1] سبل الهدیٰ والرشاد: 319/4.

''بنونضیر کے یہودیوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہنا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمھاری طرف یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم اس کے شہر سے نکل جاؤ۔''

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور انھیں رسول اللہ ﷺ کا پیغام دیا کہ تم میرے علاقے سے نکل جاؤ۔ تم نے میرے ساتھ دھوکہ دہی کی بنا پر عہد شکنی کی ہے۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کی باہمی سازش، غداری اور عمرو بن جحاش کے گھر کے اوپر جانے اور وہاں سے آپ ﷺ کے سر پر ایک بڑی چٹان گرانے کی بات بتائی تو وہ سب کے سب خاموش ہوگئے اور ایک لفظ بھی نہ کہہ سکے۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم بھی دیا ہے:


مسجد بنی قریظہ (مسجد الفضیخ)، مدینہ منورہ

«اُخْرُجُوا مِنْ بَلَدِي، فَقَدْ أَجَّلْتُكُمْ عَشْرًا فَمَنْ رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ ضَرَبْتُ عُنُقَهُ»

''میرے علاقے سے نکل جاؤ، میں تمھیں دس دن کی مہلت دیتا ہوں، اس کے بعد اگر کوئی نظر آیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔''

یہودِ بنونضیر نے کہا: اے محمد (بن مسلمہ)! ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ قبیلہ اوس کا کوئی شخص ہمارے پاس یہ پیغام لے کر آئے گا (قبیلہ اوس بنونضیر کا حلیف تھا)۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: دل بدل چکے ہیں۔ اسلام نے اوس اور بنونضیر کے درمیان (جاہلیت میں ہونے والے) تمام معاہدے ختم کر دیے ہیں۔

منافقین کا کردار

بنونضیر نے جلاوطنی قبول کرلی اور مدینہ منورہ چھوڑنے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کا قاصد ان کے پاس آیا اور انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا: عبداللہ بن ابی تم سے کہہ رہا ہے کہ تم لوگ اپنے گھروں سے نہ نکلو اور اپنے قلعوں میں مقیم رہو۔ میرے پاس میری قوم اور دیگر عربوں کے دو ہزار جنگجو افراد موجود ہیں جو تمھارے ساتھ قلعے میں داخل ہو جائیں گے اور تمھارا دفاع کرتے ہوئے اپنی جانیں دے دیں گے اور بنوقریظہ کے یہود بھی تمھاری مدد کریں گے۔ وہ تمھیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے اور قبیلہ غطفان کے تمھارے حلیف بھی تمھاری مدد کریں گے۔ اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمھارے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکلیں گے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ﴾

”(اے نبی!) کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جنھوں نے منافقت کی؟ وہ اپنے ان بھائیوں سے، جو اہل کتاب میں سے کافر ہوگئے، کہتے ہیں: یقیناً اگر تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم ضرور تمھارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمھارے معاملے میں کبھی کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے۔“ [1]

سلام بن مشکم کا انتباہ

عبداللہ بن ابی مسلسل حیی بن اخطب کو پیغام بھیجتا رہا جس سے یہود کو حوصلہ مل گیا۔ بنونضیر کے سردار حیی نے ڈٹ جانے کا عزم کرلیا۔ سلام بن مشکم نے حیی بن اخطب سے کہا: اے حیی! اللہ کی قسم! تمھارے نفس نے تمھیں دھوکے میں ڈال دیا ہے، آؤ محمد (ﷺ) نے ہمیں جو امان دی ہے، اسے قبول کرلیں اور اس کے شہر سے نکل جائیں۔ ابن ابی کی بات کی کوئی اہمیت نہیں، وہ تمھیں ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے تا کہ تم محمد (ﷺ) کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاؤ اور وہ تمھیں چھوڑ کر اپنے گھر میں بیٹھا رہے جیسا کہ اس نے اس سے پہلے اپنے حلیفوں بنوقینقاع کے ساتھ کیا تھا یہاں تک کہ انھوں نے بدعہدی کی اور جنگ کی اور اپنے آپ کو اپنے قلعوں میں بند کرکے عبداللہ بن ابی کی مدد کا انتظار کرتے رہے۔ وہ جا کر اپنے گھر میں بیٹھا رہا۔ محمد (ﷺ) نے ان کا محاصرہ کرلیا یہاں تک کہ انھیں مجبور ہو کر اس کے فیصلے کو ماننا پڑا لیکن اس سب کچھ کو سننے کے بعد بھی حیی بن اخطب اپنے فیصلے پر اڑا رہا۔

[1] الحشر 11:59.

عبداللہ بن ابی نے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ساتھی قبیلے بنو نضیر کی مدد کریں تو کعب بن اسد نے دوٹوک جواب دیا کہ بنو قریظہ کا کوئی شخص عہد شکنی نہیں کرے گا۔

عبداللہ بن ابی بنو قریظہ کی طرف سے کمک آنے کی امید کھو بیٹھا تھا۔ وہ بنو نضیر اور رسول اللہ ﷺ کے مابین فتنہ کھڑا کرنا چاہتا تھا، اس لیے حیی بن اخطب کو مسلسل پیغامات بھیج کر ڈھٹائی پر آمادہ کرلیا۔ ابن مشکم کی نصیحت نے حیی پر کوئی اثر نہ کیا اور حیی نے اس سے کہا: ہم اپنے قلعوں کی مرمت کر کے ان میں قلعہ بند ہو جائیں گے، اپنے جانور قلعوں میں داخل کر کے تمام راستے بند کرلیں گے، اپنے قلعوں میں پتھروں کا ذخیرہ کرلیں گے۔ ہمارے پاس اتنا اناج ہے جو سال بھر ہمارے لیے کافی ہے اور وافر پانی بھی موجود ہے جس کے چشمے خشک ہونے والے نہیں۔ تیرے خیال میں بھلا محمد (ﷺ) پورا سال ہمارا محاصرہ کر سکے گا؟ میں نہیں سمجھتا کہ وہ ایسا کرے۔

سلام بن مشکم نے اسے بڑا زور لگایا کہ اللہ کی قسم! تو جانتا ہے اور ہمیں بھی معلوم ہے کہ بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کی صفات ہماری کتاب میں موجود ہیں۔ ہم اس کی اطاعت صرف حسد کی بنا پر قبول نہیں کرتے کیونکہ وہ آلِ ہارون سے نہیں ہے۔ میری بات مان لو اور ہم اس کا علاقہ چھوڑ جائیں۔ جب پھلوں کے پکنے کا وقت آئے گا تو ہمارے کچھ لوگ آجائیں گے، پھر وہ اپنے پھل بیچ کر یا مناسب حال اپنا کام مکمل کر کے واپس چلے جائیں گے۔ اگر ہم اس بات پر عمل کرلیں تو گویا ہم اپنے علاقے ہی میں ہیں جبکہ ہمارے مال ہمارے قبضے میں ہوں گے کیونکہ اپنی قوم پر اثر و رسوخ اور سیادت و قیادت ہمارے اموال کی بنا پر ہے۔ جب ہمارے ہاتھوں میں ہمارے مال ہی نہیں رہیں گے تو ہمارے اور دوسرے غریب و خوار یہود میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اگر محمد (ﷺ) نے ہماری طرف رخ کرلیا اور ہمارا ایک دن بھی محاصرہ کرلیا، پھر ہم اسے جو بھی پیغام بھیجیں گے، وہ قبول نہیں کرے گا۔ لیکن حیی بن اخطب رسول اللہ ﷺ سے ٹکراؤ کے علاوہ کوئی دوسرا مشورہ تسلیم نہیں کر رہا تھا۔

دیوانے کی بات

بنو نضیر میں ایک بوڑھا شخص ساروک بن ابی الحقیق تھا، وہ لوگ اس کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ اس نے کہا: اے حیی! تو بدبخت اور منحوس آدمی ہے، تو بنو نضیر کو ہلاکت میں ڈالے گا۔ دیوانے کی یہ بات سن کر حیی بن اخطب غضبناک ہوگیا اور کہنے لگا: سارے بنو نضیر میرے خلاف باتیں کر رہے ہیں حتی کہ یہ پاگل بھی میرے خلاف باتیں بنا رہا ہے۔ ساروک کے بھائیوں نے اس کو مارا پیٹا اور حیی کی منت سماجت کی اور اسے یقین دہانی کرائی کہ آپ فکر نہ کریں، ہم ہر بات میں آپ کے پیچھے ہیں۔ آپ جیسے کہیں گے، ہم ویسے ہی کریں گے۔ ہم ہرگز آپ کی مخالفت نہیں کریں گے۔

یہود کا نبوی اطلاع کو مسترد کرنا

حیی پر شیطان مکمل غالب آ چکا تھا۔ اس نے ڈینگ مارتے ہوئے اپنے بھائی جُدیّ بن اخطب کو رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم اپنے گھروں سے نہیں نکلیں گے اور اپنے اموال سے دستبردار نہیں ہوں گے، تم نے جو کرنا ہے کرلو۔ اس نے اپنے بھائی کو یہ بھی حکم دیا کہ محمد (ﷺ) سے فارغ ہو کر عبداللہ بن ابی کے پاس جانا اور اسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کر کے کہنا: اب تم اپنا مدد کرنے کا وعدہ جلدی پورا کرو۔

جدیّ بن اخطب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو اس نے آپ ﷺ کو حیی کا پیغام سنایا۔ آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے حیی بن اخطب کا پیغام سن کر تکبیر بلند کی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بآوازِ بلند اللہ اکبر کہا، آپ ﷺ نے فرمایا:

«حَارَبَتِ الْيَهُودُ»

''یہود جنگ پر تل گئے ہیں۔''

نبی ﷺ کا جنگ کی تیاری کرنا

صرف ذاتِ رسول ﷺ ہی بنونضیر کی مذموم کوششوں کا ہدف نہ تھی بلکہ انھوں نے اسلامی نظام اور مسلمانوں کی قوت کو بھی نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر سے نمٹنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ آپ ﷺ نے جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور کوچ کا اعلان کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس امر کا احسان جتایا کہ اس نے انھیں یہود کے شر سے محفوظ رکھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو جب ایک قوم نے ارادہ کیا تھا کہ تمھاری طرف ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے انھیں تم پر ہاتھ ڈالنے سے روک دیا اور اللہ سے ڈرو اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا کریں۔''[1]

ابنِ جریر طبری نے اس آیت کی شانِ نزول میں بنونضیر والے واقعے کو ترجیح دیتے ہوئے کہا ہے کہ نعمت سے مراد وہ نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بنونضیر کے برے ارادے سے محفوظ رکھنے

[1] المآئدة 11:5.

کے سلسلے میں فرمائی۔

یہودی قاصد ابنِ ابی کے در پر

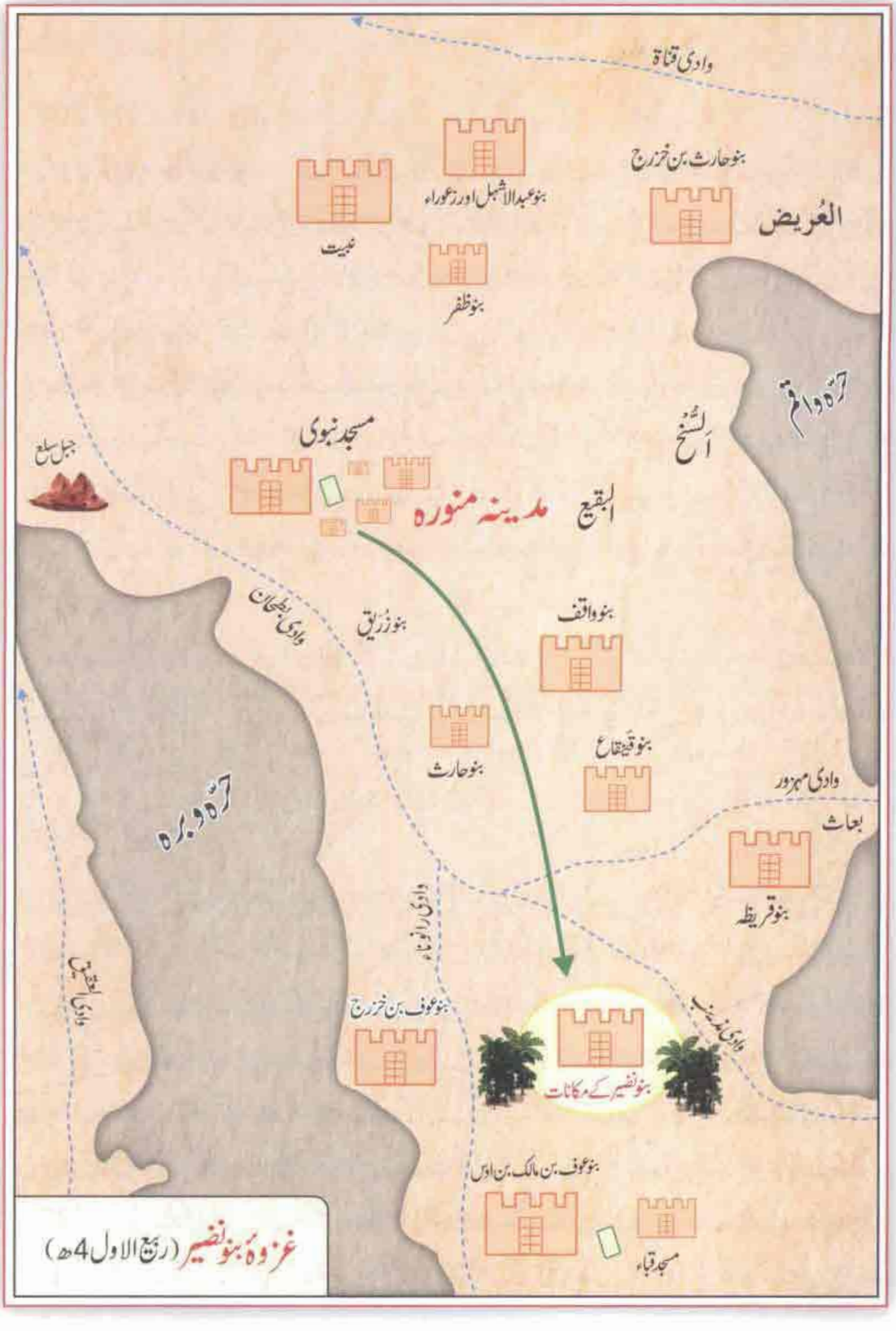
یہودی قاصد جدیّ بن اخطب رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے اٹھا اور عبداللہ بن ابی کے پاس جا پہنچا۔ ابنِ ابی اپنے حلیفوں کے ساتھ مجلس سجائے بیٹھا تھا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر کے خلاف جنگ کی تیاری کا حکم صادر فرما دیا تھا، چنانچہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے صحابیِ رسول عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ اپنے گھر آئے۔ انھوں نے اپنی زرہ پہنی اور اپنی تلوار پکڑ کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

جدی بن اخطب کہتا ہے کہ جب میں نے ابن ابی کو گھر کے ایک جانب بیٹھے پایا اور اس کے بیٹے کو مسلح ہو کر مسلمانوں کی جانب جاتے دیکھا تو میں ابن ابی کی طرف سے تعاون کی امید کھو بیٹھا۔ میں تیزی سے نکلا، حیی کے پاس گیا۔ اس نے پوچھا: کیا صورتِ حال ہے؟ میں نے اسے بتایا کہ شر ہی شر ہے۔ میں نے محمد (ﷺ) کو تمھارا پیغام دیا تو اس نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور کہا: «حَارَبَتِ الْيَهُودُ» ''یہود لڑائی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔'' حیی نے کہا: یہ تو اس کی چال تھی۔

جدی نے کہا: اس کے بعد میں ابنِ ابی کے پاس گیا۔ حیی نے پوچھا: اس نے کیا جواب دیا؟ جدی نے بتایا: مجھے اس میں کوئی بھلائی نظر نہیں آئی۔ اس نے کہا ہے کہ میں اپنے حلیفوں کو پیغام بھیجوں گا، وہ تمھارے ساتھ قلعے میں داخل ہو جائیں گے۔

دیارِ بنونضیر کا محاصرہ

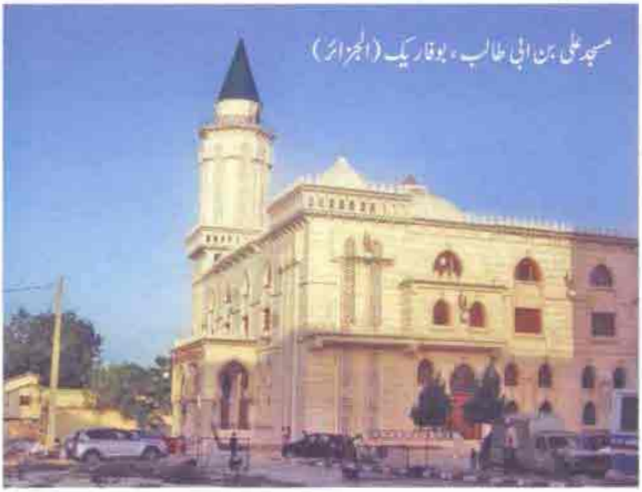
اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے لیے یہ صورت حال نازک تھی کیونکہ ان کے لیے اپنی تاریخ کے اس نازک موڑ پر دشمنوں سے ٹکراؤ کچھ زیادہ مفید و مناسب نہ تھا۔ اس کا انجام خطرناک ہو سکتا تھا۔ سارا عرب مسلمانوں کے خلاف تھا اور ان کے دو تبلیغی وفود بڑی بے دردی سے تہ تیغ کیے جا چکے تھے، پھر بنونضیر کے یہود اتنے طاقتور تھے کہ ان کا ہتھیار ڈالنا آسان نہیں تھا اور ان سے جنگ مول لینے میں طرح طرح کے خدشات تھے مگر بئر معونہ کے المیے سے پہلے اور اس کے بعد کے حالات نے جونئی کروٹ لی تھی، اس کی وجہ سے مسلمان قتل اور بدعہدی جیسے جرائم کے سلسلے میں زیادہ حساس ہو گئے تھے اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کا جذبۂ انتقام فزوں تر ہو گیا تھا، لہٰذا انھوں نے طے کر لیا کہ چونکہ بنونضیر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا پروگرام بنایا تھا، اس لیے ان سے بہر حال لڑنا ہے، خواہ اس کے نتائج کچھ بھی برآمد ہوں، چنانچہ اسلامی لشکر نے پیش قدمی کی۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبداللہ



غزوۂ بنونضیر (ربیع الاول 4ھ)

ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینے کا انتظام سونپا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے علاقے میں جا کر عصر کی نماز پڑھی۔

جب بنونضیر نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو انھوں نے اپنے قلعوں اور گڑھیوں میں پناہ لے لی اور قلعہ بند ہو کر فصیل سے تیر اور پتھر برساتے رہے حتی کہ اندھیرا چھا گیا۔ اسلامی لشکر کے جو سپاہی پیچھے رہ گئے تھے، وہ بھی عشاء کی نماز تک پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد اپنے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔



آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی کمان سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ مسلمانوں نے بنونضیر کا محاصرہ کر رکھا تھا، انھوں نے اسی حالت میں رات گزاری اور صبح تک اللہ اکبر کی آوازیں بلند کرتے رہے۔ فجر کے وقت بلال رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اذان کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دیارِ بنونضیر کی طرف نکل آئے اور بنوخطمہ کے علاقے میں آ کر نماز پڑھی۔

یہودِ بنونضیر کی باہمی چپقلش

بنوقریظہ نے بھی بنونضیر سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، چنانچہ انھوں نے ان کی افرادی قوت مضبوط کرنے کے لیے کمک بھیجی نہ رسد کا سامان بھیجا۔ اگلا دن بھی گزر گیا لیکن عبداللہ بن ابی اور اس کے ہمنواؤں میں سے کوئی ان کے قریب نہیں پھٹکا۔ وہ اپنے گھروں میں بڑے امن و سکون سے بیٹھے تھے۔ بنونضیر ان کی معاونت و نصرت سے مایوس ہو چکے تھے۔ سلّام بن مشکم اور کنانہ بن صوریا نے حُیَی کو طنز کی کہ کہاں ہے ابن ابی کی مدد جس کا تجھے بڑا مان تھا؟ حیی نے کہا: میں کیا کروں؟ یہ مصیبت ہمارے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔

منافقین کی مذمت

بنوعوف بن خزرج سے تعلق رکھنے والے منافقین نے بنونضیر کو بڑی تسلیاں دی تھیں اور ان سے جھوٹے وعدے کیے تھے۔ ان لوگوں میں عبداللہ بن ابی، ودیعہ، مالک بن ابوقوقل، سوید اور داعس سرِ فہرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ ﴾

''(اے نبی!) کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جنھوں نے منافقت کی؟ وہ اپنے ان بھائیوں سے جو اہل کتاب میں سے کافر ہوگئے، کہتے ہیں: یقیناً اگر تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم ضرور تمھارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمھارے معاملے میں کبھی کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اگر وہ (یہود) نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر ان کی مدد کو پہنچے بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔''[1]

منافقین اپنے وعدے میں جھوٹے تھے کیونکہ انھوں نے یہود سے زبانی وعدہ تو کیا تھا مگر ان کی نیت یہ تھی کہ وہ اپنے اس وعدے کو پورا نہیں کریں گے کیونکہ بُزدلی و کم ہمتی کی وجہ سے وہ لشکرِ اسلام کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔

منافقین و یہود کے باہمی برتاؤ کی مثال

یہود اور منافقین بظاہر ایک دوسرے کے حلیف و مددگار تھے لیکن دونوں گروہ دلی طور پر ایک دوسرے سے کوسوں دور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال اس طرح بیان فرمائی:

﴿ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ○ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾

''آپ انھیں اکٹھے سمجھتے ہیں جبکہ ان کے دل جدا جدا ہیں، یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔ (ان کی مثال) ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے پہلے قریب ہی (بدر میں) اپنی بداعمالی کا وبال چکھ چکے ہیں، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ان کی مثال شیطان کی سی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے: بے شک میں تجھ سے بری ہوں۔ بے شک میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ لہٰذا ان دونوں کا انجام یہی ہے کہ بے شک وہ ہمیشہ (دوزخ کی) آگ

[1] الحشر 59:11، 12.

میں رہیں گے اور ظالموں کی سزا یہی ہے۔“ [1]

گویا منافقین کا کردار شیطان کا سا تھا۔ یہود منافقین کے وعدے سے دھوکا کھا گئے، جب حقائق سامنے آئے اور ان کا محاصرہ کر لیا گیا تو منافقین ان سے الگ ہو گئے اور انھیں ہلاکت کے سپرد کر دیا۔ اسی طرح شیطان جب انسان کو کفر پر آمادہ کر کے کفر کرا لیتا ہے تو خود بری الذمہ اور لاتعلق ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

محاصرے میں یہود کے مقتولین

رسول اللہ ﷺ زرہ پہن کر شب و روز بنونضیر کے محاصرے میں مشغول تھے۔ ایک رات سیدنا علی رضی اللہ عنہ عشاء کے وقت کہیں چلے گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے کہا: اللہ کے رسول! علی نظر نہیں آ رہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوهُ فَإِنَّهُ فِي بَعْضِ شَأْنِكُمْ»

”اسے چھوڑو، وہ تمھارے ہی کسی کام گئے ہوں گے۔“

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ عَزْوَک نامی یہودی کا سر قلم کر کے لے آئے۔ اس یہودی نے رسول اللہ ﷺ کے خیمے پر تیر اندازی کی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا سر رسول اللہ ﷺ کے سامنے پھینکتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے رسول! میں اس خبیث کی گھات میں چھپا بیٹھا تھا۔ جب شام کا وقت ہوا تو یہ دھوکے سے ہم پر شب خون مارنا چاہتا تھا۔ یہ اپنے یہودی ساتھیوں کے ہمراہ اپنی تلوار سونتے ہوئے آ رہا تھا تو میں نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے ساتھی بھاگ نکلے، وہ ابھی قریب ہی ہوں گے۔ اگر آپ میرے ساتھ کچھ جانباز بھیج دیں تو مجھے امید ہے، میں ان کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے ابودجانہ اور سہل بن حنیف سمیت دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ بھیجا۔ وہ یہودی ابھی اپنے قلعوں میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ اسلام کے شاہینوں نے انھیں پا لیا اور ان تمام کو قتل کر کے ان کے سر آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے انھیں کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا، چنانچہ ان کے سر بنوخطمہ کے ایک ویران کنویں میں پھینک دیے گئے۔

کھجوروں کے باغات کاٹنے کا حکم

یہودِ بنونضیر اپنے قلعوں کی فصیلوں سے پتھر اور تیر برسا رہے تھے۔ کھجوروں کے باغات ان کے لیے سپر کا کام دے

[1] الحشر 59:14-17۔

رہے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ ذمے داری دو صحابہ کرام ابولیلیٰ مازنی اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کو سونپی گئی۔ ابولیلیٰ مازنی عجوہ کھجوروں کو جلا رہے تھے اور عبداللہ بن سلام لینہ (ہلکی قسم کی کھجوریں) کاٹ کر آگ میں جھونک رہے تھے۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لینہ وہ ردی کھجوریں ہوتی تھیں جو اونٹوں کے چارے میں استعمال کی جاتی تھیں اور یہ عجوہ اور برنی کے سوا کھجوروں کی قسم ہے۔ عجوہ اور برنی لوگ کھانے میں استعمال کرتے تھے۔

سیدنا ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: عجوہ کھجوروں کا جلنا ان (یہود) کے لیے زیادہ تکلیف کا باعث ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ان کے مال غنیمت کے طور پر دے گا اور عجوہ ان (یہود) کا بہترین مال ہے۔

یہود کا احتجاج

بنونضیر نے جب اپنے کھجوروں کے باغات کٹتے اور آگ میں بھسم ہوتے دیکھے تو یہودِ بنونضیر کی عورتیں فرطِ غم سے اپنے گریبان چاک کرنے لگیں، اپنے رخسار پیٹنے لگیں اور انھوں نے واویلا شروع کر دیا۔ ان سے کسی صورت یہ برداشت نہ ہوا کہ ان کے لدے پھندے کھجوروں کے باغات اس طرح آناً فاناً تباہ و برباد ہو جائیں اور ان کی جمع پونجی ضائع ہو جائے۔ یہود مال کے سب سے زیادہ حریص ہوتے ہیں۔ بنونضیر کے یہودی سرداروں نے نبیِ کریم ﷺ کو فوراً پیغام بھیجا کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کی شان بڑی عظمت والی ہے، آپ تو زمین میں فساد سے منع فرماتے ہیں اور فساد برپا کرنے والوں کو نہایت برا سمجھتے ہیں تو اب خود کھجوروں کے باغات جلانے اور کاٹنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں؟

کاٹنے اور جلانے کی اس کارروائی میں یہودیوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے بعض مسلمانوں کے دلوں میں خلجان پیدا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی تائید میں اور یہودیوں کے واویلے کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ○﴾

”تم نے جو بھی کھجور کا درخت کاٹا یا اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو (یہ) اللہ کے حکم سے ہے تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔“ [1]

امام نسائی رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً

[1] الحشر 5:59.

عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ مسلمانوں نے بنونضیر کو ان کے قلعوں سے باہر نکالا اور ان کے کھجوروں کے درخت کاٹنے کا حکم دے دیا گیا تو یہ بات مسلمانوں کے سینوں میں کھٹکی اور انھوں نے کہا کہ ہم نے بعض درختوں کو کاٹ دیا اور بعض کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کریں گے کہ درخت کاٹنے کی وجہ سے بھی ہمیں اجر ملے گا اور جن کو چھوڑ دیا ہے، کیا ان کی وجہ سے ہمیں گناہ ملے گا؟ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ (مذکورہ) آیت کریمہ نازل فرما دی۔[1]

یعنی تم نے کھجوروں کے جن درختوں کو کاٹا اور جن کو چھوڑ دیا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے اذن، مشیت اور تقدیر و رضا کے مطابق تھا، اس میں دشمن کی توہین و تذلیل اور ذلت و رسوائی تھی۔

اسی کی طرف سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے:

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرُ

''بنولؤی (قریش) کے سرداروں کے لیے یہ معمولی بات تھی کہ بویرہ میں چاروں طرف آگ کے شعلے بلند ہوں (بویرہ بنونضیر کے نخلستان کا نام تھا)۔''

یہود کا اپنے آپ کو جھوٹی تسلیاں دینا

جب یہودی عورتوں کی آہ و بکا اور چیخ و پکار بلند ہوئی تو ابو رافع سلام بن ابی الحقیق نے انھیں جھوٹی تسلیاں دیتے ہوئے کہا: کیا ہوگیا ہے اگر یہاں سے عجوہ کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے ہیں، ہمارے لیے خیبر میں عجوہ کے درخت بہت ہیں۔ ان میں سے ایک بوڑھی عورت نے بڑے تعجب سے کہا: خیبر! وہاں بھی یہ تاریخ دہرائی جائے گی۔ سلام نے اسے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے دانت گرائے۔ خیبر میں ہمارے دس ہزار جنگجو حلیف ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ مسکرا پڑے۔

تدبیر کے شاطر مات کھا گئے

محاصرے نے کچھ زیادہ طول نہیں پکڑا تھا بلکہ صرف چھ رات یا بقول بعض پندرہ رات جاری رہا۔ بنونضیر کی مدد کو کوئی نہ آیا۔ ابن ابی اپنے عیش کدے میں آرام کر رہا تھا اور ان کے غطفانی حلیف اپنی موج مستیوں میں مگن تھے۔

[1] السنن الكبرٰى للنسائي :483/6، حديث :11574، جامع الترمذي :3303، الروض الأنف :388/3، تفسير ابن كثير، الحشر 5:59.

ادھر مسلمانوں نے یہود کے درختوں کو کاٹ جلا کر انھیں مزید گھبراہٹ میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب بھر دیا۔ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ سے نکلنے کو تیار ہیں۔ آپ ہمیں پر امن جلا وطنی کا موقع دیں۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور حکم دیا:

«أُخْرُجُوا مِنْهَا وَلَكُمْ دِمَائُكُمْ وَمَا حَمَلَتِ الْإِبِلُ إِلَّا الْحَلْقَةَ»

''مدینہ سے نکل جاؤ، تمھاری جانیں محفوظ رہیں گی۔ تمھارے اونٹ جو سامان اٹھا سکیں، وہ بھی لے جاؤ، سوائے اسلحہ کے۔''

جلاوطنی کی شرائط

بنو نضیر کے ساتھ جلا وطنی کی مندرجہ ذیل شرائط طے کی گئیں:

- بنو نضیر کے یہود مدینہ منورہ کے علاقے سے جہاں چاہیں، کوچ کر جائیں۔
- یہود مدینہ منورہ سے جلا وطن ہونے کے وقت مکمل طور پر بغیر ہتھیار ہوں گے۔
- ہتھیاروں کے سوا یہود جس قدر اپنے اموال اپنے اونٹوں پر لے جا سکتے ہوں، وہ لے جائیں۔
- یہود کے مقدور بھر اموال اٹھا لینے کے بعد ان کے جو منقولہ وغیر منقولہ اموال بچ جائیں گے، وہ مسلمانوں کی ملکیت ہوں گے۔

جلاوطنی کے نگران اور یہود کے عذر بہانے

بنو نضیر کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کرنے کی ذمے داری سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ اس وقت یہود نے ایک اور عذر کیا کہ یہاں کے بہت سے لوگ ہمارے مقروض ہیں۔ وہ قرض انھیں مقرر مدت کے بعد ادا کرنا ہے، ان کا کیا بنے گا؟ ان کا مقصد تھا کہ ہمیں مدینہ میں ٹھہرنے کا مزید موقع مل جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

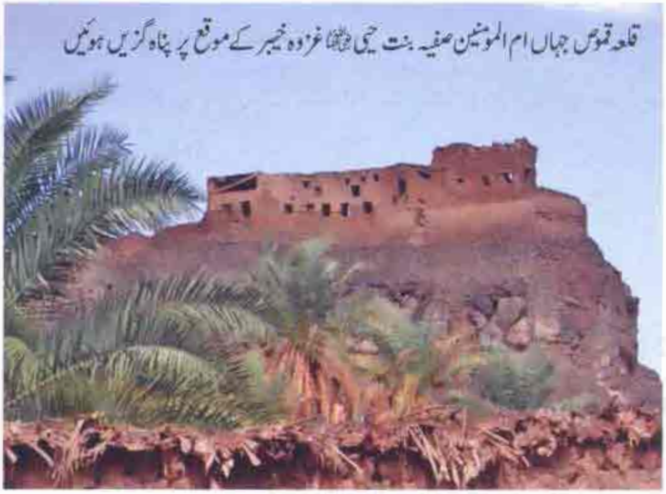
«تَعَجَّلُوا وَضَعُوا»

''تم (سود ختم کر کے) قرضے کی رقم کم کر دو اور جلدی کرو۔''

ابورافع سلام بن ابی الحقیق نے سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے ایک سو بیس دینار لینے تھے، چنانچہ اس نے 40 دینار سود ختم کر کے اصل زر اسی (80) دینار وصول کر لیے۔

بنونضیر میں سے دو شخص مسلمان ہو گئے

جب نبیِ کریم ﷺ نے جلاوطنی کی شرائط عائد کیں تو ابورافع سلام بن ابی الحقیق نے حیی بن اخطب سے کہا: تیرا ناس ہو! اسلام قبول کرلے، اس سے پہلے کہ اس سے بھی بدتر انجام بھگتنا پڑے۔ حیی نے کہا: اس سے بدتر انجام کیا ہوسکتا ہے؟ ابورافع نے کہا: ہمارے بال بچوں کو قید کرلیا جائے گا۔ ہمارے بہادر قتل ہوں گے اور ہمارے اموال مسلمانوں کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ آج مال چھوڑ کر جانیں بچانا آسان ہے۔ اگر ہم



قلعہ قموص جہاں ام المومنین صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا غزوہ خیبر کے موقع پر پناہ گزیں ہوئیں

نے کوئی فتنہ کھڑا کیا تو اس کا انجام قتل اور قید ہی ہوگا۔ حیی ایک دو دن اس فیصلے پر سوچتا رہا۔

جب یامین بن عمیر اور ابوسعد بن وہب نے ان کی یہ کشمکش دیکھی تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: بلاشبہ تمھیں پتہ ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ ہم مسلمان ہو جائیں؟ اس طرح ہمارے مال اور جانیں محفوظ ہو جائیں گی، چنانچہ وہ رات کی تاریکی میں اپنے قلعوں سے نکلے اور اسلامی عسکر گاہ میں آگئے۔ انھوں نے اسلام قبول کر کے اپنے جان و مال محفوظ کر لیے۔

عمرو بن جحاش کا قتل

جب بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے یامین بن عمیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَمْ تَرَ مَا لَقِيتُ مِنِ ابْنِ عَمِّكَ وَمَا هَمَّ بِهِ مِنْ شَأْنِي؟»

”تم نے دیکھا نہیں کہ مجھے تمھارے چچا کے بیٹے کی طرف سے کس قدر تکلیف پہنچی ہے اور اس نے میرے بارے میں کیا ارادہ کیا تھا؟“

یامین نے جواب دیا: اللہ کے رسول! میں آپ کی طرف سے اسے کافی ہو جاؤں گا، چنانچہ انھوں نے بنوقیس سے ایک کرائے کا قاتل لیا اور اسے دس دینار اور ایک روایت کے مطابق پانچ وسق (تقریباً 20 من) کھجوریں دیں اور اس کو عمرو بن جحاش کے قتل کی ذمہ داری سونپی۔ اس شخص نے موقع پا کر عمرو بن جحاش کو قتل کر دیا۔ یامین بن

عمیر رضی اللہ عنہ نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے قتل کی خوشخبری دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

جلاوطنی کی تکمیل کیسے ہوئی؟

جلاوطنی کے اس فیصلے کے نتیجے میں بنونضیر کے یہودی مدینہ منورہ سے جلاوطن ہونے لگے اور وہ اپنی طاقت کے مطابق جو کچھ اونٹوں پر لاد سکتے تھے، لادنے لگے حتی کہ ان میں سے ایک شخص اپنے گھر کے دروازے کی چوکھٹ اکھیڑتا اور اسے اپنے اونٹ کی پیٹھ پر رکھتا اور اپنے بیوی بچے اونٹ پر سوار کر کے نکل بھاگتا۔

بنونضیر کے یہود سب سے زیادہ مالدار تھے اور انھوں نے ان اموال کے چھ سو اونٹ لادے جنھیں وہ اٹھا سکتے تھے اور وہ اس مال کو اٹھانے کے لیے اس چیز کو منتخب کرتے تھے جس کا بوجھ کم ہو اور قیمت زیادہ ہو۔ یہود سونا چاندی جمع کرنے کے بہت حریص تھے۔ انھوں نے اپنے سونے چاندی کی بڑی مقدار اٹھالی حتی کہ اکیلے سلام بن ابی الحقیق نے اپنے ساتھ بیل کے چمڑے سے بنا بورا اٹھا لیا جو سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا اور وہ مدینہ سے نکلتے وقت سونے چاندی سے بھرپور چمڑے کے بورے پر ہاتھ مارتا اور مسلمانوں پر دھمکی آمیز غصہ جھاڑتے ہوئے کہتا تھا: ہم نے اسے زمین کو زیر و زبر کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔

اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا منظر

یہود کے لیے مال و زر لے جانا جتنا ممکن تھا، انھوں نے اسے لے جانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ جو چیز وہ ساتھ نہیں لے جاسکتے تھے، اسے خراب کر دیا تاکہ مسلمان اس سے استفادہ نہ کرسکیں۔ یہود مدینہ کو چھوڑتے وقت اپنے گھروں کی چھتوں، ستونوں اور دیواروں کو توڑتے تھے تاکہ وہ مسلمانوں کے کام نہ آسکیں، اپنے گھروں کی تباہی اپنے ہاتھوں سے کر کے وہ چلتے بنے اور جو چیز ان کے گھروں سے باہر تھی، اسے مسلمانوں نے کاٹ کر جلا دیا تھا۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۝﴾

”وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اجاڑتے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی، پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔“ [1]

جلاوطنی کے وقت یہود کا مظاہرہ

بنونضیر جلاوطنی کے وقت بظاہر بڑے خوش نظر آ رہے تھے جبکہ ان کے سینے آتشدان بنے ہوئے تھے جن سے کسی

[1] الحشر 2:59.

بھی وقت آگ کے الاؤ بھڑک اٹھتے۔ مدینہ چھوڑتے وقت انھوں نے بڑی دھوم دھام کا مظاہرہ کیا تاکہ مسلمان خوش نہ ہوں۔ انھوں نے مدینہ منورہ کو اچھلتے کودتے چھوڑا۔ انھوں نے اپنی عورتوں کو ہودجوں پر آراستہ کر کے سوار کیا۔ وہ دیباج وحریر اور سرخ وسبز ریشم اور سونے چاندی کے زیورات پہنے ہوئے تھیں اور ان کے ساتھ گلوکارائیں بھی تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور گیت گا رہی تھیں۔ وہ قطار در قطار روانہ ہو رہے تھے۔

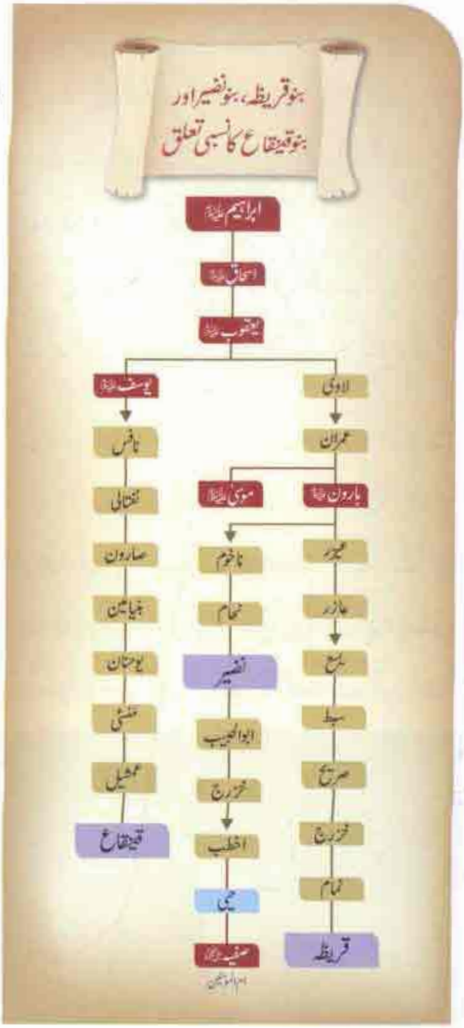
ربیع الاول 4 ھ/625ء میں اسلام کا یہ مقدس مرکز اس خبیث دشمن سے پاک ہوگیا جس کی فطرت میں اسلام کی عداوت، عہد شکنی، وعدہ خلافی اور شیطانی منصوبہ سازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ پیچھے بنوقریظہ رہ گئے تھے جو شوال 5 ھ/ فروری 627ء میں اپنے انجام کو پہنچے۔

بنو نضیر کی نئی جائے سکونت

بنو نضیر کو جب جلاوطنی کا حکم ہوا تو ان کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ سارے جزیرہ نمائے عرب سے نکل جائیں بلکہ ضروری یہ تھا کہ وہ مدینہ منورہ سے نکل جائیں اور اس کے سوا جہاں چاہیں آباد ہو جائیں، چنانچہ ان میں سے کچھ تو شام کے علاقے اذرعات کی طرف چلے گئے اور اکثر نے خیبر کا رخ کیا۔ خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً 96 میل (155 کلومیٹر) دور ہے اور یہ جزیرہ نمائے عرب میں پناہ گزین یہودیوں کا اتنا بڑا مرکز تھا کہ اس میں مسلح جنگجوؤں کی تعداد دس ہزار تھی۔ علاوہ ازیں وہاں یہودیوں کے بہت سے قلعے بھی تھے اور یہ علاقہ زرعی دولت سے مالا مال تھا۔


رومی تھیٹر کے آثار، درعا (اذرعات)، شام

جزیرہ نمائے عرب کے تمام یہودی بنو نضیر کی سیادت وقیادت کے قائل تھے کیونکہ یہ اپنے آپ کو سیدنا ہارون علیہ السلام کی نسل قرار دیتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ شاطر ذہنیت کے مالک تھے، چنانچہ جب بنو نضیر کے یہود خیبر چلے گئے تو وہاں یہود کی طاقت و قوت میں مزید اضافہ ہوگیا۔



ان میں بنونضیر کے اکابر حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع جیسے لوگ بھی تھے۔ خیبر کے یہودی جنگی صلاحیت و مہارت میں ممتاز اور فائق تھے لیکن بنونضیر کے یہودی جنگ کی نسبت سیاسی بصیرت میں آگے تھے۔ خیبر میں قدم رکھتے ہی انھوں نے بڑی سہولت کے ساتھ اپنے آپ کو سیادت و قیادت کے منصب پر فائز کرلیا اور اس کے نتیجے میں خیبر مسلمانوں کے لیے بڑا جنگی محاذ بن گیا۔

اسلام میں زبردستی نہیں

بنونضیر میں انصار کے کچھ بیٹے تھے جو یہود کے زیر تربیت رہ کر یہودیت اختیار کرچکے تھے، اس لیے وہ بھی بنونضیر کے ساتھ جلا وطن ہوگئے۔ امام ابوداود سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ کسی عورت کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی تو وہ نذر مان لیتی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی۔ جب بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا تو ان میں انصار کے کئی بیٹے تھے۔ انصار نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کو نہیں جانے دیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۗ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (البقرۃ 2:256)

”دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت، گمراہی سے واضح ہوچکی ہے، پھر جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“[1]

[1] سنن أبي داود: 2682.

بنونضیر سے حاصل ہونے والا مال

بنونضیر کے چلے جانے کے بعد ان کے اموال، ان کا اسلحہ، باغات، زمینیں اور مکانات رسول اللہ ﷺ نے اپنے قبضے میں لے لیے۔ ہتھیاروں میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔

مال فے اور اس کی تقسیم

بنونضیر کے یہ باغات، زمینیں اور مکانات خالص رسول اللہ ﷺ کا حق تھا۔ آپ ﷺ کو اختیار تھا کہ آپ ان میں اپنی مرضی سے تصرف فرمائیں، اپنے لیے محفوظ رکھیں یا جس کو چاہیں عنایت کریں۔ آپ ﷺ نے مالِ غنیمت کی طرح اس کا خمس نہیں نکالا کیونکہ یہ مالِ فے تھا۔ مال فے سے مراد ہر وہ مال ہے جو کفار سے لڑائی بھڑائی اور اونٹ گھوڑے دوڑائے بغیر حاصل کیا جائے جیسا کہ بنونضیر سے لیے گئے یہ اموال تھے۔ ان کے سلسلے میں مسلمانوں نے دشمنوں سے لڑائی نہیں کی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے دلوں میں اپنے رسول ﷺ کی ہیبت اور رعب ڈال دیا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کا مال دلوایا۔ آپ ﷺ نے ان اموال کو مسلمانوں میں تقسیم فرمایا تاکہ وہ انھیں نیکی کے امور میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

”اور اللہ نے ان (بنونضیر) سے اپنے رسول کی طرف جو (مال) لوٹایا تو اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اسے مغلوب نہیں کیا جا سکتا، نہ اس کے حکم کو ٹالا جا سکتا ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر سے حاصل ہونے والے مال مہاجرین میں تقسیم فرما دیے، انصار کو اس میں سے کچھ نہ دیا۔ آپ ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ سے کہا:

«اُدْعُ لِي قَوْمَكَ»

”میرے لیے اپنی قوم کو اکٹھا کرو۔“

انھوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! بنوخزرج کو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] الحشر 6:59.

«اَلْأَنْصَارَ كُلَّهَا»

''(نہیں) تمام انصار کو۔''

سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے سارے اوس وخزرج کو اکٹھا کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے خطاب فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر انصار کے مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کا تذکرہ فرمایا اور مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دینے کو بہت سراہا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ أَحْبَبْتُمْ قَسَمْتُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنْ بَنِي النَّضِيرِ، وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ عَلٰى مَا هُمْ عَلَيْهِ مِنَ السُّكْنٰى فِي مَسَاكِنِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَإِنْ أَحْبَبْتُمْ أَعْطَيْتُهُمْ وَخَرَجُوا مِنْ دُورِكُمْ»

''اگر تم چاہو تو میں یہ مال جو اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر سے میری طرف لوٹایا ہے، اس کو تمھارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دوں۔ مہاجرین حسب سابق تمھارے مکان اور تمھارے اموال استعمال کرتے رہیں۔ اور اگر تم چاہو تو میں یہ مال ان کو دے دوں اور وہ تمھارے گھروں سے الگ ہو جائیں۔''

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! آپ یہ مال مہاجرین میں تقسیم فرما دیں اور وہ معمول کے مطابق ہمارے گھروں ہی میں رہیں۔ اس پر تمام انصار نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کے رسول! ہم راضی ہیں اور ہمیں یہ فیصلہ منظور ہے۔ آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور انھیں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! ارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَأَبْنَاءَ الْأَنْصَارِ»

''اے اللہ! انصار اور ان کی اولادوں پر رحم فرما۔''

رسول اللہ ﷺ نے وہ اموال مہاجرین میں تقسیم فرما دیے۔

آپ نے انصار میں سے صرف دو آدمیوں کو فقر وتنگ دستی کی وجہ سے مال عنایت فرمایا۔ ان کے نام ابودجانہ سماک بن خرشہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے اس میں سے کچھ مال اپنے پاس رکھ لیا جس میں سے آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے سال بھر کا خرچہ نکالتے۔ غریبوں میں تقسیم کرتے اور جو بچ جاتا، اس کو جہاد کی تیاری میں صرف کرتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے اموال اپنے رسول ﷺ کو دلوائے تھے اور مسلمانوں نے

ان پر اونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے تھے۔ یہ اموال رسول اللہ ﷺ ہی کے لیے خاص تھے۔ آپ ﷺ انھی اموال میں سے اپنے اہل و عیال کو سال بھر کا خرچہ، ایک روایت کے مطابق سال بھر کی خوراک، دے دیتے تھے اور جو اموال بچ جاتے تھے، انھیں اللہ کے رستے میں جہاد کرنے کے لیے جانور اور ہتھیار خریدنے کے لیے صرف کر دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر کے باغات پر اپنے آزاد کردہ غلام ابورافع کو مقرر کیا۔ آپ ﷺ ان باغات اور مخیریق کے باغ سے غریبوں میں صدقات کی تقسیم فرماتے۔ یہ سات باغ تھے جن کے نام یہ ہیں: میثب، صافیہ، دلال، حُسنٰی، بُرقہ، اعواف اور مشربہ اُمِ ابراہیم جس میں آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں اور آپ ﷺ ان کے پاس حسبِ معمول آتے تھے۔

بنونضیر کی جلاوطنی سے منافقین کو دکھ



مشربہ ام ابراہیم کا مقام (مدینہ منورہ)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بنونضیر کی جلاوطنی سے منافقین کو بہت دکھ ہوا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں ان کے دست و بازو تھے۔ جس روز بنونضیر جلا وطن ہوئے، اس روز میں زید بن رفاعہ بن تابوت سے ملا۔ وہ عبداللہ بن ابی کے ساتھ بنوغنم کے حوالے سے بات چیت کر رہا تھا اور یہ بھی کہہ رہا تھا: بنونضیر کے چلے جانے سے مدینہ وحشت ناک ہوگیا ہے۔ لیکن اگر وہ یہاں سے چلے گئے ہیں تو کوئی بات نہیں، وہ اپنے صاحبِ ثروت اور معزز حلیفوں کے پاس گئے ہیں جہاں پہاڑوں کی بلندیوں پر آسمان سے باتیں کرتے ہوئے مضبوط قلعے ہیں۔ وہ اس طرح باتیں کرتے رہے۔ میں کچھ دیر کھڑا ان کی یاوہ گوئیاں سنتا رہا۔ وہ دونوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کرنے والے تھے۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 1/308-320، البداية والنهاية: 4/76-82، السيرة لابن هشام: 3/199-204، فتح الباري: 7/412-417، دلائل النبوة للبيهقي: 3/176-186، تاريخ الطبري: 2/223-226، السيرة النبوية للصلابي: 2/184-190، زاد المعاد: 3/246-249، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1/402-412.

سورۂ حشر کے تناظر میں غزوۂ بنونضیر

سورۂ حشر تمام کی تمام واقعۂ بنونضیر پر مشتمل ہے۔ حبرُ الأمہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو اس سورت کو سورۂ بنی نضیر کہا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا سعید بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے رو برو کہا: ''سورۃ الحشر۔'' انھوں نے کہا: بلکہ تم اس سورت کو ''سورۂ بنی نضیر'' کہو۔ [1]

سورۂ حشر نے غزوہ بنونضیر کے تمام متعلقہ امور واضح کر دیے ہیں اور بڑی تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ اور مالِ فے کے احکام و مصارف بھی ذکر کیے ہیں۔ یہود سے منافقین کا تعلق واضح کیا ہے۔ یہود کے نفسیاتی حقائق طشت ازبام کیے ہیں۔ یہود سے منافقین کے گہرے تعلق کو مثال دے کر نمایاں کیا ہے۔ جنگ سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے تقویٰ اختیار کرنے اور نافرمانی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بلند شان اور اپنے لائق بعض بلند و بالا صفات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۂ حشر پر غور کرنے سے کئی ایک حکمتیں اور عبرتیں سامنے آتی ہیں اور بنونضیر کی سازشیں اور اسلام دشمنی نمایاں ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بزرگی کا تذکرہ

سورت کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی تعریف سے ہوتی ہے اور یہ کہ تمام مخلوقات جن، انسان، حیوان، نباتات اور جمادات اللہ تعالیٰ کی تعریف اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت اور بزرگی کے شاہد ہیں اور اس کی عظمت کے گن گاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

''اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور وہی غالب ہے، خوب حکمت والا ہے۔'' [2]

ابتدا ہی میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے، وہ کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کرتا اور بغیر مصلحت کے کوئی حکم جاری نہیں کرتا۔ اس کا بنونضیر کے خلاف اپنے پیغمبر کی مدد کرنا بھی حکمت ہی کا تقاضا تھا۔ جب

[1] صحيح البخاري :4029. [2] الحشر 1:59.

بنونضیر نے بدعہدی کی تو انھیں ان کے محبوب گھروں سے نکال باہر کیا گیا۔ [1]

اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے

اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کو ان کے مضبوط قلعوں سے باہر نکال دیا۔ وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ ان کے مضبوط قلعے ان کو تحفظ فراہم کریں گے، مگر ان کی کوئی امید بر نہ آئی اور وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی ویرانی کر کے نکل بھاگے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝﴾

”وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو پہلے اکٹھ کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تم نے کبھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ وہ (مدینہ سے) نکلیں گے اور انھوں نے سمجھا تھا کہ بے شک ان کے قلعے انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے، پھر ان پر اللہ (کا عذاب) آیا جہاں سے انھوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اجاڑتے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی، پس اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو۔“ [2]

یعنی ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا ایسا حکم آ گیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا:

﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (النحل 16:26)

”ان سے پہلے لوگوں نے بھی یقیناً ایسی ہی مکاریاں کی تھیں تو اللہ (کا حکم) ان کی عمارتوں کی بنیادوں پر آ پہنچا، پھر ان پر چھت ان کے اوپر سے گر پڑی اور (اس طرف سے) ان پر عذاب آ واقع ہوا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا۔“ [3]

اقبال اور زوال کے اصل اسباب و عوامل

سورۂ حشر کی دوسری آیت پر غور و فکر سے پتہ چلتا ہے کہ یہود بنونضیر کو ان کے گھروں سے مقامِ محشر (شام) کی

[1] تفسیر السعدي، الحشر 1:59۔ [2] الحشر 2:59۔ [3] تفسیر ابن کثیر، الحشر 2:29۔

طرف نکالنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، حالانکہ بنونضیر کے پاس تمام مادی وسائل موجود تھے، انھیں اپنے مضبوط قلعوں پر اندھا یقین تھا، وہ اس نشے میں تھے کہ کوئی مائی کا لال انھیں ان کے قلعوں سے نہیں نکال سکتا۔ لیکن قادرِ مطلق نے ایسے زبردست طریقے سے ان کی گرفت فرمائی کہ وہ ہکا بکا رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ یہ کچھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا اس قدر رعب ڈال دیا کہ ان کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ اپنے گھر خود ویران کرنے لگے۔ بنونضیر کی اس جلاوطنی میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں چمک رہی ہیں اور قرآن کریم میں اقبال و زوال کی وجوہ کے طور پر جابجا نمایاں ہیں۔

قرآن کریم کا اسلوب ''کلام الملوک ملوک الکلام'' کے مصداق یکسر جداگانہ ہے۔ بھلا اس اسلوب تک عام مؤرخوں اور سیرت نگاروں کی رسائی کہاں؟ قرآن کریم اصل حقائق اجاگر کرتا ہے اور حالات و حوادث کے مخفی امور کی طرف انگشت نمائی کر دیتا ہے۔ قرآن نے صاف بتلا دیا ہے کہ حالات و حوادث کا اصل خالق اللہ رب العزت ہے جو افراد اور اقوام قوانینِ قدرت سے بغاوت کرتے ہیں، ان کا مقدر ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔ یہود اللہ کے باغی تھے۔ حق و صداقت کے دشمن تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا چراغ زندگی صرف اس لیے بجھا دینے کے درپے تھے کہ آپ ﷺ لوگوں کو ظلمت سے نور کی طرف اور گمراہی سے ہدایت کی طرف کیوں بلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کی دربدری کی شکل میں ہمیشہ کے لیے بتلا دیا کہ ان کی رسوائی انھی کے کیے دھرے کی سزا ہے۔

حالات کی تبدیلی اعمال کی تبدیلی پر موقوف ہے۔ اصلاح احوال کی تنہا صورت یہی ہے کہ اللہ کی ذاتِ عالی پر ایمان محکم بنایا جائے۔ اور رسالت مآب ﷺ کی سنت کے مطابق اعمالِ صالحہ انجام دیے جائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمام مصائب و مکروہات دور فرما دیتا ہے اور زبوں حالی کی جگہ کامیابی اور سرفرازی کا تاج پہنا دیتا ہے۔ غزوہ بنونضیر کا اصل سبق یہی ہے۔

رجوع الی اللہ مدد کا انتہائی قریبی اور یقینی راستہ ہے

غزوۂ بنونضیر ہر دور میں امت کے لیے ایک سبق لیے ہوئے ہے کہ مدد کا رستہ انتہائی قریب ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اسی پر اعتماد، اس کے احکام کو تسلیم کرنا اور اس کے حق کو قبول کرنا۔ مومن جب یہ بات جان لیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد فرمائے گا، خواہ ان کا دشمن کتنا ہی قوی اور تعداد میں زیادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو تو کوئی چیز ہرا نہیں سکتی۔ اس کا ثبوت بنونضیر کی وطن بدری ہے۔ عقل مند وہی ہے جو غیر سے عبرت حاصل کرے۔ [1]

[1] حدیث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ، ص: 271,270.

دشمن کی مملوکہ اشیاء کو تباہ کرنا

رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے ہمراہ بنونضیر کی بستی میں پہنچ کر ان کا محاصرہ کرلیا۔ وہ قلعہ بند ہوگئے، تب آپ ﷺ نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹنے اور نذرِ آتش کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے آوازیں دیں: اے محمد! آپ تو فساد سے منع کرتے تھے اور فسادی کو معیوب سمجھتے تھے، یہ درختوں کو کاٹنا اور جلانا کیسا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝﴾

”تم نے جو بھی کھجور کا درخت کاٹا یا اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو (یہ) اللہ کے حکم سے ہے تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔“ [1]

الشیخ ابوزہرہ نے اس آیت کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔ فقہاء کی آراء ذکر کرنے کے بعد انھوں نے لکھا ہے: اصل تو یہ ہے کہ دورانِ جنگ درختوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ عمارتوں کو خراب کیا جائے۔ جنگ کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ عوام کو ظالم حکمرانوں سے نجات دلائی جائے۔ متعدد آیات واحادیث سے یہی چیز واضح ہوتی ہے۔ لیکن جب درخت کاٹنا اور عمارتیں گرانا جنگی ضرورت بن جائے، مثلاً: دشمن ان کے پیچھے چھپا ہو اور اسلامی لشکر کو ایذا رسانی کے لیے انھیں آڑ کے طور پر استعمال کر رہا ہو تو ایسی صورتِ حال میں درختوں کے کاٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس صورت حال میں یہ فعل جنگی ضرورت بن چکا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر اور ثقیف کے محاصرے میں یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔

جن فقہاء نے عمارتیں گرانے یا درخت اکھاڑنے کی اجازت دی ہے، ان کے قول کو جنگی ضرورت پر محمول کیا جائے گا۔ اس کی بنیاد محض دشمن کو تکلیف دینا یا فساد نہیں ہے۔ دشمن عوام نہیں بلکہ صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو جنگ کے لیے ہتھیار اٹھائے ہوئے ہوں۔ [2]

مالِ فَے

مالِ فے سے مراد وہ مال ہے جو کفار سے جنگ کیے بغیر محض رعب و ہیبت کی بنا پر حاصل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے اموال اپنے رسول ﷺ کو دیے تھے۔ بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد مسلمانوں نے جو اموال قبضے میں

[1] الحشر 5:59. [2] خاتم النبیین لأبي زهرة: 2/265-269.

لیے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم واضح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''اور اللہ نے ان سے اپنے رسول کی طرف جو (مال) لوٹایا تو اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے، غلبہ دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ سخت جنگ لڑے بغیر بنونضیر سے حاصل شدہ اموال محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں۔ مسلمان دشمن کی طرف بڑھے تو تھے مگر نہ گھوڑوں پر سوار ہوئے، نہ اونٹ استعمال کیے۔ مسلمانوں نے بغیر جنگ کے انھیں مغلوب کرلیا اور جلاوطن کر کے اموالِ غنیمت قبضے میں لے لیے اور جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا، رسول اللہ ﷺ نے یہ مال صرف کیا۔

مالِ فے کے مصارف

بنونضیر سے حاصل ہونے والا مالِ فے رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اللہ کے بیان کردہ مصارف میں خرچ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مالِ فے کے مصارف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾

''اللہ اپنے رسول کی طرف بستیوں والوں (کے مال) سے جو کچھ لوٹا دے، تو وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور (ان کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ (مال) تمھارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔''[2]

مالِ فے سے مہاجرین کی خود انحصاری

رسول اللہ ﷺ نے انصار کو جمع کر کے ان کو اعتماد میں لیا اور ان سے رائے لے کر آپ ﷺ نے بنونضیر سے حاصل ہونے والا مال مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔ صرف دو محتاج و تنگ دست انصاری صحابہ ابودجانہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کو اس مال سے عطا فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے انصار کی رائے لی تاکہ اموال کی تقسیم کے متعلق ان کے دل مطمئن رہیں۔ سیاسی امور کے

[1] الحشر 6:59. [2] الحشر 7:59.

سلسلے میں آپ ﷺ کا یہی عمدہ طرزِ عمل تھا۔ اس تقسیم کا مقصد یہ تھا کہ انصار کے بوجھ کو کم کیا جائے، چنانچہ مہاجرین بنونضیر کے گھروں میں جا بسے اور انصار کے گھر مالکوں کو واپس کر دیے گئے۔ بعض مہاجرین نے اپنے آپ کو غنی سمجھتے ہوئے اس میں سے حصہ نہ لیا۔ گویا مہاجرین کے معاشی حالات میں بتدریج بہتری آ رہی تھی۔ [1]

نئی مالی پالیسی کا نفاذ

بنونضیر کے اموال کی تقسیم نے اسلامی حکومت کی مالی پالیسی میں اچھے اور مستحسن اقدام کا اضافہ کیا۔ اس سے پہلے جنگی غنیمتیں قرآن کے متعین کردہ خمس کے علاوہ صرف مجاہدین میں تقسیم ہوتی تھیں لیکن بنونضیر کے اس غزوے کے بعد غنائم کے متعلق نئی مالی پالیسی کا اضافہ ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگی غنیمتیں دو اقسام کی ہو گئیں:

- وہ مالِ غنیمت جو مجاہدین نے تلوار کے زور پر حاصل کیا تھا، خمس کے سوا سارے کا سارا مجاہدین میں تقسیم ہونا قرار پایا۔
- وہ غنائم جو اللہ تعالیٰ نے بغیر جنگ کے مجاہدین کے ہاتھ میں دی تھیں، اس قسم کے مال کا مکمل اختیار اسلامی حکومت کے سربراہ کو حاصل ہے کہ وہ مصلحت کے پیشِ نظر جہاں چاہے، خرچ کرے۔ چاہے تو ملک کی اقتصادی حالت بہتر کرنے کے لیے خرچ کرے یا فقراء کو غربت کی دلدل سے نکالنے، اسلحہ خریدنے، نئے شہر آباد کرنے یا راستے درست کرنے پر خرچ کرے۔ مقصد یہ ہے کہ حاکم وقت کے پاس خاص بجٹ موجود ہے جو وہ خاص مصلحت کے تحت فی الفور خرچ کر سکتا ہے۔

مالِ فے کے مستحق مہاجرین و انصار کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے مالِ فے کے مستحق فقراء کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيٰرِهِمْ وَاَمْوٰلِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾

”(مالِ فے) ان مہاجر فقراء کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکالے گئے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔“ [2]

ان لوگوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اپنی قوم کی مخالفت مول لے لی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی بات کو اپنے عمل سے سچ ثابت کر دکھایا۔ یہ سادات مہاجرین ہیں۔ پھر انصار کی

[1] السيرة النبوية للصلابي: 195/2. [2] الحشر 8:59.

مدح و ستائش، ان کے فضل و شرف، کرم، عدمِ حسد اور ضرورت کے باوجود ایثار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

''(اور ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنالیا تھا اور ان (مہاجرین) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے اور وہ اپنے دلوں میں اس مال کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو۔ اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچالیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''میں اپنے بعد والے خلیفہ کو مہاجرین اولین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے حق کو جانے اور ان کے فضل و شرف کی حفاظت کرے، نیز ان انصار کے بارے میں بھی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جو مہاجرین سے پہلے ہجرت کے گھر (مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے، کہ ان کے نیکوکار کی بات کو قبول کرے اور غلطی کرنے والے سے درگزر کرے۔'' [2]

مہاجرین و انصار میں ایثار و محبت کے رشتے

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مہاجرین نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ لوگ جن کے پاس ہم آئے ہیں، ہم نے مال کی قلت کے باوجود ان سے بڑھ کر دل جوئی کرنے والے اور کثرتِ مال کی صورت میں ان سے زیادہ بہتر خرچ کرنے والے نہیں دیکھے۔ انھوں نے ہمیں ضرورت سے بے نیاز کر دیا اور کام کاج میں اپنے ساتھ شریک کرلیا حتی کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ سارا اجر و ثواب یہ لوگ لے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا، مَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ وَدَعَوْتُمُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ»

''نہیں، جب تک تم ان کی ستائش کرتے رہو گے اور ان کے لیے اللہ عز و جل سے دعا کرتے رہو گے (تم اجر و ثواب سے محروم نہیں رہو گے)۔'' [3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف پیغام بھیجا مگر

[1] الحشر 59:9. [2] صحيح البخاري: 4888. [3] مسند أحمد: 3/200,201.

ان میں سے کسی سے بھی کھانے کی کوئی چیز نہ ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا رَجُلٌ يُضَيِّفُهُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ، يَرْحَمُهُ اللّٰهُ؟»

''کوئی شخص ہے جو آج رات اس کی مہمان نوازی کرے اور اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے؟''

ایک انصاری اٹھا اور اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا: یہ اللہ کے رسول ﷺ کا مہمان ہے، اس سے کچھ نہ چھپانا۔ اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میرے پاس تو صرف بچوں کا کھانا ہے، اس نے کہا: بچے جب کھانا مانگیں تو انھیں سلا دینا اور کھانا لے آنا اور آ کر چراغ بجھا دینا، چنانچہ اس نے چراغ روشن کیا، کھانا لے کر آئی اور بچوں نے کھانا مانگا تو انھیں تھپکا کر سلا دیا، پھر وہ چراغ صحیح کرنے کے بہانے اٹھی اور اسے بجھا دیا، پھر وہ مہمان کھانا کھانے لگا۔ یہ دونوں میاں بیوی بھی اس کو یوں محسوس کرا رہے تھے جیسے یہ بھی کھا رہے ہوں جبکہ وہ ویسے ہی منہ ہلا رہے تھے۔ دونوں میاں بیوی پیٹ لپیٹ کر، یعنی بھوکے ہی سو گئے۔ جب صبح ہوئی اور یہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ضَحِكَ اللّٰهُ اللَّيْلَةَ أَوْ عَجِبَ مِنْ فَعَالِكُمَا»

''آج رات اللہ تعالیٰ تمھارے طرزِ عمل پر مسکرایا یا (آپ ﷺ نے فرمایا:) اللہ تعالیٰ نے تمھارے طرزِ عمل پر تعجب کا اظہار کیا۔''

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

(الحشر 9:59)

''اور وہ (انصار) ان (مہاجرین) کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود حاجت ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' [1]

معاشی عدل اسلامی شریعت کی بنیاد ہے

اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے اموال کی تقسیم کی حکمت واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس تقسیم میں سے کسی کو دیا گیا اور کسی کو محروم رکھا گیا تاکہ مال صرف اغنیاء ہی میں نہ گھومتا رہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مال کے متعلق اسلامی شریعت کی سیاست اسی قانون کے تابع ہے۔ اسلامی شریعت اقتصادی بنیاد پر ایسا ہی معاشرہ قائم کرنا چاہتی ہے جو

[1] صحيح البخاري: 4889، صحيح مسلم: 2054.

لوگوں کے مختلف طبقات کو قریب کرے اور گروہوں میں اتحاد قائم کر سکے اور ان اسباب کو ختم کرنے کی کوشش کرے جو معاشرے میں افتراق و انتشار کا باعث بنتے ہیں اور عدل و انصاف کے عملی نفاذ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ اگر مال سے متعلق اسلامی شریعت کے احکام عملاً نافذ کر دیے جائیں، مثلاً: زکاۃ کا نظام، سود کی ممانعت، ذخیرہ اندوزی کے مختلف طریقوں کا انسداد تو بلاشبہ لوگ بڑی عمدہ گزر بسر کریں۔ اس میں رزق کی اونچ نیچ تو ہو سکتی ہے مگر سب آسانی سے گزارہ کر سکتے ہیں اور کوئی کسی پر بوجھ نہیں بنتا بلکہ سب آپس میں ضرور تعاون کریں گے۔ [2]

مال بنی نضیر میں دو صحابہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف

مالک بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب دن خوب روشن ہوا تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا۔ میں حاضر ہوا تو انھیں چارپائی پر بیٹھے دیکھا، ان کے نیچے کوئی بچھونا نہیں تھا۔ انھوں نے فرمایا: مالک! تمھاری قوم کے کچھ (ضرورت مند) لوگ آئے ہیں۔ میں نے ان کے لیے کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے، وہ تم ان میں تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کی: اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو اس کا حکم دیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ انھوں نے فرمایا: یہ مال لے لو۔ اسی اثنا میں ان کا غلام یرفا آ گیا، اس نے عرض کی: امیر المومنین! عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم آئے ہیں، وہ آپ سے ملاقات کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اجازت دے دی تو وہ اندر آ گئے۔


مسجد زبیر بن عوام (دمام)، سعودی عرب

یرفا پھر آیا اور اس نے کہا: امیر المومنین! عباس اور علی رضی اللہ عنہما آئے ہیں۔ انھوں نے ان کو بھی اجازت دے دی، وہ بھی اندر تشریف لے آئے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! میرے اور اس (علی) کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے بھی عرض کی کہ امیر المومنین! آپ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں اور انھیں راحت عطا فرمائیں۔

1 قراءة سياسية للسيرة النبوية للدكتور قلعجي، ص: 169. 2 فقه السيرة للبوطي، ص: 258.

وہ دونوں اس مال کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بنونضیر کے اموال سے دیا تھا۔ مالک بن اوس نے کہا: میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ ان دونوں نے ان حضرات کو اسی لیے اندر بھیجا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقفِ حق

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا تو پھر ٹھہریے، ذرا دم لے لیجیے۔ میں آپ لوگوں سے اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں! کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»

''ہم پیغمبروں کے اموال و جائیداد تقسیم نہیں ہوتے۔ جو کچھ ہم چھوڑ کر جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

اس سے نبی کریم ﷺ کی مراد خود اپنی ذات گرامی بھی تھی۔

ان حضرات نے تصدیق کی: جی ہاں، آپ ﷺ نے ایسے ہی فرمایا تھا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما سے مخاطب ہوئے: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا آپ حضرات کو بھی معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے فرمایا تھا؟ انھوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ آپ ﷺ نے بلاشبہ ایسے ہی فرمایا تھا۔

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اب میں آپ لوگوں کے سامنے اس معاملے کی وضاحت کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے اس مالِ فے سے ایک مخصوص حصہ مقرر کر دیا تھا جسے آپ ﷺ نے کسی دوسرے کو نہیں دیا تھا۔ پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''اور جو (مال) اللہ نے ان (بنونضیر) سے اپنے رسول کی طرف لوٹایا تو تم نے اس پر نہ کوئی گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''[1]

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ مال اللہ کے رسول ﷺ کے لیے خاص رہا مگر اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے یہ جائداد اپنے لیے جمع کر رکھی تھی نہ خاص اپنے خرچ میں لائے بلکہ تم ہی لوگوں کو دی اور تمھارے ہی کاموں میں خرچ

[1] الحشر 6:59.

کی۔ یہ جو جائیداد بچ رہی ہے، اس میں سے آپ ﷺ اپنی بیویوں کا سال بھر کا خرچ لیا کرتے تھے، اس کے بعد جو باقی بچتا، وہ اللہ کے مال میں شریک کر دیتے تھے۔ خیر، آپ ﷺ تو اپنی زندگی میں ایسا ہی کرتے رہے۔

حاضرین! تمھیں اللہ کی قسم! کیا تم یہ نہیں جانتے؟ انھوں نے کہا: بے شک جانتے ہیں۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما سے مخاطب ہوئے: میں آپ حضرات سے بھی اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا آپ لوگ یہ نہیں جانتے؟ (دونوں حضرات نے ہاں میں جواب دیا۔)

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیِ کریم ﷺ کو اپنے پاس بلا لیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ بنے، اس لیے یہ جائداد ان کے قبضے میں چلی گئی اور جس طرح آپ ﷺ اس میں تصرف کیا کرتے تھے، وہ بھی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے اس طرزِ عمل میں سچے، مخلص، نیکوکار اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے پاس بلا لیا اور اب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نائب مقرر ہوا۔ میری خلافت کو دو سال ہو گئے ہیں اور میں نے بھی اس جائداد کو اپنی تحویل میں رکھا ہے جو مصارف رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں کیا کرتے تھے، ویسا ہی میں بھی اس میں کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرزِ عمل میں سچا، مخلص اور حق کا پیروکار ہوں۔ پھر آپ دونوں میرے پاس گفتگو کرنے کے لیے تشریف لائے اور میرے ساتھ بات چیت کی کہ دونوں کا مقصد ایک تھا۔



خلیفۂ ثانی کا لاجواب فیصلہ

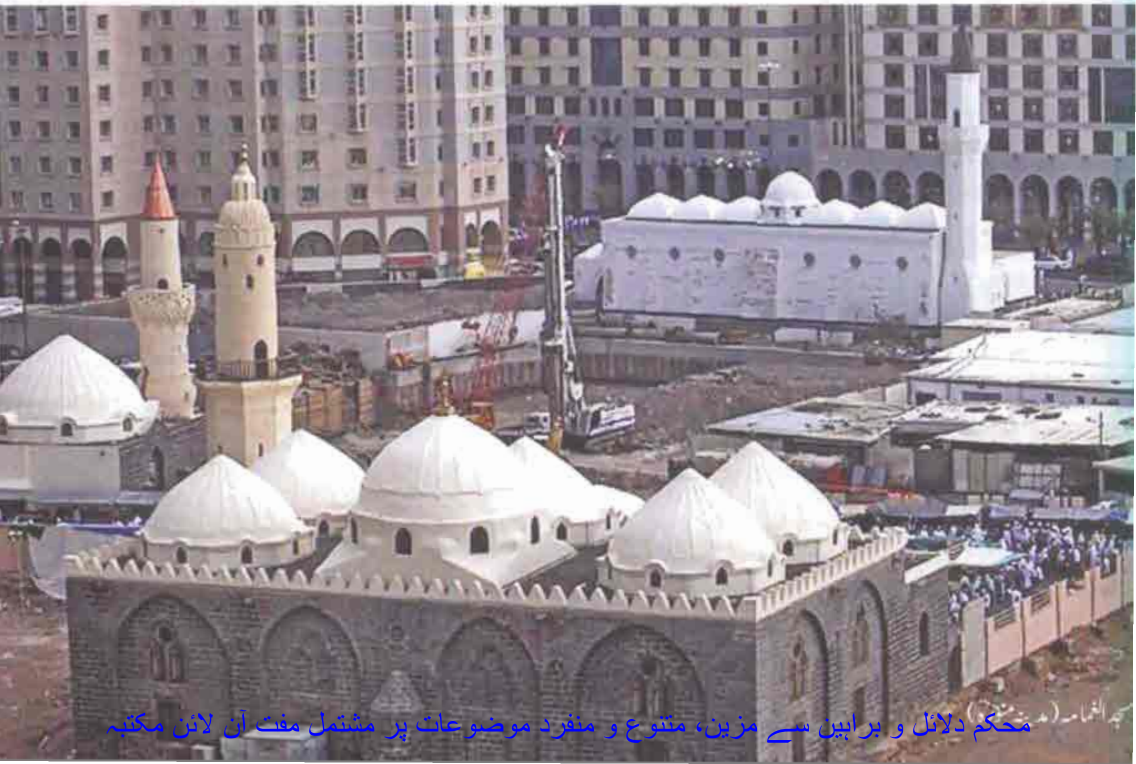
اب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور چچا زاد سے یوں مخاطب ہوئے:

جناب عباس! آپ تو اس لیے تشریف لائے کہ آپ کو اپنے بھتیجے کی میراث کا دعویٰ میرے سامنے پیش کرنا تھا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ اس لیے تشریف لائے کہ آپ کو اپنی بیوی (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کا دعویٰ پیش کرنا تھا کہ ان کے والد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی میراث انھیں ملنی چاہیے۔ میں نے آپ دونوں حضرات سے عرض کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے ہیں:

«لَا نُوَرِّثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»

''ہم پیغمبروں (کی میراث) تقسیم نہیں ہوتی۔ ہم جو چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

پھر مجھے یہ مناسب معلوم ہوا کہ میں یہ جائدادیں تمھارے قبضے میں دے دوں تو میں نے تم سے کہا: دیکھو، اگر تم چاہو تو میں یہ جائدادیں تمھارے قبضے میں دے دوں لیکن اس عہد اور اقرار پر کہ تم اس کی آمدنی سے وہ سب کام کرتے رہو گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں کرتے رہے اور جو کام میں اپنے عہد خلافت کے شروع میں کرتا رہا۔ تم لوگوں نے اس شرط کو قبول کر کے درخواست کی کہ یہ جائدادیں ہمارے سپرد کر دو۔ میں نے اس شرط پر یہ تمھارے سپرد کر دیں۔



مسجد الغمامہ (مدینہ منورہ)

حاضرین! گواہی دو، کیا میں نے یہ جائدادیں ان کے حوالے کر دیں یا نہیں؟ انھوں نے کہا: بے شک آپ نے اسی شرط پر دیں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، میں نے یہ جائدادیں تمھارے سپرد اسی شرط پر کی ہیں یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: بے شک۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اب تم مجھ سے اس سے ہٹ کر فیصلہ کرانا چاہتے ہو؟ قسم اللہ کی جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں! میں تو اس کے سوا اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔ ہاں! اگر تم اس سے عاجز آگئے ہو تو یہ میرے سپرد کر دو، میں اس کی دیکھ بھال کرلوں گا۔ [1]

منافقین و یہودِ مدینہ کے باہمی رویے

بنونضیر کے یہود نے اپنے ساتھی قبیلہ بنوقینقاع کے انجام سے سبق نہ سیکھا بلکہ وہ اپنے جھوٹے حلیفوں عبداللہ بن ابی اور اس جیسے دیگر منافقین کی باتوں میں آگئے جو بار بار نصرت و اعانت کا جھانسا دے کر انھیں مسلمانوں پر حملے اور بغاوت پر ابھار رہے تھے، چنانچہ جب انھوں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغاوت کر دی تو کوئی منافق و مشرک ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بزدلی اور باہمی ٹوٹ پھوٹ کا تذکرہ کرتے ہوئے منافقین و یہود کی حقیقت اس طرح عیاں کی ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ ﴾

”(اے نبی!) کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جنھوں نے منافقت کی؟ وہ اپنے ان بھائیوں سے، جو اہلِ کتاب میں سے کافر ہوگئے، کہتے ہیں: اگر تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم ضرور تمھارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمھارے معاملے میں کبھی کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور تمھاری مدد

[1] صحيح البخاري: 3094، صحيح مسلم: (49)1757، سنن أبي داود: 2963.

کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اگر وہ (یہود) نکالے گئے تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر ان کی مدد کو پہنچے بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ (اے مسلمانو!) یقیناً ان کے سینوں میں اللہ کی نسبت تمھارا ڈر زیادہ ہے۔ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ وہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکیں گے مگر ایسی بستیوں میں جو قلعہ بند ہیں یا دیواروں کی اوٹ سے، ان کی آپس کی لڑائی (دشمنی) بہت سخت ہے۔ آپ انھیں اکٹھے سمجھتے ہیں جبکہ ان کے دل جدا جدا ہیں، یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔ ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے پہلے قریب ہی (بدر میں) اپنی بداعمالی کا وبال چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ان کی مثال شیطان کی سی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے: بے شک میں تجھ سے بری ہوں، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔'' [1]

انجامِ یہود سے عبرت

بری تدبیر کرنے والے خود اس کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق یہود کا خبثِ باطن وقتاً فوقتاً واضح ہوتا رہتا تھا حتی کہ انھوں نے پیغمبرِ کائنات ﷺ کو شہید کرنے کی مذموم سازش کی جس کا انجام انتہائی عبرتناک ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر انھیں کے ہاتھوں تباہ و برباد کرائے۔ انھیں گھر بار سے بیگانہ ہونا پڑا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مکانات و باغات کا وارث اپنے مسلمان بندوں کو بنا دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝﴾

''(اللہ) وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو پہلے اکٹھ کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تم نے کبھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ وہ (مدینہ سے) نکلیں گے اور انھوں نے سمجھا تھا کہ بے شک ان کے قلعے انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچا لیں گے، پھر ان پر اللہ (کا عذاب) آیا جہاں سے انھوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اجاڑتے تھے اور مومنوں

[1] الحشر 59:11-16.

کے ہاتھوں بھی، تو اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو۔'' [1]

ڈاکٹر علی محمد صلابی لکھتے ہیں کہ بری سوچ اور دھوکا دہی کا یہی نتیجہ ہے۔ دیکھیے اس کے بعد قرآن پاک نے اس واقعے میں عبرت کے مقامات کی طرف کیسے اشارہ فرمایا ہے اور کس احسن انداز میں علانیہ طور پر اس نے زجر و توبیخ کا ذکر کیا ہے جو ہر اس انسان کو آسکتی ہے جو تکلیف دہ مکر و فریب اور مہلک بغض و کینہ کا رستہ اختیار کرے گا۔ ارشادِ ربانی ہے کہ ''اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔''

اس آیت میں میرے سامنے عبرت کا بہت سا سامان ہے۔

1 ہر وہ شخص جو حق کے رستے میں رکاوٹ بنتا ہے، لوگوں کو اس سے روکتا ہے، داعیانِ حق کو دور ہٹاتا ہے، بالآخر وہ شکست کھاتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۝﴾

''(اے نبی!) کافروں سے کہہ دیجیے: تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔'' [2]

2 حق و باطل کی کشمکش کبھی تھمنے والی نہیں، یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ مستقبل میں کبھی حق اور کبھی باطل کو عروج ہوگا، بالآخر کامیابی حق کی ہوگی۔

3 یہود کی خیانت اور دھوکا دہی سے عبرت حاصل کر کے اس طرزِ عمل سے اجتناب کیا جائے تاکہ جو ذلت و رسوائی اور شکست ان کا مقدر بنی، اس سے بچا جا سکے۔ [3]

[1] الحشر 59:2. [2] آل عمرٰن 3:12. [3] السيرة النبوية للصلابي: 2/207،208.

شراب اور جوئے کی حرمت

شراب اور جوا عربوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ شراب پی کر فخر کرتے تھے حتی کہ اسلام کی ابتدا میں کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شراب پیتے تھے۔ اسلام نے انھیں منع نہیں کیا تھا کیونکہ انھوں نے جب ہوش سنبھالا تو یہ عربوں کا عام مشروب تھا، اس لیے اسے یکبارگی چھوڑنا ان کے لیے انتہائی مشکل تھا، چنانچہ اس کو بتدریج حرام کیا گیا۔ [1] اس کی قطعی حرمت غزوہ بنونضیر کے محاصرے کے دوران 4 ھ/625ء میں ہوئی۔ [2]

اسی طرح عرب جوئے میں بھی فخر محسوس کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں اس سے سخاوت آسان ہو جاتی ہے۔ جو شخص جوا جیت جاتا تھا، وہ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال مسکینوں میں خرچ کر دیتا تھا۔ اسی لیے قرآن کریم نے اس کے نفع کا انکار نہیں کیا۔ [3]

بلاشبہ اس میں نہایت حقیر سا نفع ہے لیکن اس کے گناہ اور مفاسد بہت زیادہ ہیں، اس لیے قرآن کریم نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کو ذکر فرما کر اس کی قطعی حرمت کا حکم نازل فرمایا، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝﴾

''شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمھیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم باز آنے والے ہو؟'' [4]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بلاشبہ جوئے کی خرابی سود سے بڑھ کر ہے کیونکہ جوئے سے دو بگاڑ پیدا ہوتے ہیں: ایک یہ کہ حرام مال کھانا اور دوسرا یہ کہ حرام کھیل کھیلنا، مزید برآں اس لیے کہ یہ اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل کرتا ہے اور باہمی دشمنی اور کینے کو ہوا دیتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جوئے کو سود سے پہلے حرام قرار دیا ہے۔ [5]

[1] شرح عمدة الأحكام لابن جبرين: 4/70. [2] حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ، ص: 253/2. [3] الرحيق المختوم، ص: 59. [4] المآئدة 5:91. [5] مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية: 337/32.

ابن حجر مکی کہتے ہیں کہ جوئے کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کا مال باطل طریقے سے ہتھیا لیا اور کھا لیا جاتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (النسآء 4:29)

''تم اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔''[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ: بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى، فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ، فَلْيَتَصَدَّقْ»

''تم میں سے جو بھی قسم کھائے اور وہ اپنی قسم میں کہے: لات اور عزیٰ کی قسم تو اسے چاہیے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہے اور جو اپنے ساتھی سے کہے: آؤ، میں تمھارے ساتھ جوا کھیلوں تو اسے چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔''[2]

مذکورہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ محض جوا کھیلنے کی دعوت دینے ہی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ دینے کا حکم دیا ہے، تو اس پر عمل کرنے کی قباحت و شناعت کس قدر زبردست ہوگی۔ اسی اعتبار سے اس پر سزا بھی زیادہ شدید ہے۔ واللہ اعلم۔

حرمتِ شراب کے تین مراحل

شراب کی حرمت تین مراحل میں ہوئی:

پہلا مرحلہ: امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ شراب کو تین مرحلوں میں حرام کیا گیا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے، انھوں نے ان دونوں چیزوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ کہہ دیجیے! ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (کچھ) فائدہ بھی ہے اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت

[1] الموسوعة الفقهية الكويتية: 406/39. [2] صحيح البخاري: 6107.

بڑا ہے۔ اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے: جو ضرورت سے زائد ہو۔ اللہ تمھارے لیے اپنے احکام اسی طرح بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔‘‘ [1]

اس آیت کو سن کر لوگوں نے کہا: شراب کو ہم پر حرام قرار نہیں دیا گیا کیونکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔ [2]

سید قطب نے اس آیت کے متعلق لکھا ہے کہ حرمتِ شراب کے متعلق یہ پہلا اقدام تھا۔ کئی امور خالص شر نہیں ہوتے بلکہ کبھی خیر شر سے مل چکی ہوتی ہے اور کبھی شر خیر سے مل جاتا ہے لیکن حرمت وحلت کا دار و مدار خیر یا شر کے غالب ہونے پر ہوتا ہے، چنانچہ جب شراب اور جوئے میں گناہ نفع سے زیادہ تھا تو یہی ان دونوں کی حرمت کا سبب بنا۔

یہاں اسلامی تربیت اور ربانی حکمت کا ایک نادر پہلو سامنے آتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ منہج اکثر شرائع، فرائض اور توجیہات میں بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ یہاں شراب اور جوئے کی مناسبت کے اعتبار سے بات کرتے ہوئے ہم منہج اسلامی کے اس قاعدے کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ جب امر و نہی کا تعلق عبادت، رسم و رواج، عادت یا طے شدہ اجتماعی قانون سے ہو تو اسلام وہاں مہلت دیتا ہے اور آسانی کو پیش نظر رکھتا ہے اور ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن میں سہولت کو اس کے نفاذ میں مدنظر رکھا جاسکے، چنانچہ جب توحید وشرک کا مسئلہ تھا تو اسلام نے اپنا قطعی حکم ابتدا ہی میں صادر فرما دیا جس میں تردد کی گنجائش تھی نہ مڑ کر دیکھنے کی۔ اس میں کوئی درمیانہ رستہ نہیں دیا گیا۔ یہ مسئلہ اسلام کے بنیادی تصور کا مسئلہ تھا جس کے بغیر نہ ایمان باقی رہتا ہے نہ اسلام قائم۔

لیکن شراب اور جوئے کا معاملہ عادت، پسند اور چاہت کا معاملہ تھا۔ اور عادت کی تبدیلی علاج معالجہ کی محتاج ہوتی ہے، لہٰذا اسلام مسلمانوں کے دلوں میں ایک دینی اور فطری تصور اجاگر کرنے لگا کہ شراب اور جوئے میں گناہ نفع کی نسبت زیادہ ہے جس میں یہ اشارہ تھا کہ انھیں چھوڑنا ہی بہتر ہے۔ [3]

دوسرا مرحلہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرمتِ شراب کا پہلا حکم نازل ہونے کے بعد لوگ شراب پیتے رہے حتی کہ ایک دن ایک مہاجر صحابی نے نمازِ مغرب میں اپنے ساتھیوں کی امامت کراتے ہوئے قراءت کو خلط ملط کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ سخت حکم نازل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾

---

[1] البقرة 2:219. [2] مسند أحمد: 2/351. [3] تفسير في ظلال القرآن: 1/229، السيرة النبوية للصلابي: 2/205، 206.

''مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔''[1]

تیسرا مرحلہ: دوسرے مرحلے کے بعد بھی کچھ لوگ شراب پیتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی زیادہ سخت حکم پر مبنی آیت نازل کی جس سے شراب اور جوئے کی قطعی حرمت ہوگئی:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

''اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں تو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔''[2]

شراب اور جوئے کی حرمت اور صحابہ کرام کا اشکال

مندرجہ بالا آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے کہا: اے اللہ! بس اب ہم اس سے باز آگئے، البتہ کچھ لوگوں نے نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! کچھ لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور کچھ اپنے بستروں پر فوت ہوئے لیکن وہ شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ناپاک اور اعمال شیطان میں سے قرار دیا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾

''ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو وہ کھا (پی) چکے، جب کہ وہ متقی بنے اور ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، پھر وہ متقی بنے اور ایمان لائے، پھر وہ متقی بنے اور انھوں نے نیکی کی اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''[3]

اس حکم کے نزول کے بعد نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ حُرِّمَ عَلَيْهِمْ لَتَرَكُوهَا كَمَا تَرَكْتُمْ»

''اگر ان کی زندگی میں یہ شراب حرام ہوئی ہوتی تو وہ بھی اس کو اسی طرح ترک کر دیتے جیسے تم نے اسے ترک کر دیا ہے۔''[4]

1 النسآء4:43. 2 المآئدة5:90. 3 المآئدة5:93. 4 مسند أحمد:2/351،352.

مدینہ کے بازار مے سے بھر گئے

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا ابوطلحہ، ابوعبیدہ بن جراح، ابودجانہ، معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم کو جام شراب پلا رہا تھا حتی کہ کچی پکی کھجوروں کی ملی جلی شراب کی وجہ سے ان کے سر جھومنے لگے تو میں نے آواز سنی، ایک شخص اعلان کر رہا تھا: خبردار! شراب حرام قرار دے دی گئی ہے۔ اس محفل میں کسی کے اندر آنے یا باہر جانے سے پہلے پہلے ہم نے شراب گرادی، مٹکے توڑ دیے، بعض نے وضو کیا اور بعض نے غسل کیا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے لے کر ہم نے خوشبو بھی استعمال کی۔ ہم ابوطلحہ کے گھر سے نکلے تو شراب مدینہ کی گلیوں میں بہ رہی تھی۔ پھر ہم سب مسجد میں چلے گئے تو وہاں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝﴾ (المآئدة5:91,90)

”اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں، لہٰذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمھارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈلوائے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو پھر کیا تم ان (شیطانی کاموں) سے باز آتے ہو؟“

ایک آدمی نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو شراب پیتا تھا اور وہ فوت ہوگیا؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا﴾ (المآئدة5:93)

”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان پر کچھ گناہ نہیں جو وہ (پہلے) کھا چکے۔“ [1]

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اس جیسی روایت بیان کی ہے۔ [2]

شراب نوشی قابلِ لعنت فعل ہے

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] تفسير الطبري، المآئدة 5:90-93. [2] صحيح البخاري: 2464، صحيح مسلم: 1980.

«لُعِنَتِ الْخَمْرُ عَلٰى عَشْرَةِ وُجُوهٍ: لُعِنَتِ الْخَمْرُ بِعَيْنِهَا، وَشَارِبُهَا، وَسَاقِيهَا، وَبَائِعُهَا، وَ مُبْتَاعُهَا، وَعَاصِرُهَا، وَمُعْتَصِرُهَا، وَحَامِلُهَا، وَالْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ، وَآكِلُ ثَمَنِهَا»

''شراب پر دس وجوہ سے لعنت ہے: شراب خود بعینہٖ ملعون ہے، اس کا پینے والا، پلانے والا، بیچنے والا، خریدنے والا، نچوڑنے والا، نچڑوانے والا، اٹھانے والا، جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والا، یہ سب ملعون ہیں۔'' [1]

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ، لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ»

''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے جو شخص دنیا میں ہمیشہ شراب پیتے ہوئے مر گیا اور اس نے اس سے توبہ نہ کی تو وہ اسے آخرت میں نہیں پیے گا۔'' [2]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا: لوگو! جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اس وقت یہ پانچ چیزوں: انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد سے تیار کی جاتی تھی لیکن یاد رکھو:

اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ.

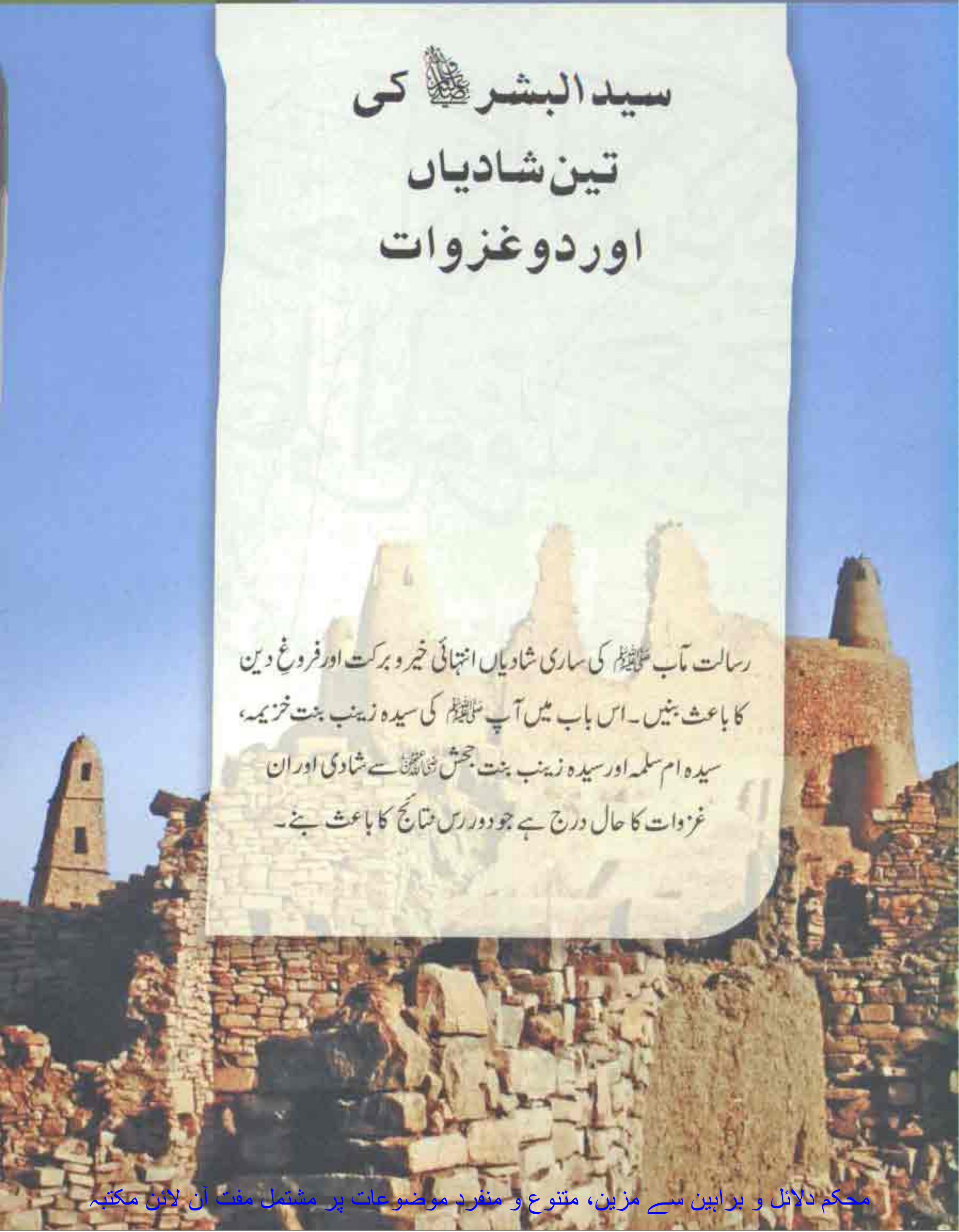
''شراب ہر وہ چیز ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔'' [3]

یاد رہے! آخرت کی شراب جو جنت میں اللہ کے نیک بندوں کو ملے گی، وہ نشہ آور نہیں ہوگی، اسے پینے والے کو بے حد سرور ملے گا مگر وہ پی کر بہکے گا نہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ۝ ﴾

''وہ اس سے نہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اور نہ مدہوش۔'' [4]

[1] مسند أحمد :25/2، سنن أبي داود :3674، سنن ابن ماجه :3380. [2] صحيح مسلم :2003. [3] صحيح البخاري : 5588، صحيح مسلم :3032. [4] الواقعة 19:56.



سید البشر ﷺ کی تین شادیاں اور دو غزوات

رسالت مآب ﷺ کی ساری شادیاں انتہائی خیر و برکت اور فروغِ دین کا باعث بنیں۔ اس باب میں آپ ﷺ کی سیدہ زینب بنت خزیمہ، سیدہ ام سلمہ اور سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن سے شادی اور ان غزوات کا حال درج ہے جو دور رس نتائج کا باعث بنے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ

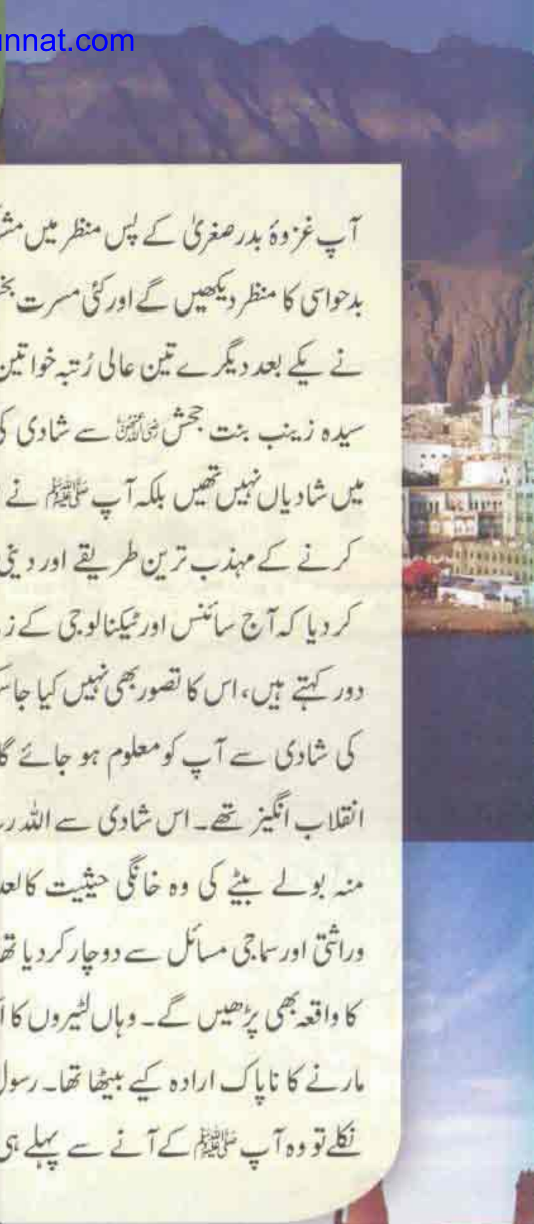
فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا

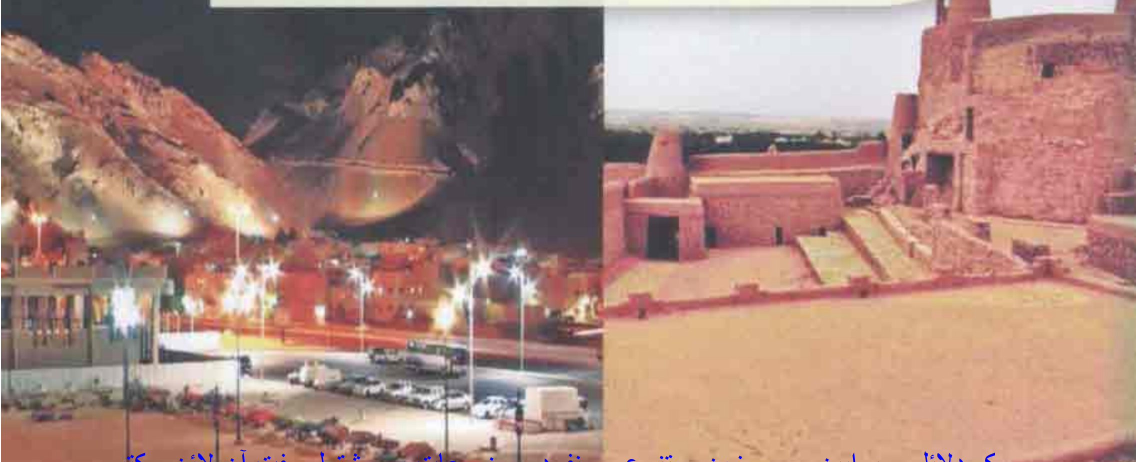
”پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا، تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے، جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری کر لیں، اور اللہ کا حکم تو (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔“ (الأحزاب 33:37)

اس باب میں





آپ غزوۂ بدر صغریٰ کے پس منظر میں مشرکین مکہ کے لیڈر ابوسفیان کی بزدلی اور بدحواسی کا منظر دیکھیں گے اور کئی مسرت بخش واقعات پڑھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے یکے بعد دیگرے تین عالی رُتبہ خواتین سیدہ زینب بنت خزیمہ، سیدہ ام سلمہ اور سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن سے شادی کی۔ آپ ﷺ کی شادیاں روایتی معنوں میں شادیاں نہیں تھیں بلکہ آپ ﷺ نے ان کے ذریعے عملاً مثالی عائلی زندگی بسر کرنے کے مہذب ترین طریقے اور دینی سلیقے سکھائے اور عورت کا وقار اتنا اونچا کر دیا کہ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے زمانے میں جسے مغربی دانشور روشن خیالی کا دور کہتے ہیں، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صرف سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہی کی شادی سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے برکات و حسنات کس قدر انقلاب انگیز تھے۔ اس شادی سے اللہ رب العزت کے ایک حکم کی تعمیل ہوئی اور منہ بولے بیٹے کی وہ خانگی حیثیت کالعدم ہوگئی جس نے عربوں کو بہت پیچیدہ وراثتی اور سماجی مسائل سے دوچار کر دیا تھا۔ آپ اس باب میں غزوۂ دومۃ الجندل کا واقعہ بھی پڑھیں گے۔ وہاں لٹیروں کا ایک ٹولہ تھا جو ریاستِ مدینہ پر شب خون مارنے کا ناپاک ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے نکلے تو وہ آپ ﷺ کے آنے سے پہلے ہی فرار ہو گئے۔



غزوۂ بدرِ صغریٰ

اللہ والوں کو جب کوئی پریشانی اور تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس پر صبر و استقامت دکھاتے ہیں اور عجز و انکسار کے ساتھ اللہ سے مدد طلب کرتے ہیں اور جب کوئی خوشخبری ملتی ہے تو ثبوتِ عبدیت پیش کرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرٌ يَسُرُّهُ خَرَّ سَاجِدًا لِّلّٰهِ.

''نبی کریم ﷺ کو جب کوئی خوشخبری ملتی تو آپ ﷺ اللہ کے حضور سجدے میں گر جاتے تھے۔''[1]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ اہل یمن نے اسلام قبول کرلیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ یمن کے اسلام قبول کرنے کی روداد آپ ﷺ کی خدمت میں ارسال کی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مکتوب پڑھا تو آپ ﷺ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوگئے۔[2]

اس کے برعکس شیطان اور اس کے چیلے چانٹوں کی حالت عجیب ہے، انھیں جب کبھی دنیاوی اغراض و مقاصد حاصل ہوتے ہیں یا مسلمانوں کے خلاف کوئی کامیابی ملتی ہے تو وہ غرور کے مارے پھول کر کُپا ہو جاتے ہیں۔

[1] سنن أبي داود: 2774، جامع الترمذي: 1578، مسند أحمد: 45/5. [2] السنن الكبرٰى للبيهقي: 369/2.



عدن (یمن) کا ایک منظر

جنگِ اُحد میں جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجتہادی غلطی سے مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا تو قریشِ مکہ بہت خوش ہوئے حتی کہ سالارِ قریش نے دھمکی آمیز لہجے میں چیلنج بھی کر دیا جو غزوۂ بدر دوم کا سبب بنا۔

سالارِ قریش کا چیلنج

غزوۂ اُحد میں ابوسفیان سالارِ قریش تھا۔ جب وہ اپنے لشکر سمیت مکہ واپس آنے لگا تو اس نے ڈینگ مارتے ہوئے نبیِ کریم ﷺ کو یہ چیلنج دیا:

إِنَّ مَوْعِدَكُمْ بَدْرٌ لِّلْعَامِ الْقَابِلِ.

''اگلے سال ہمارا ٹکراؤ بدر میں ہوگا۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ اس نے اعلان کیا:

مَوْعِدٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ بَدْرٌ الصَّفْرَاءُ رَأْسَ الْحَوْلِ نَلْتَقِي فِيهِ فَنَقْتَتِلُ.

''سال کے سرے پر بدر الصفراء نامی مقام ہمارے اور تمھارے درمیان طے شدہ ہے۔ اس میں ہمارا ٹکراؤ ہوگا اور ہم جنگ کریں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«قُلْ: نَعَمْ! إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''اسے کہو: ہاں! ان شاء اللہ (ہم ضرور آئیں گے)۔''[2]

[1] السيرة لابن هشام: 100/3، [2] المغازي للواقدي: 324/1، إمتاع الأسماع للمقريزي: 192/1.



میدان احد (مدینہ منورہ)

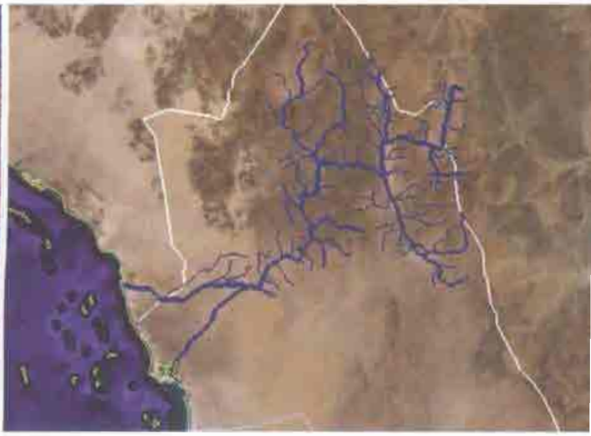
چونکہ وادی یَلْیَلْ یا وادی الصفراء بدر سے ہو کر بحیرۂ قلزم میں جا گرتی ہے، اس لیے بدر کو بدر الصفراء کہا گیا ہے۔ قصبہ الصفراء (موجودہ الواسطہ) بدر سے مدینہ کی جانب پندرہ سولہ کلومیٹر دور ہے۔

اسلامی لشکر کی تیاری

بدوؤں کی شان و شوکت توڑ دینے اور ان کے شر سے مطمئن ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے اپنے بڑے دشمن قریش سے جنگ کی تیاری شروع کر دی کیونکہ سال تیزی سے ختم ہو رہا تھا اور احد کے موقع پر طے کیا ہوا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ اب نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس احساسِ فرض سے سرشار تھے کہ میدانِ کارزار میں ابوسفیان



وادی الصفراء کا ایک منظر



وادی الصفراء کا اطلس

اور اس کی قوم سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے نکلیں اور جنگ کی چکی اس حکمت کے ساتھ چلائیں کہ جو فریق زیادہ ہدایت یافتہ اور بقا کا مستحق ہو، حالات کا رُخ پوری طرح اُسی کے حق میں ہو جائے۔[1]

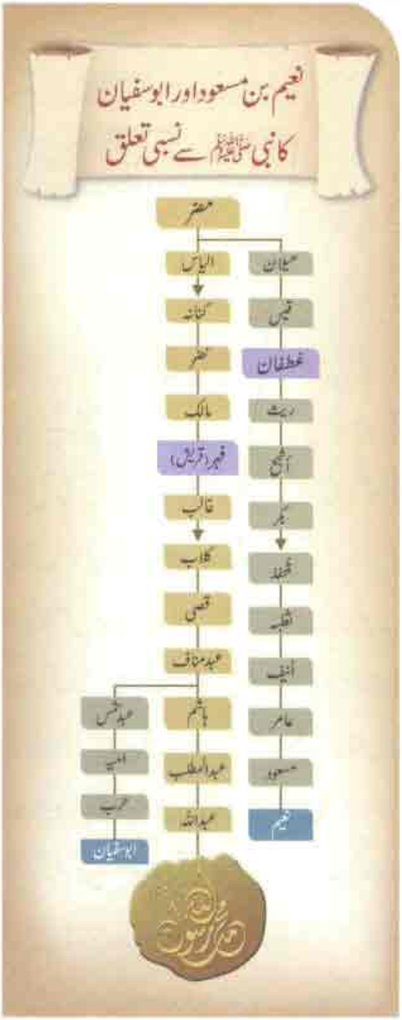
ابوسفیان کا لیت ولعل اور پروپیگنڈہ

اُحد میں وقتی فتح کے نشے میں ابوسفیان اعلانِ جنگ تو کر بیٹھا تھا لیکن جوں جوں مقابلے کی تاریخ قریب آتی جا رہی تھی، اس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ایک ذمہ دار سالار کی طرح نتائج کا اندازہ کرتے ہوئے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے خوف کھانے لگا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ کسی طرح یہ مڈبھیڑ نہ ہو مگر اسے پورا یقین تھا کہ محمد کریم ﷺ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے، اس لیے وہ وعدہ پورا کرنے کے لیے لازماً منطقۂ بدر کی طرف بڑھیں گے۔ اب وہ ایسا طریقہ تلاش کر رہا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے جھوٹے پروپیگنڈے سے اتنا مرعوب کر دے کہ وہ

[1] الرحیق المختوم، ص: 312.

بدر میں آنے کی جرأت ہی نہ کریں۔ ابوسفیان بظاہر تو یہ اعلان کر رہا تھا کہ وہ لشکرِ جرار لے کر میدانِ بدر میں اُترے گا اور مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ اس نے اس پروپیگنڈے کو تیزی سے پھیلانے کے لیے مدینہ کے گرد و نواح میں اپنے جاسوس بھیج دیے تاکہ وہ اس کے کھوکھلے عزائم کا خوب ڈھنڈورا پیٹیں، لوگوں کو بتائیں کہ ابوسفیان نے مکہ کے بہادروں اور ہمسایہ قبائل سے عظیم لشکر تیار کرلیا ہے اور اب وہ بہت جلد میدان میں پہنچنے والا ہے۔ اس سارے پروپیگنڈے کا مقصد اپنی ہیبت جمانا اور مسلمانوں کو ڈرانا تھا۔[1]

جو شخص بھی مکہ سے مدینہ منورہ آنا چاہتا، ابوسفیان اس سے ملتا، اس کی ذہن سازی کرتا، اس پر یہ ظاہر کرتا کہ ہم بہت بڑا لشکر لے کر محمد (ﷺ) پر حملہ کرنے والے ہیں۔ سننے والا اس کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔



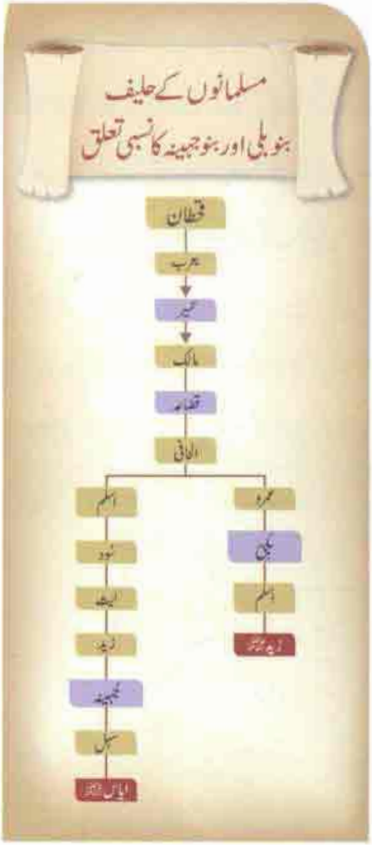
جب وہ مدینہ پہنچتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملتا اور انھیں بتاتا کہ ابوسفیان نے تو جنگ کے لیے بہت زبردست تیاری کی ہوئی ہے۔ اس نے بہت زیادہ افرادی قوت اور اسلحہ جمع کر لیا ہے۔ آپ اس کی طرف توجہ نہیں دے رہے۔ وہ سارے عرب میں دندناتا پھر رہا ہے اور بہت جلد میدانِ کارزار کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔ مسلمانوں پر یہ خبر بہت گراں گزرتی تھی۔

ابوسفیان اور نُعیم بن مسعود کی ملاقات

ایک دن بنو اشجع سے تعلق رکھنے والا ایک شخص نعیم بن مسعود مکہ آیا۔ یہ شخص پروپیگنڈہ کرنے اور افواہیں پھیلانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ قریشی سردار ابوسفیان کو اس کی آمد کا پتا چلا تو وہ فوراً اس کے پاس جا پہنچا۔ اس نے کہا کہ اے نعیم! میں نے اُحد کے دن محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو چیلنج دیا تھا کہ ہم ٹھیک ایک سال بعد بدر الصفراء میں ملیں گے اور جنگ کریں گے۔ اب یہ وقت قریب آ گیا ہے۔

نعیم بن مسعود نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا: میں تو مکہ آیا ہی اس لیے

[1] سبل الهدٰی والرشاد: 337/4، موسوعة الغزوات الكبرٰی لباشميل: 419/1.



ہوں تاکہ تمھیں مسلمانوں کی تیاری کے حوالے سے آگاہ کر سکوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے بے تحاشا اسلحہ اور اونٹ گھوڑے جمع کر لیے ہیں۔ ان کے اوسی حلیف بنو بَلِیّ اور جُہینہ والے بھی ان کے ساتھ مل گئے ہیں۔ جب میں مدینہ سے نکلا تھا تو اس وقت وہاں ہر طرف مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ وہ جنگ کے لیے بالکل تیار تھے۔ وہ وقت مقررہ پر ضرور میدان میں پہنچیں گے۔

ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے

ابوسفیان نعیم بن مسعود کی باتیں سن کر گھبرا گیا، اس نے پریشانی کے عالم میں پوچھا: کیا واقعی تم سچ کہہ رہے ہو؟ نعیم نے جواب دیا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ بات بالکل حقیقت ہے۔ اس نے نعیم بن مسعود کی بلائیں لیں، پھر اس کو اپنے دل کی بات بتاتے ہوئے کہا: میرا قطعاً ارادہ نہیں کہ بدر میں مسلمانوں سے جنگ کروں کیونکہ علاقے میں قحط سالی ہے۔ عرصے سے بارش نہیں ہوئی، پانی کے تالاب خشک ہیں۔ چراگاہوں میں مویشیوں اور سواری کے جانوروں کے لیے گھاس کا تنکا تک نہیں، ایسے حالات میں جنگ کرنا قرین دانش نہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی تو جنگ کے لیے نکلیں اور میں بیٹھا رہوں۔ اس طرح تو انھیں ہمارے خلاف بڑی جرأت ہو جائے گی۔ میری دلی خواہش ہے کہ وعدہ خلافی ان کی طرف سے ہو، ہماری طرف سے نہ ہو۔ اس کا حل میرے ذہن میں یہ آیا ہے کہ تم مدینہ جاؤ اور وہاں جا کر ہمارے لشکرِ جرار اور جنگی تیاریوں کے حوالے سے ایسی افواہیں پھیلاؤ کہ مسلمانوں میں یہ سکت ہی نہ رہے کہ وہ جنگ کے لیے نکل سکیں۔ اگر تم اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو تمھیں بیس اونٹ بطور انعام ملیں گے جو سُہَیل بن عمرو کی تحویل میں ابھی دے دیے جائیں گے، وہ اس وعدے کی تکمیل کے ضامن ہوں گے۔

نعیم بن مسعود راضی ہو گیا۔ سہیل بن عمرو، نعیم بن مسعود کا گہرا دوست تھا۔ نعیم اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا: ابو یزید! میں مدینہ جا کر محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو جنگ کا ارادہ ترک کرنے پر آمادہ کروں اور اس کے عوض مجھے بیس اونٹ بطورِ انعام ملیں گے، کیا تم اس بات کی ضمانت دیتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔

قریش کا ڈھنڈورچی مدینہ میں

قریش نے نعیم بن مسعود کی خوب آؤ بھگت کی اور مدینہ جانے کے لیے تیز رفتار اونٹ بھی مہیا کیا۔ نعیم نے رختِ سفر باندھا اور مدینہ کی طرف چل پڑا۔ اس نے عمرہ کر کے سر مونڈھ رکھا تھا۔ وہ مدینہ کی طرف سرپٹ بھاگا جارہا تھا۔ وہ فوراً مدینہ پہنچنا چاہتا تھا، مبادا اسلامی لشکر مدینے سے چل پڑے، چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے جوش وخروش سے جہاد کی تیاری میں مصروف تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے پوچھا: نعیم! کہاں سے آئے ہو؟ اس نے بتایا: میں عمرہ کر کے مکہ سے آرہا ہوں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: پھر تو تمھیں ابوسفیان کے بارے میں علم ہوگا؟ اس کی حرکات وتدابیر اور جنگ کی تیاری کیسی ہے؟ اس نے کہا: ابوسفیان نے تو بہت لشکر اکٹھے کر لیے ہیں، سارا عرب اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ وہ اتنی بڑی فوج لے کر آرہا ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا تمھارے بس کی بات نہیں۔ میری مانو تو تم لوگ مدینے ہی میں ٹھہرے رہو، جنگ کے لیے مدینہ سے باہر مت جانا۔ وہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونے والا ہے کہ اس سے صرف وہی بچ سکے گا جو بھاگ نکلے گا۔ تمھارے سرخیل قتل کر دیے جائیں گے۔ خود محمد (ﷺ) زخموں کی تاب نہ لاسکیں گے۔ کیا تم مدینہ سے نکل کر خود موت کے منہ میں جانا چاہتے ہو؟ افسوس! تم نے اپنے لیے بہت برا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں سمجھتا کہ تم میں سے کوئی بچ نکلے گا۔ اس نے باتوں کا ایسا بتنگڑ بنانا شروع کر دیا کہ کبھی ابوسفیان کی تیار کردہ سپاہ کی عددی کثرت کا تذکرہ، کبھی ان کے اسلحے کے ذخائر کا بیان، کبھی رؤسائے قریش کے جوش وخروش کی حکایت طولانی، کبھی ان کی خطرناک جنگی چالوں کی مدح سرائی، اس نے ایسی مہارت سے اپنی مہم چلائی کہ چند ہی روز میں مدینہ کی فضا خوف وہراس سے مسموم ہوگئی۔

مسلمان تذبذب کا شکار اور یہود ومنافقین کی خوشی

نعیم بن مسعود کی چال کارگر ثابت ہوئی۔ مسلمان اس کی افواہوں سے واقعی مرعوب ہوگئے حتی کہ جو بھی بات کرتا، وہ نعیم بن مسعود کے قول کی تصدیق کرتا تھا۔ ہر مجلس میں ابوسفیان کے لشکر جرار اور خوفناک تیاری کا ذکر چھڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر یہود اور منافقین خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے اور ایک دوسرے کو یہ خوشخبریاں سنا رہے تھے کہ اب محمد (ﷺ) اس لشکرِ جرار سے بچ نہیں سکیں گے۔ اب اسلام کے ماننے والوں کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ ہمیں بھی سکھ کا سانس ملے گا لیکن ان عقل کے اندھوں کو کیا معلوم تھا کہ

ع ...... یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

رسول اللہ ﷺ کو کامل حمایت کی یقین دہانی

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمان قریش کی عظیم جنگی تیاری سے خوفزدہ ہو گئے ہیں تو آپ ﷺ پر یہ بات بڑی گراں گزری۔ آپ ﷺ کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ شاید کوئی بھی جاں نثار جنگ کے لیے مقررہ وقت اور معین مقام کی طرف نہ نکلے۔ آپ ﷺ اسی سوچ بچار میں تھے کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور آپ ﷺ سے عرض کرنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ اللّٰهَ مُظْهِرٌ دِينَهُ وَ مُعِزٌّ نَبِيَّهُ، وَقَدْ وَعَدْنَا الْقَوْمَ مَوْعِدًا، وَ نَحْنُ لَا نُحِبُّ أَنْ نَتَخَلَّفَ عَنِ الْقَوْمِ فَيَرَوْنَ أَنَّ هٰذَا جُبْنٌ مِّنَّا عَنْهُمْ، فَسِرْ لِمَوْعِدِهِمْ، فَوَاللّٰهِ! إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَخَيْرَةً.

''اے اللہ کے رسول! یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے۔ اپنے نبی کو عزت دینے والا ہے۔ ہم نے مشرکوں کو مقرر جگہ پر پہنچنے کا وعدہ دیا ہے۔ ہم یہ قطعاً پسند نہیں کرتے کہ ہماری طرف سے وعدہ خلافی ہو ورنہ وہ خیال کریں گے کہ ہم ان سے ڈر گئے ہیں، چنانچہ آپ مقررہ وقت اور مقررہ جگہ کی طرف تشریف لے چلیے، اللہ کی قسم! اس میں یقیناً خیر و برکت ہے۔''

رسول اللہ ﷺ اپنے بے باک فدائیوں کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے، پھر آپ ﷺ نے پوری استقامت و صلابت کی شان سے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَخْرُجَنَّ وَإِنْ لَّمْ يَخْرُجْ مَعِي أَحَدٌ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ضرور نکلوں گا، چاہے میرے ساتھ کوئی بھی نہ نکلے۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ پُرعزم فرمان مسلمانوں کے کانوں میں پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو نورِ بصیرت سے نوازا، ان کے دلوں سے ہر طرح کا خوف اور پریشانی دور ہو گئی اور وہ پھر سے جوش و خروش سے تیاری کرنے لگے۔''[1]

مدینہ کا منتظم

مدینہ سے روانگی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے انتظامات رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے۔[2] ایک روایت میں ہے کہ مدینے کا نائب سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو

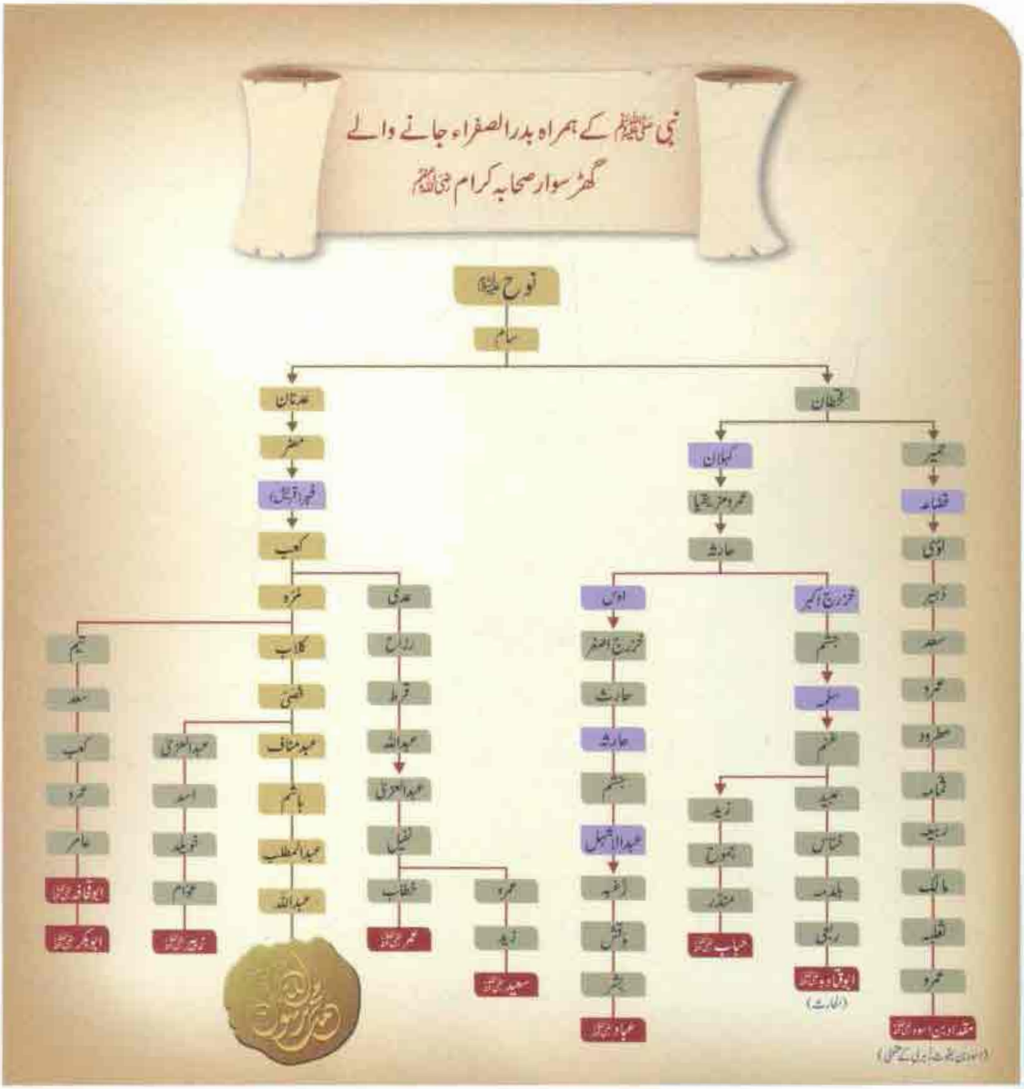
[1] المغازي للواقدي :326,325/1، إمتاع الأسماع :193/1، سبل الهدٰى والرشاد :337/4. [2] السيرة لابن هشام : 220/3، البداية والنهاية :89/4.

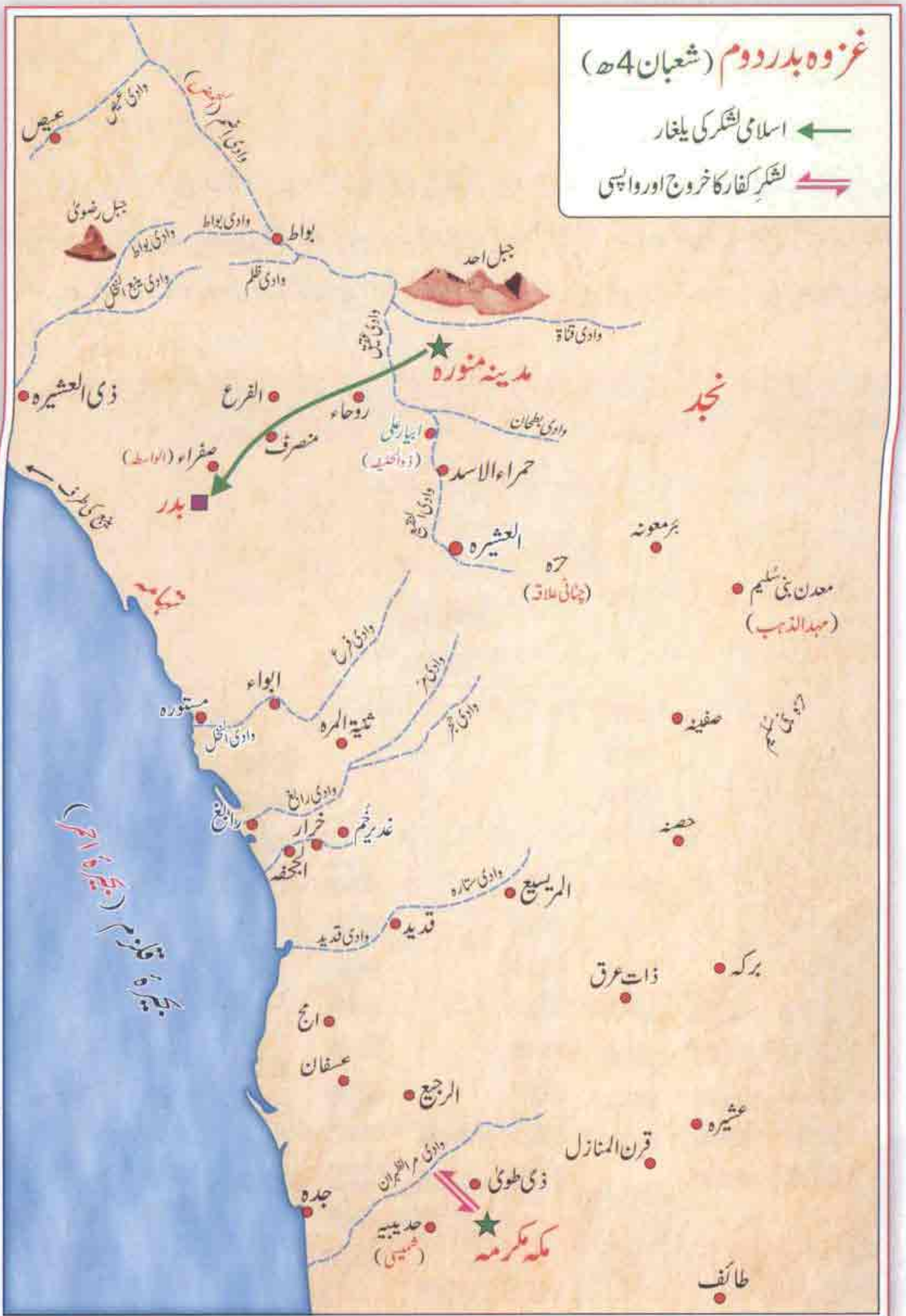
بنایا گیا تھا۔[1]

اسلامی لشکر کی روانگی

شعبان 4 ھ / جنوری 626ء میں رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ ڈیڑھ ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ واقدی کے مطابق آپ ذوالقعدہ میں اس جنگ کے لیے نکلے تھے۔ مجاہدین کا عَلَم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ اسلامی لشکر میں چند گھوڑے تھے جن کے سوار رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر، عمر، ابوقتادہ، سعید بن زید، مقداد، حباب، زبیر بن عوام اور عباد بن

[1] المغازي للواقدي :1/324.





غزوہ بدر دوم (شعبان 4ھ)
اسلامی لشکر کی یلغار
لشکرِ کفار کا خروج اور واپسی
عیص
جبل رضوی
بواط
وادی بواط
جبل احد
وادی قناۃ
مدینہ منورہ
نجد
ذی العشیرہ
القرع
روحاء
منصرف
صفراء (الواسطہ)
بدر
حمراء الاسد
العشیرہ
بئر معونہ
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
ابواء
مستورہ
ثنیۃ المرہ
صفینہ
رابغ
خرار
غدیر خم
الجحفہ
حصنہ
المریسیع
وادی ستارہ
قدید
وادی قدید
ذات عرق
برکہ
امج
عسفان
الرجیع
عشیرہ
قرن المنازل
ذی طوی
جدہ
حدیبیہ
(شمیسی)
مکہ مکرمہ
طائف

بن بشر رضی اللہ عنہم تھے۔ پاسبانِ توحید و رسالت کا یہ لشکر ابوسفیان کو دیے ہوئے وعدے کے مطابق جب بدر الصفراء میں پہنچا تو وہاں کوئی قریشی موجود نہ تھا۔ [1]

مکی لشکر کا کوچ

ابوسفیان اپنے ساتھ دو ہزار بہادروں کا لشکر لے کر نکلا، اس لشکر میں پچاس گھوڑے تھے۔ یہ لشکر دور وادیٔ مرالظہران میں مجنہ نامی چشمے پر خیمہ زن ہوا۔ مرالظہران مکہ سے 22 کلومیٹر شمال میں ہے۔ قحط سالی کے سبب قریشیوں کے اقتصادی حالات دگرگوں ہو چکے تھے۔ ان کی آمدنی کے ذرائع کم ہو گئے تھے، اس لیے ان کے اندر مقرر وقت اور مقررہ جگہ پر پہنچنے کی ہمت نہیں تھی لیکن عار کے ڈر سے اس لشکر نے کوچ کیا۔ ان کا سالار مکہ ہی سے بوجھل اور بد دل تھا۔ وہ بار بار مسلمانوں سے ہونے والی جنگ کا انجام سوچتا تھا اور ان کی ہیبت کے مارے لرز رہا تھا۔ مرالظہران پہنچ کر اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ واپسی کے بہانے سوچنے لگا۔

سالارِ قریش کے عذر بہانے اور واپسی کا اعلان

مکی لشکر کا سالار ابوسفیان دلی طور پر شکست تسلیم کر چکا تھا، چنانچہ وہ اپنی فوج میں واپسی کا اعلان اور اسباب کی شرح کرنے کے لیے کھڑا ہوا، اس نے کہا:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّهُ لَا يُصْلِحُكُمْ إِلَّا عَامٌ خَصِيبٌ تَرْعَوْنَ فِيهِ الشَّجَرَ وَتَشْرَبُونَ فِيهِ اللَّبَنَ، وَإِنَّ عَامَكُمْ هٰذَا عَامُ جَدْبٍ وَ إِنِّي رَاجِعٌ فَارْجِعُوا.

”اے قریش کے لوگو! تمھاری جنگ اس وقت موزوں ہوتی جب شادابی اور ہریالی ہو کہ تم جانوروں کو بھی چرا سکو اور خود بھی دودھ پی سکو، اس وقت خشک سالی ہے، لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلے چلو۔“

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے لشکر کے اعصاب پر مسلمانوں کی ہیبت چھائی ہوئی تھی کیونکہ ابوسفیان کے اس فیصلے پر کسی قسم کی مخالفت کیے بغیر سب نے واپسی کی راہ لی اور کسی نے بھی سفر جاری رکھنے اور مسلمانوں سے ٹکراؤ کی رائے نہ دی۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے مکہ سے کوچ کرنے سے پہلے اپنی فوج کو دلاسہ دیا تھا کہ میں نے نعیم بن مسعود اشجعی کو ایک مہم پر بھیجا ہے، اس کی چال ایسی مؤثر ہو گی کہ مسلمان میدان بدر میں آنے کی جسارت ہی نہیں کریں

[1] السيرة لابن هشام :220/3، البداية والنهاية :89/4، المغازي للواقدي :324/1 و 327، عيون الأثر لابن سيد الناس، ص :265. [2] السيرة لابن هشام :220/3، عيون الأثر، ص :266.

گے۔ ہم محض دکھاوے کے لیے ایک دو راتیں سفر کر کے واپس آ جائیں گے۔ اگر محمد (ﷺ) نہ نکلے تو انھیں پتہ چل جائے گا کہ ہم مکہ سے جنگ کرنے کے لیے نکلے تھے لیکن مسلمان مدینہ سے نہیں نکلے، اس لیے اہل مکہ کا آگے جانا بے سود تھا، لہٰذا وہ واپس چلے گئے۔ اس طرح ان کے دلوں میں ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔ اگر ہمیں پتہ چلا کہ مسلمان بدر پہنچ گئے ہیں تو پھر بھی واپس آ جائیں گے۔ ہماری واپسی کے لیے یہ عذر کافی ہے کہ آج کل قحط سالی ہے، یہ سال جنگ کے لیے موزوں نہیں، ہم کسی ایسے سال میں ان پر حملہ کریں گے جبکہ ہر طرف ہریالی و شادابی ہوگی۔ سب نے اسے داد دیتے ہوئے کہا: کیا خوب رائے پیش کی ہے![1]

اہل مکہ کی اپنے لشکر کو ملامت

ابوسفیان کی قیادت میں قریشِ مکہ کا لشکر اہلِ اسلام کے مقابل آنے کے بجائے اپنی پسپائی کا عذر تراش کر واپس مکہ کو چل دیا تھا۔ ان کی واپسی بزدلانہ پسپائی تھی، چنانچہ اہل مکہ نے جب اپنے بہادروں کو بے نیلِ مرام چند کوس کے فاصلے سے واپس آتے دیکھا تو وہ کہنے لگے: یہ لوگ جنگ کرنے نہیں گئے تھے بلکہ ستو پینے گئے تھے۔ اس وجہ سے یہ لشکر ''جیش السویق'' کے لقب سے موسوم ہوگیا۔[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بدر میں تجارت

انھی ایام میں مقام بدر میں سالانہ آٹھ روزہ میلہ لگتا تھا جس میں دور دراز سے لوگ خرید و فروخت کے لیے آتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ساتھ جنگی ہتھیاروں کے علاوہ تجارت کا سامان بھی لے لیا تھا تاکہ اگر قریش کا لشکر میعاد مقرر پر نہ پہنچے تو وہ کاروبار کر لیں گے، چنانچہ اسلامی لشکر نے بدر پہنچ کر آٹھ روز تک قریش کا انتظار کیا لیکن کوئی قریشی جنگجو اپنے وعدے کے مطابق نہ پہنچ سکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوب تجارت کی اور درہم کے ساتھ درہم اور دینار کے ساتھ دینار کمائے۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریشی پروپیگنڈے کی وجہ سے ہم خوفزدہ ہو گئے، چنانچہ مجھے کوئی شخص نظر نہ آتا تھا جو جنگ کے لیے تیار ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سینے کھول کر ہمیں نورِ بصیرت سے نوازا اور ہمارے دلوں سے دہشت ختم کر دی۔ اسلام کے جانباز جنگ کے لیے نکلے، میں بھی نکلا اور اپنے ساتھ سامانِ تجارت بھی لے لیا تاکہ بدر کے میلے میں کاروبار بھی کر سکوں۔ میں نے وہاں دینار کے ساتھ دینار کمایا (سو فیصد منافع

[1] المغازي للواقدي: 327/1، شرح الزرقاني على المواهب: 537/2 [2] السيرة لابن هشام: 220/3، السيرة لابن إسحاق: 391/2، عيون الأثر، ص: 266.

کمایا)۔ ہم اپنے پروردگار کے فضل و کرم، خیر اور بھلائی کے ساتھ مدینہ لوٹے۔ [1]

ضمری کی رسول اللہ ﷺ سے گفتگو

رسول اللہ ﷺ آٹھ روز تک قریش کا انتظار کرتے رہے لیکن قریش کا کوئی شخص بدر نہ پہنچا۔ اسی اثنا میں بنوضمرہ کا ایک شخص مَخشِیّ بن عمرو آیا۔ اس شخص سے رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ ودان کے موقع پر دوستی کا معاہدہ کیا تھا۔ یہ شخص بدر کے میدان میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور پوچھنے لگا: کیا آپ یہاں قریش سے لڑنے آئے ہیں؟ اس کی گفتگو سے محسوس ہوتا تھا جیسے اب وہ قریش کی طرف میلان رکھتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، يَا أَخَا بَنِي ضَمْرَةَ! وَ إِنْ شِئْتَ مَعَ ذٰلِكَ رَدَدْنَا إِلَيْكَ مَا كَانَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ، ثُمَّ جَالَدْنَا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ»

''ہاں، اے ضمری! اور اگر تمھارا منشا ہو تو ہم اس عہد کو جو تمھارے اور ہمارے درمیان ہوا تھا، کالعدم قرار دے دیتے ہیں، پھر ہم تمھارے ساتھ بھی لڑائی کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارا اور ہمارا فیصلہ کر دے۔''

مخشی نے جب نبی کریم ﷺ کا عزم محکم دیکھا تو عرض کیا: نہیں نہیں، اے محمد! اللہ کی قسم! مجھے آپ سے جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ [2]

اس ملاقات میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی قوت کا مظاہرہ کیا اور واضح کیا کہ فریقین کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ مسلمانوں کی قوت سے طے پایا ہے نہ کہ کمزوری کی بنا پر اور یہ بھی کہ جنگ بندی کا معاہدہ مخالف فریق کے مطالبے پر طے پایا ہے۔ یوں مسلمانوں کی قوت کا مظاہرہ ہوا اور دشمن پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ [3]

[1] المغازي للواقدي :326/1، شرح الزرقاني على المواهب :538/2. [2] السيرة لابن هشام :220/3، عيون الأثر، ص: 266. [3] من معين السيرة لصالح الشامي، ص :288.

ودّان وادیِ ابواء میں واقع تھا جو مستورہ سے 12 کلومیٹر جنوب مشرق میں ہے



خزاعی تاجر کی مکہ آمد



بدر کے اس تجارتی میلے میں بنوخزاعہ کا ایک تاجر معبد بن ابومعبد خزاعی بھی شریک تھا۔ اس نے مسلمانوں کی قوت کا بڑے قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مکہ پہنچا۔ بدر کے میلے سے سب سے پہلے واپس آنے والا یہی شخص تھا۔ اس نے اہل مکہ کو خبر دی کہ میں نے بدر میں محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو بڑے قریب سے دیکھا۔ بدر میں شریک ہونے والوں کی غالب اکثریت انھی کی تھی۔ وہ کیل کانٹے سے لیس دو ہزار کا لشکر تھا۔ علاوہ ازیں خزاعی نے اہلِ مکہ کو رسول اللہ ﷺ اور ضمری کی گفتگو بھی سنائی اور آپ ﷺ کے پُروقار جواب سے بھی آگاہ کیا۔

قریش پر گھڑوں پانی پڑ گیا

معبد بن ابومعبد خزاعی کی باتیں سن کر قریش نہایت شرمندہ ہوئے اور اپنے زعماء کو طعنے دینے لگے کہ اب مسلمانوں میں ہمارے خلاف کس قدر جرأت پیدا ہوگئی ہے۔ ہمارے پلے کیا رہا؟ سارا عرب کیا سوچے گا؟ حتی کہ صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تمھیں اس دن ہی ڈینگ مارنے سے روکا تھا لیکن تم نے فتح کے نشے میں آکر چیلنج کر دیا، آج تم نے ہمیں شرمسار کر دیا ہے۔ وہ سوچیں گے کہ ہم نے وعدہ خلافی کی ہے اور ہم کمزوری اور بزدلی کی وجہ سے میدان میں نہیں آئے۔ [1]

اسلامی لشکر کی مدینہ واپسی

آٹھ روز انتظار کرنے کے بعد نبیِ کریم ﷺ نے اسلامی لشکر کو واپسی کا حکم دیا، چنانچہ اسلامی لشکر اس شان سے مدینہ واپس آیا کہ جنگ میں پیش قدمی ان کے ہاتھ آچکی تھی، مخالفین کے دلوں پر ان کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ حالات پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ یہ غزوۂ بدر موعد (طے شدہ غزوۂ بدر)، بدر ثانیہ، بدر ثالثہ، بدر آخرہ اور بدر صغریٰ

[1] المغازي للواقدي: 328/1، إمتاع الأسماع: 194/1، سبل الهدٰى والرشاد: 338/4.

کے ناموں سے معروف ہے۔[1]

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس غزوے اور مسلمانوں کی شان و شوکت کے حوالے سے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔ تاہم ابن ہشام کا خیال ہے کہ یہ اشعار کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہیں:

وَعَدْنَا أَبَا سُفْيَانَ بَدْرًا فَلَمْ نَجِدْ ... لِمِيعَادِهِ صِدْقًا وَّمَا كَانَ وَافِيَا
فَأُقْسِمُ لَوْ وَافَيْتَنَا فَلَقِيتَنَا ... لَأُبْتَ ذَمِيمًا وَافْتَقَدْتَ الْمَوَالِيَا
عَصَيْتُمْ رَسُولَ اللّٰهِ أُفٍّ لِّدِينِكُمْ ... وَأَمْرِكُمُ السَّيِّءِ كَانَ غَاوِيَا
فَإِنِّي وَ إِنْ عَنَّفْتُمُونِي لَقَائِلٌ ... فِدًى لِّرَسُولِ اللّٰهِ أَهْلِي وَ مَالِيَا
أَطَعْنَاهُ لَمْ نَعْدِلْهُ فِينَا بِغَيْرِهِ ... شِهَابًا لَّنَا فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ هَادِيَا

”ہم نے ابوسفیان کے ساتھ بدر میں آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن ہم نے اسے اپنے وعدے میں سچا نہ پایا اور وہ وعدہ وفا کرنے والا تھا ہی نہیں۔

اور بخدا اگر اس دن تو ہمارے سامنے آتا اور ہمارے ساتھ جنگ کرتا تو تُو اپنے وطن اس حالت میں لوٹتا کہ تیری مذمت کی جاتی اور تو اپنے چچازاد بھائیوں کو گم کر بیٹھتا۔

تم نے اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی، تف ہے تمھارے دین پر اور تمھارے اس برے طریقے پر جو گمراہی اور سرکشی کا طریقہ ہے۔

خواہ تم مجھے کتنا ہی برا بھلا کہو، میں یہ بات ضرور کہوں گا کہ میرے اہل وعیال اور میرا مال سب کچھ اللہ کے رسول پر قربان ہو جائے۔

ہم نے نبی ﷺ کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ ہم اپنے میں سے کسی دوسرے کو آپ ﷺ کا ہم پایہ خیال نہیں کرتے۔ آپ ﷺ تو اندھیری رات میں ہمارے لیے روشن ستارہ ہیں جو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔“[2]

قرآنِ مجید کا تبصرہ

اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کی حیلہ سازی اور کفار کی سازش کا بھانڈا پھوڑتے ہوئے فرمایا:

[1] زاد المعاد: 255/3، جوامع السيرة، ص: 184. [2] البداية والنهاية: 89/4، السيرة لابن هشام: 221/3، سبل الهدىٰ والرشاد: 339/4.

﴿ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌۚ۝ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:172-174)

’’یہی لوگ ہیں جنھوں نے جنگ میں زخم لگنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم مانا۔ ان میں سے جو لوگ نیک و پرہیز گار ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ انھی سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمھارے خلاف ایک بڑی فوج جمع ہوئی ہے، پس تم ان سے ڈرو، تب اس بات نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور انھوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے، انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا اور انھوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔‘‘ [1]

اس غزوے سے یہ نتیجہ اور سبق حاصل ہوتا ہے کہ فاسق کی خبر پر کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن مجید نے اسی لیے حکم دیا ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۝ ﴾

’’اے ایمان والو! اگر کوئی نافرمان تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔‘‘ [2]

ابوسفیان نے اپنے غلیظ پروپیگنڈے سے مسلمانوں میں اختلاف پھیلانے اور انھیں مایوس کرنے کی سازش کی، آج کل کفر کی تمام طاقتیں مسلمانوں کے اندر انتشار پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ آج میڈیا کے دور میں مسلمانوں کو صرف اپنے رب ہی پر پورے توکل کی ضرورت ہے۔ اس طرح ان شاء اللہ مومنین کے مقابلے میں کفر آج بھی پسپا اور دل گرفتہ ہو کر مایوس ہو جائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات

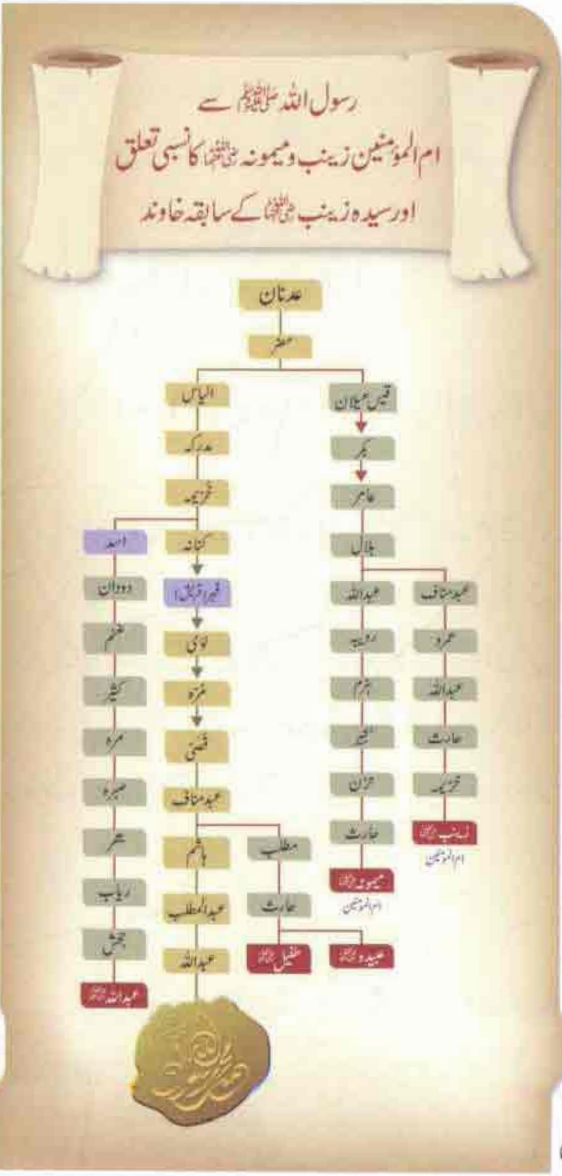
رحمت عالم ﷺ نے اپنی لختِ جگر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو ان کی اہلیہ محترمہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ وہیں ان کے بطن طاہر سے

[1] السيرة النبوية لأبي شهبة: 244/2. [2] الحجرٰت 49:6.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جن کے نام پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ ہوئی۔ 4ھ/625ء میں جب ان کی عمر چھ برس ہوئی تو کسی مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ مار دی۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، بالآخر جمادی الاولیٰ 4ھ میں وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان کی نمازِ جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی اور انھیں قبر میں ان کے والدِ گرامی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اتارا۔[1]

[1] البداية والنهاية: 91/4، إمتاع الأسماع: 192/1، السيرة النبوية لأبي شهبة: 245/2.

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے شادی



رسول اللہ ﷺ نے رمضان 4ھ/626ء میں سیدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ قیسیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ ان کا نسب یہ ہے: زینب بنت خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ام المساکین کہا جاتا تھا کیونکہ یہ مساکین پر بہت زیادہ صدقہ کرتی تھیں اور ان کے ساتھ نہایت حسنِ سلوک سے پیش آتی تھیں۔ نبیِ کریم ﷺ نے انھیں پانچ سو درہم بقول بعض چار سو درہم حق مہر دیا۔ ان کی پہلی شادی سیدنا طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی لیکن کسی بنا پر نبھاؤ نہ ہوسکا، اس لیے طفیل رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ بعد ازاں ان کی شادی سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ کے بھائی عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی شادی سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ جنگِ احد میں شہید ہوگئے۔ اس کے بعد انھیں ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

کی ماں جائی بہن سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی سات ہجری میں ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بلا اختلاف رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے عقد میں دو، تین یا آٹھ ماہ رہیں، پھر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ بوقت وفات ان کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد امہات المؤمنین میں سے انھی نے وفات پائی۔ ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی نمازِ جنازہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی۔ انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔[1]

[1] المستدرك للحاكم : 36/4، البداية والنهاية : 91/4، الطبقات لابن سعد : 115/8، جامع الآثار في السير و مولد المختار لابن ناصر الدين الدمشقي : 186/7، السيرة النبوية لأبي شهبة : 246/2.



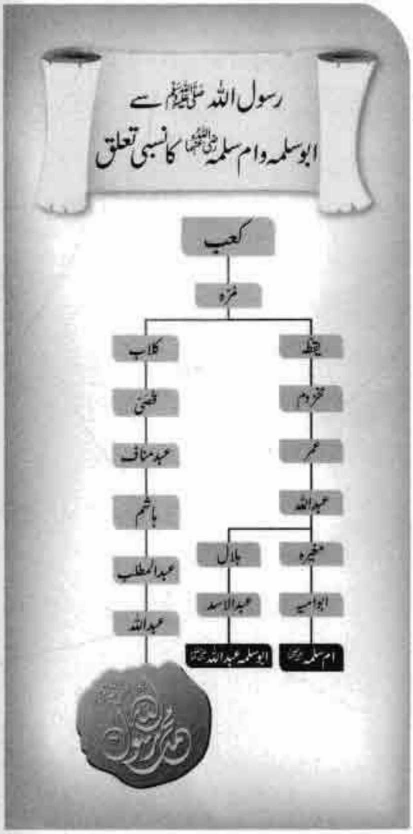
زینب بنت خزیمہ گرلز پرائمری سکول، الصفوف، البریمی (متحدہ عرب امارات)

نبی ﷺ کی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہند بنت ابوامیہ حذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم رضی اللہ عنہا تھا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی سیدنا ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوئی تھی۔ وہ آپ ﷺ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ ان دونوں میاں بیوی نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان دونوں کا آپس میں بہت پیار تھا۔ جمادی الآخرہ 4 ھ/625ء میں سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ [1]



ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے راز و نیاز

ایک دن کی بات ہے، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب خاوند سیدنا عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھی راز و نیاز کی باتیں کر رہی تھیں کہ انھوں نے اپنے شوہر سے کہا: مجھے یہ علم ہوا ہے کہ کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ عورت اس کے بعد شادی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ انھیں جنت میں ضرور جمع کر دے گا۔ آیئے ہم عہد کریں کہ ہم ایک دوسرے کے بعد شادی نہیں کریں گے۔

ابوسلمہ: کیا تم میری بات تسلیم کرو گی؟

ام سلمہ: بالکل، کیوں نہیں؟

[1] إمتاع الأسماع: 53/6، سیر أعلام النبلاء: 202,201/2، البدایة والنهایة: 91/4.

ابوسلمہ: جب میں فوت ہو جاؤں تو تم شادی کر لینا۔

اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! ارْزُقْ أُمَّ سَلَمَةَ بَعْدِي رَجُلًا خَيْرًا مِّنِّي لَا يُحْزِنُهَا وَلَا يُؤْذِيهَا.

''اے اللہ! میرے بعد ام سلمہ کو مجھ سے بہتر شوہر عطا فرمانا جو اسے دکھ اور تکلیف نہ دے۔''[1]

خاوند کی وفات اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دعا

اگر کسی نے میاں بیوی کا مثالی پیار دیکھنا ہو تو وہ سیدہ ام سلمہ اور سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہما کی سرگزشت پڑھ لے۔ ان دونوں میں باہم بے حد محبت تھی۔ جب سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں اور عرض کیا: اللہ کے رسول! ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ دعا کرو:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْلِي وَلَهُ، وَ أَعْقِبْنِي مِنْهُ عُقْبٰى حَسَنَةً»

''اے اللہ! مجھے اور اسے بخش دے اور مجھے اس سے اچھا بدلہ عطا فرما۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھا بدلہ عطا فرمایا، یعنی میں نبی کریم ﷺ کے عقد میں آ گئی۔[2]

دوسری شادی کے پیغامات

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ فَلْيَقُلْ: إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اَللّٰهُمَّ! عِنْدَكَ أَحْتَسِبُ مُصِيبَتِي، فَأْجُرْنِي فِيهَا وَ أَبْدِلْنِي بِهَا خَيْرًا مِّنْهَا»

''جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ یہ کہے: بلاشبہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! میں اپنی اس مصیبت میں تجھ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں، مجھے اجر نصیب فرما اور اس کا نعم البدل عطا فرما۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو میں مذکورہ دعا پڑھتی تھی۔ میں جب بھی اس کلمے پر پہنچتی: ''مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔'' تو میرے دل میں یہ خیال گزرتا تھا کہ بھلا ابوسلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟

[1] إمتاع الأسماع: 54/6، سير أعلام النبلاء: 203/2. [2] صحيح مسلم: 919.

جب ان کی عدت مکمل ہوگئی تو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے انھیں شادی کا پیغام بھیجا لیکن ام سلمہ ؓ نے رضامندی کا اظہار نہ کیا۔ پھر سیدنا عمر ؓ نے شادی کا پیغام بھیجا، سیدہ ام سلمہ ؓ نے ان کا پیغام بھی قبول نہ کیا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ ؓ کے ذریعے ام سلمہ ؓ کو شادی کا پیغام بھیجا تو انھوں نے کہا:

مَرْحَبًا بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَبِرَسُولِهِ.

''اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے قاصد کو خوش آمدید۔''

سیدہ ام سلمہ ؓ نے پیغام رساں سے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بتا دینا کہ مجھ میں تین خصلتیں ہیں جن کی بنا پر میں آپ ﷺ کی زوجیت کے قابل نہیں:

1 مجھ میں غیرت کا جذبہ بہت شدید ہے۔ (یعنی دوسری امہات المومنین کے ساتھ میری گزر بسر کس طرح ہوگی؟)

2 میں بال بچے دار ہوں۔

3 میرے اولیاء میں سے کوئی موجود نہیں جو نکاح کے وقت میرا سرپرست ٹھہرے۔

قاصد نے رسول اللہ ﷺ کو اس ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ ؓ کو یہ جواب بھیجا:

«أَمَّا قَوْلُكِ: إِنِّي امْرَأَةٌ غَيْرَى، فَأَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يُذْهِبَ غَيْرَتَكِ وَأَمَّا قَوْلُكِ: إِنِّي امْرَأَةٌ مُصْبِيَةٌ فَتُكْفَيْنَ صِبْيَانَكِ وَ أَمَّا قَوْلُكِ: إِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنْ أَوْلِيَائِكِ شَاهِدًا فَلَيْسَ مِنْ أَوْلِيَائِكِ شَاهِدٌ وَّلَا غَائِبٌ يَكْرَهُ ذٰلِكَ»

''تمھارا یہ کہنا کہ مجھ میں غیرت کا جذبہ بہت شدید ہے (دیگر ازواج سے گزارا مشکل ہے) تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا، وہ تمھارا یہ جذبہ ختم کر دے گا۔ تمھاری یہ بات کہ میں بال بچے دار ہوں تو تمھارے بچوں سے کفایت کر دی جائے گی (تمھارے بچوں کی کفالت میرے ذمے ہے) اور تمھارا یہ قول کہ تمھارا کوئی سرپرست موجود نہیں تو تمھارے جتنے بھی غائب اور موجود ولی ہیں، کوئی بھی تمھاری اور میری شادی ناپسند نہیں کرے گا۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ ؓ نے عرض کی: میں ادھیڑ عمر ہوں تو آپ ﷺ نے جواب ارسال فرمایا:

«وَأَمَّا السِّنُّ فَأَنَا أَكْبَرُ مِنْكِ»

[1] صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان: 2949.

''رہی عمر کی بات تو میں تم سے بڑا ہوں۔''

پھر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اُٹھو اور رسول اللہ ﷺ سے عقد کا انتظام کرو، چنانچہ انھوں نے اپنی والدہ کی شادی رسول اللہ ﷺ سے کر دی۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں ولی کی ذمہ داری ان کے بیٹے سلمہ بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہما نے ادا کی تھی اور بقول بعض سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پیغام نکاح لائے اور انھی نے ولایت کی ذمہ داری نبھائی۔ [1]

نکاح کے لیے گھریلو سامان کی تیاری

نکاح کا معاملہ طے پا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«إِنِّي لَا أَنْقُصُكِ مِمَّا أَعْطَيْتُ فُلَانَةَ رَحَائَيْنِ وَجَرَّتَيْنِ وَمِرْفَقَةً حَشْوُهَا لِيفٌ»

''میں نے تمھاری فلاں بہن کو جو کچھ دیا ہے، تمھیں اس سے کم نہیں دوں گا، یعنی دو چکیاں، دو مٹکے اور کھجوروں کے پتوں سے بھرا ہوا ایک تکیہ۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تو وہ اپنی چھوٹی بیٹی زینب کو گود میں اٹھا لیتیں۔ آپ ﷺ انتہائی معزز اور شرم و حیا والے تھے، آپ ﷺ یہ صورت حال دیکھ کر شرم و حیا کی بنا پر واپس چلے جاتے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی، ایک روایت کے مطابق اخیافی بھائی، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اس معاملے کی خبر ہوئی تو وہ آئے اور زینب کو اپنے ساتھ لے گئے، پھر نبی ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے سارا گھر دیکھا لیکن زینب نظر نہ آئی تو آپ ﷺ نے دریافت کیا:

«أَيْنَ زُنَابُ؟ مَا فَعَلَتْ زُنَابُ؟»

''زینب کہاں ہے؟ زینب کو کیا ہوا؟''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ عمار رضی اللہ عنہ آئے تھے، وہ اسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي آتِيكُمُ اللَّيْلَةَ»

''میں آج رات آؤں گا۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے آٹا پیسنے کے لیے چکی تلے چادر بچھائی، مٹکے سے کچھ جو نکالے اور انھیں

[1] إمتاع الأسماع: 53/6، صحيح مسلم: 918. [2] صحيح ابن حبان: 213/7، مسند أحمد: 295/6. مسند احمد میں ایک مٹکے کا ذکر ہے۔

پیس کر چربی میں ملایا۔ آپ ﷺ نے شب بسری کے بعد فرمایا:

«إِنَّ بِكِ عَلٰى أَهْلِكِ كَرَامَةً فَإِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ وَ إِنْ أُسَبِّعْ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي وَ إِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ ثُمَّ دُرْتُ»

''تم اپنے اہل (نبی کریم ﷺ) کے نزدیک قابل احترام ہو، تم چاہو تو میں تمھارے پاس سات راتیں گزاروں۔ اگر میں تمھارے پاس سات راتیں گزاروں گا تو اپنی دوسری بیویوں کے پاس بھی سات سات راتیں گزاروں گا اور اگر تم چاہو تو میں تمھارے پاس تین راتیں قیام کروں، پھر معمول کے مطابق چکر لگاؤں گا۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ تین دن تک رہیے۔ [1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے علم و حکمت کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا اور اسلامی تعلیمات کی روشنی پھیلانے میں دوسرے راویوں کے ہمراہ بھرپور حصہ لیا۔ ان سے 378 مرفوع احادیث مروی ہیں جبکہ صحیح بخاری میں 3، صحیح مسلم میں 13 اور متفق علیہ (صحیح بخاری و مسلم میں مشترک) 13 احادیث ہیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا 61 ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ بعض مؤرخین نے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات 59 ھ میں بیان کی ہے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔ [2]

ہجرت مدینہ منورہ کے بعد امہات المؤمنین میں سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اور سب سے آخر میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ [3]

[1] مسند أحمد: 314,313/6، صحیح ابن حبان: 213,212/7، صحیح مسلم: 1460، سنن أبي داود: 2122، الطبقات لابن سعد: 94,93/8. [2] سیر أعلام النبلاء: 210,209/2. [3] فتح الباري: 362/3، المستدرك للحاكم 20/4.

البقیع (مدینہ منورہ)



ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب اور پیدائش

خاندانی وجاہت، شرافت اور نجابت سے آراستہ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ جلیل القدر خاتون امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی، جرنیل صحابی عبداللہ بن جحش اور قادر الکلام شاعر ابواحمد بن جحش اور عظیم المرتبت صحابیہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کی بہن اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بھانجی تھیں۔ ان کا والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت جحش بن ریاب (رئاب) بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدیہ رضی اللہ عنہا۔ [1] گویا ان کا پدری نسب دسویں پشت میں نبی ﷺ کے جدِّ امجد خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس سے جا ملتا ہے۔

زینب رضی اللہ عنہا کی والدہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے:

زینب رضی اللہ عنہا بنت امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ۔

ان کی والدہ امیمہ کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ان کے مسلمان ہونے کی نفی کی

1 جامع المسانيد والسنن: 481/15، الاستيعاب، ص: 890.

قلعہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور قدیم مسجد مستراح



ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں صحابیات میں شمار کیا ہے۔[1]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا نام ''بَرّہ'' تھا جسے بعد میں رسول اللہ ﷺ نے تبدیل کر کے زینب رکھ دیا تھا۔ آپ ﷺ کو اپنی بڑی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا سے نہایت محبت تھی، اس وجہ سے آپ ﷺ نے متعدد عورتوں کا نام زینب رکھا۔[2]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش ہجرت نبوی سے تقریباً 33 سال پہلے مکہ مکرمہ میں 590ء میں ہوئی۔[3]

قبولِ اسلام

نبیِ اکرم ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا تو جن سعادت مند لوگوں نے اسلام کی دعوت قبول کی، ان میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے اسلام لانے کے ساتھ ہی ان کا خاندان بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا، یوں ان کی بہن زینب رضی اللہ عنہا بھی اسلام لانے والوں میں شامل ہوگئی۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا قدیم الاسلام تھیں۔[4]

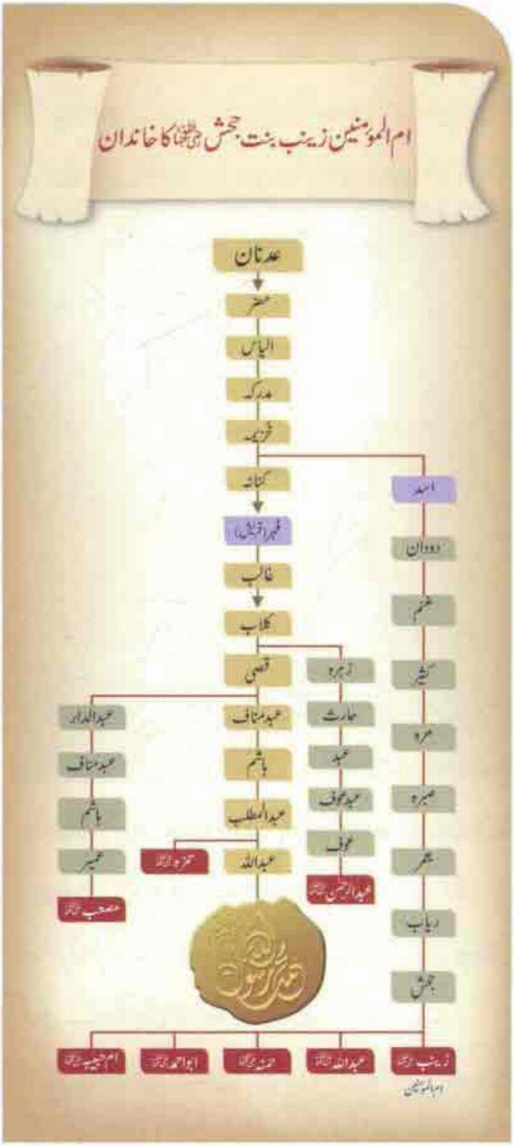
مدینہ کو ہجرت

جب کفارِ قریش نے مسلمانوں کا مکہ معظّمہ میں عرصۂ حیات تنگ کردیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے 13 نبوی میں سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو جحش کا خاندان مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا جس میں نابینا اسلامی شاعر ابواحمد بن جحش، محمد بن عبداللہ بن جحش، زینب بنت جحش، مصعب بن عمیر کی بیوی حمنہ بنت جحش اور عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہم بھی شامل تھیں۔

[1] الإصابة: 34/8. [2] صحيح مسلم: 2142. [3] أمهات المؤمنين، ص: 640. [4] أسد الغابة: 294/5.





کچھ عرصہ بعد رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ بنو جحش کا پورا کنبہ بیک وقت سفر ہجرت پر روانہ ہوا تھا، اس لیے ان کا عالی شان گھر خالی ہو گیا جس پر قریش کے سردار ابوسفیان نے قبضہ کر لیا۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ جس گھر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور قرآن مجید کی تلاوت ہوتی تھی، وہ آج ابوسفیان کے قبضے میں ہے تو عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بڑے رنجیدہ خاطر ہوئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس ناگوار صورت حال کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا تَرْضٰى يَا عَبْدَ اللّٰهِ! أَنْ يُّعْطِيَكَ اللّٰهُ بِهَا دَارًا خَيْرًا مِّنْهَا فِي الْجَنَّةِ؟»

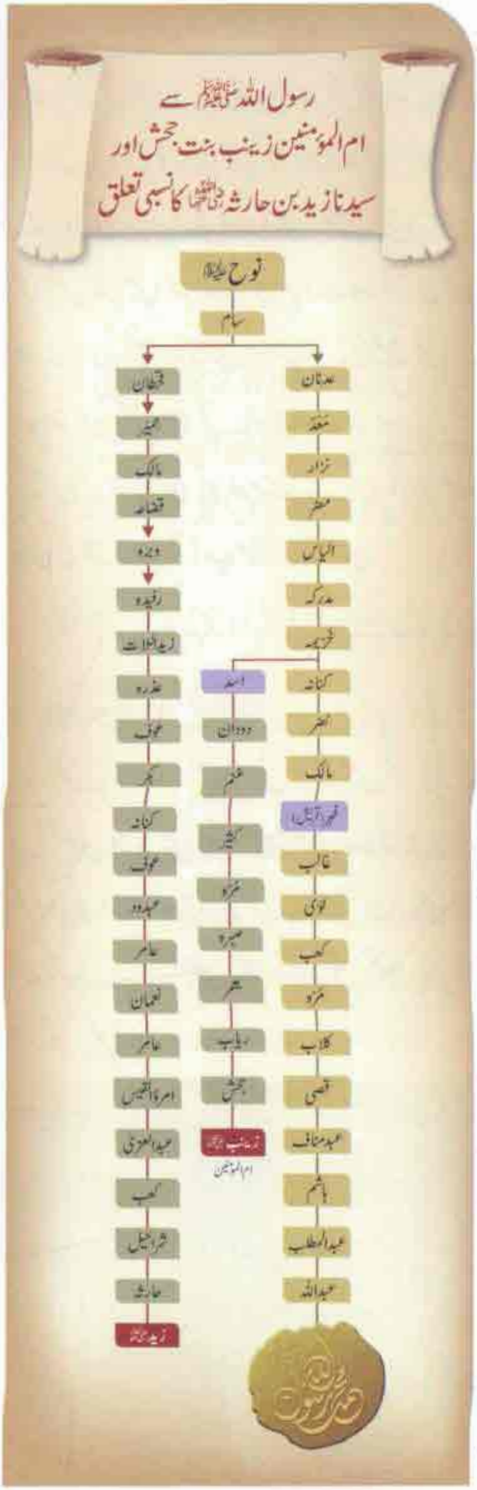
”اے عبداللہ! کیا تمھیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں اس سے بہتر گھر عطا فرمائے؟“

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے بخوشی منظور ہے۔ فرمایا: ”یقین رکھو، جنت میں تمھیں اس سے بہتر گھر ملے گا۔“

ہجرت کے موقع پر اسلامی شاعر ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ کہا۔ اس میں ہجرت کے اسباب، قریش کے ظلم و ستم اور فرزندانِ اسلام کی ایمان افروز داستان تفصیل سے بیان کی گئی تھی۔ اسے عربی ادب کا شاہکار تسلیم کیا گیا ہے۔[1]

مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عاصم بن ثابت بن ابی اقلح انصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تھا۔ سیدنا عاصم بن ثابت نے ان کے تمام قبیلے کو اپنا مہمان بھی بنایا تھا۔[2]

[1] السيرة لابن هشام: 2/500,499 و 474,473. [2] الطبقات لابن سعد: 3/90.



سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح رسول اللہ ﷺ کے لے پالک سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے ہوا تو معاشرے میں غلام و آزاد کے امتیازات مٹ گئے۔ طلاق کے بعد ان کا دوسرا نکاح سید المرسلین ﷺ سے وحی الٰہی کی بنیاد پر ہوا جس سے لے پالک کو حقیقی بیٹے کا درجہ دینے کی قدیم رسم دم توڑ گئی۔ آیئے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی اور طلاق، پھر ام المؤمنین بننے کی مفصل سرگزشت کا مطالعہ کیجیے۔

سیدہ زینب اور سیدنا زید رضی اللہ عنہما کی شادی

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پورے عالمِ انسانیت کے لیے دائمی مشعلِ راہ ہے۔ آپ ﷺ نے انسانیت کو صحیح ڈگر پر چلایا۔ آپ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ صدیوں سے ذات پات اور طبقاتی امتیازات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو ہر جاہلانہ حلقۂ زنجیر سے آزاد کرایا جائے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہو جائیں۔ تقویٰ کے سوا کوئی اور معیارِ فضیلت باقی نہ رہے۔

عرب معاشرے میں آزاد کردہ غلام کو کم تر سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ آپ ﷺ کا ارادہ تھا کہ زید رضی اللہ عنہ کی قبیلہ اسد سے تعلق رکھنے والی اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کر کے معاشرے کی طبقاتی اونچ نیچ کو ختم کر دیا جائے۔ طبقاتی اونچ نیچ کی جڑیں اتنی گہری تھیں کہ اسے صرف رسول اللہ ﷺ ہی ختم کر سکتے تھے تاکہ امت

اسے نمونہ بنا لے اور انسانیت راہِ ہدایت پر چل پڑے۔

رسول مکرم ﷺ اپنے لے پالک زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے بنفس نفیس قریش کی حسین ترین نجیب الطرفین صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگنے گئے۔ جب آپ ﷺ ان کے گھر پہنچے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے زید رضی اللہ عنہ کے رشتے کی بات کی تو ان کے بھائی عبد بن جحش نے یہ رشتہ قبول کرنے سے معذرت کی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا چونک پڑیں۔ انھوں نے بڑی حیرانی کے عالم میں عرض کیا: اللہ کے رسول! بھلا میں زید سے شادی کروں؟ میں تو عرب کے معزز ترین قبیلے کی کنواری لڑکی ہوں۔ میں زید سے شادی نہیں کروں گی، مجھے وہ پسند نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:


مسجد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، بن غازی (لیبیا)

«بَلٰی! فَانْكِحِيهِ»

”کیوں نہیں! تم اس سے شادی کر لو۔“

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کے رسول! میں اس بارے میں سوچ بچار کر لوں۔ ابھی یہ بات جاری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾

”اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے کا کوئی اختیار (باقی) رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے، وہ یقیناً کھلی گمراہی میں جا پڑا۔“[1]

اس حکم ربانی کے نزول کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا آپ زید رضی اللہ عنہ سے میری شادی پر خوش ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ فَإِنِّي قَدْ رَضِيتُهُ لَكِ»

[1] الأحزاب 36:33.

''ہاں! بلاشبہ میں نے اسے تمھارے لیے پسند کیا ہے۔''

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سُن کر سیدہ زینب ﷺ نے عرض کیا: میں اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں کروں گی۔ میں زید ﷺ سے شادی پر تیار ہوں، چنانچہ سیدہ زینب ﷺ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے زید ﷺ سے نکاح کرلیا۔ اس طرح زمانۂ جاہلیت کا طبقاتی اندازِ فکر اپنی موت آپ مرگیا۔[1]

سیدہ زینب ﷺ کا حق مہر

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب بنت جحش ﷺ کی شادی سیدنا زید بن حارثہ ﷺ سے کردی۔ سیدنا زید ﷺ نے سیدہ زینب ﷺ کو دس دینار، ساٹھ درہم، اوڑھنی، چادر، زرہ، ساٹھ مد (31.492 کلوگرام) اناج اور دس مد (5.248 کلوگرام) کھجوریں بطورحق مہر دیں۔[2]

سیدنا زید ﷺ سے شادی انقلاب انگیز ثابت ہوئی

سیدہ زینب ﷺ کی شادی سیدنا زید ﷺ سے قرار پانا دراصل اسلام کے مقاصدِ جلیلہ کا آئینہ دار تھا تاکہ لوگوں کے مابین قبائلی اور خاندانی عصبیت، جاہلانہ فخر وغرور، اونچ نیچ اور رنگ ونسل کے باطل امتیازات مٹا دیے جائیں۔ اور انسان کے شرف ومجد اور عظمت وفضیلت کا واحد معیار صرف تقویٰ قرار پائے۔

نبی اکرم ﷺ کے پیشِ نظر اس نکاح کے دو مقاصد تھے:

ایک یہ کہ اسلام میں علاقائی، ذات برادری اور خاندانی برتری کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہرچند زید ﷺ آزاد کردہ غلام تھے اور سیدہ زینب ﷺ قریش کے اونچے طبقے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن اسلام نے اس جاہلانہ فرق وامتیاز کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا ہے۔

دوسرا عظیم مقصد یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ سیدہ زینب ﷺ کو اسلامی احکام سے پوری طرح آشنا کرانا چاہتے تھے اور ان کے ذریعے سے خواتینِ قریش میں اسلامی تعلیم وتبلیغ کے آرزومند تھے۔ سیدنا زید ﷺ چونکہ ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے اور ذہین واخاذ تھے، اس لیے مسائل شرعیہ سے اچھی طرح باخبر تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی تمام دینی اصول ومبادیات کی تعلیم دیں، چنانچہ ''أسد الغابة'' میں مذکور ہے:

تَزَوَّجَهَا لِيُعَلِّمَهَا كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّةَ رَسُولِهِ.

---

[1] تفسیر الطبري، ظلال القرآن، الأحزاب 36:33، الطبقات لابن سعد: 101/8، نساء حول الرسول، ص: 88,87.
[2] تفسیر ابن کثیر، الأحزاب 37:33.

”نبی اکرم ﷺ نے ان کا نکاح سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے اس لیے کیا تھا کہ وہ انھیں کتاب وسنت کی تعلیم دیں۔“ [1]

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے جدائی

کامیاب اور محکم ازدواجی زندگی کے لیے میاں بیوی کا باہمی حُسنِ سلوک اور کامل افہام وتفہیم ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے زیادہ جاذبِ نظر نہ تھے، رنگ بھی سانولا تھا۔ ان کے برعکس سیدہ زینب رضی اللہ عنہا انتہائی خوبصورت اور معزز خاتون تھیں۔ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے شادی تو کر لی لیکن ان دونوں میاں بیوی میں دلی محبت پیدا نہ ہوسکی جبکہ باہمی محبت کا سورج چمکے بغیر میاں بیوی کی ملی جلی زندگی کے اندھیرے دُور نہیں ہوسکتے۔ اسی وجہ سے گھریلو ماحول میں تلخی راہ پا گئی جو آئے دن بڑھتی چلی گئی۔ جو عزت ووقار، اہمیت اور پذیرائی ہر خاوند اپنی رفیقۂ حیات سے چاہتا ہے، سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو وہ مقام میسر نہ آیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی طبیعت میں کچھ تیزی تھی، جو لامحالہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے لیے موجبِ اذیت تھی، چنانچہ حالات بتدریج ناسازگار ہوتے جا رہے تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سال بھر یا سال سے کچھ زیادہ عرصہ یہ آزردگی برداشت کی، بالآخر ازدواجی زندگی بس سے باہر ہوگئی۔ انھوں نے علیحدگی کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اس سے پہلے بھی وہ اس بندھن کی دشواریاں اور اِسے قائم نہ رکھ سکنے کی شکایت کرتے رہتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ انھیں ہمیشہ روک دیتے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت فرماتے تھے۔

اب سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ان کی ساری کوششیں ناکام ہوچکی تھیں۔ سال بھر کی تُرش کلامی کے باعث وہ تنگ آچکے تھے۔ طلاق کے بغیر اس الجھن کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ شادی بھی رسول اللہ ﷺ نے کرائی تھی، اس لیے سیدنا زید رضی اللہ عنہ بذاتِ خود طلاق کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی انھیں نصیحت فرمائی:

﴿اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾

”اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو۔“ [2]

سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اصلاحِ احوال کے لیے سارے جتن کیے۔ ہر امکانی کوشش کی لیکن ہر معاملے کی طرح دل کی دنیا بدل دینا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے بیوی کے فطری مزاج کی

[1] أسد الغابة:294/5. [2] الأحزاب33:37.

تبدیلی زید کے بس کی بات نہیں تھی اس لیے انھیں سیدہ زینب ﷞ کی کوئی چاہت نہ رہی۔ وہ بڑے باوقار، خود دار اور شریف النفس انسان تھے۔ انھیں گوارا نہ تھا کہ اپنی خوشی کے لیے اہلیہ کی زندگی اجیرن کر دیں۔ یوں انھوں نے علیحدگی کا حتمی فیصلہ کر لیا اور سیدہ زینب ﷞ کو طلاق دینے کا عزم صمیم لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ انھیں اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتے رہے اور بیوی کو نہ چھوڑنے کی نصیحت فرماتے رہے۔ لیکن سیدنا زید ﷛ اس قدر آزردہ اور کشیدہ خاطر تھے کہ انھوں نے بالآخر طلاق دے دی۔ [1]

[1] السيرة النبوية للصلابي: 306,305/2، نساء حول الرسول، ص: 88، تفسير ابن كثير، الأحزاب 37:33.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے طلاق پا کر عدت میں بیٹھ گئیں۔ اب ان کا ذہن خالی تھا، وہ بالکل نہیں جانتی تھیں کہ ان کا مستقبل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انھیں زحمت کش انتظار میں نہیں رکھا، انھیں عدت کے بعد سید البشر ﷺ کی اہلیہ بنا کر مادر مہربان بنا دیا۔ یہ معجزہ کس طرح ظہور میں آیا؟ آئیے پڑھیے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«اِذْهَبْ فَاذْكُرْهَا عَلَيَّ»

''جاؤ اور زینب کے پاس نکاح کے لیے میرا تذکرہ کرو۔''

سیدنا زید رضی اللہ عنہ چل پڑے۔ جب وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو وہ گندھے ہوئے آٹے میں خمیر ڈال رہی تھیں۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو میرے دل میں ان کی شان کا احساس پیدا ہوا کہ انھیں رسول اللہ ﷺ نے پیغامِ نکاح بھیجا ہے۔ یہ خیال آیا تو میں نے نظر نیچی کر لی۔ پھر میں انھیں دوبارہ دیکھ نہ سکا۔ میں نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور کہا: زینب! آپ کو مبارک ہو۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے آپ کی طرف بھیجا ہے، وہ آپ کو پیغامِ نکاح دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگیں:

مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتّٰى أُوَامِرَ رَبِّي.

''جب تک میں اپنے رب سے استخارہ نہ کرلوں، اُس وقت تک کچھ نہیں کروں گی۔''

وہ استخارہ کرنے کے لیے فوراً جائے نماز کی طرف لپکیں، ادھر قرآن نازل ہوگیا:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ۝﴾

(الأحزاب 37:33)

''اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ) سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے

بھی انعام کیا تھا، کہہ رہے تھے کہ تو اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں، پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری کر لیں اور اللہ کا حکم تو (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔"

اس فرمانِ باری تعالیٰ کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اجازت لیے بغیر ان کے پاس چلے آئے۔ [1]

ابن عباس ﷠ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ زینب ﷞ نے رب ذوالجلال کے اس عظیم احسان پر بطورِ تشکر دو ماہ کے روزے رکھنے کی نذر مان لی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کنیز سلمیٰ ﷞ یہ بشارت سنانے کے لیے سیدہ زینب ﷞ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو سیدہ نے اپنا سارا زیور انھیں انعام میں عطا کر دیا۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ جب نبیِ اکرم ﷺ زینب ﷞ کے پاس تشریف فرما ہوئے تو انھوں نے عرض کیا: کیا یہ نکاح آسمانی حکم سے ہوا ہے؟ اور خطبے اور گواہ کے بغیر ہو گیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

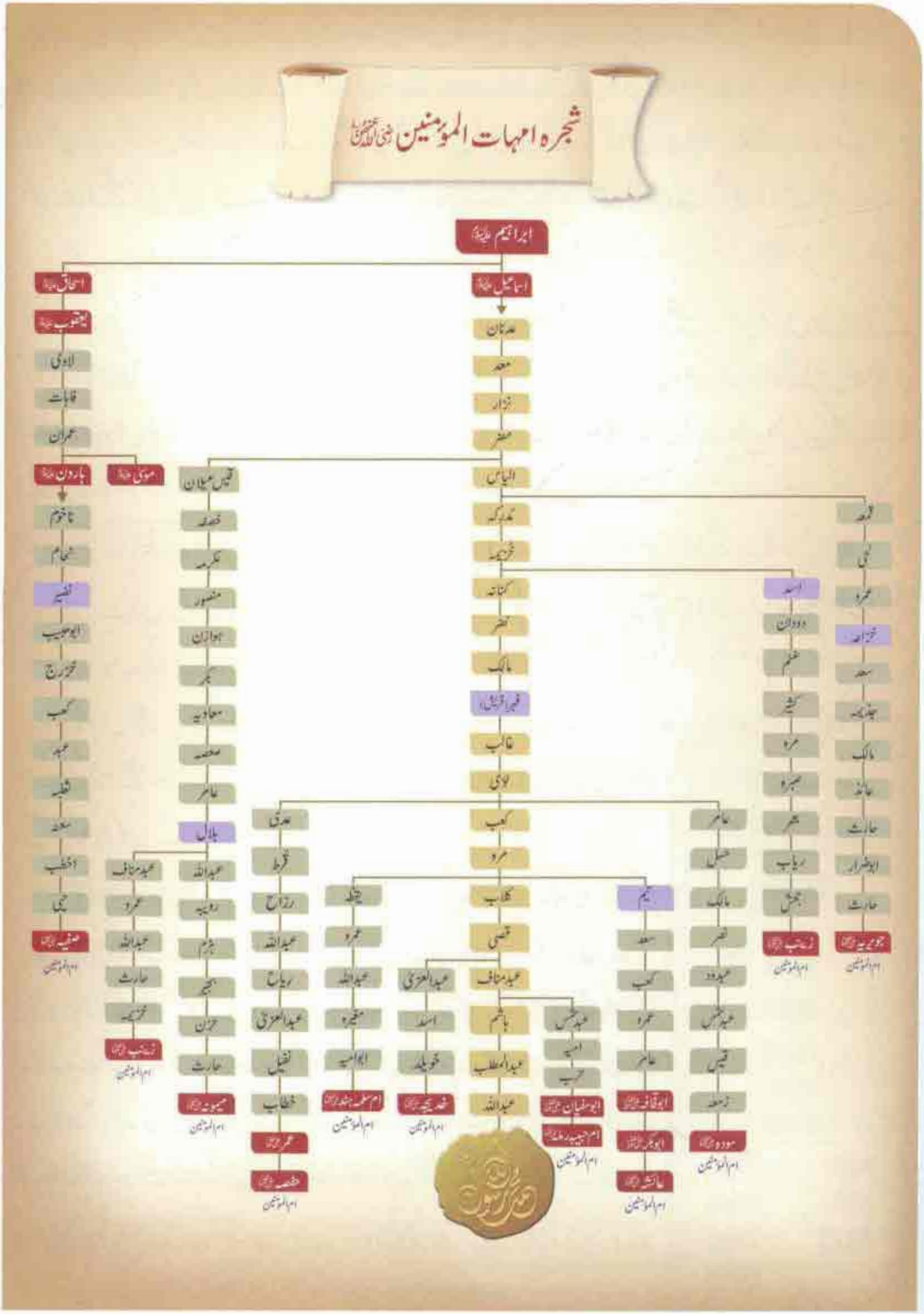
«اَللّٰهُ الْمُزَوِّجُ وَ جِبْرِيلُ الشَّاهِدُ»

"اللہ تعالیٰ نکاح کرنے والا ہے اور جبریل علیہ السلام اس کے گواہ ہیں۔" [3]

شادی کی تاریخ

رسول اللہ ﷺ کی زینب بنت جحش ﷞ سے یہ مبارک شادی کب ہوئی؟ اس میں کچھ اختلاف ہے۔ امام قتادہ، واقدی اور بعض اہلِ مدینہ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے 5 ھ میں زینب ﷞ سے شادی کی۔ ان میں سے بعض نے اس میں ذوالقعدہ کے مہینے کا اضافہ بھی کیا ہے۔ حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آپ نے یہ شادی غزوہ بنی قریظہ کے بعد کی۔ [4] اس کے بالمقابل خلیفہ بن خیاط، ابوعبیدہ بن معمر بن مثنیٰ اور ابن مندہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ یہ شادی 3 ھ میں ہوئی۔ [5] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ پہلی بات زیادہ مشہور ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ اور دیگر کئی مؤرخین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ [6] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی پہلے 3 ھ کا قول ذکر کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شادی 5 ھ میں ہوئی۔ ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش ﷞ سے 4 ھ میں شادی کی۔ یہ ان تمام علماء کا قول

[1] صحيح مسلم: (89)-1428، مسند أحمد: 195/3، أسد الغابة: 294/5. [2] المستدرك للحاكم: 24/4. [3] المعجم الكبير للطبراني: 40/24، حديث: 109. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 467/3. [5] البداية والنهاية: 147/4. [6] الإصابة: 153/8.



شجرہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن
ابراہیم علیہ السلام
اسحاق علیہ السلام
یعقوب علیہ السلام
لاوی
قاہات
عمران
ہارون علیہ السلام
موسیٰ علیہ السلام
صفیہ رضی اللہ عنہا
اسماعیل علیہ السلام
عدنان
معد
نزار
مضر
الیاس
مدرکہ
خزیمہ
کنانہ
نضر
مالک
فہر (قریش)
غالب
لؤی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبدمناف
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ
محمد رسول اللہ
قیس عیلان
خصفہ
عکرمہ
منصور
ہوازن
بکر
معاویہ
صعصعہ
عامر
ہلال
عبداللہ
حزن
حارث
میمونہ رضی اللہ عنہا
عبدمناف
عمرو
عبداللہ
حارث
خزیمہ
زینب رضی اللہ عنہا
عدی
قرط
رزاح
عبداللہ
ریاح
عبدالعزیٰ
نفیل
خطاب
عمر رضی اللہ عنہ
حفصہ رضی اللہ عنہا
یقظہ
عمرو
عبداللہ
مغیرہ
ابوامیہ
ام سلمہ ہند رضی اللہ عنہا
عبدالعزیٰ
اسد
خویلد
خدیجہ رضی اللہ عنہا
عبدشمس
امیہ
حرب
ابوسفیان رضی اللہ عنہ
ام حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا
تیم
سعد
کعب
عمرو
عامر
ابوقحافہ رضی اللہ عنہ
ابوبکر رضی اللہ عنہ
عائشہ رضی اللہ عنہا
عامر
مالک
نصر
عبدود
عبدشمس
قیس
زمعہ
سودہ رضی اللہ عنہا
اسد
دودان
مرہ
ریاب
جحش
زینب رضی اللہ عنہا
عمرو
خزاعہ
سعد
مالک
حارث
ابوضرار
حارث
جویریہ رضی اللہ عنہا
ام المومنین

ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ حجاب کا حکم 4 ھ میں نازل ہوا، اس لیے کہ حجاب کا حکم زینب ﷞ کی شادی ہی کے موقع پر نازل ہوا تھا۔ علامہ دمیاطی نے حجاب کا حکم نازل ہونے کے حوالے سے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔[1] حافظ ابن حجر ﷫ نے بھی ایک جگہ یہی لکھا ہے کہ حجاب کے متعلق مشہور ترین قول یہی ہے۔[2] ابن سید الناس ﷫ نے تو واضح طور پر لکھا ہے کہ صحیح ترین قول یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب ﷞ سے 4 ھ میں شادی کی۔[3] واللہ اُعلم بالصواب

پُر تکلف ضیافتِ ولیمہ

سیدہ زینب ﷞ اپنے خاندانی پس منظر کی بنا پر فطرتاً اعزاز و اکرام کی خواہش مند تھیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے انھوں نے ایک آزاد کردہ غلام سے شادی کر لی تھی۔ دونوں کے محسوسات میں جو فطری اختلاف تھا، اس کے باوجود وہ ان کے ساتھ رہیں حتی کہ زید ﷜ نے انھیں خود طلاق دے دی، اس لیے آپ ﷺ نے ان کے اعزاز کا خاص اہتمام فرمایا۔ سیدنا انس ﷜ روایت کرتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَوْلَمَ عَلَى امْرَأَةٍ مِّنْ نِّسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبَ فَإِنَّهُ ذَبَحَ شَاةً.

"میں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی کسی زوجۂ محترمہ کے ولیمے پر اتنا اہتمام کیا ہو جتنا اہتمام سیدہ زینب ﷞ کے ولیمے پر کیا۔ آپ ﷺ نے بکری ذبح فرمائی۔"[4]



سیدنا انس ﷜ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب ﷞ سے شادی کی تو اگلے روز جب سورج چڑھ آیا تو آپ نے ہمیں گوشت اور روٹی کھلائی حتی کہ تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔[5]

ابوعثمان جعد بیان کرتے ہیں کہ سیدنا انس ﷜ ہمارے سامنے سے بنو رفاعہ کی مسجد (جو بصرہ میں ہے) میں آئے، میں نے انھیں یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب آپ ﷺ ام سلیم ﷞ کے گھر کی طرف سے گزرتے تو ان کے پاس جاتے، انھیں سلام کرتے۔ پھر سیدنا انس ﷜ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے سیدہ زینب بنت جحش ﷞ سے شادی کی تو میری ماں اُم سُلیم ﷞ مجھ سے کہنے لگیں: اس وقت ہم آپ ﷺ کے پاس کچھ تحفہ بھیجیں تو

[1] فتح الباري : 587/8. [2] فتح الباري : 537/7. [3] عيون الأثر، ص : 441.
[4] صحيح مسلم :(91,90)-1428. [5] صحيح مسلم :(89)-1428.

اچھا ہے۔ میں نے ان کی تائید کی۔ انھوں نے کھجور، گھی اور پنیر ملا کر ایک ہانڈی میں حلوہ بنایا، میرے ہاتھ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور حکم دیا کہ جا کر عرض کرنا: میری امی آپ کو سلام کہتی ہیں اور یہ بھی کہتی ہیں کہ یہ تھوڑا سا ہدیہ ہے، ہماری طرف سے قبول فرما لیجیے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں وہ حلوہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور اپنی والدہ محترمہ کا پیغام دے دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «ضَعْهَا» ''اسے رکھ دو۔'' پھر آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا:

«اُدْعُ لِي رِجَالًا ـ سَمَّاهُمْ ـ وَادْعُ لِي مَنْ لَقِيتَ»

''جاؤ، فلاں فلاں لوگوں کو بلا لاؤ، آپ ﷺ نے ان کا نام لیا، اور جو شخص راستے میں ملے، اسے بھی بلا لاؤ۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اطاعت میں لوگوں کو دعوت دینے گیا۔ جب واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سارا گھر اور صفہ (چبوترہ) لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ حلوے پر رکھے ہوئے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، آپ ﷺ نے وہ کلمات پڑھے (برکت کی دعا کی) پھر فرمایا:

«لِيَتَحَلَّقْ عَشَرَةٌ، اُذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَلْيَأْكُلْ كُلُّ رَجُلٍ مِّمَّا يَلِيهِ»

''دس دس آدمیوں کی ٹولیاں بنالو اور اللہ کا نام لے کر ہر آدمی اپنے آگے سے کھائے۔''

جعد کہتے ہیں: میں نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: وہ کل کتنے لوگ تھے؟ انھوں نے بتایا: تقریباً تین سو لوگ تھے۔ [1]

آیاتِ حجاب کا نزول

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب لوگوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور واپس چلے گئے لیکن چند لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مجھے ان کے بیٹھے رہنے پر افسوس ہوا (کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوگی)۔ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھی تھیں۔ نبی ﷺ تشریف لائے لیکن لوگوں کو باتوں میں مشغول دیکھ کر دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں چلے گئے، آپ ﷺ دوبارہ تشریف لائے تو انھوں نے محسوس کر لیا کہ ہم آپ ﷺ کے لیے بوجھ بنے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ اٹھ کر چلے گئے۔ میں نے نبی ﷺ کو بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔ آپ ﷺ اپنی بیوی کے پاس تشریف لائے اور حجرے میں داخل ہوئے، میں بھی آپ کے ساتھ حجرے میں جانے لگا تو آپ ﷺ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ حائل کر دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور یہ

[1] صحيح البخاري: 5163، صحيح مسلم: (94)-1428.

آیت تلاوت فرمائی:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَـٰظِرِينَ إِنَىٰهُ وَلَـٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَٱدْخُلُوا۟ فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَٱنتَشِرُوا۟ وَلَا مُسْتَـْٔنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى ٱلنَّبِىَّ فَيَسْتَحْىِۦ مِنكُمْ ۖ وَٱللَّهُ لَا يَسْتَحْىِۦ مِنَ ٱلْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَـٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا۟ رَسُولَ ٱللَّهِ وَلَآ أَن تَنكِحُوٓا۟ أَزْوَٰجَهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦٓ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ ٱللَّهِ عَظِيمًا ۝﴾ (الأحزاب53:33)

''اے ایمان والو! تم نبی (ﷺ) کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، الا یہ کہ تمھیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے، نہ یہ کہ (وہاں جاکر) کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو لیکن جب تمھیں دعوت دی جائے، تب تم داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں نہ لگے رہو، بلاشبہ تمھاری یہ روش نبی (ﷺ) کو تکلیف دیتی ہے، چنانچہ وہ تم سے شرماتے ہیں اور اللہ حق بات سے نہیں شرماتا اور جب تم ان (ازواجِ مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول (ﷺ) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم ان (کی وفات) کے بعد کبھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمھارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ان آیات کا علم سب سے پہلے مجھے ہوا۔ ان آیات کے نزول کے بعد ازواجِ مطہرات کو پردہ کرا دیا گیا۔[1]

آیاتِ حجاب کا نزول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی موافقات میں سے تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! برے بھلے سب لوگ آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔ کاش! امہات المومنین کو آپ پردے کا حکم دیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے پردے کا حکم نازل فرما دیا۔[2]

جب پردے کا حکم نازل ہوا تو امہات المومنین کے باپ، بیٹوں اور دیگر رشتے داروں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہم بھی امہات المومنین سے پردے کی اوٹ میں بات کیا کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿لَّا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِىٓ ءَابَآئِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ إِخْوَٰنِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآءِ إِخْوَٰنِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآءِ أَخَوَٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُنَّ ۗ وَٱتَّقِينَ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدًا ۝﴾ (الأحزاب55:33)

''عورتوں پر اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی عورتوں

[1] صحيح البخاري: 5163، صحيح مسلم: (95,94)-1428. [2] صحيح البخاري: 4790.

اور جن (لونڈی، غلام) کے مالک ہوئے ہیں ان کے دائیں ہاتھ (ان کے سامنے آنے میں) کوئی گناہ نہیں اور (اے عورتو!) تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔"[1]

مبارک شادی کے انقلابی نتائج

جو رسمیں کسی معاشرے میں جڑ پکڑ لیتی ہیں، لوگ ان کے اتنے گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ ان سے کسی صورت دست بردار نہیں ہوتے، چاہے وہ رسمیں لغو اور بے ہودہ ہی ہوں۔ عوام الناس تو محض قدامت پسندی اور کورانہ تقلید کے باعث ان رسوم کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اہل دانش اس خوف سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ قوم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جائے گی اور لاقانونیت پھیل جائے گی، اس لیے عوام اپنے نقطہ نظر سے اور خواص اپنے اندیشوں کے باعث مروجہ رسوم کو نہیں چھیڑتے اور اگر کوئی شخص ان میں ردوبدل اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو اس کے خلاف مخالفت کا طوفان کھڑا کر دیتے ہیں۔

عرب میں دیگر لغو رسوم و رواج کے ساتھ یہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا متبنیٰ بنا لیتا تو اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے تھے جو حقیقی فرزند کے ہوتے ہیں۔ وہ متبنیٰ بنانے والے کی وفات کے بعد اس کا وارث ہوتا۔ اس کی بیوی کی بھی وہی حیثیت ہوتی جو سگے بیٹے کی بیوی کی تھی۔ وہ اجنبی لڑکا اس قبیلے کا فرد شمار ہوتا۔ اس طرح اس رسم کے سبب طرح طرح کی خرابیاں مرتب ہو رہی تھیں۔ نسب میں خلط ہو رہا تھا۔ بیٹا وہ کسی کا ہوتا، لیکن تبنیت کی بنا پر وہ اپنے اصل خاندان سے کٹ جاتا تھا اور دوسرے خاندان کا فرد شمار ہوتا تھا۔ اگر کسی کی حقیقی اولاد نہ ہو تو اس کے دوسرے قریبی رشتہ دار اس کے مالِ متروکہ کے حق دار بنتے ہیں لیکن متبنیٰ ہونے کی صورت میں یہ اجنبی بچہ ان کے سارے حقوق غصب کر لیتا اور خونی اور نسبی قرابت رکھنے والے قریبی رشتے دار بھائی اور بھتیجے سب منہ دیکھتے رہ جاتے تھے، یہ بڑا وسیع اور صریح ظلم تھا۔

پھر اگر متبنیٰ کی بیوی کے ساتھ بعینہٖ وہی سلوک کیا جائے جو حقیقی بہو کے ساتھ ہوتا ہے تو حرمت مصاہرت کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ متبنیٰ بنانے والے پر اپنے لے پالک کی بیوی حرام، اس کی بیوی کی ماں حرام، اگر کوئی اس کی بیٹی ہو تو وہ حرام۔ یہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے، اس رسم کے باعث ان سے نکاح حرام ہو جاتا تھا۔ الغرض اس جاہلانہ رسم سے طرح طرح کی خرابیاں نمودار ہو رہی تھیں اور معاشرہ گوناگوں مشکلات میں مبتلا تھا۔ لیکن سماج کے اس رواج کی اصلاح کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رحم فرماتے ہوئے اپنے رسول ﷺ کو

[1] تفسیر ابن کثیر، الأحزاب 55:33.

بھیجا تو یہ سارے رسوم و رواج اپنی موت آپ مر گئے۔

عرب کا قانون اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی، مطلقہ یا بیوہ، سے نکاح کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ قرآن نے بھی اس کی حرمت کو برقرار رکھا۔ متبنیٰ کی بیوی کی حیثیت بھی وہی تھی، اس کے حرام ہونے میں عربوں کو قطعاً کوئی شبہ نہ تھا۔ اسلام نے اس قبیح رسم اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کو منسوخ کر دیا۔ جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں انھیں اپنی زوجیت میں لے کر اس رسم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور یہ نمونہ قائم کر دیا کہ لے پالک کی بیوی حقیقی بہو کی حیثیت نہیں رکھتی، اس کے مطلقہ یا بیوہ ہونے کے بعد اس سے شادی کی جا سکتی ہے۔ اس طرح دیگر رسوم کی طرح صدیوں سے چلی آنے والی یہ رسم بھی دم توڑ گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کی حکمت یوں بیان فرمائی:

﴿لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ۝﴾

''تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں۔''[1]

نکاحِ زینب پر لغو اعتراضات کا جواب باصواب

1 جب رسول اللہ ﷺ نے حکمِ الٰہی سے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تو منافقین اور دیگر دشمنانِ اسلام کو موقع مل گیا کہ وہ بات کا بتنگڑ بنائیں اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکائیں۔ انھوں نے باتیں بنانی شروع کر دیں کہ دیکھو محمد (ﷺ) نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے۔ آپ ﷺ اس صورتحال پر متردد ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تردید میں یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ۝﴾

''اور نبی کے لیے اس بات میں کوئی حرج نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی، ان لوگوں (انبیاء) میں بھی جو پہلے گزر چکے ہیں، اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔''[2]

2 یورپ کے متعصب اور تنگ نظر پادریوں نے جنھوں نے دنیا کو دھوکا دینے کے لیے محققین اور مستشرقین کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، تاریخِ اسلام کے اس سادہ سے واقعے کو اچھال کر ایسا رنگ دیا کہ اچھے اچھے سمجھ دار لوگ ان کے

[1] الأحزاب 37:33. [2] تفسیر ابن کثیر، الأحزاب 38:33.

دامِ فریب میں پھنس گئے اور دولتِ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آیئے قرآنِ کریم کے کلماتِ طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں انھوں نے ٹھوکر کھائی یا دانستہ اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی نشاندہی کریں تاکہ حقیقت اپنی رعنائیوں کے ساتھ آشکار ہو جائے۔

3 بعض غلط اور باطل روایات کا سہارا لے کر کہا جاتا ہے کہ جب سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے ہو گیا تو ایک روز رسول اللہ ﷺ اچانک زید رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ ابھی زید رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد ہی کہا جاتا تھا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بے دھیانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ آپ ﷺ نے انھیں دیکھا تو ان کی محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «أَيْنَ زَيْدٌ؟» ''زید کہاں ہے؟'' انھوں نے کہا: وہ گھر میں نہیں ہیں، آپ اندر تشریف لے آئیں۔ آپ ﷺ نے اندر آنے سے انکار کر دیا اور کچھ کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔ آپ ﷺ کیا فرما رہے تھے؟ آپ ﷺ کے بول سمجھ میں نہیں آئے، البتہ یہ کلمات کبھی کبھی بلند آہنگی سے کہتے رہے:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ»

''پاک ہے اللہ تعالیٰ جو بڑا باعظمت ہے، پاک ہے دلوں کو پھیرنے والا۔''

جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا: تو تم نے انھیں اندر نہیں بلایا؟ انھوں نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو اندر تشریف لانے کا کہا تھا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو کچھ کہتے سنا؟ انھوں نے کہا: ہاں، جب آپ ﷺ واپس جانے لگے تو کچھ فرما رہے تھے لیکن میں سمجھ نہیں سکی آپ کیا فرما رہے تھے، البتہ یہ ضرور سنائی دیا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ»

زید رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ نبی ﷺ کو زینب رضی اللہ عنہا پسند آ گئی ہیں، چنانچہ انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ زینب کو طلاق دے دیں تاکہ آپ ﷺ ان سے شادی کر سکیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے اپنے ارادۂ طلاق کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے بظاہر انھیں طلاق دینے سے روکا لیکن طلاق ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ان سے شادی رچالی۔[1]

یہ داستان بالکل غلط ہے۔ امام ابن العربی نے اس کی تردید میں لکھا ہے کہ یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب کو دیکھا تو وہ آپ ﷺ کے دل میں گھر کر گئیں۔ زینب رضی اللہ عنہا کو تو رسول اللہ ﷺ نے پہلے بھی دیکھا تھا، اس وقت

[1] الطبقات لابن سعد: 102,101/8.

تو پردہ بھی مانع نہیں تھا۔ بعد میں یہ تعلق کیسے پیدا ہوگیا۔ پہلے تو ایسی کوئی بات ہی نہیں تھی لیکن جونہی زینب ﷞ کا نکاح ہوا، ایک دم سے یہ معاملہ کیونکر ہوگیا؟ رسول اللہ ﷺ کا دل ایسی بے ہودگیوں اور آلودگیوں سے پاک تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾

''اور (اے نبی!) اپنی نگاہیں، ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دنیاوی زندگی کی آرائش (کی خاطر) دے رکھی ہیں تاکہ انھیں اس میں آزمالیں، تمھارے رب کا دیا ہوا اس سے بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔''[1]

بلاشبہ عورتیں دنیا کی زیب و زینت ہیں مگر مطلقہ عورت میں جاذبیت کہاں اور پھر شادی شدہ عورت میں وہ کشش کب باقی رہتی ہے؟ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ﴾ (الأحزاب37:33)

''اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔''

یعنی آپ اس نکاح کا معاملہ دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں تھی جو بعد میں سامنے آتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے دل میں زینب ﷞ کی محبت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور ظاہر فرما دیتے۔ یوں ہمیں یقین ہے کہ آپ ﷺ نے جو بات دل میں چھپا رکھی تھی، وہ ارادۂ نکاح ہی کی بات تھی۔ گھٹیا اور گمراہ لوگ جو کچھ تصور کیے بیٹھے ہیں ویسا معاملہ ہرگز نہیں تھا۔[2]

نگاہِ حقیقت شناس سے ان بدباطن لوگوں کی ہرزہ سرائی دیکھی جائے تو صداقت خود بخود نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اگر سیدہ زینب ﷞ کوئی اجنبی خاتون ہوتیں، کسی غیر قبیلے کی فرد ہوتیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے کبھی دیکھا ہی نہ ہوتا تو پھر ان کی بے سروپا حکایت ماننے کی کوئی وجہ ہوتی کہ اچانک نظر پڑی اور ان کی خوبصورتی دل کو بھا گئی، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ وہ آپ ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں، آپ کے سامنے پلی بڑھیں۔ بچپن اور جوانی آپ کے سامنے تھی۔ آخر زندگی کا کون سا پہلو ایسا تھا جو آپ ﷺ سے پوشیدہ تھا اور وہ اس روز اچانک آشکارا ہوا اور محبت کا طوفان پھوٹ پڑا۔ نعوذ باللہ!

[1] طٰهٰ 131:20. [2] أحكام القرآن لابن العربي: 365,364/3.

جب حقیقت یہی ہے تو کوئی غیور اور انصاف پسند اس داستانِ سراپا ہذیان کو قبول نہیں کرسکتا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جب سیدہ کنواری تھیں اور آپ ﷺ کے حرم کی زینت اور آپ کے کنبے کا فرد بننا اپنے لیے سعادت خیال کرتی تھیں، اس وقت تو آپ ﷺ کے دل میں ان کے لیے کوئی کشش پیدا نہ ہوئی بلکہ آپ ﷺ خود اپنے متبنّٰی کے لیے ان کا رشتہ مانگنے گئے تھے۔ جب ایک سال سے زائد عرصہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ گزر گیا تو اچانک یہ صورت حال کس طرح پیدا ہوگئی جوان بدباطن عقل کے اندھوں کو نظر آنے لگی؟ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾

”اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔“ [1]

بعض لوگوں نے اس فقرے کا الٹا مطلب یہ نکال لیا ہے کہ نبی ﷺ خود سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے خواہش مند تھے، اور آپ ﷺ کا جی چاہتا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دے دیں، مگر جب انھوں نے آکر عرض کیا کہ میں بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو آپ ﷺ نے، معاذ اللہ! اوپری دل سے ان کو منع کیا، اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ”آپ دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔“

حالانکہ اصل بات اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگر اس سورت کی آیات نمبر: 13,2,1 اور 7 کے ساتھ ملا کر یہ فقرہ پڑھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ جس زمانے میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ کے درمیان تلخی بڑھتی چلی جا رہی تھی اُسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو یہ اشارہ کر چکا تھا کہ زید جب اپنی بیوی کو طلاق دیں تو ان کی مُطلقہ خاتون سے آپ کو نکاح کرنا ہوگا لیکن چونکہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ عرب کی اس سوسائٹی میں منہ بولے بیٹے کی مُطلقہ سے نکاح کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور وہ بھی عین اس حالت میں جب کہ مٹھی بھر مسلمانوں کے سوا باقی سارا عرب آپ کے خلاف پہلے ہی خار کھائے بیٹھا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ اس شدید آزمائش میں پڑنے سے ہچکچا رہے تھے۔ اسی بنا پر جب سیدنا زید نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ آپ کا منشا یہ تھا کہ یہ شخص طلاق نہ دے تو میں اس بلا میں پڑنے سے بچ جاؤں، ورنہ اس کے طلاق دے دینے کی صورت میں مجھے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی اور پھر مجھ پر وہ کیچڑ اُچھالی جائے گی کہ پناہ بخدا۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اُولُوا العزمی اور رضا بقضا کے جس بلند مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا، اس کے لحاظ سے آپ کی

[1] الأحزاب 37:33.

یہ بات اُس کو فروتر نظر آئی کہ آپ نے قصداً زید کو طلاق سے روکا تا کہ آپ اس کام سے بچ جائیں جس میں آپ کو بدنامی کا اندیشہ تھا، حالانکہ اللہ ایک بڑی مصلحت کی خاطر وہ کام آپ سے لینا چاہتا تھا۔ ”تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو“ کے الفاظ صاف صاف اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ [1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس بات کو چھپا رہے تھے وہ یہی تھی کہ سیدہ زینب بنت جحش ﷞ آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی اور اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ سے تعبیر فرما کر ظاہر کیا ہے اور آپ ﷺ کو جس بات کا ڈر تھا وہ یہی تھی کہ منافق لوگ طوفانِ بدتمیزی کھڑا کر دیں گے کہ دیکھو انھوں نے اپنے متبنّیٰ کی بیوی سے شادی کر لی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کی حکمت خود واضح کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ تعالیٰ جاہلیت کی رسم متبنّیٰ کو باطل کرنا چاہتا تھا جو آپ ﷺ کے ذریعے ہی ممکن تھی تا کہ وہ لوگوں میں قبولیت حاصل کر لے۔

سیدہ عائشہ ﷞ سے روایت ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ وحی میں سے کوئی بات چھپانا چاہتے تو مذکورہ بالا آیت چھپاتے۔ [2]

لے پالک سگا بیٹا نہیں ہو سکتا

عربوں میں منہ بولا بیٹا بنانے کا رواج بہت پرانا اور پختہ ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ منہ بولا بیٹا بنانے کا نظام اور اس پر مرتب ہونے والے منفی نتائج کا خاتمہ کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ ﷜ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، پھر ان کی شادی سیدہ زینب ﷞ سے کی۔ ابھی انھیں زید بن محمد ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قانونِ تبنیت کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ﴾

”اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے اور تم اپنی جن بیویوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہو، انھیں اللہ نے تمھاری مائیں نہیں بنایا اور نہ اس نے تمھارے لے پالکوں کو تمھارے (حقیقی) بیٹے بنایا ہے۔ یہ تو تمھارے اپنے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔“ [3]

[1] تفهيم القرآن، الأحزاب 37:33. [2] فتح الباري: 665/8. [3] الأحزاب 4:33.

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ آیت نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے انھیں اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا جس کی وجہ سے انھیں زید بن محمد کہا جاتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس الحاق اور نسبت کو ختم کر دیا جائے، اس لیے فرمایا کہ جس طرح ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے، اسی طرح کسی کی بیوی اس کی ماں نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اس کا منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا، چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ﴾ ”اور نہ تمھارے لے پالکوں کو تمھارے (حقیقی) بیٹے بنایا۔“ جیسا کہ اس سورۂ مبارکہ میں فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۝﴾

”محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔“ [1]

یہاں فرمایا: ﴿ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ ”یہ سب تمھارے منہ کی باتیں ہیں۔“ یعنی تمھارا لے پالک کو بیٹا قرار دینا یہ بات لازم نہیں کرتا کہ وہ تمھارا حقیقی بیٹا ہو کیونکہ وہ تو کسی دوسرے شخص کی پشت سے پیدا ہوا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اس کے دو باپ ہوں جیسا کہ یہ ممکن نہیں کہ کسی آدمی کے دو دل ہوں۔ [2]

متبنیٰ کو اس کے حقیقی باپ سے منسوب کیا جائے

ابتدائے اسلام میں لے پالک کو اجنبی کی طرف نسبت کرنے کا جواز تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی والدین کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے کہ عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝﴾

”ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے، پھر اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور اس معاملے میں اگر تم بھول چوک جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، لیکن تمھارے دل جس بات کا عزم کر لیں (تو وہ گناہ ہے) اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔“ [3]

---

[1] الأحزاب 33:40. [2] تفسیر ابن کثیر، الأحزاب 33:4. [3] الأحزاب 33:5.

سیدنا عبداللہ بن عمر ﷠ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ ﷠ کو زید بن محمد کہتے تھے حتی کہ یہ (مذکورہ بالا) فرمانِ الٰہی نازل ہوا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کرکے بلاؤ، بشرطیکہ ان کے والد کا علم ہو۔ اگر ان کے والد کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور دوست ہیں، لہٰذا اس طرح کہہ دیا جائے: فلاں مولیٰ فلاں یا مولیٰ بنی فلاں۔[2]

اگر والدین کا علم ہو بھی تو دینی بھائی چارے کی بڑی اہمیت ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے زید ﷛ سے فرمایا:

«أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا»

''تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔''[3]

مذکورہ بالا آیت میں بھول چوک والے، تلاش بسیار کے بعد غلطی کرنے والے، زبانی لغزش یا سبقتِ لسانی سے ایسے الفاظ کہہ دینے والے کو رعایت دی گئی ہے۔ لیکن جان بوجھ کر اپنے باپ کا رشتہ تبدیل کرنے یا نسب کو غلط منسوب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے گنہگار اور معیوب قرار دیا ہے۔[4]

شریعت میں اس بات کی سختی سے ممانعت ہے کہ کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے نسب کو اپنے حقیقی والد کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ ادَّعٰی إِلٰی غَیْرِ أَبِیهِ، أَوِ انْتَمٰی إِلٰی غَیْرِ مَوَالِیهِ، فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِینَ، لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا»

''جس شخص نے اپنے آپ کو اپنے والد کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مالک کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی نفل یا فرض عبادت قبول نہیں کرے گا۔''[5]

اس طرح اللہ تعالیٰ نے عرب کے مہمل اور مُضر رسوم و رواج کا خاتمہ کر دیا۔ اب منہ بولے بیٹے کی وہ حیثیت ختم ہوگئی جو حقیقی بیٹے کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا سیدہ زینب ﷞ سے نکاح کرکے عربوں کے جمود کا خاتمہ کر دیا۔

[1] صحيح البخاري :4782. [2] تفسير السعدي، الأحزاب 5:33. [3] صحيح البخاري :2699. [4] قضايا نساء النبي والمؤمنات لحفصة بنت عثمان الخليفي، ص :192,191. [5] صحيح البخاري :1870، صحيح مسلم :1370.

انقلاب آفریں فیوض و برکات

رسول اللہ ﷺ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی سے امت مسلمہ کو بے شمار فوائد و برکات نصیب ہوئیں، مثلاً:

1 سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پہلے زید رضی اللہ عنہ سے، پھر رسول اللہ ﷺ سے نکاح کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے مصنوعی رشتوں کا سلسلہ ختم کیا اور مسلمانوں کی حرمت اور وقار کے تحفظ کا انتظام کیا۔

2 مساوات کا یہ بے نظیر معیار و منظر عملاً سامنے آ گیا۔ کہ اسلام نے انسانی رشتے کے اعتبار سے آقا اور غلام سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا اور شرف و فضیلت کا واحد معیار صرف تقویٰ قرار پایا۔

3 اس شادی کی برکت سے متبنّٰی بیٹے کو حقیقی بیٹا بنانے کی قدیم رسم کا خاتمہ ہو گیا۔ اس موقع پر قرآن مجید کا یہ حکم نازل ہوا:

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ○ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾

”اور نہ (اللہ نے) تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ تمھارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اللہ حق بات کہتا ہے اور وہ سیدھی راہ سمجھاتا ہے۔ لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت دے کر بلاؤ۔ یہ اللہ کے نزدیک پورا انصاف ہے۔“[1]

4 اس شادی سے وہ قدیم رسم ختم ہو گئی جس کے زیر اثر لے پالک کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے منہ بولے باپ کی شادی معیوب تصور کی جاتی تھی۔

5 اس موقع پر گھروں کی خلوت کے تحفظ کے لیے پردے کا حکم نازل ہوا اور بغیر اجازت مکان کے اندر آنے سے روک دیا گیا۔

6 اسی موقع پر کھانا کھا چکنے کے بعد فوراً واپس چلے جانے کا حکم نازل ہوا۔

7 خواتین سے اگر کوئی سوال کرنا ہو یا کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ میں کھڑے ہونے کی تاکید فرمائی گئی اور اسی تاکید کی رو سے مسلمانوں میں یہ روایت قائم ہو گئی کہ وہ کسی ضرورت سے کسی کے گھر جائیں تو دستک دے کر اوٹ میں کھڑے ہو جائیں تاکہ اگر کوئی خاتونِ خانہ دروازہ کھولے تو آمنا سامنا نہ ہونے پائے اور نظر کی حفاظت کی جا سکے۔

8 اس نکاح پر رسول اللہ ﷺ نے ولیمے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

9 سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کی برکت سے یہ یگانہ اور ابدی شرف حاصل

[1] الأحزاب 33:5.

ہوا کہ ان کی شادی عام روایتی شادیوں سے ہٹ کر زمین پر ولی اور گواہوں کے سامنے معاہدۂ نکاح طے کرنے کے بجائے آسمانی حکم کی بنیاد پر ہوئی اور اس نکاح کے گواہ جبریل علیہ السلام بنے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت پر زینب رضی اللہ عنہا کی گواہی

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بہت پرہیز گار خاتون تھیں۔ کثرت سے روزے رکھتیں، قیام اللیل کرتیں۔ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی تو چند مخلص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پروپیگنڈے کی شدت سے متاثر ہوگئے۔ ان میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی تھیں لیکن اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دامن کو ہر طرح سے بچائے رکھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مشورہ کیا اور ان کی رائے معلوم کی تو انھوں نے بڑا سچا اور ایمان افروز جواب دیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَحْمِي سَمْعِي وَبَصَرِي، وَاللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا خَيْرًا.

”اے اللہ کے رسول! میں اپنے کان اور آنکھ محفوظ رکھتی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اچھائی اور نیکی کے سوا اور کوئی بات نہیں جانتی۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان کے ورع اور تقویٰ کا اعتراف کیا۔ انھوں نے فرمایا:

فَعَصَمَهَا اللّٰهُ بِالْوَرَعِ.

”اللہ تعالیٰ نے انھیں پرہیز گاری کی بدولت اس فتنے سے محفوظ رکھا۔“ [1]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا امتیازی شرف

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے ایسے امتیازی شرف سے نوازا جو رسول اللہ کی کسی اور زوجۂ مکرمہ کے حصے میں نہیں آیا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زینب رضی اللہ عنہا دوسری امہات المومنین پر فخر کرتے ہوئے کہتی تھیں:

زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ وَ زَوَّجَنِي اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ.

”تمھاری شادیاں تمھارے گھر والوں نے کیں اور میری شادی اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر کی۔“ [2]

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے کہا کرتی تھیں کہ مجھے آپ کی دوسری بیویوں کی نسبت تین چیزوں میں فوقیت حاصل ہے:

[1] صحيح البخاري :2661. [2] صحيح البخاري :7420، جامع الترمذي :3213.

1 میری اور آپ کی قرابتداری سب سے زیادہ قریبی ہے، سردار عبدالمطلب آپ کے دادا اور میرے نانا ہیں۔

2 آپ ﷺ سے میرا نکاح اللہ عزوجل نے آسمانوں پر کیا۔

3 میرے اور آپ کے نکاح میں سفیر جبریل علیہ السلام تھے۔ [1]

حُسن وہ ہے جس کا اعتراف سوکنیں کریں

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ فرماتی تھیں: نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں سے آپ ﷺ کے نزدیک حسنِ مرتبت میں میری مد مقابل زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

وَلَمْ أَرَ امْرَأَةً قَطُّ خَيْرًا فِي الدِّينِ مِنْ زَيْنَبَ، وَأَتْقَى لِلّٰهِ، وَأَصْدَقَ حَدِيثًا، وَ أَوْصَلَ لِلرَّحِمِ وَأَعْظَمَ صَدَقَةً، وَأَشَدَّ ابْتِذَالًا لِنَفْسِهَا فِي الْعَمَلِ الَّذِي تَصَدَّقُ بِهِ، وَ تَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللّٰهِ مَا عَدَا سَوْرَةً مِّنْ حِدَّةٍ كَانَتْ فِيهَا، تُسْرِعُ مِنْهَا الْفَيْئَةَ.

"میں نے ایسی کوئی عورت نہیں دیکھی جو دین میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر ہو، ان سے زیادہ اللہ کا تقویٰ رکھتی ہو، ان سے زیادہ راست گفتار ہو، ان سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والی ہو، ان سے زیادہ فیاض اور مخیّر ہو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنے کی غرض سے محنت کر کے خود کمانے کے لیے اپنے آپ کو ان سے زیادہ مشقت میں ڈالتی ہو اور اس کے ذریعے سے اللہ کا قرب چاہتی ہو۔ بس اُن کے مزاج میں ذرا سی تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہو جاتی تھی۔" [2]

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی عبادت و ریاضت

ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مہاجرین میں مال تقسیم فرما رہے تھے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کوئی بات کہی جس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سخت لہجے میں ٹوک دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَعْرِضْ عَنْهَا يَا عُمَرُ! فَإِنَّهَا لَأَوَّاهَةٌ»

"عمر! انھیں رہنے دو۔ (کچھ نہ کہو) یہ بڑی اَوّاہ ہیں۔"

ایک شخص نے عرض کیا: اوّاہ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

1 البداية والنهاية :4/148. 2 صحيح مسلم :2442، السنن الكبرىٰ للنسائي :7/64-66.

«اَلْخَاشِعُ الدَّعَّاءُ الْمُتَضَرِّعُ»

”(اوّاہ کا مطلب ہے:) خشوع وخضوع کرنے والی، بہت دعا کرنے والی اور گریہ وزاری کرنے والی۔“

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَأَوّٰهٌ حَلِيمٌ ۝﴾ (التوبة 9:114)

”بے شک ابراہیم بڑے نرم دل، نہایت بردبار تھے۔“[1]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کے ایک طرف چھوٹی سی مسجد بنا رکھی تھی جس میں وہ اکثر اوقات عبادت ہی میں مصروف رہتیں۔ گاہے بگاہے رسول اکرم ﷺ بھی اس مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا معمول یہ تھا کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے استخارہ ضرور کرتی تھیں۔[2]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فیاضی

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نہایت قناعت پسند اور فیاض طبع تھیں۔ اپنے ہاتھوں سے کماتی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیتی تھیں۔ وہ غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں پر بہت زیادہ صدقہ کرتی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَسْرَعُكُنَّ لَحَاقًا بِي أَطْوَلُكُنَّ يَدًا»

”تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ (بیوی) ملے گی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔“

قَالَتْ: فَكُنَّ يَتَطَاوَلْنَ أَيَّتُهُنَّ أَطْوَلُ يَدًا، فَكَانَتْ أَطْوَلَنَا يَدًا زَيْنَبُ، لِأَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَصَدَّقُ»

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہی کے ہاتھ ہم سب سے لمبے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کماتی تھیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سرور دو عالم ﷺ کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، اُس وقت ہمیں ہاتھ لمبے ہونے کا مطلب سمجھ آیا کہ اس سے مراد کثرت کے ساتھ صدقہ وخیرات کرنا ہے، یعنی صدقہ و خیرات کرنے میں کس (عورت) کا ہاتھ لمبا ہے۔[4]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کھالیں رنگتی تھیں اور اس کی جو اُجرت ملتی تھی، وہ صدقہ کر دیتی تھیں۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ

[1] معرفة الصحابة لأبي نعيم :3224/6، حديث :7424، حلية الأولياء :65,64/2، حديث :1494. [2] صحيح مسلم : 1428. [3] صحيح البخاري :1420، صحيح مسلم :2452، واللفظ له. [4] صحيح البخاري :1420.

کہتے ہیں: وہ دستکاری کے ذریعے سے جو کچھ کماتی تھیں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتی تھیں۔ [1]

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو وہ سالانہ خرچ بھیجا جو انھوں نے نبی کریم ﷺ کی بیویوں کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ انھوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ میرے رشتہ داروں اور یتیموں میں تقسیم کر دو۔ برزہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انھوں نے کہا: کپڑے کے نیچے جو کچھ پڑا ہے، اس میں تمھارا حصہ بھی ہے تو باقی پچاسی درہم نکلے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو ایک ہزار درہم مزید بھیج دیے۔ انھوں نے وہ بھی تقسیم کرا دیے۔ [3]

اسے تقسیم کرنے کے بعد دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ! لَا يُدْرِكُنِي عَطَاءُ عُمَرَ بَعْدَ عَامِي هٰذَا.

''اے اللہ! اس سال کے بعد مجھے عمر رضی اللہ عنہ کا وظیفہ نہ لینا پڑے۔''

چنانچہ اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔ [4]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے 20ھ/641ء میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر 53 برس تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے بعد امہات المومنین میں سے سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہی نے وفات پائی۔ [5]

جب انھوں نے موت کے آثار دیکھے تو لواحقین سے کہا: میرا آخری وقت آچکا ہے، میں نے اپنا کفن خود تیار کر رکھا ہے۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میرے لیے کفن بھیجیں تو ان دونوں میں سے کوئی ایک کفن صدقہ کر دینا۔ ان کی یہ وصیت پوری کر دی گئی۔ [6]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ چار تکبیرات کے ساتھ پڑھائی۔ [7]

اس دن گرمی بہت شدید تھی۔ جہاں قبر کھودی جا رہی تھی، وہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قبر کھودنے والوں کے لیے خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ گرمی کی شدت کم ہو جائے۔ [8]

نماز جنازہ کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دریافت کیا گیا کہ قبر میں کون داخل ہوگا؟ انھوں نے کہا: وہ شخص

[1] الإصابة: 154/8. [2] الطبقات الكبرىٰ: 109/8، الإصابة: 155/8. [3] الطبقات الكبرىٰ: 110/8. [4] الإصابة: 155/8، الطبقات لابن سعد: 109/8. [5] الإصابة: 155/8. [6] الطبقات لابن سعد: 109/8، الإصابة: 155/8. [7] الطبقات لابن سعد: 112/8، مسند البزار: 360/1، حديث: 241. [8] الطبقات لابن سعد: 113,112/8.

جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔[1]

چنانچہ اسامہ بن زید، ان کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن جحش اور عبداللہ بن ابی احمد بن جحش اور اُن کے بھانجے محمد بن طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم نے انھیں قبر میں اُتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے پیچھے کوئی درہم نہیں چھوڑا۔ صرف ایک مکان تھا جسے وارثوں نے پچاس ہزار درہم میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس نے یہ مکان گرا کر مسجد نبوی کے صحن کی توسیع کر دی۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد فرمایا:

لَقَدْ ذَهَبَتْ حَمِيدَةً، مُتَعَبِّدَةً، مَفْزَعَ الْيَتَامٰى وَالْأَرَامِلِ.

''وہ ہستی دنیا سے رخصت ہوئیں جو تعریف کے لائق اور عبادت گزار تھیں وہ یتیموں اور بیواؤں کی جائے پناہ تھیں۔''[3]

مرویات کی تعداد

بقی بن مخلد کے مطابق ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد گیارہ ہے۔[4] کتب ستہ میں ان کے واسطے سے پانچ روایات درج ہیں۔[5] دو متفق علیہ ہیں۔[6] اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

1 الطبقات لابن سعد : 111/8. 2 الطبقات لابن سعد : 114/8. 3 الإصابة : 155/8، الطبقات لابن سعد : 110/8.
4 تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 370. 5 تحفة الأشراف للمزي: 1/321-323. 6 سير أعلام النبلاء : 121/2.


خلیفہ ولید بن عبدالملک کی بنا کردہ مسجد اموی (دمشق)

غزوۂ دومۃ الجندل

غزوۂ دومۃ الجندل اسلامی حکومت کی اساس مضبوط کرنے کی ایک کوشش تھی۔ دومۃ الجندل مدینہ سے تقریباً 480 کلومیٹر شمال میں غسانی مسیحی ریاست کی حدود پر واقع تھا جو بازنطینی رومی سلطنت کے زیرِ نگیں تھی۔ یہاں بنو قضاعہ کی شاخ بنو کلب کے لوگ آباد تھے، چنانچہ دومۃ الجندل میں منعقد ہونے والے مشہور میلے پر بھی بنو قضاعہ کا کنٹرول تھا۔

غزوے کے اسباب

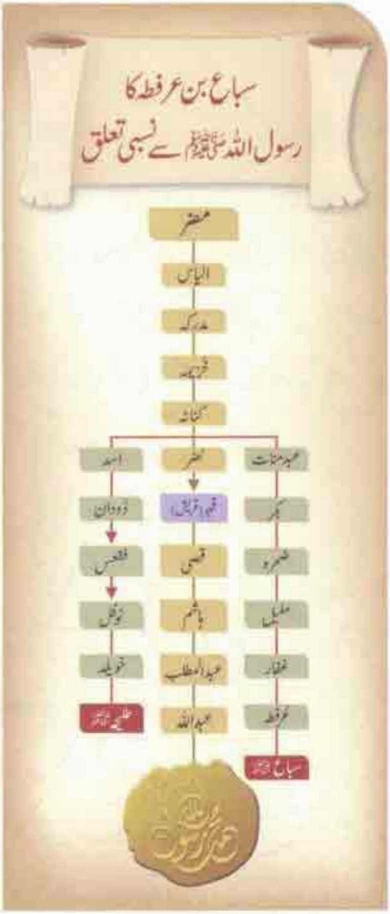
رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر صغریٰ کے چند ماہ بعد تک مدینہ میں رہے۔ مدینہ کے گرد و نواح میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ اہل مکہ اور دیگر دشمنان اسلام مسلمانوں کی حربی قوت اور سیاسی سیادت و قیادت سے مرعوب ہو چکے تھے۔ اسلامی ریاست مدینہ میں ہر طرف امن قائم ہو چکا تھا۔ دریں اثنا آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ شام کی سرحد پر واقع دومۃ الجندل کے اردگرد رہنے والے قبائل دن دہاڑے قافلے لوٹ لیتے ہیں اور کوئی قافلہ ان سے بچ کر نہیں جانے پاتا۔ یہ خبریں بھی گرم تھیں کہ دومۃ الجندل میں کچھ قبائل اکٹھے ہو رہے ہیں تاکہ وہ یلغار کر کے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبریں ملیں تو آپ ﷺ نے ان بھیڑیوں کے ناخن کاٹ دینا اور ان کے دانت توڑ دینا نہایت ضروری خیال کیا۔

قلعہ دومۃ الجندل (سعودی عرب)



اسلامی سپاہ کی روانگی

نبیِ کریم ﷺ نے سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور ماہ ربیع الاول 5ھ/626ء میں ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ چل دیے۔ آپ ﷺ نے بنوعذرہ کا مذکور نامی ایک ماہر صحرائی رہبر ساتھ لیا۔ اور سفر کے لیے غیر مانوس راستہ اختیار کیا تاکہ دشمن کو خبر نہ ہو اور اچانک ہی اس کا سر کچل دیا جائے۔ آپ ﷺ رات کو سفر کرتے اور دن بھر پوشیدہ رہتے۔ آپ ﷺ نے تقریباً 15 روز میں یہ سفر طے کیا۔

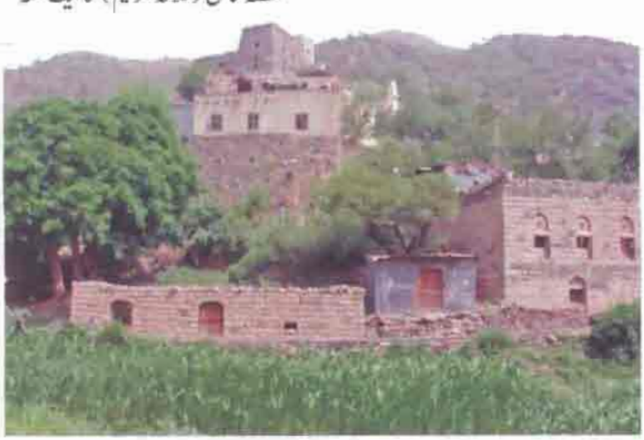


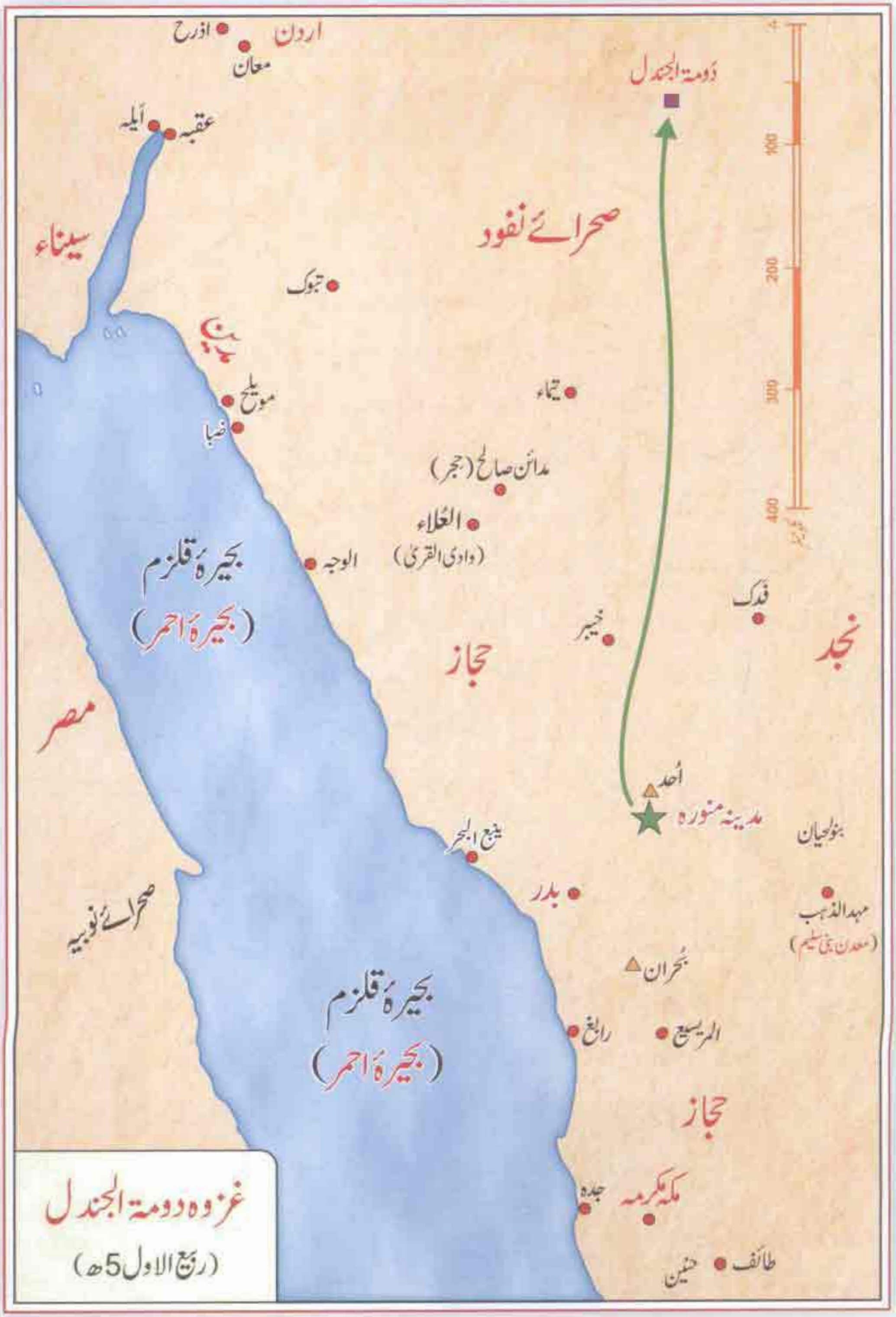
دشمن کا فرار

جب اسلامی لشکر دومۃ الجندل کے قریب پہنچا تو ان کے رہبر نے بتایا کہ یہ بنوتمیم کی چراگاہ ہے، یہاں ان کے اونٹ اور مویشی ہیں، لہٰذا مجاہدینِ اسلام نے ان کے مویشیوں اور چرواہوں پر حلہ بول دیا، کچھ ہاتھ آئے کچھ نکل بھاگے۔

دومۃ الجندل کے باشندوں کو اسلامی لشکر کی آمد کا پتہ چلا تو جس کا جدھر سینگ سمایا وہیں بھاگ گیا۔ رسول اللہ ﷺ جب دومۃ الجندل پہنچے تو وہاں کوئی بشر موجود نہ تھا۔ آپ ﷺ نے چند روز وہاں قیام فرمایا۔ ہر جانب فوجی دستے بھیجے لیکن کوئی ہاتھ نہ آیا۔ اسلامی سپاہ کے تمام دستے بحفاظت آپ ﷺ کے پاس واپس پہنچے۔ ایک دستے کو صرف ایک آدمی ہاتھ لگا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں دریافت

منطقہ سامع (علاقہ بنوتمیم) کا ایک قلعہ




اردن
اذرح
معان
عقبہ
أیلہ
دومۃ الجندل
صحرائے نفود
سیناء
تبوک
مدین
مویلح
ضبا
تیماء
مدائن صالح (حجر)
العُلاء
(وادی القریٰ)
الوجہ
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)
فدک
خیبر
حجاز
نجد
مصر
اُحد
مدینہ منورہ
بنولحیان
ینبع البحر
بدر
مہد الذہب
(معدن بنی سلیم)
صحرائے نوبیہ
بُحران
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)
رابغ
المریسیع
حجاز
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
حنین
100
200
300
400
غزوہ دومۃ الجندل
(ربیع الاول 5ھ)

فرمایا۔ اس نے جواب دیا: وہ تو کل ہی بھاگ گئے تھے۔ نبی ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی، وہ معاً مسلمان ہوگیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ واپسی کے وقت بنوفزارہ کا سردار عیینہ بن حصن فزاری آپ ﷺ سے ملا، اس نے صلح کی درخواست کی اور مدینہ سے 36 میل کی دوری پر بکریاں اور اونٹ چرانے کی اجازت مانگی جو آپ ﷺ نے مرحمت فرما دی۔ [1]

غزوۂ دومۃ الجندل کے مقاصد

رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس غزوے کے کئی اہداف و مقاصد تھے۔ یہ بجائے خود جنگ نہ تھی، تاہم اس سے جزیرہ نمائے عرب کے شمال تک کے حالات سے باخبر رہنے اور دیکھ بھال کا موقع میسر آیا۔ جزیرہ نمائے عرب میں قوت کے اصل مراکز کا کھوج بھی اس کے اہداف میں شامل تھا۔ اس کے ساتھ غزوۂ دومۃ الجندل اپنے نتائج وثمرات کے اعتبار سے بھی بہت مفید ثابت ہوا۔ عملاً نہ ہونے والی یہ جنگ رحمتِ ربانی سے مسلمانوں کے لیے آئندہ کی فتح و نصرت کے نتائج سمیٹ رہی تھی۔ یہ ایک عسکری کارروائی تھی جو درحقیقت مستقبل کی ممکنہ جنگ کا سدِّ باب تھی کیونکہ اس علاقے کے بہت سارے عربی قبائل مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ ایک سیاسی جنگ بھی تھی جس نے ان قبائل کی ممکنہ حملہ آوری کو روکا جو جنگِ احد میں مسلمانوں کی عارضی شکست سے فائدہ اُٹھا کر مدینہ پر چڑھ دوڑنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اس جنگ کا ایک مقصد عربوں کی نفسیاتی مرعوبیت کو دور کرنا بھی تھا کہ وہ کبھی سلطنتِ روم سے جنگ نہیں کر سکتے۔ انھیں عملاً یقین دہانی کرانی بھی مقصود تھی کہ ان کا پیغام عالمی ہے، صرف عرب تک محدود نہیں۔ [2]

ان اچانک اور فیصلہ کن اقدامات اور حکیمانہ حزم و تدبیر پر مبنی منصوبوں کے ذریعے نبی ﷺ نے قلمروِ اسلام میں امن و امان بحال کرنے اور صورتِ حال پر قابو پانے میں کامیابی حاصل کی اور وقت کی رفتار کا رخ مسلمانوں کے حق میں موڑ لیا اور اندرونی اور بیرونی مشکلاتِ پیہم کی شدت کم کی جو ہر جانب سے انھیں گھیرے ہوئے تھیں، چنانچہ منافقین خاموش اور مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ عرب کے بدو ڈھیلے پڑ گئے اور مسلمانوں کو اسلام پھیلانے اور رب العالمین کے پیغام کی تبلیغ کرنے کے مواقع میسر آگئے۔ [3]

[1] البداية والنهاية: 94,93/4، السيرة لابن هشام: 224/3، السيرة النبوية للصلابي: 221,220/2. [2] السيرة النبوية للصلابي: 222/2-224. [3] الرحيق المختوم، ص: 313.

غزوۂ مریسیع

بنومصطلق مسلمانوں پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ رسالت مآب ﷺ نے انھیں پہلے ہی جالیا۔ ان کے بہت سے جنگجو قید ہوگئے۔ قیدیوں میں سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی شامل تھیں۔ ان کی اسیری کتنی مبارک تھی کہ ان کے ام المؤمنین بننے سے تمام قیدی رہا ہوگئے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ

”اور البتہ تحقیق ہم نے ان لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے تھے، چنانچہ اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جنھوں نے سچ بولا، اور وہ ضرور ظاہر کرے گا ان کو جو جھوٹے ہیں۔“

(العنکبوت29:3)

اس باب میں

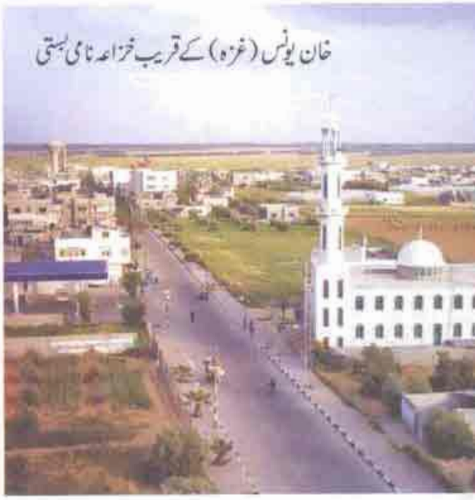
آپ بنومصطلق کے اسلام سے اللہ واسطے کے بیر کا حال پڑھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ تو سارے جہاں کے لیے سایۂ رحمت تھے لیکن عرب کے بعض جاہل اور لالچی قبیلے آپ ﷺ سے صرف اس لیے خار کھاتے تھے کہ آپ ﷺ شک کی جگہ یقین و ایمان اور تاریکی کی جگہ نور ہدایت کیوں پھیلا رہے ہیں۔ یہی حال بنومصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کا تھا جس نے نہ صرف اپنے قبیلے بلکہ دوسرے قبائل کو بھی ساتھ ملا کر اسلامی ریاست مدینہ پر دھاوا بولنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کرائی تو یہ خبر ٹھیک ثابت ہوئی، چنانچہ آپ دشمن کی سرکوبی کے لیے دشمن کے حملے سے پہلے ہی اُس کے سر پر جا پہنچے۔ اس طرح آپ ﷺ نے یہ اہم دفاعی سبق دیا کہ جارحیت کے ارادے رکھنے والے کو اس کی جارحیت سے پہلے ہی راہ راست پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کوشش میں کامیابی نصیب ہو تو سبحان اللہ! بصورتِ دیگر دشمن کا سر کچل دینا چاہیے۔ اِس باب میں آپ رسول اللہ ﷺ سے حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا واقعہ بھی پڑھیں گے۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا مقدر کی سکندر تھیں۔ قیدی کی حیثیت سے آئیں اور کاشانۂ نبوت میں پہنچ کر ام المؤمنین کے درجۂ عظیمہ پر فائز ہو گئیں۔ اس شادی سے بنومصطلق کی عزت کو چار چاند لگ گئے۔ بنومصطلق کے سارے قیدیوں کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رہا کر دیا۔ اس حسن سلوک سے یہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ یوں یہ لوگ جو قیدی بن کر آئے تھے، اسلام کے شیدائی بن کر واپس گئے۔



غزوۂ بنو مصطلق

اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف دشمنانِ اسلام کی سازشیں عروج پر تھیں۔ دینِ حق کی راہ روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جا رہی تھی۔ شیطان اپنے چیلوں چانٹوں کو مسلمانوں کے خلاف مختلف تدبیریں سجھا رہا تھا اور طرح طرح کی شرارتوں پر اکسا رہا تھا۔ احد، رجیع اور بئر معونہ کے واقعات میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد جامِ شہادت نوش کر چکی تھی۔ ان الم انگیز سانحوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت غمزدہ تھے۔ اس پس منظر میں دشمنانِ اسلام یہ سمجھ بیٹھے کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں اور اب اپنے دفاع کی پوزیشن میں نہیں رہے۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے عرب کے بعض قبائل اسلامی ریاست مدینہ منورہ پر حملے کا شیطانی منصوبہ بنا رہے تھے اور اس پر قبضے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ مگر یہ کام اتنا آسان نہیں تھا جتنا وہ جاہل اور نادان لوگ سمجھ بیٹھے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی بالغ نظری اس قسم کے تمام خطرات بھانپ گئی۔ اس لیے آپ ﷺ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح چوکس اور تیار تھے۔ ریاستِ مدینہ کی انٹیلی جنس نہایت فعال اور متحرک تھی۔ اسے جہاں بھی کسی سازش کا سراغ ملتا، وہ فوراً اپنے سالارِ اعلیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کر دیتی تھی۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے پایاں حکمت و بصیرت سے نوازا تھا۔ آپ ﷺ کو جونہی دشمن کی کسی سازش کی اطلاع ملتی تو آپ ﷺ اس کے خلاف ایسا مؤثر اقدام فرماتے کہ دشمن کو سر اٹھانے کی مہلت ہی نہ ملتی۔ صرف یہی نہیں بلکہ آئندہ کے لیے بھی اسے اسلامی ریاست کے خلاف کسی سازش کی جرأت نہ ہوتی اور وہ دوسرے شریروں کے لیے نمونۂ عبرت بن جاتا۔ آپ ﷺ کفار کی جارحیت سے پہلے ہی بہ نفسِ نفیس اقدام کرتے، اسلامی لشکر لے کر ان کے سر پر جا پہنچتے اور انھیں انھی کی سرزمین میں ان کے جارحانہ ارادوں کا مزہ چکھا دیتے تھے۔ یہ ایسی زبردست دفاعی پالیسی تھی جس نے دشمنانِ اسلام کے چھکے چھڑا دیے اور انھیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔


خان یونس (غزہ) کے قریب خزاعہ نامی بستی

زیرِ بحث غزوہ بھی دراصل بنو خُزاعہ کی ایک شاخ بنو مُصطَلِق کی

خطرناک سازش کے نتیجے میں رونما ہوا۔ وہ مسلمانوں کو تر نوالہ سمجھ بیٹھے تھے لیکن جو کچھ پیش آیا، وہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس غزوے کی تفصیلات پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنی زبردست حکمت عملی سے دشمن کو جالیا اور ان کا بھیانک منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ ان کے کچھ جنگجو مارے گئے۔ اور بہت سے قید کر لیے گئے۔ ان کے مال مویشی بھی مالِ غنیمت کی صورت میں مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ قیدیوں میں ان کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی شامل تھیں جو بعد ازاں رسالت مآب ﷺ کے حرم کی زینت بنیں۔ یوں انھیں ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

ہر چند غزوۂ بنو مصطلق جنگی نقطۂ نظر سے کوئی بھاری بھر کم غزوہ نہیں تھا لیکن پھر بھی یہ دیگر غزوات کی نسبت ایک



بنو مصطلق کا علاقہ (حجاز)

منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ اس غزوے کی سیاسی، فوجی اور اقتصادی اعتبار سے بڑی اہمیت ہے کیونکہ اس کا محل وقوع مریسیع قریش کی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا، یہ مکہ سے مدینہ کا ایک ذیلی رستہ تھا۔ اس غزوے میں منافقین کی ایک بڑی تعداد بھی شریک تھی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جیسا بدقماش بھی بذاتِ خود موجود تھا۔ اس غزوے سے واپسی پر چند ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں ہلچل مچ گئی۔ منافقین کا اصلی چہرہ پوری طرح بے نقاب ہوگیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اپنے چیلوں کے ساتھ مل کر ایک طرف مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور انھیں آپس میں گتھم گتھا کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف کاشانۂ نبوت کی عظمت و رفعت پر حملہ کرنے کی جسارت کی۔ اس بدبخت نے رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین زوجہ مطہرہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاکیزہ دامن پر دھبہ لگانے کی ناپاک کوشش کی۔ یہ سانحہ "واقعۂ افک" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے جہاں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں آیات نازل فرمائیں، وہاں کچھ ایسے قوانین بھی جاری کر دیے جنھوں نے اسلامی معاشرے کی فضا کو پاکیزہ اور پُر امن بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

آیئے! اب ہم اس اہم ترین غزوے اور اس میں پیش آنے والے واقعات کا تفصیل سے مطالعہ کرتے ہیں۔

غزوۂ بنی مصطلق کب ہوا؟

غزوۂ بنی مصطلق کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس سال ہوا؟ ابنِ اسحاق رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ ہجرت کے چھٹے سال شعبان کے مہینے میں ہوا۔ [1] علامہ ابن عبدالبر، ابن حزم، طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر رحمہم اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ [2] اس کے بالمقابل موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ شعبان 5 ھ میں ہوا۔ عروہ اور قتادہ رحمہما اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔ [3] ابومعشر سندھی رحمہ اللہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اور غزوۂ بنی مصطلق کا تذکرہ غزوۂ خندق سے پہلے کیا ہے۔ [4] اسی طرح واقدی، ابن سعد، ابن قتیبہ، حاکم، بیہقی، بلاذری، ذہبی، ابن حجر اور ابن قیم رحمہم اللہ نے بھی اسی کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے۔ [5]

ان کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق 4 ھ میں پیش آیا۔ [6] اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے یہ سبقتِ قلمی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ پانچواں سال لکھنا چاہتے تھے لیکن ان کے قلم کی لچک چوتھا سال لکھ گئی۔ خود موسیٰ بن عقبہ کی مغازی میں متعدد طرق سے، جنھیں امام حاکم، ابوسعید نیشاپوری اور بیہقی نے دلائل میں اور ان کے علاوہ دیگر نے روایت کیا ہے، پانچویں سال ہی کا تذکرہ کیا ہے۔ [7] لہٰذا موسیٰ بن عقبہ کا قول یہی ہے کہ یہ غزوہ 5 ھ میں ہوا تھا۔ ویسے بھی اگر ہم اس قول کا جائزہ لیں کہ غزوۂ بنی مصطلق 4 ھ میں ہوا، تو یہ کسی طور صحیح قرار نہیں پاتا کیونکہ شعبان 4 ھ میں تو غزوۂ بدر ثانی پیش آیا تھا۔ [8] یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ممکن ہے اسی عرصے میں دونوں غزوے پیش آئے ہوں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ دو شعبان کو غزوۂ مریسیع کے لیے نکلے اور یکم رمضان کو واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اس طرح آپ کو اس غزوے میں تقریباً پورا مہینہ لگ گیا۔ [9]

ہمارے نزدیک یہی موقف صحیح ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق شعبان 5 ھ میں ہوا۔ دلائل سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

---

[1] السيرة لابن هشام: 302/3، مجمع الزوائد: 142/6. [2] الدرر لابن عبدالبر، ص: 217، جوامع السيرة، ص: 203، تاريخ الطبري: 260/2، الكامل في التاريخ: 81/2، البداية والنهاية: 157/4. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 45,44/4. [4] فتح الباري: 536/7. [5] المغازي للواقدي: 341/1، الطبقات لابن سعد: 63/2، المعارف لابن قتيبة، ص: 70، أنساب الأشراف: 423/1، تاريخ الإسلام للذهبي (المغازي)، ص: 258، السنن الكبرٰى للبيهقي: 54/9، زاد المعاد: 256/3، فتح الباري: 537/7. [6] صحيح البخاري، قبل حديث: 4138. [7] فتح الباري: 537,536/7. [8] السيرة لابن هشام: 220/3. [9] المغازي للواقدي: 341/1.

اس موقف کے صحیح ہونے کی سب سے نمایاں دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں واقعۂ افک کی روایت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موجودگی کا تذکرہ ہے۔ یہ بات معروف ہے کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں زخمی ہوئے اور غزوۂ بنوقریظہ کے بعد فوت ہوئے تھے۔ غزوۂ خندق صحیح ترین قول کے مطابق شوال 5 ھ میں اور غزوۂ بنوقریظہ اس کے فوراً بعد ذوالقعدہ میں پیش آیا۔ اگر غزوۂ بنی مصطلق کو چھ ہجری میں مانا جائے تو پھر واقعۂ افک کی روایت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موجودگی محل نظر ٹھہرتی ہے۔

یہاں ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ وہ علماء جو غزوۂ بنی مصطلق کو چھ ہجری کا واقعہ قرار دیتے ہیں، انھوں نے واقعۂ افک کی روایت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تذکرے کو ایک واہمہ قرار دیا ہے۔ ان میں سرفہرست امام ابن حزم رحمہ اللہ ہیں۔ ان علماء کا کہنا ہے کہ ابن اسحاق نے امام زہری کی سند سے بطریق عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ واقعۂ افک کی جو روایت بیان کی ہے، اس میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بجائے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔[1] ہمارے نزدیک یہ بات محل نظر ہے، اس لیے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موجودگی صحیحین کی روایت میں صراحت سے ثابت ہے۔ لہٰذا اسے بلا وجہ وہم قرار دینا مشکل ہے۔ ابن اسحاق کی روایت کو صحیحین کی روایت پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

غزوۂ بنی مصطلق کے 5 ھ میں ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد ہوا تھا جیسا کہ واقعۂ افک میں صراحت کے ساتھ اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اب رہی یہ بات کہ حجاب کا حکم کب نازل ہوا؟ اس بارے میں ہمیں تین طرح کے اقوال ملتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ 3 ھ میں نازل ہوا۔ علامہ خلیفہ اور ابوعبیدہ نے اسی کو حتمی قرار دیا ہے۔ دوسرا قول ذوالقعدہ 4 ھ کا ہے۔ علماء کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو سب سے زیادہ مشہور قرار دیا ہے۔ تیسرا قول واقدی کا ہے کہ یہ ذوالقعدہ 5 ھ میں نازل ہوا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس تیسرے قول کو ناقابل قبول قرار دیا ہے۔[2] اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح تو خود واقدی کی اپنی بات میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں کہ غزوۂ بنی مصطلق شعبان 5 ھ میں ہوا۔ اس ضمن میں انھوں نے واقعۂ افک بھی ذکر کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ یہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ دوسری طرف وہ کہتے ہیں کہ حجاب کا حکم ذوالقعدہ 5 ھ میں آیا تھا۔[3]

حجاب کا حکم 3 ھ میں نازل ہوا ہو یا 4 ھ میں، دونوں صورتوں میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق اس کے

[1] جوامع السيرة، ص: 206. [2] فتح الباري: 537/7 و 587/8. [3] المغازي للواقدي: 1/341-364، فتح الباري: 537/7.

بعد پیش آیا۔ جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں کہ غزوۂ بنی مصطلق شعبان 5 ھ ہی میں ہوا تھا جیسا کہ درج بالا سطور میں واضح ہو چکا۔

بنو مصطلق کا پس منظر

یہ غزوہ بنو مصطلق کے ساتھ ہوا تھا، اس لیے اسے غزوۂ بنی مصطلق کہا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا نام غزوۂ مریسیع بھی ہے۔ مریسیع قُدید کے نواح میں بنوخزاعہ کے ایک چشمے کا نام ہے۔ یہ سمندر سے تقریباً 80 کلومیٹر دور جبالِ تہامہ (حجاز) میں واقع ہے۔ [1] یہی وہ جگہ تھی جہاں یہ غزوہ ہوا۔



جبالِ تہامہ کا ایک خوبصورت منظر

بنو مصطلق کون تھے؟ بنو مصطلق، خزاعہ کی ایک شاخ ہیں جو یمنی قحطانی قبیلہ ہے۔ مُصْطَلِق ان کے جد امجد کا لقب ہے۔ یہ لفظ صلق سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں بلند آہنگی! مصطلق کی آواز دلکش اور بلند تھی، اس لیے اسے یہ لقب ملا۔ [2] مصطلق کا نام اور نسب یہ ہے: جُذَیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیا بن عامر ماء السماء۔



وادی ستارہ

بنو مصطلق کا اوس وخزرج کے ساتھ گہرا نسبی رشتہ تھا۔ وہ اس طرح کہ ان کا نسب مصطلق کے چوتھے جد عمرو مزیقیا پر جا کر اوس وخزرج سے جا ملتا ہے۔ عمرو مزیقیا اوس و خزرج کا دوسرا جد ہے۔ [3]

بنو مصطلق کا مسکن

بنو مصطلق قُدید اور عسفان میں رہائش پذیر تھے۔ یہ علاقے مدینہ سے مکہ کے رستے پر خزاعہ کی پھیلی ہوئی بستیوں کے درمیان تھے۔ قُدید حجاز وتہامہ کی ایک زرخیز وادی ہے۔ اس کا بالائی حصہ ''ستارہ'' اور زیریں حصہ ''قُدید'' کہلاتا

---

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 290. [2] الروض الأنف: 13/4. [3] طبقات خليفة، ص: 139، المعارف لابن قتيبة، ص: 49، فتح الباري: 536/7، شرح الزرقاني على المواهب: 3/3.

ہے۔ یہ وادی شاہراہِ مکہ مدینہ کو تقریباً 120 کلومیٹر پر کاٹتی ہوئی القضیمہ کے پاس سمندر سے جالگتی ہے۔ [1] قدید رابغ کے جنوب مشرق میں 27 میل کے فاصلے پر ہے۔ اسی طرح عُسفان جحفہ اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ مکہ مکرمہ سے اس کی مسافت 80 کلومیٹر ہے۔ [2]


رابغ کا ساحل (بحیرۂ احمر)


القضیمہ کا ساحل (بحیرۂ احمر)


میقات الجحفہ

مسلمانوں سے بنوخزاعہ اور بنومصطلق کا برتاؤ

خزاعہ کے لوگ مشرک تھے۔ ان کے علاقے مُشَلَّل میں عرب کا مشہور بت ''منات'' نصب تھا۔ عرب کے لوگ اس کا باقاعدہ حج کیا کرتے تھے۔ [3] بنوخزاعہ بھی اسی کے پجاری تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں قبولِ اسلام کی رفتار بہت سُست رہی۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ مدینے کی نسبت مکہ کے زیادہ قریب تھے۔ دیگر عرب قبائل کی طرح ان کی نظریں بھی کفارِ قریش پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں یا نہیں۔ قریش کے ساتھ ان کے قدیم معاہدے بھی تھے۔ کفارِ قریش کی یہی کوشش تھی کہ خزاعہ کے لوگوں کو اسلام کے قریب نہ پھٹکنے دیا جائے۔ بھلا وہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ بنوخزاعہ میں اسلام پھیلے۔ یہ بات اُن کے مفادات کے خلاف تھی۔

اس صورتحال کے باوجود اب تک خزاعہ کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کے دیگر لوگوں کی ہمدردیاں بھی

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص :249. [2] أطلس الحديث، ص :269. [3] صحيح البخاري :1643.

مجموعی طور پر مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔ جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر جب مکی لشکر نے مدینہ کی طرف پیش قدمی کی تو عمرو بن سالم خزاعی خزاعہ کی ایک جماعت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا تھا۔ اور اس نے کفارِ قریش کی سرگرمیوں سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا تھا۔[1] غزوۂ حمراء الاسد میں بھی معبد بن ابی معبد خزاعی نے لشکرِ کفار کو مرعوب کرنے اور ان کی حوصلہ شکنی کرنے میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔[2]

اس کے بالمقابل خزاعہ کی شاخ بنو مصطلق میں مسلمانوں کے لیے کسی طرح کی کوئی ہمدردی نظر نہیں آتی بلکہ وہ واضح طور پر مسلمانوں کے دشمن دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی ساری ہمدردیاں اور طرف داریاں کفارِ قریش کے ساتھ تھیں۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ بنو مصطلق کا شمار احابیش میں ہوتا تھا۔ احابیش ان قبائل کے مجموعے کو کہا جاتا ہے جو ہر چند خود قریش میں سے نہیں تھے لیکن ان کے حلیف ضرور تھے۔ انھوں نے قریش سے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ سب مشترکہ دشمن کے خلاف یک جان ہو کر لڑیں گے۔ اسی معاہدے کے تحت بنو مصطلق غزوۂ احد میں کفارِ قریش کے لشکر میں شامل تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جس میں بنو مصطلق نے عملی طور پر مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا۔

غزوۂ بنی مصطلق کے اسباب و محرکات

اس غزوے کا ایک سبب تو یہ تھا کہ بنو مصطلق اسلام دشمنی میں بے باک ہو گئے تھے اور مسلسل آگے ہی بڑھ رہے تھے۔ یہ احابیش میں سے تھے، اس لیے انھیں کفارِ قریش کی مکمل تائید و حمایت حاصل تھی۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شرکت کی وجہ سے اب یہ کھل کر مسلمانوں سے مقابلے پر اتر آئے تھے اور ان کی سرکشی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے مرکزی رستے پر بنو مصطلق کا کنٹرول تھا۔ یہ لوگ مکہ میں مسلمانوں کا عمل دخل روکنے کے لیے مضبوط رکاوٹ کی حیثیت رکھتے تھے۔ تیسری بہت سنگین بات یہ تھی کہ یہ لوگ اب باقاعدہ مسلمانوں سے جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ یہ ناپاک جسارت انھیں اس لیے ہوئی کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا تھا۔ اس وجہ سے تمام مسلمان بہت غمگین تھے۔ اس صورت حال سے حوصلہ پا کر کئی عرب قبائل مدینے پر حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ اسی طرح رجیع اور بئر معونہ جیسے سانحات نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ادھر منافقوں اور یہودیوں نے مدینہ میں سازشوں کا بازار گرم کر رکھا

[1] المغازي للواقدي: 189/1. [2] السيرة لابن هشام: 109,108/3.

تھا۔ یوں مسلمان اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے نبرد آزما تھے۔ ایسے نازک حالات میں بنومصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کے ذہن میں یہ شیطانی سوچ انگڑائیاں لینے لگی کہ کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور ایک بڑا لشکر جمع کر کے اسلامی ریاست مدینہ پر حملہ کر دیا جائے۔ بس یہی وہ اسباب تھے جنھوں نے مسلمانوں کو ان کے خلاف کارروائی پر مجبور کر دیا۔

بنومصطلق کی مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں

بنومصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے بڑی سرگرمی سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے نہ صرف اپنے ہی لوگوں کو مسلمانوں سے جنگ پر ابھارا بلکہ اردگرد بسنے والے عرب قبائل کو بھی آمادۂ جنگ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح وہ ایک بڑا لشکر تیار کرنے لگا۔ انھوں نے جنگ کے لیے گھوڑے اور بہت سے ہتھیار بھی خریدے۔[1] وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ ہم مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ لیکن انھیں معلوم نہ تھا کہ یہ اقدام خود ان کے لیے باعث ہلاکت بن جائے گا۔

بنومصطلق کے ناپاک ارادے کی اطلاع مدینہ پہنچ گئی

بنومصطلق کے اس بھیانک منصوبے کی خبر بھلا کس طرح پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ یہ خبر بالآخر مدینہ پہنچ گئی۔ بنومصطلق کے علاقے سے گزر کر آنے والے قافلوں نے اُنھیں زور و شور سے جنگ کی تیاریاں کرتے دیکھا اور انھیں معلوم ہوا کہ یہ تو مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو قافلے والوں نے اہل مدینہ کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اہلِ مدینہ کے لیے یہ خبر نہایت اہم تھی۔ ویسے بھی اسلامی ریاست مدینہ کی انٹیلی جنس نہایت چاق چوبند تھی۔ اس کے کارندے چہار سو پھیلے ہوئے تھے۔ وہ دشمن کے ارادوں سے خبردار رہنے کے لیے ایسی خبروں کی ٹوہ میں رہا کرتے تھے۔ بہرحال یہ اطلاع دربارِ نبوت تک پہنچ گئی۔

دشمن کی جاسوسی کے لیے بریدہ رضی اللہ عنہ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ کو بنومصطلق کی جنگی تیاریوں اور جارحانہ ارادوں کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوری طور پر کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ اس اطلاع کی تحقیق کا فیصلہ کیا۔ آپ چاہتے تھے کہ کسی کو ان کے علاقے میں بھیج کر معلومہ خبر کی تصدیق اور بنومصطلق کی جنگی تیاریوں کی تفصیلات معلوم کی جائیں۔ اب سوال یہ تھا کہ اس خطرناک مہم

[1] المغازي للواقدي: 343/1.

پر کسے روانہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی نظرِ انتخاب سیدنا بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ یہ اسلامی مملکتِ مدینہ کی انٹیلی جنس کے ذہین اور تجربہ کار افسر تھے۔ آپ ﷺ نے انھی کو یہ مہم سونپی کہ وہ تنِ تنہا جاکر اس خبر کی تحقیق کریں اور بنو مصطلق کی سرگرمیوں کی پوری معلومات لے کر آئیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے یہ اہم تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی خبر آئے تو اس پر آنکھیں میچ کر فوراً یقین نہ کیا جائے بلکہ اس کی تحقیق کر لینی چاہیے کہ آیا یہ خبر صحیح ہے یا غلط ہے۔

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ حکمِ نبوی ملتے ہی فوراً چل پڑے۔ انھوں نے روانہ ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ اگر انھیں اپنی طرف سے مصلحتاً کوئی خلافِ حقیقت بات بنانی پڑ جائے تو کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں؟ عام طور پر اس قسم کے موقعوں پر ایسی ضرورت پیش آ ہی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں اس کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد وہ اس خطرناک مہم پر روانہ ہو گئے۔

دشمن کی صفوں میں بریدہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نہایت تیزی سے سفر کرتے ہوئے بنو مصطلق کے چشمے پر جا پہنچے۔ انھوں نے وہاں صورتحال کا جائزہ لیا تو انھیں بنو مصطلق کے جارحانہ ارادوں کے بارے میں اُس خبر کی پوری تصدیق مل گئی جو رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تھی۔ مصطلق کے لوگ غرور و تکبر کا شکار تھے۔ بڑی تعداد میں اکٹھے ہو چکے تھے۔ انھوں نے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نہایت بہادر تھے۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر ذرا بھی نہیں گھبرائے۔ بے دھڑک ان لوگوں کی صفوں میں جا گھسے۔ وہ لوگ اپنے مابین ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر سہم گئے۔ انھوں نے سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم کون ہو؟ بریدہ رضی اللہ عنہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ارے بھئی! میں تمھارا ہی آدمی ہوں۔ مجھے پتہ چلا کہ تم لوگ اس شخص (محمد ﷺ) سے جنگ کے لیے لشکر جمع کر رہے ہو، یہ سن کر میں بھی چلا آیا۔



بریدہ بن حصیب پرائمری سکول، احاد رافدہ (عسیر)

اب میں واپس جاتا ہوں تاکہ اپنی قوم اور اپنے پیروکاروں کو دعوت دوں اور انھیں اپنے ساتھ لے آؤں۔ اس طرح ہم سب یکجا ہو کر ایک زبردست قوت بن جائیں گے اور مسلمانوں کی بیخ کنی کر دیں گے۔

بریدہ رضی اللہ عنہ نے جنگی حیلے اور تدبیر کے پیشِ نظر یہ سب کچھ کہا تاکہ ان لوگوں کو ان پر کسی قسم کا کوئی شک نہ گزرے۔ وہ لوگ ان کی باتیں سن کر نہ صرف مطمئن ہوئے بلکہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ اب ہماری تعداد میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور ہم اور زیادہ مضبوط ہو جائیں گے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت و ہوشیاری دیکھیے کہ انھوں نے انھیں اس خوش فہمی میں ڈال کر فوری پیش قدمی سے روک دیا اور انھیں مزید انتظار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں کو تیاری کرنے اور آگے بڑھ کر مناسب کارروائی کرنے کا وقت مل گیا۔

بنو مصطلق کے سردار اور لشکر کے سپہ سالار حارث بن ابی ضرار نے بریدہ رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو جھوم اٹھا اور فخریہ انداز میں بولا: ہم اپنے ارادے پر قائم ہیں۔ تم فوراً اپنے لوگوں کو ہمارے پاس لے آؤ۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: بس ابھی جاتا ہوں اور تمھارے پاس اپنی قوم کا بھاری بھرکم لشکر لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ ان کی یہ بات سن کر وہ سب بے حد خوش ہوئے۔ ان باؤلوں کو کیا خبر تھی کہ اب حق پرستوں کا ایک ایسا عظیم لشکر آئے گا کہ خود انھیں اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

بریدہ رضی اللہ عنہ کی واپسی

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بنو مصطلق کے سارے حالات معلوم کر کے اور ان کی جنگی تیاریوں کا جائزہ لے کر نہایت تیز رفتاری سے واپس مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کی یہ مہم نہایت کامیاب رہی۔ وہ مدینہ منورہ پہنچ کر سیدھے دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کا شدید انتظار تھا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو مصطلق کی جنگی تیاریوں اور ان کے خطرناک ارادوں کی پوری رپورٹ پیش کر دی۔

لشکرِ اسلام کی تیاری

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کے خلاف فوری کارروائی کا فیصلہ فرما لیا۔ کیونکہ اب انھیں معمولی سی چھوٹ دینا بھی مسلمانوں کے لیے خطرناک تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی یہ تھی کہ بنو مصطلق کو سر اٹھانے اور اسلامی ریاست مدینہ پر حملے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ حملہ آور ہوں، انھیں خود انھی کی سرزمین پر پہنچ کر مزہ چکھا دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجلاس بلایا، انھیں دشمن کے ارادے اور درپیش حالات سے باخبر

کیا۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کی تیاری کا حکم دے دیا۔

مدینہ منورہ میں ہنگامی حالت نافذ ہوگئی۔ مسلمان جلدی جلدی جہاد کے لیے نکلنے کی تیاری کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی فوج کا ایک فدائی لشکر تیار ہوگیا۔ [1]

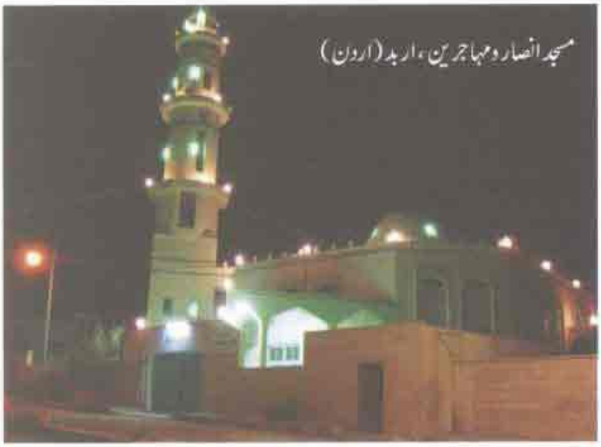
مجاہدوں کی تعداد

بنومصطلق کی سرکوبی کے لیے تیار ہونے والا اسلامی لشکر 700 افراد پر مشتمل تھا۔ [2] اس لشکرِ اسلامی کی قیادت رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس فرما رہے تھے۔ لشکر میں 30 گھوڑے بھی تھے۔ دس گھوڑے مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے۔ مہاجرین کے گھوڑوں میں سے دو گھوڑے خود رسول اللہ ﷺ کے تھے۔ ایک کا نام لزاز اور دوسرے کا ظَرِب تھا۔ آپ ﷺ کی اونٹنی قصواء بھی ساتھ تھی۔ [3] باقی آٹھ گھوڑے درجِ ذیل جلیل القدر مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تھے:

- سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
- سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
- سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ
- سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
- سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ
- سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
- سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
- سیدنا مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ

انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیس گھڑ سواروں میں درج ذیل حضرات کے نام آئے ہیں:

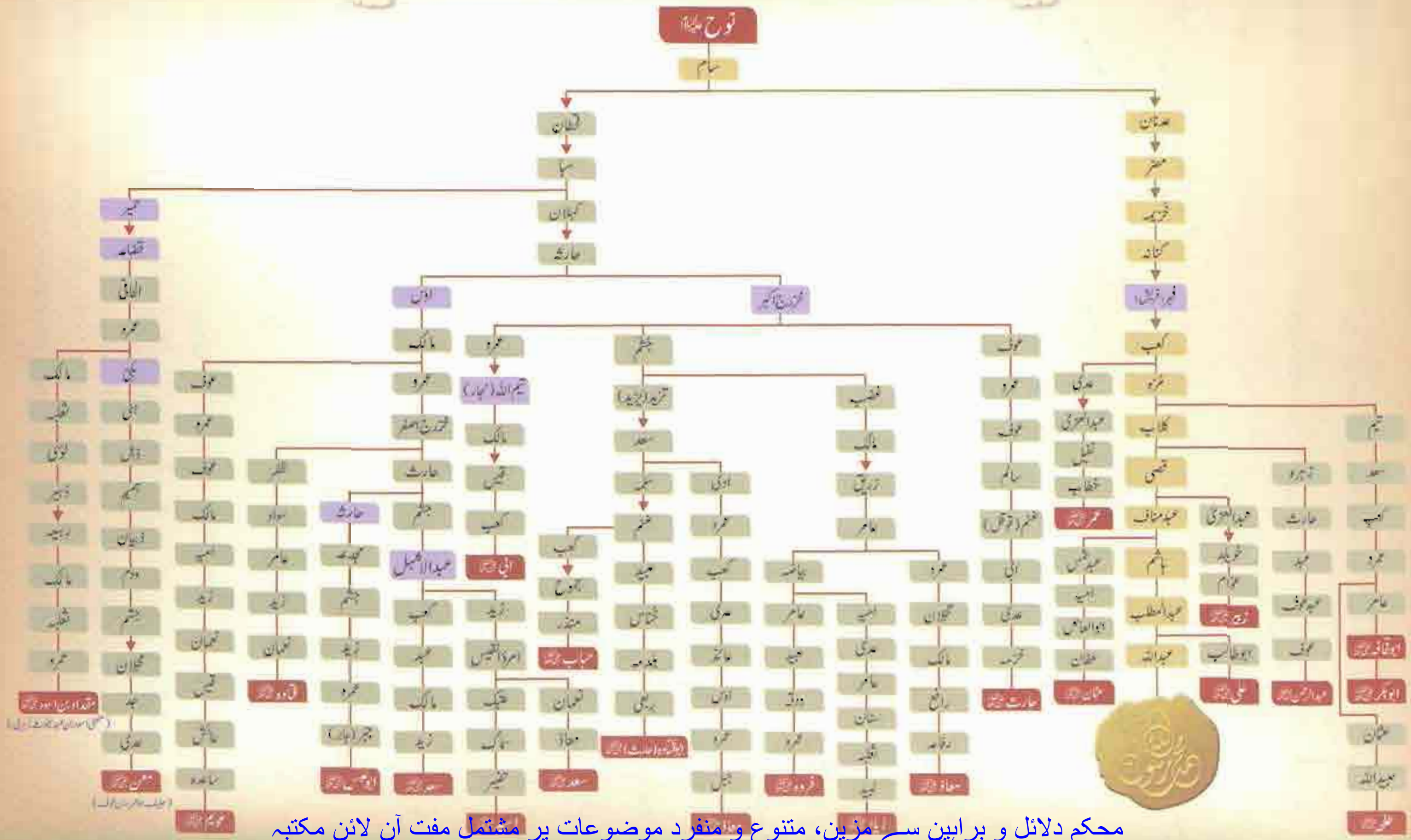
- سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
- سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ
- سیدنا ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ
- سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ
- سیدنا عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
- سیدنا معن بن عدی رضی اللہ عنہ
- سیدنا سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ
- سیدنا حارث بن حزمہ رضی اللہ عنہ
- سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
- سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ



مسجد انصار و مہاجرین، اربد (اردن)

[1] المغازي للواقدي: 343/1. [2] تاريخ الإسلام للذهبي (المغازي)، ص: 259، البداية والنهاية (محقق): 4/ 364. [3] المغازي للواقدي: 343/1 و361.

غزوۂ مریسیع میں شامل مہاجرین وانصار شہسوار صحابہ اور رسول اللہ ﷺ کا نسبی تعلق



- سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
- سیدنا حُباب بن منذر رضی اللہ عنہ
- سیدنا زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ
- سیدنا فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
- سیدنا معاذ بن رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ [1]

ازواجِ مطہرات کے مابین قرعہ اندازی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کا بے حد خیال رکھتے تھے اور ان کی دلجوئی کا پورا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ کسی سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ فرماتے تو ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تھے۔ ہر زوجہ محترمہ کی یہی تمنا ہوتی تھی کہ انھیں سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو۔ آپ ان سب کو ساتھ لے جانے کے بجائے قرعہ اندازی فرما لیتے تھے۔ جس زوجہ محترمہ کے نام کا قرعہ نکل آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ساتھ لے جاتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنو مصطلق کے لیے روانہ ہونے لگے تو آپ نے معمولِ مبارک کے مطابق ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کی۔ قرعہ آپ کی محبوب ترین زوجہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام کا نکلا۔ چنانچہ انھیں اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کا شرف نصیب ہوا۔ [2]

یاد رہے کہ بعض روایات میں یہ بیان ہوا ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قرعہ بھی نکلا تھا۔ وہ بھی اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئی تھیں۔ [3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایسی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جانے والی بات تسلیم نہیں کی۔ ان کا کہنا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں: فَخَرَجَ سَهْمِي ''میرا قرعہ نکلا۔'' اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ اس غزوے میں ازواجِ مطہرات میں سے تنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئی تھیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ اس غزوے میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کہیں کوئی تذکرہ ہی موجود نہیں۔ ابن اسحاق کی روایت سے بھی یہی واضح ہے کہ صرف ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہی اس غزوے میں گئی تھیں۔ [4] واللہ أعلم بالصواب

اسلامی لشکر کے ساتھ منافقوں کا ٹولہ بھی آ گیا

غزوۂ بنی مصطلق کی ایک اہم بات یہ ہے کہ اس میں منافقین کی بہت بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اتنی تعداد میں وہ کبھی کسی غزوے میں شامل نہیں ہوئے۔ منافقین کی شرکت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انھیں جہاد کا شوق تھا۔ وہ تو سب

[1] المغازي للواقدي :343/1. [2] صحيح البخاري :4141، فتح الباري :581/8، السيرة لابن هشام :310/3. [3] دلائل النبوة للبيهقي :73/4، تاريخ الإسلام للذهبي (المغازي)، ص :278. [4] فتح الباري :581/8.

سے بڑھ کر جہاد ہی سے جی چرایا کرتے تھے۔ ان کے پیش نظر صرف دنیا کا مال و متاع تھا۔ اس کے علاوہ ان کے نکلنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ مدینہ منورہ سے مریسیع کا فاصلہ تقریباً 200 کلومیٹر بنتا ہے۔ [1] دوسری بات یہ تھی کہ منافقین کو یقین تھا کہ بنو مصطلق مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ مسلمانوں کو دشمن پر فتح حاصل ہوگی۔ وہ اس سے پہلے بہت سے معرکوں میں مسلمانوں کی شاندار فتوحات کا نظارہ دیکھ چکے تھے۔ بس مال و دولت کی ہوس انھیں نکال لائی تھی۔ انھوں نے سوچا کہ پیچھے رہ کر ہمیں کیا ملے گا؟ چلو لگے ہاتھوں ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگے گا تو ہمیں بھی حصہ مل جائے گا۔ [2] علاوہ ازیں منافقین مسلمانوں کے دلوں میں اپنا اعتماد بھی بحال کرنا چاہتے تھے۔ وہ انھیں یہ دھوکا دینا چاہتے تھے کہ تمھاری طرح ہم بھی جہاد سے محبت کرتے ہیں اور اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں نیابت

اس بات میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر مدینہ منورہ میں اپنی نیابت کا تاج کس کے سر پر رکھا۔ اس سلسلے میں ابن ہشام نے لکھا ہے: آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو نیابت سونپی۔ [3] اس کے بالمقابل واقدی اور ابن سعد نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا نام بتایا ہے۔ [4] علاوہ ازیں ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر جُعال (یا جُعیل) بن سراقہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ [5]

ہمیں ان اقوال کے درمیان کسی کی تطبیق اور ترجیح نہیں ملی، البتہ اتنا ضرور ہے کہ اکثر سیرت نگاروں نے ابنِ ہشام کے قول کا تذکرہ کیا ہے۔

لشکرِ اسلام کی مدینہ سے روانگی

اسلامی لشکر کی تیاری مکمل ہوگئی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے 2 شعبان 5 ھ کو پیر کے دن مدینہ منورہ سے کوچ کیا اور اسلامی لشکر لے کر بنو مصطلق کی طرف روانہ ہوگئے۔ [6]

بنو عبدالقیس کے ایک شخص کا قبولِ اسلام

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے نکل کر ''خلائق'' نامی مقام تک پہنچے تو وہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا۔ ''خلائق''

[1] اٹلس سیرت نبوی، ص: 277. [2] المغازي للواقدي: 343/1. [3] السيرة لابن هشام: 302/3. [4] تاريخ الإسلام للذهبي (المغازي)، ص: 258، الطبقات لابن سعد: 63/2. [5] أسد الغابة: 325,324/1، الإصابة: 588/1. [6] المغازي للواقدي: 341/1.



میقات ذوالحلیفہ



مدینہ اور بدر کے درمیان الروحاء (الشفیہ) کا علاقہ



فرع نامی بستی (نواح مدینہ منورہ)

مدینہ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے۔ یہاں مختلف کھیت اور کنویں تھے۔ آج کل یہ نام تو معروف نہیں، البتہ یہ جگہ معروف ہے۔ اس کی زمین آج بھی کھیتی باڑی کے لیے نہایت موزوں ہے۔ اگر آپ ذوالحلیفہ سے نکل کر مکہ مکرمہ کی طرف جانا چاہیں تو یہ علاقہ آگے جا کر کچھ فاصلے پر آپ کو دائیں جانب نظر آئے گا۔ [1]

خلائق کے مقام پر بنو عبدالقیس کے ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ یہ شخص نبی ﷺ ہی سے ملاقات کے لیے نکلا تھا اور ابدی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«أَيْنَ أَهْلُكَ؟»

''تمھارا گھر بار کہاں ہے؟''

اس نے جواب دیا: روحاء میں۔

روحاء بدر کے رستے میں المسیجید (المنصرف) کے بعد آتا ہے۔ آج کل یہ الشُّفَيَّه کے نام سے معروف ہے۔ یہ فُرع کی ایک تحصیل ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ 74 کلومیٹر ہے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

«أَيْنَ تُرِيدُ؟»

''کہاں کا ارادہ ہے؟''

[1] سبل الهدٰى والرشاد : 4/358، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص : 240. [2] أطلس الحديث، ص : 196.

وہ بولا: میں آپ ﷺ ہی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں آپ پر ایمان لانے اور یہ گواہی دینے آیا ہوں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں، وہ حق ہے۔ میں آپ کے ساتھ مل کر دشمن سے جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ کو بے حد خوشی ہوئی کیونکہ آپ صرف لوگوں کی ہدایت ہی کے طلب گار تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا:

«اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِي هَدَاكَ لِلْإِسْلَامِ»

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے تمھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔''

اس شخص نے اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلصَّلَاةُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا»

''نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا۔''

اس صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو مضبوطی سے پلے باندھ لیا۔ اس کے بعد وہ اول وقت میں نماز ادا کرنے کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ جونہی سورج ڈھلتا، عصر کا وقت داخل ہوتا اور سورج غروب ہوتا، وہ فوراً نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت تک مؤخر نہیں کرتے تھے۔[1]

کفار کے جاسوس کی گرفتاری

رسول اللہ ﷺ خلائق سے آگے بڑھے اور بقعاء کے مقام پر پہنچے تو یہاں اسلامی لشکر نے ایک مشکوک شخص کو گرفتار کرلیا۔ یہ کفار کا جاسوس تھا۔ اسے حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں کی جاسوسی کے لیے روانہ کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے تفتیش شروع کردی اور پوچھا: تیرے پیچھے والوں کی کیا خبر ہے؟ لشکر کہاں ہے؟ اس نے کچھ نہ بتایا۔ بلکہ وہ بنو مصطلق ہی سے لاعلمی ظاہر کرنے لگا۔ اس نے کہا: مجھے ان کا کوئی علم نہیں۔ وہ یہ تسلیم ہی نہیں کر رہا تھا کہ وہ کفار کا جاسوس ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے جاسوس سے سب کچھ اگلوا لیا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ نہایت بارعب شخصیت تھے۔ انھوں نے جاسوس کو حقیقت چھپاتے دیکھا تو

[1] المغازي للواقدي :344,343/1.

فوراً سمجھ گئے کہ یہ آسانی سے نہیں مانے گا۔ وہ آگے بڑھے اور جاسوس کو دھمکاتے ہوئے بولے: سچ سچ ساری بات بتا دے ورنہ تیری خیر نہیں، میں تیری گردن مار دوں گا۔ وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رعب دار آواز سن کر ڈر گیا۔ اس نے سب کچھ صاف صاف اگل دیا۔ وہ بولا: میں بنو مصطلق کا ایک فرد ہوں۔ میں حارث بن ابی ضرار کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ اس نے کئی جماعتوں کو اکٹھا کر لیا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ اس نے مجھے تمھاری مخبری کے لیے بھیجا ہے تاکہ میں اسے تمھارے احوال سے آگاہ کروں۔ اور یہ بھی بتاؤں کہ کیا تم لوگ مدینہ سے نکل پڑے ہو۔

جاسوس کو قبولِ اسلام کی دعوت

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کافر جاسوس سے سب کچھ اگلوا کر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تاکہ وہ آپ کے سامنے خود یہ ساری حقیقت بیان کرے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی سب کچھ صاف صاف بیان کر دیا۔ اس طرح اس نے اپنے ناقابلِ معافی جرم کا اقرار کر لیا۔ اب اس کی معافی کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ پوری طرح تائب ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔ بصورت دیگر اس کی سزا قتل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راہِ ہدایت دکھانے ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ متمنی ہوئے کہ یہ جاسوس مسلمان ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ بڑا بدقسمت نکلا۔ اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: میں اس وقت تک تمھارے دین کی پیروی نہیں کروں گا جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ میری قوم کیا کرتی ہے۔ اگر میری قوم کے لوگ تمھارے دین میں داخل ہو گئے تو میں بھی اسلام قبول کر لوں گا اور اگر وہ اپنے دین پر جمے رہے تو میں انھی کا آدمی ہوں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ جاسوس اسلام قبول نہیں کر رہا تو انھوں نے اسے کیفر کردار تک پہنچانے کی اجازت طلب کی اور بولے: اللہ کے رسول! کیا میں اس کی گردن مار دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ وہ آگے بڑھے اور اس کافر جاسوس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

کفار کے لشکر میں کھلبلی

جاسوس کو قتل کرنے کا مسلمانوں کو بڑا فائدہ ہوا۔ اس کے قتل کی خبر کسی طرح کفار کے لشکر تک بھی پہنچ گئی۔ انھیں پتہ چل گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر ان سے جنگ کے لیے آرہے ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ کفار کے لشکر میں کھلبلی

مچ گئی۔ حارث بن ابی ضرار اور اس کے ساتھیوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ اُن پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہوگئی اور وہ شدید خوف و ہراس کا شکار ہوگئے۔ عرب قبائل کے جو لوگ بہکاوے میں آکر بنومصطلق کے ساتھ آ ملے تھے، وہ سب ہمت ہار بیٹھے اور ان کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہونے کے بعد اس کا تذکرہ کرتی تھیں، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابھی ہم تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ ہمارے پاس پہلے ہی جاسوس کی گرفتاری اور اس کے قتل کی خبر آگئی۔ ہمیں یہ بھی اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ نکل پڑے ہیں۔ میرے باپ اور اس کے ساتھیوں کو یہ خبر بہت ناگوار گزری، وہ سخت خوفزدہ ہوگئے۔ عرب کے جو مختلف لوگ ان کے پاس اکٹھے ہوئے تھے، وہ سب ان سے الگ ہوگئے۔ ان کے اپنے قبیلے کے لوگوں کے سوا کوئی ان کے پاس نہیں رہا۔ [1] یہ دراصل بنومصطلق کی شکست کا آغاز تھا۔ وہ چاہتے تو اب بھی اپنے جارحانہ ارادے سے باز آجاتے اور مسلمانوں سے ٹکرانے کا خیال دل سے نکال دیتے لیکن انھیں ان کا تکبر و غرور لے ڈوبا۔

مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ کی آمد

رسول اللہ ﷺ ابھی لشکر سمیت بقعاء ہی میں تھے کہ سیدنا مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ وہاں آپہنچے۔ وہ آپ سے ملاقات ہی کی غرض سے آئے تھے۔ یہاں رک کر ہم آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ ابوتمیم اوس بن حجر اسلمی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ اوس بن حجر رضی اللہ عنہ وہی شخص ہیں جن کی رسول اللہ ﷺ سے اس وقت ملاقات ہوئی تھی جب آپ مدینہ ہجرت کرکے جا رہے تھے۔ انھوں نے اپنے غلام مسعود ہی کو آپ ﷺ کے ہمراہ روانہ کیا تھا تاکہ وہ آپ کو رستہ بتائے اور منزل مقصود تک پہنچا آئے۔ مسعود بن ہنیدہ نے تو اسی وقت اسلام قبول کرلیا تھا جبکہ اوس بن حجر آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد مسلمان ہوئے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ سے ان کی آمد کا سبب دریافت فرمایا:

«أَيْنَ تُرِيدُ يَا مَسْعُودُ؟»

''مسعود! کہاں کا ارادہ ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: میں آپ ہی کی خدمت میں سلام عرض کرنے حاضر ہوا ہوں۔ مجھے ابوتمیم نے آزاد کردیا ہے۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کا ہر لحاظ سے بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

[1] المغازي للواقدي :344/1. [2] أسدالغابة :172/1، الإصابة :304/1 و 82/6.

«بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ، أَيْنَ تَرَكْتَ أَهْلَكَ؟»

''اللہ تعالیٰ تمھیں برکت عطا فرمائے! گھر والوں کو کہاں چھوڑ آئے؟''

انھوں نے کہا: میں انھیں خذوات کے مقام پر چھوڑ کر آیا ہوں۔ وہاں کے لوگ اچھے ہیں اور اسلام کی طرف راغب ہیں۔ ہمارے اردگرد اسلام پھیل چکا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو بے حد مسرت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ الَّذِي هَدَاهُمْ»

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے انھیں ہدایت عطا فرمائی۔''



علاقہ احساء (قبیلہ عبدالقیس) کے باغات

پھر مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اپنی دعوتی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا: کل میری عبدالقیس قبیلے کے ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اسے اسلام کی دعوت اور مسلمان ہونے کی ترغیب دی تو وہ مسلمان ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَإِسْلَامُهُ عَلٰى يَدَيْكَ كَانَ خَيْرًا لَّكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ غَرَبَتْ»

''اس کا تمھارے ہاتھوں اسلام قبول کرنا تمھارے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے ان سے فرمایا:

«كُنْ مَّعَنَا حَتّٰى نَلْقٰى عَدُوَّنَا، فَإِنِّي أَرْجُوا أَنْ يُّنَفِّلَنَا اللّٰهُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ»

''تم ہمارے ساتھ ہی رہو یہاں تک کہ ہم اپنے دشمن سے جنگ کرلیں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مال ہمیں غنیمت کے طور پر عطا فرمائے گا۔''

سیدنا مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہولیے۔[1] ان کے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی تھی کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کا اعزاز مل گیا۔

[1] المغازي للواقدي: 346/1.

اسلامی لشکر کفار کے سر پر

رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ سفر کا آغاز کیا۔ آپ مسلسل سفر کرتے ہوئے بالآخر بنومصطلق کے مریسیع نامی چشمے تک پہنچ گئے۔ اب مسلمان کفار کے سر پر جا پہنچے تھے۔ اسلامی لشکر نے وہاں دشمن کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے چمڑے کا خیمہ نصب کیا گیا۔ دوسری طرف بنومصطلق کا لشکر موجود تھا۔ وہ بھی لڑائی کے لیے تیار تھے۔

لشکرِ اسلام کی صف بندی اور علمبرداری


جامع مسجد عمار بن یاسر، الشارقہ (متحدہ عرب امارات)

اب باقاعدہ جنگ شروع ہونے والی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بنفسِ نفیس اپنے صحابہ کی صف بندی فرمائی۔ اسلامی لشکر کے علمبردار مقرر فرمائے۔ مہاجرین کا پرچم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تھمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے حوالے کیا۔ انصار کا عَلَم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔

مشرکین کا علمبردار

دوسری طرف کفار کے لشکر کا عَلَم صفوان بن مالک بن جذیمہ نے تھام رکھا تھا۔ اسے ذوالشقر کہا جاتا تھا۔[1] یہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد تھا۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی صفوان بن مالک کے بیٹے مسافع سے پہلی شادی ہوئی تھی۔[2]

بنومصطلق کو اسلام کی دعوت

رسول اللہ ﷺ نے جنگ سے پہلے بنومصطلق کو مہلت دی اور انھیں اسلام قبول کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ باآواز بلند انھیں کلمۂ توحید کے اقرار کی دعوت دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اعلان کیا:

1 المغازي للواقدي :345/1. 2 الطبقات لابن سعد :217/8.

قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، تَمْنَعُوا بِهَا أَنْفُسَكُمْ وَ أَمْوَالَكُمْ.

''لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلو، تم اس کے ذریعے سے اپنی جان اور مال محفوظ کرلو گے۔''

بنومصطلق کی سرکشی عروج پر تھی، انھوں نے یہ پیشکش مسترد کردی اور اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔

جنگ کا آغاز

جنگ کے بادل تو پہلے ہی چھائے ہوئے تھے لیکن دونوں لشکروں کے درمیان باقاعدہ جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ کفار کے لشکر میں سے ایک شخص نے پہل کی اور مسلمانوں پر تیر چلا دیا۔ اس طرح جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ مسلمان کچھ دیر تک تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کرتے رہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ یکبارگی حملہ کریں، چنانچہ وہ ان پر شیر کی طرح جھپٹ پڑے۔ یہ حملہ بڑا زبردست تھا، کفار کے ایسے ہوش اُڑے کہ انھیں اپنی جگہ سنبھلنے کا بھی موقع نہیں ملا۔

مسلمانوں کا رمزیہ شعار (Code Word)

جب جنگ کا بازار گرم ہوتا ہے اور لشکر آپس میں ٹکراتے ہیں تو فریقین کے سپاہی بکھر جاتے اور ایک دوسرے کی صفوں میں پھیل جاتے ہیں۔ یہ نہایت خطرناک صورتحال ہوتی ہے۔ اس موقع پر اس بات کا بڑا اندیشہ ہوتا ہے مبادا کوئی اپنے ہی ساتھی کو نقصان پہنچا دے۔ اسی طرح رات کی تاریکی میں بھی اپنے ساتھی اور دشمن میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے۔ ایسی نازک صورت حال سے نمٹنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو یہ طریقہ سکھایا کہ وہ کوئی خفیہ علامتِ شناخت اور رمزیہ جنگی شعار (Code word) مقرر کرلیا کریں تاکہ اس کے ذریعے سے وہ ایک دوسرے کو پہچان جائیں۔ غزوۂ بنی مصطلق میں مسلمانوں کا جنگی شعار يَا مَنْصُورُ! أَمِتْ أَمِتْ تھا۔ [1] اس کا مطلب یہ تھا: ''اے مددیافتہ شخص! مار دے، ختم کردے۔'' یہ الفاظ نہایت جامع اور معنی خیز تھے۔ ایک طرف تو یہ جنگی شعار تھے۔ دوسری طرف ان الفاظ میں یہ نیک فال بھی تھی کہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہے۔ مزید برآں اس میں دشمن کے خلاف جوش دلایا گیا تھا کہ دشمن کو مار ڈالو۔ کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

غزوۂ بنومصطلق میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مختلف طریقوں سے بھرپور مدد فرمائی۔ ایک بات یہ ہوئی کہ کفار

[1] المعجم الكبير للطبراني: 102,101/7، أسناد الكبير حسن۔ مجمع: 142/6.

کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا گیا۔ وہ پہلے ہی مسلمانوں سے خوفزدہ تھے۔ جب انھوں نے اسلامی لشکر سامنے دیکھا تو ان کے ہوش اُڑ گئے۔ انھیں مسلمان ہر لحاظ سے دگنے چوگنے دکھائی دینے لگے۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اس وقت کا منظر بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے والد حارث کو یہ کہتے سنا کہ ہمارے پاس ایسا لشکر آ گیا ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ہم میں ہمت ہی نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں خود اس قدر زیادہ فوج اور گھوڑوں کا منظر دیکھ رہی تھی جو بیان سے باہر ہے۔ جب میں مسلمان ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آ گئی تو واپسی کے موقع پر میں مسلمانوں کو دیکھنے لگی۔ اب وہ اُس طرح نہیں تھے جس طرح میں نے انھیں پہلے دیکھا تھا۔ میں سمجھ گئی کہ یہ تو وہ دبدبہ تھا جو اللہ تعالیٰ مشرکوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

سفید شہسوار کون تھے؟

جنگ کے دوران میں فرشتے بھی مسلمانوں کی مدد کے لیے اُتر آئے۔ اس کا تذکرہ بنومصطلق کے لشکر کے ایک آدمی نے کیا ہے۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ اس نے بتایا کہ ہم ابلق گھوڑوں پر سوار سفید مردوں کو دیکھ رہے تھے۔ ہم نے انھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا، نہ وہ بعد میں دیکھے گئے۔ [1]

کفار کو شکست فاش

یہ جنگ زیادہ دیر جاری نہیں رہی۔ مسلمان جلد ہی کفار پر غالب آ گئے۔ انھوں نے یکبارگی حملہ کر کے بنومصطلق کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان میں سے کوئی بھی بھاگ نہ سکا۔ مسلمانوں نے ان کے کُل دس افراد قتل کیے۔ باقی سب قید کر لیے گئے۔ ان کے علمبردار صفوان کو سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ [2] سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کفار کے دو آدمیوں مالک اور اس کے بیٹے کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ اسی طرح سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کے شہسوار اَحْمر یا اُحَیمر کو واصل جہنم کیا۔ [3] جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا خاوند مسافع بھی مارا گیا۔ [4] قیدیوں میں مردوں کے ساتھ ساتھ بنومصطلق کی عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ ان کے اونٹوں اور بکریوں کے بڑے بڑے ریوڑ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ [5]

اس طرح بنومصطلق کو مسلمانوں کے ہاتھوں زبردست شکست ہوئی اور ان کے سارے عزائم خاک میں مل گئے۔ مکہ مدینہ کی شاہراہ پر مسلمانوں کا کنٹرول ہوگیا۔ مسلمانوں کی قوت اور شان و شوکت میں اضافہ ہوا۔ عرب قبائل پر

[1] المغازي للواقدي :346/1. [2] المغازي للواقدي :345/1. [3] السيرة لابن هشام :306/3. [4] الطبقات لابن سعد : 116/8. [5] المغازي للواقدي :345/1.

مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ اب ان میں سے کسی قبیلے میں اتنی بھی ہمت نہیں رہی کہ وہ تنہا مسلمانوں پر حملے کے بارے میں سوچ سکے۔

ہشام بن صبابہ رضی اللہ عنہ کی ایک صحابی کے ہاتھوں سہواً شہادت

غزوۂ بنو مصطلق میں دشمن کے ہاتھوں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ سب مسلمان محفوظ رہے۔ صرف ایک صحابی سیدنا ہشام بن صبابہ لیثی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ یہ بنوکلب بن عوف بن عامر سے تھے جو کنانہ کی ایک شاخ ہے۔ انھیں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک انصاری صحابی نے غلطی سے دشمن کا آدمی سمجھ کر شہید کر ڈالا۔[1] واقدی نے انھیں شہید کرنے والے صحابی کا نام اوس رضی اللہ عنہ بتایا ہے اور شہید ہونے والے صحابی کا نام ہشام کے بجائے ہاشم لکھا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پہلا نام ہشام ہی زیادہ راجح ہے۔[2]



ہشام بن صبابہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا الم انگیز واقعہ اس طرح پیش آیا کہ یہ دشمن کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ جب وہ واپس آ رہے تھے، اس وقت تیز آندھی چل رہی تھی اور فضا گرد و غبار سے اٹی ہوئی تھی۔ اس حالت میں ان کا آمنا سامنا انصاری صحابی اوس رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ وہ انھیں پہچان نہ سکے کہ یہ ہمارے ہی ساتھی ہیں۔ وہ سمجھے کہ یہ مشرکین کے آدمی ہیں۔ حالتِ جنگ میں اس قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اوس رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر کے انھیں شہید کر ڈالا۔ بعد میں انھیں پتہ چلا کہ وہ تو مسلمان تھے اور ہمارے ہی ساتھی تھے۔[3] انھیں بے حد افسوس ہوا لیکن وہ بے خطا تھے۔ انھوں نے جانے بوجھے ایسا نہیں کیا تھا۔ تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔

مقیس بن صبابہ کا ماجرا

ہشام بن صبابہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پھیلتے پھیلتے ان کے بھائی مقیس تک جا پہنچی۔ وہ مکہ میں مقیم تھا اور ابھی اسلام کی آغوش میں نہیں آیا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ مشتعل ہوگیا۔ اس نے اپنے بھائی کا انتقام لینے کی ٹھانی۔ وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے مدینہ پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا۔ سیدھا دربارِ نبوت میں پہنچا اور بولا: اللہ کے رسول!

[1] السيرة لابن هشام :302/3. [2] الإصابة :423,422/6. [3] المغازي للواقدي :345/1.

میں مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میرا بھائی غلطی سے مارا گیا، میں اس کی دیت لینے آیا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فوراً حکم جاری فرما دیا کہ اسے اس کے بھائی کی دیت ادا کر دی جائے، آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل ہوئی اور اسے دیت دے دی گئی۔

مقیس بن صبابہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرا۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ اسے اپنے بھائی کی دیت وصول کر کے بھی چین نہیں آیا۔ اس کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ اپنے بھائی کے قاتل کے خون کا پیاسا تھا۔ اس نے مدینہ میں رہ کر قاتل کا سراغ لگا لیا۔ اب وہ اپنے مذموم ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ آخر ایک دن اسے یہ موقع مل ہی گیا۔ اس نے اپنے بھائی کے قاتل صحابی کو قتل کر ڈالا اور مدینہ سے فرار ہو گیا۔ مکہ آکر وہ کفارِ قریش کے ساتھ مل گیا۔ اس نے اسلام کو چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار کر لی اور مرتد ہو گیا۔ اس طرح اس کا جرم دگنا ہو گیا۔ ایک تو اس نے دیت لینے کے باوجود دھوکے سے صحابی کو شہید کیا۔ دوسرے وہ مرتد ہو کر کفارِ قریش کا ساتھی بن گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کا علم ہوا تو آپ نہایت غمگین ہوئے۔ مقیس کو اپنے کیے کی سزا بہر حال ملنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اسے معاف نہیں دی بلکہ اس کا نام لے کر حکم صادر فرمایا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ چنانچہ اسی کی قوم کے ایک صحابی نمیلہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس پر قابو پا لیا اور واصل جہنم کر دیا۔ [1]

ایک اشکال اور اس کا حل

یہاں رک کر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ نے اب تک غزوۂ بنی مصطلق کے متعلق جو کچھ پڑھا ہے، سیرت نگاروں بالخصوص ابن اسحاق اور واقدی نے یہ سب کچھ اسی طرح بیان کیا ہے۔ لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں اس سے کچھ مختلف بات بیان کی گئی ہے۔ اس میں بنو مصطلق کو اسلام کی دعوت دینے کا ذکر ہے، نہ لڑائی کے لیے صف بندی کا بیان ہے، نہ بنو مصطلق کی طرف سے مقابلہ کرنے کا کوئی تذکرہ ہے۔ یہ روایت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے جو خود اس جنگ میں شریک تھے۔ اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ وَأَنْعَامُهُمْ تُسْقٰى عَلَى الْمَاءِ، فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ، وَسَبٰى ذَرَارِيَّهُمْ.

[1] السيرة لابن هشام: 206,205/3 و 53,52/4، المغازي للواقدي: 345/1.

''نبی ﷺ نے جب بنو مصطلق پر حملہ کیا تو وہ لوگ بالکل بے خبر تھے، ان کے جانوروں کو چشمے پر پانی پلایا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے جنگجوؤں کو قتل کر ڈالا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔'' [1]

یہی وہ روایت ہے جس سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ جنھیں پہلے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو، انھیں جنگ سے پہلے دعوت دینے کی ضرورت نہیں۔ ان پر کسی بھی وقت اچانک حملہ کیا جا سکتا ہے۔ ابن عون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے نافع رحمہ اللہ کو یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ جنگ سے پہلے مشرکین کو دعوت دینا کیسا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ حکم دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور میں تھا (پھر اس میں تبدیلی ہو گئی)۔ یہ بات لکھنے کے بعد انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی متذکرہ بالا روایت بطورِ دلیل درج کر دی۔ [2]

بہر حال صحیحین کی روایت سے یہ واضح ہے کہ اسلامی لشکر نے بنو مصطلق پر اچانک دھاوا بولا۔ اس وقت وہ لوگ بے خبر تھے۔ انھیں اپنی جگہ سنبھلنے کا بھی موقع نہیں ملا کہ لڑائی پیش آ گئی اور وہ باقاعدہ برسرِ پیکار نہ ہو سکے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اسی بات کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ [3] علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ [4] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے اور وضاحت سے لکھا ہے کہ اس غزوے میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے سیرت نگاروں کی بیان کردہ پہلی بات کو واہمہ قرار دیا ہے۔ [5]

اس میں شک نہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت، سیرت نگاروں کی روایت پر ہر اعتبار سے فوقیت، برتری اور ترجیح رکھتی ہے لیکن اگر ان کے درمیان تطبیق کی کوئی صورت نکلتی ہو تو اسے اپنانا ہی بہتر ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں طرح کی روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ جب اسلامی لشکر نے مریسیع چشمے پر اچانک انھیں آ گھیرا تو وہ کچھ دیر تو ڈٹے رہے۔ پھر ان کے مابین صف بندی بھی ہوئی، جنگ بھی ہوئی، مسلمان غالب آ گئے اور بنو مصطلق شکست کھا گئے۔ [6] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ توجیہ نہایت عمدہ ہے۔

قیدیوں کی نگرانی کا حکم

رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بنو مصطلق کے قیدیوں کو باندھ کر ایک طرف کر دیا گیا۔ اسی طرح ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی نکال کر الگ کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے سیدنا بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو قیدیوں کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ قیدیوں کی تعداد کتنی تھی؟ ابنِ اسحاق نے بنو مصطلق کے قیدیوں کی تعداد بیان کرتے ہوئے

[1] صحيح البخاري: 2541، صحيح مسلم: 1730. [2] صحيح مسلم: 1730، سنن أبي داود: 2633. [3] الدرر في اختصار المغازي والسير، ص: 203. [4] جوامع السيرة، ص: 217. [5] زاد المعاد: 258,257/3. [6] فتح الباري: 538,537/7.

لکھا ہے کہ وہ سو گھرانے تھے۔[1] واقدی نے لکھا ہے کہ قیدیوں میں 200 گھرانے تھے۔[2] زرقانی نے اپنے بعض مشائخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کی تعداد سات سو افراد سے بھی زیادہ تھی۔[3] یہ ظاہر بات ہے کہ ایک گھرانے میں کئی افراد ہوتے ہیں۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

بنومصطلق کا سارا مال ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ ان کی رہائش گاہوں سے بھی جو اسلحہ، پرانا اور ردی ساز و سامان ملے، سب جمع کر لیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے اونٹ اور بکریاں بھی مسلمانوں نے اپنے قبضے میں کر لیں۔ یہ کل دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں۔ آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام شقران کو ان کا نگران مقرر فرمایا۔ اب یہ ساری چیزیں مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت ٹھہریں۔

اگلا مرحلہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سارے مالِ غنیمت میں سے خُمُس (پانچواں حصہ) نکال لیا۔ اس کے بعد باقی مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اسلامی لشکر میں موجود منافقین کی تو گویا لاٹری نکل آئی۔ کیونکہ وہ تو مال و دولت ہی کے عاشق تھے اور اسی کی طلب میں نکل آئے تھے۔ آپ ﷺ نے خمس کی تقسیم اور مسلمانوں کے حصوں پر سیدنا محمیہ بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر فرمایا۔ قیدی بھی تقسیم کر دیے گئے۔ جس کے حصے میں جو قیدی آیا تھا، وہ اُسی کے سپرد کر دیا گیا۔ ان قیدیوں میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں۔ وہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچازاد کے حصے میں آئیں۔ گھریلو استعمال کا ردی سامان بھی بانٹ دیا گیا۔ اس کے علاوہ خرید و فروخت کی سہولت بھی دی گئی یعنی اگر کوئی مستعملہ ردی سامان میں سے اپنے مطلب کی کوئی چیز خریدنا چاہتا تھا، وہ اس کے ہاتھ بیچ دی گئی۔ اونٹ اور بکریاں بھی تقسیم ہو گئیں۔ ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر قرار پایا۔ گھڑ سوار کو تین حصے ملے۔ دو حصے گھوڑے کے لیے اور ایک اس کا اپنا حصہ۔ پیدل شخص کو ایک حصہ دیا گیا۔[4]

مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کا عطیہ

رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر سیدنا مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی نکالا۔ آپ ﷺ نے انھیں اونٹوں اور بکریوں کا ایک ریوڑ عطا فرمایا۔ انھیں اس قدر بکریاں اور اونٹ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ وہ سوچنے لگے میں ان سب کو کیسے سنبھالوں گا اور اپنے ساتھ کس طرح لے کر جاؤں گا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت

[1] السيرة لابن هشام: 3/307، 308. [2] المغازي للواقدي: 1/347. [3] شرح الزرقاني على المواهب: 3/7. [4] المغازي للواقدي: 1/347، الطبقات لابن سعد: 2/64.

میں عرض کی: اللہ کے رسول! بکریوں کے ہوتے ہوئے میں اونٹ کیسے لے کر جاؤں گا؟ آپ مجھے اونٹ اور بکریاں دینے کے بجائے یا تو نری بکریاں مرحمت فرما دیں یا بکریوں کے بجائے صرف اونٹ عطا کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کی یہ بات سن کر مسکرا دیے۔ آپ ﷺ نے انھیں اپنی مرضیٔ مبارک سے اونٹ یا بکریاں دینے کے بجائے خود انھی کی پسند معلوم کی، دریافت فرمایا:

«أَيُّ ذٰلِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟»

''تمھیں دونوں میں سے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟''

انھوں نے کہا: آپ اونٹ عطا فرما دیں۔ عرب کے لوگوں کو اونٹ ہی زیادہ پسند تھے۔ آپ ﷺ نے ایک صحابی کو حکم دیا:

«أَعْطِهِ عَشْرًا مِّنَ الْإِبِلِ»

''انھیں دس اونٹ دے دو۔''

چنانچہ انھیں اونٹ مل گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اونٹ تمھیں خمس میں سے دیے ہیں یا مالِ غنیمت میں سے؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ اونٹ لے کر اپنے گھر واپس آ گیا۔ اللہ کی قسم! ان اونٹوں کی وجہ سے ہم آج تک خیر و برکت کی زندگی گزار رہے ہیں۔[1]

دو آدمیوں کا خُمس کے مال میں سے سوال

رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ خدمتِ عالیہ میں جو سوالی آتا، آپ ﷺ اس کا سوال رد نہیں کرتے تھے، کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے تھے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر دو سائل آپ کی خدمت میں آئے۔ انھوں نے خُمس سے کچھ مال مانگا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا مِنْهُ، وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَّلَا لِقَوِيٍّ مُّكْتَسِبٍ»

''اگر تم چاہو تو میں تمھیں اس میں سے دے دوں۔ (مگر یہ یاد رکھنا کہ) اس میں کسی مال دار اور کمائی کرنے والے اور طاقتور شخص کا کوئی حصہ نہیں۔''[2]

[1] المغازي للواقدي :346/1. [2] المغازي للواقدي :347/1.

منافقین کی شر انگیزیاں

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ غزوۂ بنی المصطلق میں منافقوں کی ایک بڑی تعداد اسلامی لشکر کے ساتھ چلی آئی تھی۔ اس موقع پر ان کا سربراہ عبداللہ بن ابیّ بھی موجود تھا۔ ان لوگوں کی وجہ سے شدید خطرہ تھا مبادا یہ کوئی فتنہ جگائیں، فساد برپا کریں۔ بیٹھے بٹھائے خواہ مخواہ کسی آفت کو آواز دیں یا کسی بھس میں چنگاری پھینک دیں۔ ان لوگوں سے کسی بھلائی کی امید نہیں تھی۔ انھوں نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا لیکن ان کے دل اسلام دشمنی سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ ہر وقت رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور شرارتوں میں سرگرم رہتے تھے۔ مسلمانوں کو بدنام کرنا، نقصان پہنچانا اور انھیں آپس میں لڑانے کی شیطانی ترکیبیں سوچنا ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ مسلمانوں کے خلاف جب بھی کوئی موقع ان کے ہاتھ آتا، یہ طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو غلط رنگ دے کر خوب اچھالتے تھے۔ یہ بدخصال لوگ ذرے کو صحرا، قطرے کو دریا اور رائی کو پہاڑ بنانے کے ماہر تھے۔ حسد، بغض، غیبت، چغلی، جھوٹ اور بدگمانی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ یہ سچائی، امانت و دیانت، اتفاق و اتحاد اور امن و سکون کے دشمن تھے۔ اسلام کی برکت سے اوس و خزرج اپنی پرانی دشمنیاں بھلا کر باہم شیر و شکر ہو گئے، مہاجرین و انصار بھائی بھائی بن گئے۔ یہ منظر انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ان کا سردار عبداللہ بن ابیّ شر انگیزی میں پیش پیش تھا۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی فتنے کی آگ بھڑکانے کی تاک میں رہتا تھا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کی وجہ سے اس کی بادشاہت کا خواب چکنا چور ہو چکا تھا۔ اس لیے یہ شروع ہی سے آتش انتقام میں جل رہا تھا۔ مسلمانوں کی مسلسل کامیابیوں نے اس کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ اس نے پس پردہ رہ کر مسلمانوں کے خلاف کفار و مشرکین اور یہودیوں کا ہر ممکن ساتھ دیا۔ انھیں مسلمانوں سے جنگ پر اکسایا اور جھوٹی امیدیں دلائیں۔

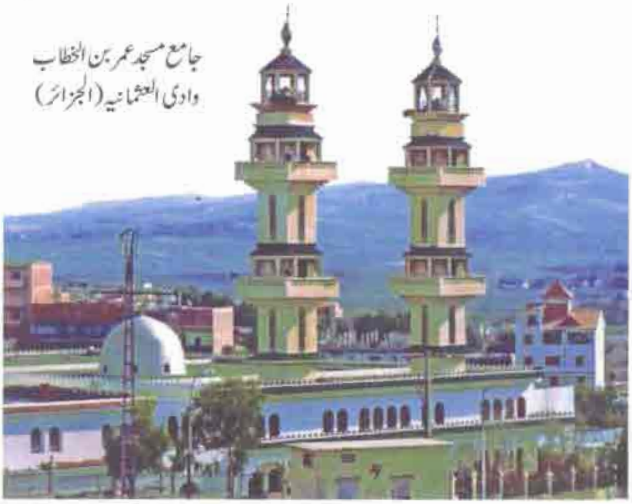
ان سارے کرتوتوں کے باوجود منافقین کو ہر موقع پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشیں نہ صرف بری طرح ناکام ہوئیں بلکہ انھیں ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ صبر جمیل کا پیکر تھے، منافقین کی حرکتوں پر عفو و درگزر، بردباری اور تحمل مزاجی سے کام لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انھی باتوں کا حکم دے رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو بھی منافقین کے معاملے میں صبر اور درگزر کی ہدایات دے رکھی تھیں۔

منافقین یہ بات اچھی طرح جان چکے تھے کہ مسلمانوں کو کثرتِ تعداد اور اسلحے کے بل بوتے پر شکست نہیں دی جا سکتی۔ انھیں مغلوب کرنے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ ان کی صفوں میں انتشار و اضطراب اور ان کے مابین شک اور بے اعتمادی کا زہر پھیلایا جائے۔ انھیں آپس میں لڑا دیا جائے۔

غزوۂ بنی مصطلق میں جب مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی تو منافقین کڑھنے لگے۔ ان سے مسلمانوں کی خوشی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس غزوے میں اچانک دو ناخوشگوار واقعات پیش آ گئے۔ ان کی وجہ سے منافقین کے وارے نیارے ہو گئے اور انھیں اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ انھوں نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور ان کا امن و سکون درہم برہم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ساری شیطانی تدبیریں خاک میں ملا دیں۔ آیئے۔ اب ہم یہ واقعات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

سنان اور جہجاہ رضی اللہ عنہما میں جھڑپ ہو گئی

اسلامی لشکر ابھی بنو مصطلق ہی کے علاقے میں تھا۔ جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مسلمان مالِ غنیمت کی تقسیم سے بھی فارغ ہو گئے تھے۔ کچھ مسلمان پانی لینے مریسیع کے چشمے پر گئے۔ اس میں پانی اتنا کم تھا کہ ڈول ڈالا جاتا تو وہ آدھا ہی بھرتا تھا۔ چشمے کی طرف جانے والوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مزدور جہجاہ بن مسعود بھی تھا۔ اس کا تعلق بنو غفار سے تھا۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کو پانی پلانے لایا تھا۔ وہاں بنو سالم بن عوف بن خزرج کے حلیف سنان بن وبرہ جہنی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ان کے ساتھ بنو سالم کے دو نوجوان تھے۔ ان کے علاوہ انصار و مہاجرین کے دیگر لوگ بھی وہاں آئے ہوئے تھے۔


جامع مسجد عمر بن الخطاب
وادی العثمانیہ (الجزائر)

سنان اور جہجاہ نے اپنا اپنا ڈول چشمے میں ڈالا۔ دونوں کے مشکیزے ملتے جلتے تھے، وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے۔ دونوں میں سے ایک کا ڈول باہر نکلا، یہ سنان رضی اللہ عنہ کا ڈول تھا۔ وہ بولے: یہ میرا ڈول ہے۔ جہجاہ کو غلط فہمی ہو گئی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو میرا ڈول ہے۔ بس اس معمولی سی غلط فہمی کی بنا پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ بات بڑھ

گئی، جہجاہ نے مشتعل ہو کر سنان رضی اللہ عنہ کی پٹائی کر دی، سنان زخمی ہو گئے ان کے بدن سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ انھوں نے دہائی دی: اے انصاریو! اے خزرجیو! مدد کے لیے آؤ۔ جونہی انصار مسلمانوں نے یہ آواز سُنی، وہ سنان کی طرف لپکے۔ انھوں نے سنان کو زخمی حالت میں دیکھا تو مشتعل ہو گئے۔ سنان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جہجاہ کا پیچھا کیا لیکن وہ نکل بھاگا۔ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ اس دوران میں جہجاہ نے بھی لشکر میں یہ دہائی دی: اے مہاجرین کی جماعت! اے قریشیو! اے کنانہ کے لوگو! اس کی آواز سنتے ہی قریش کے لوگ فوراً اس کی مدد کے لیے آ پہنچے۔ اب ایک طرف انصار تھے اور دوسری طرف مہاجرین۔ دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل آ گئے۔ اور اپنے اپنے ہتھیار لہرانے لگے۔ ایک خونریز جنگ کی گھٹا چھا گئی۔ اب حالت یہ تھی کہ بس کسی کی طرف سے پہل کرنے کی دیر تھی کہ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے کرم فرما دیا۔ [1]

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جھگڑے کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ ایک مہاجر نے انصاری کو لات ماردی۔ انصاری کو غصہ آ گیا۔ اس نے فوراً آواز لگائی: يَا لَلْأَنْصَارِ! ''انصاریو! مدد کے لیے آؤ۔'' یہ دیکھ کر مہاجر نے بھی پکار لگائی: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ! ''ارے مہاجرو! مدد کرو۔'' [2] بہر حال شیطان نے اپنا کرتب دکھایا، انھیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا اور پرانے جاہلانہ تعصب میں دوبارہ مبتلا کرنے کی کوشش کی۔ چھوٹی سی بات فتنہ بن گئی۔ یہ ایک غیر یقینی صورت حال تھی۔ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انصار و مہاجرین یوں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے صلح کرا دی

رسول اللہ ﷺ کو جونہی اس واقعے کی خبر ملی، آپ ﷺ فوراً وہاں تشریف لے گئے۔ اور اُن سے جواب طلب کر لیا۔ فرمایا:

«مَابَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟»

''دورِ جاہلیت کی یہ پکار کیسی ہے؟''

صورت حال بتائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ»

''ایسی باتیں چھوڑ دو۔ یہ بہت گندی اور متعفن باتیں ہیں۔'' [3]

[1] المغازي للواقدي: 352/1، السيرة لابن هشام: 303/3. [2] صحيح البخاري: 4905. [3] صحيح البخاري: 4905، مزید دیکھیے: فتح الباري: 827/8.

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا بَأْسَ، وَلْيَنْصُرِ الرَّجُلُ أَخَاهُ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، إِنْ كَانَ ظَالِمًا فَلْيَنْهَهُ، فَإِنَّهُ لَهُ نَصْرٌ، وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَلْيَنْصُرْهُ»

''کوئی بڑی بات نہیں۔ آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہیے، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر وہ ظالم ہو تو اسے (ظلم سے) روکے۔ یہی اس کی مدد ہے۔ اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے۔'' [1]

اس طرح آپ ﷺ کی بروقت مداخلت سے معاملہ رفع دفع ہو گیا اور فریقین ٹھنڈے پڑ گئے۔ آپ ﷺ کے درج بالا فرامین سے واضح ہے کہ آپ نے گروہی نسبت سے پکار لگانے پر سخت ناگواری کا اظہار فرمایا کیونکہ اس سے تعصب کا اظہار ہوتا ہے۔ تعصب دورِ جاہلیت کی پیداوار اور یادگار ہے۔ بھلا اسلام ایسی گھٹیا اور جاہلانہ باتوں کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے امت کو خاص طور پر تعلیم دی ہے کہ ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقوے کی بنیاد پر تو کی جا سکتی ہے لیکن علاقے، مذہب، گروہ، خاندان اور رنگ و نسل کی بنیاد پر نہیں کی جا سکتی۔ اگر کسی مسلمان نے کسی پر ظلم کیا ہے تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اسے ظلم سے روکیں۔ یہی اس کے ساتھ صحیح تعاون ہے۔ اسی طرح مظلوم کی مدد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ظالم سے اس کا حق لے کر دیا جائے۔

سنان رضی اللہ عنہ نے جہجاہ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا

واقدی کی روایت میں ہے کہ مہاجرین کے کچھ حضرات صلح صفائی کے لیے سنان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: آپ اپنا حق معاف کر دیں۔ سنان رضی اللہ عنہ اپنے حلیفوں کو اعتماد میں لیے بغیر یہ قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ انھوں نے اپنے حلیفوں سے بات چیت کی تو وہ نہ مانے۔ انھوں نے کہا کہ تم صرف اسی صورت میں جہجاہ رضی اللہ عنہ کو معاف کرنا جب رسول اللہ ﷺ تمھیں ایسا کرنے کا حکم دیں، بصورت دیگر تم جہجاہ سے بدلہ لو۔ مہاجر صحابہ نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ خود سنان رضی اللہ عنہ کے حلیفوں کی خدمت میں گئے، ان سے مذکرات کیے اور انھیں صلح پر رضامند کیا، چنانچہ سنان رضی اللہ عنہ نے اپنے حلیفوں کے کہنے پر جہجاہ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا۔ [2]

رئیس المنافقین کے ناپاک ارادے

منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ مشتعل ہو گیا۔ وہ تو پہلے ہی ایسے موقعوں کی تاک

[1] صحيح مسلم: 2584. [2] المغازي للواقدي: 352/1.

میں رہتا تھا۔ بھلا وہ اس واقعے کو اتنی آسانی سے کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اچھالنا اور فساد پھیلانا ہی اُس کا مقصدِ زندگی تھا۔ ہر چند انصار و مہاجرین کی صلح ہو چکی تھی اور معاملہ رفع دفع ہو چکا تھا لیکن عبداللہ بن ابیّ دوبارہ فتنہ وفساد کا بازار گرم کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دس منافق چیلوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: مالک، داعس، سوید، اوس بن قیظی، معتب بن قُشیر، زید بن اللصیت، عبداللہ بن عتبل۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ ابھی نوعمر تھے۔ عبداللہ بن ابیّ کے دل میں رسول اللہ ﷺ سے حسد وعناد کی جو آگ بھڑک رہی تھی، اس نے اس کا مظاہرہ اِس موقع پر کیا۔ اُس نے مہاجر مسلمانوں کے خلاف خوب زہر اگلا۔ اس نے کہا:

اللہ کی قسم! میں نے آج جیسی ذلت ورسوائی کبھی نہیں دیکھی۔ واللہ! مجھے تو شروع ہی سے یہ معاملہ پسند نہ تھا لیکن میری قوم مجھ پر غالب آ گئی۔ دیکھو! ان مہاجرین نے کیسا ستم ڈھایا ہے؟ انھوں نے ہمارے ہی وطن میں رہ کر ہمیں مغلوب کر لیا اور تعداد میں ہم سے آگے نکل گئے۔ انھوں نے ہمارا احسان بُھلا دیا ہے۔ اللہ کی قسم! ہماری اور قریش کے ان تنگدستوں کی حالت پر تو یہ مثال صادق آتی ہے: سَمِّنْ كَلْبَكَ يَأْكُلْكَ. ''اپنے کتے کو کھلا پلا کر خوب موٹا تازہ کرو تا کہ وہ تمھیں ہی کاٹ کھائے۔'' واللہ! میں جہجاہ جیسی پکار سُنوں اور وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی ٹس سے مس نہ ہوں، مجھے تو یہ آواز سننے سے پہلے ہی مر جانا چاہیے تھا۔ واللہ! ہم مدینہ واپس جائیں گے تو معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔

بدبخت ابن ابیّ نے آخری جملے کے ذریعے سے اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی اور اپنے خبث باطن اور کمینگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے اپنے لوگوں کو معزز اور مہاجر مسلمانوں کو ذلیل قرار دیا۔ وہ دراصل مہاجرین وانصار کو لڑانا اور مہاجرین کو مدینہ سے نکلوانا چاہتا تھا۔ اس نے انھی باتوں پر بس نہیں کی بلکہ وہ اپنے اردگرد موجود لوگوں کو مہاجرین کے خلاف بھڑکاتے ہوئے بولا:

جو کچھ بھی ہوا ہے اُس کے ذمہ دار اور قصور وار خود تمھی لوگ ہو۔ تم نے انھیں اپنے شہر میں بسایا، اپنا مال بھی اُنھی میں بانٹ دیا، یہاں تک کہ وہ مال دار ہو گئے۔ واللہ! جو کچھ تمھارے پاس ہے، وہ انھیں دینا بند کر دو تو یہ خود بخود تمھارا شہر چھوڑ جائیں گے۔ یہ لوگ تمھارے احسانات پر بھی خوش نہ ہوئے، یہاں تک کہ تم نے خود اپنی جانوں کو موت کا نشانہ بنا لیا۔ تم ان (محمد ﷺ) کے دفاع میں لڑے۔ تم نے اپنے بچے یتیم کرا ڈالے۔ تمھاری تعداد گھٹ گئی اور یہ لوگ بڑھ گئے۔ [1]

[1] المغازي للواقدي: 353,352/1، السيرة لابن هشام: 303/3.

عبداللہ بن ابی کی ان اشتعال انگیز باتوں کا مقصد انصار کو قبائلی غیرت دلانا، جاہلانہ عصبیت میں مبتلا کرنا اور انھیں مہاجرین سے لڑانا تھا تاکہ مہاجر مدینہ سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔ ابن ابی کا خیال تھا کہ وہ انصار کو مہاجرین کے خلاف برسر پیکار کر دے گا تو مہاجرین کے بے دخل ہو جانے کا راستہ کھل جائے گا۔ اس طرح اُس کے ریاستِ مدینہ کا بادشاہ بننے کا ارمان پورا ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کو ابنِ اُبی کی شرانگیز باتوں کی اطلاع مل گئی

عبداللہ بن اُبی نے یہ سب فتنہ خیز باتیں اپنے خاص چیلے چانٹوں کی انجمن میں کی تھیں، وہ پوری طرح مطمئن تھا کہ اس کی یہ باتیں صیغۂ راز میں رہیں گی، رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچیں گی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں ایک ایسا نوعمر لڑکا بھی موجود ہے جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور وہ یہ ساری باتیں آپ تک پہنچا دے گا۔ یہ نوعمر صحابی سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ ابن اُبی کی زہر آلود باتیں برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے ابن اُبی کو سختی سے جھڑک دیا اور فرمایا:

أَنْتَ وَاللّٰهِ! الذَّلِيلُ الْقَلِيلُ الْمُبْغَضُ فِي قَوْمِكَ وَ مُحَمَّدٌ ﷺ فِي عِزٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ وَمَوَدَّةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ، وَاللّٰهِ! لَا أُحِبُّكَ بَعْدَ كَلَامِكَ هٰذَا.

”اللہ کی قسم! تو ہی ذلیل ہے۔ تو ہی کمتر ہے اور اپنی قوم کا بدترین آدمی ہے۔ محمد ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے عزت عطا فرمائی ہے، تمام مسلمانوں کی محبت اور ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! تیری خرافات سن کر مجھے تجھ سے شدید نفرت ہو گئی ہے، اب میں تجھ سے ہمیشہ متنفر رہوں گا۔“

ابن ابی نے زید رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو چونک پڑا۔ اسے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ زید میری یہ باتیں رسول اللہ ﷺ کو بتا دے گا۔ اس نے فوراً پلٹا کھایا۔ وہ زید رضی اللہ عنہ کو اطمینان دلانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولا: ارے برخوردار! خاموش ہو جا، میں تو صرف ہنسی مذاق اور کھیل تماشے کی باتیں کر رہا تھا۔ [1] زید رضی اللہ عنہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ یہ شخص مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے، جبکہ اصل حقیقت یہی ہے کہ یہ شخص رسالت مآب ﷺ اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے۔ زید رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ان سب باتوں سے ضرور آگاہ کریں گے اور ابن اُبی کے مکروہ چہرے سے جھوٹی اسلامیت کے چھلکے اتار دیں گے۔ ہر چند ان کا اور ابن ابی کا تعلق خزرج قبیلے سے تھا لیکن وہ اس معاملے میں اپنے قبیلے کی محبت کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ انھیں اس بات کی بھی کوئی فکر نہ تھی کہ ابن ابی کا اصلی

[1] تفسير البغوي، المنٰفقون 63:3، الصارم المسلول، ص :268,267.

چہرہ دکھانے سے ہمارے قبیلے کی بدنامی ہوسکتی ہے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ کی محبت چیز ہی ایسی ہے کہ اس کے آگے دنیا کی بڑی سے بڑی متاع بھی ہیچ اور ناقابلِ توجہ ہے۔ عبداللہ بن اُبی تو ایمان کی حقیقت ہی سے ناآشنا تھا۔ اس لیے اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اس نوعمر لڑکے کی رسول اللہ ﷺ سے محبت کا کوئی اندازہ ہی نہیں تھا۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو اپنی کم عمری کا بھی احساس تھا لیکن انھیں یہ احساس بھی سچائی کے اظہار و اعلان سے نہ روک سکا۔ تاہم انھوں نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہیں گئے۔ بلکہ اپنے چچا سعد بن عبادہ کی طرف رخ کیا اور انھیں ساری بات بتا دی۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ طبرانی اور ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ زید رضی اللہ عنہ کے چچا سے مراد یہاں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ زید کے حقیقی چچا نہیں تھے، بلکہ خزرج کے سردار تھے۔ زید رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔[2] سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مجازی طور پر چچا قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے پوری توجہ سے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ساری بات سنی۔ اس کے بعد وہ سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو ابن اُبی کے اصلی خیالات سے آگاہ کر دیا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی دینی مصلحت کے لیے کسی آدمی کی شرانگیزی سے دوسرے آدمی کو خبردار کر دیا جائے تو یہ چغلی شمار نہیں ہوگی۔

زید رضی اللہ عنہ کی دربارِ نبوت میں طلبی

رسول اللہ ﷺ نے جونہی یہ باتیں سنیں، فوراً زید رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ آپ ﷺ سب کچھ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی زبانی سننا چاہتے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے جو کچھ سنا تھا، من وعن سب آپ ﷺ کے سامنے بیان کر دیا۔[3] واقدی کی روایت میں ہے کہ جب زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو کئی مہاجر اور انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سیدنا ابوبکر صدیق، عثمان، سعد، محمد بن مسلمہ، اوس بن خولی اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم۔ ابن اسحاق کے بقول عمر رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔[4] زید رضی اللہ عنہ نے جب آپ کو ابنِ اُبی کی زہریلی گفتگو سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا۔ آپ کو اتنا شدید غصہ آیا کہ چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ زید رضی اللہ عنہ چونکہ نوعمر لڑکے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے مزید تصدیق و اطمینان کے لیے فرمایا:

[1] صحیح البخاري: 4904. [2] فتح الباري: 822/8. [3] صحیح البخاري: 4904. [4] السیرة لابن ھشام: 303/3.

«يَا غُلَامُ! لَعَلَّكَ غَضِبْتَ عَلَيْهِ؟»

''اے لڑکے! شاید تمھیں اس پر غصہ آ گیا ہے؟''

زید رضی اللہ عنہ بولے: نہیں، اللہ کی قسم! میں نے یہ باتیں خود اس کی زبان سے سنی ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

«لَعَلَّهُ أَخْطَأَ سَمْعُكَ؟»

''شاید تمھیں سننے اور سمجھنے میں غلطی لگی ہے؟''

انھوں نے کہا: اللہ کے نبی! میرے کانوں نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے جو کچھ سُنا، بے کم و کاست عرض کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے تیسری بار فرمایا:

«لَعَلَّهُ شُبِّهَ عَلَيْكَ؟»

''شاید اس کی بات تم پر مشتبہ ہو گئی ہے؟''

زید رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم کھا کر کہا: اللہ کے رسول! میں نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ اپنے کانوں اور اس کی زبان سے یہ سب کچھ سنا ہے۔[1]

ابن اُبی کے قتل کی اجازت نہ مل سکی

عبداللہ بن ابی کی یہ شرانگیز اور گستاخانہ باتیں سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا۔ وہ ایک دم کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! مجھے اس منافق کی گردن اڑانے کی اجازت دیجیے۔ آپ ﷺ نے انھیں روک دیا اور فرمایا:

«دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»

''اسے کچھ نہ کہو۔ لوگ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔''[2]

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو ابن اُبی کی باتوں کی اطلاع دینے کے لیے آئے تو عمر رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے۔ وہ بولے: آپ عباد بن بشر کو حکم دیجیے کہ وہ اسے قتل کر آئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَكَيْفَ يَا عُمَرُ! إِذَا تَحَدَّثَ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ! لَا وَلٰكِنْ أَذِّنْ بِالرَّحِيلِ»

''عمر! بھلا یہ اقدام کیسے مناسب رہے گا؟ لوگ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ ایسا

[1] المغازي للواقدي: 353/1. [2] صحيح البخاري: 4905.

نہیں ہوسکتا۔ ہاں تم یوں کرو کہ کوچ کا اعلان کر دو۔''

آپ نے ایسے وقت میں کوچ کا اعلان کرنے کا حکم دیا جس میں کوچ کرنا آپ کے معمولِ مبارک کے خلاف تھا۔ [1] واقدی نے نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تو رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں تھے لیکن جب انھیں اس بات کا علم ہوا تو وہ فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور ابن ابی کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انھیں اجازت نہ دی تو وہ بولے کہ پھر محمد بن مسلمہ کو حکم دیجیے کہ وہ اسے قتل کر دیں لیکن آپ نہ مانے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا پھر لوگوں کو کوچ کا حکم دیجیے۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے کوچ کا اعلان کر دیا۔ [2]

حق یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی اپنی گھناؤنی منافقت اور گستاخانہ حرکتوں کی وجہ سے اسی سزا کا مستحق تھا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے لیکن اس نے نفاق کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ بہت سے لوگ ابھی تک اس کے اصلی چہرے سے ناواقف تھے، اس لیے اس بات کا شدید خطرہ تھا مبادا لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ محمد ﷺ نے کافروں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اب اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس طرح نہ صرف مزید فتنہ وفساد پیدا ہو جانے کا خدشہ تھا بلکہ مسلمانوں کی سیاسی شہرت بھی داغدار ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ ایسی حالت میں داخلی اور خارجی دشمنوں کو پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل جاتا۔ بس یہی وہ وجوہ تھیں جن کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔

ابن ابی اور اس کے چیلے مُکر گئے

ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے پورے اعتماد اور ذمہ داری سے ایک اہم اطلاع دی ہے تو آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس بات کی تحقیق خود ابن ابی سے بھی کی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ وہ آگئے تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی سے پوچھا کہ کیا تم نے ایسی باتیں کی ہیں؟ ابن ابی بڑا مکار اور دھوکے باز تھا۔ وہ جھوٹی قسمیں بھی کھا لیا کرتا تھا۔ وہ صاف مکر گیا۔ اس نے آپ کے سامنے بڑی بڑی قسمیں کھائیں اور کہا کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تائید کی، جھوٹی قسمیں کھائیں اور یہی کہتے رہے کہ یہ باتیں بالکل غلط ہیں۔ [3]

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کو خبر ہوئی کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی زبان سے جو کچھ سنا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیا ہے اور اس کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے تو وہ خود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر

[1] السيرة لابن هشام :303/3. [2] المغازي للواقدي :354/1. [3] صحيح البخاري :4904,4903.

ہوا۔ اس نے اللہ کی قسم کھائی اور کہا کہ زید نے آپ ﷺ کو جو بات بتائی ہے، وہ میں نے نہیں کہی۔[1] واقدی نے لکھا ہے کہ انصار کے ایک گروہ نے جب رسول اللہ ﷺ اور زید کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تو انھوں نے ابن ابی کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ اوس بن خولی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ابوالحباب! اگر تم نے ایسی بات کہی ہے تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جاؤ، اپنی خطا کا اعتراف کرلو تا کہ وہ تمھارے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ خبردار! مکرنا مت، ورنہ تمھاری تکذیب میں وحی نازل ہو جائے گی۔ اگر تم نے یہ باتیں نہیں کیں تب بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچو، معذرت کرو اور قسم کھا کر یقین دہانی کراؤ کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اوس رضی اللہ عنہ نے اسے نہایت خوبصورت انداز میں سمجھایا اور اس کے سامنے مناسب حل پیش کیا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ ابن ابی اپنے جرم کا اعتراف کر لیتا اور آئندہ کے لیے توبہ کرتا لیکن ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اُس نے ان کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ میں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے اس سے نہایت ہمدردی سے فرمایا:

«يَا ابْنَ أُبَيٍّ! إِنْ كَانَتْ سَلَفَتْ مِنْكَ مَقَالَةٌ فَتُبْ»

''ابن ابی! اگر تم ایسی بات کہہ بیٹھے ہو تو فوراً توبہ کرلو۔''

عبداللہ بن ابی نے آپ ﷺ کی بات کو اہمیت نہیں دی۔ حسب سابق جھوٹی قسمیں کھانی شروع کر دیں کہ میں نے کچھ نہیں کہا۔ ابن ابی اپنی قوم کا سردار تھا، اس لیے اس کی بات کو سچا سمجھ لیا جاتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُس کے بارے میں برا گمان بھی رکھا جاتا تھا۔[2] حالات وحوادث کی رفتار کے ساتھ ساتھ جوں جوں اس کی اصلیت کھل کر سامنے آرہی تھی، لوگوں کے دلوں سے اس کا اعتبار اُٹھتا جا رہا تھا۔ ابن ابی نے دانائی سے کام نہیں لیا۔ اپنے فاسد خیالات پر کوئی ندامت محسوس نہیں کی۔ اُس کا دل سیاہ تھا، اُس کے پاس نورِ ایمان کی ایک کرن بھی نہیں تھی۔ اُس کا ضمیر گونگا تھا۔ اس کی رُوح اندھی ہوگئی تھی۔ اُس نے رسالت مآب ﷺ کی شفقت سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا، توبہ نہیں کی۔ اپنی بھیانک باتوں اور گھاتوں پر معافی نہیں مانگی، اُلٹا جھوٹی قسمیں کھا کر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا رہا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے مقدر پر ذلت و رسوائی کی مہر لگا دی۔

[1] السيرة لابن هشام: 303/3. [2] المغازي للواقدي: 354,353/1.

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو صدمہ

عبداللہ بن ابی نے جب رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنی صفائی پیش کی، اس وقت کچھ انصاری صحابہ بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں موجود تھے۔ وہ اسے قسمیں کھاتا دیکھ کر اس کا اعتبار کر بیٹھے۔ وہ اس کے دفاع میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! ہوسکتا ہے کہ لڑکے کو اس کی بات سننے میں مغالطہ ہو گیا ہو۔ جو کچھ اُس نے کہا، یہ لڑکا اسے ٹھیک طرح سے یاد نہ رکھ سکا ہو۔ [1] رسول اللہ ﷺ عالم الغیب تو تھے نہیں، چنانچہ آپ نے ابن ابی کو سچا مان لیا اور زید رضی اللہ عنہ کی بات کا اعتبار نہیں کیا۔ یہ بات پورے لشکر میں پھیل گئی تھی۔ ہر شخص اسی بات کا چرچا کر رہا تھا۔

اب زید رضی اللہ عنہ ایک نئے آشوب اور آزمائش سے دوچار ہو گئے۔ عام لوگ زید رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کی باتیں سنانے لگے۔ انھوں نے کہا کہ زید نے اللہ کے رسول ﷺ سے خواہ مخواہ جھوٹ بولا ہے۔ زید رضی اللہ عنہ کے چچا نے بھی خفگی ظاہر کی، ان سے کہا کہ یہ تم نے کیا کر دیا ہے کہ نبی ﷺ نے تمھیں جھٹلا دیا ہے اور وہ تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ [2] انصار نے بھی انھیں ملامت کی کہ تم نے اپنی قوم کے سردار کو بدنام کیا ہے۔ جو باتیں اس نے نہیں کیں، وہ تم نے اس کی طرف منسوب کر دیں۔ تم نے زیادتی اور قطع رحمی کی ہے۔ زید رضی اللہ عنہ نے صبر و تحمل سے یہ ساری باتیں سُنیں اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہ ساری باتیں اسی شخص کی زبان سے سنی ہیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مجھے عبداللہ بن ابی سے کوئی دشمنی نہیں، واللہ! خزرج قبیلے میں میرے نزدیک عبداللہ بن ابی سب سے بہتر ہے لیکن اُس جیسی زہریلی گفتگو میں اپنے باپ سے بھی سن لیتا تو اسے رسول اللہ ﷺ تک ضرور پہنچاتا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ پر ضرور وحی نازل فرمائے گا تاکہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ میں سچا ہوں اور ابن ابی کذاب ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو بھی علم ہو جائے کہ میری دی ہوئی اطلاع ٹھیک ہے۔ اس کے بعد زید رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ الٰہی میں التجا شروع کر دی:

«اَللّٰهُمَّ! أَنْزِلْ عَلٰى نَبِيِّكَ مَا يُصَدِّقُ حَدِيثِي»

''اے اللہ! میری بات کی تصدیق کے لیے اپنے نبی پر وحی نازل فرما۔'' [3]

بہرحال زید رضی اللہ عنہ اس صورت حال کی وجہ سے بہت مغموم تھے، لوگوں کی ملامت سے انھیں اس قدر صدمہ ہوا کہ اپنے گھر ہی میں محصور ہو کر رہ گئے۔ وہ خود فرماتے ہیں: مجھے اس قدر غم ہوا کہ اس جیسا غم پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ میں اپنے گھر تک محدود ہو کر بیٹھ گیا .... [4] ایک دن وہ بے حد افسردہ ہوئے اور غمگینی ہی کی حالت میں سو گئے۔ [5]

[1] السيرة لابن هشام :304/3. [2] صحيح البخاري :4904,4903. [3] المغازي للواقدي :353/1. [4] صحيح البخاري : 4904,4903. [5] جامع الترمذي :3314.

یہاں گھر سے مراد ان کی بیرونی قیام گاہ ہے، مدینے والا گھر نہیں ہے اور یہ سارا واقعہ ہی مدینے سے باہر کا ہے۔ زید رضی اللہ عنہ نے صرف لوگوں کی بولیوں ٹھولیوں سے بچنے کے لیے ان کے سامنے آنا چھوڑ دیا۔ انھیں ڈر تھا کہ لوگ انھیں دیکھ کر کہیں گے کہ تم نے جھوٹ بولا ہے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی شاندار حکمت عملی

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بے مثال حکمت و بصیرت سے نوازا تھا۔ آپ کسی صورت یہ نہیں چاہتے تھے کہ ابن ابی کی یہ باتیں لشکر میں پھیلیں، لوگ انھیں اپنا موضوع بنائیں اور ان پر تبصرے کریں۔ اس طرح اس فتنے کو اور زیادہ ہوا لگنے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ آپ نے اسلامی لشکر کو فوراً کوچ کا حکم دے دیا، جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ گرمی عروج پر تھی۔ رسول اللہ ﷺ ایسے وقت کوچ نہیں کرتے تھے لیکن ابن ابی کے برپا کردہ فتنے کو دبانے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ ایسی زبردست حکمت عملی تھی جو رسول اللہ ﷺ ہی کے ذہن مبارک میں آ سکتی تھی۔

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات

لوگ اسلامی لشکر کی خلافِ معمول اچانک روانگی پر حیران تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب روانہ ہوئے تو سب سے پہلے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے آپ سے ملاقات کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ پہلے ملے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ اسید رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہی کہا: اللہ کے نبی! آپ نے آج ایسے ناپسندیدہ وقت میں کوچ کیا ہے جو آپ کے معمول مبارک کے خلاف ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَمَا بَلَغَكَ مَا قَالَ صَاحِبُكُمْ؟»

”تمھارے ساتھی نے جو کچھ کہا ہے، کیا تمھیں اس کی خبر نہیں؟“

انھوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! کون سا ساتھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عبداللہ بن ابی۔“ انھوں نے پوچھا: اس نے کیا کہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«زَعَمَ أَنَّهُ إِنْ رَّجَعَ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ»

”اس کا خیال ہے کہ اگر وہ مدینہ واپس گیا تو سب سے زیادہ معزز آدمی سب سے زیادہ ذلیل آدمی کو وہاں

[1] السنن الكبرى للنسائي: 491/6.

سے نکال دے گا۔"

یہ سنتے ہی سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جلال میں آ گئے۔ کہنے لگے: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! صفحۂ ہستی پر سب سے زیادہ معزز شخصیت آپ ہیں، اگر آپ چاہیں تو اسے مدینہ سے نکال باہر کریں۔ واللہ! سب سے زیادہ ذلیل عبداللہ بن ابی ہے۔ عزت اللہ کے لیے، آپ کے لیے اور مومنین ہی کے لیے ہے۔ اس کے بعد انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! اس کے ساتھ ذرا نرمی برتیے۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے پاس عین اس وقت لایا جب اس کی قوم اس کی تاج پوشی کے موتی پرو رہی تھی۔ صرف ایک مونگا باقی رہ گیا تھا، وہ یوشع یہودی کے پاس تھا۔ اسے پتہ چلا کہ ہمیں اس کی ضرورت ہے تو اس نے اس کا نرخ بہت بڑھا دیا۔ اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ کا خصوصی لطف و کرم ہوا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آئے۔ اس پس منظر میں ابن ابی یہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس سے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔[1]

تھکا دینے والا سفر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ لشکر کو لے کر دن بھر مسلسل چلتے رہے حتی کہ شام ہوگئی۔ لیکن آپ کا سفر رات کو بھی جاری رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ جب اگلے دن کا بیشتر حصہ گزر گیا اور دھوپ نے ستایا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ اس وقت لوگ تھک کر چور ہو رہے تھے۔ ہر کسی کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔ جونہی مجاہدین نے اپنے بستر بچھائے، انھیں بڑی غفلت اور غلبے کی نیند آئی، سب کے سب اسی وقت سو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشائے مبارک یہی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل سفر اسی لیے کیا تھا تاکہ لوگوں کو عبداللہ بن ابی کی بات پر چہ میگوئیاں کرنے کا موقع نہ ملے۔[2]

ابن ابی کی دروغ گوئی پر قرآن کی گواہی

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکمت عملی اپنائی اور ادھر اللہ رب العزت نے وحی نازل فرما کر آپ پر ساری حقیقت منکشف فرما دی۔ اب پتا چل گیا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی دعا کو بھی شرفِ قبولیت سے نواز دیا۔ وہ بڑی شدت سے وحی کے منتظر تھے۔ اب ان کا صدمہ خوشی میں تبدیل ہوگیا۔ ان کی ساری پریشانی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقوں کو بے نقاب کرنے اور ان کا گھناؤنا کردار عیاں کرنے کے لیے ایک پوری سورت نازل فرما دی۔ اس کا نام "سورۃ المنافقون" ہے۔

وحی نازل ہونے کی تفصیل واقدی نے اس طرح بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریسیع سے روانگی والے دن سفر کر رہے تھے۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بار بار اپنی سواری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لے آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری بہت

---

[1] المغازي للواقدي:355,354/1، السيرة لابن هشام:304/3. [2] السيرة لابن هشام:304/3، المغازي للواقدي:357/1.

تیز چلا رہے تھے۔ اچانک آپ ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی۔ زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے دیکھا کہ وحی کی شدت نے آپ ﷺ کو آلیا۔ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہنے لگا۔ آپ کی سواری کی اگلی دونوں ٹانگیں اس قدر بھاری ہوگئیں کہ وہ اس سے اٹھائی نہیں جا رہی تھیں۔ مجھے پتا چل گیا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ مجھے امید تھی کہ آپ ﷺ پر میری خبر کی تصدیق نازل ہو جائے گی۔ کچھ ہی دیر بعد آپ ﷺ کی یہ کیفیت دور ہوگئی۔ آپ ﷺ نے میرا کان اس طرح پکڑا کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میں اس وقت اپنی سواری پر تھا۔ آپ ﷺ میرا کان آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے فرما رہے تھے:

«وَفَتْ أُذُنُكَ يَا غُلَامُ! وَصَدَّقَ اللّٰهُ حَدِيثَكَ»

''اے لڑکے! تیرے کان نے وفا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیری بات کی تصدیق فرما دی ہے۔''[1]

یہ رسول اللہ ﷺ کی شفقت اور محبت کا بڑا خوبصورت اور منفرد انداز تھا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ریشم سے زیادہ ملائم دست مبارک نے زید رضی اللہ عنہ کے کان کو چھوا ہوگا تو اس وقت انھیں کس قدر سرور حاصل ہوا ہوگا۔ پھر جب آپ ﷺ نے انھیں اپنی بہت پیاری شہد سے بھی زیادہ میٹھی زبان سے ان کی سچائی کی بشارت سنائی ہوگی تو اُس وقت ان کی خوشی کا کیا عالم ہوگا!

صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«هٰذَا الَّذِي أَوْفَى اللّٰهُ لَهُ بِأُذُنِهِ»

''یہی ہے جس کی کان سنی بات کو اللہ نے سچ قرار دیا ہے۔''[2]

[1] المغازي للواقدي: 355/1. [2] صحيح البخاري: 4906.



ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ان کے سامنے وہ آیات تلاوت فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں۔ یہ آیات درج ذیل ہیں:

﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ○ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ○ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ○ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ○ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ○ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ○﴾

"(اے نبی!) جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: ہم شہادت دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ یقیناً منافق جھوٹے ہیں۔ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے، پھر وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، بے شک بہت برا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا، تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، تو وہ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب آپ انھیں دیکھیں تو آپ کو ان کے جسم اچھے لگتے ہیں اور اگر وہ (کوئی بات) کہیں تو آپ ان کی بات پر کان لگائیں گویا وہ ٹیک لگی لکڑیاں ہوں۔ وہ ہر اونچی آواز کو سمجھتے ہیں کہ انھی پر (بلا آئی) ہے، وہی (اصل) دشمن ہیں، لہٰذا آپ ان سے بچیں، اللہ انھیں ہلاک کرے، وہ کہاں پھرے جاتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جائے: آؤ، رسول اللہ (ﷺ) تمھارے لیے استغفار کریں، تو وہ (نفی میں) سر ہلاتے ہیں اور آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔ ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا استغفار نہ کریں، اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا، بے شک اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس ہیں تاکہ وہ بھاگ جائیں، اور اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے، لیکن منافق سمجھتے

نہیں۔ وہ کہتے ہیں: البتہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو معزز ترین لوگ وہاں سے ذلیل ترین لوگوں کو نکال دیں گے، اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے، اور اس کے رسول کے لیے، اور مومنوں کے لیے، لیکن منافق (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔''[1]

یہ آیات تلاوت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ!»

''زید! اللہ نے تمھاری تصدیق فرما دی ہے۔''[2]

جامع ترمذی کی روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ مارے غم کے میرا سر جھکا ہوا تھا۔ اچانک آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے میرا کان مسلا اور مسکرا دیے۔ مجھے اس پر اس قدر خوشی ہوئی کی اتنی دنیا میں ہمیشہ رہنے پر بھی نہ ہوتی۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے۔ پوچھنے لگے: رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا کہا ہے؟ میں نے کہا کہ آپ ﷺ نے کہا تو کچھ نہیں، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ آپ نے میرا کان مسلا اور پھر میرے روبرو مسکرا دیے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے: بس اب تم خوش ہو جاؤ۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ میں نے ان سے بھی وہی کچھ کہا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ پھر صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سورۂ منافقون کی تلاوت فرمائی۔[3]


مسجد ابوبکر الصدیق، المرج (لیبیا)

عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات پوری ہوگئی

سورۂ منافقون نازل ہونے کے باعث وہ بات بھی پوری ہوگئی جو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سے کہی تھی۔ انھوں نے اس سے کہا تھا کہ تو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس چلا جا، تاکہ وہ تیرے لیے استغفار کریں۔ اس نے ان کی بات نہیں مانی، روگردانی کی اور اپنا سر پھیر لیا۔ عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے

[1] المنٰفقون 63:1-8. [2] صحیح البخاري: 4900، 4901. [3] جامع الترمذي: 3313.

کہا: اللہ کی قسم! تیرے سر پھیرنے کے بارے میں ضرور قرآن نازل ہوگا جس کی نماز میں تلاوت کی جائے گی۔ [1]
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس حرکت کو بھی قرآن میں محفوظ فرما دیا۔

ابن ابی لعنت و ملامت کی زد میں

اب ابن ابی بے نقاب ہوگیا۔ اُس کے چہرے پر پڑے ہوئے عیاری اور مکاری کے سارے پردے اُٹھ گئے اور اس کی اصل حقیقت نمایاں ہو کر سب کے سامنے آ گئی۔ اس کی جھوٹی قسموں کا پول کھل گیا تھا۔ وہ جس قدر لوگوں کو اپنے سچا ہونے کی یقین دہانیاں کرا رہا تھا، اتنا ہی جھوٹا ثابت ہوا۔ اس کا مذموم کردار اور خطرناک عزائم عیاں ہوگئے۔ لوگوں کو اس سے نفرت ہوگئی۔ اس کی قوم کے لوگ بھی اسے ملامت کرنے لگے۔ چنانچہ سورۂ منافقون نازل ہونے کے بعد سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ابن ابی کے پاس سے گزرے تو انھوں نے اسے سلام تک نہیں کیا۔ پھر اوس بن خولی رضی اللہ عنہ گزرے تو انھوں نے بھی رخ پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر ابن ابی سے رہا نہ گیا۔ کہنے لگا کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر تم دونوں نے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ اس کی بات انھوں نے سن لی۔ وہ دونوں صحابی اس کے پاس آئے اور اس کے کرتوت پر اسے خوب جھڑکا اور ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اوس بن خولی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اب میں تیرے بارے میں کبھی خلافِ حقیقت بات نہیں کروں گا جب تک کہ میں یہ نہ جان لوں کہ تو اپنی حرکتوں سے باز آ گیا ہے اور تو نے اللہ سے توبہ کر لی ہے۔ ہم لوگ تیری خاطر زید بن ارقم کو کوستے رہے کہ تم نے اپنی قوم کے ایک آدمی کے بارے میں غلط بیانی کی ہے، یہاں تک کہ زید کی تصدیق ہوگئی اور تیرے جھوٹ پر آیات قرآنی کی مہر لگ گئی۔

ان کی سرزنش اور ملامت سن کر ابن ابی بہت شرمندہ ہوا۔ اس کے پاس اب اپنے جرم کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس کے لیے حیلے بہانے کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس نے ان سے معافی مانگتے ہوئے کہا: میں آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ [2]

مومن بیٹا، منافق باپ کے قتل پر تُل گیا

عبداللہ بن ابی خود تو منافقوں کا سردار تھا لیکن اس کا بیٹا سچا اور مخلص مومن اور جاہلانہ تعصب سے محفوظ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ ملانے اور ورغلانے کی بہت کوشش کی لیکن بیٹا اس کے جھانسے میں نہیں آیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے باپ عبداللہ کا انتہائی خدمت گزار بھی تھا لیکن دونوں کے فکر و عمل کی راہیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ باپ کے دل میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں بغض و عناد بھرا ہوا تھا تو بیٹا اللہ اور

[1] المغازي للواقدي :356/1. [2] المغازي للواقدي :356/1.

اس کے رسول ﷺ کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ابن ابی کے اس عظیم بیٹے کا نام حُباب تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ یہ بدر واحد کے علاوہ کئی غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔[1] اس غزوے میں بھی وہ موجود تھے۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ کی شر انگیز باتوں کا علم ہوگیا تھا۔ انھیں یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے میرے باپ کو قتل کرنے کی بات چیت کی ہے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر یہی بات ہے تو کیوں نہ میں خود اپنے منافق باپ کو قتل کر ڈالوں۔ وہ دین کے معاملے میں باپ کی محبت کو ہیچ اور نا قابلِ توجہ سمجھتے تھے۔ ویسے بھی وہ اپنے باپ کی اسلام دشمنی کی وجہ سے اس سے براءت اختیار کر چکے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے باپ عبداللہ بن ابی کو اس کی مکروہ باتوں کی وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ ایسا ہی کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجیے، اللہ کی قسم! میں آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اس کا سر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ اللہ کی قسم! خزرج کے لوگ جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے والد سے مجھ سے بڑھ کر حسنِ سلوک کرنے والا نہیں۔ ایک عرصے سے وہ میرے ہی ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے اپنے باپ کی ہیبت کی وجہ سے کبھی اس کے چہرے کو غور سے نہیں دیکھا۔[2] اللہ کے رسول! مجھے ڈر ہے مبادا آپ میرے سوا کسی اور شخص کو حکم دیں اور وہ میرے باپ کو قتل کر ڈالے تو مجھ سے جیتے جی اپنے باپ کا قاتل جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا نہ دیکھا جائے گا اور میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس طرح میں ایک کافر کے بدلے ایک مومن کو قتل کر کے جہنم میں چلا جاؤں گا۔ ہاں، آپ کا معاف فرما دینا سب سے افضل ہے اور آپ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے نہایت اطمینان سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بات سنی، پھر انھیں ایسا جواب دیا جو ان کے حاشیۂ خیال سے بھی ماورا تھا۔ آپ نے فرمایا:

«يَا عَبْدَاللّٰهِ! مَا أَرَدْتُ قَتْلَهُ وَمَا أَمَرْتُ بِهِ وَلَنُحْسِنَنَّ صُحْبَتَهُ مَاكَانَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا»

''عبداللہ! میں نے نہ تو اس کے قتل کا ارادہ کیا ہے اور نہ اس کا حکم دیا ہے۔ جب تک وہ ہمارے درمیان رہے گا، ہم اُس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہیں گے۔''

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مخالفین کے ساتھ کس قدر نرمی اور نوازش سے پیش آتے

[1] الإصابة :133/4. [2] مسند الحميدي :520/2.

تھے اور کس حد تک عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ ابن ابی کو معاف کر دینے میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی دلجوئی بھی مقصود تھی۔ وہ اس بات کا خوب مشاہدہ کر رہے تھے کہ میرا باپ کس قدر گھٹیا حرکتیں اور کتنی مکروہ سازشیں کر رہا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ پھر بھی اسے کچھ نہیں کہہ رہے۔ انھوں نے اس موقع پر اپنے باپ کے بگڑنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا: اللہ کے رسول! مدینہ والے اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ میرے والد کو اپنا بادشاہ بنا لیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے آپ کو مدینہ بھیج دیا۔ پھر اللہ نے اُسے پستی میں ڈال دیا اور ہمیں آپ کے ذریعے سے رفعت و عزت عطا فرمائی۔ میرے باپ کے ساتھ کچھ لوگ ہیں، انھوں نے اسے گھیر رکھا ہے۔ وہ کچھ ایسے امور کا تذکرہ کرتے ہیں جن پر اللہ غالب آچکا ہے۔ اس کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ عالیہ سے واپس آئے تو انھوں نے اس سلسلے میں کچھ اشعار کہے۔[1]

بیٹے نے باپ کا رستہ روک لیا



وادی عقیق (مدینہ منورہ)

عبداللہ بن ابی کو معافی ملنے کے باوجود ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس پر شدید غصہ تھا۔ ان کی دینی حمیت نے انھیں بے چین کر رکھا تھا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ ان کے باپ کو یہ گستاخانہ کلمات کہنے کی جرأت کیسے ہوئی کہ معزز ترین شخص ذلیل ترین آدمی کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔ اپنے باپ کے یہ الفاظ ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھے۔ ان کی ایمانی غیرت کا اظہار اس وقت ہوا جب اسلامی لشکر مدینہ کے قریب وادی عقیق میں پہنچا، وہ آگے بڑھے اور وہاں سے گزرنے والے اونٹوں کو غور سے دیکھنے لگے۔ تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اپنے باپ کو تلاش کر رہے تھے اور اسے اس کی گستاخی کا مزہ چکھانا چاہتے تھے۔ جب ان کا باپ گزرا تو انھوں نے فوراً اس کا رستہ روک لیا، پھر اس کے اونٹ کو بٹھا کر اس کی اگلی ٹانگ پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔

عبداللہ بن ابی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میرا بیٹا میرے ساتھ یہ سلوک کرے گا۔ وہ اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس قدر گر چکا تھا کہ اب اپنے بیٹے کی نظر میں بھی اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

[1] المغازي للواقدي :1/357,356، السيرة لابن هشام :305/3.

اس نے جھلا کر کہا: ارے بیوقوف! تو کیا چاہتا ہے؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے یہ ایمان افروز جواب دیا:

وَاللّٰهِ! لَا تَدْخُلُ حَتّٰى يَأْذَنَ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، لِتَعْلَمَ أَيُّهُمَا الْأَعَزُّ مِنَ الْأَذَلِّ: أَنْتَ أَمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ!

''اللہ کی قسم! تم اس وقت تک (مدینہ میں) داخل نہیں ہو سکتے جب تک رسول اللہ ﷺ تمھیں اجازت نہ دے دیں۔ یہ بندش اس لیے ہے تاکہ تمھیں پتا لگ جائے کہ دونوں میں معزز ترین کون ہے! تم یا رسول اللہ ﷺ!''[1]

جامع ترمذی کی روایت میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

وَاللّٰهِ! لَا تَنْقَلِبُ حَتّٰى تُقِرَّ أَنَّكَ الذَّلِيلُ وَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْعَزِيزُ.

''واللہ! تم اس وقت تک نہیں جا سکتے جب تک یہ اقرار و اعتراف نہ کرلو کہ تم ہی ذلیل ہو اور رسول اللہ ﷺ عزت والے ہیں۔''[2]

اس موقع پر صورت حال یہ ہوگئی کہ اب جو مسلمان بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرتا، وہ ان کی حمایت کرتا۔ اور جونہی کوئی منافق گزرتا تو وہ انھیں طعنے دیتا کہ تم اپنے باپ کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہو۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا ماجرا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد عبداللہ بن ابی کو مدینہ میں داخلے کی اجازت نہیں دے رہے۔ وہ اپنے باپ سے کہہ رہے ہیں کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیں گے، میں تمھیں مدینہ میں قدم نہیں رکھنے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ موقع پر تشریف لائے تو صورت حال یہی تھی کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے اونٹ کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھا ہوا تھا۔ اور ابن ابی کہہ رہا تھا کہ میں تو بچوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔ میں عورتوں سے بھی زیادہ گیا گزرا ہوں۔ آپ ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«خَلِّ عَنْ أَبِيكَ»

''اپنے باپ کو چھوڑ دو۔'' رسول اللہ ﷺ کا حکم سُن کر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو چھوڑ دیا۔[3]

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا!

رسول اللہ ﷺ نے خاص حکمت اور مصلحت کے تحت عبداللہ بن ابی کے قتل کی اجازت نہیں دی تھی، آپ کے صبر و تحمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب اس کی قوم کے لوگوں کے سامنے اس کی حقیقت کھل گئی تو وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔ ان

[1] تفسير الطبري، المنٰفقون 63:8، سبل الهدٰى والرشاد: 352/4. [2] جامع الترمذي: 3315. [3] سبل الهدٰى والرشاد: 352/4.

کے دلوں سے اس کا اعتبار جاتا رہا۔ حالت یہ ہوگئی کہ اگر وہ کوئی غلط حرکت کرتا تو وہ لوگ اسے خوب لتاڑتے تھے اور اس کی گرفت کرتے تھے۔ اس طرح وہ اپنی قوم کے زیرِ عتاب آ گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سبق آموزی کے لیے اُنھیں اپنے حکیمانہ موقف کے نتائج سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«كَيْفَ تَرٰى يَا عُمَرُ! أَمَا وَاللّٰهِ! لَوْ قَتَلْتُهُ يَوْمَ قُلْتَ لِي: اُقْتُلْهُ، لَأُرْعِدَتْ لَهُ آنُفٌ، لَوْ أَمَرْتُهَا الْيَوْمَ بِقَتْلِهِ لَقَتَلَتْهُ»

''عمر! اب بتاؤ، اللہ کی قسم! اگر میں اسے اس دن قتل کرا دیتا جب تم نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے قتل کرا دیجیے تو اس پر وہ لوگ ناک بھوں ضرور چڑھاتے جنھیں میں آج اس کے قتل کا حکم دوں تو وہ اسے (آنِ واحد میں) ہلاک کر ڈالیں گے۔''

یہ سنتے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات میری بات سے کہیں زیادہ بابرکت ہے۔[1]

تیز آندھی

مسلسل پُرمشقت سفر کرنے کے بعد جب لوگوں نے خوب آرام کرلیا اور تازہ دم ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے پچھلے پہر لوگوں کو تیار کر کے دوبارہ سفر کا آغاز کر دیا۔ آپ نے حجاز کا رستہ اختیار کیا۔ حجاز میں بقعاء نامی چشمے پر پہنچ کر آپ نے پڑاؤ ڈال دیا۔ بقعاء، نقیع کے بالائی جانب ہے جو حجاز کی وادیوں میں سے ایک بڑی وادی ہے۔ وادی نقیع

[1] السيرة لابن هشام :305/3.


وادی نقیع نزد مدینہ منورہ

مدینہ کے جنوب میں 40 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہی وادی کچھ فاصلے پر آگے جا کر وادی عقیق (عقیق المدینہ) کہلاتی ہے۔[1] لوگوں نے یہاں اپنے جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اچانک زوردار آندھی چلی۔ یہ اس قدر تیز تھی جیسے کسی سوار آدمی کو بھی زمین میں دفن کر ڈالے گی۔[2]

لوگوں کو گرد و غبار کے اس طوفان کی وجہ سے بڑی تکلیف اٹھانی پڑی، وہ بُری طرح ڈر گئے۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ شاید مبادا عیینہ بن حصن نے مدینہ پر حملہ کردیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ آندھی یونہی نہیں چلی۔ ضرور کوئی حادثہ رونما ہوا ہے۔ مدینہ میں تو ہماری عورتیں اور بچے موجود ہیں۔

دراصل نبی اکرم ﷺ اور بنو غطفان کے درمیان صلح کا ایک معاہدہ طے پایا تھا۔ اب اس کی مدت ختم ہونے والی تھی، اس لیے مسلمان خوفزدہ ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان کے خوف و ہراس کا پتا چلا تو آپ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا:

«بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ»

''یہ آندھی ایک منافق کے مرنے کی وجہ سے چلائی گئی ہے۔''[3]

ابن اسحاق کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«لَا تَخَافُوهَا، فَإِنَّمَا هَبَّتْ لِمَوْتِ عَظِيمٍ مِّنْ عُظَمَاءِ الْكُفَّارِ»

''تم اس (آندھی) سے مت ڈرو۔ یہ تو کفار کے سرغنوں میں سے ایک سرغنے کی موت کی وجہ سے چلی ہے۔''[4]

واقدی کی روایت میں یہ الفاظ کچھ اضافے کے ساتھ اس طرح بیان ہوئے ہیں:

«لَيْسَ عَلَيْكُمْ بَأْسٌ مِّنْهَا، مَا بِالْمَدِينَةِ مِنْ نَّقْبٍ إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ يَّحْرُسُهُ، وَمَا كَانَ لِيَدْخُلَهَا عَدُوٌّ حَتّٰى تَأْتُوهَا، وَلٰكِنَّهُ مَاتَ الْيَوْمَ مُنَافِقٌ عَظِيمُ النِّفَاقِ بِالْمَدِينَةِ، فَلِذٰلِكَ عَصَفَتِ الرِّيحُ»

''تمھیں اس (آندھی) سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ مدینہ کی کوئی گھاٹی ایسی نہیں جہاں پہرہ دینے کے لیے ایک فرشتہ مقرر نہ ہو۔ دشمن اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک تم وہاں نہ پہنچ جاؤ۔ بات یہ ہے کہ آج مدینہ میں ایک بہت بڑا منافق مرگیا ہے۔ اسی لیے یہ آندھی آئی ہے۔''

اس منافق کا نام واقدی نے زید بن رفاعہ بن تابوت بیان کیا ہے۔[5] جبکہ ابن اسحاق نے رفاعہ بن زید بن تابوت

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 320. [2] صحيح مسلم: 2782. [3] صحيح مسلم: 2782. [4] السيرة لابن هشام: 304/3. [5] المغازي للواقدي: 358/1.

بتایا ہے۔ اس کا تعلق یہودی قبیلے بنو قینقاع سے تھا۔ اس کا شمار یہود کے سرغنوں میں ہوتا تھا۔ یہ منافقین کے لیے پناہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اسی کے ہاں پناہ لیا کرتے تھے۔[1]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس روز اتنی زبردست آندھی چلی کہ پہلے ایسی آندھی کبھی نہیں دیکھی گئی۔ یہ آندھی اسی طرح چلتی رہی یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا، پھر کہیں یہ دن کے آخری حصے میں جا کر رکی۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ لوٹا تو میں نے اپنے گھر جانے سے پہلے لوگوں سے پوچھا کہ کون مر گیا تھا؟ انھوں نے بتایا کہ زید بن رفاعہ بن تابوت مرا تھا۔ اہل مدینہ نے بتایا کہ مدینہ میں بھی ایسی ہی تیز آندھی چلی تھی۔ جب اللہ کے دشمن کو دفن کر دیا گیا تو آندھی رک گئی۔ تیز آندھی کی وجہ سے مسلمانوں کے جانور اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ جب دن کے آخر میں آندھی تھمی تب انھوں نے اپنے جانوروں کو اکٹھا کیا۔[2]

ابن ابی کو سخت صدمہ

زید بن رفاعہ کی موت سے منافقین کو بے حد صدمہ ہوا۔ وہ اپنے ایک اہم ساتھی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی موت سے آگاہ کیا تو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اس روز عبداللہ بن ابی سے کہا: تیرا جگری دوست مر گیا ہے۔ اس نے فوراً پوچھا: کون سا جگری دوست؟ عبادہ رضی اللہ عنہ بولے: جس کی موت اسلام اور مسلمانوں کی فتح ہے۔ اس نے کہا: کون؟ انھوں نے بتایا: زید بن رفاعہ بن تابوت۔ یہ خبر اس پر بجلی بن کر گری۔ وہ بولا: ہائے! یہ کیسی مصیبت ٹوٹ پڑی! اللہ کی قسم! وہ کیا خوب آدمی تھا۔ پھر ابن ابی اس کا تذکرہ کرنے اور اس کی تعریفوں کے پُل باندھنے لگا۔ عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اللہ کی قسم! تو کٹی ہوئی دم کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ ابنِ ابی کو اس کی موت کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے عبادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ابو الولید! تمھیں اس کی موت کی خبر کس نے دی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ابھی ابھی بتایا ہے کہ اسی گھڑی اس کی موت واقع ہوئی ہے۔ ابن ابی یہ سن کر لرز اٹھا۔ وہ جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات بالکل سچی ہوتی ہے۔ اسے بہت پشیمانی ہوئی۔ وہ وہاں سے بہت غمزدہ حالت میں واپس آیا۔[3]

قصواء کی گمشدگی پر ایک منافق کی طنزیہ باتیں

آندھی کے تھمتے ہی جب مسلمانوں نے اپنے جانور اکٹھے کیے تو اس دوران میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصواء اونٹوں میں موجود نہیں تھی۔ وہ کہیں گم ہوگئی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فکر مند ہو گئے۔ وہ اس

[1] السيرة لابن هشام: 304/3. [2] المغازي للواقدي: 359,358/1. [3] المغازي للواقدي: 359/1، إمتاع الأسماع: 211/1.

کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ زید بن لُصیت منافق انصار کے کچھ لوگوں کی مجلس میں موجود تھا۔ ان میں سیدنا عباد بن بشر بن وقش، سلمہ بن سلامہ بن وقش اور اُسید بن حضیر جیسے جلیل القدر حضرات بھی تھے۔ زید بن لُصیت یہودی قبیلے بنو قینقاع سے تھا۔ اس کا شمار اُن یہودی علماء میں ہوتا تھا جو بظاہر تو مسلمان ہو چکے تھے لیکن اندر سے یہودی ہی تھے۔ اس نے جب مسلمانوں کو اس طرح آتے جاتے دیکھا تو پوچھنے لگا: یہ لوگ اِدھر اُدھر کہاں جا رہے ہیں؟ مجلس میں موجود لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی ہے، یہ اسے تلاش کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی اسے باتیں بنانے کا موقع مل گیا۔ وہ تو پہلے ہی اس تاک میں رہا کرتا تھا کہ زہر اگلنے کا کوئی بہانہ ہاتھ آئے، اس لیے وہ زبان درازی کرتے ہوئے بولا: محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ انھیں اتنی سی بات بھی معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے! اس نے بک بک کرتے ہوئے یہ بھی کہا: آخر اللہ تعالیٰ انھیں اُس جگہ سے آگاہ کیوں نہیں کر دیتا جہاں ان کی اونٹنی موجود ہے؟

وہاں موجود مخلص مسلمانوں کو زید بن لصیت کی یہ باتیں سن کر بہت غصہ آیا۔ وہ اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے بولے: اللہ کے دشمن! اللہ تجھے غارت کرے! تو منافق ہوگیا ہے۔ پھر سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اس کی طرف بڑھے اور بولے: اللہ کی قسم! اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ نہ معلوم رسول اللہ ﷺ میرے اس اقدام کی تائید فرمائیں گے یا نہیں تو میں تیرے خصیے نیزے سے چیر کر رکھ دیتا۔ اللہ کے دشمن! جب تیرے دل میں ایسی پاپی باتیں تھیں تو تجھے ہمارے ساتھ نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس پر وہ منافق بڑ بڑاتے ہوئے بولا: میں تو دنیاوی مال و متاع حاصل کرنے نکلا ہوں۔ میری زندگی کی قسم! محمد (ﷺ) تو ہمیں اونٹنی کے حال سے بھی زیادہ بڑی بڑی باتیں بتاتے ہیں۔ وہ تو ہمیں آسمانی خبروں سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس نے طنزاً کہا کہ جب آپ آسمان سے اُترنے والی غیب کی اتنی بڑی بڑی خبروں سے مطلع کر دیتے ہیں تو اتنی معمولی سی بات نہیں بتا سکتے کہ اُن کی اونٹنی کہاں ہے۔ اس کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ سب لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور بولے: اللہ کی قسم! اب تیرا کوئی بہانہ نہیں چلے گا اور ہم اور تو کبھی ایک سائے تلے اکٹھے نہیں ہوں گے۔ اگر ہمیں تیرے دل کی باتوں کا پہلے پتا چل جاتا تو تجھے ایک گھڑی کے لیے بھی ہمارے ساتھ رہنا نصیب نہ ہوتا۔ اس منافق نے جب یہ صورت حال دیکھی تو بھاگ کھڑا ہوا، مبادا یہ لوگ مجھ پر حملہ کر دیں۔ انھوں نے اس کا سارا سامان پھینک دیا۔ اس نے ان سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں پہنچ کر پناہ لی اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعے خبر ہوگئی

رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعے سے زید بن لُصیت کی منافقانہ باتوں کی خبر ہوگئی۔ اب وہ آپ ہی کی مجلس میں

موجود تھا اور آپ کی گفتگو سن رہا تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے اس واقعے سے پردہ اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ رَجُلًا مِّنَ الْمُنَافِقِينَ شَمِتَ أَنْ ضَلَّتْ نَاقَةُ رَسُولِ اللّٰهِ، وَقَالَ: أَلَا يُخْبِرُهُ اللّٰهُ بِمَكَانِهَا؟ فَلَعَمْرِي! إِنَّ مُحَمَّدًا لَيُخْبِرُنَا بِأَعْظَمَ مِنْ شَأْنِ النَّاقَةِ، وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ، وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَخْبَرَنِي بِمَكَانِهَا، وَإِنَّهَا فِي هٰذَا الشِّعْبِ مُقَابِلَكُمْ قَدْ تَعَلَّقَ زِمَامُهَا بِشَجَرَةٍ فَاعْمِدُوا عَمْدَهَا»

''منافقین کے ایک آدمی نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کی اونٹنی گم ہوگئی ہے۔ اس نے کہا ہے: ''اللہ تعالیٰ انھیں اس کی جگہ سے آگاہ کیوں نہیں کر دیتا۔ میری زندگی کی قسم! محمد (ﷺ) تو ہمیں اونٹنی کے حال سے کہیں زیادہ بڑی بڑی خبریں بتاتے ہیں۔'' غیب کا علم تو اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی جگہ کے بارے میں خبر دے دی ہے۔ وہ تمھارے سامنے والی اُس گھاٹی میں موجود ہے۔ اس کی نکیل ایک درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔ تم اس کی طرف جاؤ۔''

لوگوں نے جا کر دیکھا تو وہ اونٹنی اسی جگہ ٹھیک اسی حالت میں موجود تھی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھی، چنانچہ وہ اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ زید بن لُصیت منافق نے جب اونٹنی کو دیکھا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ وہ دوڑتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس گیا۔ اس نے دیکھا کہ کسی نے اس کا سامان پھینک دیا ہے اور وہ لوگ وہیں بیٹھے ہیں۔ کوئی بھی مجلس سے نہیں اٹھا۔ جب وہ ان کے قریب پہنچا تو انھوں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا: ہمارے قریب نہ پھٹکنا۔ انھیں پہلے ہی اس پر بہت غصہ تھا۔ وہ بولا: میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ قریب آ گیا۔ اس نے ان سے پوچھا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، سچ سچ بتاؤ کہ جو کچھ میں نے کہا تھا، کیا تم میں سے کسی نے وہ باتیں محمد (ﷺ) کو جا کر تو نہیں بتائیں؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا بالکل نہیں ہوا۔ ہم اپنی اس مجلس سے اٹھے بھی نہیں۔ وہ بولا: جو کچھ میں نے کہا تھا، میں نے لوگوں میں اس کا چرچا پایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ساتھ ہی اس نے انھیں وہ ساری بات سنا دی جو رسول اللہ ﷺ نے کہی تھی۔ اس نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی مل گئی ہے۔ میں پہلے محمد (ﷺ) کی نبوت و رسالت کے بارے میں شک میں مبتلا تھا۔ لیکن اب میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ جیسے میں نے آج ہی اسلام قبول کیا ہے۔ انھوں نے اس کی یہ باتیں سن کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ تاکہ وہ تمھارے لیے استغفار کریں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گیا۔ اس نے آپ ﷺ کے سامنے

اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے اللہ سے بخشش طلب فرمائی۔ واقدی کا کہنا ہے کہ اس شخص کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ گھٹیے کا گھٹیا (بدستور منافق) ہی رہا یہاں تک کہ اس حالت میں مرگیا۔ اس نے غزوۂ تبوک میں بھی ایسا ہی مذموم کردار دہرایا تھا۔[1] ابن اسحاق نے کہا ہے کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ زید نے توبہ کرلی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہیں کی تھی۔[2]

وادی نقیع کو چراگاہ بنا دیا گیا

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کو لے کر دوبارہ سفر شروع کیا۔ آپ ﷺ کا گزر وادی نقیع سے ہوا۔ آپ نے یہاں خوشحالی، ہری بھری گھاس اور ایک دوسرے سے مُتصل برساتی پانی کے بہت سی چھپڑیاں دیکھیں۔ آپ ﷺ کو یہاں کی خوشگوار اور صاف شفاف آب و ہوا کے متعلق بتایا گیا تو آپ نے سوچا کہ کیوں نہ اس عمدہ جگہ کو غازیانِ اسلام کے گھوڑوں اور اونٹوں کی چراگاہ بنا دیا جائے۔ آپ ﷺ نے پانی کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ اللہ کے رسول! اگر ہم پانی نتھاریں تو وہ گھٹ جائے گا اور چھپڑیاں ختم ہوجائیں گیں۔ آپ ﷺ نے اس کا بہترین حل یہ تجویز فرمایا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ مقصد مبارک یہ تھا کہ اس طرح پانی ایک جگہ اکٹھا ہو جائے گا اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکے گا۔ علاوہ ازیں آپ نے یہ فرمان بھی جاری کر دیا کہ وادی نقیع کو بطور چراگاہ مخصوص کر دیا جائے۔ اس کی نگرانی کے لیے آپ کی نظرِ انتخاب سیدنا بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ پر پڑی، چنانچہ آپ نے انھیں اس علاقے کا نگران مقرر فرما دیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آپ سے کچھ ہدایات لیں تاکہ ان کی روشنی میں اپنی ذمہ داری نبھائیں۔ انھوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میں اس کی کتنی جگہ مخصوص کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَقِمْ رَجُلًا صَيِّتًا إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ عَلٰى هٰذَا الْجَبَلِ يَعْنِي مُقَمَّلًا ـ فَحَيْثُ انْتَهٰى صَوْتُهُ فَاحْمِهِ لِخَيْلِ الْمُسْلِمِينَ وَإِبِلِهِمُ الَّتِي يَغْزُونَ عَلَيْهَا»

''طلوعِ فجر کے وقت ایک بلند آواز والے آدمی کو اس مقمل پہاڑ پر کھڑا کرو، پھر جہاں تک اس کی آواز جائے، اتنی جگہ مسلمانوں کے ان گھوڑوں اور اونٹوں کے چرنے کے لیے مخصوص کردو جن پر سوار ہو کر وہ جہاد کرتے ہیں۔''

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے پوچھا: عام مسلمانوں کے چرنے والے جانوروں کے بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟

---

[1] المغازي للواقدي: 360,359/1، مزید دیکھیے: السيرة لابن هشام: 527/2. [2] الإصابة: 511/2.

آپ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُهَا»

''وہ اس چراگاہ میں داخل نہیں ہوں گے۔''

انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر کسی کمزور مرد اور عورت کے تھوڑے سے مویشی ہوں اور وہ انھیں چرانے کے لیے دوسری جگہ جانے کی سکت نہ رکھتے ہوں تو ان کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ کمزور اور ناتواں لوگوں سے خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعْهُ يَرْعَى»

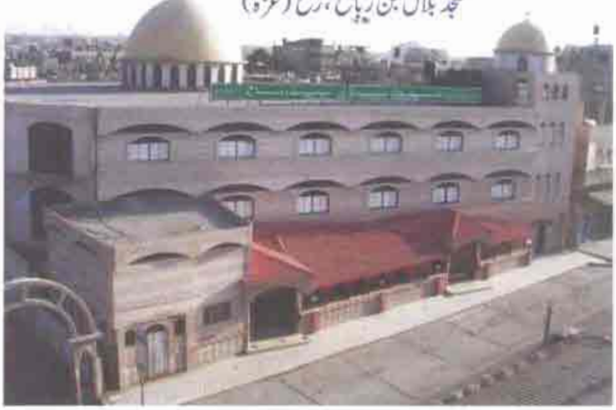
''اسے (اپنے مویشی) چرا لینے دو۔''

اس طرح وادی نقیع میں اسلامی لشکر کے گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے چراگاہ مقرر کر دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے اس دار فانی سے کوچ کر جانے کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو انھوں نے بھی اس چراگاہ کو اسی شکل میں برقرار رکھا۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہاں گھوڑوں کی تعداد بڑھ گئی۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے بھی اس چراگاہ کو اسی طرح برقرار رکھا۔ [1]

اونٹوں اور گھوڑوں کی ریس

رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام کو چاق چوبند اور تازہ دم رکھنے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے مابین وقتاً فوقتاً کھیل کود کے ایسے مقابلے کراتے رہتے تھے جن میں شجاعت و جوانمردی، ایمانی اور جہادی تربیت کا پہلو غالب ہوتا تھا۔ اس قسم کے کھیلوں سے ان کے عزم، حوصلے، ولولے اور بہادری میں بڑا اضافہ ہوتا تھا۔ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے موقع پر جب آپ وادی نقیع پہنچے تو اسی روز آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے مابین اونٹوں اور گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرایا۔ اونٹوں کی ریس میں آپ کی اونٹنی قصواء نے بھی حصہ لیا تھا۔ اس پر سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ بلاشبہ یہ ان کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ ریس

مسجد بلال بن رباح، رنج (غزہ)



[1] المغازي للواقدي: 361/1.

شروع ہوئی تو قصواء اتنی تیزی سے دوڑی کہ سب اونٹوں پر بازی لے گئی۔
اسی طرح گھوڑوں کی ریس میں رسول اللہ ﷺ کا ظَرِب نامی گھوڑا جیت گیا۔ اس پر سواری کی سعادت سیدنا ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔ آپ ﷺ کے پاس اس وقت دو ہی گھوڑے تھے: ایک کا نام لِزاز اور دوسرے کا نام ظَرِب تھا۔ [1]

عزل کی اجازت

غزوۂ بنو مصطلق میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان میں بہت سی عورتیں بھی تھیں۔ وہ سب کی سب لونڈی کی حیثیت سے مجاہدین کے حصے میں آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب عورتوں کی خواہش ہوئی تو انھوں نے اپنی ان لونڈیوں سے عزل کرنا چاہا۔ اس سلسلے میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ بنو مصطلق میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے تو ہمیں عرب کے قیدی ملے جن میں ان کی عورتیں بھی تھیں۔ ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی اور ہمارے لیے ان کے بغیر رہنا مشکل ہوگیا۔ ہم عزل کرنا چاہتے تھے لیکن ہم نے سوچا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں۔ ہم ان سے پوچھے بغیر کیسے عزل کرلیں؟ ہم نے اس بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے رسول! ہمیں لونڈیاں ملتی ہیں، ہم ان کے عوض قیمت وصول کرنا بھی پسند کرتے ہیں، ایسی صورت میں عزل کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ یہ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے ہماری اولاد ہوگئی تو اس صورت میں ہم انھیں فروخت نہیں کرسکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَّا تَفْعَلُوا، مَا مِنْ نَّسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ»

''تم ایسا نہ کرو تو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ قیامت کے دن تک جو جان پیدا ہونے والی ہے، وہ ضرور پیدا ہو کر رہے گی۔''

ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«أَوَ إِنَّكُمْ تَفْعَلُونَ ذٰلِكَ؟ لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَّا تَفْعَلُوا ذٰلِكُمْ، فَإِنَّهَا لَيْسَتْ نَسَمَةٌ كَتَبَ اللّٰهُ أَنْ تَخْرُجَ إِلَّا هِيَ خَارِجَةٌ»

''کیا تم ایسا کرتے ہو؟ اگر تم ایسا نہ کرو تو تب بھی کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ جس روح کا آنا اللہ نے لکھ

[1] المغازي للواقدي: 361/1، سبل الهدٰى والرشاد: 353/4.

دیا ہے، وہ (اپنے وقت پر) آ کر ہی رہے گی۔‘‘ [1]

جسے اللہ چاہے گا پیدا ہو کر رہے گا

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عزل کرنے سے منع تو نہیں فرمایا لیکن اسے پسند بھی نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے یہ نکتہ پوری طرح واضح فرما دیا کہ عزل کرو یا نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے جس جان کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرما دیا ہے، وہ دنیا میں آ کر رہے گی۔ تمھاری ان تدبیروں سے تقدیر پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ تقدیر کے سامنے ساری احتیاطی تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں۔ اس حوالے سے صحیح مسلم میں ایک دلچسپ واقعہ بھی موجود ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میری ایک لونڈی ہے۔ وہ ہماری خادمہ ہے، ہمارا پانی بھی بھر کر لاتی ہے۔ میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں اور یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ اسے حمل ٹھہرے۔ اس کی یہ بات سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اِعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ، فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا»

’’اگر تم چاہو تو اس سے عزل کر لو۔ (لیکن) جو اس کے مقدر میں لکھا ہے، وہ تو آ کر رہے گا۔‘‘

دوسری روایت میں ہے:

«إِنَّ ذٰلِكَ لَمْ يَمْنَعْ شَيْئًا أَرَادَهُ اللّٰهُ»

’’بے شک یہ (عزل) اس چیز کو ہرگز نہیں روک سکتا جس کا اللہ نے ارادہ فرما لیا ہے۔‘‘

کچھ عرصہ بعد وہ دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا کہ جس لونڈی کا میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا، اسے حمل ٹھہر گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا»

’’میں نے تو تمھیں بتا دیا تھا کہ جو اس کے مقدر میں ہے، وہ آ کر رہے گا۔‘‘

دوسری روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں:

«أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُولُهُ»

’’میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔‘‘ [2]

[1] صحيح البخاري: 4138 و 2229. [2] صحيح مسلم: 1439 (134, 135).

اسلام میں خاندانی منصوبہ بندی کی گنجائش نہیں

یاد رہے کہ عزل کی اجازت کسی معقول ضرورت کے پیش نظر محدود پیمانے پر دی گئی ہے۔ اس اجازت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے مستقل اصول بنا کر رواج دیا جائے اور اسی طریقے پر عمل کر کے اسے نسل کشی کا ذریعہ بنالیا جائے۔ بھلا اسلام ایسی بات کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے! موجودہ دور میں عزل کے مذکورہ بالا جواز کی آڑ میں خاندانی منصوبہ بندی کا جو پروگرام اور پروپیگنڈا زور وشور سے جاری ہے، یہ نہ صرف کتاب وسنت کے خلاف ہے بلکہ یہ کفار کی ایک بھیانک سازش ہے۔ انھوں نے طرح طرح کے حربوں کے ذریعے سے اسے مسلمانوں میں عام کر دیا ہے۔ دراصل وہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی گھٹانا چاہتے ہیں۔ اکثر نام نہاد مسلمان آج ان کے اسی سازشی جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے تو اپنی امت کو یہ ترغیب دی ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ»

”ایسی عورتوں سے شادی کرو جو بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہوں، اس لیے کہ بے شک میں تمھاری کثرت سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔“[1]

[1] سنن أبي داود :2052.

سانحۂ افک

منافقین کی سازشوں کا سلسلہ رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ ہر آن ہر گھڑی فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے میں لگے رہتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے انھیں فتنے جگانے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ وہ نہ خود چین سے رہتے تھے، نہ دوسروں کو چین سے بیٹھنے دیتے تھے۔ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر منافقین اپنی پہلی سازش میں، جس کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے، بری طرح ناکام و نامراد ہوئے۔ ان کے سرغنے عبداللہ بن ابی نے انصار و مہاجرین کو لڑانے اور جاہلانہ تعصب بیدار کرنے کی جو کوشش کی تھی، وہ خود اسی کے گلے کا پھندا بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورت نازل فرما کر اس کے اور اس کے حواریوں کے مکروہ چہرے بے نقاب کر دیے۔ جو گڑھا انھوں نے مسلمانوں کے لیے کھودا تھا، وہ خود اس میں گر گئے۔ لوگوں کی نظر میں اب ان کی کوئی وُقعت نہیں رہی۔ عبداللہ بن ابی جیسے مغرور و متکبر شخص کو جو اپنی ناک پر مکھی بھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا، مجبور ہو کر اپنی قوم کے لوگوں سے معافی مانگنی پڑی۔ اس رُسوا کن صورت حال کی وجہ سے ابنِ ابی اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس سے اپنی بے توقیری اور رسوائی دیکھی نہیں جاتی تھی۔

مشرک اور منافق سازشوں سے کبھی باز نہیں آئیں گے

رئیس المنافقین ابن ابی نے اپنا انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ پھر موقع کی تاک میں لگ گیا۔ بالآخر اسے اپنی آتشِ غضب بجھانے اور زہر اگلنے کا موقع مل ہی گیا۔ اس نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور انتہائی گھناؤنا فتنہ برپا کر دیا۔ اس نے کاشانۂ نبوت کے خلاف زبان درازی اور الزام تراشی کی بھیانک مہم چلائی جو اس کے نفاق اور خبثِ باطن کا نتیجہ تھی۔ اس بدبخت نے رسول اللہ ﷺ کی سب سے محبوب زوجہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بے بنیاد بہتان طرازی کی اور ان کے چاند کی چاندنی سے زیادہ درخشاں اور پھولوں سے زیادہ پاکیزہ کردار کو داغدار کرنے کی ناپاک جسارت کی۔ ان کے خلاف کی جانے والی سازش کائنات کے بدترین جھوٹ کا پلندہ تھی، اس لیے اس واقعے کا نام ہی ''واقعۂ افک'' پڑ گیا۔

واقعۂ افک رسول اللہ ﷺ کو منافقین کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کی ایک نئی اور انتہائی صبر آزما کڑی تھی۔

اب تک یہود، مشرکین اور منافقین نے آپ ﷺ کو جتنی تکلیفیں پہنچائی تھیں، یہ اُن میں سب سے بڑھ کر روح فرسا اور ہوشربا تھی۔ دراصل منافقین آستین کے سانپ ہوتے ہیں جو اوپر سے ہمدرد اور اندر سے نہایت خطرناک دشمن ہوتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے درمیان گھل مل کر رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ ان کی نظریں ہروقت مسلمانوں کی خامیاں اور کمزوریاں تلاش کرتی رہتی ہیں، اسی لیے انھیں سازش کے زیادہ بڑے مواقع میسر آجاتے ہیں۔ ان کی شرانگیزی اور ضرر رسانی دیگر دشمنوں کی نسبت کہیں زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کو اچانک اور بھیانک آزمائش کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ منافقین ایسی گھٹیا حرکت پر بھی اُتر آئیں گے۔ کسی بھی شریف انسان کے نزدیک سب سے قیمتی چیز اس کی عزت ہوا کرتی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ تو تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں۔ آپ کی عزت تمام انسانوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کے دشمن عبداللہ بن ابی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا کر درحقیقت آپ ﷺ ہی کی عزت پر حملہ کیا تھا۔ اس نے آپ کے ہنستے بستے گھرانے کا سکون برباد کرنے کی سازش کی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں آپ کے اعتماد کو متزلزل کرنا چاہا۔ وہ اور اس کے حواری اس الزام تراشی کی آڑ میں لوگوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور کرنا اور آپ ﷺ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو روکنا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد اسلامی معاشرے کی چولیں ہلانا اور مسلمانوں کے درمیان بے اعتمادی اور انتشار کی فضا پیدا کرنا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رنج و قلق

رسول اللہ ﷺ کو منافقین کی اس گھناؤنی سازش سے بے حد اذیت پہنچی۔ اس کا اثر آپ کے قلبِ اطہر پر دیگر مصیبتوں سے کہیں زیادہ پڑا۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ آپ ایک مہینے تک انتہائی بے چینی اور پریشانی



مسجد عائشہ (جدہ) کا تعمیری شاہکار

میں مبتلا رہے۔ اس دوران میں آپ ﷺ پر کوئی وحی بھی نازل نہیں ہوئی۔ دوسری طرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب اپنے اوپر لگنے والی اس تہمت کا علم ہوا تو یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری۔ رو رو کر ان کا برا حال ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس صدمے کی وجہ سے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔ یہ ان کی زندگی کے سب سے کڑے اور کٹھن دن تھے۔ وہ تو عفت و عصمت اور شرم و حیا کی پیکر تھیں۔ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ بد باطن منافق ان پر اس قدر بدترین تہمت لگائیں گے۔ انھوں نے اللہ کی ذاتِ عالی پر بھروسہ کیا، صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھا۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعے میری براءت سے ضرور مطلع فرما دے گا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا بھی بے حد غمگین تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنی پاکباز بیٹی کے بارے میں کسی غلط چیز کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دیگر مسلمان بھی بہت دکھی اور پریشان تھے۔ منافقین کا پروپیگنڈہ اس قدر خوفناک تھا کہ پورا مدینہ اس طوفانِ بدتمیزی کی لپیٹ میں آ گیا۔ اسلامی معاشرے کا امن خطرے میں پڑ گیا تھا۔ ہر شخص اسی موضوع پر گفتگو کرتا نظر آتا تھا۔ منافقین نے اپنے جھوٹ میں ایسی رنگ آمیزیاں کیں کہ چند مسلمان بھی ان کے بہکاوے میں آ گئے اور اس تہمت کو سچ سمجھ بیٹھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ''واقعۂ افک'' منافقین کی تاریخ کا سب سے زیادہ مسموم اور مذموم واقعہ ہے۔ قرآن کریم قیامت تک اِس رکیک تہمت کی مذمت کرتا رہے گا۔

بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کڑی آزمائش تھی۔ اس میں اہلِ ایمان کا امتحان تھا کہ وہ اس قسم کی افواہوں اور پروپیگنڈوں پر کان دھرتے ہیں یا اپنے مضبوط ایمان پر استقامت دکھاتے ہیں؟ بالآخر منافقین ذلیل و رسوا ہوئے اور ان کی سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان فرمایا اور ان کی طہارت و پاکدامنی کے بارے میں قرآنی آیات نازل فرما دیں جن کی تلاوت رہتی دنیا تک کی جاتی رہے گی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کا بانگ دہل چرچا ہوتا رہے گا۔ اس واقعے کے تناظر میں باقاعدہ طور پر کچھ ایسے احکام وقوانین بھی نازل ہوئے جو اسلامی معاشرے کی فضا کو پُر امن بنانے کے لیے نہایت ضروری ہیں۔

آیئے اب اس جھوٹ کے پُشتارے کی اصل حقیقت جان لیجیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خوش نصیبی

غزوۂ بنو مصطلق کے آغاز میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ آپ جس وقت سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے مابین قرعہ اندازی کر لیتے تھے۔ ان میں سے جس زوجۂ محترمہ کے نام

کا قرعہ نکل آتا، آپ ﷺ اُنھیں سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ غزوۂ بنو مصطلق کے موقع پر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام کا قرعہ نکلا۔ یوں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر میں جانے کی سعادت ان کے حصے میں آئی۔

کڑے پردے میں سفر کا اہتمام

یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر مکمل طور پر پردے کے کڑے انتظام میں ہوا۔ وہ خود اپنے سفر کی نوعیت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جب میرے لیے میرے اونٹ کو تیار کر دیا جاتا تو میں اپنے ہودج میں بیٹھ جاتی تھی، پھر وہ لوگ آجاتے تھے جو ہودج کو اونٹ پر رکھنے پر مامور تھے۔ وہ ہودج کو نیچے سے پکڑ کر اٹھاتے اور اونٹ کی پشت پر رکھ کر اسے رسی سے کس دیا کرتے تھے۔ پھر وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلنا شروع کر دیتے۔ جس طرح مجھے ہودج سمیت اٹھا کر (اونٹ پر) سوار کیا جاتا تھا اُسی طرح ہودج سمیت ہی اتارا جاتا تھا۔ اس وقت عورتیں ہلکی پھلکی ہی ہوا کرتی تھیں۔ بھاری بھرکم نہیں ہوتی تھیں، ان پر زیادہ گوشت چڑھا ہوا نہیں تھا، اس لیے کہ ان کی خوراک تھوڑی سی ہوا کرتی تھی۔[1]



پیلو کا رسیلا پھل



پیلو کا درخت

واقدی کی روایت میں ہے کہ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان دوڑ کا مقابلہ بھی ہوا تھا۔ جب اسلامی لشکر نے پیلو کے درختوں والی ایک نرم اور خوشگوار جگہ پر پڑاؤ ڈالا تو رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ! هَلْ لَّكِ فِي السِّبَاقِ؟»

”عائشہ! کیا تم دوڑ لگانا چاہتی ہو؟“

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً ہاں کر دی۔ انھوں نے دوڑنے کی تیاری کرتے ہوئے اپنے کپڑے سمیٹ لیے۔ رسول اللہ ﷺ

[1] صحيح البخاري :4141، السيرة لابن هشام :310/3.

نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد مقابلہ شروع ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آگے نکل گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ الَّتِي كُنْتِ سَبَقْتِينِي»

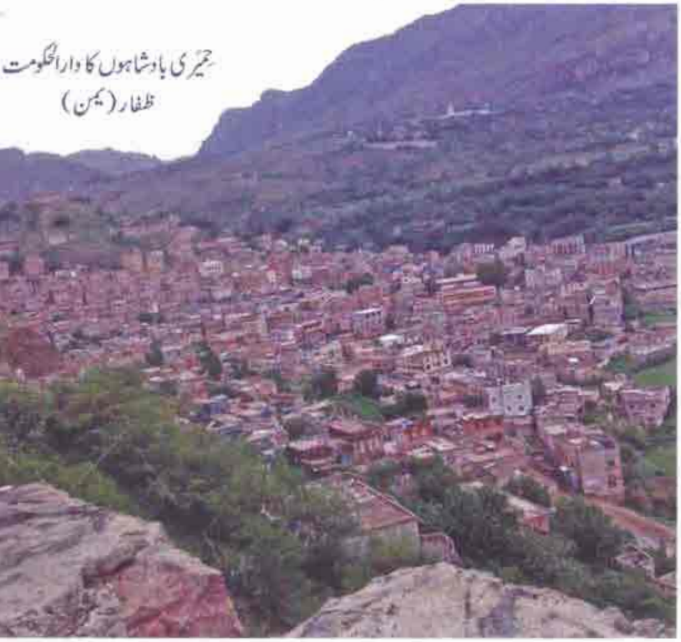
''یہ اس جیت کا بدلہ ہے جب تم پہلے میرے مقابلے میں جیت گئی تھی۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پہلی جیت اس طرح ہوئی تھی کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔ ان کے پاس کوئی چیز تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: «هَلُمِّيهِ» ''یہ مجھے دے دو۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے ازراہِ محبت و بے تکلفی وہ چیز آپ کو دینے کے بجائے دوڑ لگا دی۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اہلِ خانہ سے بہت محبت و مرحمت اور خوش طبعی کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے بھی ان کے پیچھے دوڑ لگائی لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا آگے نکل گئیں۔ [1]

یاد رہے کہ دوڑ کا یہ مقابلہ لوگوں کے سامنے نہیں ہوا تھا بلکہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا لشکر سے الگ تھلگ تھے۔ دوسرے لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعے کو بیان کرنے والی خود ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔

ہار کی گمشدگی

غزوۂ بنو مصطلق سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور رات کا کچھ حصہ وہیں بسر کیا۔ رات کے آخری حصے میں آپ نے روانگی کا اعلان فرما دیا۔ [2] اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے نکلیں جیسا کہ وہ خود بیان کرتی ہیں کہ جب کوچ کا اعلان ہوا تو میں قضائے حاجت کے لیے چل دی اور لشکر کی حدود سے باہر نکل گئی۔ میری گردن میں ایک ہار تھا۔ اس پر ظفار کے نگینے جڑے ہوئے

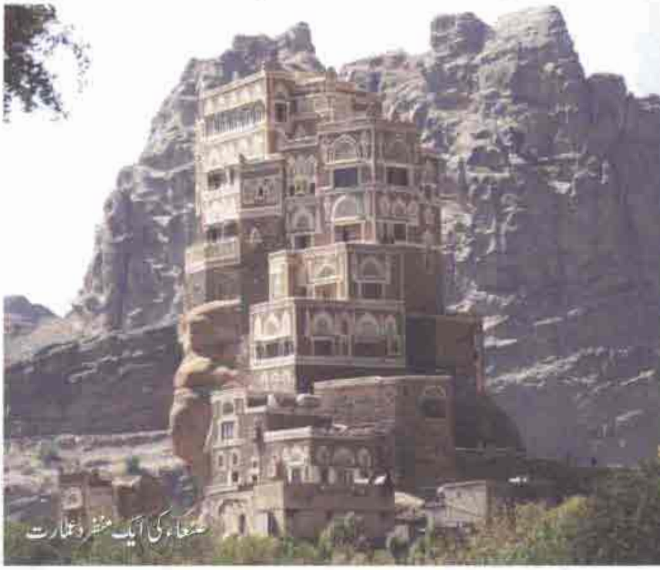


حمیری بادشاہوں کا دارالحکومت
ظفار (یمن)

[1] المغازي للواقدي :364/1. یاد رہے کہ سنن أبي داود :2578 وغیرہ میں بھی ایسی ہی ایک اور دوڑ کا تذکرہ موجود ہے۔ [2] المغازي للواقدي :364/1.

تھے۔ جب میں قضائے حاجت سے فارغ ہوگئی تو وہ ہار ٹوٹ کر میری گردن سے گر گیا۔ مجھے پتا بھی نہ چلا۔ میں اپنی سواری کی طرف واپس آئی تو میں نے اپنے سینے کو ٹٹولا، معلوم ہوا کہ میرا ہار کہیں گر گیا ہے۔ اس وقت لوگوں نے کوچ شروع کر دیا تھا۔ میں واپس اُسی جگہ گئی اور ہار تلاش کرنے لگی۔ ہار ڈھونڈتے ڈھونڈتے مجھے کچھ دیر ہوگئی۔ آخر کار وہ مل ہی گیا۔ [1]

یاد رہے کہ ظَفَار یمن کا ایک شہر ہے جو صنعاء کے قریب واقع ہے۔ یہی شہر حمیری بادشاہوں کا دارالحکومت تھا۔ [2]



صنعاء کی ایک منفرد عمارت

ظَفَار کے نگینوں کا تذکرہ یہ بتانے کے لیے کیا گیا ہے کہ وہ کوئی معمولی ہار نہیں تھا بلکہ انتہائی قیمتی تھا۔ رہی یہ بات کہ وہ ہار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کہاں سے آیا تھا؟ تو اس کے متعلق واقدی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ نے انھیں ان کی رخصتی کے موقع پر پہنایا تھا۔ [3] البتہ حافظ ابن کثیر اور ابن قیم رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ ہار اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریتاً لیا تھا۔ [4]

اونٹ پر خالی ہودج رکھ دیا گیا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب اپنا ہار تلاش کرنے گئی تھیں، اس وقت لشکر نے کوچ کا آغاز کر دیا تھا لیکن سیدہ کو اس بات کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وہ پوری طرح مطمئن تھیں کہ جو لوگ میرا ہودج اٹھانے پر مامور ہیں، وہ کسی صورت مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گے بلکہ وہ تو فرماتی ہیں: میں سمجھتی تھی کہ اگر میں ایک مہینہ بھی ٹھہری رہتی تو میرے اونٹ کو اس وقت تک نہیں اٹھایا جائے گا جب تک میں اپنے ہودج میں نہ بیٹھ جاؤں۔ [5] یہی وجہ تھی کہ وہ کوچ کے اعلان کے باوجود اپنا ہار ڈھونڈنے چلی گئی تھیں۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جانے کے بعد وہ حضرات آپہنچے جو ان کا ہودج اٹھاتے تھے۔ وہ سمجھے کہ سیدہ حسب معمول اپنے ہودج میں بیٹھ چکی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر کس دیا۔ ہودج اٹھاتے

[1] صحيح البخاري: 4141، السيرة لابن هشام: 310/3. [2] معجم البلدان: 60/4. [3] المغازي للواقدي: 364/1.
[4] الفصول في سيرة الرسول ﷺ، ص: 88، زاد المعاد: 259/3. [5] المغازي للواقدي: 364/1.

وقت انھیں یہ احساس ہی نہیں ہوسکا کہ سیدہ ہودج میں تشریف فرما ہی نہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ تو یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جسم ہلکا پھلکا تھا۔ وہ خود کہتی ہیں: ''عورتیں اس وقت ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں، بھاری بھرکم نہیں ہوتی تھیں۔ ان کے جسم پر زیادہ گوشت بھی نہیں ہوتا تھا کیونکہ ان کی خوراک بہت معمولی ہوا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ہودج اٹھانے والوں نے ہودج اٹھایا تو اس کے وزن میں انھیں کوئی فرق ہی محسوس نہیں ہوا۔ ویسے بھی میں اس وقت ایک کم عمر لڑکی تھی۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چودہ سال تھی۔[2] دوسری وجہ یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب اپنے ہودج میں تشریف فرما ہوتی تھیں تو خاموش رہتی تھیں، کوئی بات نہیں کرتی تھیں۔[3] یوں ان کے ہلکے پن اور خاموش رہنے کی عادت کی وجہ سے ہودج اٹھانے والوں کو اس بات کا کوئی احساس ہی نہیں ہوسکا کہ ہودج بالکل خالی ہے اور سیدہ اس میں موجود نہیں ہیں۔ انھوں نے اونٹ کو اٹھایا اور آگے روانہ ہوگئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہودج اُٹھانے والے اہل کار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت و جلالت سے باخبر تھے اور سیدہ کے ساتھ انتہائی ادب و احترام سے پیش آتے تھے۔ انھوں نے کبھی اس جسارت کا تصور بھی نہیں کیا کہ وہ ہودج کا پردہ اٹھا کر صرف یہی دیکھ لیں کہ سیدہ تشریف فرما بھی ہیں یا نہیں۔ مزید برآں ہودج اُٹھانے والے حضرات پاسِ ادب کی وجہ سے آپ سے بات تک نہیں کرتے تھے۔

ہار لے کر واپس آنے پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہار تلاش کر کے واپس پڑاؤ والی جگہ پر پہنچیں تو وہاں کا منظر ہی بدل چکا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ لشکر جا چکا ہے اور وہاں کوئی شخص موجود نہیں۔ نہ کوئی ہانک پکار لگانے والا ہے اور نہ کوئی جواب دینے والا۔ وہ ساری جگہ اب ایک ویرانے کی صورت پیش کر رہی تھی۔ یہ صورت حال سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے نہایت پریشان کن تھی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا اتفاق بھی پیش آئے گا جب وہ لشکر سے بچھڑ کر تنہا رہ جائیں گی۔

ہودج والی جگہ پر انتظار

ہر طرف رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایک خاتونِ مکرم ہونے کے ناتے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تنہا کہیں جا بھی نہیں سکتی تھیں۔ اب ان کے پاس انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ بے حد غمزدہ تھیں۔ انھیں یہ یقین تھا کہ جلد ہی ان لوگوں کو میری غیر موجودگی کا علم ہو جائے گا اور پھر وہ مجھے اسی جگہ تلاش کرنے آئیں گے۔ انھوں نے خوب

[1] صحیح البخاري: 4141. [2] الفصول في سيرة الرسول ﷺ، ص: 88. [3] المغازي للواقدي: 365/1.

اچھی طرح چادر اوڑھی اور اپنی ہودج والی جگہ پر بیٹھ گئیں۔ اسی دوران ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئیں۔

صفوان رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے پیچھے چلتے رہے

سیدنا صفوان بن معطل سلمی ذکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ ان کے پیچھے رہنے کی وجہ ابن اسحاق نے یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنی کسی ضرورت کے لیے پیچھے رہ گئے تھے اور انھوں نے لوگوں کے ساتھ رات بسر نہیں کی تھی۔ [1] ایک دوسری روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ انھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ مجھے ساقہ (لشکر کے پچھلے حصے) پر مقرر فرما دیں۔ آپ نے انھیں اس کی منظوری دے دی۔ پھر ایسے ہوتا کہ جب لوگ روانہ ہوتے تو صفوان رضی اللہ عنہ نماز پڑھنی شروع کر دیتے، پھر بعد میں ان کے پیچھے پیچھے آتے۔ اگر کسی کی کوئی چیز رستے میں گر جاتی تھی تو وہ اسے اٹھا کر ساتھ لے آتے اور اس تک پہنچا دیتے تھے۔ [2] اس طرح وہ مجاہدینِ اسلام کی ایک عظیم خدمت انجام دے رہے تھے۔ دوسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ بہت گہری نیند سویا کرتے تھے۔ بالعموم ان کی آنکھ اُسی وقت کھلتی تھی جب لوگ جا چکے ہوتے تھے۔ [3]

صفوان رضی اللہ عنہ کی حیرت

بہرحال سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر سے پیچھے تھے۔ وہ رات کے پچھلے پہر چلے اور صبح اس جگہ آپہنچے جہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ انھوں نے دور ہی سے کسی سوئے ہوئے انسان کو دیکھا۔ جب وہ قریب آئے تو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ وہ ام المومنین کو اس لیے پہچان گئے کہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھوں نے آپ کو دیکھ رکھا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی وہ پریشان ہوگئے۔ ان کی زبان سے فوراً مصیبت کے موقع پر پڑھے جانے والے یہ الفاظ نکلے:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ الفاظ سنتے ہی بیدار ہوگئیں اور فوراً چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ [4] اس سے پتا چلتا ہے کہ ازواج مطہرات چہرے کے پردے کا کس قدر اہتمام کرتی تھیں۔ آج کل کی مسلمان خواتین کے لیے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل بہترین نمونے کی حیثیت رکھتا ہے کہ انھوں نے کتنی عجلت سے ایک غیر محرم مرد سے

[1] السيرة لابن هشام: 311/3. [2] المعجم الكبير للطبراني: 125/23. [3] الروض الأنف: 24/4، فتح الباري: 586/8.
[4] صحيح البخاري: 4141.

اپنا چہرہ چھپا لیا۔ ذرا سوچیے تو سہی! اگر چہرے کا پردہ ضروری نہ ہوتا تو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا ایسا کیوں کرتیں؟ انھوں نے تو شدید پریشانی کی حالت میں بھی چہرے کے پردے کا فوراً اہتمام فرمایا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے صرف اتنا پوچھا:

مَا خَلَّفَكِ، يَرْحَمُكِ اللّٰهُ؟

''اللہ آپ پر رحم فرمائے! آپ کس وجہ سے پیچھے رہ گئیں؟''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا، نہ ان سے کسی قسم کی کوئی بات کی۔ [1] پھر صفوان رضی اللہ عنہ نے بھی سیدہ رضی اللہ عنہا سے کچھ نہیں پوچھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَاللّٰهِ! مَا كَلَّمَنِي كَلِمَةً وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهِ.

''اللہ کی قسم! (اس کے بعد) انھوں نے مجھ سے قطعاً کوئی بات نہیں کی، نہ میں نے اُن کی زبان سے انا للہ و انا الیہ راجعون کے سوا کوئی اور لفظ سنا۔''

وہ اپنے اونٹ سے اترے اور نہایت ادب واحترام کے ساتھ اپنا اونٹ ان کے قریب لا کر بٹھا دیا اور خود ایک طرف ہٹ کر اونٹ کی اگلی ٹانگ پر اپنا پاؤں رکھ دیا تاکہ سیدہ آسانی کے ساتھ اس پر سوار ہو جائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً اٹھیں اور اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ اب صفوان رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی نکیل والی رسی پکڑی اور اسے لے کر تیزی سے آگے چل پڑے۔ [2] وہ چاہتے تھے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو جلد از جلد لشکر تک پہنچا دیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسلامی لشکر میں تشریف آوری

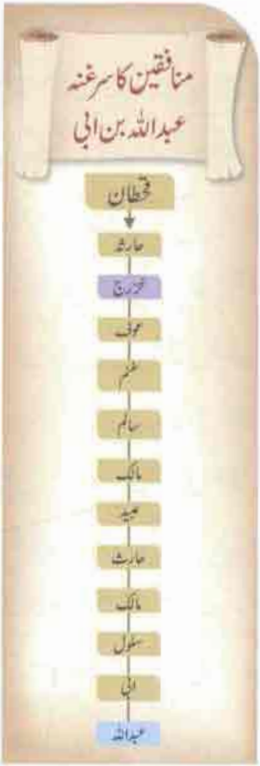
سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ غیر منقطع طور پر متواتر اسی طرح چلتے رہے۔ بالآخر وہ دوپہر کی سخت گرمی کے وقت اسلامی لشکر تک جا پہنچے۔ اس وقت مسلمانوں نے آرام کی غرض سے ایک جگہ پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ وہ لوگ ابھی تک اس بات سے بے خبر تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے ساتھ نہیں آئیں۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ام المومنین پیچھے رہ گئی ہیں۔ خود اللہ کے رسول ﷺ کو بھی اس صورتِ حال کا بالکل علم نہیں تھا کیونکہ آپ عالم الغیب تو تھے نہیں۔ اگر آپ کو ذرا بھی خبر ہوتی تو آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنہا چھوڑ کر ہرگز آگے نہ بڑھتے۔ جونہی سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لے کر نمودار ہوئے تو لوگ یہ منظر دیکھ کر حیرت کدے میں کھو گئے۔ اس وقت لوگوں کو پتا چلا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے ہی رہ گئی تھیں۔

[1] السيرة لابن هشام: 311/3. [2] صحيح البخاري: 4750.

ابن ابی نے بہتان طرازی کا طوفان کھڑا کر دیا

کذابوں کے لیڈر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے جب یہ منظر دیکھا کہ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ اکیلے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے کر آ رہے ہیں تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دشمنی کی بھڑاس نکالنے کا نادر موقع مل گیا۔ شیطان نے اسے خوب اکسایا۔ اس نے مدینہ کی بادشاہت سے محرومی اور قدم قدم پر اپنی ذلت و رسوائی کا بدلہ لینے کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیکرِ عفت و حیا اہلیہ محترمہ اور مومنوں کی عظیم المرتبت ماں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان طرازی کی مہم چلا دی اور اپنی خباثت، گندگی اور گراوٹ کا طوفان برپا کر دیا۔ اس نے بڑی بے شرمی سے یہ گھناؤنی حرکت کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس معاملے کو اس طرح بیان کرتی ہیں: ”پھر جسے ہلاک ہونا تھا، وہ ہلاک ہوا۔ اس بہتان کا بیڑا اٹھانے والا عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔“

اس بد بخت کو تو ایک پل کے لیے بھی چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس قدر نیچ اور ذلیل تھا کہ سیدہ پر بہتان باندھ کر درحقیقت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ اذیت دینے پر تلا ہوا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تھوپنے کے بعد وہ اس تہمت کے خاکے میں طرح طرح کے رنگ بھرنے لگا، اٹھتے بیٹھتے لوگوں میں یہ تہمت خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرنے لگا۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے خبر ملی کہ عبداللہ بن ابی اس تہمت کا خوب چرچا کرتا تھا۔ اس کے ہاں اس کا تذکرہ ہوتا تو وہ اس کی تصدیق کرتا۔ اسے خوب غور اور توجہ سے سنتا اور اسے آگے پھیلانے کے لیے اس میں خوب کھود کرید کر کے زمین آسمان کے قلابے ملاتا تھا۔[1]



ابن ابی کے چیلے چانٹوں نے بھی اس معاملے میں بڑھ چڑھ کر اس کا ساتھ دیا۔ انھوں نے اس تسلسل سے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ پورے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ مسلمانوں کو ابھی ابنِ ابی کی برپا کردہ ایک مصیبت سے نجات ملی تھی تو اس نے دوسرا ہنگامہ کھڑا کر دیا جو پہلے کی نسبت انتہائی خطرناک تھا۔

اسلامی لشکر کی فضا ایک مرتبہ پھر فتنہ و فساد کی لپیٹ میں آ گئی۔ ہر طرف لوگ اسی کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! مجھے اس میں سے کسی چیز کا بھی علم نہیں تھا (کہ منافقین نے میرے خلاف کیا طوفان کھڑا کر دیا ہے)۔[2]

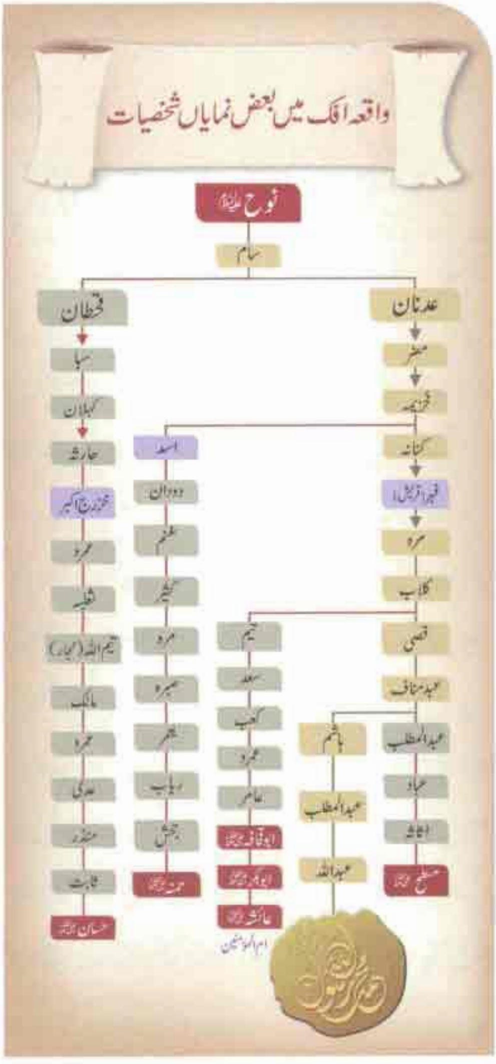
[1] صحيح البخاري: 4141. [2] السيرة لابن هشام: 311/3.

لشکرِ اسلام واپس مدینہ میں

اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں اپنا بقیہ سفر مکمل کر کے بالآخر مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس پوری مہم کے دوران میں دو راتیں کم ایک مہینہ مدینہ سے باہر رہے۔[1]

پروپیگنڈے کی شدت سے چند صحابی بھی متاثر ہو گئے

عبداللہ بن ابی اور اس کے دم چھلوں نے مدینہ پہنچ کر اپنی بہتان طرازی کو لوگوں کے سامنے نمک مرچ لگا کر یوں پیش کیا جیسے یہ جھوٹا افسانہ بالکل سچ ہے۔ لوگوں میں ان کی اس تہمت کا چرچا ہوتا رہا۔ منافقین نے ایک سازش کے تحت اسے خوب نشر کیا اور اس کی آڑ میں طرح طرح کی باتیں بناتے رہے۔ ان کا پروپیگنڈہ اتنا سخت تھا کہ بعض مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے اور عبداللہ بن ابی ابن سلول جیسے کذاب اور منافق کی بات کو سچ سمجھ بیٹھے اور تہمت لگانے والوں میں شریک ہو گئے۔ یہ کل تین افراد تھے: سیدنا حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم۔[2] ظاہر ہے کہ ان حضرات پر کیا موقوف، کیچڑ میں تو ہاتھی بھی پھسل جاتا ہے یہ حضرات تو پھر انسان تھے۔ ان سے بڑی بھول ہوئی کہ یہ حضرات عبداللہ بن ابی کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے۔



عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیماری اور لاعلمی

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ آتے ہی سخت بیمار ہو گئیں۔ پورا ایک مہینہ انھوں نے بیماری ہی کی حالت میں گزارا۔ اس عرصے میں شیطان کا جادو چلتا رہا اور لوگ تہمت لگانے والوں کی باتوں کا چرچا کرتے رہے۔ سیدہ

[1] المغازي للواقدي :341/1. [2] صحيح البخاري :4141.

عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ مجھے کچھ خبر نہیں تھی کہ لوگ میرے متعلق کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں اور منافقین نے مجھ پر کیا تہمت لگائی ہے۔ [1] البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تہمت کا علم ہو چکا تھا۔ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کردار کی پاکیزگی سے پوری طرح واقف تھے۔ آخر وہ آپ کی سب سے محبوب زوجہ تھیں۔ آپ ان کے متعلق اس طرح کی بات کا تصور بھی نہیں فرما سکتے تھے۔ آپ کو یہ خبر بھی ہو چکی تھی کہ اس سارے معاملے کا سرغنہ عبداللہ بن ابی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق جھوٹ کا یہ طوفان سن کر آپ کو کس قدر قلق ہوا ہوگا؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا تک بھی یہ بات پہنچ چکی تھی۔ ان کے لیے بھی یہ معاملہ انتہائی اذیت ناک تھا۔ وہ اپنی لاڈلی صاحبزادی پر معمولی سا بھی شک نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے اس معاملے کے بارے میں بالکل خاموشی اختیار کر لی۔ ان کا دل پوری طرح اس خبر کو جھٹلا رہا تھا۔ انھوں نے یہ لغو اور بے بنیاد بات اس قابل بھی نہیں سمجھی کہ اس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ کریں کیونکہ وہ تو پہلے ہی بیمار تھیں۔ تہمت کی یہ خبر سن کر نجانے ان کا کیا حال ہوتا، وہ اسے برداشت بھی کر پاتیں یا نہیں۔ [2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کھٹکا

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا جب بیمار ہو جاتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے غیر معمولی شفقت اور محبت کا اظہار فرماتے تھے اور انھیں اطمینان اور تسلی دلاتے تھے۔ تہمت کے اس واقعے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد غمگین اور پریشان کر دیا۔ اب صورت حال بالکل تبدیل ہو گئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی اس بیماری میں آپ کی وہ محبت اور شفقت نظر نہیں آ رہی تھی جو پہلے بیماری کی حالت میں ملا کرتی تھی، حالانکہ وہ تو بیماری میں آپ کی طرف سے شفقت و مرحمت کے خزانے کی بے حد مشتاق اور منتظر رہا کرتی تھیں اور زبانِ حال سے کہتی تھیں ؎

ایسی بیماریٔ بے ہوش پہ سو ہوش نثار　　آپ بیٹھے ہوئے دامن کی ہوا دیتے ہیں

اب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر محبت کو مائل نہ پایا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پریشان ہو گئیں۔ ان کے دل میں یہ کھٹکا پیدا ہوا کہ آخر ایسی کیا بات ہو گئی ہے جس کی وجہ سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شفقت و محبت سے محروم ہو گئی ہوں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ بیماری کی حالت میں مجھے یہ شک ضرور گزرتا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ لطف اور مہربانی نہیں دیکھ رہی تھی جو بیماری کی حالت میں پہلے دیکھا کرتی تھی۔ اب جو میں بیمار پڑ کر پابند بستر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح البخاري: 4141. [2] السيرة لابن هشام: 311/3.

صرف اتنا کرم فرماتے تھے کہ میرے پاس تشریف لاتے، سلام کرتے اور دریافت فرماتے:

«كَيْفَ تِيكُمْ؟»

''تم کیسی ہو؟''

بس اتنی بات پوچھ کر آپ واپس تشریف لے جاتے تھے، اور مزید کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے اس رویے سے مجھے کچھ تذبذب اور شک تو ہوتا تھا لیکن کسی بری بات کی کوئی خبر نہ تھی۔ [1] ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ اس دوران میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس بیٹھا کرتی تھیں۔ [2]

عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت کا پتا چل گیا

یہ بات بہت اہم ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے آپ پر لگنے والی تہمت کی خبر کس طرح ہوئی۔ آیئے! اب ہم آپ کو یہی بات بتاتے ہیں۔ ہوا یہ کہ جب ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیماری سے کچھ افاقہ ہوا تو وہ قضائے حاجت کے لیے ام مسطح رضی اللہ عنہا کے ساتھ مناصع کی طرف نکلیں۔ یہ بقیع کی طرف قضائے حاجت کے لیے مخصوص معروف جگہیں تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ میں ام مسطح کے ساتھ مناصع کی طرف نکلی۔ یہ قضائے حاجت کی جگہ تھی۔ ہم صرف رات کے وقت ہی وہاں جاتی تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنائے گئے تھے۔ ہم پہلے زمانے کے عرب لوگوں کی طرح رفع حاجت کے لیے ویرانے ہی میں جایا کرتے تھے۔ دراصل ہم اپنے گھروں کے قریب بیت الخلاء بنانا خلافِ نظافت اور باعثِ تکلیف خیال کرتے تھے۔ خیر میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لیے روانہ ہوگئیں۔

وہ ابو رہم بن عبدمناف کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ ان کا بیٹا مسطح بن اثاثہ بن عَبّاد بن مطلب تھا۔ میں اور ام مسطح اپنی حاجت سے فارغ ہو کر گھر واپس آنے لگیں تو ام مسطح کا پاؤں ان کی چادر میں الجھ کر پھسل گیا۔ اس وقت ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے: مسطح برباد ہو۔ یہ سن کر میں نے ان سے کہا: آپ نے بری بات کہی ہے۔ کیا آپ ایسے شخص کو برا بھلا کہہ رہی ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوا تھا؟ وہ کہنے لگیں: اے بھولی لڑکی! تم نے مسطح کی باتیں نہیں سنیں؟ میں نے پوچھا: اس نے کیا کہا ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہی وہ وقت تھا جب ام مسطح نے مجھے تہمت لگانے والوں کی ساری باتوں سے آگاہ کر دیا۔ [3]

صحیح بخاری کی مذکورہ بالا روایت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ام مسطح رضی اللہ عنہا نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو

[1] صحيح البخاري :4141. [2] السيرة لابن هشام : 311/3. [3] صحيح البخاري :4141.

قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد اس سارے واقعے کی خبر دی تھی لیکن صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے انھیں قضائے حاجت سے پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا اور یہ الم انگیز خبر سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر صدمہ ہوا کہ قضائے حاجت کی ضرورت ہی ختم ہوگئی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے باہر نکلی۔ وہ رستے میں پھسل گئیں۔ اچانک ان کی زبان سے نکلا: اللہ مسطح کو غارت کرے۔ میں نے کہا: اماں جی! آپ اپنے بیٹے کو کوس رہی ہیں؟ اس پر وہ خاموش ہوگئیں، کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر وہ دوبارہ پھسلیں تو ان کی زبان سے وہی الفاظ نکلے کہ اللہ مسطح کو غارت کرے۔ میں نے پھر ان سے یہی کہا کہ آپ اپنے بیٹے کو برا بھلا کیوں کہہ رہی ہیں؟ اس کے بعد وہ تیسری مرتبہ پھر پھسل گئیں۔ انھوں نے پہلے کی طرح پھر یہی کہا کہ اللہ مسطح کو غارت کرے۔ میں نے انھیں ٹوکا تو وہ بولیں: اللہ کی قسم! میں تو آپ ہی کی وجہ سے اسے کوس رہی ہوں۔ میں نے پوچھا: آپ انھیں میری وجہ سے کیوں کوس رہی ہیں؟ اب انھوں نے مجھ سے اس (جھوٹ کے) طوفان کا سارا واقعہ بتا دیا۔ میں نے پوچھا: کیا واقعی یہ سب کچھ کہا گیا ہے؟ وہ بولیں: ہاں، اللہ کی قسم! یہ خبر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بجلی بن کر گری۔ وہ کہتی ہیں کہ میں اپنے گھر واپس آگئی۔ میں جس ضرورت کے لیے نکلی تھی، اب مجھے اس کی ذرا بھی حاجت نہیں رہی۔ اس کے بعد مجھے بخار چڑھ گیا۔[1]

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! (یہ الم انگیز خبر سننے کے بعد) مجھ میں اتنی ہمت ہی نہیں رہی کہ میں قضائے حاجت کے لیے آگے جاؤں۔ میں واپس آگئی۔ اللہ کی قسم! میں مسلسل روتی رہی یہاں تک کہ مجھے یوں لگا کہ روتے رہنے کی وجہ سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔[2] ان روایات سے یہ بالکل واضح ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو شروع ہی میں پتہ چل گیا تھا اور وہ رفع حاجت کیے بغیر ہی واپس آگئی تھیں۔ رہی صحیح بخاری کی درج بالا روایت (4141) جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یہ سانحہ واپسی میں بتایا گیا تھا تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جمع و تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ اُس میں جو یہ الفاظ ہیں: وَقَدْ فَرَغْنَا مِنْ شَأْنِنَا. ان سے مراد وہاں قضائے حاجت کی جگہ پر پہنچنے سے فراغت ہے، قضائے حاجت سے فارغ ہونا مراد نہیں ہے۔[3] واللہ اعلم بالصواب

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ واقعہ سن کر جو صدمہ پہنچا، وہ ایک فطری بات تھی۔ یقیناً جب ایک پاک باز اور پاک دامن عورت پر تہمت لگے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ تہمت نا قابلِ برداشت تھی۔ وہ اپنے متعلق اس قدر جھوٹی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ تو رسول اللہ ﷺ کے حرم میں تھیں اور عفت و عصمت

[1] صحيح البخاري: 4745. [2] السيرة لابن هشام: 312/3. [3] فتح الباري: 591/8.

کا پیکرِ جلیل تھیں۔

والدین کے گھر جانے کی اجازت

اب ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا جان گئی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے معمول مبارک میں تبدیلی کی اصل وجہ کیا ہے اور آپ بے چین اور پریشان کیوں ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں اپنے گھر واپس آئی تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے سلام کرنے کے بعد میرا حال دریافت فرمایا: «کَیْفَ تِیکُمْ؟» ''تم کیسی ہو؟'' میں چاہتی تھی کہ اپنے والدین سے اس خبر کی تصدیق کروں۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی: کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے والدین کے ہاں چلی جاؤں؟ آپ نے مجھے اجازت دے دی۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ مجھے میرے والدین کے گھر بھجوا دیں۔ آپ نے ان کے ساتھ ایک بچے کو بھیج دیا۔[2]

اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے گھر والوں کا کتنا خیال رکھتے تھے، آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اکیلے بھیجنے کے بجائے ان کے ساتھ ایک بچے کو روانہ کر دیا۔ اسی طرح ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا طرزِ عمل یہ تھا کہ انھیں اپنے والدین کے گھر بھی جانا ہوتا تھا تو وہ آپ سے اجازت لے کر ہی جایا کرتی تھیں۔

یاد رہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا والدین کے گھر جانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کے لیے وہاں اپنے بیماری کے دن گزارنے آسان تھے۔ اسی طرح ان کی والدہ کے لیے بھی اسی میں آسانی تھی کہ ان کی صاحبزادی رسول اللہ ﷺ کے کاشانۂ مبارک سے والدین کے گھر چلی آئیں تاکہ ان کی بخوبی دیکھ بھال ہو سکے۔ اسی وجہ سے ابن اسحاق کی روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھر جانے کی اجازت چاہی تو یہ عرض کی: اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اپنی والدہ کی طرف چلی جاؤں تاکہ وہ میری اچھی طرح تیمارداری کریں؟ آپ نے فرمایا: ''تم جا سکتی ہو۔'' ابن اسحاق نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی والدہ کے گھر گئیں، اس وقت انھیں تہمت کا علم نہیں تھا اور ام مسطح والا واقعہ بھی والدین کے گھر جانے کے بعد ہی پیش آیا تھا لیکن زیادہ صحیح بات وہی ہے جو صحیح بخاری کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے ناراض ہو کر نہیں گئی تھیں بلکہ وہ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ وہ پوری طرح اپنی اور آپ ﷺ کی ملی جلی رضامندی سے گئی تھیں۔

[1] صحيح البخاري: 4141. [2] صحيح البخاري: 4757.

والدہ کی طرف سے تسلی

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شدید رنج و غم کے عالم میں اپنے والدین کے گھر تشریف لائیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا گھر کے نچلے حصے میں ہیں اور والد گرامی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بالا خانے میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ ان کی والدہ نے انھیں اچانک آتے دیکھا تو پریشان ہوگئیں۔ انھوں نے فوراً عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: میری بیٹی! اس وقت کیسے آنا ہوا؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی آمد کی وجہ بتائی اور سارا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ ان کی والدہ نے ساری باتیں نہایت سکون و تحمل سے سنیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان باتوں کا جتنا غم مجھے ہے، اتنا انھیں نہیں ہے۔ ان کی والدہ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا: پیاری بیٹی! ایسی باتوں پر توجہ نہ دو۔ اللہ کی قسم! کم ہی ایسا ہوا ہے کہ کوئی خوبصورت عورت کسی ایسے شوہر کے ساتھ ہو جو اس سے محبت رکھتا ہو، اس عورت کی سوکنیں بھی ہوں اور وہ اس سے حسد نہ کریں اور اس میں سو عیب نہ نکالیں۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ کی یہ باتیں سنیں تو انھیں پھر یہی احساس ہوا کہ میری والدہ تہمت والے واقعے سے اتنی متاثر نہیں تھیں جتنی میں پریشان تھی۔ دراصل ایسے نازک موقع پر ایک مثالی ماں کا یہی کردار ہوتا ہے کہ وہ اپنے غم کا اظہار کر کے اپنی بیٹی کے رنج میں اضافے کا باعث نہیں بنتی۔ وہ تو اپنے غم کو چھپاتی ہے اور بیٹی کو تسلی اور اطمینان دلاتی ہے۔ ام رومان رضی اللہ عنہا بھی اپنی بیٹی کو تسلی دے رہی تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ میری بیٹی اس تہمت کی وجہ سے کتنی مغموم ہے، اس کا سکون و اطمینان برباد ہو چکا ہے۔ پہلے ہی اتنا عرصہ بیماری میں گزرا، اب ذرا طبیعت کچھ سنبھلی ہے تو اس واقعے نے اسے اور زیادہ بیمار کر ڈالا ہے۔ ماں آخر ماں ہوتی ہے۔ اپنی بیٹی کو پریشان اور غمگین دیکھنا اس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ محترمہ سے پوچھا: کیا والد گرامی کے علم میں بھی یہ ساری باتیں آگئی ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پتا چل گیا ہے؟ انھوں نے بتایا: ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عِلم ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کے بالائی حصے میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے انھوں نے جب عائشہ رضی اللہ عنہا کی آہ و بکا سنی تو نیچے آگئے اور سیدہ کی والدہ سے پوچھا: اسے کیا ہو گیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ وہ تمام باتیں اسے بھی معلوم ہوگئی ہیں جو اس کے متعلق کہی جا رہی ہیں۔ یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ [1] ان سے اپنی پیاری بیٹی کا دکھ دیکھا نہیں

[1] صحيح البخاري: 4757.

جاتا تھا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ سے کہا: اللہ آپ کو معاف فرمائے! لوگوں نے اس قسم کی باتیں کیں اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔ [1]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب کرتے ہوئے کہا: سبحان اللہ! کیا واقعی لوگوں نے یہ باتیں کی ہیں؟ دراصل انھیں یقین نہیں آرہا تھا کہ لوگ میرے بارے میں بھی ایسی جھوٹی باتیں کر سکتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں ساری رات روتی رہی۔ میرے آنسو رکتے تھے، نہ مجھے نیند آتی تھی۔ پھر صبح ہوگئی اور میں روتی ہی رہی۔ [2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر غشی طاری ہوگئی

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ام مسطح رضی اللہ عنہا کی زبانی اپنے متعلق جو باتیں سنی تھیں، اب وہ اپنی والدہ کے گھر جا کر ان سے اچھی طرح ان باتوں کی تصدیق کر چکی تھیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ انھیں وہاں ایک انصاری عورت کے ذریعے بھی ان باتوں کا پتہ چلا تو وہ مارے غم کے بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ یہ واقعہ خود ان کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا کی زبانی نقل کیا گیا ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں کہ ایک انصاری خاتون آئیں۔ وہ کہنے لگیں کہ اللہ فلاں فلاں کو تباہ کرے۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا: میرا بیٹا بھی ان لوگوں کے ساتھ شریک ہوگیا ہے جنھوں نے اس طرح کی رکیک باتیں کی ہیں۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے پوچھا: وہ کیا باتیں ہیں؟ اس پر انھوں نے تہمت لگانے والوں کی بہتان طرازیاں بیان کر دیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود اس انصاری خاتون سے پوچھا کہ وہ کون سی باتیں ہیں؟ تو انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو سب کچھ بتا دیا۔ یہ سنتے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنی ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی سنی ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ یہ سنتے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا غش کھا کر گر پڑیں۔ جب انھیں ہوش آیا تو انھیں سردی لگ رہی تھی اور بخار چڑھا ہوا تھا۔ ام رومان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ان پر کپڑا ڈال کر انھیں ڈھانپ دیا۔ اس دوران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے انھیں اس طرح دیکھا تو فوراً دریافت فرمایا:

«مَا شَأْنُ هٰذِهِ؟»

”انھیں کیا ہوگیا ہے؟“

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! انھیں سردی لگ رہی ہے اور بخار چڑھ گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] السيرة لابن هشام: 312/3. [2] صحيح البخاري: 4141.

«فَلَعَلَّ فِي حَدِيثٍ تُحُدِّثَ؟»

”شاید ان باتوں کی وجہ سے جو بیان کی گئی ہیں؟“

آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ شاید عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ باتیں سن لی ہیں جو ان کے متعلق کہی گئی ہیں۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: جی ہاں (ایسا ہی ہوا ہے)۔ [1]

وحی کی بندش

رسول اللہ ﷺ منافقین کے برپا کردہ اس فتنے کی وجہ سے بے حد پریشان اور غمزدہ تھے۔ آپ نے اب تک خاموشی اختیار فرما رکھی تھی۔ آپ شدت سے وحی نازل ہونے کا انتظار فرما رہے تھے۔ آپ کو ذاتی حد تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا پورا یقین تھا مگر آپ اس انتظار میں تھے کہ وحی کے ذریعے حقیقتِ حال صاف عیاں ہو جائے۔ وحی تو صرف اللہ کے حکم سے نازل ہوا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا، آپ پر وحی نازل فرما دیتا تھا۔ آپ کی ذاتی مرضی اور خواہش کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اللہ کی قدرت کہ اتنی دیر ہوگئی مگر اب تک اس سلسلے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے ایک طرف تو آپ کی پریشانی بڑھ گئی تھی اور دوسری طرف بد بخت منافقین کو باتیں بنانے اور شر پھیلانے کا خوب موقع مل رہا تھا۔

سیدنا علی اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ

جب وحی نازل ہونے میں خاصی تاخیر ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس نازک اور پیچیدہ معاملے میں اپنے صحابہ سے مشورہ کرنا چاہا۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے سیدنا علی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان

[1] صحيح البخاري: 4143 و 3388.

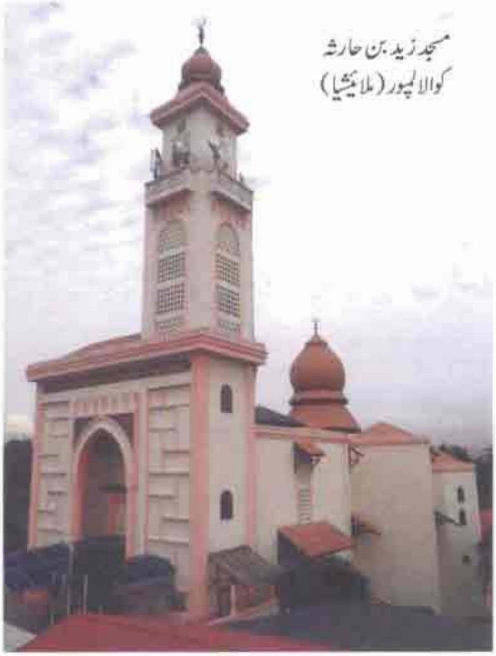


مسجد علی، دمام (سعودی عرب)



کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو بلایا تاکہ آپ ان سے کچھ پوچھیں اور اپنی بیوی کی جدائی کے بارے میں مشورہ کریں۔[1]

یہ بات یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ عمومی معاملات میں سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما جیسے کبار صحابہ سے مشورہ کرتے تھے۔ یہاں چونکہ آپ کا گھریلو معاملہ تھا، اس لیے آپ نے سیدنا علی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کا انتخاب فرمایا۔ یہ دونوں حضرات آپ کے گھریلو افراد ہی شمار ہوتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ویسے تو آپ کے چچا زاد تھے لیکن آپ کی نظر میں وہ آپ کے بچوں ہی کی طرح تھے۔ آپ ہی نے بچپن سے ان کی پرورش کی تھی۔ بعد ازاں آپ نے اپنی سب سے چہیتی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی کر دی۔ اس طرح انھیں آپ کے داماد بننے کا شرف حاصل ہوا اور آپ کے ساتھ ان کا رشتہ و تعلق اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ آپ نے خاص طور پر انھیں مشاورت کے لیے اسی وجہ سے طلب فرمایا کہ وہ دوسروں کی نسبت آپ کے گھریلو حالات و معاملات سے زیادہ آگاہی رکھتے تھے۔


مسجد زید بن حارثہ
کوالالمپور (ملائیشیا)

اسی طرح سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ انھیں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح ایک طویل عرصہ آپ کی رفاقت میں گزارنے کی سعادت ملی تھی۔ انھیں آپ کی خاص محبت و شفقت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے لوگ انھیں حِبُّ رَسُولِ اللہ ﷺ کہا کرتے تھے۔ کسی کو بارگاہِ رسالت میں کوئی سفارش کرانی ہوتی تو وہ اسامہ رضی اللہ عنہ ہی کی خدمات حاصل کرتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد کو چھوڑ کر صرف انھیں مشاورت کے لیے مخصوص فرمایا تھا کیونکہ وہ

[1] صحيح البخاري: 4141.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح نوجوان تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ علی رضی اللہ عنہ عمر میں ان سے بڑے تھے۔ ایسا اس لیے ہوا تھا کہ نوجوان کا ذہن معمرلوگوں کی نسبت زیادہ صاف شفاف ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں جو جواب آتا ہے، وہ اسے بوڑھے شخص کی نسبت زیادہ جرات کے ساتھ بے دھڑک کہہ بیٹھتا ہے۔ بڑی عمر کے لوگ زیادہ تر انجام کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ کبھی کبھی کہنے والے کی یا جس کے متعلق کچھ پوچھا گیا ہو، اس کی رعایت کرتے ہوئے نمایاں ہونے والی بعض باتوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ [1]

اسامہ رضی اللہ عنہ کی رائے

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی آگہی کے مطابق مشورہ دیا جو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور آپ کی ان سے محبت کے بارے میں رکھتے تھے۔ انھوں نے عرض کی:

أَهْلُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا.

"اے اللہ کے رسول! وہ تو آپ کی گھر والی ہیں۔ ہم ان کے بارے میں خیر و بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔" [2]

ابن اسحاق کی روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر لگنے والی تہمت کی پُرزور الفاظ میں تردید کیا اور عرض کیا:

وَهٰذَا الْكَذِبُ وَالْبَاطِلُ.

"(عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے) یہ سراسر جھوٹ اور بے بنیاد بات ہے۔" [3]

علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو انھوں نے مشورہ دیتے ہوئے کہا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَمْ يُضَيِّقِ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ النِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ، وَ إِنْ تَسْأَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ.

"اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ عورتیں ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں۔ اگر آپ لونڈی (بریرہ) سے پوچھیں گے تو وہ آپ کو سچ بتائے گی۔" [4]

یہاں یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ بعض شر پسند لوگ علی رضی اللہ عنہ کے درج بالا جواب سے ان کے اور ام المؤمنین

[1] دیکھیے: فتح الباري :8/595. [2] صحيح البخاري :4141. [3] السيرة لابن هشام :3/313. [4] صحيح البخاري :4750.

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان دوری ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور اس بنیاد پر طرح طرح کے پروپیگنڈے کرتے ہیں، جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت اور ان کے کردار کی پاکیزگی کے معترف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا جس سے عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت کی تائید ہوتی ہو یا ان کی پاکبازی پر کوئی حرف آتا ہو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو جو مذکورہ بالا مشورہ دیا، وہ اس وجہ سے تھا کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی بے چینی اور پریشانی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ کسی طرح آپ کو اس پریشانی سے چھٹکارا حاصل ہو جائے اور آپ راحت اور سکون سے رہیں۔ انھوں نے مصلحت کے پیشِ نظر آپ ﷺ کی تسلی اور دل جوئی کی غرض سے یہ مشورہ دیا تھا۔ انھوں نے آپ کی خدمت میں بریرہ کا تذکرہ بھی کیا تاکہ آپ اس معاملے کی مزید تحقیق کریں۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی رنجش کی بات ہوتی تو وہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھ گچھ کرنے کا مشورہ نہ دیتے۔ انھوں نے بریرہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہی اس لیے کیا تھا کہ انھیں یقین تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جانتی ہے۔ واقعی بریرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی اور پاکبازی کے سوا کچھ نہیں جانتی تھی۔ [1]

بریرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھ گچھ

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بریرہ کو طلب فرمایا۔ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں۔ اگرچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں فتح مکہ کے بعد خریدا تھا لیکن اس سے پہلے بھی یہ اجرت پر ان کی خدمت کرتی تھیں۔ [2] جب بریرہ رضی اللہ عنہا آئیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی طرف بڑھے اور انھیں سختی سے ڈانٹتے ہوئے بولے: أُصْدُقِي رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ. ”رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ سچ کہہ دینا۔“ [3] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بریرہ سے دریافت فرمایا:

«أَتَشْهَدِينَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

”کیا تم گواہی دیتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟“

بریرہ بولیں: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي سَائِلُكِ عَنْ شَيْءٍ فَلَا تَكْتُمِينِي»

---

[1] مزید دیکھیے: فتح الباري: 595/8. [2] فتح الباري: 596/8، الإصابة: 50/8. [3] صحیح البخاري: 4757، السيرة لابن هشام: 313/3.

”تو پھر میں تم سے ایک چیز کے بارے میں سوال کرنے والا ہوں، تم مجھ سے کچھ نہ چھپانا۔“

بریرہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو یقین دہانی کراتے ہوئے کہا: اللہ کے رسول! آپ مجھ سے جس چیز کے متعلق بھی پوچھیں گے، میں ضرور بتاؤں گی۔ ان شاء اللہ میں آپ سے کوئی چیز نہیں چھپاؤں گی۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«فَقَدْ كُنْتِ عِنْدَ عَائِشَةَ، فَهَلْ رَأَيْتِ مِنْهَا شَيْئًا تَكْرَهِينَهُ؟»

”تم عائشہ کے پاس رہا کرتی تھیں، کیا تم نے ان کی طرف سے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جسے تم ناپسند کرتی ہو؟“[1]

صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«أَيْ بَرِيرَةُ! هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يُرِيبُكِ؟»

”بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس نے تمھیں (عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں) شک میں ڈال دیا ہو؟“

یہ سن کر بریرہ رضی اللہ عنہا نے صاف لفظوں میں یہ جواب دیا:

وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! مَا رَأَيْتُ عَلَيْهَا أَمْرًا قَطُّ أَغْمِصُهُ غَيْرَ أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ.

”اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے ان میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کی بنا پر میں اُن پر کوئی عیب لگا سکوں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ایک نوعمر لڑکی ہیں۔ اپنے گھر والوں کے لیے آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں۔ اتنے میں گھر کی مرغی آتی ہے اور آٹا کھا جاتی ہے۔“[2]

بریرہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکبازی بڑے احسن انداز میں اُجاگر کر دی۔ انھیں عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات میں ایک معمولی سی خامی کے سوا کوئی عیب یا شک والی چیز نظر نہیں آئی۔ صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ نے کھل کر صاف لفظوں میں ان سے اس واقعے کی تصدیق چاہی تو وہ بڑی حیرت کے عالم میں بولیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا مَا يَعْلَمُ الصَّائِغُ عَلٰى تِبْرِ الذَّهَبِ الْأَحْمَرِ.

”سبحان اللہ، اللہ کی قسم! میں تو عائشہ کو اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے۔“[3]

واقدی نے تو بریرہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں: ”عائشہ تو خالص سونے سے بھی زیادہ کھری اور پاکدامن خاتون ہیں۔ اللہ کی قسم! میں ان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔ اللہ کے رسول! واللہ! اگر اس کے سوا ان

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 201/7. [2] صحيح البخاري: 4141. [3] صحيح البخاري: 4757.

میں کوئی اور بات بھی ہوئی تو اللہ آپ کو اس سے ضرور آگاہ فرما دے گا۔''[1]

بلاشبہ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی اور پاکدامنی کی بڑی پکی اور ناقابلِ تردید گواہی ہے جو ان کی خادمہ بریرہ رضی اللہ عنہا نے دی ہے جو سیدہ کی خدمت گار کی حیثیت سے انھیں بہت قریب سے جانتی تھیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمتِ کردار پر سوکن کی گواہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران میں اپنی زوجۂ محترمہ ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق دریافت کیا۔ دراصل ازواج مطہرات میں سے زینب رضی اللہ عنہا ہی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں زیادہ عزت کا درجہ حاصل کرنے کے لیے عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے ان کے متعلق یہ ڈر رہتا تھا مبادا وہ مجھ پر غیرت کھاتے ہوئے اپنا نقصان کر بیٹھیں۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا:

«يَا زَيْنَبُ! مَاذَا عَلِمْتِ أَوْ رَأَيْتِ؟»

''زینب! تم (عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق) کیا جانتی ہو یا تم نے (ان میں) کیا بات دیکھی ہے؟''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''اللہ کے رسول! میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں ان کے متعلق بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔''

یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شفاف اور بے داغ سیرت پر ایک سوکن کی ایسی مؤثر اور محکم گواہی ہے جو قیامت تک چمکتی رہے گی۔ سوکنوں کا یہ رویہ اور روایت سب جانتے ہیں کہ وہ شوہر کی نظر میں اپنا درجہ بڑھانے اور دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے گھٹیا سے گھٹیا تر حربہ استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام معظم و مکرم بیویاں انتہائی جلیل القدر ہستیاں تھیں لیکن ان کی تمام تر عظمت و جلالت کے باوجود ان کے تعلقات میں کبھی کبھار سوکناپے کی جھلک صاف نظر آجاتی تھی۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کتنی عظیم خاتون تھیں کہ سیدہ عائشہ کے آشوب و آزمائش میں سوکن ہونے کے باوجود انھوں نے وہی کچھ کہا جو سچائی کا مطالبہ تھا۔ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بلند پایہ کردار صرف ایک لفظ میں بیان کر دیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں۔

حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی افسوس ناک لغزش

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سچی گواہی دے دی۔ لیکن ان کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہا لغزش کا شکار

[1] المغازي للواقدي :366/1. [2] المغازي للواقدي :366/1.

ہوگئیں۔ وہ زینب رضی اللہ عنہا کی طرف داری کرتے ہوئے اس قدر جوش میں آگئیں کہ تہمت لگانے والوں کے ساتھ شریک ہوگئیں۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ زینب ہی تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی پرہیز گاری کی وجہ سے انھیں بچالیا، البتہ ان کی بہن حمنہ بنت جحش ان کے لیے لڑیں تو وہ بھی تہمت لگانے والوں کے ساتھ ہلاک ہوئیں۔ [1]

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی گواہی

ام ایمن رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب خاتون ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں گود کھلایا کرتی تھیں۔ وہ آپ کی خدمت کے لیے ہمیشہ پیش پیش رہتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی تھی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ انھی کے بطن سے تھے۔ واقعۂ افک کے نازک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق دریافت فرمایا۔ وہ عرض کرنے لگیں: ”میں اپنے کانوں اور آنکھوں کو بچا کر رکھتی ہوں۔ میں نے عائشہ کے متعلق ہمیشہ بہتر گمان رکھا ہے اور اچھی بات ہی جانی ہے۔“ [2]

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کا تبصرہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو حضرات ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگنے والی تہمت کو سفید جھوٹ قرار دیتے تھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے بالکل بری سمجھتے تھے، ان میں ایک نمایاں ترین نام سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ہے۔ انھوں نے جب عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ بات سنی تو اسے یکسر مسترد کر دیا۔ اس سلسلے میں ابن اسحاق کی روایت میں ان کی اپنی بیوی کے ساتھ ہونے والی بات چیت بیان ہوئی ہے۔ ان کی بیوی ام ایوب نے ان سے کہا: ابوایوب! کیا تم نے نہیں سنا کہ لوگ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بولے: کیوں نہیں (سب کچھ سنا ہے اور) وہ سراسر جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب! کیا تم ایسی حرکت کر سکتی ہو؟ وہ فوراً بولیں: نہیں، اللہ کی قسم! میں تو ایسا کبھی نہیں کروں گی۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! عائشہ رضی اللہ عنہا تو تم سے بہت اونچے درجے کی خاتون ہیں۔ (وہ تو بالاولیٰ ایسے کام کا تصور بھی نہیں کر سکتیں)۔ [3]

صحیح بخاری میں ہے کہ اس موقع پر ایک انصاری آدمی نے یہ کہا:

[1] صحيح البخاري: 4141 و 4750. [2] المغازي للواقدي: 366/1. [3] السيرة لابن هشام: 315/3.

سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ.

''(یا اللہ!) تو پاک ہے۔ ہمارے لائق نہیں ہے کہ ہم یہ بات زبان پر لائیں۔ تو پاک ہے۔ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔''[1]

طبرانی کبیر کی روایت میں صراحت ہے کہ یہ الفاظ کہنے والے سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔[2] اللہ تعالیٰ نے بعد میں ان کے کردار کو سراہا اور ان کے درج بالا الفاظ کو قرآن کریم میں نازل فرما دیا۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا کردار


مسجد ابی بن کعب، بن غازی (لیبیا)

بعض روایات میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی بیان ہوا ہے کہ ان کی زوجہ ام طفیل رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا: ''کیا آپ نے وہ باتیں سنی ہیں جو لوگ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کر رہے ہیں؟'' انھوں نے پوچھا: ''کون سی باتیں؟'' وہ بولیں: ''وہ باتیں جو لوگ کہہ رہے ہیں۔'' انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! وہ تو بالکل جھوٹ ہے۔ کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟'' وہ فوراً کہنے لگیں: ''میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں (کہ میں ایسا برا کام کروں)۔'' ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بولے: ''اللہ کی قسم! عائشہ تو تم سے کہیں بہتر ہیں۔'' وہ بولیں: ''میں بھی اس کی گواہی دیتی ہوں۔''[3]

صفوان رضی اللہ عنہ کی پاکدامنی

سیدنا صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ منافقین نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو انھی کے ساتھ متہم کیا۔ انھیں جب اپنے متعلق اس تہمت کا علم ہوا تو وہ ششدر رہ گئے۔ انھوں نے اپنی پاکدامنی کے متعلق صرف اتنے الفاظ کہے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ! مَا كَشَفْتُ كَنَفَ أُنْثَى قَطُّ.

[1] صحيح البخاري: 7370. [2] المعجم الكبير للطبراني: 76/23. [3] فتح الباري: 597/8، المغازي للواقدي: 370/1.

”سبحان اللہ، اللہ کی قسم! میں نے آج تک کسی عورت کا لباس نہیں کھولا۔“ [1]

سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ اپنی ماں سے بھی بڑھ کر ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ادب و احترام کرتے تھے۔ منافقین نے ان پر جو تہمت لگائی تھی، اس کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بہر حال اس صورتحال نے صفوان رضی اللہ عنہ کو بھی انتہائی بے قرار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غمناک حالت میں خطاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے انتہائی قریبی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات سے باخبر عزیزوں سے مشورہ کیا اور ان کی رائے معلوم کر لی تو پھر آپ اس روز مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور اپنے منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے اردگرد جمع ہو چکے تھے۔ آپ نے انتہائی رنج و غم کی حالت میں لوگوں سے خطاب فرمایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے واقعۂ افک کے بارے میں برملا گفتگو کی ورنہ اب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں خاموشی اختیار فرما رکھی تھی۔ لوگ بھی شدت سے منتظر تھے کہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ پر لگنے والی تہمت کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ اس خطاب میں آپ نے ایک طرف ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کی پاکیزگی اجاگر فرمائی دوسری طرف سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار فرمایا۔ آپ نے اپنی گفتگو کے آغاز میں شہادتین پڑھنے کے بعد اللہ کی شایانِ شان حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ، أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي أُنَاسٍ أَبَنُوا أَهْلِي، وَأَيْمُ اللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلٰى أَهْلِي مِنْ سُوءٍ، وَ أَبَنُوهُمْ بِمَنْ وَّاللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَطُّ، وَلَا يَدْخُلُ بَيْتِي قَطُّ إِلَّا وَ أَنَا حَاضِرٌ، وَلَا غِبْتُ فِي سَفَرٍ إِلَّا غَابَ مَعِي»

”اما بعد! تم مجھے اُن لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنھوں نے میری اہلیہ پر تہمت لگائی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے اپنی بیوی میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ انھوں نے تہمت بھی ایک ایسے شخص کی طرف منسوب کی ہے کہ واللہ! میں نے اس میں بھی (کبھی) کوئی برائی نہیں دیکھی۔ وہ میرے گھر جب بھی آیا، میری موجودگی ہی میں آیا۔ میں کسی سفر کی وجہ سے مدینہ میں نہیں ہوتا تھا تو وہ بھی مدینے سے باہر میرے ساتھ ہوتا تھا۔“ [2]

آپ نے اس موقع پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا معاملہ لوگوں کے سامنے رکھا اور اس کے خلاف لوگوں سے تعاون طلب کرتے ہوئے فرمایا:

[1] صحيح البخاري :4757. [2] صحيح البخاري :4757.

«يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي؟»

''اے مسلمانوں کی جماعت! اس شخص کے بارے میں کون میری مدد کرے گا جس کی اذیت رسانی کا سلسلہ اب میرے اہل خانہ تک پہنچ گیا ہے؟''[1]

ابن اسحاق کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«أَيُّهَا النَّاسُ! مَا بَالُ رِجَالٍ يُؤْذُونَنِي فِي أَهْلِي، وَيَقُولُونَ عَلَيْهِمْ غَيْرَ الْحَقِّ، وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُمْ إِلَّا خَيْرًا»

''لوگو! بعض لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ مجھے میرے گھر والوں کے بارے میں ایذا پہنچا رہے ہیں اور ان کے متعلق ناحق باتیں کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے تو اپنے گھر والوں میں خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔''[2]

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اعلان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ جامع اور مؤثر گفتگو سن کر قبیلہ اوس کے سردار سیدنا سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا: ''اللہ کے رسول! میں اس کے خلاف آپ کی مدد کروں گا۔ آپ اجازت دیں۔ اگر وہ اوس قبیلے کا ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں گے۔ اگر وہ ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔''

اوس و خزرج لڑائی کے دہانے پر

قبیلہ خزرج کے سردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ انتہائی نیک آدمی تھے لیکن اس روز جب انھوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنی تو ان کی قبائلی حمیت جاگ اٹھی۔ انھیں یہ گوارا نہ ہوا کہ اوسی لوگ ہمارے کسی خزرجی آدمی کو قتل کریں۔

انھوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: تم نے غلط بات کی ہے۔ اللہ کی قسم! تم نہ تو اسے قتل کر سکتے ہو نہ تم میں اسے قتل کرنے کی طاقت ہے۔ اگر وہ آدمی تمھارے قبیلے کا ہوتا تو تم کبھی یہ پسند نہ کرتے کہ اسے قتل کیا جائے۔

ان کی یہ بات سن کر سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے رہا نہیں گیا۔ وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ

[1] صحیح البخاري: 4750 [2] السيرة لابن هشام: 312/3.

کھڑے ہو گئے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! تم غلط کہہ رہے ہو۔ ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ تم منافقوں کا کردار ادا کر رہے ہو اور منافقین کی طرف سے جھگڑ رہے ہو۔ یہ بات انھوں نے اس لیے کہی تھی کہ عبداللہ بن ابی کا تعلق خزرج قبیلے سے تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس کا دفاع کر رہے ہیں۔

بس پھر کیا تھا، انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے لوگوں کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور وہ مشتعل ہو کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ خطرے کے بادل منڈلانے لگے۔ قریب تھا کہ اوس وخزرج کے درمیان مسجد ہی میں کوئی فساد برپا ہو جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو خاموش کرانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی منبر ہی پر تشریف فرما تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس وخزرج کے لوگوں کو ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے دیکھا آپ نے فوراً انھیں خاموش کرانا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل خاموش رہنے کا حکم دیتے رہے یہاں تک کہ وہ سب خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد آپ بھی خاموش ہو گئے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔[1] آپ کی بروقت مداخلت سے اوس وخزرج کے درمیان لڑائی کا خطرہ ٹل گیا۔ اور یہ مجلس یہیں برخاست ہو گئی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنسوؤں کی جھڑی

دوسری طرف ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے غم میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ انھیں نیند بھی نہیں آ رہی تھی کہ سو کر ہی ان کا کچھ غم ہلکا ہو جاتا۔ ان کے والدین بھی ان کی اس کیفیت کی وجہ سے نہایت پریشان تھے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میرا پورا دن روتے ہوئے گزرا۔ آنسو تھمتے تھے، نہ نیند آتی تھی۔ صبح ہوئی، میرے والدین میرے پاس آئے۔ میں نے دو راتیں اور ایک دن روتے روتے بسر کر دیا۔ اس دوران نہ میرے آنسو رکے، نہ میری آنکھ لگی۔ یوں لگا جیسے روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میرے والدین بھی مبتلائے غم تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے والدین میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اور میں روئے جا رہی تھی اسی دوران ایک انصاری عورت نے مجھ سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ میں نے اجازت دے دی تو اس نے بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونا شروع کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور گفتگو

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم ابھی اسی طرح پریشان بیٹھے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس

[1] صحیح البخاري: 4141 و4750 و4757، السیرۃ لابن ہشام: 313/3.

تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ عصر کی نماز پڑھا کر آئے تھے۔ میرے والدین نے مجھے دائیں بائیں سے سہارا دے رکھا تھا۔ آپ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے جب سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی، آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ کا پورا ایک مہینہ اس طرح بیت گیا کہ میرے بارے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ آپ نے بیٹھنے کے بعد خطبہ پڑھا، اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ، يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي عَنْكِ كَذَا وَكَذَا، فَإِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ، وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ، فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهِ ثُمَّ تَابَ إِلَى اللّٰهِ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ»

''اما بعد! عائشہ! مجھے تمھارے بارے میں اس اس نوعیت کی خبریں ملی ہیں۔ اگر تم واقعی اس معاملے میں پاک ہو تو اللہ تعالیٰ خود ہی تمھاری بے گناہی بیان فرما دے گا۔ اور اگر تم سے گناہ سرزد ہوگیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو، اس لیے کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے، پھر اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کے والدین کی موجودگی میں واضح طور پر دونوں صورتیں پیش کر دی تھیں۔ آپ ﷺ کی اس گفتگو سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ کو غیب کا علم نہیں تھا۔ اگر آپ کو غیب کا علم ہوتا تو پھر آپ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح کی باتیں ہی نہ کرتے۔ آپ کو تو صرف غیب کی اُسی چیز کے بارے میں علم ہوتا تھا جو وحی کے ذریعے سے آپ کو بتا دی جاتی تھی۔ اب تک اس تہمت کے معاملے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے صاف فرما دیا کہ اگر تم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اعتراف کر کے بارگاہِ الٰہی میں توبہ و استغفار کرو۔ آپ کی اس بات کا یہ مقصد بھی ہرگز نہیں تھا کہ (معاذ اللہ) آپ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی و پاکدامنی پر کوئی شک تھا۔ آپ کو پورا یقین تھا کہ وہ بالکل بری ہیں اور ان سے ایسا کوئی کام سرزد نہیں ہوسکتا لیکن چونکہ معاملہ آپ کے گھرانے کا تھا، اس لیے آپ چاہتے تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بھی یہ سن لیں کہ وہ بری ہیں، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ وحی نازل فرما کر ان کی براءت کا اعلان کر دے۔

آنسو تھم گئے

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی گفتگو بڑے غور سے سنی۔ انھیں یہ اندیشہ بھی لاحق ہوگیا کہ

[1] صحيح البخاري: 4750 و 4757.

رسول اللہ ﷺ نے انصاری عورت کی موجودگی میں یہ گفتگو کی ہے اور اس کی موجودگی کا بھی کوئی لحاظ نہیں فرمایا، ایسا نہ ہو کہ وہ باہر جا کر اپنی سمجھ کے مطابق کوئی ایسی ویسی بات کر دے اور پھر کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہو جائے۔ [1]

بہر حال رسول اللہ ﷺ کی گفتگو سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حالت بدل گئی۔ وہ آنسو جو مسلسل بہہ رہے تھے، اب ایک دم تھم گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی بات مکمل فرما چکے تو یکبارگی میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ مجھے ان کا ایک قطرہ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

والدین کی خاموشی

اب سب سے اہم بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا جواب پیش کیا جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو یہی انتظار تھا کہ میرے والدین میری ترجمانی کریں گے اور آپ کی خدمت میں کچھ عرض کریں گے۔ انھوں نے دیکھا کہ میرے والدین تو بالکل خاموش ہیں۔ انھوں نے خود اپنے والد محترم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کے متعلق آپ ہی میری طرف سے کوئی جواب دیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس قدر پریشان تھے کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا جواب دوں۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والد کو معذوری ظاہر کرتے دیکھا تو اپنی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے کہا: آپ ہی رسول اللہ ﷺ کی باتوں کا کوئی جواب دے دیں۔ ان کی والدہ نے بھی یہی کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ میں آپ کی خدمت میں کیا عرض کروں۔

نبی ﷺ کی خدمت میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والدین کی خاموشی دیکھی تو انھیں خود ہی ہمت کرنی پڑی کیونکہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی جواب بہر حال دینا ہی تھا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتی کہ کسی کے گھر والوں پر اتنی بڑی مصیبت آئی ہو جتنی ان دنوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھرانے پر آئی تھی۔ جب میرے والدین نے خاموشی اختیار کی تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میرے آنسو دوبارہ بہنے لگے۔ [2] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انتہائی رنج و غم کی حالت میں اپنی گفتگو کا آغاز کس طرح کیا؟ اس کے متعلق وہ خود بیان کرتی ہیں کہ میں ایک نو عمر لڑکی تھی۔ میں نے بہت زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا۔ جب میرے والدین نے آپ ﷺ کو کوئی جواب نہیں دیا تو میں خود بول اٹھی۔ میں نے خطبہ پڑھا، اللہ کے شایانِ شان اس کی حمد و ثنا بیان کی، پھر عرض گزار ہوئی:

[1] صحيح البخاري: 4757. [2] السيرة لابن هشام: 314/3.

إِنِّي وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَقَدْ سَمِعْتُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ حَتَّى اسْتَقَرَّ فِي أَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهِ، فَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ: إِنِّي بَرِيئَةٌ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ، لَا تُصَدِّقُونَنِي بِذٰلِكَ، وَلَئِنِ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرٍ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنِّي مِنْهُ بَرِيئَةٌ، لَتُصَدِّقُنِّي، وَاللّٰهِ! مَا أَجِدُ لَكُمْ مَثَلًا إِلَّا قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ قَالَ: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُونَ﴾

''اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ آپ لوگوں نے اس افواہ پر کان دھرے، یہاں تک کہ یہ تہمت آپ کے دل و دماغ میں بیٹھ گئی اور آپ لوگوں نے اسے سچا سمجھ لیا۔ اب اگر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ میں اس تہمت سے بری ہوں، جبکہ اللہ جانتا ہے کہ میں واقعی اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ مجھے سچا نہیں سمجھیں گے اور اگر میں آپ سب کے سامنے (خواہ مخواہ) اس بات کا اعتراف کرلوں، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں، تو آپ مجھے سچا سمجھیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اور آپ لوگوں کی وہی مثال سمجھتی ہوں جیسے یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا۔ اب صبر بہتر ہے اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اس کے متعلق اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ گفتگو اس قدر شدید ذہنی صدمے کی حالت میں کی کہ انھیں سیدنا یوسف علیہ السلام کے والد یعقوب علیہ السلام کا نام ہی بھول گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے ذہن پر بہت زور دیا کہ یعقوب علیہ السلام کا نام یاد آجائے لیکن یاد نہ آیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑی ہمت کر کے اپنے آپ پر لگنے والی تہمت کے بارے میں یہ چند باتیں کی تھیں۔ انھوں نے اپنی پاکدامنی اور بے گناہی کا اظہار و اعلان کیا اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری مدد فرمائے گا۔ انھوں نے اپنی سچائی کے اظہار کے بعد اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی پر وحی کا نزول

آزمائش کی گھڑیاں ختم ہونے والی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو ختم ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی اور رسول اللہ ﷺ ابھی وہیں تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ پر وحی نازل ہونے لگی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جانتی تھی کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ میری براءت نازل فرما کر مجھے بری قرار دے گا۔ لیکن اللہ کی قسم! یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی ہمیشہ تلاوت کی جاتی رہے گی۔ میں تو خود کو اتنے بڑے درجے سے بہت کمتر خیال کرتی تھی۔ مجھے تو بس اتنی امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر میری سچائی اور بے گناہی روشن کر کے مجھے بری فرما دے گا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وحی نازل ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ابھی اس مجلس

سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے، نہ گھر کا کوئی فرد باہر گیا تھا کہ آپ پر وحی اترنے لگی۔ آپ ﷺ پر وہی کیفیت چھا گئی جو وحی اترتے ہوئے طاری ہو جاتی تھی۔ سردی کے دنوں میں بھی آپ کے بدن مبارک پر موتیوں کی طرح پسینہ چمکنے لگتا تھا۔[1] آپ کو چادر اوڑھا دی گئی اور آپ کے سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ رکھ دیا گیا۔[2]

عائشہ رضی اللہ عنہا کا اطمینان اور والدین کی پریشانی

جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی، اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کس قدر مطمئن تھیں اور ان کے والدین کتنے پریشان تھے، یہ انھی کی زبانی سنیے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو اللہ کی قسم! میں بالکل نہیں گھبرائی، نہ میں نے اس پر کوئی توجہ دی۔ کیونکہ میں تو جانتی تھی کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر ظلم نہیں کرے گا۔ رہی بات میرے والدین کی تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عائشہ کی جان ہے! ابھی رسول اللہ ﷺ پر وحی والی کیفیت ختم نہیں ہوئی تھی، مجھے یوں لگا کہ جیسے ان دونوں کی جان نکل جائے گی۔ وہ ڈر رہے تھے کہ لوگوں نے جو کچھ کہا ہے، مبادا اللہ کی طرف سے صحیح قرار دے دیا جائے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے خوشخبری سنادی

جب رسول اللہ ﷺ کی وہ کیفیت ختم ہوگئی جو وحی کے جلال سے آپ پر طاری ہو جاتی تھی تو آپ ﷺ مسکرا اُٹھے۔ یہ مسکراہٹ آپ کی خوشی کا پتہ دے رہی تھی۔ اب آپ ﷺ پر سارے معاملے کی اصل حقیقت کھل گئی تھی۔ آپ اپنی پیشانی مبارک سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے معاً فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ! أَمَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَقَدْ بَرَّأَكِ»

''عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمھیں بری کر دیا ہے۔''

یہ سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا کو کس قدر خوشی ہوئی، یہ وہی جانتی تھیں۔ ان کی والدہ نے ان سے کہا: اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی محبت پر پورا اعتماد تھا۔ انھوں نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے قدرے ناز کے انداز میں کہا:

وَاللّٰهِ! لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُ إِلَّا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ.

''اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف نہیں اٹھوں گی۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی۔''[4]

[1] صحيح البخاري :4141 و4750 و4757، فتح الباري :604/8. [2] السيرة لابن هشام :315/3. [3] السيرة لابن هشام : 315/3. [4] صحيح البخاري :4141 و4750.

انھوں نے یہ بات اس وجہ سے بھی کہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کی براءت کا اعلان فرمایا تھا، اس لیے وہی اس بات کا مستحق تھا کہ اس کی حمد کی جائے۔

براءت میں نازل ہونے والی دس آیات

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت وفضیلت کے کیا کہنے! اللہ تعالیٰ نے ان کی براءت میں ایک دو نہیں بلکہ یہ دس آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰۗىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ڰ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِھٰذَا ڰ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

”بے شک جو لوگ (ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر) بہتان گھڑ لائے وہ تمھی میں سے ایک گروہ ہیں، تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ وہ تمھارے لیے بہتر ہے، ان میں سے ہر شخص کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جو اس نے کمایا، اور ان میں سے وہ شخص جس نے اس (گناہ) کا بڑا بوجھ اٹھایا، اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ جب تم نے یہ (جھوٹ) سنا تو کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیا اور (یہ کیوں نہ) کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔ وہ اس (تہمت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی لوگ اللہ کے ہاں جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم جن باتوں میں پڑ گئے تھے اس پر تمھیں بہت بڑا عذاب آ پڑتا۔ جب تم اسے ایک دوسرے سے اپنی زبانوں کے ساتھ لیتے تھے اور اپنے مونہوں سے (وہ بات) کہہ رہے تھے جس کا تمھیں علم نہ تھا، اور تم اسے معمولی سمجھ رہے تھے، جبکہ وہ اللہ کے ہاں بہت بڑی بات ہے۔ اور جب تم نے اسے سنا تو کیوں نہ کہا: یہ ہمارے لائق نہیں کہ ہم اس کے متعلق بولیں (یا اللہ!) تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ

تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو دوبارہ ہرگز اس جیسی بات نہ کرنا۔ اور اللہ تمھارے لیے (اپنی) آیات بیان کرتا ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔ بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو اللہ بہتان لگانے والوں کو فوراً عذاب دیتا) اور یہ کہ بلاشبہ اللہ نہایت شفقت کرنے والا، (اور) بڑا رحم فرمانے والا ہے۔''[1]

ان دس آیات مبارکہ میں صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طہارت، براءت اور فضیلت ہی نہیں، بھلائی اور امن کی زندگی کے لیے نہایت اہم اصول اور احکام بھی دیے گئے جو یقیناً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اعلیٰ سیرت کی برکت سے نصیب ہوئے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین بالخصوص ان کے سرغنے عبداللہ بن ابی کی پوری سازش کا بھانڈا پھوڑ دیا اور ان کی سخت مذمت فرمائی۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی خوب ڈانٹ پلائی جو تہمت لگانے والوں میں تو شامل نہیں تھے لیکن انھوں نے اسے پھیلانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ واقعہ افک میں ملوث لوگوں کو سخت وعیدیں سنائی گئیں۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ اگر آپ پورے قرآن میں نافرمانوں کے متعلق بیان ہونے والی وعیدوں کی چھان پھٹک کریں تو آپ کو کہیں نہیں نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور امر کے بارے میں اتنی سخت وعید بیان کی ہو جتنی زبردست وعید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے لیے بیان کی ہے۔[2]

عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے اٹھ کر لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر مسرت چھلک رہی تھی۔ آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے اللہ کے شایانِ شان اس کی حمد و ثنا کی اور لوگوں سے خطاب فرمایا۔ آپ نے ان کے سامنے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے سلسلے میں نازل ہونے والی آیات تلاوت فرمائیں۔ یوں تمام لوگوں پر اس سارے معاملے کی اصلی حقیقت کھل گئی۔ ان کے سامنے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزہ اور بے داغ سیرت پوری طرح جلوہ نما ہوگئی۔

بہتان بازوں پر حد جاری کر دی گئی

اب ان لوگوں کی باری تھی جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے جرم میں شریک تھے۔ یہ تین افراد تھے: سیدنا مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ان پر حد نافذ کی گئی اور

[1] النور 24:11-20. [2] تفسیر الکشاف، النور 24:24,25.

انھیں بہتان طرازی کی پاداش میں اسی اسی کوڑے مارے گئے۔[1] ایسا اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان پر عمل کرتے ہوئے کیا گیا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً ﴾

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے، تو تم انھیں اسی کوڑے مارو۔''[2]
یہ حد اس لیے مقرر ہوئی کہ آئندہ اسلامی معاشرے میں کوئی ایسی ناپاک حرکت کرنے کی جرات نہ کرے۔

کیا ابنِ ابی پر حد نافذ ہوئی؟

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والا اصل مجرم رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا، وہی تھا جو اس جھوٹ کے طوفان کو اُچھالنے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مذکورہ بالا لوگوں کے ساتھ ابن ابی پر بھی حد لگائی گئی یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح احادیث میں ابن ابی کا نام ان لوگوں میں شامل نہیں جن پر حد لگائی گئی تھی۔ اس لیے یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس پر حد نہیں لگی۔ بعض روایات میں ابن ابی پر حد لگائے جانے کا ذکر موجود ہے لیکن وہ سب ضعیف اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔[3]

اکثر اہل علم اسی بات کے قائل ہیں کہ عبداللہ بن ابی پر حد نہیں لگی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ روایات میں جو بات مشہور اور علماء کے نزدیک معروف ہے، وہ یہی ہے کہ حسان، مسطح اور حمنہ رضی اللہ عنہم پر حد لگائی گئی لیکن ابن ابی پر حد لگائے جانے کا تذکرہ نہیں ملتا۔[4] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ابن ابی پر حد نہیں لگائی گئی۔

ابن ابی پر حد نہ لگانے کی مختلف وجوہ نقل کی گئی ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

1 کہا گیا ہے کہ حدود جس پر نافذ ہوں وہ اس کے لیے تخفیف اور کفارے کا باعث بنتی ہیں جبکہ خبیث ابن ابی اس لائق ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آخرت میں بہت بڑے عذاب کا فیصلہ کر رکھا ہے جو اس کے لیے حد کے مقابلے میں کافی ہے۔

2 یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابن ابی اس قدر چالاکی سے اس تہمت کی کھود کرید کرتا، طرح طرح کے رنگ بھرتا رہا اور اسے جگہ جگہ پھیلاتا رہا کہ اس بدترین عمل میں اس کا نام ہی نہ آئے۔

---

[1] جامع الترمذي: 3181، سنن أبي داود: 4474، 4475. [2] النور 24:4. [3] دیکھیے: مرویات غزوة بني المصطلق، ص: 324-337. [4] تفسير القرطبي، النور 24:11.

3 ایک قول یہ ہے کہ حد اقرار کرنے یا کسی کے گواہی دینے سے ثابت ہوتی ہے۔ ابن ابی نے تہمت لگانے کا اقرار کیا تھا، نہ کسی نے اس کے خلاف کوئی گواہی ہی دی۔ وہ اسے صرف اپنے چیلے چانٹوں میں بیان کرتا تھا۔ جو اس کے خلاف کوئی گواہی دینے کو تیار نہیں تھے۔ وہ مومنوں کے سامنے ایسی گفتگو نہیں کرتا تھا۔

4 بہتان طرازی کی حد آدمی کا حق ہے جو اس کے مطالبے ہی پر اسے دلا دیا جاتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ اللہ کا حق ہے، پھر بھی یہ ضروری ہے کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہو، وہ حد کا مطالبہ کرے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن ابی کے لیے حد کا مطالبہ ہی نہیں کیا۔

5 یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی مصلحت کی خاطر اس پر حد نافذ نہیں کی جو حد لگانے سے کہیں زیادہ بڑی تھی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نفاق ظاہر ہو جانے اور اس کے مسلمانوں کے خلاف زہریلے ارادے ثابت ہو جانے کے باوجود اسے قتل نہیں کیا۔ وہ مصلحت یہ تھی کہ اس کی قوم کی تالیف کی جائے اور انھیں اسلام سے متنفر نہ کیا جائے۔ اس کے قبیلے میں اس کی بات مانی جاتی تھی، وہ ان کا سردار تھا۔ اس پر حد نافذ کرنے میں خطرہ تھا مبادا کوئی نیا فتنہ بھڑک اٹھے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ درج بالا وجوہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ممکن ہے اسے ان تمام اسباب کی بنا پر چھوڑ دیا گیا ہو۔ [1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسطح پر خرچ نہ کرنے کی قسم کھالی

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہونے کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر غصہ آیا۔ وہ مسطح رضی اللہ عنہ پر اس کی غربت اور رشتہ داری کی وجہ سے اپنا مال خرچ کرتے تھے۔ مسطح ان کے احسان اور قرابت داری کو بھی خاطر میں نہ لائے اور ان کی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں شامل ہوگئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی وجہ سے ان پر سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے:

وَاللّٰهِ! لَا أُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِي قَالَ لِعَائِشَةَ مَا قَالَ.

”اللہ کی قسم! مسطح نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اب اس کے بعد میں کبھی مسطح پر کچھ خرچ نہیں کروں گا۔“

اللہ تعالیٰ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات پسند نہ آئی کیونکہ وہ تو عفو و درگزر کو پسند فرماتا ہے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم

1 زاد المعاد: 263/3.

انسان کے لیے تو ایسا کرنا ان کے شایانِ شان نہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ وحی نازل فرمادی:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾

”اور تم میں سے فضل اور وسعت والے، قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مالی مدد دینے سے قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ [1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اس آیت مبارکہ کا علم ہوا تو انھوں نے فوراً فرمان الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا اور بے ساختہ کہنے لگے:

بَلٰى وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لِي.

”کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میں تو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دیں۔“

اس کے بعد وہ مسطح رضی اللہ عنہ پر اسی طرح خرچ کرنے لگے جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا:

وَاللّٰهِ! لَا أَنْزِعُهَا مِنْهُ أَبَدًا. ”اللہ کی قسم! میں اب یہ وظیفہ کبھی بند نہیں کروں گا۔“ [2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرکے یہ الفاظ کہے:

بَلٰى وَاللّٰهِ! يَا رَبَّنَا إِنَّا لَنُحِبُّ أَنْ تَغْفِرَ لَنَا.

”کیوں نہیں، اللہ کی قسم! اے ہمارے پروردگار! ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرمادے۔“ [3]

علاوہ ازیں انھوں نے پہلے جو قسم کھائی تھی، اُسے توڑنے کا کفارہ بھی ادا کیا۔ [4]

رسول اللہ ﷺ کی سرداران اوس وخزرج کے درمیان صلح

رسول اللہ ﷺ نے جب لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کرکے ان سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگنے والی تہمت کے سلسلے میں گفتگو فرمائی تھی تو اس وقت اوسی سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور خزرجی سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے اوس وخزرج کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھے تھے۔ آپ نے اس وقت تو انھیں خاموش کرا کر معاملہ رفع دفع کرا دیا تھا لیکن اس کے باوجود آپ چاہتے تھے کہ ایک مرتبہ ان کی آپس میں صلح کرادی جائے تاکہ اگر دل میں ایک دوسرے کے بارے میں کوئی رنجش موجود ہو تو وہ نکل جائے۔ آپ ویسے بھی صحابہ

[1] النور 24:22. [2] صحيح البخاري: 4141. [3] صحيح البخاري: 4757. [4] السنن الكبرى للبيهقي: 10/37.

کے درمیان صلح صفائی کا بے حد اہتمام فرماتے تھے۔ آپ نے اوس وخزرج کے دونوں سرداروں کے درمیان نہایت حکیمانہ انداز میں صلح کرائی۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہونے کے بعد کچھ دن تو آپ ٹھہرے رہے۔ پھر اچانک ایک روز آپ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ان کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ آپ انھیں لے کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ وہاں بیٹھ کر آپس میں کچھ دیر بات چیت کرتے رہے۔ اس دوران میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے مہمان نوازی کرتے ہوئے کھانا پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کھانا کھایا۔ پھر آپ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

کچھ دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما۔ ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ آپ انھیں لے کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر وہاں آپس میں گفتگو ہوتی رہی۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کھانا پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کھانا کھایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس چلے آئے۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل مبارک سے سرداران اوس وخزرج اور ان کے قبیلے کے لوگوں کے دل ایک دوسرے کے بارے میں اچھی طرح صاف ہوگئے۔ اور ان کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کے اثرات بالکل ختم ہوگئے۔

صفوان اور حسان رضی اللہ عنہما کی سرگزشت

سیدنا صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جن پر منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کے ساتھ خیانت کی تہمت لگائی تھی، ان کی بے گناہی اور پاک دامنی بھی عیاں ہوکر سب کے سامنے آگئی۔ انھیں ان لوگوں پر سخت غم وغصہ تھا جنھوں نے ان کے دامن کو داغدار کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہوگئے تھے۔ مزید برآں انھوں نے کچھ ایسے اشعار بھی کہہ ڈالے جن میں صفوان رضی اللہ عنہ اور مضر قبیلے کے عرب مسلمانوں کی عیب جوئی کی گئی تھی۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ کو جب اس کا علم ہوا تو انھیں حسان رضی اللہ عنہ پر بے حد غصہ آیا۔ انھوں نے حسان رضی اللہ عنہ پر تلوار ماری۔ ثابت قیس بن شماس رضی اللہ عنہ قریب ہی موجود تھے۔ انھوں نے فوراً صفوان رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر باندھ دیا اور اپنے ساتھ بنو حارث بن خزرج کے محلے کی طرف لے کر چل پڑے۔ رستے میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ثابت رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے پوچھا: یہ کیا معاملہ ہے؟ ثابت بولے: انھوں نے حسان کو تلوار کی ضرب لگائی ہے، کیا آپ کو اس پر تعجب نہیں ہوا؟ اللہ کی قسم! مجھے تو یوں لگ رہا تھا کہ یہ انھیں قتل کر ڈالیں گے۔

[1] المغازي للواقدي: 371/1.

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم نے جو کیا ہے، کیا رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کی خبر ہے؟ وہ بولے! اللہ کی قسم! نہیں۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بولے: تب تو تم نے بڑی دلیری دکھائی ہے۔ اس شخص کو رہا کردو۔ اس پر انھوں نے صفوان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ آپ کے گوش گزار کیا۔ آپ ﷺ نے سیدنا حسان اور صفوان رضی اللہ عنہما دونوں کو طلب فرما لیا۔ صفوان رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولے: اللہ کے رسول! حسان نے مجھے ایذا پہنچائی ہے اور میری ہجو کی ہے۔ اس پر مجھے غصہ آ گیا تو میں نے انھیں تلوار کی ضرب لگا دی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حسان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

«أَحْسِنْ يَا حَسَّانُ! أَتَشَوَّهْتَ عَلٰى قَوْمِي أَنْ هَدَاهُمُ اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ»

''حسان! احسان کرو۔ کیا تم نے میری قوم پر اس وجہ سے نکتہ چینی کی ہے کہ اللہ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔''

ابن ہشام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی بیان کیے گئے ہیں:

«أَبَعْدَ أَنْ هَدَاكُمُ اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ»

''اللہ نے تمھیں اسلام کی ہدایت عطا فرما دی، پھر بھی تم نے ایسا کیا؟''

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

«أَحْسِنْ يَا حَسَّانُ! فِي الَّذِي أَصَابَكَ»

''حسان! تمھیں (صفوان کی طرف سے) جو زخم لگا ہے، اس کے بارے میں تم احسان کرو۔''

حسان رضی اللہ عنہ فوراً بولے: اللہ کے رسول! میں اسے آپ کی خاطر معاف کر دیتا ہوں۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کی صلح کرا دی۔ آپ نے حسان رضی اللہ عنہ کو لگنے والی ضرب کے بدلے میں انھیں بیرحاء باغ عنایت فرمایا۔ یہ ابوطلحہ بن سہیل انصاری رضی اللہ عنہ کا تھا جو انھوں نے صدقے کی غرض سے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ نے وہ باغ حسان رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اس کے ساتھ آپ نے انھیں ایک قبطی لونڈی بھی دی جس کا نام سیرین تھا۔



باغ بئر حاء کا مقام (مدینہ منورہ)

حسان رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبدالرحمٰن انھی کے بطن سے تھا۔ [1]

حسان رضی اللہ عنہ کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے معذرت

سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی محسوس کر لی اور اس پر انھیں بے حد ندامت ہوئی کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آ کر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے ساتھ جا ملے، حالانکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ بہر حال حسان رضی اللہ عنہ سے انسان ہونے کے ناتے یہ غلطی سرزد ہوئی تھی۔ انھوں نے بعد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے معذرت کی اور ان کی پاکدامنی کو اشعار کی صورت میں بیان کیا۔ یہ اشعار درج ذیل ہیں:

حَصَانٌ رَزَانٌ مَّا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثَى مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ

''وہ (عائشہ رضی اللہ عنہا) پاکدامن اور باوقار ہیں۔ ان پر کسی شک وشبہ کی بنا پر تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔ وہ بے خبر عورتوں کی سی غیبت سے پاک رہ کر صبح کرتی ہیں۔''

عَقِيلَةُ حَيٍّ مِّنْ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ
كِرَامِ الْمَسَاعِي مَجْدُهُمْ غَيْرُ زَائِلِ

''وہ لوی بن غالب کے ایسے قبیلے کی بلند مرتبہ خاتون ہیں جس کی خدمات قابل ستائش ہیں اور بزرگی لازوال ہے۔''

مُهَذَّبَةٌ قَدْ طَيَّبَ اللّٰهُ خِيمَهَا
وَطَهَّرَهَا مِنْ كُلِّ سُوءٍ وَّبَاطِلِ

''وہ مہذب خاتون ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی اچھی طبیعت کا مالک بنایا ہے اور انھیں ہر برائی اور بے بنیاد بات سے پاک رکھا ہے۔''

فَإِنْ كُنْتُ قَدْ قُلْتُ الَّذِي قَدْ زَعَمْتُمْ
فَلَا رَفَعَتْ سَوْطِي إِلَيَّ أَنَامِلِي

[1] السيرة لابن هشام: 319,318/3.

"اگر میں نے وہ بات کہی ہے جو تم سمجھ رہے ہو تو (اللہ کرے) میری انگلیاں میرا کوڑا نہ اٹھا سکیں۔"

وَكَيْفَ وَوُدِّي مَا حَيِيتُ وَنُصْرَتِي
لِآلِ رَسُولِ اللّٰهِ زَيْنُ الْمَحَافِلِ

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ زندگی بھر میری محبت اور میری حمایت و نصرت رسول اللہ ﷺ کی آل کے لیے وقف ہے جو محفلوں کو زینت بخشنے والے ہیں۔"

لَهُ رَتَبٌ عَالٍ عَلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ
تَقَاصَرُ عَنْهُ سَوْرَةُ الْمُتَطَاوِلِ

"انھیں سب لوگوں پر بلند رتبہ حاصل ہے۔ غرور کرنے والے آدمی کی تیزی اسے پانے سے قاصر ہے۔"

فَإِنَّ الَّذِي قَدْ قِيلَ لَيْسَ بِلَائِطٍ
وَلٰكِنَّهُ قَوْلُ امْرِئٍ بِي مَاحِلِ

"بے شک جو بات کہی گئی ہے، وہ چمٹ جانے والی نہیں، لیکن وہ تو ایسے شخص کی بات ہے جو میری چغل خوری کرنے والا ہے۔"[1]

حسان رضی اللہ عنہ کے لیے عائشہ رضی اللہ عنہا کے نیک جذبات

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدنا حسان رضی اللہ عنہ سے کچھ ناراض رہیں۔ ان کی یہ ناراضی ایک فطری ردعمل تھا۔ انھیں حسان سے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ ان کے خلاف تہمت لگانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل ان کے بارے میں صاف تھا۔ وہ ان کے متعلق نہ صرف اچھے خیالات کا اظہار فرماتی تھیں بلکہ ان کا دفاع بھی کرتی تھیں۔ وہ اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتی تھیں کہ کوئی حسان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہے۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ یہ شعر حسان رضی اللہ عنہ ہی نے کہا تھا:

فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءُ

[1] السيرة لابن هشام: 320,319/3.

”بے شک میرے باپ دادا اور میری آبرو محمد ﷺ کی عزت (کی حفاظت) کے لیے تمھارے آگے ڈھال بنی رہے گی۔“ [1]

عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حسان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے ٹوک دیا۔ فرمایا:

لَا تَسُبَّهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

”انھیں برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے تھے۔“

وہ مزید کہنے لگیں کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«كَيْفَ بِنَسَبِي؟»

”میرے نسب کا کیا کرو گے؟“

انھوں نے عرض کیا کہ میں آپ کو ان سے اس طرح الگ کرلوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ [2]

ہار کی گمشدگی کا ایک اور واقعہ


مسجد اسماء بنت ابی بکر، علم، مسقط (عُمان)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی گمشدگی کا ایک اور واقعہ احادیث میں بیان ہوا ہے۔ یہ ہار انھوں نے اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریتاً لیا تھا۔ [3]

اس واقعے کی تفصیل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبانی سنیے، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ جب ہم بیداء یا ذات الجیش کے مقام پر پہنچے تو میرا ایک ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاش میں وہیں قیام فرمایا۔ لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے۔ وہاں پانی نہیں تھا۔ لوگ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بولے:

[1] صحيح البخاري: 4141، [2] صحيح البخاري: 4145، [3] صحيح البخاري: 336.

آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ عائشہ نے کیا کر دیا ہے؟ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور سب لوگوں کو یہاں روک لیا ہے جبکہ یہاں کہیں پانی نہیں ہے، نہ لوگوں کے پاس پانی موجود ہے۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت اپنا سر مبارک میری ران پر رکھے سو رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تم نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو روک لیا ہے، حالانکہ نہ یہاں کہیں پانی ہے، نہ لوگوں کے پاس پانی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ پر بہت خفا ہوئے اور مجھے وہ کچھ کہا جو اللہ نے چاہا۔ ساتھ ہی وہ اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگانے لگے۔ میں نے صرف اس لیے حرکت نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب صبح کے وقت بیدار ہوئے تو پانی کا نام ونشان نہ تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی یہ آیت نازل فرما دی:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○﴾

”اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو) اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی ضروری حاجت سے (فارغ ہو کر) آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو، پھر اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لو، اللہ نہیں چاہتا کہ تمھیں تنگی میں ڈالے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کر دے، اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔“ [1]

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد سب نے تیمّم کیا۔ اس موقع پر سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

مَاهِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ.

”اے آلِ ابوبکر! یہ تمھاری کوئی پہلی برکت نہیں۔“ [2]

ایک روایت میں ہے کہ اسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

[1] المائدة 5:6. [2] صحيح البخاري: 334 و 3608.

جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا، فَوَاللّٰهِ! مَانَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ خَيْرًا.

''اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ کی قسم! جب بھی آپ کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ پیش آیا جو آپ کو ناگوار لگتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے آپ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے بھلائی پیدا فرما دی۔''[1]

ایک اور جگہ یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں:

فَوَاللّٰهِ! مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ قَطُّ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ لَكِ مِنْهُ مَخْرَجًا وَّجَعَلَ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ بَرَكَةً.

''اللہ کی قسم! آپ کے ساتھ جب بھی کوئی بات پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس سے نکلنے کی راہ نکال دی اور مسلمانوں کے لیے بھی اس میں برکت رکھ دی۔''[2]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس اونٹ پر میں سوار تھی، ہم نے اسے اٹھایا تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔[3]

تیمم کا حکم کب نازل ہوا

اب غور طلب بات یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی گمشدگی کا درج بالا واقعہ کب پیش آیا اور تیمم کا حکم کب نازل ہوا؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تو صرف اتنے الفاظ بیان ہوئے ہیں کہ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے۔'' یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ سفر کون سا تھا۔ آیئے! ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ سفر کون سا تھا۔ اس سلسلے میں بنیادی طور پر دو موقف ہیں۔

بعض علماء میں سرفہرست علامہ ابن عبدالبر، ابن سعد اور ابن حبان رحمہم اللہ ہیں۔ ان سے پہلے واقدی نے بھی اسے واقعۂ افک کے شروع میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک غزوۂ بنو مصطلق کے سفر میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا دو مرتبہ ہار گم ہوا۔ پہلی مرتبہ گم ہوا تو آیت تیمم نازل ہوئی اور دوسری بار گم ہوا تو واقعۂ افک پیش آیا۔[4]

دیگر کئی علماء کا کہنا ہے کہ تیمم والا واقعہ غزوۂ بنو مصطلق کے بجائے کسی دوسرے غزوے میں پیش آیا۔ ان کی دلیل معجم طبرانی کی وہ حدیث ہے جس میں اس کی باقاعدہ صراحت موجود ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میرے ہار گم ہونے کا واقعہ پیش آیا اور تہمت لگانے والوں نے جو کچھ کہا تو اس کے بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کسی دوسرے غزوے میں نکلی۔ میرا ہار ایک دفعہ پھر گر گیا۔ لوگوں کو اس کی تلاش کی وجہ سے رکنا پڑا اور طلوع فجر کا وقت ہوگیا۔ مجھے منشائے ربانی سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے مجھ سے کہا: بیٹی! تم ہر سفر میں لوگوں کے لیے مشقت اور مصیبت کا باعث بن جاتی ہو۔ لوگوں کے پاس پانی موجود نہیں تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ

[1] صحيح البخاري: 336. [2] صحيح البخاري: 3773. [3] صحيح البخاري: 334. [4] المغازي للواقدي: 1/362-365.

نے تیمّم کی رخصت عطا فرما دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: بیٹی! اللہ کی قسم! مجھے علم تھا کہ تم باعثِ برکت ہو۔ [1]

علامہ ابن سید الناس رحمہ اللہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ روایت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دونوں واقعے دو الگ الگ غزووں میں پیش آئے تھے۔ [2] حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں کہ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہار کی گمشدگی کا واقعہ جس کی وجہ سے تیمّم کا حکم نازل ہوا، وہ غزوۂ بنو مصطلق کے بعد پیش آیا تھا اور یہی بات واضح ہے۔ غزوۂ بنو مصطلق میں تو ہار گم ہو جانے اور تلاش کرنے کی وجہ سے واقعۂ افک رُونما ہو گیا تھا۔ چنانچہ بعض علماء کو مغالطہ ہوا اور یہ قصہ ایک دوسرے قصے کے ساتھ خلط ملط ہو گیا۔ [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ روایت اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ یہ دونوں الگ الگ سفر تھے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے بھی یہ پتا چلتا ہے کہ تیمّم والا واقعہ، واقعۂ افک کے بعد پیش آیا۔ اس طرح ان لوگوں کے قول کو تقویت مل جاتی ہے جو ہار کی متعدد بار گمشدگی کے قائل ہیں۔ [4] یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ تیمّم والا واقعہ غزوۂ بنو مصطلق کے بجائے کسی دوسرے غزوے میں پیش آیا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ وہ دوسرا غزوہ کون سا تھا۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محمد بن حبیب رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ وہ غزوہ ذات الرقاع تھا۔ [5] واللہ اعلم بالصواب

[1] المعجم الكبير لطبراني :122,121/23. [2] عيون الأثر، ص :305,304. [3] زاد المعاد :259/3. [4] فتح الباري :564,563/1.
[5] فتح الباري :563/1، مزید دیکھیے: مرويات غزوة بني المصطلق، ص :465-481.

رسول اللہ ﷺ کی جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی

بنو مصطلق کے جو لوگ قیدی بن کر آئے تھے، ان میں جویریہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ یہ بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ ان کی قید ان کے لیے اتنی بڑی خوش نصیبی کا سبب بن گئی کہ ایسی قید پر ہزاروں آزادیاں بہت خوشی سے قربان کی جاسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک لازوال شرف سے نوازنے کا فیصلہ فرما رکھا تھا۔ ان کی اسیری اسی کا پیش خیمہ تھی۔ ان کی قسمت جاگ اٹھی۔ وہ قیدی بن کر آئی تھیں لیکن اللہ کے کرم سے ام المومنین بن گئیں۔ سید الاولین والآخرین جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔ بس اس شادی کے بعد جویریہ رضی اللہ عنہا کے لیے دنیا اور آخرت کی سعادتوں کے دروازے کھل گئے۔ انھیں عزت و احترام کی اتنی اونچی جگہ مل گئی جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی تھی۔ ان کی یہ شادی جہاں ان کے لیے بابرکت ثابت ہوئی، وہاں ان کی قوم کو بھی اس کا بھرپور فائدہ ہوا اور انھیں بھی اس کے برکات و ثمرات سمیٹنے کا موقع ملا۔ آئیے! اب ہم اس بابرکت شادی کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

جویریہ رضی اللہ عنہا ثابت رضی اللہ عنہ یا ان کے چچازاد کے حصے میں

سیدنا جویریہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ان کے چچازاد مسافع بن صفوان سے ہوئی تھی۔ یہ نوجوان غزوۂ بنو مصطلق کے دوران کفر ہی کی حالت میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ جویریہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی قید میں آئیں رسول اللہ ﷺ نے جب مسلمانوں کے درمیان قیدی تقسیم فرمائے تو جویریہ رضی اللہ عنہا سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچازاد بھائی کے حصے میں آئیں۔

جویریہ رضی اللہ عنہا کی مکاتبت

جویریہ رضی اللہ عنہا بہت پریشان تھیں۔ انھیں طرح طرح کے صدموں نے گھیر رکھا تھا: بنو مصطلق کی شکست کا غم، اپنے اور اپنی قوم کے قیدی بننے کا صدمہ، اپنے خاوند کے مارے جانے کا صدمہ۔ جویریہ رضی اللہ عنہا کو یہ پریشانی کھائے جا رہی تھی کہ وہ کسی کی لونڈی بن کر بھلا کس طرح زندگی گزار سکیں گی۔ انھیں اپنے لیے یہ ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کی عمر زیادہ نہیں تھیں۔ دوسری یہ کہ وہ کوئی عام خاتون نہیں تھیں بلکہ ایک سرادار کی بیٹی

تھیں۔ ان کی پرورش ناز ونعم میں ہوئی تھی۔ اب اچانک غلامی کی زندگی بسر کرنا ان کے لیے سوہانِ روح بن گیا۔ وہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچا زاد کے حصے میں آئیں تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ میں ہر صورت غلامی سے نجات حاصل کروں گی، چنانچہ انھوں نے اپنے مالک سے مکاتبت کرلی۔

مکاتبت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی غلام یا لونڈی اپنے مالک سے یہ سمجھوتہ کرلے کہ وہ ایک مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائے گی۔ جویریہ رضی اللہ عنہا کی مکاتبت میں اپنے مالک سے جو رقم طے ہوئی، وہ نو اوقیہ تھی۔ ایک اوقیہ 40 درہم کا ہوتا ہے۔ اس طرح نو اوقیے 360 درہم کے بنتے ہیں۔ ایک درہم 2.975 گرام کا ہوتا ہے۔ یوں 360 درہم کا وزن 1071 گرام بنتا ہے۔

دربارِ نبوت میں فریاد

جویریہ رضی اللہ عنہا سیرت اور صورت کے لحاظ سے حسین و جمیل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ذہین و فطین بھی تھیں۔ مکاتبت کر لینے کے بعد اب انھیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ وہ یہ رقم کیسے اور کہاں سے ادا کریں گی۔ اس کے لیے انھیں کسی کے تعاون کی ضرورت تھی۔ اس پریشان کن صورت حال میں اُنھیں خیال آیا کہ کیوں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں اور آپ سے اس سلسلے میں تعاون کی درخواست کروں۔

جویریہ رضی اللہ عنہا جیسی خاتون کے لیے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا آسان نہیں تھا لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق سے باخبر ہو چکی تھیں۔ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ آپ نہایت رحم دل اور دوسروں پر ترس کھانے والی شخصیت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان حال لوگوں کی مدد فرماتے ہیں، کسی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتے۔ انھیں یقین تھا کہ جب میں اپنا دُکھڑا آپ کی خدمت میں پیش کروں گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا غم سناؤں گی تو آپ میری پریشانی کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالیں گے اور مجھے غلامی سے نجات دلانے میں میری ہر ممکن مدد کریں گے۔

ان ساری باتوں کے پیش نظر جویریہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز ہمت کی اور بہت پُر امید ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھے۔ اب ہم عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبانی یہ واقعہ پیش کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کے قیدیوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا تو جویریہ بنت حارث، سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصے میں آئیں۔ وہ نہایت خوش مزاج اور دلکش حسن و جمال کی مالک تھیں۔ وہ اپنی مکاتبت کے سلسلے میں مالی تعاون کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! جویریہ میرے حجرے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئیں۔ میں نے انھیں دیکھا

تو مجھے ان کا آنا ناگوار گزرا۔ میں جان گئی کہ رسول اللہ ﷺ بھی وہی کچھ دیکھیں گے جو میں نے دیکھا ہے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں اندر آگئیں اور بولیں:

اللہ کے رسول! میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میرا نام جویریہ ہے۔ حارث اپنی قوم کا سردار ہے۔ میرا معاملہ آپ سے مخفی نہیں۔ میں جس آزمائش میں مبتلا ہوں، آپ ﷺ اس سے واقف ہیں۔ میں ثابت بن قیس یا اس کے چچازاد کے حصے میں آئی ہوں۔ میں نے ان سے اپنے بارے میں مکاتبت کرلی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ رقم ادا کرنے کے سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی پیشکش

رسول اللہ ﷺ نے توجہ سے جویریہ ؓ کی پوری بات سنی، پھر ارشاد فرمایا:

«فَهَلْ لَّكِ فِي خَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكِ؟»

''کیا تم اس سے بھی بہتر چیز چاہتی ہو؟''

وہ بولیں: اللہ کے رسول! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

«أَقْضِي كِتَابَتَكِ وَ أَتَزَوَّجُكِ»

''میں تمھاری مکاتبت کی رقم ادا کردیتا ہوں اور تم سے شادی کرلیتا ہوں۔''

جویریہ ؓ شادی کے لیے آناً فاناً جی جان سے راضی ہوگئیں

سیدہ جویریہ ؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ پیشکش سنی تو وہ فوراً آمادہ ہوگئیں۔ بھلا ان کے لیے اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہوسکتی تھی کہ وہ نہ صرف غلامی کی زندگی سے نکل جائیں بلکہ سید البشر محسن انسانیت ﷺ کے حرم کی زینت بن جائیں۔ انھوں نے فوراً عرض کیا: اللہ کے رسول! ٹھیک ہے۔ میں راضی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ فَعَلْتُ» ''(ٹھیک ہے) میں نے ایسا کردیا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی جویریہ ؓ سے شادی

رسول اللہ ﷺ نے جویریہ ؓ کی مکاتبت کی رقم ادا کرکے ان سے شادی کرلی۔ اس طرح یہ رقم ہی ان کا حق مہر

[1] مسند أحمد: 277/6، سنن أبي داود: 3931.

بنی۔ اس وقت جویریہ رضی اللہ عنہا کی عمر 20 سال تھی۔ ان کی خوش نصیبی تھی کہ ان کا نام جویریہ بھی خود رسول اللہ ﷺ نے رکھا۔ ان کا پرانا نام بَرَّہ تھا۔ اس کے معنی ہیں: نیکو کار۔ رسول اللہ ﷺ نے بدل کر جویریہ رکھ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ نام پسند نہیں تھا اور آپ ﷺ کو گوارہ نہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ برہ کے پاس سے نکلے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی اُن کی دلجوئی اور عزت افزائی کے پیش نظر کی تھی۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ بنو مصطلق کے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور ان کے ساتھ گہرا ربط وتعلق قائم ہو جائے۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے بارے جو عداوت ونفرت کے جذبات ہیں، ان کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔

جویریہ رضی اللہ عنہا کے خواب کی تعبیر

رسول اللہ ﷺ کی جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی اس خواب کی تعبیر تھی جو خود جویریہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تھا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد سے تین راتیں پہلے یہ خواب دیکھا کہ گویا چاند یثرب سے چلا آرہا ہے اور آکر میری گود میں گر گیا ہے۔ میں نے لوگوں میں سے کسی کو بھی یہ خواب بتانا پسند نہیں کیا۔ جب ہمیں قید کیا گیا تو اس وقت مجھے اس خواب کے پورا ہونے کی امید پیدا ہوگئی۔ [2]

بنو مصطلق کے قیدیوں کی رہائی

رسول اللہ ﷺ کی جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا بنو مصطلق کے قیدیوں کو بے حد فائدہ ہوا۔ ہوا یہ کہ اس شادی کی خبر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوئی تو انھیں بے حد خوشی ہوئی۔ وہ سوچنے لگے کہ اب ہم بنو مصطلق کے لوگوں کو کس طرح قیدی بنا کر رکھ سکتے ہیں۔ یہ لوگ تو رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار بن چکے ہیں، چنانچہ صحابہ کرام کے قبضے میں بنو مصطلق کے جتنے قیدی تھے، انھوں نے ان سب کو آزاد کر دیا اور کہنے لگے: أَصْهَارُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. ''یہ تو رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

فَلَقَدْ أُعْتِقَ بِتَزْوِيجِهِ إِيَّاهَا مِائَةُ أَهْلِ بَيْتٍ مِنْ بَنِي الْمُصْطَلِقِ، فَمَا أَعْلَمُ امْرَأَةً كَانَتْ أَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَى قَوْمِهَا مِنْهَا.

''رسول اللہ ﷺ نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اس کی وجہ سے بنو مصطلق کے ایک سو گھرانے آزاد کر دیے گئے۔ میں نہیں جانتی کہ کوئی عورت جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے برکت والی ثابت ہوئی ہو۔'' [3]

---

[1] المستدرك للحاكم : 4/ 27. [2] المستدرك للحاكم : 4/ 27. [3] مسند أحمد : 6/ 277، السيرة لابن هشام : 3/ 207،208.

تمام مسلمانوں نے اپنی خوشی سے رضا کارانہ طور پر بنو مصطلق کے قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ جویریہ ﷞ نے اس حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی، نہ ایسا کرنے کو کہا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ اللہ کی قسم! جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے آزاد کر کے مجھ سے شادی کی تو میں نے آپ ﷺ سے اپنی قوم کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ مسلمانوں نے خود ہی میری قوم کے قیدی رہا کر دیے۔ مجھے تو ایک لونڈی کے ذریعے سے جو میرے چچا کی بیٹیوں میں سے تھی، یہ بات معلوم ہوئی اس نے مجھے یہ خبر سنائی تو میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ [1]

حارث بن ابی ضرار نے اسلام قبول کرلیا

سیدہ جویریہ ﷞ کے والد حارث بن ابی ضرار بنو مصطلق کے سردار تھے۔ یہ وہی تھے جو مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لیے لشکر جمع کر رہے تھے۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے ان کی کایا پلٹ دی اور انھیں اسلام کے زیور سے آراستہ کر دیا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ انتہائی دلچسپ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حارث بن ابی ضرار کو رہ رہ کر یہ احساس ستا رہا تھا کہ اس کی بیٹی مسلمانوں کی قید میں ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کسی طرح اسے رہا کرایا جائے۔ اس نے اپنی بیٹی کے فدیے کا بندوبست کیا اور مدینہ کی طرف چل دیا۔ جب وہ وادیٔ عقیق میں پہنچا تو اس نے اُن اونٹوں پر نظر ڈالی جو وہ فدیے میں دینے کے لیے لایا تھا۔ اس نے ان میں سے سب سے اچھے دو اونٹ روک لیے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ میں یہ دو اونٹ فدیے میں نہیں دوں گا۔ اس نے ان دو اونٹوں کو عقیق کی گھاٹیوں میں چھپا دیا۔ پھر وہ دوسرے اونٹ لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: آپ لوگوں نے میری بیٹی کو اپنی قید میں رکھا ہوا ہے۔ یہ اس کا فدیہ حاضر ہے۔ (آپ اسے قبول فرمائیں اور میری بیٹی کو رہا کر دیں)۔ اس کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَأَيْنَ الْبَعِيرَانِ الَّذَانِ غَيَّبْتَ بِالْعَقِيقِ كَذَا وَكَذَا؟»

”وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنھیں تم نے عقیق کی فلاں فلاں گھاٹی میں غائب کر دیا ہے؟“

حارث بن ابی ضرار نے جب آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بات سنی تو ہکا بکا رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ آپ کو یہ بات اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے ذریعے بتائی ہے۔ اور یہ آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت کی بڑی پکی دلیل ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً یہ اعلان کر دیا:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ، فَوَاللّٰهِ! مَا اطَّلَعَ فِعْلِي ذٰلِكَ إِلَّا اللّٰهُ.

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ

[1] المغازي للواقدي :348/1.

کے سوا کسی کو میرے اس کام کی خبر نہیں تھی۔ (اسی نے آپ کو اس سے آگاہ کیا ہے)۔"[1]

بنو مصطلق اسلام کے شیدائی بن گئے

رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق کے ساتھ ان کی توقع کے خلاف نرمی اور شفقت و محبت کا جو سلوک فرمایا، اُس کے ان کے دلوں پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ آپ نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اس کے بہت بابرکت نتائج برآمد ہوئے۔ ایک طرف بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو دوسری طرف ان کے قبیلے کے لوگ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ یوں بنو مصطلق کے لوگ، جو کل تک مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے، اب اسلام کے شیدائی بن گئے۔ ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور انھیں مزید عزت ملی۔ اب بنو مصطلق خود غلبۂ اسلام کے لیے کوشاں ہو گئے۔ ان کے تمام تر وسائل اور صلاحیتیں اسلام کی خدمت میں صرف ہونے لگیں۔ وہ دین کے داعی بن کر زندگی بسر کرنے لگے۔ انھوں نے عملی طور پر جہاد میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ان کے سردار کی بیٹی سے شادی کرنے کی وجہ سے ان کے قبیلے کی عزت کو چار چاند لگ گئے اور ان کی قدر و منزلت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ ان کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت ہو جانے ہی کی وجہ سے تو صحابہ نے ان کے سارے قیدی آزاد کر دیے تھے۔

ادائے زکاۃ کا واقعہ

بنو مصطلق کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں سرگرم رہنے اور اچھے مسلمان ثابت ہونے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بڑی خوشی کے ساتھ بہت پابندی سے زکاۃ ادا کیا کرتے تھے، حالانکہ اس وقت عربوں کے لیے زکاۃ دینا نہایت مشکل تھا۔ بنو مصطلق کے زکاۃ ادا کرنے کا ایک واقعہ مختلف روایات میں بیان ہوا ہے۔ یہ واقعہ اس لحاظ سے انتہائی اہم ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کی وجہ سے خبر کی تحقیق کرنے کا حکم نازل فرمایا۔ اس قصے کے راوی بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ ہیں۔

حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں نے معاً اسلام قبول کر لیا، پھر آپ نے مجھے زکاۃ دینے کی دعوت دی تو میں نے اس کا بھی اقرار کیا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اپنی قوم کے پاس واپس جا کر انھیں اسلام قبول کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جو میری دعوت قبول کر لے گا، میں اس کی زکاۃ جمع کر لوں گا۔ آپ فلاں فلاں وقت میرے پاس اپنا قاصد

[1] أسد الغابة: 381/1، الإصابة: 674,673/1.

بھیج دیجیے گا تا کہ جو زکاۃ میں نے جمع کر رکھی ہوگی، وہ اسے آپ ﷺ تک پہنچا دے۔

اس کے بعد جب حارث ؓ نے ان لوگوں سے زکاۃ وصول کر کے جمع کر لی جنھوں نے ان کی بات مان لی تھی اور وہ وقت بھی آ پہنچا جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف اپنا قاصد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا تو ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد نہیں پہنچا۔ حارث ؓ سمجھے کہ شاید اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی ناراضی ہوگئی ہے جس کی وجہ سے ابھی تک قاصد نہیں آیا۔ حارث ؓ نے اپنی قوم کی سرکردہ شخصیات کو طلب کیا اور ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ ایک وقت مقرر فرمایا تھا کہ آپ ﷺ میری طرف اپنا قاصد روانہ فرمائیں گے تا کہ میرے پاس زکاۃ کا جو مال ہے، وہ اسے اپنی تحویل میں لے لے۔ رسول اللہ ﷺ کبھی وعدہ خلافی نہیں کر سکتے۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے کسی ناراضی کی وجہ سے اپنے قاصد کو روک لیا ہے، اس لیے آؤ ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط ؓ کو حارث ؓ کی طرف روانہ فرمایا تا کہ وہ ان سے جمع شدہ زکاۃ کا مال لے آئیں۔ جب ولید ؓ روانہ ہوئے تو رستے ہی میں کسی وجہ سے خوف زدہ ہو کر واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! حارث نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حارث ؓ کی طرف ایک دستہ روانہ فرما دیا۔ اُدھر حارث ؓ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ رہے تھے۔ جب دستہ مدینہ سے آگے بڑھا تو رستے میں حارث ؓ سے ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ وہ لوگ کہنے لگے: یہ تو حارث ہیں۔ جب وہ قریب پہنچے تو حارث ؓ نے ان سے پوچھا: تمھیں کس کی طرف بھیجا گیا ہے؟ وہ بولے: تمھاری طرف۔ حارث نے پوچھا: وہ کیوں؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ ؓ کو تمھاری طرف روانہ کیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ تم نے انھیں زکاۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور انھیں قتل کرنا چاہا ہے۔ حارث ؓ بولے: اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! ایسا نہیں ہوا۔ میں نے تو انھیں دیکھا ہی نہیں، نہ وہ میرے پاس آئے۔

پھر جب حارث ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَنَعْتَ الزَّكَاةَ وَأَرَدْتَّ قَتْلَ رَسُولِي!»

''تم نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قاصد کو قتل کرنا چاہا!''

حارث ؓ نے عرض کی: نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں نے تو اسے دیکھا ہی نہیں، نہ وہ میرے پاس آیا ہے۔ میں تو آپ ﷺ کی خدمت میں اسی لیے آیا ہوں کہ مجھے آپ کے قاصد کے نہ پہنچنے پر تشویش ہوئی اور یہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی ناراضی ہوگئی

ہے۔ چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجرات کی درج ذیل آیات نازل فرما دیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا۟ أَن تُصِيبُوا۟ قَوْمًۢا بِجَهَٰلَةٍ فَتُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَٰدِمِينَ ۝ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ ٱللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِى كَثِيرٍ مِّنَ ٱلْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَزَيَّنَهُۥ فِى قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ ٱلْكُفْرَ وَٱلْفُسُوقَ وَٱلْعِصْيَانَ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلرَّٰشِدُونَ ۝ فَضْلًا مِّنَ ٱللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝﴾

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔ اور جان لو! بلاشبہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر بہت سے معاملات میں وہ تمھاری اطاعت کریں (تو) یقیناً تم مشقت میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا ہے اور اس نے اسے تمھارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور اس نے تمھارے لیے کفر و فسق اور نافرمانی کو ناپسند بنا دیا ہے (اور) یہ لوگ رشد و ہدایت والے ہیں۔ اللہ کے فضل اور احسان سے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔“ [1]

رات کو اچانک گھر جانے کی ممانعت

جب اسلامی لشکر غزوۂ بنو مصطلق سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچا تو اس موقع پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی زبانی سُنیے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں غزوہ مریسیع میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ساتھی تھا۔ ہم واپس روانہ ہوئے، رات کے درمیانے حصے میں وادی عقیق تک پہنچے۔ لوگ آرام کے لیے وہیں رک گئے۔ ہم نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کہاں تشریف فرما ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ لشکر کے اگلے حصے میں آرام فرما رہے ہیں۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: جابر! کیا تم ہمارے ساتھ آگے چلو گے اور اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ گے؟ میں نے جواب دیا: ابو محمد! میں لوگوں کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ایک آدمی بھی آگے نہیں گیا۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آگے جانے سے منع تو نہیں فرمایا۔

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں تو نہیں جاؤں گا۔ اس پر وہ مجھے الوداع کہہ کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ میں انھیں رستوں کے بیچوں بیچ تنہا جاتا دیکھ رہا تھا۔ وہ بنو حارث بن خزرج کے علاقے میں رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچے۔ وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے گھر کے بیچ میں چراغ جل رہا ہے اور ان کی بیوی

[1] الحجرٰت 49:6-8.

کے ساتھ کوئی لمبے قد والا انسان لیٹا ہوا ہے۔ انھیں بے حد افسوس ہوا اور اس وقت گھر آنے پر ندامت ہوئی۔ وہ کہنے لگے کہ شیطان بھولے بھالے آدمی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ (بھلا مانس آدمی شیطان کے جال میں جلدی پھنس جاتا ہے۔) وہ اپنی تلوار نیام سے نکال کر گھر میں گھس گئے۔ وہ ان دونوں کو مار دینا چاہتے تھے۔ پھر انھوں نے کچھ سوچا اور وہ چونکے۔ انھوں نے اپنے پاؤں سے اپنی بیوی کو ہلایا۔ وہ کچھ ہی دیر پہلے سوئی تھی۔ اس نے بیدار ہوتے ہی چیخ ماری۔ عبداللہ بن رواحہ ؓ نے کہا: میں عبداللہ ہوں، یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ وہ بولی: یہ میری خادمہ رُجَیلہ ہے۔ ہمیں پتا چلا کہ تم لوگ آرہے ہو تو میں نے اسے اپنی کنگھی کرانے کے لیے بلوا لیا۔ اور یہ رات کو میرے پاس ہی سوگئی۔ عبداللہ بن رواحہ ؓ نے رات گزاری۔ صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے چل پڑے۔ ان کی بئر ابی عتبہ کے پاس آپ سے ملاقات ہوئی۔ آپ اس وقت سیدنا ابوبکر صدیق اور بشیر بن سعد ؓ کے درمیان چل رہے تھے۔ آپ نے بشیر ؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

«يَا أَبَا النُّعْمَانِ!»

''اے ابونعمان!''

وہ بولے: میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ وَجْهَ عَبْدِ اللّٰهِ لَيُخْبِرُكَ أَنَّهُ قَدْ كَرِهَ طُرُوقَ أَهْلِهِ»

''عبداللہ کا چہرہ تمھیں بتا رہا ہے کہ انھیں اپنے گھر والوں کے پاس رات کے وقت جانا اچھا نہیں لگا۔''

جب عبداللہ بن رواحہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَبَرَكَ يَا ابْنَ رَوَاحَةَ»

''ابن رواحہ! آپ بیتی سناؤ۔''

انھوں نے آپ ﷺ کو سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح وہ نکلے اور گھر جا کر کیا ماجرا گزرا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

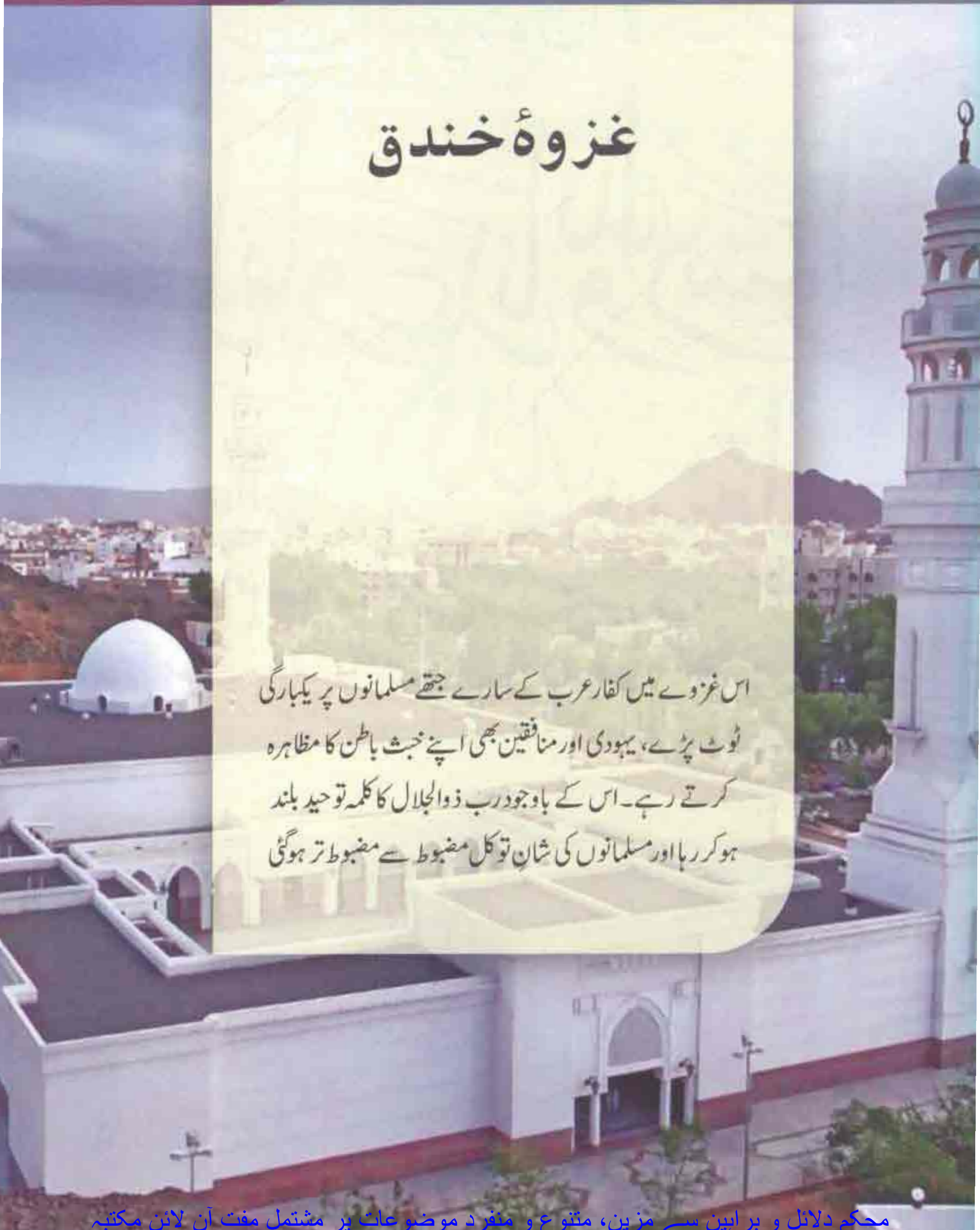
«لَا تَطْرُقُوا النِّسَاءَ لَيْلًا»

''تم اپنی بیویوں کے پاس رات کے وقت اچانک نہ جایا کرو۔''

سیدنا جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 1/375,374. یہ اختصار کے ساتھ المستدرك للحاكم: 4/293 میں بھی موجود ہے۔

غزوۂ خندق



اس غزوے میں کفار عرب کے سارے جتھے مسلمانوں پر یکبارگی ٹوٹ پڑے، یہودی اور منافقین بھی اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اس کے باوجود رب ذوالجلال کا کلمہ توحید بلند ہو کر رہا اور مسلمانوں کی شانِ توکل مضبوط سے مضبوط تر ہوگئی

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا

هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

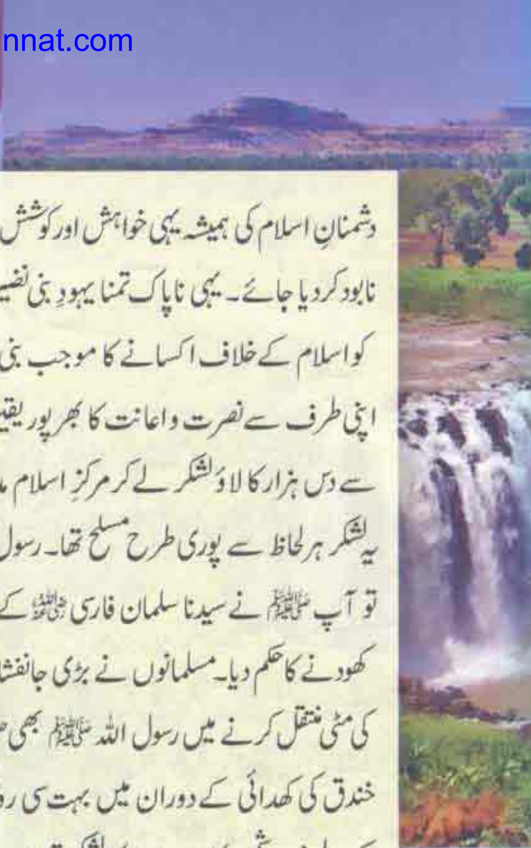
وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا

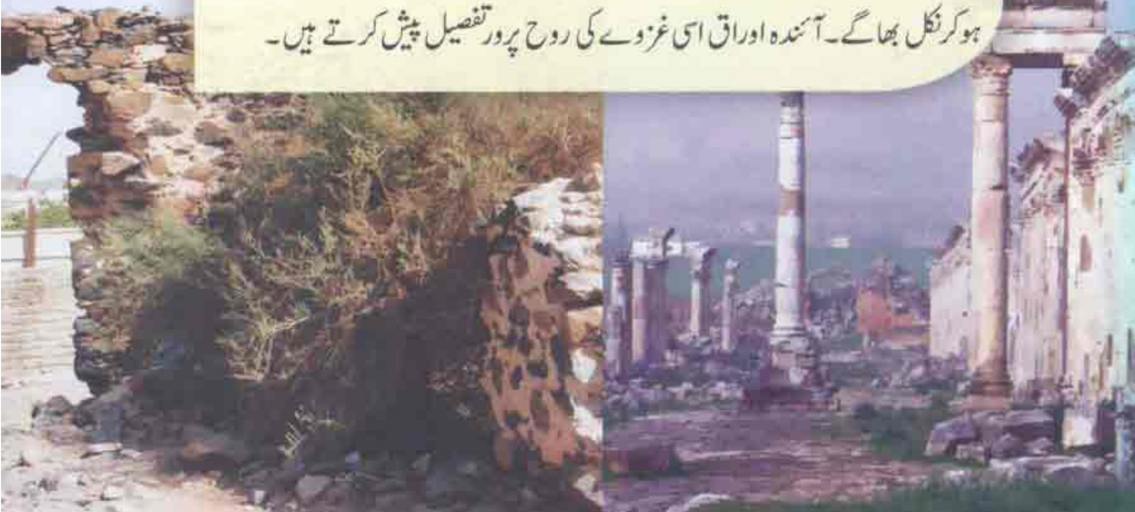
”اور جب مومنوں نے لشکروں کو دیکھا تو انھوں نے کہا: یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے سچ کہا اور اس چیز نے ان کو ایمان اور فرماں برداری ہی میں زیادہ کیا۔“ (الأحزاب 33:22)

اس باب میں





دشمنانِ اسلام کی ہمیشہ یہی خواہش اور کوشش رہی ہے کہ اسلام اور اہلِ اسلام کو نیست و نابود کردیا جائے۔ یہی ناپاک تمنا یہودِ بنی نضیر کے سرداروں کو مکہ لائی، پھر غطفانی قبائل کو اسلام کے خلاف اکسانے کا موجب بنی، بعدازاں بنوقریظہ کو غداری پر مجبور کیا اور اپنی طرف سے نصرت واعانت کا بھرپور یقین دلایا۔ ابوسفیان قریشی اور غطفانی قبائل سے دس ہزار کا لاؤلشکر لے کر مرکزِ اسلام مدینہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے نکلا۔ یہ لشکر ہر لحاظ سے پوری طرح مسلح تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس لشکر کی آمد کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر مدینہ کے گرد شمالی جانب خندق کھودنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے بڑی جانفشانی سے خندق کھودی۔ خندق کھودنے اور اس کی مٹی منتقل کرنے میں رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ شریک رہے۔ خندق کی کھدائی کے دوران میں بہت سی روشن نشانیاں اور معجزات ظہور میں آئے۔ ایک طرف دشمن کا دس ہزار کا لشکر تھا اور دوسری طرف بنوقریظہ کی غداری تھی جس کے باعث مسلمانوں کے لیے بڑی سنگین صورتحال پیدا ہوگئی۔ اچانک نصرت ربانی نے دستگیری کی۔ اللہ تعالیٰ نے کفار اور ان کے اتحادیوں میں پھوٹ ڈال دی، پھر کافروں کے لاؤلشکر پر زبردست آندھی کے جھکڑ بھیج دیے۔ ان کا کوئی خیمہ بچا نہ جملہ ساز وسامان۔ وہ آگ جلاسکتے تھے نہ قرار پکڑ سکتے تھے۔ بالآخر وہ خائب و خاسر ہو کر نکل بھاگے۔ آئندہ اوراق اسی غزوے کی روح پرور تفصیل پیش کرتے ہیں۔



غزوۂ احزاب

احزاب کی یہ اہم جنگ بظاہر مسلمانوں کے خلاف قریشی اور غطفانی جنگ تھی مگر اپنے دور رس مقاصد کے اعتبار سے یہ یہودی جنگ تھی۔ وہ اصل ہاتھ جو اس خوفناک حملے کے پس پردہ کارفرما اور مسلمانوں کی تباہی کے درپے تھا، وہ یہودی ہاتھ تھا۔

غزوۂ احزاب کا مقصد مدینہ پر قبضہ کرنا، مسلمانوں کا خاتمہ کرنا اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانا تھا۔ یہ غزوہ اس طے شدہ منصوبے کے مطابق تھا جو یہودی سرداروں نے بنایا تھا۔ انھی کی ترغیب پر قریشِ مکہ نے مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے جزیرہ نمائے عرب سے دس ہزار کا لشکر جمع کیا۔ محمد ﷺ اور آپ کی دعوت سے یہود کا اختلاف نسلی تعصب کی بنا پر تھا۔ یہود اپنے سوا ہر بشر سے عداوت و کراہت رکھتے ہیں اور یہ عداوت ان کے دلوں میں جاگزین ہے۔ ان کی بنیاد دھوکے بازی، دسیسہ کاری، معرکہ آرائی اور نفع اندوزی پر ہے۔

احزاب اور خندق کی وجہ تسمیہ

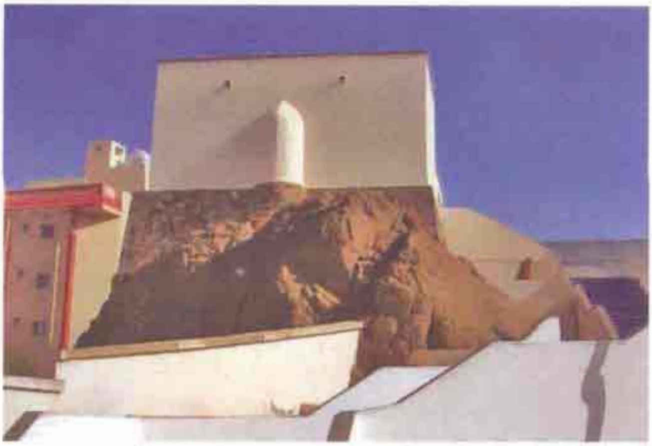
غزوۂ احزاب کے دو نام ہیں: **1** خندق **2** احزاب۔



خندق دراصل فارسی لفظ ''کندہ'' کا معرب ہے جس کے معنی ''کھودے گئے'' کے ہیں۔ کاف ''خ'' سے اور ہائے ہوز ''ق'' سے بدلی گئی ہے جس طرح ''پیادہ'' سے ''بیدق'' ہوگیا ہے۔ اس غزوے کو خندق اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مدینہ کے گرد خندق کھودی تھی۔ عرب میں اس سے پہلے اس کا کوئی رواج نہیں تھا بلکہ خندق کا طریقِ دفاع ایرانی لوگ اپنی جنگوں میں بروئے کار لاتے تھے۔ سب سے پہلے ایرانی بادشاہ منوچہر بن ایرج نے خندق کھدوانے کا رواج ڈالا تھا۔

احزاب، حزب کی جمع ہے جس کے معنی گروہ اور جماعت کے ہیں۔ اس جنگ کو احزاب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قریش، بنوغطفان، بنوسُلیم اور ان کے ہمنوا سب کے سب مل کر اہل حق پر چڑھ دوڑے تھے۔ [1]

غزوۂ خندق کی تاریخ



جبل سلع پر مسجد فتح جہاں سے خندق کی کھدائی شروع ہوئی

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ غزوۂ احزاب غزوۂ احد کے دو سال بعد پیش آیا۔ جمہور مؤرخین اور سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ غزوۂ خندق شوال 5ھ میں پیش آیا۔ واقدی کے بقول رسول اللہ ﷺ نے بروز منگل 8 ذوالقعدہ 5ھ کو دفاعی پوزیشن لی۔ دشمنوں نے پندرہ دن تک مسلمانوں کا محاصرہ کیے رکھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں ناکام و نامراد لوٹا دیا تو رسول اللہ ﷺ بروز بدھ 23 ذوالقعدہ کو واپس تشریف لائے۔ [2] ابن سعد نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیر، منگل اور بدھ کو احزاب کے خلاف دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور بروز بدھ ذوالقعدہ 5ھ میں احزاب کو شکست دی۔ [3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ غزوۂ خندق 5ھ میں پیش آیا۔ ابن اسحاق، عروہ بن زبیر، قتادہ، بیہقی اور کئی متقدمین اور متاخرین اہلِ علم نے اس کی صراحت کی ہے۔ جبکہ امام موسیٰ بن عقبہ، زہری اور مالک بن انس رحمہم اللہ نے

[1] فتح الباري :491,490/7، الروض الأنف :416/3، سیرۃ النبی ﷺ (شبلی نعمانی) :245/1. [2] المغازي للواقدي : 379,378/1. [3] الطبقات لابن سعد :65/2 و 73.

کہا ہے کہ غزوۂ احزاب 4 ہجری میں پیش آیا۔ اسی طرف امام بخاری کا بھی رجحان ہے۔[1]

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے زور دے کر کہا ہے کہ یہ غزوہ 4 ھ میں پیش آیا تھا۔ وہ اپنے اس موقف میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت پیش کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: ''احد کے دن مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ ان دنوں میں چودہ برس کا تھا، پھر پندرہ برس کی عمر کو پہنچا تو مجھے غزوۂ خندق کے موقع پر رسالت مآب ﷺ کے حضور پیش کیا گیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے جنگ میں شرکت کی اجازت مرحمت فرما دی۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف اہلِ علم کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ جنگِ احزاب 4 ھ میں ہوئی۔ یہ علماء اسلامی سال کی ابتدا اس محرم سے کرتے ہیں جو ہجرت نبوی ﷺ کے بعد آیا۔ اس سے پہلے والے مہینوں کو وہ شمار نہیں کرتے۔ مؤرخ یعقوب بن سفیان نے اپنی کتاب ''تاریخ'' میں اس چیز کو بنیاد بنایا ہے۔ لہٰذا ان علماء کے نزدیک غزوۂ بدر کبریٰ 1 ھ میں، احد 2 ھ میں اور خندق 4 ھ میں ہوا۔

لیکن یہ بنیاد نہایت کمزور اور جمہور اہل علم کے موقف کے خلاف ہے۔ جمہور اہل علم نے اسلامی سال کی ابتدا اس سال کے ماہِ محرم سے کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ہجرت کی تھی۔ لہٰذا ان علماء کے موقف کے مطابق جنگ بدر 2 ھ میں، جنگ احد 3 ھ میں اور جنگ خندق 5 ھ میں ہوئی ہے اور یہی موقف مضبوط اور معتمد ہے۔[3]

امام بیہقی کہتے ہیں کہ درحقیقت اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد غزوۂ بدر کی قیادت فرمائی، اڑھائی سال بعد معرکۂ احد پیش آیا، پھر ساڑھے چار سال بعد غزوۂ خندق ہوا، لہٰذا جو لوگ غزوۂ خندق کے 4 ھ میں رونما ہونے کے قائل ہیں، ان کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ غزوہ چار سال بعد لڑا، جبکہ ہجرت کا پانچواں سال شروع نہیں ہوا تھا اور جو 5 ھ کے قائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ غزوہ پانچویں سال میں ہوا لیکن پانچواں سال ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما احد کے دن چودھویں برس کے آغاز میں تھے اور خندق والے دن پورے پندرہ برس کے ہو چکے تھے۔ اس کی تائید ابن اسحاق کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ احد کے دن ابوسفیان نے مسلمانوں کو دھمکی دی کہ آئندہ سال بدر میں مقابلہ ہوگا، چنانچہ نبی ﷺ احد کے اگلے سال بدر جا پہنچے لیکن ابوسفیان خشک سالی کا بہانہ بنا کر مقابلے میں نہ آیا۔ جب وہ اپنا

[1] البداية والنهاية :4/95، المغازي لموسى بن عقبة، ص : 214، صحيح البخاري، قبل الحديث :4097. [2] جوامع السيرة لابن حزم، ص : 185، صحيح البخاري :4097. [3] فتح الباري :7/491,492.

لشکر لے کر عسفان کے قریب پہنچا تو اس کا دل اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس نے اپنی قوم میں فوراً یہ اعلان کر دیا کہ لڑائی اسی وقت مناسب ہوتی ہے جب ہریالی اور شادابی ہو، لہٰذا وہ لوگ وہیں سے واپس چلے گئے۔[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ بھی اسی طرف میلان رکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: دونوں اقوال میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ غزوۂ خندق شوال 5 ھ میں پیش آیا۔ جنگ احد 3 ھ میں ہوئی۔ اس موقع پر مشرکین نے آئندہ سال جنگ کی دھمکی دی تھی، تاہم انھوں نے خشک سالی کا عذر تراش کر پسپائی اختیار کی اور واپس چلے گئے۔ 5 ھ میں پھر مسلمانوں سے جنگ کرنے آگئے۔[2]

غزوۂ خندق کے اسباب

غزوۂ خندق کے تین اہم اسباب بیان کیے جاتے ہیں:

1 جب سے رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کو ایک اللہ کی بندگی کی طرف بلانا شروع کیا تھا، اسی وقت سے شیطان نے بھی سر اُٹھایا اور اس کے چیلے چانٹے کفار و مشرکین اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بن گئے تھے۔ کفارِ قریش ہر آن مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے کے درپے رہتے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مرکزِ اسلام مدینہ منورہ میں اپنے دفاع کے لیے ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ ایک اہم سبب جس نے مسلمانوں کے خلاف ان کا غیظ و غضب از سرِ نو بھڑکا دیا، وہ غزوۂ احد میں ان کی محرومی و نامرادی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اگلے سال مدینہ میں داخل ہو کر مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک ارادے ملیامیٹ کر دیے اور وہ راستے ہی سے مکہ لوٹ گئے۔ دراصل ان پر مسلمانوں کی دہشت چھائی ہوئی تھی، اس لیے وہ واپس بھاگ گئے۔

1 فتح الباري: 491/7، دلائل النبوة للبيهقي: 396,395/3. 2 زاد المعاد: 269/3.

وادی عسفان کا ایک خوبصورت منظر



2 غزوۂ احد کے بعد کفارِ قریش کا شام کی طرف جانے والا تجارتی راستہ بند ہوگیا اور ان کے تمام فوجی اور اقتصادی منصوبے دھرے رہ گئے۔ میدانِ احد سے ان کی پسپائی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہر طرف فوجی دستے روانہ کیے تاکہ مدینہ پر حملے کے لیے آنے والے ہر کافر کا سر کچل دیا جائے۔ یوں مشرکین مسلمانوں کی ہر آن بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر غم و غصے کی آگ میں جلنے لگے۔ 4 ھ میں وہ لڑے بغیر عسفان سے لوٹ کر مکہ پہنچے تو اسی فکر میں لگ گئے کہ وہ عرب قبائل کو جمع کریں اور انھیں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ڈرا کر ان سے جنگ کرنے پر آمادہ کریں، چنانچہ انھوں نے بدوی قبائل کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ اگر وہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مشرکین قریش کے ساتھ جمع نہیں ہوں گے تو ایک دن یہ مسلمان ان لوگوں پر حملہ کر کے ان کا صفایا کر دیں گے۔

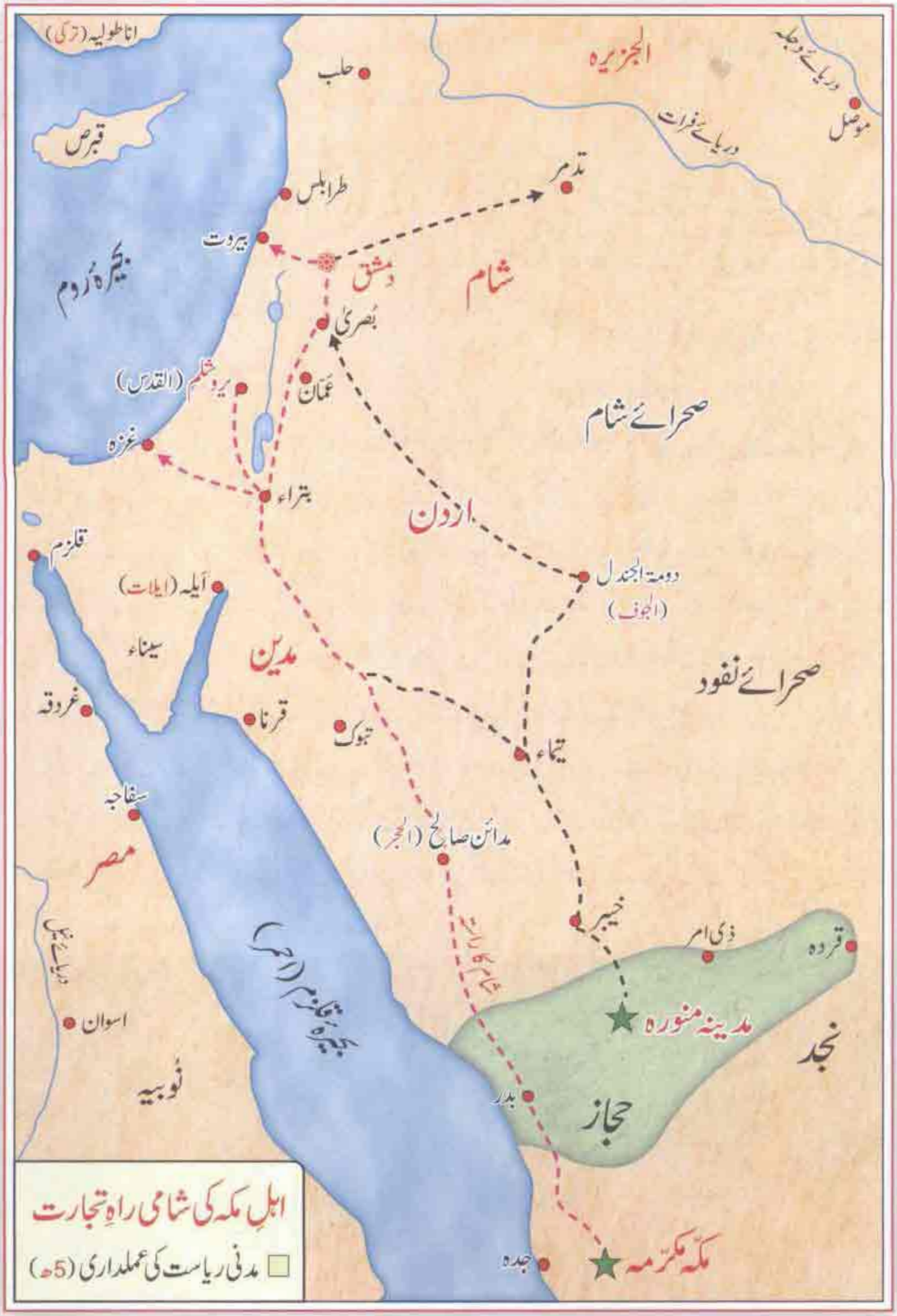
3 غزوۂ خندق کا ایک بڑا سبب یہود بنونضیر کا مدینہ سے اخراج تھا۔ مسلمانوں نے ان کی شرانگیزی اور فتنہ پروری سے بچنے کے لیے انھیں مدینہ سے نکال دیا تھا۔ خیبر پہنچنے کے بعد بنونضیر چپکے چپکے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ ان کے لیڈر مکہ گئے تاکہ کفارِ قریش اور دیگر قبائلِ عرب کے ساتھ نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جنگ کرنے کا معاہدہ کریں۔ اس لحاظ سے یہود بنونضیر کی مدینہ سے جلاوطنی بھی ایک بڑی وجہ تھی جس کے باعث تاریخ کا یہ بے حد اہم واقعہ رونما ہوا۔[1]

نبیِ کریم ﷺ سے یہود کا بُغض و عناد

یہود نبی کریم ﷺ اور آپ کی دعوتِ حق سے اس قدر بغض و عناد رکھتے تھے کہ ان کے مقابلے میں قریش اور ان کے حلیفوں کی اسلام دشمنی بھی مدھم پڑ گئی تھی۔ قریش نے ابتدا میں اپنی قوت اور مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے انھیں آزمائشوں سے دوچار کیا اور ان میں سے بعض کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ان ظالموں نے آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور آپ کو اپنا وطن عزیز چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے تو آپ نے یثرب کے قبائل (اوس اور خزرج) کے ساتھ ایک زبردست فوجی محاذ بنانے میں سبقت کر لی۔ اس میں وہ مہاجرین بھی شامل ہوگئے جنھوں نے اپنے دین کی خاطر وطن چھوڑا اور مدینہ کی چھاؤنی میں مقیم ہوگئے۔ یہ طاقتور فوجی محاذ تھا جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے مؤثر دفاع کا ذریعہ تھا۔

اس صورتحال کی وجہ سے یہود کے غیظ وغضب کے شعلے بھڑک اٹھے اور وہ مغلوب ہوگئے۔ ان حالات نے انھیں مسلمانوں کے خلاف قریش جیسی کسی بھی قسم کی جنگی کارروائی سے عاجز کر دیا، اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہود

[1] مرویات غزوة الخندق، ص: 55,54، زاد المعاد: 270/3، فتح الباري: 491/7، الصادق الأمين، ڈاکٹر لقمان السلفی، ص: 443,442.



اناطولیہ (ترکی)
الجزیرہ
دریائے دجلہ
حلب
موصل
دریائے فرات
قبرص
تدمر
طرابلس
بیروت
بحیرۂ روم
دمشق
شام
بُصریٰ
یروشلم (القدس)
عَمّان
صحرائے شام
غزہ
بتراء
اردن
قلزم
دومۃ الجندل
(الجوف)
آیلہ (ایلات)
سیناء
مدین
صحرائے نفود
غردقہ
قرنا
تبوک
تیماء
سفاجہ
مدائن صالح (الحجر)
مصر
خیبر
ذی امر
قردہ
دریائے نیل
بحیرۂ قلزم (البحر الاحمر)
مدینہ منورہ
نجد
اسوان
نوبیہ
بدر
حجاز
جدہ
مکہ مکرمہ
اہلِ مکہ کی شامی راہِ تجارت
مدنی ریاست کی عملداری (5ھ)

جزیرہ نمائے عرب میں عرصۂ دراز سے رہنے کے باوجود ایک اجنبی عنصر تھے اور وہ ہزاروں سال سے عربوں کے ساتھ رہنے کے باوجود ان میں گھل مل نہیں سکے تھے۔

غزوۂ احزاب سے پہلے یہودیوں نے حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف جو کچھ بھی کیا، وہ محض جاسوسی اور مسلمانوں کے خلاف افواہیں پھیلانے اور خانہ جنگی کی آگ بھڑکانے کی کوششیں تھیں۔ لیکن ان کی انتہائی کوشش یہود بنی نضیر کا یہ سیاہ عمل ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کو سازش کے ذریعے شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تھا۔ اِسی گھناؤنی کوشش کے نتیجے میں بنونضیر کو جلاوطنی بھگتنی پڑی۔ [1]

احزاب کی جتھے بندی کے لیے یہود کی سوچ بچار

بنونضیر کی جلاوطنی کے سبب نبیِ کریم ﷺ کے خلاف یہود کا بُغض نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ اب ان کے قائدین کسی ایسے منصوبے کی تیاری کے لیے سوچ بچار کرنے لگے جو مسلمانوں کو مکمل طور پر تباہ اور اسلام کے وجود کی بنیادیں منہدم کر دے۔ خیبر منتقل ہو کر پہلے تو انھوں نے یہ انتظار کیا کہ دیکھیں مسلمانوں اور بت پرستوں کے درمیان جو جنگ چل رہی ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے لیکن جب دیکھا کہ حالات مسلمانوں کے لیے روز بروز سازگار ہو رہے ہیں، گردشِ لیل و نہار نے ان کے اثر و نفوذ میں اضافہ کر دیا اور ان کے غلبے اور حکمرانی کا سکہ دور دور تک بیٹھ گیا ہے تو وہ غم و غصے کی آگ میں جلنے لگے اور انھوں نے نئے سرے سے سازش کا جال پھیلایا۔

چونکہ یہودیوں کو براہِ راست مسلمانوں سے ٹکرانے کی جرأت نہیں تھی، اس لیے انھوں نے پوری بحث اور غور و فکر کے بعد مسلمانوں کے خلاف ایک ہمہ گیر اور تباہ کن منصوبہ تیار کر لیا جس میں طاقتور عرب قبائل کی زیادہ سے زیادہ تعداد خصوصاً اہلِ نجد، کنانہ اور قریش کے قبائل کو شریک کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے یہ پیش کش بھی کی کہ اس جنگ کی

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل: 446/1.



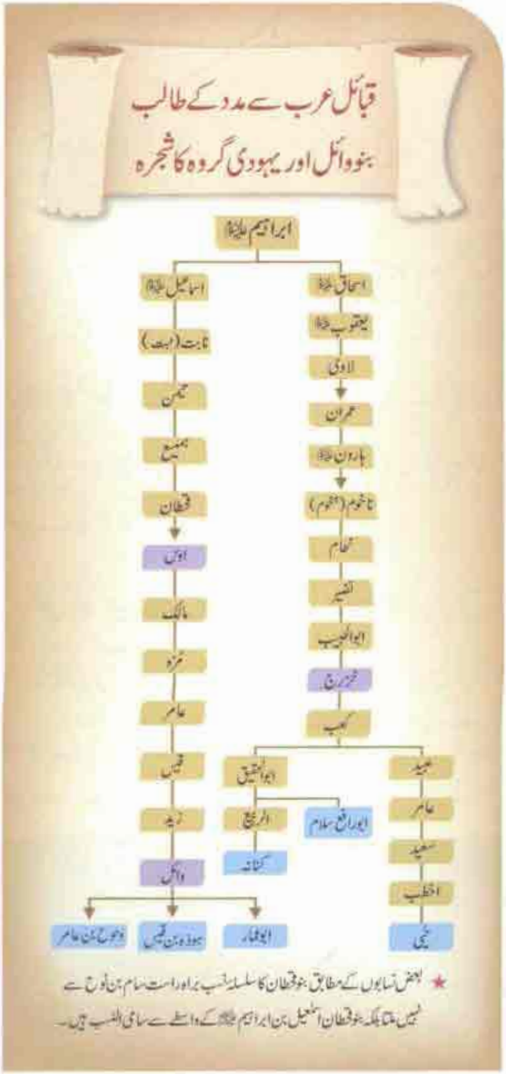
دشت نجد کا ایک منظر

دعوت اور تنظیم کی ذمہ داری خیبر کے یہود لیں گے اور مالی اخراجات کا بڑا حصہ بھی وہی برداشت کریں گے۔ [1]

یہودی وفد کی تشکیل

اس شیطانی سوچ کو عملی شکل دینے کے لیے یہودِ خیبر نے ایک وفد تشکیل دیا جو مطلوبہ تعداد میں افواج کی تیاری کے لیے عرب قبائل سے رابطہ کرے۔ اس وفد کے ارکان یہ تھے:

- حُیی بن اخطب نضری
- ابورافع سلام بن ابی الحُقَیق نضری
- کنانہ بن الربیع بن ابی الحُقَیق نضری
- ہوذہ بن قیس وائلی
- ابوعمار وائلی
- ربیع بن ابی الحقیق
- وحوح بن عامر



★ بعض نسابوں کے مطابق بنوقحطان کا سلسلۂ نسب براہِ راست سام بن نوح سے نہیں ملتا بلکہ بنوقحطان اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام کے واسطے سے سامی النسب ہیں۔

ان لوگوں کے ساتھ بنونضیر اور بنووائل کے کچھ اور لوگ بھی شامل تھے۔ انھوں نے قریش اور غطفانی قبائل کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف خوب اکسایا اور انتقام کی آگ بھڑکائی۔ [2]

یہودی وفد دیارِ قریش میں

اگرچہ غطفان کے نجدی قبائل کی بستیاں حجازی قبائل کی نسبت یہودی وفد کے زیادہ قریب تھیں مگر یہودی وفد سب سے پہلے مکہ گیا اور مشرکین کے سرداروں سے رابطہ کیا، انھیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر اُکسایا اور یقین دلایا کہ وہ اس جنگ میں ان کے شانہ بشانہ ہوں گے یہاں تک کہ (نعوذ باللہ) اسلام اور بانیٔ اسلام کو ختم

[1] موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل :447,446/1، الرحيق المختوم، ص : 314. [2] السيرة لابن هشام : 225/3، تفسير الطبري،النساء 51:4.

کر کے دم لیں گے۔

زعمائے مکہ یہودی منصوبے کی تفصیل سُن کر خوشی کے مارے اچھل پڑے۔ انھوں نے اس منصوبے کی تیاری اور اس کی تنفیذ کی کوشش کے لیے یہود کی اس زبردست جد و جہد کا شکریہ ادا کیا اور اس منصوبے پر کامل اتفاق اور بھرپور تیاری کا یقین دلایا۔ [1]

دارالندوہ میں اجلاس

یہودی وفد کی پیش کش پر دارالندوہ میں خصوصی اجلاس بلایا گیا۔ اس کا ایجنڈا اسلام کے خلاف جنگ اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لیے بت پرست عربوں اور یہودیوں کا متحدہ محاذ بنانا تھا۔ یہودی منصوبے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے سے رؤسائے مکہ کو معلوم ہوا کہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے سے اسلام اور اہلِ اسلام کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا، چنانچہ ارکان مجلس نے یہودی وفد کو مکمل وفاداری کا یقین دلایا۔ اس موقع پر مکی لشکر کے سالار ابوسفیان نے اپنی تقریر میں دارالندوہ کے ارکان اور دیگر قریش کی طرف سے اس جنگی منصوبے کو سراہا۔ اس نے مکہ کے سرداروں سے کہا: یہود کو خوش آمدید کہو۔ ان لوگوں نے محمد (ﷺ) کے خلاف ہماری مدد کی ہے۔ یہ ہمیں سب سے بڑھ کر محبوب ہیں۔ [2]

غلافِ کعبہ سے چمٹ کر معاہدے کا اعلان

یہودیوں کو اور کیا چاہیے تھا، انھوں نے ابوسفیان کی آمادگی دیکھ کر کہا: آپ قریش میں سے پچاس سردار چن لیں اور

---

[1] السيرة لابن هشام :225/3، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :447/1. [2] موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل : 448/1، سبل الهدٰى والرشاد :363/4.



آپ بھی ان میں سے ایک ہوں، پھر ہم سب جا کر کعبہ کا غلاف پکڑیں اور کعبہ کی دیواروں سے اپنے سینے چمٹا کر عہد کریں کہ ہم پیغمبرِ اسلام کی عداوت میں سیسہ پلائی دیوار بن جائیں گے۔ جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہا، وہ اسلام کے خلاف جنگ جاری رکھے گا۔ ہم ایک دوسرے کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے اور محمد (ﷺ) کے خلاف ہم سب یک جان رہیں گے، چنانچہ قریش کے پچاس سرداروں اور یہودیوں کے اس وفد نے غلافِ کعبہ پکڑ کر اور اپنے سینے اس کی دیواروں سے چمٹا کر اسلام اور مسلمانوں کا صفایا کرنے کا عہد کرلیا۔ [1]

یہود کا کتمانِ حق

قریش نے یہودی وفد سے سوال کیا: اے جماعتِ یہود! تم لوگ پہلی آسمانی کتاب والے اور صاحب علم ہو اور جس بات میں ہمارا اور محمد (ﷺ) کا اختلاف ہے، اسے خوب جانتے ہو۔ اب تم ہی بتاؤ: کیا ہمارا دین بہتر ہے یا اس کا؟ جبکہ ہم بیت اللہ کو آباد کرنے والے ہیں، اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، فربہ اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔

یہودیوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم محمد (ﷺ) سے کہیں زیادہ حق کا دامن پکڑے ہوئے ہو کیونکہ تم اس گھر کی تعظیم کرتے ہو۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہو۔ فربہ اونٹ ذبح کرتے ہو اور ان خداؤں کی پرستش کرتے ہو جن کی تمھارے آباؤ اجداد عبادت کرتے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ○ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ○ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ

[1] المغازي للواقدي: 1/379.



عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝﴾ (النسآء 4:51-55)

’’کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ بتوں اور باطل معبود پر ایمان لاتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ان لوگوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے، پھر تم کوئی اس کی مدد کرنے والا ہرگز نہیں پاؤ گے۔ یا ان کے پاس سلطنت کا کچھ حصہ ہے؟ پھر تو وہ اس میں سے لوگوں کو تل برابر بھی نہیں دیں گے۔ کیا وہ اس پر لوگوں سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا؟ پس ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور بہت بڑی بادشاہی دی۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لانے سے باز رہے اور ان کے لیے دہکتا ہوا جہنم ہی کافی ہے۔‘‘[1]

یہودی بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے

جب یہودی وفد نے قریش کو فتویٰ دے دیا کہ ان کا دین محمد ﷺ کے دین سے بہتر ہے تو ابوسفیان نے کہا: اے یہود کی جماعت! ہمیں تمھاری اس بات پر اس وقت تک یقین نہیں آ سکتا جب تک تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہ کرو، چنانچہ سب یہودیوں نے جن میں ان کے چوٹی کے علماء بھی شامل تھے، بتوں کو سجدہ کیا۔[2]

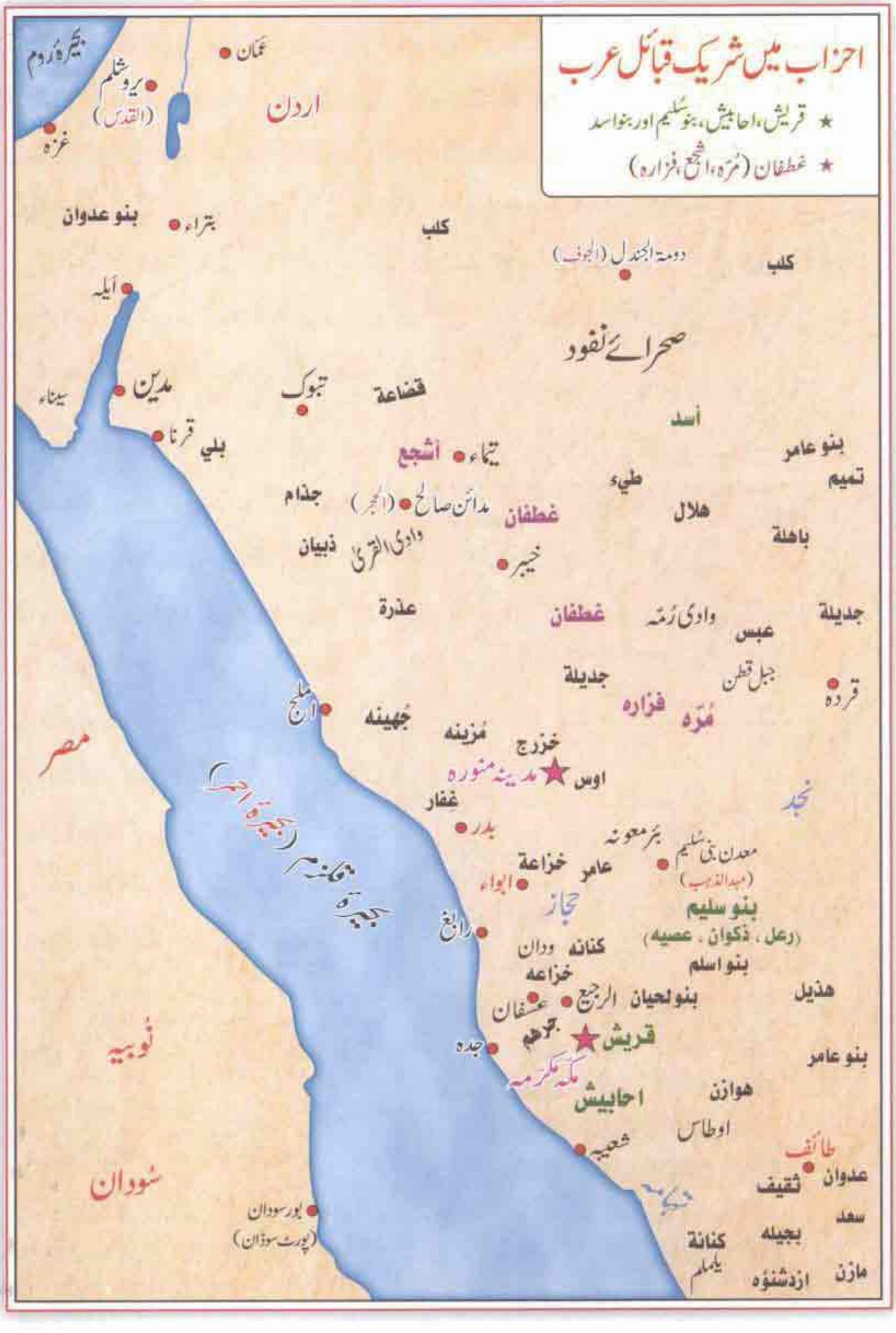
قریش نے جب یہودی علماء کے منہ سے اپنے مذہب کی تعریف وحمایت سنی تو وہ خوشی سے جھوم اُٹھے۔ وہ یہود کی طرفداری اور حمایت میں ایک قدم اور آگے بڑھ گئے۔ ان کا مسلمانوں سے جنگ کا ارادہ مزید پختہ ہو گیا۔ انھوں نے یہود کی حمایت اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے ان سے شراکت کا سرِعام اعلان کر دیا اور انھیں اپنی وفاداری کا حلف بھی دے دیا۔[3]

مستشرق ولفسن کا یہود پر تبصرہ

مستشرق ولفسن یہود پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

’’یہودی وفد جو ان کے احبار اور سرداروں پر مشتمل تھا، انھیں اچھی طرح علم تھا کہ کعبہ مقدسہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے بنایا تھا۔ اس کے برعکس مشرکین نے اس میں تین سو ساٹھ بت نصب کر

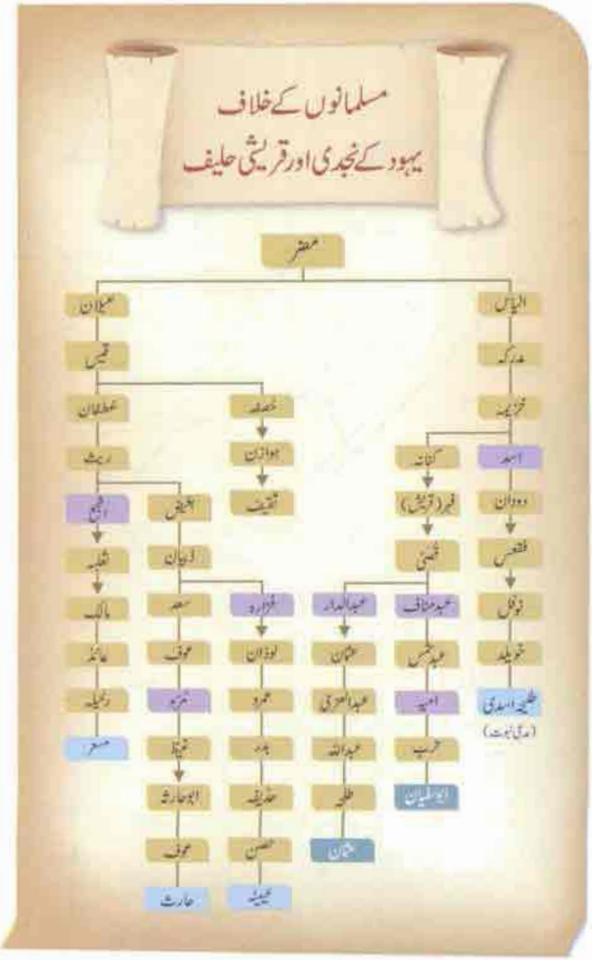
[1] السيرة لابن هشام :225/3، البداية والنهاية :96/4. [2] السيرة الحلبية :629/2. [3] تاريخ اليهود في بلاد العرب، ص: 310، السيرة لابن هشام :226/3.


احزاب میں شریک قبائل عرب
★ قریش، احابیش، بنو سُلیم اور بنو اسد
★ غطفان (مُرّہ، اشجع، فزارہ)
بحیرۂ روم
یروشلم
(القدس)
غزہ
عمّان
اردن
بنو عدوان
بتراء
کلب
دومۃ الجندل (الجوف)
کلب
ایلہ
صحرائے نفود
مدین
سیناء
تبوک
قضاعة
أسد
قرنا
بلي
تیماء
أشجع
بنو عامر
تميم
طيء
جذام
مدائن صالح (الحجر)
غطفان
هلال
باهلة
ذبيان
وادی القریٰ
خیبر
عذرة
غطفان
وادی رُمّہ
جديلة
عبس
جبل قطن
قردہ
جديلة
فزاره
مُرّہ
املج
جُهينه
مُزينه
خزرج
مصر
مدینہ منورہ
اوس
نجد
بحیرۂ احمر
غِفار
بدر
بئر معونہ
معدن بنی سُلیم
(مہد الذہب)
خزاعة
عامر
ابواء
حجاز
بنو سليم
(رعل ، ذكوان ، عصيه)
رابغ
كنانه
ودان
بنو اسلم
خزاعه
هذيل
بنولحيان
الرجیع
عسفان
جرهم
قريش
جدہ
مکہ مکرمہ
بنو عامر
نُوبیہ
هوازن
احابيش
اوطاس
شعیبہ
طائف
عدوان
ثقيف
سُوڈان
سعد
بور سوڈان
(پورٹ سوڈان)
بجيله
كنانة
یلملم
مازن
ازدشنوءه

رکھے تھے جن کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ جبکہ مسلمان اپنی جبینِ نیاز صرف اللہ وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں جھکاتے تھے۔ ان تمام حقائق کو جانتے ہوئے بھی یہود نے ایک غیر متوقع فائدے کی خاطر اتنا بڑا جھوٹ بولا کہ صدیاں بیت گئیں لیکن ان کے ماتھے سے اس داغ کی سیاہی صاف نہیں ہوئی۔ ان کے اپنے مصنفین نے بھی ان کی اس دروغ گوئی پر بڑی لعن طعن کی ہے۔

ڈاکٹر ولفسن مزید لکھتا ہے: ''جو چیز ہر صاحبِ ایمان کے دل کو دکھاتی ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی، وہ اس یہودی وفد کی مشرکین مکہ کے ساتھ گفتگو ہے جس میں انھوں نے مکہ کے بت پرستوں کو ان مسلمانوں پر فضیلت دی جو اللہ وحدہ لاشریک پر محکم ایمان رکھتے ہیں۔'' [1]

یہودی وفد غطفانی قبائل کے روبرو



جب یہودی وفد نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کے منصوبے پر قریش کی رضا مندی حاصل کر لی تو اس کے بعد یہ شریر وفد نجد میں دیارِ غطفان کی طرف گیا۔ انھیں اسلام کے خلاف خوب بھڑکایا۔ قریش کے ساتھ جو طے پایا تھا، اسے خوب بنا سنوار کر پیش کیا اور ساتھ ساتھ یہ لالچ بھی دیا کہ اگر وہ اس جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے تو اس سال خیبر کے باغات کی کھجوروں کا نصف حصہ انھیں دے دیا جائے گا۔

بنومرہ کے ایک سمجھدار آدمی حارث بن عوف نے عیینہ بن بدر اور بنوغطفان سے کہا: میری بات مان لو۔ محمد (ﷺ) سے جنگ نہ کرو۔ اس کی اور اس کے عرب ساتھیوں کی راہ چھوڑ دو، وہ خود ہی آپس میں نمٹ لیں گے...... لیکن شیطان بنوغطفان پر مسلط تھا۔ لالچ نے انھیں مکمل طور پر ہلاکت میں

[1] تاریخ الیہود فی بلاد العرب، ص: 142.

ڈال دیا تھا۔ انھوں نے حارث بن عوف کی بات نہ مانی اور بنوفزارہ کے سردار عیینہ بن بدر کی بات مان لی اور رسول اللہ ﷺ سے لڑائی کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے۔ عیینہ بن بدر نے اپنے دوست قبیلے بنو اسد کو دعوت دی، چنانچہ بنواسد کے سردار طلیحہ اسدی نے بھی یہ دعوت قبول کر لی۔ قریش نے بنوسلیم کو دعوت دی تو ابوالاعور بنوسلیم کی جماعت لے کر ان کا ساتھ دینے کو تیار ہوگیا۔ بنوفزارہ، بنومرہ اور بنواشجع قبائل نے بھی اس جنگ کی افرادی قوت میں خاصا اضافہ کیا۔ [1]

یہودی وفد کی کامیابی

غطفانی قبائل کے ساتھ مذاکرات میں یہود کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ قبائل بھی بت پرستوں اور یہود کے عسکری اتحاد کے لیے قریش سے کم پُر جوش نہ تھے۔ ان قبائلِ غطفان نے مدینہ پر تنہا حملہ کرنے کی بہت کوششیں کیں جو ناکام ہوگئیں کیونکہ جونہی نبی کریم ﷺ کو ان کی کسی جنگی سرگرمی کا علم ہوتا تھا، آپ بڑی سرعت کے ساتھ ان پر کاری ضرب لگا کر ان کی جارحانہ کوششیں ناکام بنا دیتے اور ان کی افواج کو حرکت میں آنے سے پہلے ہی پراگندہ کر دیتے تھے، اس لیے جب یہود نے اپنے منصوبے میں ان قبائل کو قریش اور یہود کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنے میں شرکت کی دعوت دی تو یہ ان قبائل کے دِل کی آواز ثابت ہوئی۔ [2]

غطفان سے معاہدہ اور اس کی شرائط

غطفان کے ساتھ طے پانے والے معاہدے کی اہم شقیں یہ تھیں:

ا) اتحادی لشکر میں غطفان کے چھ ہزار جنگجو شامل ہوں گے۔

ب) یہود تعاون کے صلے میں خیبر کی ایک سال کی کھجوریں غطفانی قبائل کو دیں گے۔

موسیٰ بن عقبہ اور جمہور سیرت نگاروں نے نصف پھل کا تذکرہ کیا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

اس طرح یہودی وفد قبائل قریش اور غطفان سے دس ہزار جانبازوں کے لاؤ لشکر کا انتظام کر کے لوٹا اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنی بڑی تعداد میں حریف کی کسی فوج کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ یہودی وفد نے قریش کے قائدین کو اس معاہدے کی تفصیلات پہنچا دیں جو غطفان سے طے پایا تھا تاکہ اس کے مطابق جنگ منظم کی جائے۔ اس سے قریش کو بہت خوشی ہوئی۔ [3]

---

[1] المغازي لموسى بن عقبة، ص: 215، مرويات غزوة الخندق، ص: 55,54. [2] موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل: 450/1. [3] موسوعة الغزوات الكبرٰى: 450/1، عيون الأثر، ص: 268.

قریش کی تیاری

ادھر قریش نے اپنے حلفاء سمیت چار ہزار جنگجو جمع کر لیے۔ ان کی فوج تنظیمی مہارت، عمدہ اسلحے اور وافر خرچ کے لحاظ سے بہترین فوج تھی۔ نقل و حمل کے لیے قریش کے پاس پندرہ سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔

قریش نے دارالندوہ میں عَلَم باندھا اور عثمان بن طلحہ عبدری کو دے دیا۔ فوج کی کمان ابوسفیان بن حرب اموی کے سپرد کر دی گئی اور خالد بن ولید مخزومی نے سواروں کی کمان سنبھالی۔ یہ مدت سے جاری ایک عسکری نظام کے تحت ہوا۔ وہ نظام یہ تھا کہ فوج کی عام کمان بنو امیہ میں ہو، سقایہ اور رفادہ (وصولی ٹیکس) بنو ہاشم میں ہو۔ جنگوں میں خانہ کعبہ کی پاسبانی بنوعبدالدار کریں، سواروں کی کمان ہمیشہ بنومخزوم میں ہو۔

بنوسلیم انھیں مرالظہران میں ملے۔ ان کی قیادت ابوالاعور کا باپ سفیان بن عبدشمس کر رہا تھا۔ [1]

غطفانی لشکروں کے سالار

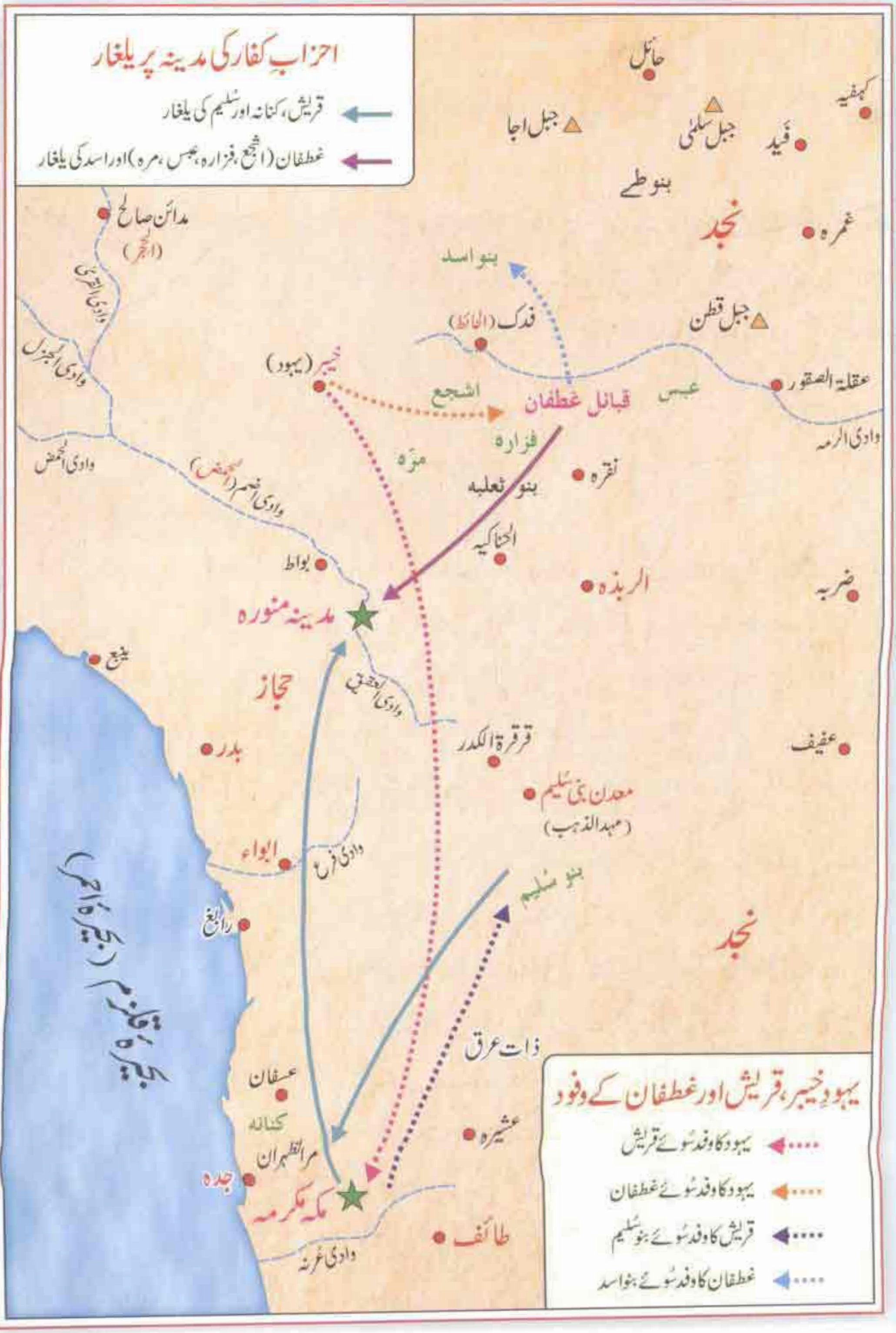
قبائل غطفان کا لشکر اپنے حلیفوں سمیت چھ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا جو چار کمانوں میں تقسیم تھا:

1. بنوفزارہ کی قیادت عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر کر رہے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔
2. بنو اسد طلیحہ بن خویلد اسدی کے زیرِ کمان تھے۔ یہ بھی بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔
3. بنو اشجع کے کمانڈر مسعر (مسعود) بن رُخَیلہ تھے، انھیں بھی بعد ازاں قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔
4. بنومرہ کے سالار حارث بن عوف بن ابوحارثہ تھے۔ انھوں نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ [2]

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى :451,450/1، سبل الهدٰى والرشاد :364/4. [2] السيرة لابن هشام :226/3، موسوعة الغزوات الكبرٰى :451/1، سبل الهدٰى والرشاد :364/4.



سد (ڈیم) وادی مرالظہران نزد مکہ مکرمہ


احزاب کفار کی مدینہ پر یلغار
قریش، کنانہ اور سلیم کی یلغار
غطفان (اشجع، فزارہ، عبس، مرہ) اور اسد کی یلغار
حائل
جبل سلمیٰ
جبل اجا
کہفیہ
فید
بنو طے
نجد
غمرہ
مدائن صالح
(الحجر)
وادی القریٰ
بنو اسد
فدک (الحائط)
جبل قطن
خیبر (یہود)
اشجع
قبائل غطفان
عبس
عقلۃ الصقور
وادی الرمہ
وادی الحمض
فزارہ
مرّہ
نقرہ
بنو ثعلبہ
وادی اضم (الحمض)
الحناکیہ
بواط
الربذہ
ضربہ
مدینہ منورہ
ینبع
حجاز
وادی العقیق
قرقرۃ الکدر
عفیف
بدر
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
الابواء
وادی فرع
بنو سلیم
رابغ
نجد
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
ذات عرق
عسفان
کنانہ
عشیرہ
مر الظہران
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
وادی عرنہ
یہودِ خیبر، قریش اور غطفان کے وفود
یہود کا وفد سوئے قریش
یہود کا وفد سوئے غطفان
قریش کا وفد سوئے بنو سلیم
غطفان کا وفد سوئے بنو اسد

کفار کا سالارِ اعظم اور احزاب کی تعداد

جب اتحادی لشکر مختلف کمانوں میں مرالظہران پہنچے تو مجموعی طور پر ان کی کمان قریشی سردار ابوسفیان بن حرب کو سونپ دی گئی۔

اتحادیوں کے انبوہِ کثیر میں چار ہزار جنگجو قریش اور ان کے حلیفوں پر مشتمل تھے۔ غطفانی اپنے حلیفوں سمیت چھ ہزار تھے۔ واقدی نے ان لشکروں کی علیحدہ علیحدہ تعداد بھی بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں: قریش اور احابیش 4000، بنوسلیم 700، بنوفزارہ 1000، بنو اشجع 400، بنومرہ 400۔ ان کی مجموعی تعداد 6500 بنتی ہے۔ باقی جنگجو غطفان اور بنو اسد کے تھے جن کی تعداد 3500 تھی۔ اس طرح یہ لشکر 10,000 جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔[1] انھی کو اللہ تعالیٰ نے ''احزاب'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔[2]

مدینہ میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس

اسلامی ریاست مدینہ کی قیادت دشمن کی حرکات و سکنات سے مکمل طور پر باخبر تھی۔ یہودی وفد کے خیبر سے مکہ جانے پر بھی مسلمانوں کی نظر تھی۔ انھیں یہود و قریش اور پھر یہود و غطفان میں طے پانے والے معاہدے کا بھی بخوبی علم تھا۔ دشمن کی ان سرگرمیوں ہی کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے دفاعی انتظام کیا اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب احزاب کی پیش قدمی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فوری طور پر جنگی قائدین کا ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ اجلاس میں یہود کی چال کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال اور مدینہ کے دفاعی معاملات زیرِ بحث آئے۔[3]

مسلمانوں کے لیے الجھن

اسلامی قیادت نے مدینہ کے دفاع کے لیے شمالی جانب کا انتخاب کیا تھا کیونکہ یہی واحد راستہ تھا جہاں سے دشمن مدینہ پر حملہ کر سکتا تھا اور حملہ آوروں کے سامنے ڈٹ جانے کے لیے اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں تھی لیکن منصوبہ بندی کے وقت ایک الجھن ایسی پیش آئی جو مسلمانوں کے لیے تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اگر احزاب کی افواج یکبارگی دھاوا بول دیں تو مسلمانوں کے لیے ثابت قدم رہنا کیسے ممکن ہوگا؟ اگر کفار مدینہ کے شمالی راستوں کے آس پاس برسرِ پیکار ہوں گے تو وہ انھیں مدینہ پر قبضہ کرنے سے کس طرح روکیں گے؟

---

[1] المغازي للواقدي :381,380/1، السيرة النبوية للمهدي (حاشية) :549/1، عيون الأثر، ص: 268. [2] فتح الباري: 491/7. [3] السيرة النبوية للصلابي :258/2.

اسلامی لشکر کے جوان اگرچہ شجاعت میں بے مثل تھے جوان کے اندر سچے عقیدے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی مگر دشمن کی اس قدر بھاری تعداد کو بھی قرین عقل رکھنا ضروری تھا کیونکہ کثرت بسا اوقات شجاعت پر غالب آ جاتی ہے۔ [1]

خندق کا مشورہ کس نے دیا؟



مسجد سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

مسلمان ایسی دفاعی تدابیر سوچ رہے تھے جنھیں بروئے کار لا کر وہ ان لشکروں کے ارادے تہ و بالا کر دیں۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ارکانِ شوریٰ میں شامل تھے۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیتے ہوئے کہا:

إِنَّا كُنَّا بِفَارِسَ إِذَا حُوصِرْنَا خَنْدَقْنَا عَلَيْنَا فَهَلْ لَّكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْ نُّخَنْدِقَ؟

''(اے اللہ کے رسول!) ہم جب فارس میں تھے اور ہمیں دشمن کے محاصرے کا خدشہ محسوس ہوتا تو ہم اپنے علاقے کے گرد خندق کھود لیتے تھے، تو کیا ہم مدینے کے گرد خندق نہ کھود لیں؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ بہت پسند آیا کیونکہ پیش آمدہ صورتِ حال میں یہ نہایت موزوں تھا۔

چنانچہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بڑی سعادت کی بات تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کو ترغیب دینے کے لیے اس کام میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی سرعت سے کھدائی کا کام کیا یہاں تک کہ وہ دشمن کی آمد سے پہلے ہی اس کام سے فارغ ہو گئے۔ مشرکین جب آئے تو انھوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا۔ [2]

دفاعی منصوبے کی تفصیل

مسلمانوں کا دفاعی منصوبہ درج ذیل تدابیر پر مشتمل تھا:

1. مسلمان مدینہ کے دفاع کے لیے مدینہ ہی میں موجود رہیں اور احزاب کے مقابلے کے لیے مدینہ سے باہر نہ جائیں۔
2. بڑی دفاعی لائنیں مدینہ کے شمالی طرف ہوں اور جبل سلع پشت پر ہو۔

[1] موسوعة الغزوات الكبرى :453/1. [2] المغازي للواقدي :382/1، فتح الباري :491/7، تاريخ الطبري :234/2.

3 مسلمان ایک گہری خندق کھودیں جو ان کے اور احزاب کی افواج کے درمیان حائل ہو جائے۔

4 مسلمان عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو دشمن سے دور محفوظ قلعوں میں اکٹھا کر دیں خصوصاً بنو قریظہ سے دور جن کی بستیاں مدینہ میں ہیں اور مسلمان ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔

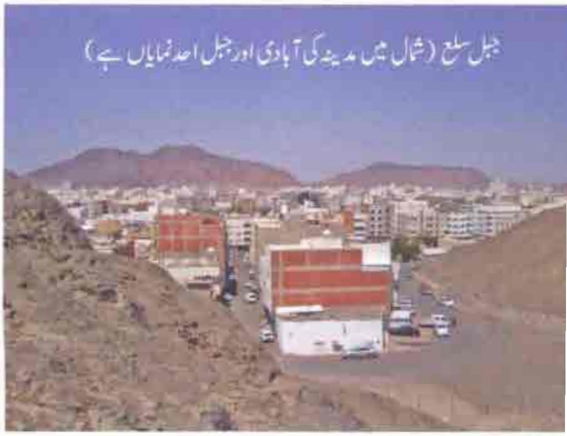
5 اسلامی حفاظتی دستے مسلسل رات بھر گشت کر کے مدینہ کی نگرانی کریں۔[1]

خندق کہاں اور کس طرح کھودی گئی؟

جب مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ خندق کھودی جائے تو رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کو ساتھ لے کر جگہ کی نشاندہی کے لیے تشریف لے گئے۔ واقدی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ چند مہاجرین و انصار آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ کو اسلامی لشکر کے پڑاؤ کے لیے مدینہ کے شمال میں جبل سلع والی جگہ بہت پسند آئی۔ طے پایا کہ سلع پہاڑ کو اپنے پیچھے رکھا جائے اور مذاد سے ذباب تک اور دوسری طرف راتج کے علاقے تک خندق کھودی جائے۔ جبلِ سلع کو بطور دفاع اختیار کر کے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقبی جانب محفوظ کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر دس افراد کو چالیس ہاتھ (32 میٹر) خندق کی کھدائی کا کام سونپا۔ مہاجرین نے مشرق میں راتج کے قلعے سے



جبل بنی عبید

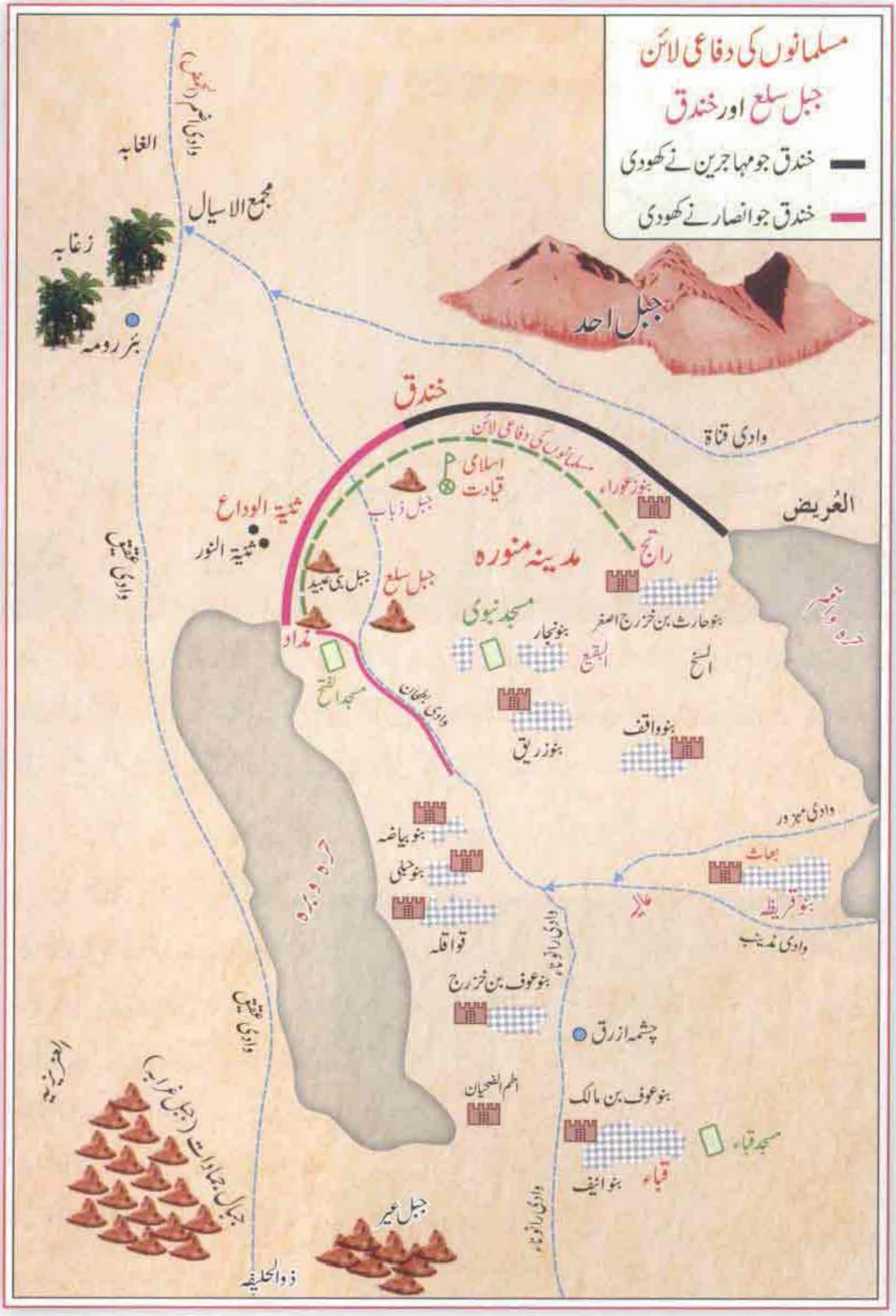


جبل سلع (شمال میں مدینہ کی آبادی اور جبل احد نمایاں ہے)

قلعۂ ذباب تک کھدائی شروع کی جبکہ انصار نے قلعۂ ذباب سے مغرب میں جبل بنی عبید تک کھدائی کا ذمہ لیا۔[2]

باشمیل نے خندق کا نقشہ بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر خندق کھودنے کا جو منصوبہ بنایا گیا، وہ دراصل ایک بڑی خندق کھودنے کا متقاضی تھا جو غربی جانب جبل سلع سے لے کر حرہ وبرہ تک پھیلی ہوئی ہو۔ اس طرح یہ خندق حرہ وبرہ کی مشرقی جانب سے کمان کی شکل میں

[1] المغازي للواقدي :382/1، فتح الباري :491/7، موسوعة الغزوات الكبرى :454/1. [2] المغازي للواقدي :382/1.



مسلمانوں کی دفاعی لائن
جبل سلع اور خندق
خندق جو مہاجرین نے کھودی
خندق جو انصار نے کھودی
جبل احد
خندق
مسلمانوں کی دفاعی لائن
وادی قناۃ
العُریض
اسلامی قیادت
جبل ذباب
راتج
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
مدینہ منورہ
جبل بنی عبید
جبل سلع
مسجد نبوی
بنو نجار
بنو حارث بن خزرج اصغر
البقیع
السنخ
مسجد الفتح
بنو زریق
بنو واقف
وادی مہزور
بنو بیاضہ
بعاث
بنو قریظہ
قواقلہ
بنو عوف بن خزرج
چشمہ ازرق
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بئر رومہ
ذوالحلیفہ
جبل عیر
بنو عوف بن مالک
مسجد قباء
قباء
بنو انیف

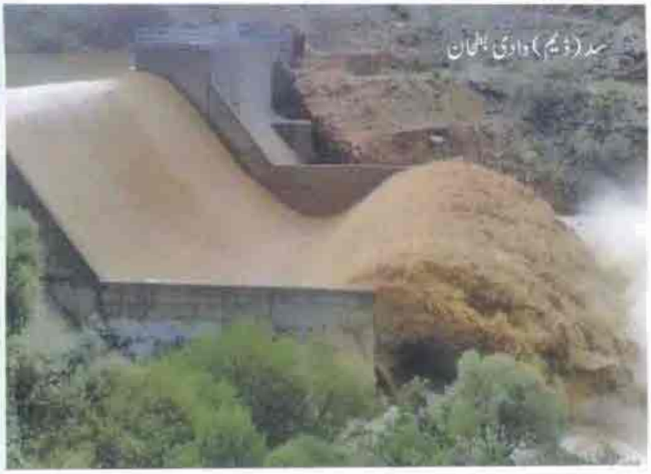
گزرے، پھر جبل سلع کے آگے خط مستقیم میں مشرقی سمت حرہ واقم کے اطراف تک پھیل جائے جو شرقی جانب سے مدینہ کو گھیرے ہوئے ہو۔ اس طرح یہ خندق احزاب کے پڑاؤ کے درمیان، جو شمالی جانب ہوگا، اور اسلامی افواج کے درمیان، جو حرتین کے بیچ میں جبل سلع کے آگے فروکش ہوں گی، رکاوٹ ڈال دے گی۔ اس لحاظ سے یہ منصوبہ



مسجد جمعہ، وادی رانوناء (مدینہ منورہ)

دوسری جزوی خندقوں کی کھدائی پر بھی مشتمل تھا جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں اور جبل سلع کی غربی سمت میں بڑی خندق تک پھیلی ہوئی تھیں اور جنوب میں وادی بطحان اور رانوناء کے اکٹھا ہونے کی جگہ تک یوں چلی جاتی تھیں کہ یہ ملی ہوئی خندقیں مغربی جانب سے مسجد نبوی کے پیچھے آجاتی تھیں۔ [1]

جبل سلع کے قریب اسلامی لشکر کے پڑاؤ کی مصلحت



سد (ڈیم) وادی بطحان

خندق کے لیے اس جگہ کا انتخاب بڑا موثر ثابت ہوا کیونکہ مدینہ منورہ کا شمالی علاقہ دشمن کے لیے کھلا رستہ تھا جس سے وہ بآسانی مدینہ منورہ میں داخل ہوسکتا تھا۔ دیگر اطراف محفوظ اور ناقابل دخول تھیں، ان اطراف سے دشمن کے درآنے کی راہ میں خاصی رکاوٹیں موجود تھیں۔ جنوب کی

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ :1/455.



حرہ وبرہ اور وادی عقیق (مدینہ منورہ)

جانب متصل گھروں کا لمبا سلسلہ محفوظ دیوار کی شکل اختیار کیے ہوئے تھا۔ یہ جگہ کھجوروں کے باغات سے گھری ہوئی تھی۔ مشرقی جانب حرہ واقم اور مغربی جانب حرہ وبرہ قدرتی دفاعی قلعوں کی صورت اختیار کیے ہوئے تھے۔ یہ بڑی دشوار گزار سنگلاخ چٹانیں تھیں، یہاں سے اونٹوں اور پیدل دستوں کا چلنا اور کوئی کارروائی کرنا بہت دشوار بلکہ ناممکن تھا۔ جنوب مشرق میں بنو قریظہ کے ٹیلے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور بنو قریظہ کے درمیان معاہدہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے خلاف دشمن کا ساتھ دیں گے نہ اسے کوئی مدد فراہم کریں گے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ کے لیے جو مقام منتخب فرمایا، وہ اسلامی لشکر کی حفاظت کے نقطہ نظر سے بہترین تھا۔ اس جگہ کے انتخاب سے جہاں رسالت مآب ﷺ کی بے خطا بصیرت عیاں ہوتی ہے، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معرکہ آرائیوں میں سب سے پہلے اپنے لشکر کی سلامتی کا اہتمام کرنا کتنا ضروری ہے۔ جنگ کا یہ پہلو جنگ اور اس کے نتائج پر واضح طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ [2]

خندق کی کھدائی میں مسلمانوں کا انہماک

مسلمان پوری دلجمعی اور جوش وخروش سے خندق کی کھدائی میں لگ گئے۔ اسلامی لشکر کی خواہش تھی کہ خندق کی کھدائی احزاب کے پہنچنے سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے، لہٰذا ممکن حد تک عاجلانہ طور پر کھدائی جاری تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھدائی کا کام انتہائی شدید ضرورت ہی کے وقت چھوڑتے تھے۔ اور یہ کام چھوڑتے ہوئے نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ اجازت مرحمت فرماتے، تب وہ اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے خندق سے نکلتے تھے۔ جب وہ اپنی حاجت پوری کر لیتے تو بھلائی کی رغبت اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی حرص میں نہایت عجلت کے ساتھ خندق میں اپنے کام پر واپس آجاتے تھے۔ [3]

[1] السيرة النبوية للصلابي :2/259، العبقرية العسكرية في غزوات الرسول، ص :442. [2] القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ، ص :426. [3] السيرة لابن هشام :3/226،227.

مومنوں کی شان میں قرآن کریم کا نزول

مخلص اصحابِ رسول خندق کی کھدائی نہایت سنجیدگی اور اخلاص سے کر رہے تھے۔ وہ اس سلسلے میں ایک لمحے کی غفلت بھی نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ فرمان عالی شان نازل کیا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

(النور62:24)

”بس مومن تو صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام پر ہوتے ہیں تو آپ سے اجازت لیے بغیر نہیں جاتے۔ (اے نبی!) بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں، وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“[1]

منافقین کے ہتھکنڈے

مسلمان چاہتے تھے کہ خندق کی کھدائی احزاب کے پہنچنے سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے لیکن اسلامی فوج کو ابتدا ہی میں ایسے لوگوں کا سامنا کرنا پڑا جو بظاہر مسلمان تھے، مگر وہ ایسی کارروائیاں کرتے تھے جن پر تخریب کاری اور تفرقہ بازی کی چھاپ تھی۔ منافقین کا یہ ٹولا کھدائی کے کام میں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتا۔ دراصل وہ چاہتے تھے کہ خندق کی کھدائی میں تاخیر ہو جائے اور احزاب کی فوجیں آ کر شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔

مجاہدین کو حکم تھا کہ کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی اجازت کے بغیر خندق کا کام نہ چھوڑے لیکن یہ منافقین کام چھوڑ دیتے، آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر ہی کھسک جاتے اور اپنے اہل و عیال کے پاس جا دبکتے۔ ان کی ان تخریبی کارروائیوں کا خندق کی کھدائی میں برا اثر پڑا۔

منافقین بظاہر اسلام لانے اور اسلامی فوج میں شمولیت کے باوجود نبی کریم ﷺ پر تہِ دل سے ایمان نہیں لائے تھے، نہ انھوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کی تھی۔ ان کی ظاہر داری تقیہ کے طور پر تھی تاکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ

[1] السيرة لابن هشام: 227/3، حديث القرآن عن غزوات الرسول، ص: 409,408.

رہ کر اپنے لیے تمام حقوق حاصل کرتے رہیں، حالانکہ وہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے حکم کی پابندی نہ کرنے پر منافقین کی حیلہ سازی کا پردہ چاک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۗ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾
(النور 63:24)

''(اے مومنو!) تم رسول (ﷺ) کے بلانے کو باہم ایک دوسرے کو بلانے کے مانند نہ ٹھہراؤ، یقیناً اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں، لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس (اللہ اور اس کے رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس (بات) سے ڈریں کہ ان پر کوئی آزمائش آپڑے یا انھیں دردناک عذاب گھیر لے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس مٹی ڈھوتے رہے



خندق کی کھدائی میں سب لوگ برابر کے شریک تھے۔ امیر، غریب اور غلام و آقا میں کوئی فرق نہیں تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی برابر کے شریکِ کار تھے۔ آپ ﷺ خندق بھی کھودتے تھے اور مٹی بھی اٹھاتے تھے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خندق کھودتے اور مٹی ڈھوتے تھے یہاں تک کہ مٹی کی بہتات سے آپ ﷺ کا بطن مبارک ڈھک گیا تھا، آپ ﷺ کے جسم اطہر پر گھنے بال تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار رجزیہ انداز میں پڑھتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ! لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا ... وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا ... وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

[1] السيرة لابن هشام: 227/3، حديث القرآن عن غزوات الرسول، ص: 409,408، موسوعة الغزوات الكبرى: 461-459/1.

إِنَّ الْأُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا وَإِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

''اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت پاتے نہ صدقہ کرتے اور نہ نمازیں پڑھتے۔ لہٰذا ہم پر سکینت (اطمینان) نازل فرما اور دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ یہ لوگ ظلم کی نیت سے ہم پر چڑھ آئے ہیں۔ اگر یہ ہمیں فتنے (جنگ) پر مجبور کریں گے تو ہم صاف انکار کر دیں گے۔''[1]

حوصلے بلند رکھنے کا نبوی اسلوب

خندق کی کھدائی کے دوران شدید مشکلات سامنے آئیں، مثلاً: موسم انتہائی سرد تھا۔ ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ تنگ دستی کے دن تھے۔ ساتھ ساتھ متوقع دشمن کی آمد کا خوف ہر لحظہ بڑھ رہا تھا۔ کھدائی کا کام بڑا مشکل تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہاتھوں سے مٹی کھودتے اور کمر پر ڈھوتے تھے۔ ان حالات میں رہبر اعظم اور ماہرِ نفسیاتِ انسانی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ صحابہ کے بارے میں یہ بات ہرگز نہیں بھولے کہ صحابہ کرام کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے جو ان کے دکھ درد کو کچھ وقت کے لیے بھلا دے، چنانچہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے عزمِ صمیم کی تازگی کے لیے اشعار پڑھتے تو نبیِ کریم ﷺ بھی ان کا مستعدی سے جواب دیتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین و انصار خندق کھودتے تھے، اپنی کمر پر مٹی ڈھوتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا عَلَى الْإِسْلَامِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

''ہم تو پیغمبر محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں کہ جب تک جان میں جان ہے، اسلام پر ثابت قدم رہیں گے۔''

اور نبی ﷺ انھیں جواباً دعا دیتے تھے:

اَللّٰهُمَّ! لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

''مولائے برحق! حقیقی بھلائی تو آخرت ہی کی بھلائی ہے، لہٰذا تو انصار اور مہاجرین کو برکت عطا فرما۔''[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حالتِ زار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتہائی کٹھن حالات میں گرفتار تھے مگر وہ جذبۂ ایمان سے سرشار تھے۔ بھوک کے ہاتھوں ستائے ہوئے تھے لیکن ان کے عزم و ایمان نے ان کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہیں آنے دی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان

[1] صحیح البخاري: 4106,4104، صحیح مسلم: 1803. [2] صحیح البخاري: 4100، صحیح مسلم: 1805.

کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے۔ وہاں شدید سردی میں مہاجرین و انصار کام کر رہے تھے۔ ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے جو ان کے بدلے کام کرتے۔ جب نبی کریم ﷺ نے تھکن اور بھوک کے سبب ان کی حالتِ زار دیکھی تو ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ! لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَهْ　　فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

''اے اللہ! حقیقی زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے، اس لیے تو انصار اور مہاجرین کو معاف فرما دے۔''

اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو یہ جواب دیا:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا　　عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

''ہم نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد پر قائم رہیں گے۔''[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک مٹھی یا دو مٹھی مقدار میں جو لائے جاتے تھے، پرانے بدمزہ تیل میں جو پکا کر انھیں پیش کیے جاتے۔ پرانے تیل کی وجہ سے جو سے اتنی سخت بدبو آتی تھی کہ اسے حلق سے نیچے اتارنا مشکل تھا لیکن بھوک اس غضب کی ہوتی تھی کہ وہ لوگ اسے بخوشی کھا لیتے تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے شکمِ اطہر پر دو پتھر

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنا پیٹ کھول کر اس پر بندھا ہوا ایک ایک پتھر دکھایا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک پیٹ سے کپڑا اٹھایا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔[3]

بنت بشیر کی کھجوروں میں برکت

سعید بن مینا بیان کرتے ہیں کہ بشیر بن سعد کی بیٹی، سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بہن نے بیان کیا کہ میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے مجھے بلا کر ایک لپ کھجوریں دیں، پھر کہنے لگیں: بیٹی! یہ ناشتا اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کو پہنچا دے۔ میں نے وہ کھجوریں لیں اور چل پڑی۔ وہاں اپنے والد اور ماموں کو تلاش کرتے کرتے میرا گزر رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ہوا۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري: 4098، صحيح مسلم: (127)-1805. [2] صحيح البخاري: 4100. [3] جامع الترمذي: 2371. یہ روایت ضعیف ہے۔

«تَعَالَيْ يَا بُنَيَّةُ! مَا هٰذَا مَعَكِ؟»

''میری بیٹی! ادھر آؤ، یہ تمھارے پاس کیا ہے؟''

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کھجوریں ہیں۔ میری ماں نے دی ہیں اور کہا ہے کہ میں انھیں اپنے والد بشیر بن سعد اور ماموں عبداللہ بن رواحہ کو پہنچا دوں تاکہ وہ ناشتہ کرلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «هَاتِيهِ!» ''یہاں لے آؤ۔'' میں نے آپ ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں پر کھجوریں رکھ دیں۔ یہ اتنی کم تھیں کہ ان سے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھ بھی نہ بھرنے پائے، پھر آپ ﷺ نے ایک کپڑا طلب فرمایا اور اسے بچھا دیا۔ آپ ﷺ نے وہ کھجوریں اس کپڑے پر ڈال دیں۔ کھجوریں سارے کپڑے پر بکھر گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے قریب بیٹھے ایک شخص سے کہا:

«أُصْرُخْ فِي أَهْلِ الْخَنْدَقِ أَنْ هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ»

''خندق کھودنے والوں کو آواز دو کہ وہ آکر ناشتہ کرلیں۔''

سب لوگ آگئے اور کھجوریں کھانے لگے۔ کھجوریں آپ ہی آپ برابر بڑھتی جارہی تھیں حتی کہ تمام لوگ سیر ہوکر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد بھی یہ حال تھا کہ کھجوریں کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں۔[1]

ابورافع رضی اللہ عنہ کی دعوت

سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خندق کے روز میں نے ایک ٹوکری میں بُھنی ہوئی بکری رکھی اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا رَافِعٍ! نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ» فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ، فَقَالَ: «يَا أَبَا رَافِعٍ! نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ» فَنَاوَلْتُهُ، فَقَالَ: «يَا أَبَا رَافِعٍ! نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ» فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! وَهَلْ لِلشَّاةِ إِلَّا ذِرَاعَانِ، فَقَالَ: «لَوْ سَكَتَّ سَاعَةً لَنَاوَلْتَنِي مَا سَأَلْتُكَ»

''اے ابورافع! مجھے دستی پکڑاؤ۔ میں نے آپ کو دستی (کا گوشت) پیش کیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ابورافع! مجھے دستی پکڑاؤ۔ میں نے پیش کی۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا: ابورافع! مجھے دستی پکڑاؤ۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! بکری کی تو دو ہی دستیاں ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم کچھ دیر خاموش رہتے تو جو میں نے تم سے مانگا تھا، وہ مجھے دے دیتے۔''[2]

[1] السيرة لابن هشام :229,228/3، دلائل النبوة للبيهقي :427/3. [2] مسند أحمد :8/6.



اصحابِ خندق کے لیے حلوے کا پیالہ

عبداللہ بن معتب سے روایت ہے کہ ام عامر اشہلیہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن میں حیس (کھجور اور پنیر کا حلوہ) ڈال کر بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حسبِ خواہش اسے تناول فرمایا۔ باقی بچا ہوا حلوہ رسول اللہ ﷺ نے اُٹھایا اور باہر تشریف لے آئے، پھر لشکر میں اعلان کر دیا گیا کہ خندق والے آج رات کا کھانا رسول اللہ ﷺ کے ہاں کھائیں۔ سب آئے اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس کے باوجود حلوہ جوں کا توں بچ گیا۔ [1]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ضیافت

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جب خندق کھودی جا رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا بطن مبارک بھوک کی شدت سے کمر سے جا لگا تھا۔ میں فوراً اپنی بیوی کے پاس گیا، اس سے پوچھا: کیا تمھارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شدید بھوک کی حالت میں دیکھا ہے۔ اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو) جو تھے اور ہمارے گھر میں پلی ہوئی ایک بکری تھی۔ میں نے اسے ذبح کیا، میری بیوی نے آٹا پیسا، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے لگا تو بیوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کر دینا۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور چپکے سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم نے اپنی ایک بکری ذبح کی ہے، میری بیوی نے ایک صاع جو کا آٹا پیسا ہے۔ اس کے سوا ہمارے پاس کچھ اور نہیں ہے۔ آپ اپنے چند صحابہ کے ساتھ تشریف لے چلیے اور یہ ضیافت قبول فرمائیے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے دور ہی سے بلند آہنگی سے پکار لگائی:

«يَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ! إِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ سُورًا فَحَيَّهَلًا بِكُمْ»

''اے اہل خندق! جابر نے تمھاری دعوت کی ہے، اس لیے تم سب میرے ساتھ چلو۔''

[1] المغازي للواقدي: 406/1.

رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے کہا:

«لَا تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَكُمْ وَلَا تَخْبِزُنَّ عَجِينَكُمْ حَتَّى أَجِيءَ»

''جب تک میں نہ آجاؤں، تم اپنی ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا اور آٹے کی روٹی مت پکانا۔''

میں واپس آگیا اور رسول اللہ ﷺ تمام صحابہ کے ساتھ تشریف لے آئے۔ جب میں اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثرت دیکھ کر مجھے ملامت کرنے لگی۔ میں نے کہا: میں نے تو اُسی طرح عمل کیا تھا جیسا کہ تم نے کہا تھا۔ میری بیوی نے آپ ﷺ کے سامنے آٹا رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب مبارک شامل فرمایا اور برکت کی دعا کی، پھر ہنڈیا کے پاس گئے اور اس میں بھی معمولی سا لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أُدْعُ خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ وَاقْدَحِي مِنْ بُرْمَتِكُمْ وَلَا تُنْزِلُوهَا»

''ایک روٹی پکانے والی کو بلالو تا کہ وہ تمھارے ساتھ روٹیاں پکائے اور اپنی ہانڈی سے پیالے میں سالن نکالتی رہو اور اسے چولہے سے نہ اتارنا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک ہزار تھی۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب حضرات نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور گوشت اور روٹی کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جس حالت میں انھوں نے کھانا شروع کیا تھا۔ ہماری ہنڈیا بدستور لبالب بھری ہوئی تھی اور ابال کھا رہی تھی اور ہمارا آٹا بھی حسب سابق ویسے کا ویسا ہی موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلِي هٰذَا وَأَهْدِي، فَإِنَّ النَّاسَ أَصَابَتْهُمْ مَجَاعَةٌ»

''خود بھی کھاؤ اور لوگوں کو تحفہ بھی بھیجو کیونکہ لوگ بھوکے ہیں۔''[1]

اس واقعے میں رسول اللہ ﷺ کے حسی معجزے کا ذکر ہے۔ اس واقعے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مسلمان عورت دیگر مسلمانوں کے ساتھ مقدور بھر جہاد میں حصہ لے سکتی ہے۔ مسلمان اپنے ذاتی کام کاج چھوڑ کر خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ روٹی کمانے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ لوگوں کو فاقہ کشی کا سامنا تھا۔ بھوک کی شدت سے رسول اللہ ﷺ اور اکثر مسلمانوں نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ ایسے حالات میں ایک خاتون اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق اُنھیں کھانا کھلا کر جہاد میں شرکت کر رہی تھی۔[2]

[1] صحیح البخاري: 4102،4101، صحیح مسلم: 2039. [2] المرأة في عهد النبوي للدكتور عصمة الدين، ص: 175، السيرة النبوية للصلابي: 284،283/2.

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت کی پیش گوئی

خندق کی کھدائی کے دوران صداقتِ نبوت کا اظہار و اعلان اس طرح بھی ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت کی پیش گوئی کی۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس ہستی نے خبر دی جو مجھ سے بہتر ہے۔ جب عمار رضی اللہ عنہ خندق کھود رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر کو جھاڑتے ہوئے فرمایا:

«بُؤْسَ ابْنِ سُمَيَّةَ، تَقْتُلُكَ فِئَةٌ بَاغِيَةٌ»

''ابن سمیہ کو کتنی بڑی مصیبت لاحق ہوگی۔ (اے عمار!) تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔''[1]

یاد رہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں لڑتے ہوئے شہید کر دیے گئے تھے۔[2]

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے قاتل کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں ابوالغادیہ المزنی نے قتل کیا تھا۔ یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ ان کا نام مسلم یا یسار تھا۔ انھوں نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شدید زخمی کر دیا۔ جب وہ زمین پر گرے تو ایک اور شخص نے ان کی گردن کاٹ ڈالی۔ پھر دونوں جھگڑنے لگے۔ دونوں کا دعویٰ یہ تھا کہ اس نے سیدنا عمار کو قتل کیا ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

وَاللّٰهِ! إِنْ يَّخْتَصِمَانِ إِلَّا فِي النَّارِ.

''اللہ کی قسم! یہ دونوں جہنم کی آگ کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔''

اللہ کی قسم! میری تمنا یہ ہے کہ میں آج سے بیس سال قبل فوت ہو چکا ہوتا (اور یہ دلسوز منظر نہ دیکھتا)۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ربیع الاول یا ربیع الثانی 37ھ میں شہید ہوئے جبکہ آپ کی عمر 93 یا 94 سال تھی۔[3]

ناقابلِ شکست سنگلاخ چٹان پر ضربِ نبوی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھود رہے تھے کہ اس دوران میں ایک بہت سخت چٹان سامنے آگئی جس پر کوئی کدال اثر نہیں کر رہی تھی تو صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گئے اور عرض کی: (اے اللہ کے رسول!) ایک سخت چٹان خندق کی کھدائی میں حائل ہوگئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنَا نَازِلٌ» ''میں خود اترتا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ کے شکم اطہر پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ تین دن سے ہم نے کوئی چیز نہیں

[1] صحيح مسلم: 2915. [2] أسد الغابة: 344/1. [3] أسد الغابة: 312/3.

چکھی تھی۔ آپ ﷺ نے کدال پکڑی اور اس سخت چٹان پر ماری تو وہ ریت کے بھربھرے ٹیلے کی طرح ریزہ ریزہ ہوگئی۔ [1]

قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں فتح ہونے کی بشارت

سیدنا براء بن عازب ؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق میں ایک جگہ سخت چٹان حائل ہوگئی، اس پر کوئی کدال اثر نہیں کر رہی تھی۔ ہم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، چٹان کی طرف اترے، کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر ایک ضرب لگائی تو چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُبْصِرُ قُصُورَهَا الْحُمْرَ مِنْ مَّكَانِي هٰذَا»

”اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اس جگہ سے اس کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔“

پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر دوسری ضرب لگائی تو دوسرا ایک تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ فَارِسَ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُبْصِرُ الْمَدَائِنَ وَأُبْصِرُ قَصْرَهَا الْأَبْيَضَ مِنْ مَّكَانِي هٰذَا»

”اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں مدائن دیکھ رہا ہوں اور اپنی موجودہ جگہ سے اس کا سفید محل (کاخِ سپید) دیکھ رہا ہوں۔“

[1] صحيح البخاري :4101، السيرة لابن هشام :228/3.



افامیہ (شام) کے یونانی کھنڈر

پھر رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر تیسری چوٹ لگائی تو بقیہ پتھر بھی چکنا چور ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْيَمَنِ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُبْصِرُ أَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَّكَانِي هٰذَا»

''اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔''[1]

امام نسائی ؒ اس واقعے کو نبی کریم ﷺ کے ایک پیارے صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: جب نبی اکرم ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو ایک ایسی چٹان سامنے آگئی جو خندق کی کھدائی میں رکاوٹ بن گئی۔ رسول اللہ ﷺ اٹھے، کدال پکڑی اور اپنی چادر مبارک خندق کے کنارے رکھ دی۔ پھر یہ آیت پڑھ کر ضرب لگائی:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ (الأنعام 115:6)

''اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے لحاظ سے پوری ہوئی، کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''

اس ضرب سے پتھر کا تیسرا حصہ اُڑ گیا۔ سیدنا سلمان فارسی ؓ کھڑے دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی ضرب کے ساتھ ہی ایک چمک پیدا ہوئی، پھر آپ نے دوبارہ ضرب لگائی اور وہی آیت پڑھی:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾

اس ضرب سے مزید ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا، پھر ایک چمک پیدا ہوئی جسے حضرت سلمان فارسی ؓ نے دیکھا۔

[1] مسند أحمد: 303/4، دلائل النبوة للبيهقي: 421/3، فتح الباري: 496/7. یہ روایت ضعیف ہے۔ (الموسوعة الحديثية: 626/30)


صنعاء (یمن) کا ایک منظر

پھر آپ ﷺ نے تیسری دفعہ ضرب لگائی اور وہی آیت پڑھی:

﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾

اب باقی پتھر بھی ریزہ ریزہ ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ خندق سے نکلے، اپنی چادر مبارک اٹھائی اور بیٹھ گئے۔ سلمان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! جب آپ ضربیں لگا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر ضرب کے ساتھ ہی ایک چمک پیدا ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا سَلْمَانُ! رَأَيْتَ ذٰلِكَ؟»

''سلمان! کیا تم نے وہ چمک دیکھی تھی؟''

انھوں نے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو نبیِ برحق بنایا! آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي حِينَ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الْأُولٰى رُفِعَتْ لِي مَدَائِنُ كِسْرٰى وَمَا حَوْلَهَا وَمَدَائِنُ كَثِيرَةٌ حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ»

''میں نے جب پہلی ضرب لگائی تھی تو مجھے مدائنِ کسریٰ اور اس کے اردگرد کے علاوہ بھی بہت سے شہر دکھائے گئے حتی کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔''

رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ یہ شہر ہمارے ہاتھوں پر فتح کرائے، ان کے گھر ہمیں غنیمت میں عنایت فرمائے اور ان کے علاقے ہمارے ہاتھوں تاراج فرمائے۔ آپ ﷺ نے یہ دعا کر دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«ثُمَّ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الثَّانِيَةَ فَرُفِعَتْ لِي مَدَائِنُ قَيْصَرَ وَمَا حَوْلَهَا حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ»



مدائنِ کسریٰ (عراق) کے کھنڈر



''پھر جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو مجھے قیصر کے شہر اور اس کے ارد گرد کے علاقے دکھائے گئے یہاں تک کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ وہ علاقے ہمارے ہاتھوں فتح کرائے۔ ان کے گھر ہمیں غنیمت میں عطا فرمائے اور ان کے علاقے ہمارے ہاتھوں تاراج فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

«ثُمَّ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الثَّالِثَةَ فَرُفِعَتْ لِي مَدَائِنُ الْحَبَشَةِ وَمَا حَوْلَهَا مِنَ الْقُرٰى حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ»

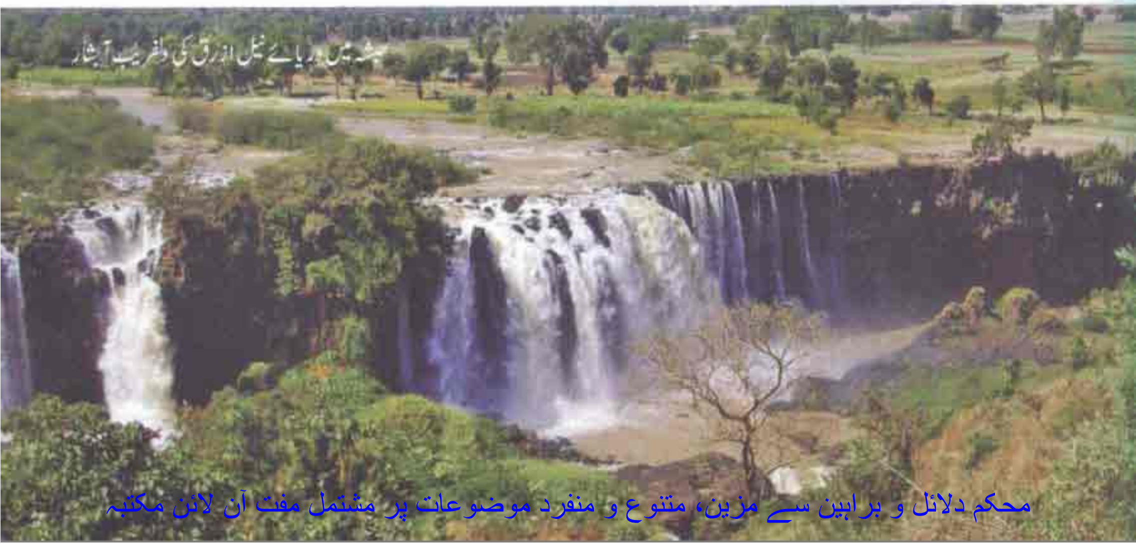
''پھر میں نے تیسری ضرب لگائی تو مجھے حبشہ کے شہر اور اردگرد کے بہت سے علاقے دکھائے گئے حتی کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔''

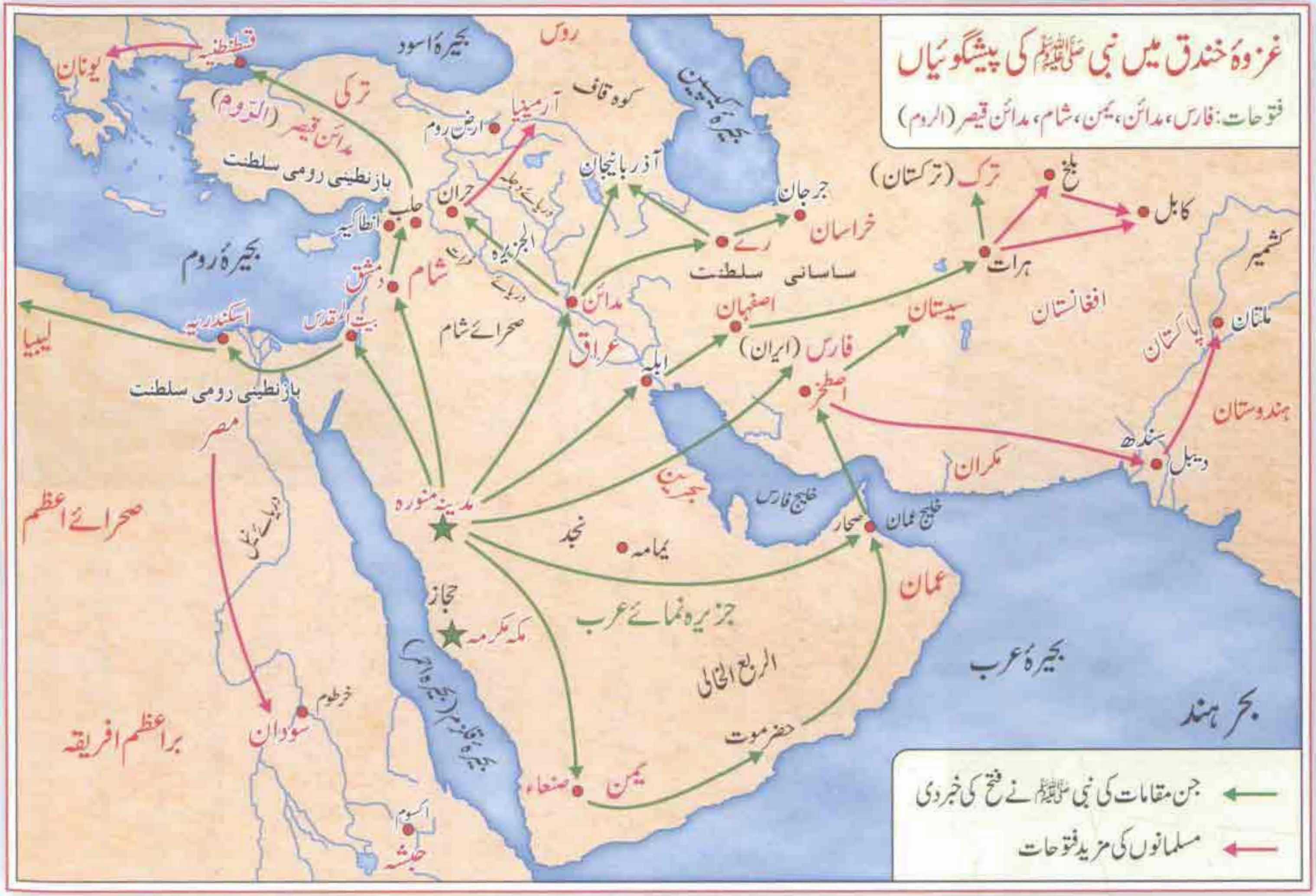
اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دَعُوا الْحَبَشَةَ مَا وَدَعُوكُمْ وَاتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوكُمْ»

''حبشیوں کو انھی کے حال پر رہنے دو جب تک وہ تمھیں تمھارے حال پر رہنے دیں اور ترکوں کو بھی کچھ نہ کہو جب تک وہ تمھیں کچھ نہ کہیں۔''[1]

[1] [حسن] سنن النسائي: 3178، حديث القرآن عن غزوات الرسول، ص: 412,411.





غزوۂ خندق میں نبی ﷺ کی پیشگوئیاں
فتوحات: فارس، مدائن، یمن، شام، مدائن قیصر (الروم)
جن مقامات کی نبی ﷺ نے فتح کی خبر دی
مسلمانوں کی مزید فتوحات
قسطنطنیہ
یونان
ترکی
مدائن قیصر (الروم)
بازنطینی رومی سلطنت
بحیرۂ اسود
روس
کوہ قاف
آرمینیا
ارض روم
آذربائیجان
حلب
انطاکیہ
حران
بحیرۂ روم
دمشق
شام
الجزیرہ
مدائن
رے
جرجان
خراسان
ساسانی سلطنت
ترک (ترکستان)
بلخ
کابل
ہرات
کشمیر
افغانستان
سیستان
اصفہان
فارس (ایران)
عراق
ابلہ
اصطخر
ملتان
پاکستان
ہندوستان
سندھ
دیبل
مکران
بیت المقدس
اسکندریہ
لیبیا
صحرائے شام
بازنطینی رومی سلطنت
مصر
مدینہ منورہ
بحرین
خلیج فارس
خلیج عمان
صحار
نجد
یمامہ
عمان
صحرائے اعظم
حجاز
مکہ مکرمہ
جزیرہ نمائے عرب
الربع الخالی
بحیرۂ عرب
بحر ہند
خرطوم
سوڈان
براعظم افریقہ
حضرموت
صنعاء
یمن
اکسوم
حبشہ

ابن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ شہر سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں فتح ہونے لگے تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: تمھارے سامنے جو علاقہ بھی آئے، اسے فتح کرلو۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابوہریرہ کی جان ہے! تم قیامت تک جس شہر کو بھی فتح کرو گے، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے اس کی کنجیاں (فتح کی بشارت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی ہیں۔ [1]

سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بہت مضبوط آدمی تھے۔ خندق کی کھدائی میں انصار اور مہاجرین نے ان کے بارے میں باہم اختلاف کیا۔ انصار نے کہا: سلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ مہاجرین بولے: سلمان ہم میں سے ہیں۔ ایک روایت میں ہے: مہاجرین نے کہا: سلمان! آپ ہمارے ساتھ مل کر خندق کھودیں۔ انصار میں سے ایک آدمی نے

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منسوب کھجوروں کا باغ



کہا: ہم سے بڑھ کر سلمان کا کوئی حقدار نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ»

''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔'' [2]

سلمان رضی اللہ عنہ کو نظر لگ گئی

مروان بن سعید بیان کرتے ہیں کہ خندق کے دن سلمان پوری دلجمعی سے کام کر رہے تھے۔ جب وہ کسی ساتھی

[1] السيرة لابن هشام: 230/3، دلائل النبوة للبيهقي: 418/3. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 400/3 و 418، المستدرك للحاكم: 598/3۔ یہ روایت ضعیف ہے۔

میں سستی اور تکان کے آثار دیکھتے تو اس کے ساتھ مزاح کرتے تاکہ سستی دور ہو اور اس کی طبیعت بشاش ہو جائے۔ تمام لوگ اس دن سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر رشک کر رہے تھے۔ مہاجرین نے کہا: سلمان ہم میں سے ہیں۔ وہ بہت مضبوط آدمی تھے اور خندق کی کھدائی میں ماہر تھے۔ انصار نے کہا: وہ ہم میں سے ہیں، ہم ہی ان کے زیادہ حقدار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔''

خندق کے روز سلمان تنِ تنہا دس آدمیوں کے برابر کام کر رہے تھے حتی کہ اس دن انھیں قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کی نظر لگ گئی، وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مُرُوهُ فَلْيَتَوَضَّأْ لَهُ وَلْيَغْتَسِلْ بِهِ وَيَكْفِئُ الْإِنَاءَ خَلْفَهُ»

''اسے (قیس بن ابی صعصعہ کو) حکم دو کہ وہ وضو کرے اور وہ (سلمان) اس پانی سے غسل کریں اور پانی کو اپنے پیچھے کی طرف بہائیں۔''

انھوں نے ایسے ہی کیا تو وہ بالکل تندرست ہو گئے۔ [1]

ایک صحابی کے لیے اہلِ خندق کا رجزیہ کلام

خندق کی کھدائی کرنے والوں میں ایک صحابی جُعَیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ہر چند یہ خوبصورت نہیں تھے لیکن بے حد نیک انسان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر دیا۔ ان کا پہلا نام جُعَیل کالعدم کر دیا اور نیا نام عمرو رکھ دیا، چنانچہ خندق کھودنے والے خوشی خوشی یہ سیدھا سادہ شعر پڑھنے لگے:

سَمَّاهُ مِنْ بَعْدِ جُعَيْلٍ عَمْرًا   وَكَانَ لِلْبَائِسِ يَوْمًا ظَهْرًا

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعیل کا نام بدل کر اس کا نیا نام عمرو رکھ دیا اور آپ اس دن تنگ دست کے لیے مددگار تھے۔''

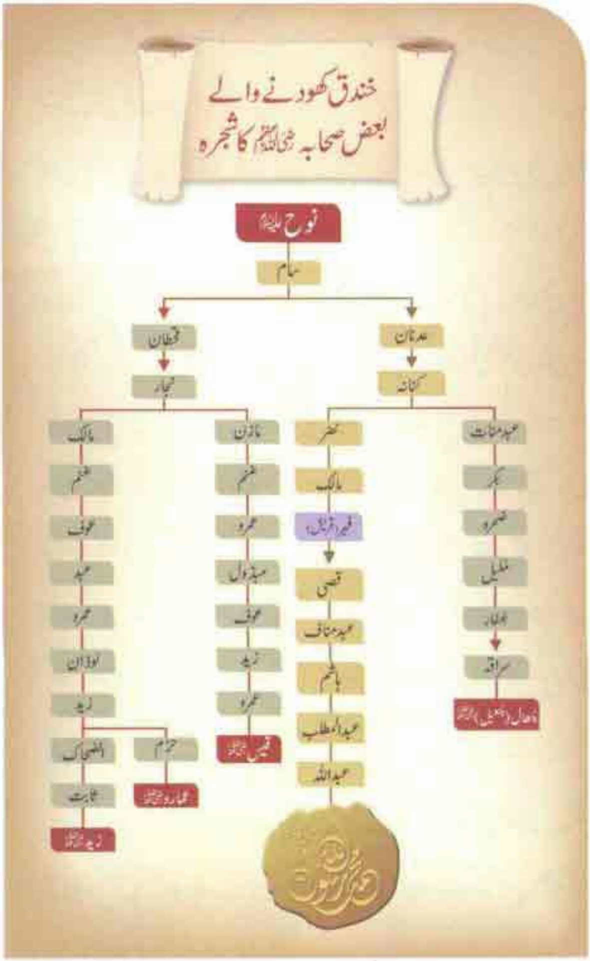
جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شعر پڑھتے ہوئے لفظ عَمْرًا پر پہنچتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عَمْرًا کہتے تھے اور جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم لفظ ظهرًا پر پہنچتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظَهْرًا کہتے تھے۔ [2]

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مزاح

یہاں یہ غور کرنا ضروری ہے کہ آخر وہ کون سی طاقت تھی جو اس فضا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روحوں کو توانائی عطا

[1] المغازي للواقدي: 383/1. [2] السيرة لابن هشام: 228/3، المغازي للواقدي: 384,383/1.

کر رہی تھی اور وہ کون سا سرچشمہ تھا جو ان کے وجود میں رضا مندی، بہادری، اعتماد اور استقامت کی بجلیاں پیدا کر رہا تھا۔ یہ فضا سنجیدہ تھی مگر خوش طبعی اور مزاح سے خالی نہ تھی۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پندرہ سال کے نوعمر لڑکے تھے، وہ بھی خندق میں مٹی اٹھانے والوں میں شامل تھے۔ یہ ان کی پہلی مرتبہ کسی غزوے میں باقاعدہ طور پر شرکت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کم سنی کے باوجود مٹی اٹھاتے دیکھا تو فرمایا: «أَمَا إِنَّهُ نِعْمَ الْغُلَامُ» ''ارے یہ تو بہت اچھا بچہ ہے!''



سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو نیند آ گئی، وہ گرمی محسوس کرنے کے بعد خندق ہی میں سو گئے۔ عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ نے مزاح کرتے ہوئے ان کے ہتھیار اٹھا لیے مگر انھیں پتہ ہی نہ چلا۔ جب زید رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہوئے تو اپنا اسلحہ گم پایا۔ وہ گھبرا گئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا أَبَا رُقَادٍ! نِمْتَ حَتّٰى ذَهَبَ سِلَاحُكَ»

''اے نیند والے! تو (اتنی گہری نیند) سو گیا حتی کہ تیرے ہتھیار چرا لیے گئے۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَّهُ عِلْمٌ بِسِلَاحِ هٰذَا الْغُلَامِ؟»

''اس بچے کے ہتھیار کا کس کو علم ہے؟''

عمارہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ میرے پاس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے واپس کر دو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مومن کو خوفزدہ کرنے یا گھبراہٹ میں ڈالنے سے منع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہنسی مذاق سے یا سنجیدگی سے بھی کوئی شخص کسی مومن کا سامان بلا اجازت نہ اٹھائے۔

خوش طبعی اور لطف و محبت کی یہ کیسی شاندار مثال ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ کام کرتے کرتے اچانک سو گیا اور اس کا

ہتھیار لے لیا گیا تو آپ ﷺ نے اس سے مزاحاً کتنے پیار بھرے انداز میں فرمایا: ''ارے اے نیند کے متوالے! تم ایسے سوئے کہ تمھارا اسلحہ ہی جاتا رہا۔'' اس جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کس قدر خوش طبع مشفق، حلیم اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ اسی لیے تو قرآن کریم نے گواہی دی ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ (القلم 68:4)

''اور بلاشبہ آپ عظیم اخلاق کے حامل ہیں۔'' [1]

خندق کی کھدائی کی تکمیل

خندق کی کھدائی کتنے دنوں میں مکمل ہوئی؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مسلمان خندق کے کام سے چھ دن میں فارغ ہوئے۔

علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک خندق کی مکمل کھدائی میں تقریباً بیس دن لگے۔

واقدی کے نزدیک چوبیس دن میں خندق کی کھدائی مکمل ہوئی۔

امام نووی نے یہ مدت پندرہ روز بتائی ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ یہ کام ایک مہینے میں مکمل ہوا۔

علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ صحابہ خندق کے کام سے چھ دن میں فراغت پا گئے اور یہی بات معروف ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے ابن عقبہ کا قول نقل کیا ہے کہ خندق کی مدت عمل تقریباً بیس دن تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ ابن قیم نے زاد المعاد میں جو ایک مہینے کا تذکرہ کیا ہے، وہ دراصل محاصرے کی مدت ہے۔ [2]

خندق کی وسعت

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین خندق کھودنے کی حد تقسیم کر دی تھی۔ مطلوب یہ تھا کہ خندق کا کام جلد از جلد مکمل کر لیا جائے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں چالیس ہاتھ زمین کھودنے کا کام بانٹ دیا تھا۔

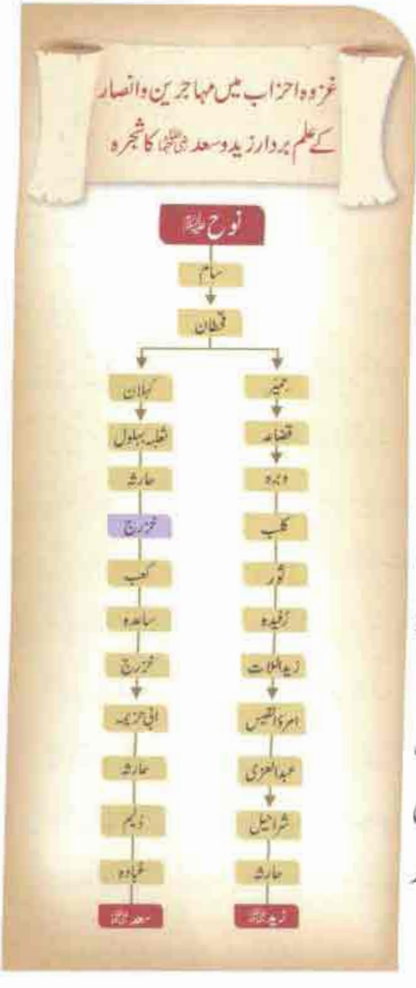
خندق مشرق میں أجم الشیخین سے لے کر مغرب میں مذاد تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی لمبائی تقریباً 4 کلومیٹر، چوڑائی تقریباً 7 میٹر اور گہرائی 5 سے 8 میٹر تھی۔ [3]

[1] موسوعة الغزوات الكبرى: 459,458/1، المستدرك للحاكم: 421/3. [2] مرويات غزوة الخندق، ص: 201,200، فتح الباري: 492/7، المواهب اللدنية: 452,451/1. [3] السيرة النبوية للمهدي: 550/1.

مدینہ کے دفاع کے لیے خندق کی اہمیت

خندق کی کھدائی کے بعد مدینہ ایسے محفوظ قلعے کی شکل اختیار کر گیا جس تک کوئی مائی کا لال انتہائی زبردست صعوبت جھیلنے کے بعد ہی پہنچ سکتا تھا۔ خندق مدینے کے لیے بڑی دفاعی لائن تھی۔ اس کے علاوہ دوسری طرف مدینہ ایک دوسرے سے پیوست مکانوں، کھجور کے گھنے درختوں اور دوسری فصلوں سے گھرا ہوا تھا، مزید یہ کہ اس میں نہایت دشوار گزار طبعی رکاوٹیں بھی تھیں جیسا کہ حرۂ واقم اور حرۂ وبرہ جو جلی کٹی سنگلاخ چٹانوں سے پُر ہیں۔ یہ تیز دھار آلے کی طرح کاٹ دینے والے ایسے پتھر ہیں جن پر چلنا ناممکن ہے۔

یوں خندق کفار اور مسلمانوں کے لشکروں کے درمیان حائل ہوگئی۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا مقصد تھا۔ مسلمان اس وسیع و عمیق خندق کے پیچھے قلعہ بند ہوگئے۔ علاوہ ازیں اسلامی لشکر نے جبل سلع کی مضبوط آڑ سے فائدہ اٹھایا جو ان کے عقب میں تھا۔



اب جس شخص کو بھی خندق کی شمالی جانب سے اس کے قریب آنے کی سوجھتی، اس کا انجام موت تھا، چنانچہ احزاب نے جب اپنے سامنے خندق دیکھی تو ان کی امنگوں پر اوس پڑ گئی اور ان کے وہ سارے منصوبے ملیامیٹ ہوگئے جو انھوں نے مدینہ میں داخل ہونے کے لیے بنائے تھے۔ [1]

اسلامی لشکر کی جانچ پڑتال

رسول اللہ ﷺ نے خندق کی کھدائی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے لشکر کا جائزہ لیا اور اسے منظم کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے لشکر کو دو گروہوں، مہاجرین اور انصار میں تقسیم کر دیا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین کا جھنڈا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تھمایا اور انصار کا علمبردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

فوج کی اکثریت انصار پر مشتمل تھی۔ فوج کا جائزہ لیتے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں ان نوجوانوں کو پیش کیا گیا جو مدینہ کے دفاعی معرکہ میں شامل ہونے کے آرزومند تھے۔ ان کا جائزہ لینے کے بعد

[1] موسوعۃ الغزوات الکبرٰی: 462,461/1.

آپ ﷺ نے صرف ان نوجوانوں کو لشکر میں شمولیت کی اجازت دی جن کی عمر پندرہ سال تھی۔ ان میں عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، براء بن عازب اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ [1]

اسلامی لشکر کی تعداد

امام ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ احزاب میں تین ہزار (3000) مسلمانوں کا لشکر لے کر نکلے۔ آپ ﷺ نے جبل سلع کو لشکر کے عقب میں رکھا۔ اس قول میں ابن سعد، طبری، بیہقی، ابن عبدالبر، ابن اثیر، ابن سیدالناس اور ابن کثیر رحمہم اللہ نے ابن اسحاق کی موافقت کی ہے۔ لیکن امام ابن حزم نے زور دے کر کہا ہے کہ مجاہدین کی تعداد نو سو (900) تھی۔ [2]

علامہ باشمیل لکھتے ہیں: ابن حزم نے اپنی کتاب جوامع السیرہ میں بیان کیا ہے کہ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی تعداد نو سو سے زائد نہ تھی اور انھوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ اقرب الی الصواب ہے، خصوصاً اس لیے کہ منافقین جو فوج کا بڑا حصہ تھے اور مسلمانوں کی مصیبت کے شدید تر ہو جانے پر واپس چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد یہی صحیح تعداد بنتی ہے۔ ہمارا ابن حزم کی رائے کو صحیح قرار دینا مندرجہ ذیل منطقی امور پر موقوف ہے:

ا وہ فوج جو معرکہ احد میں شامل ہوئی۔ مدینہ میں اسلامی حکومت کے پاس ساری فوج وہی تھی۔ وہ سات سو جانبازوں پر مشتمل تھی۔ جو شخص بھی ہتھیار اٹھا سکتا تھا، وہ معرکہ احد سے پیچھے نہیں رہا تھا۔

ب معرکۂ احد اور معرکۂ احزاب کی درمیانی مدت زیادہ نہیں۔ ایک قول کے مطابق ایک سال اور دوسرے قول کے مطابق دو سال کی درمیانی مدت ہے۔ اس دورانیے میں مسلمانوں اور بت پرستوں کے مابین شدید تناؤ اور جزیرہ نمائے عرب میں سخت جنگی حالات تھے، خصوصاً مدینہ کے گرد و نواح کے حالات بہت نازک تھے۔

ج مذکورہ امر کی بنا پر یہ بات یقینی ہے کہ اس مدت میں اسلام میں داخل ہونے والے لوگ بہت قلیل ہوں گے۔ اس لیے یہ بات دور از کار معلوم ہوتی ہے کہ اس مختصر سی مدت اور سخت جنگی حالات میں اسلامی لشکر کی تعداد سات سو جانبازوں سے بڑھ کر تین ہزار تک پہنچ گئی ہو۔

د امام ابن حزم کی رائے کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ تاریخی مصادر، مثلاً: البدایہ والنہایہ میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ خندق کی آخری فیصلہ کن راتوں میں احزاب کے

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى :463/1، المغازي للواقدي :388/1. [2] مرويات غزوة الخندق، ص :224.

مقابلے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تین سو جانبازوں کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔

◆ اگر اسلامی لشکر کی تعداد تین ہزار ہوتی تو مسلمان اس شدید خوف سے دوچار نہ ہوتے جو بھونچال کی حد تک پہنچ گیا تھا اور دل حلق تک آ پہنچے تھے جیسا کہ قرآن مجید نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝﴾

''اور جب نگاہیں پھر گئیں اور دل حلق تک پہنچ گئے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس جگہ مومن آزمائے گئے اور انھیں خوب جھنجوڑا گیا۔'' [1]

اگر غزوۂ احزاب میں اسلامی لشکر کی تعداد تین ہزار جانبازوں پر مشتمل تھی تو ان کی نسبت تقریباً تین کے مقابلے میں ایک بنتی ہے۔ معرکۂ احد میں اس سے بھی تھوڑی تعداد تھی، وہاں چار مشرکوں کے مقابلے میں ایک مسلمان تھا۔ وہ کھلے میدان میں نکلے جہاں بچاؤ کے لیے خندق تھی نہ مکان تھے اور نہ حربے تھے۔ وہ سات سو جانباز تین ہزار نفر کے مسلح لشکر سے ٹکرا گئے اور پہلے حملے میں انھیں بری طرح شکست سے دوچار کیا۔ اگر تیر انداز غلطی نہ کرتے تو وہ کفار کی تقریباً تباہ کن شکست تھی۔ اب مدینہ کے اندر محفوظ قلعے کی شکل میں رہ کر ان کا خوف اس حد تک کیسے پہنچ سکتا ہے جبکہ احزاب کے مقابلے میں نسبت صرف ایک اور تین کی ہو۔ ان کی یہ نسبت معرکہ احد کی نسبت سے بڑی ہے جس میں انھوں نے بے خوف وخطر دشمن کا مقابلہ کیا۔ کیا معرکہ احد کے بعد مسلمانوں کی شجاعت و بسالت اور ثابت قدمی اس قدر کمزور ہوگئی تھی کہ معرکہ احزاب میں خوف اور گھبراہٹ سے ان کے دل حلق تک پہنچ گئے۔ اس کا جواب قطعاً نفی میں ہے۔ معرکہ احد کے بعد مسلمان شجاعت و بسالت، ثبات اور اقدام وقربانی میں اور آگے بڑھ گئے تھے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ معرکہ احزاب میں مسلمانوں کا خوف اور گھبراہٹ اس حد کو پہنچ گیا کہ بھونچال کی صورت پیدا ہوگئی اور دل حلق تک پہنچ گئے تو یہ بات ضروری ہے یا کم از کم اسے ترجیح حاصل ہے کہ اس خوف اور گھبراہٹ کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مسلمان اپنی شجاعت کے باوجود اس چھوٹے سے جزیرے کی مانند تھے جسے پُر جوش سمندر گھیرے ہوئے ہو اور ہر لحظہ اسے نگلنے کی دھمکیاں دے رہا ہو۔

بلاشبہ دشمن کی خوفناک کثرت جس میں ایک مسلمان کے مقابلے میں دس مشرک ہوں، اس کے ساتھ یہود کا بدعہدی کے لیے موقع کا منتظر رہنا، مسلمانوں کو ان کی طرف سے نقض عہد کا خوف اور پیچھے سے ضرب کاری کا اندیشہ ہونا اور اس کے ساتھ ساتھ لشکر میں منافقین کا سنسنی خیز افواہیں اڑانا ہی اس خوف اور گھبراہٹ کا سب سے

[1] الأحزاب 33:10، 11.

بڑا سبب ہے جو مسلمانوں کو ایسی صورت میں لاحق ہوا جس کی پہلے کوئی مثال موجود نہیں، اس لیے امام ابن حزم کا قول معلوم ہوتا ہے کہ جن مسلمانوں نے خندق کے پیچھے پڑاؤ کیا اور احزاب کی دس ہزار فوج کے سامنے ڈٹ گئے، وہ نو سو جانبازوں سے زیادہ نہ تھے۔

یہ بات بھی بعید نہیں کہ شروع شروع میں جب منافقین بھی اس فوج میں شامل تھے تو اسلامی لشکر کی تعداد دو ہزار یا اس سے زیادہ ہو جب احزاب نے مدینہ کا گھیراؤ کیا اور منافقین کھسکنے لگے تو پیچھے خالص مسلمان رہ گئے ہوں جن کی تعداد نو سو رہ گئی ہو۔ یہ بات صحیح ہے کہ جس فوج نے احزاب کا مقابلہ کیا، وہ نو سو جانبازوں سے زیادہ نہ تھی جیسا کہ ابن حزم نے یہ بات قطعیت سے بیان کی ہے۔ لہٰذا اس شدید خوف جس کی وجہ سے دل حلق تک پہنچ گئے تھے، کی تسلی بخش تفسیر صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مٹھی بھر جانبازوں کا مقابلہ دس گنا بڑے مسلح لشکر جرار سے تھا۔ [1]

حسین بن محمد بن حسن دیار بکری (م:966ھ) فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔

ڈاکٹر ابراہیم کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ایک ہزار کے قائلین کی دلیل جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہو، جب انھوں نے اہل خندق کی دعوت کی تھی تو وہ کہتے ہیں: ”میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔“ لیکن اس دلیل کی روشنی میں مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار متعین کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس سے مراد تو وہ تعداد ہے جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ کے دستر خوان پر موجود تھی۔ ممکن ہے کہ اکثر لوگ اجازت لے کر گھروں کو گئے ہوں، اس لیے کہ وہ باری باری کام کرتے تھے۔ ابن قیم نے بھی کہا ہے کہ وہ تین ہزار تھے، پھر تعاقب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابن اسحاق نے ایک قول کے مطابق سات سو کی تعداد بتائی ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ تعداد تو معرکۂ احد میں تھی۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ احزاب کے روز اسلامی لشکر کی تعداد تین ہزار تھی، انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ جس نے یہ کہا کہ مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی، اسے وہم ہوا ہے۔

یہ رائے کہ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی یا نو سو، اس کی طرف ابن حزم کے علاوہ کسی نے اشارہ نہیں کیا۔ ممکن ہے پہلی رائے ٹھیک ہو کہ ان کی تعداد تین ہزار تھی کیونکہ اس کے قائلین زیادہ ہیں۔ واللہ اعلم۔ [2]

مدینہ میں نائب امیر کا تقرر

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ جب بھی کسی مہم کے لیے نکلتے تو مدینہ منورہ میں کسی خوش بخت کو اپنا

[1] موسوعة الغزوات الكبرى: 1/465-467. [2] مرويات غزوة الخندق، ص: 226,225.

نائب مقرر کر جاتے تھے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں نائب مقرر فرمایا۔ [1]

مسلمان بچوں اور عورتوں کی حفاظت کا انتظام

رسول اللہ ﷺ کو جب کفار کے لشکروں کی آمد کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے خندق کی طرف پیش قدمی کا ارادہ فرمایا اور اس سے پہلے مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں کو بنو حارثہ کے قلعے میں محفوظ کیا تاکہ وہ دشمن کے ممکنہ حملے سے محفوظ رہیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا تھا کہ بچوں اور عورتوں کا محفوظ ہونا مثبت نفسیاتی اثر ڈالتا ہے۔ سپاہی اپنے بیوی بچوں کے متعلق مطمئن ہو تو اس کے اعصاب پر سکون رہتے ہیں۔ اور معمولاتِ زندگی کا کوئی معاملہ اس کی سوچ کو منتشر نہیں کر سکتا۔ ایسی محفوظ حالت میں وہ جنگ میں نئی سے نئی تدابیر اختیار کرنے کے سلسلے میں اپنی تمام ذہنی توانائیاں صرف کر دے گا لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو سپاہی کا ذہن منتشر ہوگا اور اس پر پریشانی سوار رہے گی۔ نتیجے کے طور پر وہ جنگ سے گریزاں ہوگا اور اس کی وجہ سے تمام اہلِ لشکر کو مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ [2]

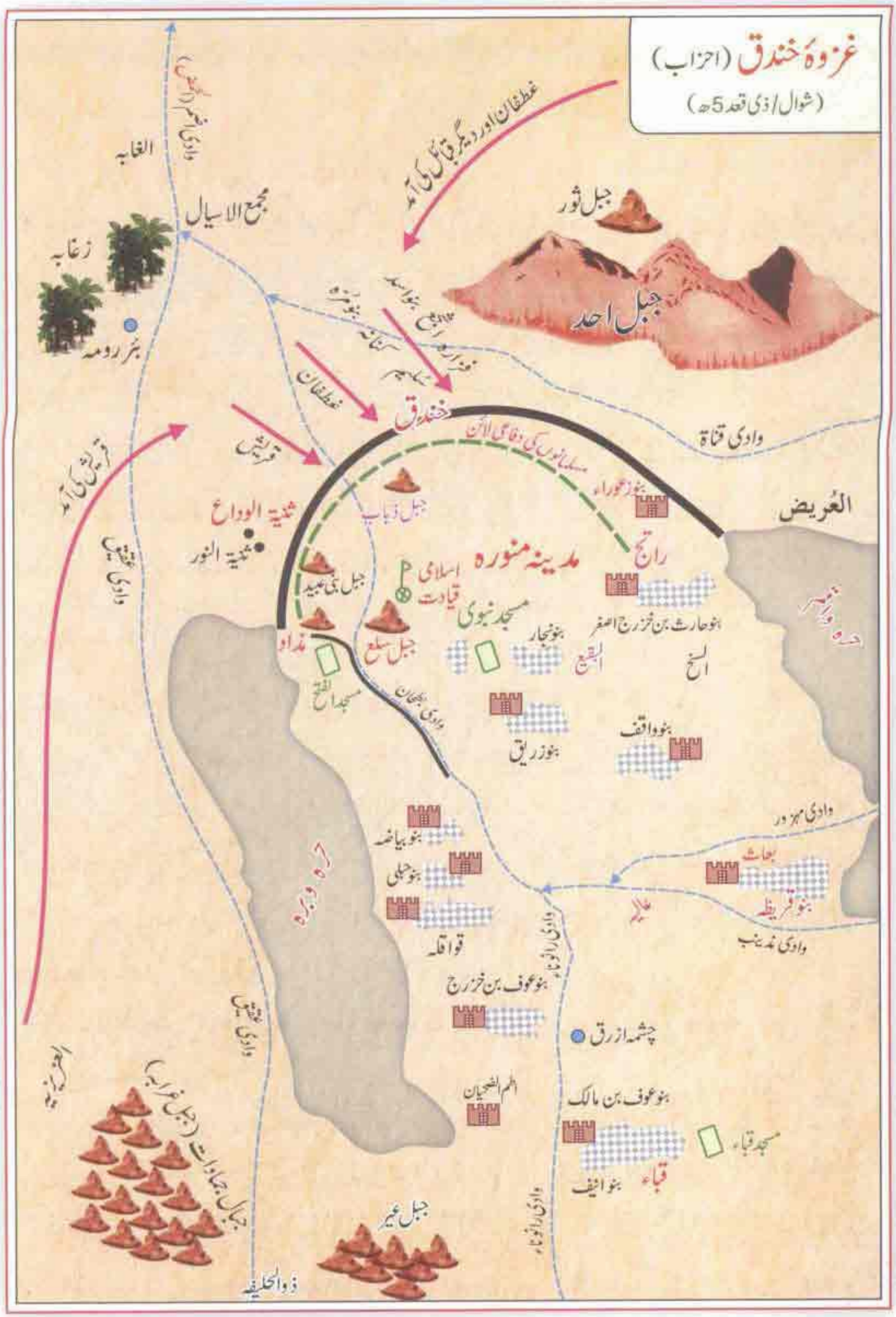
مدینہ کے باہر احزاب کا پڑاؤ

جب رسول اللہ ﷺ اپنی تیاریاں مکمل کر چکے تو عرب کے اسلام دشمن لشکر بھی مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ یہ لشکر دو اہم حصوں میں تقسیم تھے۔ ایک فریق قریش اور ان کے حلیف تھے جن میں کنانہ، اہلِ تہامہ اور احابیش شریک تھے۔ ان کی کل تعداد چار ہزار (4000) تھی۔ یہ جُرف اور زغابہ (الغابہ) کے درمیان مجمع الاسیال (آبی گزرگاہوں کے سنگم) میں فروکش ہوئے۔ دوسرا فریق ان قبائل پر مشتمل تھا جو نجد کی طرف سے آئے تھے۔ ان میں بنو غطفان اور ان کے نجدی ساتھی تھے۔ یہ گروہ جبل احد کے ایک جانب ذنب نَقمی میں خیمہ زن ہوئے۔ بنو اسد بھی ان کے ساتھ تھے۔ [3] قرآن مجید نے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾

”اور جب اہل ایمان نے ان گروہوں کو دیکھا تو کہا: یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا۔ اور اس حالت نے ان کے ایمان اور جذبۂ اطاعت

[1] السيرة لابن هشام: 231/3، البداية والنهاية: 104/4. [2] السيرة النبوية للصلابي: 260,259/2، السيرة لابن هشام: 231/3. [3] السيرة لابن هشام: 231,230/3، مرويات غزوة الخندق، ص: 211,210، دلائل النبوة للبيهقي: 429,428/3.



غزوۂ خندق (احزاب)
(شوال/ذی قعد 5ھ)
غطفان اور دیگر قبائل کی آمد
قریش کی آمد
جبل ثور
جبل احد
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بئر رومہ
غطفان
قریش
خندق
مسلمانوں کی دفاعی لائن
وادی قناۃ
العُریض
راتج
مدینہ منورہ
اسلامی قیادت
مسجد نبوی
جبل ذباب
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
جبل بنی عبید
جبل سلع
مسجد الفتح
وادی بطحان
بنو نجار
البقیع
السنخ
بنو زریق
بنو واقف
بنو بیاضہ
بنو حبلی
قواقلہ
وادی مہزور
بعاث
بنو قریظہ
وادی مذینب
بنو عوف بن خزرج
چشمہ ازرق
بنو عوف بن مالک
مسجد قباء
قباء
جبل عیر
ذوالحلیفہ

کو اور بڑھا دیا۔''[1]

خندق دیکھ کر احزاب کی سراسیمگی

مشرکین کا خیال تو یہ تھا کہ وہ اُمڈتے ہوئے سیلاب کے مانند مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر چڑھ دوڑیں گے اور ان کا ایک ہی ریلا مسلمانوں اور ان کے دفاعی منصوبوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو اپنے سامنے گہری اور لمبی چوڑی خندق دیکھی جسے نہ وہ خود عبور کر سکتے تھے، نہ ان کے گھوڑے زقند لگا کر پار کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنی فتح کے جو ہوائی قلعے تعمیر کیے تھے، وہ دھڑام سے گر گئے۔ مسلمانوں کی اس جنگی تدبیر نے ان کے اوسان خطا کر دیے۔ اس قسم کی ناقابلِ عبور رکاوٹ تو ان کے سان گمان میں بھی نہیں آئی تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب کفار نے خندق کو دیکھا تو کہنے لگے:

وَاللّٰهِ! إِنَّ هٰذِهِ لَمَكِيدَةٌ مَّا كَانَتِ الْعَرَبُ تَكِيدُهَا.

''اللہ کی قسم! یہ ایسی چال ہے کہ عرب والوں نے ایسی تدبیر کبھی اختیار نہیں کی۔''[2]

خندق کی منصوبہ بندی ایک نیا اقدام تھا۔ یہ ایسی جنگی تدبیر تھی جو عربوں کے ہاں یکسر غیر معروف تھی۔ گویا عرب اور اسلام کی تاریخ میں رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار خندق کا ہتھیار استعمال کیا۔ خندق کا معاملہ دشمنانِ اسلام کے لیے بڑا پریشان کن تھا۔ اس نے ان کے طے شدہ پروگرام کو خاک میں ملا دیا۔ اس انوکھی تدبیر کی کامیابی میں مسلمانوں کی غیر معمولی چستی اور رازداری نے بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔ احزاب کو نفسیاتی طور پر ناکارہ کرنے اور ان کی قوت کو منتشر کرنے میں اس نئی پیش بندی اور جدید اسلوبِ جنگ کا بڑا ہاتھ تھا۔[3]

معرکۂ احزاب کے پہلے دو شہید

احزاب کے مدینہ پہنچنے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سلیط اور سیدنا سفیان بن عوف اسلمی رضی اللہ عنہما کو بھیجا تاکہ وہ دشمن کی حرکات وسکنات اور دیگر معلومات اسلامی لشکر کو فراہم کریں۔ یہ دونوں جاں نثار صحابی اپنے مشن پر روانہ ہوئے۔ جب یہ مقامِ البیداء پر پہنچے تو ابوسفیان کے گھڑ سوار دستے سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ دونوں صحابیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مردانہ وار لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔[4]

---

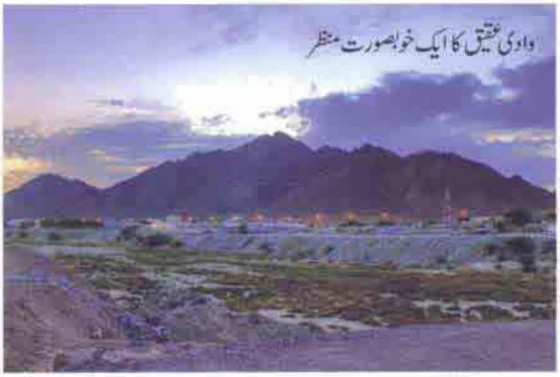
[1] الأحزاب 22:33. [2] السيرة لابن هشام: 235/3، البداية والنهاية: 107/4. [3] السيرة النبوية للصلابي: 259/2.
[4] مجمع الزوائد: 195/6، حديث: 10148، مرويات غزوة الخندق، ص: 317.

احزاب کے شہسوار خندق کے گرد

جب کفار کا لشکر خندق کے مقام پر پہنچا تو انھیں محاصرہ کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا، چنانچہ انھوں نے محاصرہ کرلیا۔ جب یہ لوگ خندق کے قریب آگئے تو اسلام کے سپاہیوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس طرح کئی دن تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی رہیں اور معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ دشمن کے دستے دن رات خندق کے آس پاس گھومتے رہے کہ شاید انھیں کہیں سے ایسا کوئی راستہ مل جائے جس کے ذریعے وہ خندق پار کرسکیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دے کر ان پر حملہ کر دیں جیسا کہ خالد بن ولید نے جنگِ احد میں کیا تھا۔[1]

خیمۂ نبوی پر کڑا پہرہ

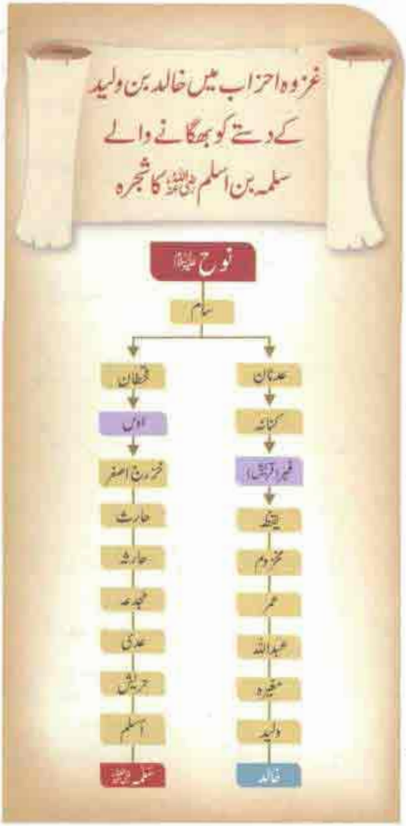
کامیاب جنگی اسکیم (خندق کی کھدائی) کے بعد نبیِ کریم ﷺ نے اسلامی لشکر کو منظم کیا۔ آپ ﷺ نے مجاہدین کو تقسیم کیا، بعض صحابہ کو خندق کی نگرانی پر، بعض کو مدینہ کے اندر چکر لگانے اور بعض کو اسلامی لشکر کی قیادت گاہ، یعنی نبیِ کریم ﷺ کے خیمے کی حفاظت پر مامور کیا کیونکہ احزاب کا پہلا ہدف آپ ﷺ ہی کا خیمہ تھا جیسا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ خالد بن ولید خندق کی رات سو شہسواروں سمیت وادیِ عقیق سے آیا اور نبیِ کریم ﷺ کے خیمے کے بالکل سامنے مذاد آ کر ٹھہرا۔ میں نے لوگوں کو چوکنا کیا اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بھی خبردار کر دیا۔ وہ نبی ﷺ کے خیمے پر پہرہ دے رہے تھے اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔



وادیِ عقیق کا ایک خوبصورت منظر

خالد بن ولید اپنے تین جنگجوؤں کے ساتھ آگے بڑھا اور انھیں بتانے لگا کہ یہ محمد (ﷺ) کا خیمہ ہے، اس پر تیروں کی بوچھاڑ کردو، چنانچہ انھوں نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ ہم نے ان کا مقابلہ کیا۔ ہم خندق کے کنارے کھڑے ہوگئے۔ وہ بھی خندق کے دوسرے کنارے کھڑے تیر اندازی کر رہے تھے۔ ہمارے ساتھی ہمارے پاس اور ان کے ساتھی ان کے پاس آگئے۔ باہم مقابلہ ہوتا رہا حتی کہ ہمارے اور ان کے بہت سے لوگ زخمی ہوگئے، پھر وہ خندق کے کناروں کی طرف پھیل گئے۔ ہم نے ان کا پیچھا کیا۔ مسلمان پہرہ دے رہے تھے۔ ہم جب کسی حفاظتی دستے کے پاس سے گزرتے تو ایک گروہ ہمارے ساتھ مل جاتا حتی کہ ہم قلعہ راتج تک پہنچ گئے۔ وہاں جا کر دشمن کا گروہ خاصی دیر تک ٹھہرا رہا۔ وہ

[1] مرویات غزوۃ الخندق، ص: 323.



بنوقریظہ کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔ اسی اثنا میں سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کا گشتی دستہ قلعہ راتج کے پیچھے سے نمودار ہوا، انھوں نے خالد بن ولید کے دستے سے لڑائی کی۔ چند ہی لمحوں بعد کیا دیکھتے ہیں کہ خالد بن ولید کا لشکر منہ پھیر کر بھاگ نکلا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کیا حتی کہ انھیں وہاں پہنچا کر دم لیا جہاں سے وہ آئے تھے۔

قریش اور غطفان کے لوگ خالد پر چڑھ دوڑے اور کہنے لگے کہ تم نے کیا خاک کارنامہ انجام دیا ہے؟ خالد نے انھیں جواب دیا: آج رات میں آرام کروں گا۔ تم دوسرے لشکر کو بھیجنا، پھر میں دیکھوں گا وہ کون سا کارنامہ انجام دیتا ہے۔[1]

مدینہ منورہ میں پہرے کا اہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی کمان میں تین سو افراد پر مشتمل دستے مدینہ کی حفاظت پر مامور فرمائے۔ وہ مدینہ منورہ میں پہرہ دیتے اور نہایت بلند آواز سے تکبیر کہتے رہے، اس لیے کہ انھیں عورتوں اور بچوں کے حوالے سے بنوقریظہ کی طرف سے خطرہ لاحق تھا۔[2]

خیبر کا شیطان بنوقریظہ کے دیار میں

جب احزاب نے اپنے بنائے ہوئے منصوبے کے سامنے خندق کو حائل دیکھا تو سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر بنوقریظہ ان کا ساتھ دیں تو کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ وہ اندر سے ہلہ بول دیں اور ہم باہر سے تیر اندازی اور سنگ باری کریں، تب مسلمانوں کو شکست دی جا سکتی ہے۔ ابوسفیان نے حیی بن اخطب کو بلا بھیجا جس نے چلتے وقت قریش کو یقین دہانی کرائی تھی کہ بلاشبہ بنوقریظہ تمھارے ساتھ ہیں۔ ان کا حلقہ احباب وسیع ہے۔ ان کے پاس سات سو پچاس جنگجو ہیں۔ اب ابوسفیان نے حیی بن اخطب سے کہا: جاؤ اپنی قوم سے کہو کہ جو عہد ان کے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان ہے، اسے توڑ دو۔ حیی بن اخطب بنوقریظہ کے پاس گیا۔ اس نے بنوقریظہ کو جیوشِ احزاب کی موجودگی کے موقع سے فائدہ اٹھانے کے سنہرے خواب دکھا کر مسلمانوں سے خیانت کرنے کی ترغیب دی۔ یہ

[1] المغازي للواقدي: 398,397/1، [2] الطبقات لابن سعد: 67/2، عيون الأثر، ص: 270.

ایسی چال تھی جس کی کامیابی میں خیبر کے کینہ پرور یہودی کو ذرا بھی شک نہیں تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے بنوقریظہ اور بنونضیر سے اس بات پر صلح کا معاہدہ کیا تھا کہ نہ وہ آپ ﷺ کی مخالفت کریں گے نہ حمایت کریں گے، نیز یہ کہ اگر کوئی بیرونی حملہ آور مدینہ پر حملہ کرے گا تو وہ اس کے خلاف آپ ﷺ کی مدد کریں گے اور دیت کا جو نظام پہلے سے ان کے اور اوس و خزرج کے درمیان چل رہا ہے، وہ اس پر قائم رہیں گے۔[1]

حُیی کی غزال بن سموأل سے ملاقات

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ حیی بن اخطب بڑا منحوس آدمی تھا۔ اس نے اپنی قوم بنونضیر کو بھی بدبختی میں ڈالا اور بنوقریظہ کی تباہی کا سبب بھی بنا حتی کہ وہ قتل کر دیے گئے۔ وہ ان میں شرف و بزرگی اور سرداری حاصل کرنے کا متمنی تھا جیسا کہ قریش میں اسی جیسا ایک آدمی ابوجہل بن ہشام تھا۔

جب حیی بنوقریظہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کا اپنے علاقے میں داخل ہونا اچھا نہیں سمجھا۔ وہاں سب سے پہلے اس کی ملاقات غزال بن سموأل سے ہوئی۔ حیی نے اس سے کہا: میں تمھارے پاس وہ چیز لایا ہوں جس کے ذریعے سے تم محمد (ﷺ) سے نجات پا جاؤ گے۔ اِدھر یہ قریش ہیں جو وادی عقیق میں خیمہ زن ہیں اور اُدھر بنوغطفان ہیں جو زغابہ میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ غزال نے اسے جواباً کہا: اللہ کی قسم! تو ہمارے پاس زمانے بھر کی ذلت سمیٹ لایا ہے۔ حیی تلملا اٹھا اور کہنے لگا: ایسا نہ کہو۔[2]

حیی بن اخطب کعب کے دروازے پر

احزاب کا اکٹھا ہو کر مدینہ پر چڑھائی کے لیے چلے آنا فی الحقیقت یہودی قبیلے بنونضیر ہی کا کیا دھرا تھا۔ اس مہلک منصوبے میں دوسرا یہودی قبیلہ بنوقریظہ بالکل شریک نہیں تھا۔ یہ لوگ بہرحال مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے کی پابندی کر رہے تھے۔ غزال سے مایوس ہو کر حیی بن اخطب بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد سے ملنے جا پہنچا تاکہ اسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے۔ جب کعب کو اس کے آنے کی خبر ملی تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ تاڑ گیا کہ یہ بدبخت ضرور کوئی خباثت کرے گا۔ اس نے اپنے قلعے کا دروازہ بند کیا، اس سے ملنے سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ وہ بنی قریظہ کے علاقے سے نکل جائے اور جہاں سے آیا ہے، وہیں واپس چلا جائے۔

لیکن شریر یہودی حیی بن اخطب وہیں ڈٹا رہا۔ اس کے سامنے دروازہ بھی بند کر دیا گیا، اسے بنی قریظہ کے علاقے

[1] المغازي للواقدي: 389/1، موسوعة الغزوات الكبرى: 472,471/1. [2] المغازي للواقدي: 389/1.

سے چلے جانے کا حکم بھی دے دیا گیا لیکن یہ مفسد کعب بن اسد کے قلعے سے چمٹ گیا اور اصرار کرتا رہا کہ قلعے کا دروازہ کھولا جائے تا کہ وہ کعب سے گفتگو کرے۔

حیی کا اصرار اور کعب کا انکار

بنوقریظہ کے سردار اور بنونضیر کے سردار میں بڑی تکرار ہوئی۔ حیی نے کعب سے کہا:

وَيْحَكَ يَا كَعْبُ! اِفْتَحْ لِي.

''کعب! تو ہلاک ہو جائے۔ میرے لیے دروازہ کھول۔''

کعب نے اسے جواب دیا:

وَيْحَكَ يَا حُيَيُّ! إِنَّكَ امْرُؤٌ مَّشْؤُومٌ، وَإِنِّي قَدْ عَاهَدْتُ مُحَمَّدًا فَلَسْتُ بِنَاقِضٍ مَّا بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَلَمْ أَرَ مِنْهُ إِلَّا وَفَاءً وَّصِدْقًا.

''اے حیی! تو ہلاک ہو جائے، تو بدبخت آدمی ہے۔ میں نے محمد (ﷺ) سے معاہدہ کر رکھا ہے۔ میرے اور ان کے درمیان جو عہد ہے، میں اسے نہیں توڑ سکتا۔ میں نے محمد (ﷺ) میں صرف سچائی اور وفا ہی دیکھی ہے۔''

حیی نے کہا: تو ہلاک ہو جائے۔ فوراً دروازہ کھول، میں تجھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کعب نے کہا: میں دروازہ نہیں کھولوں گا۔

دروازہ کھل گیا

کعب کے مسلسل انکار سے حیی طیش میں آ گیا۔ اس نے کہا:

وَاللّٰهِ! إِنْ أَغْلَقْتَ دُونِي إِلَّا عَنْ جَشِيشَتِكَ أَنْ آكُلَ مَعَكَ مِنْهَا.

''اللہ کی قسم! (تو بخیل آدمی ہے) تو نے اپنا دلیا بچانے کے لیے دروازہ بند کر دیا ہے کہ کہیں میں تیرے ساتھ اس میں سے کچھ کھا نہ لوں۔''

کعب نے بخل کے اس الزام سے زچ ہو کر دروازہ کھول دیا۔

دونوں یہودی سرداروں کے مذاکرات

جب وہ دونوں مل بیٹھے تو حیی نے کہا:

وَيْحَكَ يَا كَعْبُ! جِئْتُكَ بِعِزِّ الدَّهْرِ وَبِبَحْرٍ طَامٍ جِئْتُكَ بِقُرَيْشٍ عَلٰى قَادَتِهَا وَسَادَتِهَا، حَتّٰى أَنْزَلْتُهُمْ بِمُجْتَمَعِ الْأَسْيَالِ مِنْ رُومَةَ، وَبِغَطَفَانَ عَلٰى قَادَتِهَا وَسَادَتِهَا حَتّٰى أَنْزَلْتُهُمْ بِذَنَبِ نَقْمٰى إِلٰى جَانِبِ أُحُدٍ، قَدْ عَاهَدُونِي وَعَاقَدُونِي عَلٰى أَنْ لَّا يَبْرَحُوا حَتّٰى نَسْتَأْصِلَ مُحَمَّدًا وَمَنْ مَعَهُ.

''اے کعب! تیرا ستیاناس ہو، میں تیرے پاس زمانے بھر کی عزت لے کر آیا ہوں۔ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لے کر آیا ہوں۔ میں تیرے پاس قریش کے جنگجو، ان کے سرداروں سمیت لے آیا ہوں۔ میں نے انھیں رومہ کے مجمع الاسیال (آبی گزرگاہوں کے سنگم) میں اتار دیا ہے۔ میں غطفان کے جنگجو بھی ان کے سرداروں سمیت لے آیا ہوں۔ وہ احد کے (غربی) جانب ذنب نقمٰی میں فروکش ہیں۔ انھوں نے میرے ساتھ معاہدہ کیا ہے کہ ہم محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کی بیخ کنی کیے بغیر یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔''

کعب نے اسے جواب دیا:

جِئْتَنِي وَاللّٰهِ! بِذُلِّ الدَّهْرِ وَبِجَهَامٍ قَدْ هَرَاقَ مَاءَهُ، فَهُوَ يَرْعَدُ وَيَبْرُقُ لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ، وَيْحَكَ يَا حُيَيُّ! فَدَعْنِي وَمَا أَنَا عَلَيْهِ، فَإِنِّي لَمْ أَرَ مِنْ مُحَمَّدٍ إِلَّا صِدْقًا وَّوَفَاءً.

''اللہ کی قسم! تو میرے پاس زمانے بھر کی ذلت و رسوائی سمیٹ لایا ہے تو ایسا بادل کھینچ لایا ہے جس کا پانی برس چکا، یہ گرجتا چمکتا ہے لیکن یہ خالی ہے۔ اس میں برسنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ حیی! تیرے لیے ہلاکت ہو! مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ بلاشبہ میں نے محمد (ﷺ) میں ہمیشہ سچائی اور وفاداری ہی دیکھی ہے۔''

حیی کعب کو مسلسل پھسلاتا رہا اور اپنے پُر فریب طریقوں سے اس پر اثر انداز ہونے لگا۔ کعب نے کہا: حیی! میرا دل تو نہیں چاہتا، پھر بھی تیری بات مان لیتا ہوں لیکن مجھے ڈر ہے مبادا قریش اپنے مقصد میں ناکام ہو جائیں، محمد (ﷺ) کو قتل کیے بغیر لوٹ جائیں، اور تُو اپنے گھر چلتا بنے۔ اس طرح تم لوگ ہمیں ہمارے گھروں میں بے یارو مددگار چھوڑ دو گے، پھر ہمارا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

حیی اور کعب کا باہمی معاہدہ

جب کعب نے حیی کے سامنے اپنے تحفظات پیش کیے تو اس نے کہا: میں تمھیں اُس تورات کی قسم کھا کر یقین

دلاتا ہوں جو موسیٰ علیہ السلام پر کوہِ طور پر اتاری گئی۔ اگر محمد (ﷺ) اس حملے میں قتل نہ کیے گئے اور قریش اور غطفان اپنے مقصد میں ناکام ہوکر چلے گئے تو میں تمھارے ساتھ تمھارے ہی قلعے میں چلا آؤں گا، پھر جو انجام تمھارا ہوگا، وہی میرا ہوگا۔

اسلامی عہد نامہ چاک کر دیا گیا

جب کعب کو حیی نے مکمل یقین دلا دیا تو اس نے اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین ہونے والا معاہدہ توڑ دیا۔ حیی نے عہد نامہ منگوایا اور اسے چاک کر ڈالا۔ جونہی اس نے یہ حرکت کی، اسے محسوس ہوا کہ معاملہ بگڑ گیا ہے۔ وہ بنو قریظہ کے پاس گیا۔ وہ کعب کے محل کے اردگرد کھڑے تھے۔ اس نے انھیں ساری بات کہہ سنائی۔

کعب بن اسد کی ندامت

جب یہودِ بنو قریظہ کو اس معاملے کا علم ہوا تو زبیر بن باطا نے کہا: ہائے یہود کی ہلاکت! قریش اور غطفان اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور ہمیں، ہمارے اموال اور ہمارے بچوں کو یہاں چھوڑ جائیں گے۔ ہم میں محمد (ﷺ) کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ یہود کو کبھی عقل نہیں آئی۔ اب یثرب میں یہودیت کبھی نہیں رہ سکے گی۔ پھر کعب نے یہود کے پانچ افراد کو بلا بھیجا۔ اُن پانچ افراد کے نام یہ ہیں: زبیر بن باطا، نباش بن قیس، غزال بن سمؤال، عقبہ بن زید اور کعب بن زید۔ کعب بن اسد نے ان افراد کو حیی سے ہونے والی ساری بات بتائی۔ حیی نے جو کعب کو عہد و پیمان دیا تھا، اس سے بھی آگاہ کیا۔ زبیر بن باطا کہنے لگا: تمھیں کیا ضرورت ہے کہ تم بیٹھے بٹھائے قتل کر دیے جاؤ اور تمھارے ساتھ حیی بھی قتل کر دیا جائے۔ کعب لاجواب ہوگیا۔ باقی لوگوں نے بھی یہی کہا: ہمیں



جزیرہ نمائے سینا میں کوہِ طور (جبلِ موسیٰ)

تمھاری رائے سے اتفاق نہیں۔ تم حیی کی نحوست و بدبختی کو خوب جانتے ہو۔ کعب اپنی شوریٰ کی باتیں سُن کر اور ان کا ردِ عمل دیکھ کر نہایت شرمندہ ہوا اور اپنی عہد شکنی پر اسے خفت محسوس ہونے لگی۔

عمرو بن سعدیٰ کی تنبیہ

بنوقریظہ کے ایک عقل مند آدمی عمرو بن سعدیٰ نے بنوقریظہ کو بھلائی کی نصیحت کی، عہد شکنی کے انجام سے ڈرایا اور انھیں یاد دلایا کہ محمد (ﷺ) نے ان کے معاملے میں ہمیشہ سچائی اور وفا کی راہ اختیار فرمائی ہے۔ عمرو بن سعدی نے مزید کہا کہ معاہدے کی رُو سے ہم لوگ مسلمانوں کا ساتھ دینے کے پابند ہیں تو اب عہد کی پابندی کرنے کے بجائے محمد (ﷺ) کے مقابلے میں ہتھیار سونتنا اور آپ کے خلاف دشمن کی مدد کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اس نے انھیں عہد پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی اور کہا کہ حیی کی باتوں پر کان نہ دھرو۔ اس نے بنوقریظہ سے درخواست کی کہ اگر وہ مسلمانوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کم از کم غیر جانبدار ہی رہیں۔ اس نے کہا: اگر تم محمد (ﷺ) کی مدد نہیں کرتے تو انھیں اور اُن کے دشمنوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

چار یہودیوں کا ایفائے عہد

کعب بن اسد پر اس کا اوچھا پن غالب آ گیا۔ اس کی مت ماری گئی۔ وہ زعمائے قریظہ کو مجبور کرنے لگا کہ مسلمانوں کے خلاف عہد شکنی کی جائے۔ عمرو بن سعدیٰ نے اس جرم میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں محمد (ﷺ) سے کبھی عہد شکنی نہیں کروں گا۔ وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور اس کے اس وفادارانہ موقف میں تین یہودیوں نے بھی اس سے موافقت کی۔ ان تینوں یہودیوں کے نام یہ ہیں: ثعلبہ بن سعید، اسید اور اسد بن عبید۔

نبی کریم ﷺ کو بنوقریظہ کی عہد شکنی کی اطلاع

رسول اللہ ﷺ اور مسلمان خندق کے کام میں مصروف تھے۔ اس وقت آپ ﷺ اپنے خیمے میں تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ شہسوار خندق کے گرد چکر کاٹ رہے تھے اور اپنی اپنی جگہ سبھی اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں مشغول تھے۔ اسی دوران میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے پتا چلا ہے کہ بنوقریظہ نے عہد شکنی کر دی ہے اور وہ جنگ کے لیے تیار ہیں۔

عہد شکنی کے بارے میں تحقیقات

خبر رسول اللہ ﷺ پر بڑی شاق گزری۔ آپ ﷺ نے [illegible] خبر کی تحقیق کے لیے [illegible]

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بھیج دیجیے۔ زبیر رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنھیں آپ ﷺ نے بنوقریظہ کی طرف روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا:

«اِذْهَبْ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ»

''بنوقریظہ کی طرف جاؤ۔''

زبیر رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے، بنوقریظہ کی سرگرمیاں دیکھ کر واپس آئے اور خبر دی: اے اللہ کے رسول! وہ اپنے قلعوں اور راستوں کی مرمت کر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے مویشی بھی ایک جگہ جمع کر لیے ہیں۔ اس وقت اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ وَابْنُ عَمَّتِي»

''بے شک ہر نبی کا حواری (خصوصی مددگار) ہوتا ہے اور میرا حواری میری پھوپھی کا بیٹا زبیر ہے۔''[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جنگِ احزاب کے دن بنوقریظہ کی غداری کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَنْ يَّأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟»

''ان لوگوں (بنوقریظہ) کے بارے میں ہمارے پاس کون معلومات لے کر آئے گا؟''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں جاؤں گا۔''

آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا:

«مَنْ يَّأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟»

''ہمارے پاس ان لوگوں کی خبر کون لائے گا؟''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا کہ میں جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے پھر اعلان کیا:

«مَنْ يَّأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟»

''کون ہے جو ہمارے پاس ان لوگوں کے بارے میں معلومات لائے؟''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے پھر لبیک کہا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] المغازي للواقدي: 391/1، إمتاع الأسماع: 231/1، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 471/1-474.

«إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَّ إِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ»

"بلاشبہ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور بلاشبہ میرا حواری زبیر ہے۔"[1]

خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی کامیابی

سیدنا خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور حکم دیا:

«اِنْطَلِقْ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ فَانْظُرْ هَلْ تَرٰى لَهُمْ غُرَّةً أَوْ خَلَلًا مِّنْ مَّوْضِعٍ فَتُخْبِرُنِي»

"بنوقریظہ کی طرف جاؤ اور جائزہ لو کہ کیا ان لوگوں کی طرف سے کوئی دھوکہ یا کسی قسم کا کوئی بگاڑ نظر آتا ہے؟ (اگر ایسی صورت حال ہو تو) مجھے فوراً اطلاع دو۔"

سیدنا خوات رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: غروب آفتاب کا وقت تھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھا اور چل پڑا۔ جبل سلع سے اترا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ میں نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر قلعہ راتج پہنچا، وہاں سے بنوعبدالاشہل کے مکانوں کو چھوڑتا ہوا بنوزہرہ کے علاقے سے گزرا، پھر بُعاث کو پیچھے چھوڑتے ہوئے بنوقریظہ کے قریب جا پہنچا۔ یہاں میں چھپ گیا۔ چند لمحوں تک چپ چاپ ان کے قلعوں کی طرف دیکھتا رہا، اسی دوران میں اچانک مجھے نیند آگئی۔ میری آنکھ اس وقت کھلی جب ایک آدمی نے مجھے اٹھایا، اپنے کندھوں پر رکھا اور چل پڑا۔ میں گھبرا گیا۔ وہ شخص مسلسل بھاگے جا رہا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ بنوقریظہ کا جاسوس ہے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آیا۔ مجھے بڑی ندامت ہوئی کیونکہ جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ٹھہرنے کا حکم دیا تھا، میں نے وہ جگہ چھوڑ دی تھی۔ پھر مجھے یاد آیا کہ مجھ پر نیند نے غلبہ پا لیا تھا۔

سیدنا خوات رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وہ جاسوس مجھے اُٹھائے بڑی تیزی سے اپنے قلعوں کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ اس نے یہودی زبان میں ایک بات کہی۔ وہ میری سمجھ میں آگئی اس نے کہا تھا: موٹی اونٹنی کے ساتھ خوش ہو جاؤ۔ میں نے اسے ان کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ یاد دلایا اور کہا: ہم سے کوئی بھی اس معاہدے کی پابندی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس نے میری کوئی نہ سنی۔ میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ خیال آیا کہ میں اس کدال ہی کے ذریعے بچ سکتا ہوں جو اس کے پاس ہے۔ میں نے کدال پر ہاتھ دھرا اور اسے نکالنے لگا۔ اتنے میں قلعے کے اوپر سے کسی آدمی نے اسے آواز دی۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگا۔ میں نے فوراً کدال نکال لی اور اس کے پیٹ میں گھونپ

[1] صحيح البخاري: 4113.

دی۔ یوں اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ درندے کی طرح چلانے لگا۔ یہود نے اپنی گڑھیوں پر آگ کے شعلے بھڑکا دیے۔ اسی دوران میں وہ جاسوس مر گیا۔ مجھے راستے کا علم نہ تھا، تاہم جس راستے سے وہ مجھے لایا تھا، میں اسی راستے پر واپس بھاگ نکلا۔

جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ کو اس معاملے کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ظَفِرْتَ يَا خَوَّاتُ!»

"اے خوات! تم کامیاب ہو گئے۔"

پھر آپ ﷺ خیمے سے نکلے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ مِنْ أَمْرِ خَوَّاتٍ كَذَا وَ كَذَا»

"خوات کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہوا ہے۔"

میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اور صحابہ سے باتیں کر رہے تھے۔ جونہی آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو معاً فرمایا:

«أَفْلَحَ وَجْهُكَ»

"تمھارا چہرہ کامیاب ہو۔"

میں نے بھی کہا: اللہ کے رسول! آپ کا چہرہ بھی کامیاب رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَخْبِرْنِي خَبَرَكَ»

"مجھے آپ بیتی سناؤ۔"

میں نے آپ ﷺ کو سارا ماجرا سُنا دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

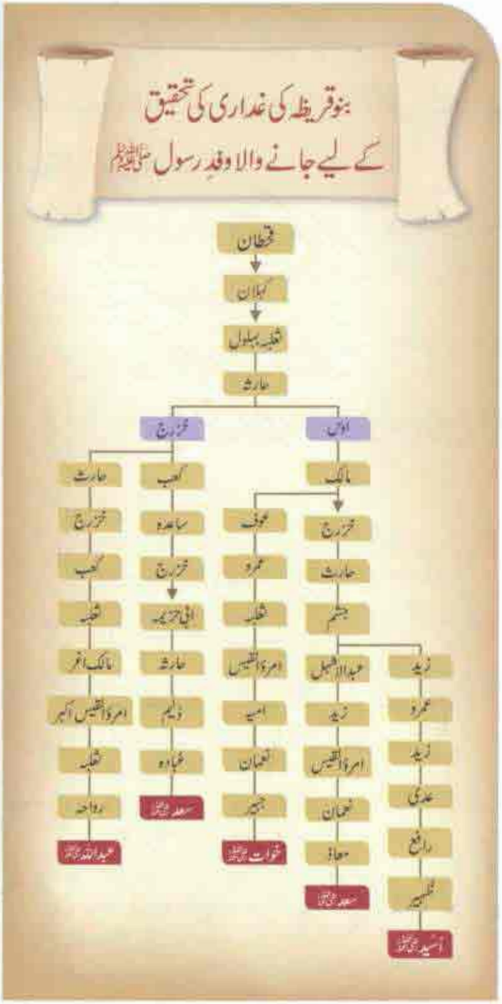
«هٰكَذَا أَخْبَرَنِي جِبْرِيلُ»

"مجھے جبریل نے اسی طرح بتایا تھا۔"[1]

بنوقریظہ کے پاس جانے والا وفد

بنوقریظہ کی غداری اور خیانت کی خبر کی تحقیق کے لیے رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ، قبیلہ

[1] المغازي للواقدي :1/394.



خزرج کے سردار سعد بن عبادہ، بنو حارث بن خزرج سے عبداللہ بن رواحہ اور بنو عمرو بن عوف سے خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسید بن حضیر کو بھی ساتھ روانہ کیا اور ان سے فرمایا:

«اِنْطَلِقُوا حَتّٰی تَنْظُرُوا، أَحَقٌّ مَّا بَلَغَنَا عَنْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ أَمْ لَا؟ فَإِنْ كَانَ حَقًّا فَالْحَنُوا لِي لَحْنًا أَعْرِفُهُ، وَلَا تَفُتُّوا فِي أَعْضَادِ النَّاسِ، وَإِنْ كَانُوا عَلَى الْوَفَاءِ فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَاجْهَرُوا بِهِ لِلنَّاسِ»

''تم لوگ بنوقریظہ کے پاس جاؤ۔ ان کے احوال معلوم کرو۔ اگر ان کی خیانت و بدعہدی کی بات صحیح ہے تو واپس آ کے مجھے اشارے ہی اشارے میں بتا دینا۔ لوگوں کی ہمتیں پست نہ کرنا۔ اگر وہ اس معاہدے پر جو ہمارے اور ان کے درمیان طے پایا ہے، قائم ہوں اور وفاداری برتیں تو لوگوں میں بانگ دہل اعلان کر دینا۔''

وہ چاروں ساتھی بنوقریظہ کے پاس پہنچے تو انھیں اس سے کہیں زیادہ خباثت اور شرانگیزی میں مصروف پایا جس کی آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تھی۔ بنوقریظہ نے ان حضرات سے کہا: اب کیا باقی رہ گیا ہے؟ ہمارے پَر توڑ دیے گئے، محمد (ﷺ) نے بنونضیر کو یہاں سے نکال دیا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنے لگے اور کہا: جاؤ، چلے جاؤ ہمارے اور ان کے مابین کوئی معاہدہ نہیں ہے۔

بنوقریظہ کی بدزبانی اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی نصیحت

نبوی وفد نے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کو بہت سمجھایا کہ وہ حیی بن اخطب جیسے مفسد آدمی کی باتوں میں نہ آئے لیکن کعب نہ مانا۔ کہنے لگا: یہ کبھی نہ ہوگا۔ کعب بن اسد اپنی فطری خباثت پر اتر آیا۔ اس نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: او اللہ کے دشمن! تو سردار کو گالیاں بکتا ہے؟ حالانکہ تُو ان کے پاسنگ بھی نہیں۔ ارے یہودی کے بچے! اللہ کی قسم! ان شاء اللہ قریش یقیناً شکست کھا کر اپنے گھروں کو بھاگ جائیں گے اور تمھیں یہیں چھوڑ جائیں گے، تب ہم تم پر لشکر کشی کریں گے اور تم ہمارے حکم کے مطابق اپنے اس بل سے دُم دبا کر نکلو گے۔ تم بنونضیر کو خوب جانتے ہو۔ وہ تم سے زیادہ معزز تھے اور اس علاقے میں تمھاری نسبت زیادہ طاقتور تھے۔ کیا تمھاری دیت ان کے مقابلے میں نصف نہ تھی؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام کیا کیا؟ اس سے پہلے بنوقینقاع بھی ہمارے ہی حکم پر سرنگوں ہوئے تھے۔

کعب نے اکڑ کر جواب دیا: اے حضیر کے بیٹے! تم مجھے لشکر کشی سے ڈرا رہے ہو؟ تورات کی قسم! تمھارے باپ نے مجھے جنگ بعاث میں دیکھا تھا۔ اگر اس وقت ہم نہ ہوتے تو خزرج اسے وہاں سے جلاوطن کر دیتے۔ اللہ کی قسم! تمھارا کسی جنگجو سے مقابلہ ہی نہیں ہوا۔ جب ہم سے پالا پڑے گا تو تمھیں پتا چل جائے گا۔ اللہ کی قسم! ہم تم سے ڈٹ کر لڑیں گے۔ پھر بنوقریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں بدزبانی کرنے لگے۔ انھوں نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بہت بری گالیاں دیں یہاں تک کہ وہ شدید غصے میں آ گئے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک طرف بنوقریظہ کو نصیحت کی اور دوسری طرف سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے، ہم ان سے جھگڑنے نہیں آئے۔ آپ اپنے اعصاب پر قابو رکھیے۔ ان کی گالیوں کا جواب نہ دیجیے۔ ہمارے اور ان کے مابین جو معاملہ ہے، وہ گالی گلوچ سے ماورا ہے۔

پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بنوقریظہ کو ان کی گمراہی سے باز آنے کی نصیحت کی اور ان خوفناک نتائج سے خبردار کیا جو عہد شکنی کے نتیجے میں عنقریب مرتب ہوں گے۔ انھوں نے مزید کہا: اے بنوقریظہ! جو عہد ہمارے اور تمھارے مابین ہے، اس کا تمھیں علم ہی ہے، میں تمھارے بارے میں بنونضیر کے انجام بلکہ اس سے بھی بدتر انجام سے ڈرتا ہوں۔

ان یہودیوں نے اپنے جلیل القدر خیرخواہ حلیف کو جو جواب دیا، وہ ان کی طبعی کمینگی، دیوانگی اور خوفناک پستی کے مطابق تھا۔ ان میں سے ایک بدبخت غزال بن سموأل نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بہت بری گالی دی۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بنوقریظہ! تمھیں اس سے بھی بڑھ کر کوئی بات اچھی لگے تو کہہ لو۔ نباش بن قیس یہودی نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو غلیظ گالی دی جس سے وہ غصے کے مارے لال پیلے ہو گئے، لیکن سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دخل اندازی سے معاملہ یہیں ٹھپ گیا۔

نبوی وفد کی رپورٹ

بنوقریظہ اپنی گمراہی اور شرمناک بد زبانی میں بڑھتے ہی گئے۔ وہ نبی کریم ﷺ کو برا بھلا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلسل گالیاں دیتے رہے، یہاں تک کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے حلیفوں کے راہ راست پر آنے سے مایوس ہو گئے اور اسلامی وفد بنوقریظہ کی عہد شکنی کا یقین کر کے واپس آ گیا۔ جب یہ وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انھوں نے آ کر کہا: عَضَلٌ وَّ الْقَارَةُ، یعنی جس طرح عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع، سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ غداری اور



رجیع کا چشمہ

خیانت کی تھی، اسی طرح بنوقریظہ نے بھی غداری کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور فرمایا:

«أَبْشِرُوا يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! بِنَصْرِ اللّٰهِ وَعَوْنِهِ»

”اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ کی نصرت اور اس کی مدد سے خوش ہو جاؤ۔“

پھر آپ ﷺ نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ مبارک ڈھانپ لیا اور دیر تک لیٹے رہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو ان کی حالت دگرگوں ہونے لگی۔ وہ سمجھ گئے کہ بنوقریظہ کے حوالے سے آپ کو کوئی اچھی خبر نہیں ملی، پھر آپ ﷺ اٹھے اور فرمایا:

«أَبْشِرُوا يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! بِنَصْرِ اللّٰهِ وَ عَوْنِهِ»

”اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ کی نصرت اور اس کی مدد سے خوش ہو جاؤ۔“[1]

مسلمان طوفانوں کی زد میں

اسلامی وفد نے تو بھرپور کوشش کی تھی کہ صورتِ حال مخفی رہے لیکن لوگوں کو سارے معاملے کی آناً فاناً خبر ہو گئی۔

[1] المغازي للواقدي :392/1، السيرة لابن هشام :233,232/3، الحياة العسكرية، ص : 168-170، البداية والنهاية: 105,104/4.

مشرکینِ مکہ بالائی علاقے کی طرف سے چڑھ آئے تھے، اہل نجد نچلے علاقے کی طرف سے دھمکے تھے اور مدینہ کے اندر رہنے والے یہود و منافقین نے آپس میں گٹھ جوڑ کرلیا تھا اور مسلمانوں کی صفوں میں خوف اور دہشت پھیلانے لگے تھے۔ حالات بے حد سنگین ہوگئے تھے۔ پیچھے بنوقریظہ تھے۔ ان کا حملہ روکنے کے لیے ان کے اور مسلمانوں کے مابین کوئی نہ تھا۔ آگے مشرکین کا بھاری لشکر تھا۔ اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹنا ممکن نہیں تھا۔ ادھر مسلمان عورتیں اور بچے تھے جو کسی خاص حفاظتی انتظام کے بغیر ہی بدعہد یہودیوں کے قریب تھے۔ ان اسباب کی بنا پر لوگوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوگیا۔ اس حالت کا نقشہ اس آیت مقدسہ میں کھینچ دیا گیا ہے:

﴿إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَٰرُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝﴾ (الأحزاب 33:10، 11)

”(اے مومنو!) جب وہ تم پر تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے آگئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر بیٹھے۔ اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی اور انھیں شدت سے جھنجوڑ دیا گیا۔“ [1]

منافقین کی کارستانیاں

یہ صورت حال دیکھ کر منافقین مسلمانوں کی عسکری قوت کے متعلق بے سروپا باتیں پھیلانے لگے۔ اوس بن قیظی گویا ہوا: اے اللہ کے رسول! ہمارے گھر مدینہ سے باہر کی جانب ہیں۔ یہ دشمنوں کے لیے بالکل کھلے ہوئے ہیں۔ آپ ہمیں ہمارے گھروں کو لوٹ جانے کی اجازت دے دیجیے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بنوسلمہ کے قدم بھی اکھڑنے

[1] البداية والنهاية: 104/4، فتح الباري: 500/7.


بنوسلمہ کے علاقے میں مسجد قبلتین (مدینہ منورہ)

لگے اور وہ پسپائی اختیار کرنے کے لیے سوچنے لگے تھے۔[1] ان ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۭ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ۝ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ښ فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَي الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ڮ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَاۗءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

’’اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا، کہہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے دھوکے کا وعدہ کیا۔ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے اہلِ یثرب! (آج) تمھارے لیے (لشکر کے ساتھ) ٹھہرنے کا موقع نہیں، لہٰذا تم لوٹ چلو اور ان میں سے ایک گروہ نبی (ﷺ) سے اجازت مانگ رہا تھا، وہ کہتے تھے: بے شک ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے۔ وہ تو صرف جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔ اور اگر اس (مدینہ) کے اطراف سے ان پر (کفار کے) لشکر چڑھائے جاتے، پھر انھیں فتنے (خانہ جنگی) کی دعوت دی جاتی تو وہ فوراً اس میں کود پڑتے اور اس میں بس تھوڑا ہی

[1] السيرة لابن هشام :233/3.

توقف کرتے۔ اور بلاشبہ اس سے پہلے انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کی پوچھ گچھ تو ہونی ہی ہے۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اگر تم موت سے یا قتل ہونے سے بھاگو گے تو تمھارا بھاگنا تمھیں ہرگز نفع نہیں دے گا اور تب تم بہت تھوڑا فائدہ اٹھاؤ گے۔ کہہ دیجیے: کون ہے جو تمھیں اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمھیں نقصان (پہنچانے) کا ارادہ کرے یا وہ تم پر رحمت کا ارادہ کرے؟ اور وہ اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی حمایتی پائیں گے نہ کوئی مددگار۔ بے شک اللہ انھیں جانتا ہے جو تم میں سے جہاد میں رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں اور انھیں بھی جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: ہمارے پاس آجاؤ اور وہ جنگ میں کم ہی شریک ہوتے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ تمھارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں، چنانچہ جب خوف (کا وقت) آئے تو آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ یوں آنکھیں گھما گھما کر آپ کی طرف دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص جس پر موت کی غشی طاری ہو، پھر جب خطرہ دور ہو جائے تو مال (غنیمت) کے انتہائی حریص بن کر تمھارے سامنے تیز تیز زبانیں چلانے لگتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں، لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے اور یہ اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ (ابھی تک) لشکر گئے نہیں اور اگر لشکر چڑھ آئیں تو وہ تمنا کرتے ہیں کاش! وہ صحرا نشین دیہاتیوں کے ساتھ جا بسے ہوتے اور (وہاں) تمھاری خبریں دریافت کرتے اور اگر وہ تم میں موجود ہوں تو وہ (دشمن سے) لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے ہیں۔ یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اور مومنوں نے جب لشکر دیکھے تو کہا: یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس چیز نے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں اور اضافہ کر دیا۔ مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، اسے سچ کر دکھایا، چنانچہ ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے) اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انھوں نے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ یہ اس لیے کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے، یقیناً اللہ بہت زیادہ بخشنے والا، بہت زیادہ مہربان ہے۔"[1]

مسلمانوں کے خلاف تیسری قوت

منافقین احزاب اور یہود بنوقریظہ کے ساتھ مل کر اسلامی لشکر کے خلاف تیسری قوت کی شکل اختیار کر گئے۔ یہ

[1] الأحزاب 33:12-24.

لوگ بنوقریظہ کی عہد شکنی کے بعد بالخصوص، مسلمانوں کی صفوں میں افواہیں پھیلاتے اور تخریب کاری کرتے رہے۔ انھوں نے سرِعام رسول اللہ ﷺ سے حیلے بہانے کر کے اپنے گھروں کو واپس جانا شروع کر دیا۔ راہِ جہاد سے فرار اختیار کر کے ان کا مقصد مسلمانوں کو کمزور کرنا تھا۔ منافقین کے اس اقدام سے ایک طرف ان کے چہرے سے اسلام کا نقاب اتر گیا اور صاف معلوم ہو گیا کہ یہ شریر لوگ مسلمان نہیں ہیں دوسری طرف ان لوگوں کے چلے جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت اور زیادہ نازک ہو گئی۔ [1]

بنوغطفان سے صلح کی کوشش

اس انتہائی نازک صورتحال میں رب ذوالجلال کا کرم اور رسالت مآب ﷺ کا حُسنِ تدبر کام آیا۔ آپ ﷺ نے درپیش حالات کا تجزیہ کر کے قبیلۂ غطفان سے صلح کا ارادہ فرما لیا۔ آپ ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ اس جنگ میں قبیلۂ غطفان کی شرکت سیاسی مقصد کے لیے تھی، نہ کہ مذہبی تعصب کی بنا پر۔ ان کا مقصد محض یہ لالچ تھا کہ اس بہت بڑی جنگ میں شریک ہو کر خوب مال بٹورنے کا موقع ہاتھ آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے متحدہ دشمن میں سے حیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع سے مصالحت کی کوئی کوشش کی نہ قریش کے لیڈر ابوسفیان سے صلح کی بات کی۔ ان دونوں گروہوں کا مقصد مال کا حصول نہ تھا۔ یہ لوگ دینِ حنیف کے دشمن تھے اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔ اس تناظر میں رسول اللہ ﷺ نے بنوغطفان کی قیادت سے رابطہ کیا۔

سیدنا سعید بن مسیّب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محاصرے کی حالت میں دس سے زیادہ دن گزر گئے تھے۔ ہر شخص انتہائی کربناک صورت حال سے دوچار تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ رب العزت کے حضور دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ»

''اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور تیرے وعدے کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ! بلاشبہ اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہ کی جائے (مطلب یہ ہے کہ اپنی مدد نازل فرما)۔'' [2]

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیل و نہار اسی کشمکش میں گزر رہے تھے۔ حالات کی خوفناک سنگینی کے پیش نظر سالارِ اعلیٰ نبیِ کریم ﷺ کے لیے ضروری ہو گیا کہ آپ ﷺ کوئی ایسی تدبیر سوچیں جس سے شدید دباؤ کم ہو جائے اور مختصر سی اسلامی فوج کسی قدر اطمینان کا سانس لے سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے غطفان کے قائدین عیینہ بن حصن فزاری اور

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ:480,479/1. [2] مسند أبي عوانة:359/4.

حارث بن عوف مُرّی کو پیغام بھیجا اور ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی۔ دونوں غطفانی سالاروں نے نبیِ کریم ﷺ کی خواہش کا احترام کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ آپ ﷺ نے انھیں مدینے کے پھلوں میں سے ایک تہائی کی پیش کش فرمائی۔ انھوں نے نصف پھلوں کا مطالبہ کیا لیکن آپ نے ایک تہائی پر مزید کوئی اضافہ نہیں کیا، چنانچہ ان دونوں نے اسی پیش کش کو غنیمت سمجھا اور اسے خوشی سے قبول کرلیا۔

معاہدۂ صلح اور اس کی شرائط

دونوں غطفانی سردار رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کے بعد چلے گئے۔ بعد ازاں اپنے ساتھ اپنی قوم کے دس سرکردہ افراد لے آئے تاکہ معاہدہ طے پا جائے۔ آپ ﷺ بھی اپنے چند ساتھیوں سمیت خندق سے پرے تشریف لے گئے۔ آپ نے کاغذ قلم منگوایا اور معاہدہ لکھنے کی ذمے داری سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس زرہ پہنے کھڑے رہے۔ فریقین کے مابین بات چیت ہونے کے بعد درج ذیل شرائط پر معاہدہ لکھا گیا:

1 یہ معاہدہ مسلمانوں اور غطفان کے درمیان طے پایا ہے جو اس وقت فریق مخالف کے ساتھ ہیں۔

2 قبیلۂ غطفان مسلمانوں کے ساتھ صلح کرے گا اور کسی جنگ میں ان کے خلاف نہیں لڑے گا، بالخصوص موجودہ صورت حال میں دشمن کا ساتھ نہیں دے گا۔

3 غطفانی مدینہ سے محاصرہ اٹھا کر فی الفور واپس چلے جائیں گے۔

4 اس کے بدلے میں مسلمان مدینہ منورہ کے پھلوں کا تیسرا حصہ انھیں دیں گے۔

5 یہ معاہدہ ان کے ساتھ ایک سال کے لیے طے پایا ہے۔

اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ بنوغطفان جنگ کے لیے نہیں آئے تھے۔ وہ صرف مال بٹورنے کے لیے آمادۂ جنگ ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے ان کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور معاہدۂ صلح کرکے ان کو غیر جانبدار بنانے کی مفید کوشش کی۔

رسول اللہ ﷺ کے اس طرزِ عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مشکلات یکبارگی ٹوٹ پڑیں تو گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ ان سے نمٹنے کے لیے فکر و تدبر، حوصلے اور تحمل سے کام لینا چاہیے۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مشکلات حل کرنے کے لیے آسان ترین راہ اختیار کرنی چاہیے اور دشمن کی قوت کمزور کرنے کے لیے اگر ان سے صلح کا کوئی معاہدہ بھی کرنا پڑے تو دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی ایمانی جرأت

جب صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو اچانک سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انھیں صلح کے مذاکرات کی کوئی خبر نہ تھی۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے تو دیکھا کہ غطفانی سردار عیینہ بن حصن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی ٹانگیں پھیلائے بیٹھا ہے۔ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ عیینہ کی اس بدتمیزی اور بے ادبی پر طیش میں آگئے۔ انھوں نے غطفانی سردار کو جھڑک کر کہا:

يَا عَيْنَ الْهِجْرِسِ! اِقْبِضْ رِجْلَيْكَ، أَتَمُدُّ رِجْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟

''اے بندر کی آنکھ والے! اپنی ٹانگیں سمیٹ لے۔ کیا تجھے احساس نہیں کہ تُو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ٹانگیں پھیلائے ہوئے ہے؟''

سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ انھوں نے کہا: اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس نہ ہوتی تو میں یہ نیزہ تیرے خُصیوں کے آر پار کر دیتا۔ اس وقت تک سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوگیا تھا کہ یہ لوگ کس مقصد کے لیے آئے ہیں، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر یہ آسمانی حکم ہے تو کر گزریے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ہے تو یہ لوگ جب بھی ہم سے اس قسم کی طمع کی بات کریں گے تو ہم انھیں تلوار کی دھار دکھا دیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سعدَین سے مشاورت

قبیلہ غطفان کے قائدین سے بات چیت تو ہوگئی۔ لیکن اب معاملے کو آخری شکل دینے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری زعماء سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا کیونکہ مدینے کے پھل درحقیقت انھی کی ملکیت تھے۔ اگرچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر بڑی خوشی سے راضی ہوجاتے اور ذرہ بھر بھی تامل نہ کرتے لیکن ایک مثالی لیڈر ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو اعتماد میں لے کر ہی کسی معاملے کو حتمی شکل دیتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے راز داری میں مشورہ کیا تو انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے تو آپ ایسا کر گزریے اور اگر آپ کو ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا، محض آپ کی رائے ہے تو آپ کی رائے کے سامنے سرِتسلیم خم ہے، تاہم اگر یہ بات آپ بطور مشورہ کر رہے ہیں تو ہمارے پاس ان کے لیے تلوار کے سوا کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَلْ شَيْءٌ أَصْنَعُهُ لَكُمْ، وَاللّٰهِ! مَا أَصْنَعُ ذٰلِكَ إِلَّا لِأَنَّنِي رَأَيْتُ الْعَرَبَ رَمَتْكُمْ عَنْ قَوْسٍ وَّاحِدَةٍ كَالَبُوكُمْ ـ أَيْ: اِنْشَدُّوْا عَلَيْكُمْ ـ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فَأَرَدْتُ عَنْ أَكْسِرَ عَنْكُمْ مِنْ شَوْكَتِهِمْ إِلٰى أَمْرِمَّا»

''ایسا نہیں ہے، بلکہ میں یہ سب کچھ تمھاری خاطر کر رہا ہوں۔ اور ایسا صرف اس لیے کرنا چاہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام عرب تم پر ایک ہی کمان سے تیروں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں اور وہ ہر طرف سے تم پر چڑھ دوڑے ہیں۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ جہاں تک ممکن ہو، ان کی قوت توڑ دوں اور تمھیں اس صورتحال کے نقصانات سے بچالوں۔''

انصار نے صلح مسترد کر دی

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سب بتوں کو پوجتے تھے۔ اللہ کی عبادت کرتے تھے نہ اسے پہچانتے تھے۔ اس وقت بھی یہ لوگ ہم سے بطورِ ضیافت یا خرید کر ہی کھجوریں کھاتے تھے، اس کے علاوہ یہ لوگ مدینہ کی ایک کھجور پر بھی للچائی ہوئی نظر نہیں ڈال سکتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی دولت سے سرفراز کیا ہے۔ اس کے ذریعے سے ہمیں سیدھے راستے پر چلایا ہے۔ آپ کی اور اسلام کی برکت سے ہمیں اعزاز عطا فرمایا ہے۔ اب کیا ہم انھیں اپنا مال دے دیں؟ اللہ کی قسم! ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہماری طرف سے انھیں تلوار کے سوا کچھ نہیں ملے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے مابین کوئی فیصلہ کر دے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ وَ ذَاكَ»

''تمھارا یہ مشورہ بہت خوب ہے۔''

اب تلوار ہی ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی

رسول اللہ ﷺ کو اپنے جاں نثار ساتھیوں کے روح پرور جواب سے بہت خوشی ہوئی۔ آپ ﷺ نے اُن کا جذبۂ فدویت دیکھ کر فرمایا:

«شُقَّ الْكِتَابَ»

''صلح نامہ پھاڑ دو۔''

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ انھوں نے معاہدے کی دستاویز پھاڑ ڈالی اور کہا: ہمارے اور تمھارے مابین تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ عیینہ بن حصن اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! جس چیز (صلح) کو تم نے چھوڑا ہے، وہ تمھارے لیے بہتر تھی بہ نسبت اس منصوبے کے جو تم نے اب بنایا ہے۔ تمھارے پاس اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے۔


مسجد سعد بن معاذ، الجیریا

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے کہا: عیینہ! کیا تم ہمیں تلوار سے ڈراتے ہو؟ عنقریب تمھیں پتا چل جائے گا کہ ہم میں سے زیادہ واویلا کرنے والا کون ہے۔ اللہ کی قسم! تم اور تمھاری قوم قحط کی وجہ سے علہز اور بوسیدہ ہڈیاں کھاتے تھے۔ تم ہمارے پاس آ کر ایک دانے کی طمع کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے، سوائے اس کے کہ ہم تمھاری ضیافت کریں یا تم ہم سے خریداری کرو۔ ہم کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دے دی اور محمد ﷺ کے ذریعے قوت بخشی تو اب تم ہم سے سودے بازی کی جسارت کرتے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ کی مجلس نہ ہوتی تو تم اپنی قوم کی طرف صحیح سلامت نہیں جا سکتے تھے۔

نبی ﷺ نے نہایت بلند آہنگی سے فرمایا:

«اِرْجِعُوا بَيْنَنَا السَّيْفُ»

''لوٹ جاؤ، اب ہمارے اور تمھارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔''

بنوغطفان پر اسلامی قوت عیاں ہوگئی

عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف پلٹ آئے۔ وہ آپس میں کہہ رہے تھے: ہمیں چنداں امید نہیں کہ ہم ان

سے کچھ حاصل کر سکیں۔ اللہ کی قسم! میں تو لوگوں کے مجبور کرنے پر مسلمانوں کے پاس چلا آیا۔ اب ہمارا ادھر ٹھہرنا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ اگر قریش کو پتہ چل گیا کہ ہماری محمد (ﷺ) کے ساتھ کیا بات چیت ہوئی ہے تو انھیں یہ یقین ہو جائے گا کہ ہم نے ان (قریش) کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ انھیں رسوا کیا ہے۔

عیینہ نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً بات اسی طرح ہے۔ حارث نے کہا: ہم محمد (ﷺ) کے خلاف قریش کی مدد کے لیے اپنی جان قربان کر کے بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ اللہ کی قسم! اگر قریش غالب آ گئے تو سارے عرب کی سیادت ان کو مل جائے گی، مگر نہیں، میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ محمد (ﷺ) کا دین ہی غالب آ جائے گا۔ اللہ کی قسم! یہودِ خیبر کے علماء بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی کتابوں میں یہ لکھا پاتے ہیں کہ حرم سے فلاں فلاں خوبیوں کا مرقع ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے اور جو خوبیاں وہ بیان کرتے ہیں، وہ محمد ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔


یہود کی مقدس کتاب تورات

عیینہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم قریش کی مدد کے لیے نہیں آئے۔ اگر ہم قریش سے ایسی مدد طلب کرتے تو وہ ہماری مدد کے لیے ہلنا بھی گوارا نہ کرتے بلکہ وہ اپنے حرم ہی سے نہ نکلتے۔ ہمارے نکلنے کا مقصد تو یہ تھا کہ ہم مدینہ کی کھجوریں ہتھیالیں اور ہمیں شہرت بھی مل جائے۔ حارث نے کہا: اللہ کی قسم! اوس وخزرج نے تو صرف تلوار کا فیصلہ سنا دیا ہے جب تک ان کا ایک آدمی بھی باقی ہے، وہ مقابلے سے باز نہیں آئیں گے۔ وہ تو کھجور کی چھڑی سے بھی لڑنے سے گریز نہیں کریں گے۔ ادھر حالت یہ ہے کہ محاصرے کی طوالت سے ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو رہے ہیں۔

جب وہ دونوں اپنی قوم کے پاس پہنچے تو غطفان کے جنگجو ان سے سوال جواب کرنے لگے، انھوں نے پوچھا: بتاؤ کیا کر کے آئے ہو؟ وہ بولے: معاملہ طے نہیں ہو سکا۔ وہ بڑے جری، دانش مند اور جاں نثار لوگ ہیں اور اپنے ساتھی کے دفاع میں خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کو تیار ہیں۔

انصاری سرداروں نے غطفانی سالاروں کو جو دوٹوک جواب دیا اور جتنی دلیری سے گفتگو کی، وہ باتیں ان کے

کانوں میں برق و رعد کی طرح گونجتی رہیں حتی کہ نجدی قبائل کے سردار اپنے جنگی منصوبے پر رہ رہ کر سوچ بچار کرنے لگے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کر کے اپنی جان گنوانا کوئی عقلمندی کی بات نہیں۔ یوں غطفانی سالاروں کے واپس اپنے پڑاؤ میں جانے کے بعد غطفان کا مسلمانوں کے خلاف کوئی قابل ذکر حربی کردار باقی نہ رہا۔ ان کی فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ میں پڑی رہیں حتی کہ احزاب کے سالار ابوسفیان نے کوچ کا حکم صادر کر دیا۔ [1]

امت کے لیے اہم سبق

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ ''تمام عرب تم پر ایک کمان سے تیر برسا رہے ہیں۔'' اس سے آپ ﷺ کا مقصود یہ واضح فرمانا تھا کہ تمام کے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف متحد نہ رہنے پائیں۔ اس سے مسلمانوں کو یہ رہنمائی ملتی ہے:

- مسلمانوں کو چاہیے کہ دشمن کی کمزوریاں ڈھونڈیں۔
- دورانِ جنگ مسلم قیادت کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ مخالف فریقوں میں سے جس فریق کو غیر جانبداری کی راہ پر ڈال سکے تو ضرور ڈالے۔ رسالت مآب ﷺ کے عمل مبارک سے یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ مسلم قیادت کو باہم مشورے سے کام لینا چاہیے۔ پیش آمدہ مسائل میں علمائے دین سے رہنمائی لینی چاہیے۔ اور اسلام کے وقتی اور دائمی مفادات کی حفاظت کرنی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو مشاورت کی، اس سے آپ ﷺ کے طرزِ قیادت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ آپ ﷺ حربی و غیر حربی معاملات میں ہمیشہ مشورہ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام معاملات میں مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کو بھی مشورے سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ اگر کسی معاملے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں آتی تھی تو درپیش معاملہ آپس میں مشورے اور خوب غور و فکر کی روشنی میں طے پاتا تھا۔

ترکِ صلح کے سلسلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے قبول کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ کامیاب لیڈر کا ماتحتوں کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ماتحت لیڈر کے مرتبہ شناس ہوتے ہیں اور لیڈر ماتحتوں کا قدر دان ہوتا ہے۔ قائد ان کے مشورے کا احترام کرتا ہے اور وہ اس کی رائے کو برتر اور معتبر سمجھتے ہیں۔ قائدینِ غطفان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی مصالحت کا عمل شرعی سیاست کا ایک اہم اسلوب ہے جس میں ملی مفادات کا بھرپور خیال رکھا گیا۔

[1] المغازي للواقدي: 409,408/1، السيرة لابن هشام: 234/3، البداية والنهاية: 107,106/4، جوامع السيرة، ص: 187-189، موسوعة الغزوات الكبرى: 481/1-486.

اس معاہدۂ صلح کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف تین مفاہیم کا حامل ہے:

- یہ موقف اظہار رائے میں مسلمانوں کی بے باکی اور فصاحت و بلاغت کی شان عیاں کرتا ہے اور یہ کہ حسب موقع جماعت کے تمام معاملات و مسائل میں مشورے کی اہمیت وضرورت مسلّم ہے۔
- یہ معاملہ مسلمانوں کی نفسیات سے پردہ اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اسلام سے ان کے ناقابلِ شکست تعلق کو اُجاگر کرتا ہے۔
- یہ موقف واضح کرتا ہے کہ مسلمان نفسیاتی طور پر کس قدر مضبوط تھے اور انتہائی نازک صبر آزما حالات کا مقابلہ بھی کتنے اونچے حوصلے اور ولولے سے کرتے تھے۔ دشمن چاہے کیسی ہی تیاری کے ساتھ کتنا ہی بڑا ٹڈی دل لشکر لے آیا ہو، وہ اس سے مرعوب ہونا جانتے ہی نہیں تھے۔[1]

حکمتِ نبوی اور حکمتِ ربانی کا فیصلہ

غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ کی جنگی حکمتِ عملی کا یہ پہلو قابلِ غور ہے کہ آپ نے صلح کے لیے غطفانی سرداروں کو اپنے ہاں بُلایا تاکہ غطفانی کفار قریش سے الگ ہو جائیں اور مسلمانوں کے خلاف اس جنگ سے الگ تھلگ ہو جائیں۔ غطفانی سرداروں سے صلح کی شرائط طے کرنے اور معاہدہ رقم ہونے کے بعد اوس وخزرج کے دونوں سرداروں کو بلا کر مشاورت کی۔ ان دونوں نے یہ جان کر کہ معاہدہ کسی شرعی حکم کے تحت نہیں بلکہ محض ایک حکمتِ عملی کے طور پر طے پا رہا ہے تو انھوں نے مشورہ دیا کہ غطفانیوں سے ان کی شرائط کے تحت صلح کرنا مناسب نہیں، مسلمان قوی اور ثابت قدم ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے ان کا موقف تسلیم کرتے ہوئے معاہدہ چاک کروا دیا کیونکہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے اور اس کا باقاعدہ اعلان ہونا باقی تھا۔ اوس وخزرج کا لڑنے کا عزم دیکھ کر غطفانی سردار نامراد لوٹ گئے اور ان پر مسلمانوں کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ اپنے پڑاؤ میں جا کر عملاً جنگ سے الگ ہو گئے۔ یہ سب ایک حکمتِ ربانی کے تحت ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو سر بلند رکھنا چاہتا تھا۔ گویا آخری فیصلہ حکمتِ نبوی اور حکمتِ ربانی کے عین مطابق تھا۔

دشمن کی رسد پر قبضہ

بنوقریظہ کی عہد شکنی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین سو مجاہدین کی نفری کے ساتھ مدینہ پر پہرا دینے پر مامور کیا اور انھیں حکم دیا کہ بآواز بلند تکبیر کے نعرے

[1] السيرة النبوية للصلابي: 2/272،271.

لگائیں تاکہ بنوقریظہ مرعوب ہو جائیں۔ بنوقریظہ دشمن کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے اور انھیں بیس اونٹ کھجور، جو اور انجیر بطور امداد روانہ کیے۔ لیکن یہ اونٹ سارے ساز و سامان سمیت مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے اور وہ انھیں ہانک کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔[1]

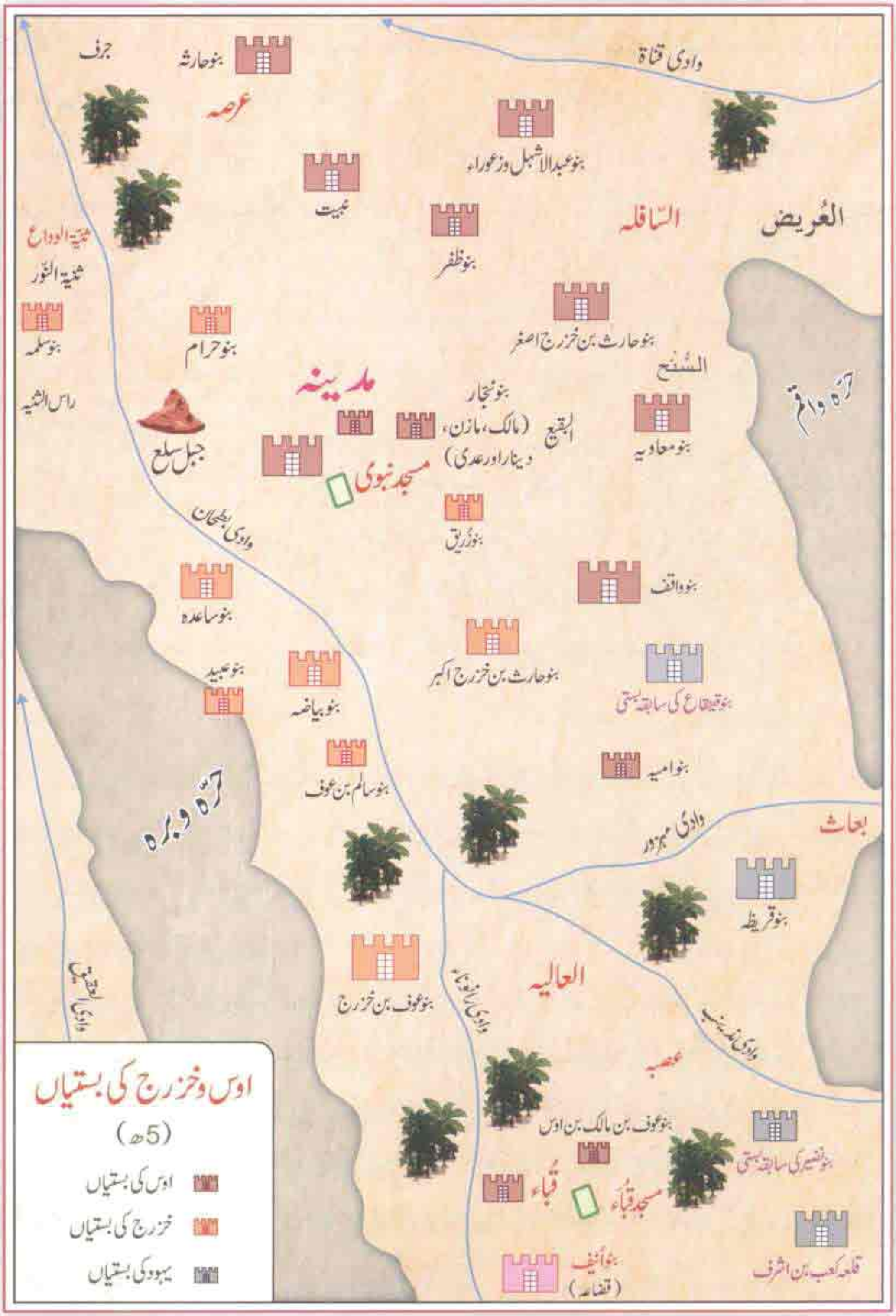
نجدان یہودی کا قتل

اسلامی لشکر کے لیے آئے دن نت نئی مشکلات پیدا ہو رہی تھیں لیکن یہ ایک عظیم الشان فتح کی بشارت بن گئی تھیں۔ ان میں ایک واقعہ نجدان یہودی کے قتل کا بھی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو حفاظتی نقطۂ نظر سے قلعہ بنی حارثہ میں بھیجا تو آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اگر تم اپنے آس پاس کسی دشمن کی آمد کی بُو سونگھو تو تلوار کی چمک کے ذریعے سے ہماری طرف اشارہ کر دینا، چنانچہ ایک دن بنوثعلبہ کی شاخ بنوجحاش سے تعلق رکھنے والا نجدان نامی شخص عورتوں کے قلعے کے پاس پہنچا اور یہ آواز لگانے لگا: تمھارے لیے اسی میں خیر ہے کہ تم نیچے اتر آؤ اور میرے پاس آ جاؤ۔ یہ صدا سن کر مسلمان عورتوں نے اپنی تلواریں لہرائیں جن کی چمک اصحابِ رسول نے دیکھ لی اور کچھ مسلمان فوراً قلعے کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں بنوحارثہ کا ایک مجاہد ظہیر بن رافع بھی تھا۔ اس نے کہا: اے نجدان! مقابلے کے لیے سامنے آ جا۔ جونہی وہ نکل کر سامنے آیا۔ ظہیر رضی اللہ عنہ اس پر جھپٹ پڑے۔ انھوں نے اس کے گھوڑے پر دھاوا بول دیا اور نجدان کو قتل کر دیا، پھر اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی بے مثال بہادری

عہد شکنی کے بعد یہود بنوقریظہ عملاً جنگی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فارع نامی قلعے میں موجود تھیں۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بھی عورتوں اور بچوں کے ساتھ وہیں موجود تھے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک یہودی آ کر قلعے کا چکر کاٹنے لگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بنوقریظہ رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑ کر آپ ﷺ سے برسر پیکار ہو چکے تھے اور ہمارے اور ان کے مابین کوئی نہ تھا جو ان سے ٹکر لیتا۔ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سمیت دشمن کے بالمقابل مصروف تھے۔ اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہو جاتا تو آپ ﷺ انھیں چھوڑ کر نہیں آ سکتے تھے، اس لیے میں نے کہا: اے حسان! یہ یہودی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ قلعے کا چکر لگا رہا ہے، اللہ کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ یہ اپنے یہودی ساتھیوں کو

[1] السيرة النبوية للصلابي: 265/2. [2] مجمع الزوائد: 133/6، المعجم الكبير للطبراني: 318/4.


اوس وخزرج کی بستیاں
(5ھ)
اوس کی بستیاں
خزرج کی بستیاں
یہود کی بستیاں
جرف
بنوحارثہ
وادی قناۃ
عرصہ
بنوعبدالاشہل وزعوراء
عبیت
بنوظفر
السافلہ
العُریض
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ الثور
بنوسلمہ
بنوحرام
بنوحارث بن خزرج اصغر
السنح
راس الثنیہ
مدینہ
بنونجار
(مالک، مازن، دینار اور عدی)
البقیع
بنومعاویہ
حرہ واقم
جبل سلع
مسجد نبوی
وادی بطحان
بنوزریق
بنوساعدہ
بنوواقف
بنوحارث بن خزرج اکبر
بنوقینقاع کی سابقہ بستی
بنوعبید
بنوبیاضہ
بنوامیہ
بنوسالم بن عوف
حرہ وبرہ
وادی مہزور
بعاث
بنوقریظہ
العالیہ
بنوعوف بن خزرج
عصبہ
بنوعوف بن مالک بن اوس
بنونضیر کی سابقہ بستی
قُباء
مسجد قُباء
بنواُنیف
(قضاعہ)
قلعہ کعب بن اشرف

ہماری کمزوری سے آگاہ کردے گا۔ اُدھر رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس طرح مصروفِ جنگ ہیں کہ ہماری مدد کو نہیں آسکتے، لہٰذا آپ جائیے اور اسے قتل کر دیجیے۔

سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: عبدالمطلب کی بیٹی! اللہ کی قسم، آپ جانتی ہیں کہ میں اس میدان کا آدمی نہیں ہوں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر میں نے خود ہی کارروائی کے لیے کمر باندھی، خیمے کے ستون کی لکڑی اُٹھائی۔ پھر قلعے سے نیچے اتر کر اس یہودی کے پاس جا پہنچی۔ میں نے اسی لکڑی سے مار مار کر اسے واصل جہنم کر دیا۔ اس کے بعد قلعے میں واپس آگئی۔ میں نے حسان رضی اللہ عنہ سے کہا: جائیے اور اس کے ہتھیار اور اسباب اتار لائیے۔ چونکہ وہ مرد ہے، اس لیے میں نے اس کے ہتھیار نہیں اتارے۔ حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مجھے اس کے ہتھیار اور سامان کی کوئی ضرورت نہیں۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کے اس دلیرانہ کارنامے کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس کارروائی سے غالباً یہود نے سمجھا کہ مسلمانوں کے قلعوں اور گڑھیوں میں بھی مسلمانوں کا حفاظتی لشکر موجود ہے، حالانکہ وہاں سرے سے کوئی لشکر ہی نہیں تھا، چنانچہ یہود کو دوبارہ ایسی حرکت کی جرأت نہیں ہوئی، البتہ وہ بت پرست حملہ آوروں کے ساتھ اپنے اتحاد کا عملی ثبوت دینے کے لیے انھیں رسد پہنچاتے رہے۔ [2]

کیا حسان رضی اللہ عنہ بزدل تھے؟

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بزدل نہیں تھے۔ مذکورہ بالا روایت میں ان کی بزدلی بیان کی گئی ہے، یہ روایت ضعیف ہے۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جانے والی اس مذموم خصلت کا دفاع کرتے ہوئے علامہ سہیلی لکھتے ہیں کہ اس روایت سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ حسان رضی اللہ عنہ بزدل تھے۔ لیکن اہل علم نے اس بات کا انکار کیا ہے۔ اس کے وجوہ یہ ہیں:

1. یہ روایت سند کے اعتبار سے منقطع ہے، یعنی غیر متصل، ناقابل اعتبار اور غیر صحیح ہے۔
2. اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بزدل تھے تو ان کی ہجو ضرور کی جاتی کیونکہ وہ ضرار اور ابن زبعریٰ جیسے عرب کے بڑے بڑے شعراء کی ہجو کرتے تھے اور وہ لوگ ان کا جواب دیتے تھے لیکن کسی ایک شاعر نے بھی حسان رضی اللہ عنہ کو بزدلی کا طعنہ نہیں دیا، لہٰذا یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ ابن اسحاق کی روایت ضعیف ہے۔
3. بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو ممکن ہے حسان رضی اللہ عنہ بیمار ہوں یا کسی تکلیف میں مبتلا ہوں جس کی وجہ سے وہ لڑائی

[1] السيرة لابن هشام :239/3. [2] الرحيق المختوم، ص :322.

میں شرکت کرنے کے قابل نہ ہوں۔ یہی سب سے بہترین توجیہ ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''الدرر'' میں اس واقعے کی صحت کا انکار کیا ہے۔ [1]

کفار کے شہسوار خندق میں

مشرکین کا ایک شہسوار دستہ خندق کے پاس پہنچ کر غیظ وغضب سے چکر کاٹنے لگا۔ انھیں ایسی کمزور جگہ کی تلاش تھی جہاں سے وہ خندق میں اتر سکیں۔ ادھر مسلمان ان کی کڑی نگرانی کر رہے تھے اور ان پر تیر برساتے رہتے تھے تاکہ انھیں خندق کے قریب آنے کی جرأت نہ ہو، وہ اس میں کود سکیں نہ مٹی ڈال کر عبور کرنے کے لیے راستہ بنا سکیں۔

ادھر قریش کے شہسوار اس بات پر پیچ وتاب کھا رہے تھے کہ وہ خواہ مخواہ خندق کے محاصرے کے نتائج کے بے سُود انتظار میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان کی عادت اور ان کی شان کے خلاف بات تھی، چنانچہ ان میں سے عمرو بن عبدود بن ابی قیس نکلا جو بنو عامر بن لؤی سے تھا۔ بنو مخزوم سے عکرمہ بن ابی جہل اور ہبیرہ بن ابی وہب نکلے۔ بنو محارب بن فہر سے ضرار بن خطاب بن مرداس نکلا۔ یہ ان کا بہت بڑا شاعر تھا۔ یہ لوگ اپنے پڑاؤ سے نکلے اور جب بنو کنانہ کے پڑاؤ کے پاس سے گزرے تو بڑے تکبر سے کہنے لگے: بنو کنانہ! جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آج پتا چل جائے گا کہ بہادر کون ہے۔ چنانچہ یہ لوگ ایک تنگ جگہ میں گھسے اور خندق میں داخل ہو گئے۔ ان میں پیش پیش عکرمہ بن ابوجہل، عمرو بن عبدود اور ضرار بن خطاب تھے۔ [2]

خندق کی نگرانی کے لیے رسول اللہ ﷺ کا گشت

خندق کی راتیں بہت خوفناک تھیں۔ صورتحال دن بدن شدت اختیار کر رہی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر آن، ہر گھڑی خندق کے گرد چکر لگاتے رہتے تھے اور دشمن کی زبردست نگرانی کر رہے تھے۔ خندق پر پہرے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس گشت کرتے تھے اور خندق کی نگرانی فرماتے تھے۔ نبی ﷺ کی اہلیہ محترمہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: اللہ کی قسم! میں رات کے درمیانی حصے میں نبی کریم ﷺ کے خیمے میں تھی۔ آپ ﷺ سو رہے تھے۔ اچانک میں نے ایک دہشت زدہ آواز سنی۔ کہنے والا کہہ رہا تھا: يَا خَيْلَ اللّٰهِ! ''اے اللہ کے لشکر!'' دراصل رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کا شعار (Code Word) يَا خَيْلَ اللّٰهِ مقرر فرمایا تھا۔ آپ ﷺ یہ آواز سن کر گھبرا گئے اور خیمے سے باہر تشریف لے آئے۔ صحابہ کی ایک جماعت وہاں پہرہ دے رہی تھی، ان میں عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

[1] الروض الأنف: 433,432/3. [2] السيرة لابن هشام: 235,234/3، مرويات غزوة الخندق، ص: 287,286.

«مَا بَالُ النَّاسِ؟»

''لوگوں کو کیا مسئلہ درپیش ہے؟''

عباد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! یہ عمر بن خطاب کی آواز ہے۔ آج رات ان کی باری ہے۔ اُنھی نے یَا خَیْلَ اللّٰہِ! کی صدا لگائی ہے، لوگ ان کے پاس اکٹھے ہو رہے ہیں اور وہ قلعہ ذباب اور مسجد الفتح کے بیچ حُسَیْکہ کی طرف موجود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«اِذْهَبْ فَانْظُرْ، ثُمَّ ارْجِعْ إِلَيَّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَأَخْبِرْنِي»

''جاؤ اور دیکھو (کہ کیا بات ہے) پھر اگر اللہ نے چاہا تو واپس آکر مجھے اطلاع دو۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں خیمے کے دروازے کے پاس کھڑی تھی۔ دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل وہیں کھڑے رہے حتی کہ عباد رضی اللہ عنہ واپس آگئے۔ انھوں نے بتایا: اے اللہ کے رسول! وہاں عمرو بن عبد ود آگیا ہے۔ وہ مشرکین کا دستہ لے آیا ہے۔ اس کے ساتھ مسعود بن رخیلہ اشجعی بھی ہے۔ مسلمان ان پر پتھراؤ کر رہے ہیں اور تیر بھی برسا رہے ہیں۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً خیمے میں داخل ہوئے، زرہ پہنی، سر پر خود رکھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر نکل پڑے۔ آپ کے ساتھ صحابہ بھی نکلے حتی کہ اس شگاف پر جا پہنچے جہاں سے دشمن کا دستہ گھس آیا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو خوشی سے آپ کا چہرہ دمک رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

«صَرَفَهُمُ اللّٰهُ وَقَدْ كَثُرَتْ فِيهِمُ الْجِرَاحَةُ»

''اللہ تعالیٰ نے انھیں اس حال میں پھیر دیا ہے کہ ان میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے ہیں۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور سو گئے حتی کہ آپ کے خراٹے سنائی دینے لگے۔ میں نے پھر ایک خوفناک آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور زور سے آواز دی:

«يَا عَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ!»

''اے عباد بن بشر!''

انھوں نے فوراً لبیک کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اُنْظُرْ مَا هٰذَا»

"دیکھو یہ کیا بات ہے۔"

عباد رضی اللہ عنہ گئے اور واپس آ کر بتایا کہ ضرار بن خطاب غطفانی گھڑ سواروں کے دستے کو لے کر جبل بنی عبید کے پاس آ پہنچا ہے، اس کے ساتھ عیینہ بن حصن بھی ہے۔ مسلمان ان پر تیر اور پتھر برسا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً زرہ پہنی، گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدان کی طرف چل پڑے۔ آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی گئے۔ آپ ﷺ خندق کی اس تنگنائے پر پہنچے جہاں دشمن کے حملے کا خدشہ تھا۔ آپ ﷺ صبح تک وہیں رہے۔ جب آپ ﷺ لوٹے تو فرما رہے تھے:

«رَجَعُوا مَفْلُولِينَ قَدْ كَثُرَتْ فِيهِمُ الْجِرَاحَةُ»

"وہ شکست کھا کر لوٹے ہیں۔ ان کے بہت سے سپاہی زخمی ہو گئے ہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھائی اور بیٹھ گئے۔ [1]

عمرو بن عبد ود کی مبارزت اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اذن طلبی

عمرو بن عبد وُدّ قریش کا مشہور شہسوار تھا۔ وہ جنگ بدر میں شدید زخمی ہوا تھا۔ اسی وجہ سے جنگِ احد میں شرکت نہ کر سکا۔ اب یہ اپنی اس غیر حاضری کے ازالے کے لیے اس جنگ میں پیش پیش تھا تاکہ لوگوں پر اس کی بہادری کی دھاک بیٹھ سکے۔ اس شخص نے خندق کی تنگنائے سے فائدہ اٹھایا اور اسلامی لشکر کے سامنے جا نکلا۔ اس کے شہسوار ساتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر مسلمانوں کو خطرے کا شدت سے احساس ہوا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تیزی سے لپکے۔ اُنھوں نے چند جانبازوں کو ساتھ لے کر خندق کی اُس تنگ جگہ کو بند کرنا چاہا۔ اچانک گھڑ سوار کافر مقابلہ کرنے کے لیے سامنے آ گئے۔ عمرو بن عبد وُدّ کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ تنہا ایک ہزار آدمیوں کے مقابلے میں کافی ہے۔ یہ شخص دندنا کر آگے بڑھا اور للکار کر بولا: کون میرا مقابلہ کرے گا؟ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کے رسول! میں اس کا مقابلہ کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ عمرو بن عبد وُدّ ہے، بیٹھ جاؤ۔ عمرو نے دوبارہ پکار لگائی: کیا تم میں کوئی ہے میرا مقابلہ کرنے والا؟ کہاں ہے تمھاری وہ جنت جس کے بارے میں تمھارا گمان ہے کہ تم میں سے جو شخص قتل کیا جائے گا، وہ سیدھا اس میں داخل ہو جائے گا؟ کیا تم لوگ کسی آدمی کو بھی میرے مقابلے کے لیے نہیں بھیجو گے؟ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! مجھے اس کا مقابلہ کرنے دیجیے۔ آپ ﷺ نے

[1] المغازي للواقدي: 399/1، إمتاع الأسماع: 235/1.

انھیں دوبارہ بٹھا دیا۔ عمرو نے تیسری مرتبہ للکارا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

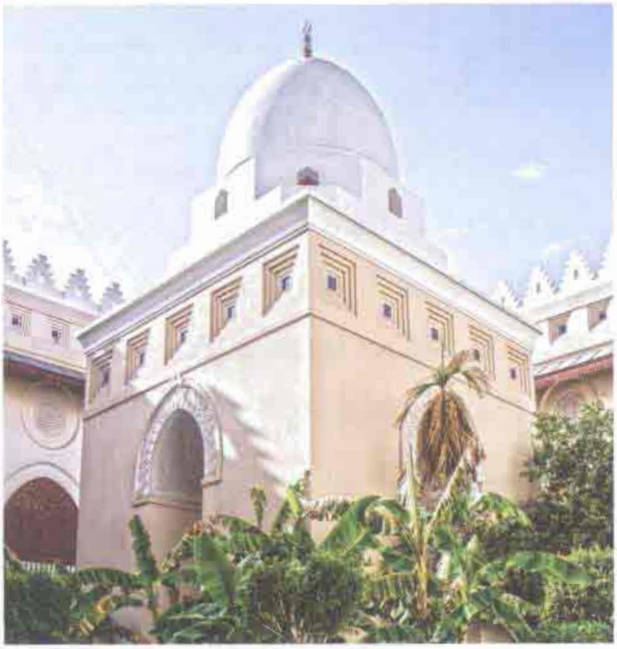
وَلَقَدْ بَحَحْتُ مِنَ النِّدَاءِ لِجَمْعِهِمْ هَلْ مِنْ مُبَارِزِ
وَوَقَفْتُ إِذْ جَبُنَ الْمُشَجِّعُ مَوْقِفَ الْقِرْنِ الْمُنَاجِزِ
وَلِذَاكَ إِنِّي لَمْ أَزَلْ مُتَسَرِّعًا قَبْلَ الْهَزَاهِزِ
إِنَّ الشَّجَاعَةَ فِي الْفَتٰى وَالْجُودَ مِنْ خَيْرِ الْغَرَائِزِ

''میں نے تو ان کے جتھے کی طرف بڑھتے ہوئے للکارا ہے: ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟''
''اور میں اس جگہ آن کھڑا ہوا ہوں جہاں بزدل اپنے ہم پلہ مد مقابل سے خوفزدہ ہو جاتا ہے۔''
''اسی لیے میں جنگ شروع ہونے سے پہلے برابر جلدی میں رہا۔''
''بلاشبہ کسی نوجوان میں بہادری اور سخاوت کا جوہر ہونا بہترین خوبی ہے۔''

علی ؓ اور عمرو بن عبد ود رُوبرو

سیدنا علی المرتضیٰ ؓ اس کی یہ بات سن کر پھر کھڑے ہو گئے اور کہا: اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اس کا مقابلہ کرنے دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ عمرو بن عبد ود ہے!'' علی ؓ نے جواب دیا: ہرچند یہ عمرو بن عبد ود ہی ہے (لیکن میں اس کا مقابلہ کروں گا)۔ تب آپ ﷺ نے انھیں اجازت دے دی۔ علی ؓ اس کی طرف بڑھے اور اس کے قریب پہنچ کر کہنے لگے:

لَا تَعْجَلَنَّ فَقَدْ أَتَاكَ
مُجِيبُ صَوْتِكَ غَيْرُ عَاجِزِ
فِي نِيَّةٍ وَبَصِيرَةٍ
وَالصِّدْقُ مَنْجَى كُلِّ فَائِزِ



میقات ذوالحلیفہ میں مسجد علی کا ایک منظر

إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أُقِيمَ عَلَيْكَ نَائِحَةَ الْجَنَائِزِ
مِنْ ضَرْبَةٍ نَجْلَاءَ يَبْقَى ذِكْرُهَا عِنْدَ الْهَزَاهِزِ

''جلدی نہ کر، تیری آواز پر لبیک کہنے والا آ گیا ہے جو بے بس نہیں۔''
''آنے والا پکے ارادے اور دیدۂ بینا کے ساتھ آیا ہے اور قول و عمل کو سچ کر دکھانا ہی نجات کا ذریعہ ہے۔''
''یقیناً میں امید رکھتا ہوں کہ تجھ پر جنازوں پر نوحہ خوانی کرنے والی عورتیں لا کھڑی کروں گا۔''
''ایسی ضرب سے جس کا گھاؤ واضح ہو گا اور جس کا ذکر جنگوں میں دہرایا جائے گا۔''

عمرو نے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں علی ہوں۔ اس نے پوچھا: کیا تم علی بن عبدمناف ہو؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، میں علی بن ابی طالب ہوں۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اے عبد وُد کے بیٹے! میں نے سنا ہے کہ تو نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے گا تو ان دو میں سے تو ایک چیز ضرور دے گا۔ اس نے بڑے تکبر سے کہا: بے شک، میں نے ایسا ہی عہد کیا ہوا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَدْعُوكَ إِلَى اللّٰهِ وَ إِلٰى رَسُولِهِ وَإِلَى الْإِسْلَامِ.

''میں تمھیں اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔''

اس نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تو میرے مقابلے میں آ جا۔ اس نے کہا: بھتیجے! تمھارے چچوں میں تم سے زیادہ عمر والے بھی ہیں، میں تمھارا خون بہانا اچھا نہیں سمجھتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن اللہ کی قسم! میں تیرا خون بہانا بہت اچھا سمجھتا ہوں۔

مغرور عمرو بن عبدود کا قتل

اس پر عمرو بھڑک اُٹھا۔ گھوڑے سے اترا اور اس طرح تلوار سونت لی جیسے وہ آگ کا شعلہ ہو، پھر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف لپکا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال پر اس کا وار روکنے کے لیے تیار ہو گئے۔ عمرو نے ان کی ڈھال پر ایسی ضرب لگائی کہ اسے کاٹ ڈالا اور اس کی تلوار ڈھال ہی میں پیوست ہو کر رہ گئی۔ اس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا سر بھی زخمی ہو گیا۔ جواباً سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کے سر اور مونڈھے کے درمیان ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ دھڑام سے گر پڑا اور اس کا کام تمام ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کی آواز سنی تو ہمیں پتہ چل گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا ہے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:

أَعَلَيَّ تَقْتَحِمُ الْفَوَارِسُ هٰكَذَا عَنِّي وَعَنْهُمْ أَخِّرُوا أَصْحَابِي

اَلْيَوْمَ يَمْنَعُنِي الْفِرَارَ حَفِيظَتِي ۔۔۔ وَمُصَمَّمٌ فِي الرَّأْسِ لَيْسَ بِنَابِي

''کیا مجھ پر شہسوار اس طرح چڑھ دوڑے ہیں کہ اب صرف میں ہوں اور یہ لوگ ہیں اور میرے ساتھی پیچھے رہ گئے ہیں۔''

''آج مجھے میری غیرت اور سر کا بوجھ مجھے بھاگنے نہیں دے گا۔ اور یہ کوئی شر والی بات نہیں ہے۔''

پھر انھوں نے یہ اشعار پڑھے:

عَبَدَ الْحِجَارَةَ مِنْ سَفَاهَةِ رَأْيِهٖ ۔۔۔ وَعَبَدْتُ رَبَّ مُحَمَّدٍ بِصَوَابِ

فَصَدَرْتُ حِينَ تَرَكْتُهُ مُتَجَدِّلًا ۔۔۔ كَالْجِذْعِ بَيْنَ دَكَادِكٍ وَرَوَابِي

وَعَفَفْتُ عَنْ أَثْوَابِهٖ وَلَوْ أَنَّنِي ۔۔۔ كُنْتُ الْمُقَطَّرَ بَزَّنِي أَثْوَابِي

لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ خَاذِلَ دِينِهٖ ۔۔۔ وَنَبِيِّهٖ يَا مَعْشَرَ الْأَحْزَابِ

''عمرو بن عبدوُدّ نے اپنی حماقت کی وجہ سے پتھروں کی عبادت کی اور میں نے عقل و شعور سے کام لیتے ہوئے محمد (ﷺ) کے پروردگار کی عبادت کی۔''

''میں وہاں سے اس حالت میں نکلا کہ میں نے اسے نرم ریت کے ڈھیر اور ٹیلوں میں درخت کے تنے کی طرح مٹی میں اٹا ہوا چھوڑا۔''

''میں اس کے بدن کے کپڑے اتارنے سے باز رہا (جب اس نے مجھے اپنی شرمگاہ دکھا کر عار دلائی) اور اگر میں پچھاڑ دیا جاتا تو وہ میرے کپڑے اتار کر مجھے برہنہ کر دیتا۔''

''اے مشرکوں کی جماعتو! اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ اپنے دین اور اپنے نبی کو بے یارو مددگار چھوڑ دے گا۔''

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے اس کی زرہ کیوں نہیں اتاری؟ پورے عرب میں اس سے بہتر کسی کی زرہ نہیں۔ انھوں نے جواب دیا: میں نے جب اس پر وار کیا تو اس نے اپنی شرمگاہ کے ذریعے اپنا بچاؤ کیا، پھر مجھے بھی شرم آئی کہ میں اپنے چچازاد کی زرہ اتاروں۔''[1]

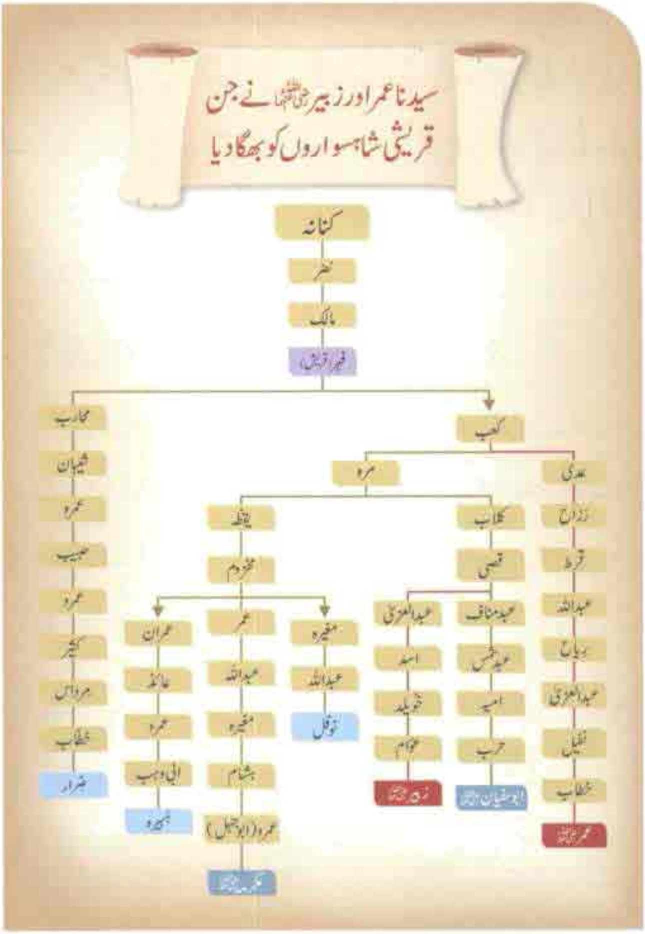
[1] البداية والنهاية: 4/108,107، السيرة لابن هشام: 3/236,235، دلائل النبوة للبيهقي: 3/436-439.



مسجد عمر بن الخطاب، برلن (جرمنی)

شہسوار حملہ آور بھاگ نکلے

عمرو بن عبد ود کے قتل ہونے کے بعد باقی حملہ آور شہسواروں پر ایسی سراسیمگی چھا گئی کہ وہ دُم دبا کر بھاگ نکلے۔ بعض مجاہدوں نے ان کا تعاقب کیا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ضرار کا پیچھا کیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ کے پیچھے لپکے۔ ان کے مشہور شہسواروں میں عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب اور ضرار اس طرح سرپٹ بھاگ کے بچ نکلے کہ سیدھا ابوسفیان کے پاس جا کر دم لیا۔ ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ جبل بنی عبید کے پاس پڑاؤ ڈالے بیٹھا تھا۔



نوفل بن عبداللہ کا قتل

نوفل بن عبداللہ کو سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے جا لیا۔ وہ اس پر شیر کی طرح جھپٹ پڑے۔ زبیر رضی اللہ عنہ کا حملہ اس قدر اچانک اور اتنا شدید تھا کہ نوفل کا گھوڑا گھبرا گیا

اور نوفل زمین پر گر پڑا مگر وہ پھر اٹھا، سنبھلا اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو دعوت مبارزت دی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے تلوار کا ایک ہی وار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ ان کی تلوار نوفل کو دو لخت کرتی ہوئی گھوڑے کی زین کاٹ کر اس کے کندھے تک جا پہنچی۔ اس طرح سے ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے۔ اس وقت سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا:

إِنِّي امْرُؤٌ أَحْمِي وَأَحْتَمِي عَنِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى الْأُمِّي

''میں وہ مرد ہوں جو اُمی (ان پڑھ) نبیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے بچتا اور بچاتا ہوں۔''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: اے ابوعبداللہ! ہم نے آپ کی تلوار جیسی کوئی تلوار نہیں دیکھی۔ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! یہ تلوار کا کمال نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مدد تھی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے ہبیرہ بن ابی وہب کا تعاقب بھی کیا، انھوں نے اس کے گھوڑے کے سینے پر تلوار مار کر اسے زخمی کر دیا لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ نوفل بن عبداللہ کو قتل کرنے والے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ جب نوفل خندق میں پھنس گیا تو لوگ اُس پر پتھر برسانے لگے۔ اس نے التجا کی: اے عربوں کی جماعت! مجھے مہذب طریقے سے قتل کرو، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے اور اسے اپنی تیغِ بے دریغ سے قتل کر دیا۔[1]

لیکن راجح بات یہی ہے کہ نوفل کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ہی نے قتل کیا تھا کیونکہ اس کے متعلق واضح آثار منقول ہیں اور اکثریت نے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔[2]

عکرمہ کا نیزہ چھوڑ کر فرار ہونا

عکرمہ بن ابی جہل بھی قریش کے مشہور شہسواروں میں سے تھا۔ جب اس نے اپنے سب سے بہادر سُورما کو قتل ہوتے دیکھا تو اس پر ایسی دہشت چھا گئی کہ اس نے اپنا نیزہ پھینک دیا اور جان بچا کر بھاگ گیا۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کی ہجو کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

فَرَّ وَ أَلْقَى لَنَا رُمْحَهُ لَعَلَّكَ عِكْرِمُ لَمْ تَفْعَلِ

وَ وَلَّيْتَ تَعْدُو كَعَدْوِ الظَّلِيمِ مَا أَنْ تَجُورَ عَنِ الْمَعْدِلِ

وَلَمْ تَلْوِ ظَهْرَكَ مُسْتَأْنِسًا كَأَنَّ قَفَاكَ قَفَا فُرْعُلِ

[1] المغازي للواقدي: 402/1، البداية والنهاية: 109/4. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 43/2، مرويات غزوة الخندق، ص: 305.

''عکرمہ بھاگ نکلا اور ہمارے لیے اپنا نیزہ چھوڑ گیا۔عکرمہ! شاید تو کچھ کر کے ہی نہیں گیا۔''
''تو پیٹھ پھیر کر اس طرح بھاگا جیسے شتر مرغ بھاگتا ہے جبکہ تو میدان سے پیٹھ دکھا کر بھاگنے والا نہیں تھا۔''
''تو نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ پیچھے کا خیال آتا تو تیری گدی بجو کے بچوں جیسی نظر آتی جو مُردے گھسیٹ کر سرپٹ بھاگتا ہے۔'' [1]

مشرکین کی اپنے مقتول کی لاش کے بدلے بھاری رقم کی پیشکش

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، جنگ احزاب میں مشرکین کا ایک آدمی مارا گیا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے مقتول کی لاش واپس کر دیں، ہم آپ کو بارہ ہزار (درہم) ادا کر دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا خَيْرَ فِي جَسَدِهِ وَلَا فِي ثَمَنِهِ»

''اس کی لاش اور اس کی قیمت میں کوئی بھلائی نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی چیز قبول نہیں کی اور فرمایا:

«هُوَ لَكُمْ لَا نَأْكُلُ ثَمَنَ الْمَوْتٰى»

''اُس کی لاش تمھاری ہوئی، ہم مُردوں کی قیمت نہیں کھاتے۔''

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے دس ہزار درہم کی پیش کش کی جبکہ دوسری روایت میں سو اونٹوں کا تذکرہ ہے۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِدْفَعُوا إِلَيْهِمْ جِيفَتَهُ فَإِنَّهُ خَبِيثُ الْجِيفَةِ خَبِيثُ الدِّيَةِ»

''اس کافر کی لاش انھیں دے دو کیونکہ وہ خبیث لاشہ ہے، اس کی دِیَت گندگی ہے۔'' [2]

سردار اوس کی والدہ کی ایقان و تاکید

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں بنوحارثہ کے قلعے میں تھی۔ یہ مدینہ کا محفوظ ترین قلعہ تھا۔سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی ہمارے ساتھ تھیں اور یہ پردے کی فرضیت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ایک روز سعد رضی اللہ عنہ قلعے کے باہر سے گزرے۔انھوں نے زرہ پہنی ہوئی تھی۔ وہ زرہ چھوٹی سی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ان کے بازو کھلے ہوئے اور

[1] البداية والنهاية :107/4، السيرة لابن هشام :236/3. [2] البداية والنهاية :109/4، مرويات غزوة الخندق :400/1.

ننگے ہیں۔ انھوں نے چھوٹا نیزہ تھام رکھا تھا۔ وہ اسے لہراتے ہوئے بھاگے جا رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے:

لَبِّثْ قَلِيلًا يَشْهَدِ الْهَيْجَا جَمَلْ لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ إِذَا حَانَ الْأَجَلْ

''کچھ دیر ٹھہرو، بہادر جنگ میں حاضر ہوگا۔ جب موت کا وقت آ چکا تو موت سے کیا ڈرنا۔''

ان کی والدہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو کہا: بیٹا! جلدی کرو، اللہ کی قسم! تم نے بہت دیر کر دی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ان سے کہا: اے سعد کی ماں! تم نے سعد کو بہت چھوٹی سی زرہ پہنائی ہے۔ زرہ اتنی کھلی ہونی چاہیے تھی کہ ہاتھوں کو بھی ڈھانپ لے۔ یہ سُن کر اس مومنہ صادقہ نے جواب دیا:

يَقْضِي اللّٰهُ مَا هُوَ قَاضٍ.

''اللہ تعالیٰ کو جو فیصلہ کرنا ہے وہ کر دے گا۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کے بازو پر تیر لگا جو ان کی شہادت کا سبب بنا۔[1]

مشرکین کا عہد و پیمان اور مجاہدین کی ثابت قدمی

جب قریشی شہسوار ناکام ہونے کے بعد اپنے سالار ابوسفیان کے پاس آئے تو اس نے کہا: آج ہمیں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ تم سب لوگ اپنے اپنے پڑاؤ کی جگہ چلے جاؤ۔ قریشی اپنے پڑاؤ وادی عقیق میں چلے گئے اور غطفانی جنگجو اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔ انھوں نے آپس میں عہد و پیمان کیا کہ کل سب مل کر حملہ آور ہوں گے۔ قریش نے اپنے ساتھیوں کو تیار کیا اور رات بسر کی۔ بنوغطفان نے اپنے جوانوں کو تیار کیا اور رات ڈھلتے ہی طلوعِ آفتاب

[1] البداية والنهاية: 110,109/4، السيرة لابن هشام: 238,237/3، المغازي للواقدي: 400/1.

وادی عقیق (مدینہ منورہ)



سے پہلے خندق کے کنارے جا پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو تیار کیا، انھیں جہاد کی ترغیب دی اور نصیحت فرمائی کہ اگر تم ثابت قدم رہو گے تو تم پر اللہ کی نصرت اترے گی۔ مشرکین نے ہر طرف سے خندق کا گھیراؤ کر لیا اور مسلمان ایسی پوزیشن میں تھے جیسے کوئی قلعہ ہو اور دشمن نے اسے چاروں طرف سے محاصرے میں لے رکھا ہو۔[1]

دشمن کے شہسواروں کی جارحانہ سرگرمیاں

مشرکین نے آپس میں باریاں مقرر کر لی۔ ایک دن ابوسفیان اپنے دستے کو لے کر حملہ آور ہوتا، پھر خالد بن ولید، پھر عمرو بن عاص، پھر ہبیرہ بن ابی وہب، جو پہلے حملے میں بچ نکلا تھا، اور پھر ضرار بن خطاب حملہ کر دیتا تھا۔ مشرکوں کے سوار دستے اسی طرح خندق کے گرد چکر کاٹتے رہے۔ اصحابِ رسول بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کر رہے تھے۔ جونہی وہ خندق کے قریب آتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انھیں تیروں کی بوچھاڑ سے دور بھگا دیتے تھے۔

احزاب کو پے در پے شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، وہ ہر بار تازہ دم ہو کر آتے اور حملے کرتے تھے۔ ان کے گھڑ سوار بہت بڑی تعداد میں صبح تک پھیرے لگاتے رہتے۔ ایک گروہ جاتا تو اس کی جگہ دوسرا تازہ دم سپاہی دستہ آ جاتا۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح انھوں نے معرکۂ اُحد میں دھوکہ دے کر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا، اُسی طرح اب بھی حیلہ سازی سے حملہ کر دیں۔ اس غزوے میں خالد بن ولید گھڑ سواروں کی کمان کر رہا تھا۔[2]

مدینہ پر قبضہ کرنے کا نیا منصوبہ

احزاب کے جنگجو دستوں کو کوئی کامیابی نہیں ہو رہی تھی، پھر بھی انھوں نے فیصلہ کیا کہ مدینہ پر قبضہ کرنے کے لیے آخری فیصلہ کن کارروائی کی کوشش کریں۔ اس نئی منصوبہ بندی میں احزاب کے اُن تمام قائدین نے شرکت کی جو اپنے گھر بار سے دور کھلے آسمان تلے پڑاؤ ڈالے بیکار بیٹھے تھے۔ احزاب کے تمام دستوں کے قائدین اپنے تمام گھڑ سواروں کو بدوی لڑاکا نوجوانوں سمیت خندق کے کنارے لے آئے، ان کے پیچھے دور دور تک پیادہ لشکر کے جنگجو تھے۔

فیصلہ کن منصوبے کی تفصیل

مشرکین کے سوار دستوں کے قائدین اپنے طے شدہ منصوبے کے تحت خندق کے گرد چکر لگانے لگے۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے سواروں کو خندق کی تنگنائیوں سے گزار کر دوسرے کنارے پہنچایا جائے جہاں اسلامی لشکر ان کے دانت کھٹے

[1] المغازي للواقدي: 403/1. [2] مرويات غزوة الخندق، ص: 324,323.

کر رہا تھا۔ احزاب کا خیال تھا کہ اس طرح ہم خندق کے دونوں کناروں پر قابض ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی طرف جانے والا دستہ خندق کو ملبے سے پُر کر دے گا، اس طرح ان کے پیادے بھی مدینہ پر چڑھ دوڑیں گے اور مدینہ کی چھوٹی سی بستی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔

احزاب کے قائدین کو یقین تھا کہ جب ہمہ گیر اور فیصلہ کن معرکہ میں ان کا خوفناک ٹڈی دل لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوگا اور پیچھے سے بنوقریظہ ان پر دھاوا بول دیں گے تو وہ بڑی آسانی سے مدینے پر قبضہ کرلیں گے۔ اس جدید منصوبے کی تنفیذ سے مسلمانوں پر مشرکین کا دباؤ دگنا ہوگیا اور ابوسفیان جو پہلے محض سوار دستے بھیجنے پر اکتفا کرتا تھا، اب اس کارروائی کی خودنگرانی کر رہا تھا۔ احزاب کی اس آخری کوشش کے نتیجے میں مسلمانوں کے خلاف دباؤ نقطۂ عروج تک پہنچ گیا اور گزشتہ اوقات کی نسبت ان کی آزمائش بے حد سخت ہوگئی۔ انھیں شدید خوف و ہراس نے بری طرح جکڑ لیا تھا۔[1]

مسلمان ادائے نماز سے قاصر رہے

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: کفار نے اپنے لشکر ہر طرف بکھیر دیے۔ انھوں نے ہمارے ساتھ لڑائی کی۔ دشمن کا ایک مضبوط دستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے بالمقابل حملہ آور ہوا، اس کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے۔ انھوں نے رات گئے تک متواتر لڑائی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں نہ پڑھ سکے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شکایت کرنے لگے: اللہ کے رسول! ہم نماز نہیں پڑھ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلَا أَنَا وَاللّٰهِ! مَا صَلَّيْتُ»

''اللہ کی قسم! میں بھی نماز نہیں پڑھ سکا۔''

مسلمان اس شدت کی جنگ میں انتہائی کربناک صورتحال سے دوچار رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے پاؤں اکھاڑ دیے اور وہ تتر بتر ہو گئے۔[2]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خندق کے دن آئے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ قریش کو برا بھلا کہنے لگے، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی: اللہ کے رسول! سورج غروب ہوگیا ہے، میں نماز (عصر) نہیں پڑھ سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 498,497/1. [2] المغازي للواقدي: 403/1.

«وَاللّٰہِ! مَا صَلَّیْتُھَا»

”اللہ کی قسم! میں نے بھی (عصر) کی نماز نہیں پڑھی۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہم نبی ﷺ کے ساتھ وادی بطحان میں اترے، وضو کیا اور آپ ﷺ نے غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھائی، پھر مغرب کی نماز پڑھائی۔[1]

ایک اذان سے 4 نمازیں

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو اس قدر شدت سے اتنی طویل مُدت تک گھیرے رکھا کہ آپ ﷺ کی چار نمازوں کے اوقات بھی دشمن کے مقابلے کی نذر ہو گئے حتی کہ جس قدر اللہ نے چاہا رات کا کچھ حصہ بھی گزر گیا۔ پھر آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انھوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ بلال رضی اللہ عنہ نے پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی۔ پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔



مسجد بلال بن رباح، قسم الخلیفہ، قاہرہ (مصر)

پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔[2]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: خندق کے دن ہم بیٹھ گئے حتی کہ مغرب کے بعد رات اُترنے لگی، پھر اندھیرا چھا گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنوں سے نجات دی جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝﴾ [الأحزاب 25:33]

”اور اس لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہو گیا اور اللہ بہت طاقتور اور غالب ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انھیں اذان دینے کا حکم دیا، انھوں نے اذان کے بعد ظہر کے لیے اقامت کہی۔ آپ ﷺ نے اسی حسن و خوبی سے ظہر کی نماز ادا کی جیسے آپ ﷺ پہلے پڑھتے تھے۔ پھر انھوں نے

1 صحيح البخاري: 4112، صحيح مسلم: 631. 2 جامع الترمذي: 179، سنن النسائي: 663.

عصر کی اقامت کہی تو آپ ﷺ نے اسی حسن و خوبی سے نماز پڑھائی جس طرح آپ ﷺ پہلے عصر کی نماز پڑھاتے تھے۔ پھر مغرب کی اقامت کہی اور آپ ﷺ نے مغرب کی نماز اسی حسن و خوبی سے ادا کی جس حسن و خوبی کو آپ ﷺ مغرب کے وقت بروئے کار لاتے تھے۔ پھر عشاء کی اقامت کہی اور آپ ﷺ نے اسی حسن و خوبی سے عشاء کی نماز پڑھائی جس حسن وخوبی سے پہلے پڑھاتے تھے۔ یہ نماز خوف کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔[1]

صحیحین میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق صرف عصر کی نماز فوت ہوئی تھی جبکہ دیگر کتب احادیث میں چار نمازوں کے قضا ہونے کا ذکر ہے۔ یعمری کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے صحیحین کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ابن العربی نے صراحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ جو نماز آپ ﷺ دشمن سے مقابلے کی وجہ سے ادا نہ کر سکے، وہ صرف ایک عصر ہی کی نماز ہے۔ اس بات کی تائید صحیح مسلم میں مروی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، انھوں نے بیان کیا کہ ہم صلاۃ وسطیٰ، یعنی عصر کی نماز کے وقت دشمنوں سے مقابلے میں مصروف تھے۔

بعض اہل علم نے ان دونوں باتوں میں تطبیق دی ہے کہ جنگ خندق کئی دنوں پر محیط تھی، ان ایام کے مختلف اوقات میں یہ دونوں واقعے یکے بعد دیگرے رونما ہوئے۔ یہی راجح اور دل کو بھاتی بات ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی بد دعا

خندق کے دن جب رسول اللہ ﷺ کی نماز قضا ہوگئی تو آپ ﷺ نے کفار کے خلاف بد دعا کی:

«مَلَأَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَ قُبُورَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ»

''اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے جیسا کہ انھوں نے ہمیں مصروف جنگ رکھ کر صلاۃ وسطیٰ (نماز عصر) سے محروم کر دیا حتی کہ سورج غروب ہوگیا۔''[3]

اہل علم کی ایک جماعت نے اس روایت سے دلیل لی ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے جیسا کہ یہاں نصاً واضح ہے اور اہل علم کی ایک جماعت نے مذکورہ واقعے سے استدلال کیا ہے کہ اگر قتال جیسا عذر مانع ہو تو نماز کا مؤخر کرنا جائز ہے۔ امام مکحول اور اوزاعی کا بھی یہی نظریہ ہے۔[4]

1 المغازي للواقدي: 1/403، 404. 2 مرويات غزوة الخندق، ص: 342، فتح الباري: 2/96. 3 صحيح البخاري: 4111، صحيح مسلم: 627. 4 الأساس في السنة لسعيد حوّى: 2/682.

فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کی صورت

ڈاکٹر بوطی کہتے ہیں: انتہائی مصروفیت کی بنا پر نماز عصر رہ گئی جو آپ ﷺ نے سورج غروب ہونے کے بعد ادا کی۔ بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر روایات میں ایک سے زیادہ نمازیں رہ جانے کا ذکر ہے جنھیں آپ ﷺ نے وقت نکل جانے کے بعد علی الترتیب ادا کیا (جیسا کہ اوپر مذکور ہے)۔ اس سے فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کی دلیل ملتی ہے اور یہ جو علماء نے کہا ہے کہ اُس وقت مصروفیت کی بنا پر نماز مؤخر کرنا صحیح تھا کیونکہ ابھی صلاۃ الخوف شروع نہیں ہوئی تھی، علماء کا یہ نظریہ فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کے خلاف نہیں کیونکہ بفرض محال اگر مان بھی لیا جائے کہ نسخ کا ثبوت ملتا ہے تو نسخ کا حکم فوت شدہ نمازوں کی قضا پر مؤثر نہ ہوگا بلکہ صرف مصروفیت کی بنا پر نماز مؤخر نہ کرنے کا نسخ ہوگا اور تاخیر کا نسخ فوت شدہ نمازوں کی قضا کا نسخ ہرگز نہیں۔ فوت شدہ نمازوں کی قضا کا مسئلہ اپنی جگہ بحال ہے۔[1]

خالد بن ولید کا حملہ اور طفیل رضی اللہ عنہ کی شہادت

مشرکین جب اپنے تابڑ توڑ حملوں کے باوجود ناکام و نامراد ہوئے تو قریش اپنے پڑاؤ میں اور غطفانی اپنے ڈیرے کی طرف چل دیے۔ مسلمان بھی رسول اللہ ﷺ کے خیمے کی طرف آ گئے۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دو سو گھڑ سواروں کا دستہ لے کر خندق کی نگرانی کر رہے تھے، اچانک مشرکین کا ایک دستہ پلٹ کر آیا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان دن بھر کے تھکے ماندے ہیں، اب آرام کر رہے ہوں گے اور ان کی بے خبری کی حالت میں ہم ان پر اچانک ٹوٹ پڑیں گے، اور یوں میدان مار لیں گے، لیکن اللہ کے شیر چوکس ہو کر دشمن کی گھات میں تھے۔

مشرکین کے دستے کا کمانڈر خالد بن ولید تھا اور اسلام کے جانبازوں کی قیادت سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ دونوں لشکروں میں نوک جھونک جاری رہی۔ تیر اندازی کا تبادلہ بھی ہوا۔ مشرکین کے دستے میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی بن حرب بھی تھا (جو فتح مکہ کے بعد



مسجد حمزہ بن عبدالمطلب، بن غازی (لیبیا)

[1] فقه السيرة للبوطي، ص: 223.

مسلمان ہوگیا)۔ اس نے سیدنا طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ کو تاک کر تیزہ مارا جس سے وہ جام شہادت نوش کر گئے۔[1]

جنگ خندق میں مسلمانوں کا شعار (Code Word)

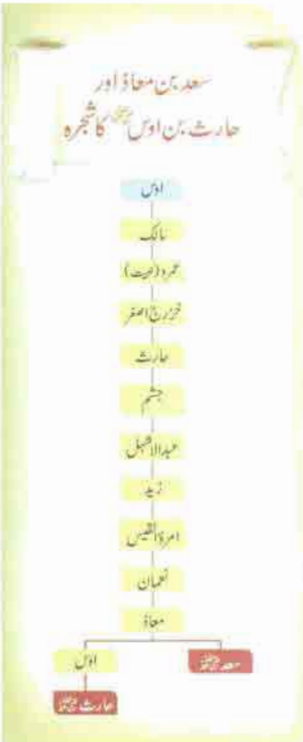
جب مشرکین کی آخری کوشش بھی ناکام رہی تو اس کے بعد وہ واپسی تک کوئی قابل ذکر کارروائی نہ کر سکے۔ اس کے بعد وہ صرف رات کی تاریکی میں ایک آدھ دستہ بھیجتے جس کا مقصد چھینا جھپٹی کی کارروائی ہوتا تھا۔ ایک رات اسلامی لشکر کے دو دستے نگرانی کر رہے تھے۔ ان دونوں دستوں کا آپس میں ٹکراؤ ہوگیا۔ رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دونوں میں سے کسی کو پتہ نہ چلا کہ یہ اپنے ہی ساتھی ہیں۔ ان میں سے ہر فریق دوسرے کو دشمن ہی کا دستہ سمجھ رہا تھا۔ دونوں کی مڈبھیڑ کے نتیجے میں کچھ صحابی زخمی ہوگئے اور کچھ شہید ہوگئے۔

یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ سارا واقعہ بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جِرَاحُكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَمَنْ قُتِلَ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ شَهِيدٌ

''تمھارے زخمی اللہ کی راہ میں ہیں اور جو قتل کر دیا گیا، بلاشبہ وہ شہید ہے۔''

اس کے بعد وہ ایک دوسرے کی پہچان کے لیے شعار (Code Word) استعمال کرتے جس کی وجہ سے اُن کا آپس میں گتھم گتھا ہونے کا امکان نہ رہا۔ ان کا شعار حٰمٓ لَا يُنْصَرُونَ تھا۔



بعدازاں جب بھی مسلمان ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے تو اپنے رمزیہ الفاظ (Code Word) بولتے تاکہ باہمی لڑائی کی نوبت نہ آئے۔[2]

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ مہاجرین کا شعار يَا خَيْلَ اللّٰهِ تھا۔[3]

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہوگئے

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں خندق کے دن لوگوں کے نقوشِ قدم کا پیچھا کرتی ہوئی چل پڑی۔ اچانک میں نے اپنے پیچھے کسی کی آہٹ محسوس کی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے، ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حارث بن اوس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ ایک ڈھال اٹھائے ہوئے تھے۔ میں فوراً زمین پر بیٹھ گئی اور سعد رضی اللہ عنہ آگے گزر گئے۔ وہ لوہے کی زرہ پہنے ہوئے

1 الطبقات لابن سعد: 68/2. 2 المغازي للواقدي: 404/1، السيرة لابن هشام: 236/3. 3 إمتاع الأسماع: 235/1.

تھے جس سے ان کے جسم کے بعض حصے نظر آ رہے تھے۔ میں سعد کے ان نظر آنے والے اعضاء کے بارے میں ڈرنے لگی۔ سعد رضی اللہ عنہ ایک بھاری بھرکم اور لمبے آدمی تھے۔ وہ چلتے چلتے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

لَبِّثْ قَلِيلًا يَدْرِكِ الْهَيْجَا حَمَلْ   مَا أَحْسَنَ الْمَوْتَ إِذَا حَانَ الْأَجَلْ

''کچھ دیر ٹھہرو، جمل (عرب کے بہادر جمل بن سعدانہ سے کنایہ) جنگوں کو پالے گا۔ یہ موت کس قدر حسین ہے جب کہ موت کا وقت آ ہی گیا ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ان کے گزر جانے کے بعد میں کھڑی ہوگئی اور ایک باغ میں جا پہنچی۔ وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ایک آدمی نے خود پہن رکھا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا تو پوچھنے لگے: آپ ادھر کیوں تشریف لے آئیں؟ اللہ کی قسم! آپ یقیناً بہت بہادر ہیں۔ لیکن اگر پسپائی اختیار کرنی پڑے یا کوئی آزمائش آن پڑے تو پھر کیا بنے گا؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: قریش کے حبان بن قیس بن عرقہ نامی ایک مشرک نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر تیر چلایا۔ وہ ان کے بازو میں آلگا۔ اس سے ان کی رگ اکحل کٹ گئی۔ اس نے تیر مارتے ہوئے یہ الفاظ کہے: یہ لو میری طرف سے جان لو کہ میں عرقہ کا بیٹا ہوں۔ اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

عَرَّقَ اللّٰهُ وَجْهَكَ فِي النَّارِ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ أَبْقَيْتَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْئًا فَأَبْقِنِي لَهَا، فَإِنَّهُ لَا قَوْمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أُجَاهِدَهُمْ مِنْ قَوْمٍ آذَوْا رَسُولَكَ وَكَذَّبُوهُ وَأَخْرَجُوهُ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَاجْعَلْهُ شَهَادَةً لِي، وَلَا تُمِتْنِي حَتّٰى تُقِرَّ عَيْنِي مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ.

''اللہ تیرے چہرے کو آگ میں پگھلا دے۔ اے اللہ! اگر تو نے قریش کی جنگ میں سے کچھ حصہ باقی رکھا ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھ کیونکہ اس قوم کے ساتھ جنگ کرنا مجھے بہت پسند ہے جس نے تیرے رسول کو اذیت دی، انھیں جھٹلایا اور انھیں وطن سے بے وطن کر دیا۔ اے اللہ! اگر ان کے ساتھ جنگ ختم ہوگئی ہے تو اس زخم کو میرے لیے شہادت کا سبب بنا دے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک تو میری آنکھیں بنوقریظہ کی طرف سے ٹھنڈی نہ کر دے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ آپ کا خون فوراً رک گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر ایسی زبردست آندھی چلائی، جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے میدانِ کارزار میں کافی ہوا اور اللہ تعالیٰ تو بہرحال

بڑی قوت والا اور بڑی عظمت والا ہے، چنانچہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی تہامہ جا پہنچے اور عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی نجد جا لگے۔[1]

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا قاتل کون تھا؟

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ کی شہادت حبان بن قیس بن عرقہ کے تیر سے ہوئی تھی۔ لیکن ابن اسحاق رحمہ اللہ عبداللہ بن کعب بن مالک کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بتایا: خندق کے روز سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر مارنے والا شخص بنومخزوم کا حلیف ابواسامہ جشمی تھا۔ ابواسامہ نے اس بارے میں عکرمہ بن ابوجہل کو مخاطب کر کے شعر بھی کہے ہیں:

أَعِكْرِمُ! هَلَّا لُمْتَنِي إِذْ تَقُولُ لِي	فِدَاكَ بِآطَامِ الْمَدِينَةِ خَالِدُ
أَلَسْتُ الَّذِي أَلْزَمْتُ سَعْدًا مُرِشَّةً	لَهَا أَثْنَاءَ الْمَرَافِقِ عَانِدُ
قَضَى نَحْبَهُ مِنْهَا سُعَيْدٌ فَأَعْوَلَتْ	عَلَيْهِ مَعَ الشُّمْطِ الْعَذَارَى النَّوَاهِدُ
وَأَنْتَ الَّذِي دَافَعْتَ عَنْهُ وَقَدْ دَعَا	عُبَيْدَةُ جَمْعًا مِنْهُمْ إِذْ يُكَابِدُ
عَلَى حِينِ مَا هُمْ جَائِرٌ عَنْ طَرِيقِهِ	وَآخَرُ مَرْعُوبٌ عَنِ الْقَصْدِ قَاصِدُ

"اے عکرمہ! تو نے مجھے کیوں نہ ملامت کی جب تو مجھ سے کہہ رہا تھا: تجھ پر مدینہ کے ٹیلوں میں خالد قربان ہو۔"

1 مسند أحمد: 141/6، السيرة لابن هشام: 238/3، البداية والنهاية: 108/4.


جبل رُمان (نجد)

"کیا وہ میں ہی نہ تھا جس نے سعد کو تاک کر تیر مارا تھا اور اس کی کلائی کی درمیانی رگ اکحل سے خون بہ نکلا تھا۔"

"سعد نے اس سے اپنی مراد پوری کی (اور شہید ہوگئے) پھر اس پر بوڑھی عورتوں کے ساتھ ساتھ کنواری دوشیزائیں بھی اشکبار ہوگئیں۔"

"تو ہی وہ شخص ہے جس کا میں نے دفاع کیا جبکہ اس نے عبیدہ کو ان کے لشکر سے اس وقت بلایا جب وہ مصیبت میں پھنسا ہوا تھا۔"

"اس وقت جب وہ (مسلمان) اپنے نبی کے رستے سے ہٹنے والے نہیں تھے اور دوسرا گروہ اپنے مقصد کے حصول (میں ان) سے مرعوب ہو چکا تھا۔"

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ پر تیر چلانے والا شخص خفاجہ بن عاصم بن حبان تھا۔[1]

دکتور ابراہیم کہتے ہیں: اکثریت نے کہا ہے کہ حبان بن عرقہ نے تیر چلایا تھا اور یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے، ممکن ہے ابو اسامہ جشمی بھی اس کے ساتھ شریک ہو لیکن یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو صرف ایک ہی تیر رگِ جان میں لگا تھا۔[2] واللہ اعلم بالصواب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے پہریدار

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاعی استحکام اور خندق کو پار کرنے والوں کا مقابلہ کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ مسلمان خندق کی نگرانی کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب سالارِ اعلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر بھی مامور تھے۔ سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں انصار کی ایک جماعت روزانہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کی نگرانی کرتی تھی۔ خندق کے دن سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ

مدرسہ عباد بن بشر (مدینہ منورہ)



[1] السیرۃ لابن ہشام: 239،238/3، البدایۃ والنہایۃ: 110/4، امتاع الأسماع: 236،235/1 [2] مرویات غزوۃ الخندق، ص: 358.

نے بھی رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری نبھائی۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں خندق میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی۔ آپ ﷺ پہاڑی کے ایک خطرناک شگاف کی نگرانی کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کو اس شگاف سے دشمن کی آمد کا خدشہ تھا۔ جب سردی کی شدت نے آپ ﷺ کو پریشان کیا تو آپ ﷺ میرے پاس تشریف لے آئے اور میری گود سے ٹیک لگا کر لیٹ گئے، پھر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ایک مسلح آدمی کی آہٹ محسوس کی تو آپ پہاڑی کی اوٹ میں چھپ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «مَنْ هٰذَا؟» ''کون ہے؟''

یہ سعد رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میرے لیے کوئی حکم ہو تو ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اس شگاف کی نگرانی کرو۔ اس کے بعد آپ ﷺ سکون سے سو گئے حتی کہ میں نے آپ کے خراٹے سنے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں سعد رضی اللہ عنہ کی اس قربانی کو کبھی نہیں بھول سکتی۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ایک رات رسول اللہ ﷺ بے خوابی کا شکار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا مِنْ أَصْحَابِي يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ»

''کاش! میرے صحابہ میں سے کوئی نیک آدمی آج رات میرا پہرہ دے۔''

اسی دوران اچانک ہم نے اسلحے کی آواز سنی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «مَنْ هٰذَا؟» ''کون ہے؟'' سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کا پہرہ دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ تب نبی ﷺ سو گئے حتی کہ ہم نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔''[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سعد نامی کئی صحابہ تھے، مثلاً سعد بن معاذ، سعد بن عبادۃ اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہم لیکن صحیح بخاری کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔[4]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی۔ میں کسی جگہ بھی آپ سے جدا نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ بنفسِ نفیس پہرہ دے رہے تھے۔ شدید سردی تھی۔ میں آپ ﷺ کو دیکھنے آئی۔ آپ

[1] عیون الأثر، ص: 270، مرویات غزوۃ الخندق، ص: 227. [2] مجمع الزوائد: 135/6. [3] صحیح البخاري: 7231.
[4] صحیح البخاري: 2885.

اپنے خیمے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ جتنا وقت اللہ کو منظور تھا، آپ نے نماز پڑھی، پھر باہر تشریف لائے۔ کچھ دیر دیکھتے رہے، پھر آپ نے فرمایا:

«هٰذِهِ خَيْلُ الْمُشْرِكِينَ تُطِيفُ بِالْخَنْدَقِ مَنْ لَّهُمْ؟»

"یہ مشرکین کا گھڑ سوار دستہ ہے۔ خندق کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ ان کی خبر کون لے گا؟"

پھر آپ نے آواز دی: «يَا عَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ!» "اے عباد بن بشر!"

انھوں نے آپ کی آواز پر فوراً لبیک کہا۔ آپ نے پوچھا:

«أَمَعَكَ أَحَدٌ؟»

"کیا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

انھوں نے کہا: جی ہاں، اللہ کے رسول! میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوں اور ہم آپ کے خیمے کی نگرانی کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«فَانْطَلِقْ فِي أَصْحَابِكَ فَأَطِفْ بِالْخَنْدَقِ فَهٰذِهِ خَيْلٌ مِّنْ خَيْلِهِمْ تُطِيفُ بِكُمْ يَطْمَعُونَ أَنْ يُّصِيبُوا مِنْكُمْ غِرَّةً، اَللّٰهُمَّ! ادْفَعْ عَنَّا شَرَّهُمْ، وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ، وَاغْلِبْهُمْ لَا يَغْلِبُهُمْ غَيْرُكَ»

"اپنے ساتھیوں کو لے جاؤ اور خندق کے گرد چکر لگاؤ۔ ان (مشرکین) کا ایک دستہ تمھارے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمھیں غفلت میں پاکر تم پر حملہ کر دیں۔ اے اللہ! ان کے شر کو ہم سے دور کر دے۔ ان کے خلاف ہماری مدد فرما اور انھیں مغلوب کر دے، تیرے سوا انھیں کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔"

عباد بن بشر اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلے تو اس وقت ابوسفیان دستے کی قیادت کرتے ہوئے خندق کی تنگنائے تلاش کر رہا تھا۔ مسلمان چوکنے ہو گئے اور انھوں نے پتھروں اور تیروں کی بارش کر دی۔ ہم ان کے سامنے ڈٹ گئے اور تیر مار مار کر انھیں بے حال کر دیا، بالآخر وہ خائب و خاسر ہو کر اپنے پڑاؤ کی طرف واپس بھاگ گئے۔ میں نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اطلاع پہنچائی۔ اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے۔

سیدہ ام سلمہ فرماتی ہیں: اس کے بعد رسول اللہ سکون سے سو گئے حتی کہ ہم نے آپ کو خراٹے لیتے سنا۔ صبح ہو گئی۔ بلال نے فجر کی اذان کہی۔ آپ خیمے سے تشریف لائے اور مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔ سیدہ ام سلمہ فرماتی تھیں:



بنو مصطلق کا علاقہ (وادی قدید) جہاں غزوۂ مریسیع پیش آیا

يَرْحَمُ اللّٰهُ عَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ، فَإِنَّهُ كَانَ أَلْزَمَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لِقُبَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ يَحْرُسُهَا أَبَدًا

''اللہ تعالیٰ عباد بن بشر پر رحمتیں نازل فرمائے۔ یہ تمام اصحاب رسول میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کے خیمے کے پاس رہتے اور ہر آن پہرہ دیتے تھے۔''[1]

خندق کی خوفناک راتیں

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں تمام جنگوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہی جن میں دشمن سے جھڑپ بھی ہوئی اور خطرات بھی پیش آئے جیسا کہ مریسیع، خیبر اور حدیبیہ کے واقعات ہیں۔ اسی طرح فتح مکہ اور حنین کا غزوہ بھی ہوا لیکن خندق سے بڑھ کر ہولناک اور تھکا دینے والا معرکہ کوئی نہیں تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مسلمان ہر طرف سے گھیرے گئے تھے، ان کے نکلنے کے لیے کوئی راہ نہیں تھی۔ ایک طرف دشمن کا بہت بڑا لشکر، دوسری طرف عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا مسئلہ اور بنوقریظہ کی طرف سے ہر وقت حملے کا خطرہ۔ ان حالات میں مدینہ منورہ کا رات بھر پہرہ دیا جاتا تھا۔ ساری رات پہرے داروں کی تکبیریں گونجتی رہتی تھیں۔ پہریدار اسی خوف کے عالم میں ساری



حدیبیہ کی قدیم مسجد کے آثار



مقام غزوۂ حنین کے قریب چٹانیں جن پر قرآنی آیات کندہ ہیں

1 المغازي للواقدي :397,396/1، إمتاع الأسماع للمقريزي :234/1.

رات بسر کر دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کرم فرمایا۔ دشمن کے دانت کھٹے کر دیے اور اللہ تعالیٰ اس لڑائی میں مومنوں کے لیے کافی ہو گیا۔[1]

اسلامی لشکر کی بے چینی

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خندق کے دن ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اللہ کے رسول! کرب و بے چینی کا یہ عالم ہے کہ دل حلق تک پہنچ گئے ہیں۔ کیا کوئی وظیفہ ہے جو ہم پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، اَللّٰهُمَّ! اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ آمِنْ رَّوْعَاتِنَا»

''ہاں، (تم یہ کہو:) اے اللہ! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے اور ہمارے خوف کو امن میں بدل دے۔''[2]

محاصرے کی شدت اور رسول اللہ ﷺ کی دعائیں

جب محاصرہ شدت اختیار کر گیا۔ ہر طرف سے مصائب کی گھٹائیں چھا گئیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کربناک صورت حال کی وجہ سے بے قرار ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیحت بھی کی۔ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ»

''اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی خواہش مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔ جب تمھاری دشمن سے مڈبھیر ہو جائے تو صبر و استقلال سے کام لو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ! وَمُجْرِيَ السَّحَابِ! وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ! اهْزِمْهُمْ، وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ»

''اے اللہ! اے کتاب نازل فرمانے والے! بادلوں کو چلانے والے! گروہوں کو شکست دینے والے! انھیں شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔''[3]

---

[1] المغازي للواقدي: 399/1، إمتاع الأسماع: 235/1. [2] مسند أحمد: 373، اس کی سند ضعیف ہے۔ دیکھیے: الجامع الصغیر: 8548، فتح الباري: 502/7. [3] صحیح البخاري: 2966، صحیح مسلم: (20)-1742.

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ! اِهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اَللّٰهُمَّ! اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ»

”اے اللہ! کتاب نازل فرمانے والے! جلد حساب لینے والے! لشکروں کو شکست دے۔ اے اللہ! انھیں شکست دے اور ان کے پاؤں لڑکھڑا دے۔“ [1]

اسی لیے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَعَزَّ جُنْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ»

”اکیلے اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔ اس نے اپنے لشکر کو فتح نصیب فرمائی۔ اپنے بندے کی مدد کی اور اس نے تن تنہا ہی لشکروں کو مغلوب کر دیا، چنانچہ اس کے مقابلے میں کسی چیز کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔“ [2]

رسول اللہ ﷺ نے خندق کے روز یہ دعا بھی کی:

«يَا صَرِيخَ الْمَكْرُوبِينَ! يَا مُجِيبَ الْمُضْطَرِّينَ! اِكْشِفْ هَمِّي وَ غَمِّي وَكَرْبِي فَإِنَّكَ تَرٰى مَا نَزَلَ بِي وَ بِأَصْحَابِي»

”اے مصیبت زدوں کے فریاد رس! اے مجبوروں کی سننے والے! میرا غم، پریشانی اور بے چینی دور فرما، بلاشبہ تو اس مصیبت کو دیکھ رہا ہے جو مجھ پر اور میرے صحابہ پر اتر آئی ہے۔“ [3]

غطفانی نوجوان پرچم اسلام کی چھاؤں میں

حالات دن بہ دن بگڑ رہے تھے۔ احزاب کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ ان حالات میں نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا کہ دشمن کے ایک انتہائی زیرک نوجوان سیدنا نُعَیم بن مسعود کے دل میں اسلام کی روشنی ڈال دی جس سے ان کا سینہ منور ہو گیا۔ ان کا نسب یہ ہے: نُعَیم بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہ بن قُنفذ بن ہلال بن خلاوہ بن اشجع بن ریث بن غطفان رضی اللہ عنہ۔ یہ بنو غطفان کی شاخ بنو اشجع کے فردِ فرید تھے۔ سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ اپنی سرگزشت خود سناتے ہیں، فرماتے ہیں: بنو قریظہ بڑے جاہ و جلال والے تھے۔ بہت مالدار تھے۔ ہم غریب دیہی لوگ تھے۔ ہمارے پاس کھجوروں کے باغات تھے نہ انگوروں کے۔ ہم لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ پال کر گزر بسر کرتے تھے۔ بنو قریظہ کا سردار کعب بن اسد میرا دوست تھا۔ میں اس کے پاس آتا جاتا تھا۔ کئی کئی دن اس

[1] صحيح البخاري: 4115، صحيح مسلم: (21)-1742. [2] صحيح البخاري: 4114، صحيح مسلم: 2724. [3] السيرة الحلبية: 648/2، المواهب اللدنية: 457/1.

کے ہاں قیام کرتا تھا۔ اس کے پاس رہ کر خوب گل چھرے اڑاتا تھا۔ مجھے طرح طرح کے مشروبات اور کھانے پیش کیے جاتے۔ جب میں واپس آنے لگتا تو وہ مجھے بہت سی کھجوریں بھی دے دیتا تھا جنھیں میں اپنے گھر لے آتا۔ دن گزرتے گئے حتی کہ ایک دن یہ موقع آیا کہ احزاب کی جتھہ بندی ہوئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے نکلے، میں بھی اپنی قوم کے ساتھ نکل پڑا۔ اس وقت میں اپنے بت پرستی کے دین ہی پر قائم تھا۔ رسول اللہ ﷺ مجھے جانتے تھے۔ احزاب کی افواج نے اتنا طویل محاصرہ کیے رکھا کہ اونٹ اور گھوڑے مرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ اب میں مسلمان ہو چکا تھا۔ میں نے اپنی قوم کے کسی فرد پر اپنے اسلام کا اظہار نہ کیا۔ میں اپنے پڑاؤ سے نکلا اور سیدھا آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گیا۔ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ مناجاتِ ربانی میں مصروف تھے۔ جونہی آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا:

«مَا جَاءَ بِكَ يَا نُعَيْمُ؟»

''نُعَیم! تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی تصدیق کردوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں، وہ برحق ہے۔ اب مجھے حکم دیجیے، اللہ کی قسم! آپ مجھے جو ذمہ داری سونپیں گے، میں اس کا حق ادا کروں گا۔ میرے اسلام قبول کرنے کا میری قوم کو علم ہے نہ کسی دوسرے شخص کو۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں یہودِ بنوقریظہ اور مشرکین مکہ وغطفان کے درمیان اختلاف ڈالنے کی ذمے داری سونپی اور فرمایا:

«أَنْتَ فِينَا رَجُلٌ وَّاحِدٌ، فَخَذِّلْ عَنَّا إِنِ اسْتَطَعْتَ، فَإِنَّ الْحَرْبَ خَدْعَةٌ»

''ہمارے مابین تم وہ واحد آدمی ہو (جو ترکیب لڑا سکتے ہو)۔ اگر تم کر سکو تو حسن تدبیر سے کام لے کر ہماری طرف سے دشمن کا رُخ پھیر دو (ان میں تفرقہ ڈال دو) کیونکہ جنگ چالبازی کا نام ہے۔''

اس وقت فضا ایسی تھی کہ مشرکینِ احزاب مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے اور مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تلے بیٹھے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نعیم رضی اللہ عنہ کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جب میدان جنگ میں ایک دوسرے کی حریف فوجیں اترتی ہیں تو ان کا مقصد ایک دوسرے کو قتل کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے دشمن کو شکست دینے کی ہر تدبیر جائز ہوتی ہے، لہٰذا دشمن کی تنظیم توڑنا اور ان کی صفوں میں انتشار پھیلا دینا پھوٹ ڈالنے کی ترغیب نہیں تھی بلکہ دفع شر اور فتح یابی کی ایک مؤثر تدبیر تھی۔

نُعَیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں یہ کام ضرور کروں گا لیکن مجھے اپنی مرضی کے مطابق گفتگو کرنے کی اجازت عطا فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قُلْ مَا بَدَا لَكَ فَأَنْتَ فِي حِلٍّ»

''جو تمھارے جی میں آئے کہہ دینا، تمھارے لیے جائز ہے۔''

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ دیارِ قریظہ میں

سیدنا نُعَیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے معروف و محبوب لوگوں میں سے ایک تھے۔ دورِ جاہلیت میں ان کے بہت گہرے دوست و یار تھے۔ وہ بنوقریظہ کے پاس جا پہنچے۔ نعیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب میں وہاں پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی انھوں نے خوش آمدید کہا۔ میری خوب آؤ بھگت کی۔ عمدہ اور لذیذ کھانا اور مشروب پیش کیا۔ میں نے کہا: میں ایسے کسی مقصد کے لیے نہیں آیا، میں ایک اہم معاملے کی غرض سے تمھارے پاس آیا ہوں۔ مجھے تمھارے سر پر خطرات منڈلاتے نظر آرہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھاری خیر خواہی کرتے ہوئے ایک تجویز پیش کروں۔ تم لوگ میری محبت سے بے خبر نہیں۔ میرے اور تمھارے درمیان جو خوشگوار تعلقات ہیں، تم انھیں خوب جانتے ہو۔ انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم یہ بات جانتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ ہمیشہ خیر خواہی اور بھلائی کی ہے۔

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میری بات دھیان سے سنو۔ اسے راز میں رکھنا، کسی پر یہ بھید نہ کھولنا۔ انھوں نے یقین دلایا کہ ہم ایسا ہی کریں گے، پھر نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آدمی کا معاملہ تو ہمارے لیے بہت بڑی آزمائش ہے۔ اس نے بنوقینقاع اور بنونضیر سے جو سلوک کیا، وہ تم خوب جانتے ہو۔ اس نے ان کے اموال و جائیداد قبضے میں کر کے انھیں جلا وطن کر دیا۔ اس کے بعد ابوالحقیق کا بیٹا ہمارے پاس آیا اور ہم سب نے مل کر تمھاری مدد کرنے پر اتفاق کیا اور ہم یہاں چلے آئے۔ اب تم دیکھ رہے ہو، معاملہ بہت طول پکڑ گیا ہے۔ اللہ کی قسم! تم اور قریش اور غطفان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ایک جیسے نہیں۔ یہ شہر تمھارا شہر ہے۔ یہاں تمھارے اموال ہیں۔ یہاں تمھارے بیوی بچے رہتے ہیں۔ تم یہاں سے کسی اور جگہ نہیں جا سکتے۔

قریش اور غطفان کے لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرنے آئے ہیں اور تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ قریش اور غطفان کے شہر، ان کے اموال اور ان کی عورتیں اور بچے یہاں نہیں ہیں، اس لیے ان کے حالات تم سے بالکل مختلف اور تمھاری نسبت بہت بہتر ہیں۔ اگر انھیں کوئی فائدہ نظر آیا تو اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے لیکن جونہی انھیں کسی نقصان کا اندیشہ ہوگا، وہ اپنے اپنے شہر اور بستیوں

کی طرف بھاگ کھڑے ہوں گے اور تم لوگوں کو تنہا اس آدمی کا مقابلہ کرنے کے لیے چھوڑ جائیں گے۔ تم لوگ تنہا محمد (ﷺ) سے نمٹنے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لیے تم ان لوگوں سے مل کر اس وقت تک مسلمانوں سے نہ لڑو جب تک کہ تم ان کے چند سرداروں کو بطور رہن اپنے پاس نہ رکھ لو تاکہ تمھیں یہ ضمانت مل جائے کہ وہ لوگ تمھارے ساتھ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ کریں گے اور تم لوگ ایک نتیجے پر پہنچ جاؤ۔ انھوں نے کہا: تم نے بڑی عمدہ تجویز دی ہے اور ہمارے ساتھ خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ بنوقریظہ نے سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی بلائیں لیں اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: ہم ٹھیک اسی طرح کریں گے۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھیک ہے لیکن یہ راز ہرگز فاش نہ ہونے پائے۔ انھوں نے کہا: آپ بالکل پریشان نہ ہوں، اس راز کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔

اشجعی نومسلم قریشی سردار کے روبرو

بنوقریظہ کی ذہن سازی کر کے سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے پاس جا پہنچے۔ ابوسفیان قریش کی جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ اس کے پاس جا بیٹھے اور کہا: تم لوگوں سے میری محبت، دوستی اور خیر خواہی کا تمھیں خوب علم ہے۔ قریش نے کہا: جی ہاں، تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پھر سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوسفیان! غور سے سنو، میں تمھارے پاس تمھاری ہی خیر خواہی کرتے ہوئے ایک زبردست خبر لایا ہوں، اسے صیغۂ راز میں رکھنا۔ اس نے یقین دہانی کرائی کہ بالکل ایسے ہی ہوگا۔ یہ راز کبھی فاش نہیں ہوگا۔ نعیم نے بتایا کہ بنوقریظہ عہد شکنی پر بہت نادم ہیں، چنانچہ وہ اب نئے سرے سے اپنے اور محمد (ﷺ) کے مابین پرانے معاہدے کی اصلاح و تجدید کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے محمد (ﷺ) کو اپنی ندامت کی اطلاع بھیج دی ہے۔ میں اس وقت انھی کے پاس بیٹھا تھا جب انھوں نے محمد ﷺ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم قریش اور غطفان کے ستر سرکردہ افراد پکڑ کر آپ کے حوالے کر دیں گے تاکہ آپ انھیں قتل کر دیں اور آپ ہمارے بازوؤں، یعنی بنونضیر کو ان کے وطن میں دوبارہ رہنے کی اجازت مرحمت فرما دیں۔ ہم قریش کے خلاف آپ کے ساتھ متحد ہیں حتی کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں، اس لیے اگر وہ تم سے گروی مانگیں تو انھیں ہرگز ایک آدمی بھی نہ دینا۔ اپنے سرداروں کے بارے میں تم ان سے بہت محتاط رہو۔ لیکن یاد رکھنا، میری اس گفتگو کا ایک حرف بھی کسی پر عیاں نہ ہو۔ انھوں نے نعیم کو یقین دلایا: ہم اس معاملے کا کسی سے ذکر نہیں کریں گے۔

غطفانی نوجوان اپنی قوم کے پاس

سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بنوقریظہ اور قریش کے دلوں میں شک کا بیج بونے کے بعد اپنی قوم بنوغطفان کے پاس

آ گئے اور انھوں نے کہا: اے بنوغطفان! تم میری اصل اور میرا قبیلہ ہو۔ تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو اور میں تمھیں اپنے آپ پر کبھی کوئی تہمت لگاتے بھی نہیں دیکھتا۔ انھوں نے کہا: تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ تم ہمارے ہاں متہم نہیں ہو۔

نعیم رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ میرے پاس ایک اہم خبر ہے، یہ تم لوگوں کی سلامتی سے متعلق ہے۔ لیکن یاد رکھنا کہ میری یہ بات پوشیدہ رہے۔ انھوں نے کہا: ہم اسے پوشیدہ رکھیں گے۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ بنوقریظہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان مراسلت ہوئی ہے اور وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہیں، پھر انھوں نے بنوغطفان سے بھی وہی بات کہی جو قریش سے کی تھی کہ یہود ان سے یرغمالیوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ پھر انھیں خبردار کیا کہ تم اپنا ایک آدمی بھی انھیں مت دینا۔ چونکہ سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ انھی میں سے تھے، لہٰذا انھوں نے ان کی بات مان لی۔

قُرظی پیغام رساں قریش کے پڑاؤ میں

یہود بنی قریظہ نے غزال بن سموأل کو اپنا پیغام رساں بنا کر ابوسفیان اور دوسرے سردارانِ قریش کے پاس بھیجا۔ اس نے بنوقریظہ کا پیغام پہنچایا کہ تمھارا پڑاؤ خاصا طول پکڑ گیا ہے، تم نے ابھی تک کوئی کارنامہ بھی انجام نہیں دیا۔ لگتا ہے کہ تم کسی منصوبہ بندی سے کچھ کرنا بھی نہیں چاہتے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ ایک دن مقرر کرو۔ اس دن ہم سب مل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کریں۔ ایک طرف سے تم حملہ کرو، دوسری طرف سے غطفان دھاوا بول دیں اور تیسرا محاذ ہم سنبھال لیں گے اور کوئی حتمی فیصلہ ہونے سے پہلے ہم میں سے کوئی بھی واپس نہیں آئے گا۔ لیکن ہم اس وقت تک تمھارے ساتھ نہیں نکلیں گے جب تک تم اپنے معززین کو ہمارے ہاں بطور یرغمال نہ بھیجو، وہ ہمارے پاس رہیں گے کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ اگر تمھیں کسی قسم کا نقصان پہنچا یا تمھیں خلافِ توقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تو تم لوگ بھاگ جاؤ گے اور ہمیں ہمارے گھروں میں تنہا چھوڑ جاؤ گے جبکہ ہم نے دشمنی کرتے ہوئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عہد شکنی کر دی ہے۔

قاصد کیا خبر لایا؟

بنوقریظہ کے قاصد نے جب احزابِ کفار کی کمان کو یہود کا پیغام دیا تو انھوں نے کوئی مثبت جواب نہ دیا بلکہ ان کے دل میں نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے جو شک پیدا ہو گیا تھا، وہ مزید پختہ ہو گیا، چنانچہ بنوقریظہ کا قاصد اپنے مقصد میں ناکام لوٹا۔ اس کے جانے کے بعد سپہ سالار ابوسفیان نے کہا: دیکھا! نعیم نے جو کہا تھا، ٹھیک وہی بات نکلی۔

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی بنوقریظہ میں ایک اور چال

جب بنوقریظہ کا قاصد احزاب کی طرف سے ناکام لوٹا تو سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کو ایک اور موقع مل گیا۔ وہ فوراً بنوقریظہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا: اے بنوقریظہ کی جماعت! میں ابوسفیان کے پاس بیٹھا تھا کہ تمھارا قاصد آیا۔ اس نے یرغمالیوں کا مطالبہ کیا تو اس نے قاصد کو کوئی جواب نہیں دیا۔ جب تمھارا قاصد ناکام واپس آ گیا تو ابوسفیان نے اپنی قوم سے کہا: اگر وہ مجھ سے بکری کا بچہ بھی مانگیں گے تو میں بچہ بھی نہیں دوں گا۔ بھلا میں اپنے چیدہ چیدہ ساتھیوں کو ان کے حوالے کردوں تا کہ وہ انھیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سپرد کردیں اور وہ انھیں قتل کردے؟

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے انھیں مزید تاکید کرتے ہوئے کہا: تم خوب غور وفکر کرلو۔ اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ تم جنگ میں اس وقت تک شرکت نہ کرنا جب تک وہ تمھیں یرغمالی نہ دے دیں۔ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑائی نہ کرو اور ابوسفیان اپنی افواج واپس لے جائے تو تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنے پہلے معاہدے ہی پر رہو گے۔ تمھارا کچھ نہ بگڑے گا۔ انھوں نے کہا: نعیم! کیا تمھیں اس بات کی امید ہے؟ انھوں نے جواباً کہا: ہاں ہاں، کیوں نہیں؟ بنوقریظہ کا سردار کعب بن اسد کہنے لگا: ہم اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ نہیں کریں گے۔ اللہ کی قسم! میں تو پہلے ہی ایسی بات ناپسند کرتا تھا لیکن یہ بدبخت منحوس آدمی حیی میرے پیچھے پڑ گیا اور مسلسل جنگجوئی کے لیے اُکساتا رہا۔

زبیر بن باطا کے خدشات

بنوقریظہ میں سے ایک سرکردہ یہودی زبیر بن باطا نے کہا: اگر قریش اور غطفان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ کرنے سے باز آ گئے اور واپس چلے گئے تو ہمارے بارے میں تلوار (قتل) ہی کا فیصلہ ہوگا۔ سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا: ابوعبدالرحمٰن! اس بات کا ہرگز خوف نہ کھاؤ۔ زبیر بن باطا نے کہا: کیوں نہیں؟ تورات کی قسم! اگر یہود اپنی رائے کی اصلاح کرلیں تو قریش سے یرغمالی طلب کیے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نکل پڑیں کیونکہ وہ لوگ ہمیں ہرگز کوئی یرغمالی نہیں دیں گے۔ وہ یرغمالی دیں گے بھی کیوں؟ ان کی تعداد ہماری نسبت کہیں زیادہ ہے۔ ان کے پاس گھوڑے اور جنگی ہتھیار ہیں جبکہ ہمارے پاس ایسی کوئی تیاری نہیں۔ وہ بھاگ سکتے ہیں، ہم بھاگ بھی نہیں سکتے۔ ادھر بنوغطفان نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مدینہ کی کھجوروں کا مطالبہ کیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے کہا: ''تمھارے اور ہمارے مابین تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔'' چنانچہ وہ کچھ بھی حاصل کیے بغیر خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔

قریش کے پاؤں اکھڑ گئے

ذوالقعدہ 5 ھ ہفتے کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے راستے ہموار کرنے شروع کر دیے۔ ابوسفیان

نے اپنے لشکر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں۔ قحط اپنے پنجے مضبوط کر رہا ہے۔ یہود نے جھوٹ بولا ہے اور ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ اب ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا تم اپنے وطن لوٹ چلو۔ قریش نے کہا: پہلے یہود سے تحقیق تو کرلو اور ان کے بارے میں یقینی بات معلوم کرو۔

یہودیوں سے معاملے کی تحقیق

احزاب نے اپنے لشکر کی ترجمانی اور معاملے کی تحقیق کے واسطے عکرمہ بن ابوجہل کو بھیجا۔ وہ بنوقریظہ کے قلعوں میں آیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ ہفتے کی شام تھی۔ دھیرے دھیرے اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ اس نے بنوقریظہ کے سرکردہ افراد کو مخاطب کر کے کہا: اے یہود کی جماعت! محاصرہ طوالت اختیار کر گیا ہے۔ اونٹ، گھوڑے، اور دیگر مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور ہمارے ڈیرے محفوظ نہیں، لہٰذا تم اپنے گھروں سے نکلو اور اس آدمی پر حملہ کرنے میں ہمارا ساتھ دو۔ انھوں نے کہا: کل تو ہفتہ ہے۔ ہم ہفتے کے دن کسی سے نہیں لڑتے نہ کوئی اور کام کرتے ہیں، تاہم ہفتے کا دن گزر جانے کے بعد بھی ہم اس وقت تک تمھارے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف نہیں لڑیں گے جب تک تم اپنے چند آدمی بطورِ یرغمال ہمارے پاس نہ رکھواؤ۔ یرغمالی ہمارے ساتھ رہیں تاکہ ہمیں یقین رہے کہ تم پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگو گے کیونکہ ہمیں تمھاری طرف سے خدشہ ہے کہ اگر تمھیں جنگ میں نقصان پہنچا تو تم اپنے علاقے کی طرف بھاگ کھڑے ہو گے اور ہمیں تنہا چھوڑ جاؤ گے، جبکہ ہم تنہا اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے ساتھ ہمارے بیوی بچے بھی ہیں اور اموال بھی ہیں۔ عکرمہ بنوقریظہ کی بات سن کر واپس چلا آیا۔ لوگوں نے فوراً سوال کرنے شروع کر دیے۔ بتاؤ، کیا خبر لائے ہو؟ اس نے کہا: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نعیم نے جو بتایا تھا، وہ بالکل سچ ہے۔ ان اللہ کے دشمنوں نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ بنوغطفان نے بھی مسعود بن رُخیلہ کی قیادت میں ایک وفد بنوقریظہ کے پاس بھیجا۔ اس نے بھی ان سے وہی کچھ کہا جو قریشی قاصد کہہ گیا تھا لیکن بنوقریظہ نے ان سے بھی یرغمالیوں کی حوالگی کا وہی مطالبہ کیا جو قریش سے کیا تھا۔

ابوسفیان اور حیی بن اخطب میں تکرار

جب قریشی قاصد عکرمہ بن ابوجہل بنوقریظہ کا جواب لے کر واپس آیا تو ابوسفیان نے حیی سے کہا: کہاں گیا تیرا وعدہ کہ تیری قوم مدد کرے گی؟ انھوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے اور وہ ہم سے غداری کرنا چاہتے ہیں۔ حیی نے کہا: نہیں، تورات کی قسم! انھوں نے تمھیں چھوڑا نہیں بلکہ اتفاقاً ہفتے کا دن آ گیا ہے اور ہم ہفتے کی حرمت کو پامال نہیں

کرتے۔ اگر ہم نے ہفتے کے دن کی حرمت کا لحاظ نہ کیا تو محمد (ﷺ) کے خلاف ہماری طرف سے کس طرح مدد کی جاسکتی ہے؟ جب اتوار کا دن ہوگا تو سب مل کر محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیں گے۔

خیبر کا شیطان بنوقریظہ کے پاس

ابوسفیان سے تکرار کے بعد حیی بن اخطب احزاب کے پڑاؤ سے نکلا اور سیدھا دیارِ بنی قریظہ میں جا پہنچا اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے کہنے لگا: تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں! بلاشبہ قریش نے تم پر دھوکہ دہی کی تہمت لگا کر تمھیں داغدار کر دیا ہے اور تمھارے ساتھ ساتھ انھوں نے مجھے بھی متہم ٹھہرایا ہے۔ اس وقت تم جس مشکل میں مبتلا ہو، اس صورتِ حال میں اگر تم ہفتے کی حرمت توڑ بھی دو گے تو کیا حرج ہے؟ اس کی یہ بات سن کر بنوقریظہ کا سردار کعب بن اسد غضب ناک ہوگیا اور اس نے کہا: اگر محمد (ﷺ) ہمیں قتل کر دیں اور ہمارا ایک آدمی بھی سلامت نہ بچے، تب بھی ہم ہفتے کی بے حرمتی نہیں کریں گے۔

ابوسفیان اور حیی کی تلخ کلامی

جب حیی بن اخطب کو بنوقریظہ کی طرف سے حوصلہ افزا جواب نہ ملا تو وہ دوبارہ ابوسفیان کے پاس آیا۔ وہاں ان میں کچھ تلخ کلامی ہوئی:

ابوسفیان: او یہودی! میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ تیری قوم دھوکہ دینا چاہتی ہے؟

حیی: نہیں، اللہ کی قسم! وہ دھوکہ نہیں دینا چاہتے بلکہ ان کا ارادہ ہے کہ ہفتے کا دن گزار کر اتوار کو لڑائی کے لیے نکلیں۔

ابوسفیان: کیوں، ہفتے کو کیا ہے؟

حیی: یہ یہود کا مذہبی دن ہے۔ وہ اس دن لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔ یہود کی ایک جماعت نے ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑ لی تھیں (جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے مسخ کر کے ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔

ابوسفیان: میں نہیں سمجھتا کہ بندروں اور خنزیروں کے بھائیوں سے ہمیں کوئی مدد ملے گی۔ میں نے عکرمہ کی قیادت میں ایک وفد ان کی طرف بھیجا تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ ہم اس وقت تک لڑائی نہیں کریں گے جب تک تم اپنے معززین میں سے چند افراد ہمارے ہاں گروی نہ بھیج دو۔ اس سے پہلے غزال بن سموأل ان کا یہ پیغام لایا تھا۔ لیکن میں لات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ محض تمھارا دھوکا ہے اور میرا خیال ہے کہ

حیی! تم بھی ان کے ساتھ ملے ہوئے ہو۔

حیی: تورات کی قسم جو موسیٰ علیہ السلام پر طورِ سینا کے دن نازل کی گئی! میں نے غداری نہیں کی بلکہ میں ایسے لوگوں کے پاس سے آیا ہوں جو سب سے بڑھ کر محمد (ﷺ) کے دشمن ہیں اور اس کے ساتھ لڑائی پر سب سے زیادہ جری ہیں، آپ ایک دن انتظار کر لیں۔ ایک دن اور ٹھہرنے میں کیا حرج ہے؟ اگلے دن وہ بھی لڑائی کے لیے نکل پڑیں گے۔

ابوسفیان: نہیں، اللہ کی قسم! میں لوگوں کو تمھارے دھوکے کا انتظار کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہراؤں گا۔

حیی بن اخطب کا فرار

جب حیی بن اخطب نے احزاب کے سالار ابوسفیان کے تیور بدلتے دیکھے تو اسے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ وہ ڈر گیا کہ ابوسفیان اسے جان سے مار ڈالے گا۔ وہ ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ نکلا حتی کہ الروحاء کے علاقے میں پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا۔ چونکہ اس نے کعب بن اسد سے عہد کیا تھا کہ وہ ہر صورت میں واپس آئے گا، چنانچہ وہ بنوقریظہ کے ساتھ رات کی تاریکی میں قلعہ بند ہو گیا۔

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی دانشمندی کام کر گئی

جب قریشی اور غطفانی قاصد ناکام لوٹے تو قریش اور غطفان کہنے لگے: نعیم نے جو خبر دی تھی، یقیناً وہ سچ نکلی۔ ادھر بنوقریظہ کو جب احزاب نے یرغمالی دینے سے انکار کیا۔ یہود نے بھی کہا: اللہ کی قسم! نعیم جو خبر لایا تھا، وہ بالکل صحیح تھی۔ انھیں یقین ہو گیا کہ اب قریشی ٹھہریں گے نہیں۔ دونوں فریق (احزاب اور یہود بنوقریظہ) ایک دوسرے کی مدد سے مایوس ہو گئے تو ان میں اختلاف کا زہر پھیل گیا۔ یوں ان کی قوت دم توڑ گئی۔

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: میں نے احزاب میں ایسا تفرقہ ڈالا تھا کہ وہ ہر طرف بکھر گئے اور اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے راز کا امین ہوں۔ اس کے بعد وہ بہت ہی اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔[1]

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی کامیابی کا راز

سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ منصوبہ بہت کامیاب رہا۔ قائدین احزاب کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے

[1] السيرة لابن هشام: 240/3-242، البداية والنهاية: 113/4-115، المغازي للواقدي: 409/1-415، فتح الباري: 502/7، جوامع السيرة لابن حزم، ص: 191,190، عيون الأثر، ص: 275,274.

شکوک وشبہات پیدا ہوگئے۔ نتیجہ ان کی قوت کے ٹوٹنے اور عزم کے متزلزل ہونے کی صورت میں نکلا۔ سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی کوشش یوں کامیاب ہوئی:

ا انھوں نے ہر شخص سے اپنا اسلام مخفی رکھا۔ یوں انھوں نے جس گروہ کو بھی بظاہر خیر خواہانہ مشورہ دیا، اس نے قبول کرلیا۔

ب انھوں نے بنوقریظہ کو بنوقینقاع اور بنونضیر (یہودی قبائل) کا انجام یاد دلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ جاری رکھنے کی صورت میں مستقبل کے بھیانک انجام سے ڈرایا۔ ان کی یہ کوشش یہود کی سوچ بدلنے اور دشمن کی تدبیریں الٹنے کا سبب بنی۔

ج وہ یوں بھی کامیاب رہے کہ ہر گروہ نے ان کے مشورے کو دوسرے سے مخفی رکھا کیونکہ اسے پوشیدہ رکھنے ہی میں ان کی کامیابی تھی۔ فریقین میں سے کسی بھی گروہ پر ان کا معاملہ کھل جاتا تو ساری کوشش رائیگاں جاتی۔ اس لحاظ سے نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگِ احزاب کی کامیابی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ [1]

اللہ کی مدد آگئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے۔ بالخصوص حالتِ جنگ میں بڑی کثرت سے دعا کرتے تھے۔ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی مشکلات اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ شدید محاصرے کی حالت میں کرب و بے چینی کا یہ عالم تھا کہ کلیجے منہ کو آنے لگے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی۔ مصائب کے بادل چھٹ جانے کی خوشخبریاں آگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و طاقت سے دشمن کا رُخ پھیر دیا۔ ان کی جماعتیں تتر بتر کردیں۔ اللہ تعالیٰ نے سخت ٹھنڈی ہوا ان پر مسلط کر دی، ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور اپنی بارگاہِ عالی سے خاص لشکر نازل فرمائے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے احزاب ہی میں سے ایک نوجوان کو اسلام کی دولت سے نوازا جس نے اپنا اسلام مخفی رکھ کر کفار کی صفوں میں اختلاف کا زہر پھیلا دیا۔ اس طرح دشمن اپنی آگ میں خود ہی بھسم ہوگئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی زبردست طوفانی آندھی چلائی کہ سرد اور تاریک رات میں اس کے تھپیڑوں سے مشرکین کی دیگیں الٹ گئیں۔ خیمے اکھڑ گئے۔ آگ بجھ گئی اور ان کے خیمے مٹی تلے دب گئے۔ مشرکین اس طویل جنگ سے پہلے ہی بد دل ہو چکے تھے، ادھر آندھی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ابوسفیان حواس باختہ ہوگیا، اس نے

[1] السیرۃ النبویۃ للصلابی :273,272/2.

کوچ کا اعلان کر دیا۔ گویا یہ آندھی اللہ تعالیٰ کا ایک لشکر تھی جسے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف بھیجا تھا۔ اس آندھی کی وجہ سے انھیں شدید نقصانات اُٹھانے پڑے۔ ان میں شدید مایوسی اور بددلی پھیل گئی۔

فرشتوں کے ان دیکھے لشکر کا نزول

اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ساتھ ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت بھی اہلِ اسلام کی مدد کو بھیج دی جس نے کفار کے ارادوں کو متزلزل کر دیا اور ان کے دلوں میں خوف و رعب ڈال دیا۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ جب خندق کا دن تھا، جبریل علیہ السلام تشریف لائے، ان کے ساتھ ہوا بھی تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کو خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا مسلط کر دی ہے جس سے ان کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں، ہنڈیاں الٹ گئیں اور ان کے کجاوے زمین بوس ہوگئے ہیں۔ وہ کوشش کے باوجود ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل کیا:



مدرسہ سعید بن جبیر، دمام (سعودی عرب)

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ (الأحزاب 33:9)

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ پر اللہ کا احسان یاد کرو جب تمھارے خلاف لشکر امڈ آئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسے لشکر جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تمھارے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے۔'' [1]

نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ»

[1] السيرة لابن هشام: 242/3، الطبقات لابن سعد: 71/2، مرويات غزوة الخندق، ص: 407-411.



ظفار (عُمان) میں قوم عاد سے منسوب محلات جو احقاف (ریتلے ٹیلوں) کے نیچے سے برآمد ہوئے

''میری مدد بادِ مشرق کے ذریعے سے کی گئی اور قوم عاد کو دبور (مغرب سے چلنے والی ہوا) کے ساتھ ہلاک کیا گیا تھا۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صبا (بادِ نسیم) نے مغرب سے چلنے والی ہوا (دبور) سے کہا: آؤ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کریں تو اس نے کہا: آزاد ہوائیں رات کو نہیں چلتیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے اس جواب پر بہت غصہ آیا تو اسے بانجھ، یعنی خیرو برکت سے خالی کر دیا۔[2]

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تند و تیز ہوا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان اس ہوا کے قریب تھے۔ ہوا اور مسلمانوں کے درمیان صرف خندق تھی۔ اس کے باوجود مسلمان ہوا کی زد میں نہیں آئے اور انھیں اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کے خلاف فرشتے نازل فرمائے جنھوں نے خیموں کے کھونٹے اکھاڑ دیے اور رسیاں توڑ دیں، آگ بجھا دی، ہانڈیاں اوندھی کر دیں اور گھوڑے باہم گتھم گتھا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب ڈال دیا۔ لشکر کے اردگرد فرشتوں نے بکثرت تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ ہر خیمے کا سردار اپنے افراد کو چلا چلا کر آوازیں دینے لگا: اے بنو فلاں! ادھر آؤ۔ وہ اکٹھے ہو جاتے تو کہتا: اپنا بچاؤ کرو۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ان پر زبردست رعب طاری کر دیا تھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو باور کرا دیا کہ دس ہزار سے زائد کے لشکر نے مسلمانوں کے عسکری جذبے سے شکست نہیں کھائی بلکہ دشمنانِ اسلام کو صرف اللہ تعالیٰ نے شکست دی ہے جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَعَزَّ جُنْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ»

''اکیلے اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔ اُسی نے اپنے لشکر کو عزت دی۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور

[1] صحیح البخاري: 4105، صحیح مسلم: 900. [2] فتح الباري: 502/7. [3] تفسیر القرطبي، الأحزاب 9:33.

وہی ہے جو تن تنہا لشکرِ احزاب پر غالب آ گیا۔ اس جیسی کسی کی ہستی نہیں۔"[1]

دعا اور تدبیر دونوں لازم ہیں

رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، اُسی کی ذاتِ اقدس پر اعتماد کرنا اور اُسی سے مدد کی التجا کرنا فتح مندی کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان صرف دُعا مانگ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے۔ یہ سبق رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے عمل مبارک سے دیا ہے کہ اللہ کی ذات عالی پر بھروسہ کر کے انسان خود بھی فکر و تدبر کرے اور باطل کو شکست دینے کے لیے اپنے تمام وسائل پوری طرح بروئے کار لائے۔ آپ ﷺ نے باطل کے خلاف ہر جنگ میں اسباب اختیار کر کے امت کو عملی تربیت دی۔ اس غزوۂ احزاب میں آپ ﷺ نے لشکروں کو جدا جدا کرنے اور دشمن کا محاصرہ توڑنے کے لیے تمام ممکنہ تدابیر اختیار فرمائیں اور حرب وضرب کے تمام مروجہ طریقوں سے پوری طرح کام لیا۔[2]

مدینے کا محاصرہ ٹوٹ گیا

جاڑے کا موسم تھا۔ بلا کی سردی پڑ رہی تھی۔ کفار کا سامانِ رسد ختم ہوتا جا رہا تھا۔ یہود کے ساتھ تعلقات بھی ٹوٹ چکے تھے۔ حوصلے پست ہو گئے تھے۔ احزاب کے جنگجوؤں کو زندگی میں پہلی مرتبہ اس قدر لمبا محاصرہ کرنا پڑا تھا۔ سخت آندھی کے ریلوں نے ان کا بُرا حال کر دیا تھا۔ سارے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ انھیں یقین ہو گیا کہ یہ زبردست آندھی انھیں تباہ کر دے گی۔ ابوسفیان کہنے لگا: یارو! میں تو جا رہا ہوں۔ تم دیکھ نہیں رہے جھکڑ کیا آفت ڈھا رہے ہیں۔ قریش اور غطفان نے جب اپنے سالار ہی کو بزدلی کا مظاہرہ کرتے دیکھا تو انھوں نے بھی بھاگ جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مدینے کا محاصرہ توڑ دیا۔

محاصرے کی مدت

احزاب نے مسلمانوں کا محاصرہ کتنی مدت تک کیا؟ اس بارے میں سیرت نگاروں اور مؤرخین میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق، ابن جریر طبری، ابن الاثیر اور ابن سید الناس رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احزاب کے محاصرے کے دوران بیس سے زیادہ راتیں میدانِ کارزار میں بسر فرمائیں۔ آپ ﷺ قریب قریب ایک مہینے تک پڑاؤ کیے رہے۔[3] ابن سعد نے سعید بن مسیّب کی روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چوبیس دن محاصرے میں رہے۔

[1] صحيح البخاري: 4114، صحيح مسلم: 2724. [2] السيرة النبوية للصلابي: 275/2. [3] السيرة لابن هشام: 233/3، تاريخ الطبري: 238/2، الكامل لابن الأثير: 171/2، عيون الأثر، ص: 271.

لیکن ابن سعد نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محاصرہ دس دن سے زیادہ دیر تک کیا گیا۔ [1]
ابن سعد نے جو چوبیس دنوں والی روایت نقل کی ہے، وہ قریب قریب انھی سیرت نگاروں کا قول ہے جنھوں نے کہا ہے کہ محاصرے کی مدت ایک ماہ تھی۔ [2]
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ کا قول نقل کیا ہے کہ محاصرے کی مدت بیس دن تھی۔ [3] ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محاصرہ ایک ماہ تک رہا۔ اس دوران دونوں جماعتوں میں کھلم کھلا لڑائی نہ ہو سکی کیونکہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان خندق حائل تھی۔ [4] قسطلانی نے کہا ہے کہ امام نووی کی ''الروضہ'' میں پندرہ دن کا قول بیان ہوا ہے اور یہ ابن سعد کے اس قول کی تائید کرتا ہے جس میں انھوں نے محاصرے کی مدت دس دن سے کچھ زائد بتائی ہے۔ [5]
لیکن صحیح اور راجح بات وہی ہے جو ابن قیم نے یقین کے ساتھ آثار کی روشنی میں کہی ہے کہ محاصرے کی مدت ایک ماہ تھی۔ عرب کے اشعار میں بھی ایک مہینے ہی کا ذکر ملتا ہے۔ غزوۂ احزاب میں مشرکین کا مشہور شہسوار ضرار بن خطاب بن مرداس جو شاعر بھی تھا، اس نے خندق کے دن یہ شعر کہا:

فَأَحْجَرْنَاهُمْ شَهْرًا كَرِيتًا وَكُنَّا فَوْقَهُمْ كَالْقَاهِرِينَا

''ہم نے پورا ایک مہینہ ان کا محاصرہ کیا اور ہم ان پر مسلط ہونے والوں کی طرح تھے۔'' [6]

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خفیہ رپورٹ

جب رسول اللہ ﷺ کو احزاب کی باہمی ٹوٹ پھوٹ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو مشرکین کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ رات کا وقت تھا۔ شدید سردی پڑ رہی تھی۔ یہ ولولہ انگیز واقعہ خود سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی سنیے۔ اُن سے اہل کوفہ میں سے ایک آدمی نے پوچھا: اے ابوعبداللہ! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا



مسجد حذیفہ بن الیمان، ابوالکرم، جازان (سعودی عرب)

1 الطبقات لابن سعد: 73/2. 2 مرويات غزوة الخندق، ص: 288. 3 فتح الباري: 491/7. 4 زادالمعاد: 272/3. 5 المواهب اللدنية: 452,451/1. 6 مرويات غزوة الخندق، ص: 289-291.

اور ان کی صحبت اختیار فرمائی؟ انھوں نے کہا: ہاں، میرے بھتیجے۔ اس نے پوچھا: آپ کا رسول ﷺ سے برتاؤ کیسا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہم خوب تگ و دو کے ساتھ آپ کی آؤ بھگت کرتے تھے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم آپ ﷺ کو پا لیتے تو آپ ﷺ کے پاؤں زمین پر نہ لگنے دیتے بلکہ آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کرتے، پھر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

اے میرے بھتیجے! اللہ کی قسم! ہم نے خندق کی رات رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ رات کی تاریکی میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ معمول مبارک یہ تھا کہ آپ فرداً فرداً ہر شخص کے پاس جاتے تھے، اس کی خیر و عافیت معلوم کرتے تھے حتی کہ آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ میرے پاس دشمن سے بچاؤ کے لیے کوئی ڈھال نہیں تھی، نہ سردی سے بچاؤ کا کوئی سامان تھا۔ میرے پاس اپنی بیوی کی چادر کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ بھی میرے گھٹنوں سے نیچے نہیں جاتی تھی۔ جب آپ ﷺ میرے پاس آئے، میں گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: «مَنْ هٰذَا؟» ”یہ کون ہیں؟“

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں حذیفہ ہوں۔ اب آپ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«مَنْ رَجُلٌ يَقُومُ فَيَنْظُرُ لَنَا مَا فَعَلَ الْقَوْمُ ثُمَّ يَرْجِعُ - فَشَرَطَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجْعَةَ - أَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يَكُونَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ»

”کون ہے جو جائے اور ہمارے لیے لوگوں کے احوال معلوم کرے اور پھر واپس آئے۔ آپ ﷺ نے واپسی کی شرط التزام سے عائد کی اور فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے سوال کروں گا کہ وہ آدمی جنت میں میرا ساتھی ہو۔“

زبردست خوف و ہراس کی فضا تھی۔ بھوک نے ستا رکھا تھا، بڑے کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ ان اسباب کی وجہ سے کوئی آدمی کھڑا نہ ہوا۔ ادھر سب سے زیادہ خوفزدہ میں تھا اور سب سے زیادہ سردی بھی مجھے ٹھٹھرا رہی تھی لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے میرا نام لے کر مجھے طلب فرمایا تو میرے پاس تعمیل ارشاد کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا حُذَيْفَةُ! اِذْهَبْ فَادْخُلْ فِي الْقَوْمِ فَانْظُرْ مَاذَا يَفْعَلُونَ وَلَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتّٰى تَأْتِيَنَا»

”اے حذیفہ! جاؤ، کافروں کی صفوں میں گھس جاؤ اور یہ دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور جب تک تم ہمارے پاس واپس نہ آ جاؤ، از خود کوئی کام نہ کرنا۔“

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُمْ يَا حُذَيْفَةُ! فَأْتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَيَّ»

''حذیفہ! اٹھو اور اُن لوگوں کی خبر لے کر آؤ۔ دیکھو، انھیں میرے خلاف بھڑکا نہ دینا، یعنی ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا جس سے وہ مشتعل ہو جائیں۔''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اٹھا اور قدم بڑھانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَعَنْ يَّمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ فَوْقِهِ وَمِنْ تَحْتِهِ»

''اے اللہ! اس کی حفاظت فرمانا آگے سے، پیچھے سے، اس کے دائیں سے، اس کے بائیں سے، اس کے اوپر اور نیچے سے۔''

اللہ کی قسم! جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو میرا سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ اب مجھے بالکل سردی نہیں لگ رہی تھی۔ میں گیا اور کافروں کے لشکر میں گھس گیا۔ ہوا کے تھپیڑے اور اللہ کے دوسرے لشکر اپنا کام کر رہے تھے۔ کافر بہت پریشان تھے۔ انھیں کسی طرح قرار حاصل نہ تھا۔ نہ ان کی آگ روشن ہوئی، نہ ان کا کوئی خیمہ اپنی جگہ سلامت رہا۔ ہانڈیاں چولہوں پر ٹکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔

ابوسفیان کا اپنے لشکر سے خطاب

اللہ کے لشکروں کی تباہ کاری دیکھ کر ابوسفیان سٹپٹا اٹھا اور اس نے اپنی فوج کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ سب سے پہلے اس نے خطرے کی بُو سونگھتے ہوئے اعلان کیا: اے قریش کی جماعت! ہر آدمی اپنے ساتھ والے آدمی کو اچھی طرح دیکھ لے (اس کا مقصود یہ تھا کہ یہاں کوئی جاسوس نہ آبیٹھا ہو)۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے فوراً اپنے دائیں جانب بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا: میں معاویہ بن ابی سفیان ہوں۔ پھر میں نے بائیں جانب بیٹھے آدمی سے دریافت کیا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں عمرو بن عاص ہوں۔ اس تدبیر سے میری بلا ٹلی۔ پھر ابوسفیان نے تقریر شروع کی:

اے اہل قریش! تم لوگ اپنے شہر میں نہیں ہو، دور اُفتادہ ہو۔ ہمارے اونٹ، گھوڑے اور دوسرے جانور مر رہے ہیں۔ بنوقریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ ہمیں ان کے بارے میں بُری خبریں مل رہی ہیں۔ اس آندھی نے ہمیں نڈھال کر دیا ہے۔ ہماری ہانڈی چولہے پر ٹھہرتی ہے، نہ آگ جلتی ہے، نہ کوئی خیمہ اپنی جگہ پر قائم ہے، اس لیے تم لوگ جلد از جلد یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ میں بھی پابہ رکاب ہوں اور یہاں سے جانے لگا ہوں۔

ابوسفیان کی حواس باختگی

تقریر ختم ہوئی، اب وہ کوچ کرنے کے لیے اپنی سواری کی طرف لپکا۔ اس کے اونٹ کا گھٹنا رسی سے بندھا ہوا تھا۔ وہ اس پر بیٹھ کر اسے چابک مارنے لگا جس کی وجہ سے اونٹ نے بلبلا کر تین پاؤں پر ہی چھلانگ لگا دی۔ ابوسفیان بوکھلا گیا۔ وہ اس قدر حواس باختہ تھا کہ اسے اونٹ کے گھٹنے کی رسی کھولنی بھی یاد نہیں رہی۔ جب اونٹ نے چھلانگ لگائی، تب اس نے کھڑے ہوئے اونٹ کی رسی کھولی۔ اس وقت اس کی کمر ٹھیک میرے نشانے پر تھی۔ میں نے تیر کمان میں رکھا۔ اب میں تیر چلانے ہی والا تھا کہ مجھے معاً رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد آ گیا کہ ''میرے پاس آنے تک از خود کوئی کام نہ کرنا۔'' میں فوراً رک گیا اور تیر اپنے ترکش میں رکھ لیا۔

کفار کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی

جب کفار نے اپنے سردار کو واپس بھاگتے دیکھا تو وہ بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بنو عامر کے گروہ کے پاس سے گزرا تو انھیں یہ کہتے سُنا:

يَا آلَ عَامِرٍ! اَلرَّحِيلَ الرَّحِيلَ لَا مُقَامَ لَكُمْ.

''اے آلِ عامر! جلدی سے بھاگ چلو۔ تمھارے لیے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے۔''

شدید سردی اور تند و تیز آندھی کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک بالشت بھی ان کے لشکر سے تجاوز نہیں کر رہی تھی۔ اللہ کی قسم! میں نے پتھروں کی آواز ان کے بستروں اور پالانوں میں سنی۔ بنو غطفان کو جب قریش کی واپسی کا علم ہوا تو وہ بھی اپنے دیار کو چل دیے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی واپسی

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر میں کفار کے لشکر سے نکل آیا۔ شدید سردی کے باوجود مجھے یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے میں گرم حمام میں چل رہا ہوں۔ جب میں آدھے راستے تک آ پہنچا تو میرا گزر تقریباً بیس گھڑ سواروں کے پاس سے ہوا۔ ان سب نے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا: اپنے ساتھی (نبی ﷺ) کو خبر دے دینا کہ اللہ تعالیٰ انھیں کافی ہو گیا ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ ایک شال لپیٹے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

اللہ کی قسم! جب میں اپنی کارروائی مکمل کر کے واپس پہنچا تو مجھے پھر سے سردی لگنے لگی اور میں تھر تھر کانپنے لگا۔

آپ ﷺ نے مجھے اشارہ کیا۔ میں آپ کے قریب ہوا تو آپ نے میرے اوپر اپنی چادر مبارک کا کچھ حصہ ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو میں نے آپ ﷺ کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا، پھر میں اسی شال کو اوڑھ کر صبح تک سویا رہا۔ صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُمْ يَا نَوْمَانُ!»

''اٹھو، اے بہت سونے والے!''[1]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ماخوذ اسباق

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بے حد ایمان افروز ہے۔ اس سے ہمیں درج ذیل اسباق ملتے ہیں:

1 رجال کار کی پوری صلاحیتوں سے واقف ہونا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو جاسوسی کی ذمے داری سونپی کیونکہ وہ نہایت ذہین وفطین اور چھریرے بدن کے انسان تھے۔ پیچیدہ صورتِ حال پر فوراً قابو پا لیتے تھے۔

2 سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اصولِ جنگ سے بخوبی واقف تھے۔ انھیں قریش کے سپہ سالار کو قتل کرنے کا بھرپور موقع ملا بلکہ انھوں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا لیکن فوراً ہی ذہن میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''انھیں بھڑکانا مت، تمھارا کام صرف ان کی خبر لانا ہے۔'' چنانچہ انھوں نے تیر کمان سے جُدا کر دیا۔[2]

3 سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ جب دشمن کی خبر لانے گئے تو سخت سردی تھی، شدید سردی کے باوجود انھیں سردی کا احساس تک نہ ہوا اور وہ اپنے آپ کو گویا گرم حمام میں چلتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ وہ جب تک وہاں رہے، انھیں سردی نہیں لگی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے مومن بندوں پر خصوصی فضل و کرم اور رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت ہی کا مظہر ہے۔[3]

4 واپسی پر رسول اللہ ﷺ کا سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے شفقت بھرا سلوک اس صداقت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ دوستانہ تعلق رکھتے تھے۔ آپ ﷺ جس چادر میں نماز پڑھ رہے تھے، وہی انھیں اوڑھا دی حتی کہ وہ صبح تک محوِ خواب رہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے اُنھیں بڑے پیار سے بیدار کیا اور فرمایا: ''اے بہت سونے والے! بیدار ہو جا۔'' یہ بڑا محبت بھرا انداز ہے، یہ نرمی و شفقت کا بے مثال نمونہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

---

[1] صحیح مسلم: 1788، البدایة والنهایة: 4/115-117، السیرة لابن هشام 3/242-244. [2] فقه السیرة للغضبان، ص: 505، السیرة النبویة لأبي فارس، ص: 423. [3] السیرة النبویة لأبي فارس، ص: 427.

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

(التوبة 128:9)

''یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ گیا۔ اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا بہت گراں گزرتا ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق اور بہت رحم کرنے والا ہے۔''

5 جلیل القدر صحابی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا نہایت تیزی سے پیچیدہ صورتِ حال پر قابو پانا ان کی ہوش مندی اور معاملہ فہمی کی دلیل ہے۔ جب ابوسفیان اپنے لشکر میں تقریر کرنے کے لیے اٹھا تو اس نے کہا: ہر شخص اپنے پہلو میں بیٹھے شخص کا تعارف حاصل کر لے۔ اُس وقت انھوں نے فوراً دائیں بائیں بیٹھے افراد سے ان کا تعارف پوچھ لیا اور انھیں سوال کرنے کا موقع ہی نہ دیا اور وہ اس خطرناک صورتِ حال سے صاف بچ نکلے جو بصورتِ دیگر ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوسکتی تھی۔ [1]

نامراد لشکروں کی واپسی

اس طرح کافروں کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مایوسی اور نامرادی کی وبا پھیل گئی اور تیز و تند ہوا کے سبب ان کی حالت اتنی ناگفتہ بہ ہوگئی کہ صحرا کی تاریکی میں جابجا سر ٹکراتے پھرتے تھے۔ بالآخر وہ خائب و خاسر ہو کر مدینہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ حالت اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝﴾

''اور اللہ نے کافروں کو غیظ و غضب بھرے ان کے دلوں کے ساتھ واپس کر دیا، وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اس لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہوگیا اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے۔'' [2]

جب صبح ہوئی اور مسلمانوں نے خندق کی دوسری طرف نظر ڈالی تو چند جلی ہوئی لکڑیوں اور بکھرے خالی خیموں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ یوں رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اپنے گھروں کو کامیاب و بامراد واپس آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ آپ کسی غزوے، حج یا عمرے سے واپس تشریف لاتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے، پھر فرماتے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

[1] السيرة النبوية للصلابي: 277,276/2. [2] الأحزاب: 25:33.

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کی ہے اور ساری تعریف اسی کی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (اے ہمارے رب!) ہم واپس لوٹ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے اور اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کی فوجوں کو اس اکیلے نے شکست دے دی۔''[1]

کعب بن مالک کہتے ہیں: جب نبیِ کریم ﷺ کافروں کی فوج کا پیچھا کرنے کے بعد واپس تشریف لائے تو اپنی زِرہ اتار دی، غسل فرمایا اور خوشبو لگائی۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے نام ابوسفیان کا خط

جب احزاب خائب و خاسر ہو کر واپس بھاگنے لگے تو چلتے وقت ابوسفیان نے نبیِ کریم ﷺ کو خط لکھا جس میں اس نے نبیِ کریم ﷺ کو خندق کی پناہ لینے پر ملامت کی اور کہا: خندق کی تدبیر نہ ہوتی تو مسلمانوں کا وجود باقی نہ رہتا۔ اس نے یہ خط ابوسلمہ الخشنی کے ہاتھ بھیجا۔ جب وہ خط آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آپ کے خیمے میں حاضر ہوئے اور آپ کو خط پڑھ کر سنایا۔ اس میں یہ عبارت درج تھی:

بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ! فَإِنِّي أَحْلِفُ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى، لَقَدْ سِرْتُ إِلَيْكَ فِي جَمْعِنَا، وَإِنَّا نُرِيدُ أَلَّا نَعُودَ إِلَيْكَ أَبَدًا حَتّٰى نَسْتَأْصِلَكُم، فَرَأَيْتُكَ قَدْ كَرِهْتَ لِقَاءَنَا، وَجَعَلْتَ مَضَايِقَ وَخَنَادِقَ فَلَيْتَ شِعْرِي مَنْ عَلَّمَكَ هٰذَا؟ فَإِنْ نَّرْجِعْ عَنْكُمْ فَلَكُمْ مِّنَّا يَوْمٌ كَيَوْمِ أُحُدٍ، تُبْقَرُ فِيهِ النِّسَاءُ.

[1] صحيح البخاري: 4116. [2] مجمع الزوائد: 140/6.



مدرسہ کعب بن مالک، الخبر (سعودی عرب)

''اللہ کے نام سے، میں لات اور عزیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنی فوج کے ساتھ آپ کے پاس آیا۔ بے شک ہم چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی طرف دوبارہ نہ آئیں حتی کہ آپ کی بیخ کنی کرڈالیں۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ نے ہم سے مڈبھیڑ پسند نہیں کی۔ آپ نے تنگنائیں اور خندقیں بنالی ہیں۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات کس نے سکھائی ہے؟ اگر ہم اس وقت لوٹ جائیں تو آپ کو ہماری طرف سے احد کے دن کی طرح ایک دن کا سامنا کرنے پڑے گا۔ اُس دن عورتوں کی حرمت پامال کی جائے گی۔''

رسول اللہ ﷺ کا جوابی مکتوب گرامی

رسول اللہ ﷺ نے بھی ابوسفیان کو جوابی خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

«مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى أَبِي سُفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ، أَمَّا بَعْدُ! فَقَدِيمًا غَرَّكَ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ، أَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكَ سِرْتَ إِلَيْنَا فِي جَمْعِكُمْ وَأَنَّكَ لَا تُرِيدُ أَنْ تَعُودَ حَتّٰى تَسْتَأْصِلَنَا، فَذٰلِكَ أَمْرُ اللّٰهِ يَحُولُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ وَيَجْعَلُ لَنَا الْعَاقِبَةَ حَتّٰى لَا تَذْكُرَ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى، وَأَمَّا قَوْلُكَ: مَنْ عَلَّمَكَ الَّذِي صَنَعْنَا مِنَ الْخَنْدَقِ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَلْهَمَنِي ذٰلِكَ لِمَا أَرَادَ مِنْ غَيْظِكَ بِهِ وَغَيْظِ أَصْحَابِكَ، وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَيْكَ يَوْمٌ تُدَافِعُنِي بِالرَّاحِ وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَيْكَ يَوْمٌ أَكْسِرُ فِيهِ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَإِسَافَ وَنَائِلَةَ وَهُبَلَ حَتّٰى أُذَكِّرَكَ ذٰلِكَ»

''اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے ابوسفیان بن حرب کی طرف۔ اما بعد! شروع ہی سے اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے والے نے تجھے دھوکے میں ڈالے رکھا۔ رہی یہ بات جو تو نے لکھی ہے کہ تو اپنے لشکر لے کر ہماری طرف آیا اور یہ کہ تو آئندہ ہماری طرف آنے کا ارادہ نہیں رکھتا حتی کہ تم لوگ ہماری بیخ کنی کردو، یہ اللہ کا معاملہ ہے جس میں وہ تیرے اور اس کے درمیان حائل ہو جائے گا اور انجام کار ہمارے ہی لیے ہے حتی کہ لات وعزیٰ تجھے یاد بھی نہیں آئیں گے۔ رہا تیرا یہ کہنا کہ جو ہم نے خندق بنائی ہے، یہ مجھے کس نے سکھائی ہے تو سن لے: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یہ مجھے الہام فرمائی ہے، اس لیے کہ اس نے چاہا کہ تجھے اور تیرے ساتھیوں کو اس کے ذریعے سے غیظ وغضب میں مبتلا کردے۔ (یاد رکھ!) وہ دن ضرور آئے گا جب

تو اپنی خوشی سے میرا دفاع کرے گا اور تو وہ دن بھی لازماً دیکھے گا جب میں لات وعزیٰ، اساف، نائلہ اور ہبل کو ریزہ ریزہ کردوں گا، اس وقت میں تجھے یہ سب کچھ یاد دلاؤں گا۔‘‘ [1]

کفارِ قریش کی آخری جنگ

غزوۂ احزاب ایسا فیصلہ کن معرکہ تھا جس نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان طاقت کا توازن یکسر بدل ڈالا کیونکہ جتنی بڑی تعداد دشمن نے جمع کر لی تھی، اس سے زیادہ طاقت وہ ہرگز اکٹھی نہیں کر سکتے تھے، اس کے باوجود وہ اپنا مقصد نہ پا سکے۔ کفر وشرک کی طاقت اس معرکے کے بعد زوال پذیر ہوگئی اور اسلام کی طاقت آئے دن ترقی کرتی چلی گئی۔ اس کے بعد کفارِ قریش ریاستِ مدینہ کے خلاف کوئی یلغار نہ کر سکے۔

سیدنا سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے لشکروں کی واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

«اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا، نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ»

’’اب ہم ان پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے، (جنگ کے لیے اب) ہم ان کی طرف پیش قدمی کریں گے۔‘‘ [2]

شہدائے غزوۂ خندق کے اسمائے گرامی

سیدنا سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ اس جنگ میں بنوعبدالاشہل (اوس) کے تین افراد شہید ہوئے:

1 سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
2 سیدنا انس بن اوس بن عتیک بن عمرو رضی اللہ عنہ
3 سیدنا عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ

بنوجشم بن خزرج سے یہ دوصحابی شہادت سے سرفراز ہوئے:

4 سیدنا طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ
5 ثعلبہ بن غنمہ رضی اللہ عنہ

اور بنونجار (خزرج) میں سے ایک صحابی سیدنا کعب بن زید رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کیا۔ [3]

باشمیل نے برہان الدین حلبی کے حوالے سے دو نام اور بھی لکھے ہیں۔ یہ سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ اور سیدنا سفیان بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی حرکات وسکنات معلوم کرنے کے لیے بھیجا لیکن وہ دشمن کے قابو میں آگئے اور شہید کر دیے گئے، ان کا تفصیلی بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

---

[1] المغازي للواقدي :420,419/1، إمتاع الأسماع :243,242. [2] صحيح البخاري : 4110. [3] البداية والنهاية : 117/4، إمتاع الأسماع :244/1.

ان دونوں صحابہ کا قبیلہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ دونوں مہاجرین میں سے تھے یا انصار میں سے، لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ یہ دونوں انصار میں سے تھے کیونکہ یہ بات دور از کار ہے کہ نبی کریم ﷺ دشمن کی جاسوسی کے لیے اس شخص کو بھیجیں جو اس علاقے کا باشندہ نہیں ہے چونکہ انصار اس علاقے کے نشیب و فراز سے خوب واقف تھے، اس لیے آپ ﷺ نے انھی میں سے ان دونوں آدمیوں کو بھیجا ہوگا۔ [1]

کفار کے مقتولین

معرکۂ احزاب میں مشرکین کے تین افراد واصل جہنم ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں:

1. عمرو بن عبدود عامری
2. نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ بن مخزوم
3. منبہ بن عثمان بن عبید بن سباق بن عبدالدار۔ [2]

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ :522/1. [2] البداية والنهاية : 118,117/4 ، إمتاع الأسماع :244/1.

احزاب کی ناکامی کے اسباب

وہ کون سے اسباب و محرکات تھے جو احزاب کے ٹڈی دل جیسے لشکر کی فتح کی تکمیل میں حائل ہوگئے جبکہ مادی وسائل بھی احزاب کے پاس وافر مقدار میں موجود تھے لیکن پھر بھی وہ نہایت بری شکست سے دوچار ہوئے اور یہ شکست جزیرہ نمائے عرب کی حربی تاریخ میں اسلام کے دشمنوں کی بہت بڑی ناکامی خیال کی جاتی ہے۔ اس کے اہم اسباب یہ تھے:

خندق کی کھدائی

خندق کی کھدائی جو مدینہ کی پہلی دفاعی لائن تھی، ایک ایسی جنگی تدبیر تھی جس سے احزاب کی کمان سٹپٹا اٹھی۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی خندق کی تکمیل کی وجہ سے ان کا مدینہ کی تباہی کا تیار کردہ منصوبہ ناکام ہو کے رہ گیا۔

احزاب کی کمان اپنے ہدف کی تکمیل کے لیے اس بڑی فوج پر اعتماد کرتی تھی جسے انھوں نے جمع کیا تھا اور ان کے سامنے مسلمانوں کی نسبت ایک اور دس کی تھی۔ اس قدر فائق تعداد کا مقصد اس شجاعت پر غلبہ حاصل کرنا تھا جس سے مسلمان مسلح اور ممتاز تھے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا تھا جب ان سے ہمہ گیر جنگ برپا ہوتی لیکن مسلمان سپاہ نے جلد از جلد خندق کی کھدائی کر کے ان کا منصوبہ خاک میں ملا دیا اور یہ خندق احزاب کے بھاری لاؤلشکر اور مسلمانوں کی چھوٹی سی فوج کے درمیان حائل ہوگئی۔

خندق کے وجود نے لشکرِ احزاب کے ہزاروں جوانوں کی سرگرمیوں کو منجمد اور ان کی حرکتوں کو شل کر دیا اور وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی طاقت ہی نہ پا سکے۔

محاصرے کی طوالت

خندق کے باعث کسی فیصلہ کن معرکہ کی قدرت نہ رکھنے اور محاصرہ طویل ہونے کی وجہ سے احزاب کے جنگجوؤں میں شدید جھلاہٹ اور برافروختگی پیدا ہوگئی۔ خصوصاً بدو لڑاکے بری طرح بوکھلا گئے کیونکہ وہ ایک جگہ محاصرہ کر کے اور لمبا پڑاؤ ڈال کر لڑائی کے طریقے سے بالکل ناآشنا تھے، وہ محض چھینا جھپٹی والی لڑائی کے عادی تھے جس کا دورانیہ

ایک آدھ دن ہوتا۔ لیکن ایک ماہ تک بے کار پڑے رہنے کی وجہ سے وہ بددل ہوگئے اور واپسی کی سوچنے لگے جس سے ان کی قوت اور ارادے کمزور ہوگئے۔

مشرکین کی متحدہ کمان نہ ہونا

جنگوں کی تاریخ سے واضح ہے کہ کوئی لشکر کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اس کی ایک متحدہ کمان نہ ہو۔ لشکرِ اسلام رسول اللہ ﷺ کی کمان میں متحد تھا جبکہ احزاب کسی متحدہ ہائی کمان سے محروم تھے اور اس کی کمزوری نے ان کے تین گنا بڑے لشکر کی کامیابی مشکل بنا دی۔ غطفانی قبائل قریش مکہ کے اتحادی تو بن گئے تھے مگر ان میں حربی ہم آہنگی مفقود تھی، چنانچہ جب غطفانی سرداروں کو مسلمانوں کی طرف سے صلح کی پیش کش ہوئی تو وہ سالارِ قریش ابوسفیان کو اعتماد میں لیے بغیر مصالحت کے لیے نبی ﷺ کے پاس چلے آئے اگرچہ سعدینِ انصار کی مشاورت کے باعث صلح کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ پھر نومسلم نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حکمتِ عملی کے نتیجے میں غطفانی احزاب بددل ہوکر عملاً جنگ سے الگ ہو رہے۔ اس کے برعکس تمام مجاہدینِ اسلام کی قیادت نبی ﷺ کے ہاتھ میں تھی جس نے مسلمانوں کا مورال بلند کیے رکھا۔

سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ماہرانہ کردار

کسی جنگجو لشکر کی صفوں میں افتراق و انتشار پیدا کر دینا ایک اہم ہتھیار ہے جس کا ثمرہ مخالف فریق کو ملتا ہے۔ افتراق و انتشار دشمن کی مسلح اور جرار فوج میں وہ کام کرتا ہے جو جدید ترین اسلحہ بھی نہیں کرسکتا۔ اسی لیے نبیِ کریم ﷺ نے اپنی عسکری دانشمندی بروئے کار لاتے ہوئے سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ذریعے دشمن کی صفوں میں پھوٹ ڈلوا دی۔ اس کے لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ سب سے پہلے بنوقریظہ کے پاس گئے اور ان کے دل میں احزاب کے بارے میں شک کا بیج بویا، پھر قریش کو بنوقریظہ کے متعلق بھڑکایا، بعد ازاں غطفان کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے بنوقریظہ کی بدعہدی کا جھانسا دیا، نیز یہ خیال رکھا کہ ہر گروہ دوسرے گروہ کے منصوبے اور اصل حقیقت سے بے خبر رہے، اور انتہائی راز داری سے کام لیا۔ اس طرح انھوں نے یہود اور مشرکین کے درمیان شکوک و شبہات کا بیج بودیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر خیانت کا الزام لگانے لگے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور پھر بددل ہوکر انھوں نے واپسی کی راہ لی۔

عقیدہ اور اللہ کی مدد

یہود و مشرکین کی ناکامی اور مسلمانوں کی کامیابی میں سب سے مؤثر اور بڑا ہتھیار عقیدہ تھا۔ مشرکین کسی پختہ و ارفع

عقیدے کے حامل نہ تھے، انھوں نے اپنی قوت پر اعتماد کیا جبکہ مسلمانوں کو ایک اللہ پر اعتماد اور اس کی مدد پر پختہ یقین تھا، چنانچہ اللہ کی نصرت آئی اور کفار کی شکست کا سبب بن گئی۔ تند و تیز آندھی اور فرشتوں نے حملہ آوروں کے قدم اکھاڑ دیے اور وہ بھاگ نکلے۔ یوں نبیِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سُرخرو رہے۔

غزوۂ خندق پر قرآنی تبصرہ

قرآن کریم میں غزوۂ احزاب کے متعلق بھرپور تبصرہ ہے۔ قرآن کریم کا عام اسلوب یہ ہے کہ اس کا تبصرہ پند و موعظت کی زبان اور اشخاص و اقوام کے کردار و واقعات پر محیط ہوتا ہے۔ مسلمان بعد کے ادوار میں بھی مبتلائے جنگ ہو سکتے تھے۔ ان کے علاقوں پر دوبارہ چڑھائی ممکن تھی۔ یہ احتمال بھی باقی تھا کہ دشمن ایک بار پھر مل کر ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ قرآن پاک نے اسی تناظر میں غزوۂ احزاب کا تذکرہ کیا ہے۔

مسلمانوں کو خاص طور پر ان حالات و حوادث سے سبق حاصل کرنا چاہیے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ جنگِ احزاب کے متعلق قرآن کریم کی آیات پر غور و فکر کرنے والا ان میں درج ذیل اسباق پائے گا:

1 اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر اپنے انعامات کا تذکرہ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾

”اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تمھیں (کفار کے) لشکروں نے آلیا تھا، پھر ہم نے ان پر آندھی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے دیکھا نہیں اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔“ [1]

2 احزاب کی طرف سے مدینہ منورہ کے محاصرے پر مسلمانوں کو لاحق اندیشوں کی بے مثال تصویر کشی:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾

”جب دشمن تم پر تمھارے اوپر (کی طرف) سے اور نیچے (کی طرف) سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے حلق کو پہنچ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔“ [2]

3 منافقین کی بری نیت، گھٹیا اخلاق، بزدلانہ رویے، جھوٹے عذر بہانے اور عہد شکنی کی نقاب کشائی کلامِ الٰہی میں

[1] الأحزاب 33:9. [2] الأحزاب 33:10.

اس طرح فرمائی گئی ہے:

﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ إِلَّا غُرُوْرًا﴾

''اور جب منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا، کہہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے دھوکے اور فریب ہی کا وعدہ کیا تھا۔''[1]

4 ہر زمان و مکان کے اہل ایمان کو تمام مسائل و معاملات میں رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی لینے کی ترغیب فرمانِ الٰہی میں یوں دی گئی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔''[2]

5 اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے اچھے کردار کو سراہا ہے جس کی بدولت وہ لشکروں کا سامنا کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد پر بھی ان کی تعریف کی ہے، فرمایا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾

''مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، وہ سچ کر دکھایا، چنانچہ ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے) اور ان میں سے بعض (اس کے) منتظر ہیں اور انھوں نے (اپنے) عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔''[3]

6 اللہ تعالیٰ کی ابدی و ازلی عظمت و قوت اور اس کی طرف سے اپنے مومن بندوں کی نصرت کا ذکر کر کے یہ حقیقت بھی اُجاگر کر دی گئی ہے کہ اچھا انجام مومنوں کا اور شکست ان کے دشمنوں کا مقدر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا﴾ (الأحزاب 25:33)

''اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے میں لوٹا دیا، وہ کوئی خیر و بھلائی نہ پا سکے اور لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہو گیا اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے۔''[4]

[1] الأحزاب 12:33. [2] الأحزاب 21:33. [3] الأحزاب 23:33. [4] السيرة النبوية للصلابي: 2/277-279.

غزوۂ خندق کے نتائج، اثرات اور اسباق

جزیرہ نمائے عرب کی متعدد اسلام دشمن قوتیں اپنی تمام افرادی قوت اور مادی وسائل جمع کر کے بڑے جوش وخروش سے مرکزِ اسلام پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ اس حملے کے ساتھ انھوں نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ لیکن ان کی یہ متحدہ مہم جس مایوس کن ناکامی سے دوچار ہوئی، اس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ درحقیقت غزوۂ احزاب اسلام اور کفر کی آخری اہم ترین جنگ تھی، اس سے مسلمانوں نے بڑے اچھے نتائج حاصل کیے اور اس کے بہت دور رس اثرات مرتب ہوئے، مثلاً:

- مسلمانوں کو فتح اور دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ دشمنوں کی واپسی ایسی حالت میں ہوئی کہ وہ ذلت و نامرادی سے جھلائے ہوئے تھے۔ اس شکست نے ان کی امیدوں کے قلعے پیوند خاک کر دیے اور اتنی بڑی قوت دوبارہ مجتمع کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا امکان نہ رہا۔
- حالات مسلمانوں کے حق میں خوشگوار ہوگئے۔ اب وہ اپنا دفاع کرتے رہنے کے بجائے حملہ آور قوت بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا، نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ»

''اب ہم ان سے قتال کریں گے، وہ ہم سے لڑنے نہیں آئیں گے، ہم ان کی طرف پیش قدمی کریں گے۔''[1]

- یہود مدینہ منورہ میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بازاروں اور منڈیوں میں انھیں تجارتی بالادستی حاصل تھی۔ زرعی زمینیں، باغات اور نخلستان ان کی ملکیت میں تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی وجہ سے کوئی بھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مسلمانوں کی بدولت اس قدر اطمینان بخش حالات کے باوجود ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف بغض وعناد کے جذبات جوش مارتے رہے۔ غزوۂ خندق میں یہودِ بنی قریظہ کا معاملہ بھی کھل کر سامنے آگیا۔ جو کینہ وہ دلوں میں چھپائے بیٹھے تھے اور مسلمانوں پر جس طرح آفات کے ٹوٹ پڑنے کے آرزومند تھے، وہ سب کچھ واضح ہوگیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے

[1] صحيح البخاري: 4110.

عہد و پیمان کو غزوۂ خندق کے بڑے نازک اور خطرناک حالات میں توڑا۔

- ان سنگین حالات میں یہود کی عہد شکنی اور خیانت کے باعث مسلمانوں کے لیے ان آستین کے سانپوں سے نپٹنا آسان ہوگیا۔ نبی کریم ﷺ کے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ باقی نہ رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انھیں غزوۂ بنوقریظہ میں قتل کر دیا گیا۔
- غزوۂ خندق نے مسلمانوں کے ایمان و عزم کی صداقت نمایاں کر دی اور منافقین اور یہود کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی۔
- وہ تمام معجزات جو خندق کی کھدائی کے دوران یا بعد میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعے صادر ہوئے، مثلاً: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے کھانے میں برکت یا مشرکین پر اللہ کا عذاب بن جانے والی طوفانی آندھی، یہ ان کثیر معجزات کی لڑی میں سے چند ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی تصدیق و تائید فرمائی تاکہ ضدی اور متعصب لوگوں، منافقین و مشرکین اور دیگر دشمنانِ دین کے پاس کوئی حجت اور بہانہ باقی نہ رہے اور ان کے اسلام قبول کرنے میں جو رکاوٹیں حائل تھیں، وہ سب دور ہو جائیں۔
- مشرکین و کفار اور یہود کے ظاہری اتحاد کا پول کھل گیا۔ ہرچند یہ لشکر بظاہر متحد تھے لیکن کفر و شرک کی وجہ سے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں شکوک و شبہات کے کانٹے اُگے ہوئے تھے۔ اس سے دنیا پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ان کا اپنے مذہب اور عقائد کے ساتھ کتنا سطحی تعلق ہے۔ ذاتی منفعت کے لالچ میں آکر اجتماعی مفاد کو قربان کر دینا ان کے لیے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ عیینہ اور حارث بن عوف کو جب اس شرط پر مدینہ کی کھجوروں کا ایک تہائی حصہ دینے کی پیشکش کی گئی کہ وہ اپنے قبائل کو لے کر واپس چلے جائیں تو انھوں نے فوراً اس پر آمادگی ظاہر کی۔ اس طرح مشرکین کے درمیان بڑی آسانی سے شدید قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں۔ ان کا اتحاد ﴿تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيعٗا وَقُلُوبُهُمۡ شَتَّىٰ﴾ ''آپ انھیں اکٹھا گمان کرتے ہیں جبکہ ان کے دل ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔'' کا منظر پیش کر رہا تھا۔
- رسول اللہ ﷺ نے خندق کی کھدائی میں بنفسِ نفیس اپنے ساتھیوں کے شانہ بشانہ کھدائی کر کے اور مٹی ڈھو کر حکمرانوں اور رعایا کے لیے پیروی کا ابدی اور اعلیٰ نمونہ قائم فرما دیا کہ سب برابر ہیں۔ سب کے حقوق بھی برابر ہیں۔ کسی کو کوئی ترجیح حاصل نہیں۔ عبودیت اور بندگی کی یہی وہ سچی رُوح ہے جو آپ ﷺ کی پیغمبرانہ شخصیت میں جلوہ نما نظر آتی ہے۔

- رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کے ساتھ گہری محبت اور شفقت کی مثال قائم کردی۔ آپ ﷺ جس طرح خندق کی کھدائی میں ان کے ساتھ شریک تھے، اسی طرح آپ ﷺ نے انھیں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ضیافت میں بھی شریک کیا، حالانکہ کھانا بہت کم تھا۔ یہ نہیں کیا کہ چند ساتھیوں کو لے کر خود ہی کھانا کھا لیتے اور باقی مجاہدین بھوکے رہتے۔ انھی واقعات وحقائق کی روشنی میں اس آیت کا صحیح مفہوم سمجھ میں آتا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○﴾

”بلاشبہ تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آیا جس پر تمھاری تکلیف ومشقت بہت گراں گزرتی ہے۔ وہ تمھاری بھلائی کا بہت حریص ہے اور مومنوں پر بہت رحم اور شفقت کرنے والا ہے۔“

- جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو بروقت چند نمازیں ادا کرنے سے قاصر کردیا تو آپ ﷺ نے غروب آفتاب کے بعد وہ نمازیں باجماعت پڑھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا باجماعت دی جاسکتی ہے۔

غزوۂ خندق کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اشعار وافکار

وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو شاعر تھے، اپنے جہادی کردار کو اشعار کے پیرائے میں بیان کرنے لگے۔ انھوں نے غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کے دلیرانہ اقدام کا بڑے فصیح و بلیغ اسلوب میں اعلان واظہار کیا۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا:

وَسَائِلَةٍ تُسَائِلُ مَا لَقِينَا ... وَلَوْ شَهِدَتْ أَرَتْنَا صَابِرِينَا
صَبَرْنَا لَا نَرٰى لِلّٰهِ عِدْلًا ... عَلٰى مَا نَابَنَا مُتَوَكِّلِينَا
وَكَانَ لَنَا النَّبِيُّ وَزِيرَ صِدْقٍ ... بِهٖ نَعْلُو الْبَرِيَّةَ أَجْمَعِينَا
نُقَاتِلُ مَعْشَرًا ظَلَمُوا وَعَقُّوا ... وَكَانُوا بِالْعَدَاوَةِ مُرْصِدِينَا
نُعَاجِلُهُمْ إِذَا نَهَضُوا إِلَيْنَا ... بِضَرْبٍ يُعْجِلُ الْمُتَسَرِّعِينَا
تَرَانَا فِي فَضَافِضَ سَابِغَاتٍ ... كَغُدْرَانِ الْمَلَا مُتَسَرْبِلِينَا
وَفِي أَيْمَانِنَا بِيضٌ خِفَافٌ ... بِهَا نَشْفِي مِرَاحَ الشَّاغِبِينَا
بِبَابِ الْخَنْدَقَيْنِ كَأَنَّ أُسْدًا ... شَوَابِكُهُنَّ يَحْمِينَ الْعَرِينَا
فَوَارِسُنَا إِذَا بَكَرُوا وَرَاحُوا ... عَلَى الْأَعْدَاءِ شُوسًا مُعْلِمِينَا
لِنَنْصُرَ أَحْمَدًا وَّاللّٰهَ حَتّٰى ... نَكُونَ عِبَادَ صِدْقٍ مُخْلِصِينَا
وَيَعْلَمُ أَهْلُ مَكَّةَ حِينَ سَارُوا ... وَأَحْزَابٌ أَتَوْا مُتَحَزِّبِينَا
بِأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ لَهٗ شَرِيكٌ ... وَأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَا
فَإِمَّا تَقْتُلُوا سَعْدًا سَفَاهًا ... فَإِنَّ اللّٰهَ خَيْرُ الْقَادِرِينَا
سَيُدْخِلُهٗ جِنَانًا طَيِّبَاتٍ ... تَكُونُ مُقَامَةً لِّلصَّالِحِينَا
كَمَا قَدْ رَدَّكُمْ فَلًّا شَرِيدًا ... بِغَيْظِكُمْ خَزَايَا خَائِبِينَا
خَزَايَا لَمْ تَنَالُوا ثَمَّ خَيْرًا ... وَكِدْتُمْ أَنْ تَكُونُوا دَامِرِينَا

بِرِيحٍ عَاصِفٍ هَبَّتْ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ تَحْتَهَا مُتَكَمِّهِينَا

''بہت سی پوچھنے والیاں ہم سے پوچھتی ہیں کہ ہم کس صورتحال سے دوچار ہوئے؟ اگر وہ دیکھ لیتیں تو وہ ہمیں اس موقع پر (مقابلے میں) صابر پاتیں۔

ہم نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہوئے اپنی مصیبت پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ جیسی کوئی ذات نہیں۔

اور نبیِ اکرم ﷺ ہمارے حق و صداقت کے موقف میں ہمارے مددگار تھے۔ ان کی معیت میں ہم ساری مخلوق پر برتری حاصل کرلیں گے۔

ہم ان لوگوں سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے جو ظالم اور نافرمان ہیں اور جنھوں نے ہم سے محض عداوت کی بنا پر جنگ کی۔

جب وہ ہماری طرف آئیں گے تو ہم ان کا بندوبست ایسی تلواروں سے کریں گے جو جلد بازوں پر نہایت تیزی سے چلیں گی۔

تم ہمیں میدانوں کے تالابوں جیسی کھلی اور کشادہ زرہوں میں ملبوس دیکھ رہے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی تیز دھار تلواریں تھیں جن سے ہم ان بھڑکنے والوں کا علاج کر رہے تھے۔

خندقوں کے دروازے پر ہمارے مجاہدین شیر کے مانند تھے جن کی بڑی تعداد کچھاروں کی حفاظت کرتی ہے۔

ہمارے شہسوار صبح یا شام کو دشمن کے مقابلے میں جاتے ہیں تو ایسی جرأت وقوت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ مڑ کر دیکھنے کے بجائے ترچھی اور تیز نگاہوں سے انھیں گھورتے ہیں۔

ہم جنگ اس لیے کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور احمد مجتبیٰ ﷺ کی نصرت و حمایت کریں، کیونکہ اسی کے نتیجے میں ہم اللہ کے سچے اور مخلص بندے بن سکیں گے۔

اور اس لیے بھی کہ اہل مکہ اور وہ گروہ جو اکٹھے ہو کر چڑھ دوڑے تھے، بھاگتے وقت جان جائیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ بلاشبہ مومنوں کا دوست ہے۔

ہرچند تم نے اپنی حماقت سے سعد رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے تو کیا ہوا، اللہ تعالیٰ تو سب پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہت جلد سعد رضی اللہ عنہ کو پاکیزہ باغات میں جگہ دے گا، وہ جگہ اللہ کے نیک بندوں کی اقامت گاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمھیں شکست دے کر اُلٹے پاؤں بھگا دیا۔ تم غصے کے مارے ہونٹ چباتے ذلیل و خوار اور نامراد ہو کر واپس گئے۔

تمھارے لیے یہی رسوائی بہت ہے کہ تمھیں یہاں سے کچھ ہاتھ نہ آیا بلکہ قریب تھا کہ تم ایسی طوفانی ہوا کے ذریعے سے نیست و نابود ہو جاتے جو تم پر چلی تھی۔ اس ہوا نے تمھیں اوندھے منہ پچھاڑ کر رکھ دیا تھا۔‘‘ [1]

اسی طرح مشرکین کے ایک نامور شاعر عبداللہ بن زِبعریٰ نے اپنے بھاری لشکر کی توصیف و ستائش اور خندق کی مذمت میں اشعار کہے تو سیدنا کعب بن مالک ؓ نے ان کا جواب دیتے ہوئے اپنے طویل قصیدے میں فرمایا:

وَمَوَاعِظٌ مِنْ رَبِّنَا نُهْدٰى بِهَا ... بِلِسَانِ أَزْهَرَ طَيِّبِ الْأَثْوَابِ

عُرِضَتْ عَلَيْنَا فَاشْتَهَيْنَا ذِكْرَهَا ... مِنْ بَعْدِ مَا عُرِضَتْ عَلَى الْأَحْزَابِ

حِكَمًا يَرَاهَا الْمُجْرِمُونَ بِزَعْمِهِمْ ... حَرَجًا وَيَفْهَمُهَا ذَوُو الْأَلْبَابِ

جَاءَتْ سَخِينَةُ كَيْ تُغَالِبَ رَبَّهَا ... فَلَيُغْلَبَنَّ مُغَالِبُ الْغَلَّابِ

’’اور ہمیں اپنے رب کی جانب سے (رسول اللہ ﷺ کی صورت میں) نہایت پاکیزہ زبان عطا ہوئی جو بڑے اجر و ثواب کا وعدہ دیتی ہے۔

احزاب کو بھی یہ نصیحتیں کی گئی تھیں لیکن انھوں نے عمل نہیں کیا۔ ہمیں نصیحت کی گئی تو ہم نے اسے بڑے شوق سے یاد رکھا۔

ہمیں ایسے احکام ملے جنھیں کم عقل لوگ مشکل اور ناقابلِ عمل سمجھتے تھے لیکن اہلِ دانش انھیں صحیح اور قابل عمل سمجھتے تھے۔

قریش کی غصے میں جھلاّئی ہوئی جماعت اس نیت سے آئی تھی کہ اپنے ہی رب پر غالب آئے گی لیکن انھیں اندازہ ہی نہیں کہ سب پر غالب آنے والے کا جو بھی مقابلہ کرتا ہے، وہ خود مغلوب ہو جاتا ہے۔‘‘

کعب ؓ کے لیے ربانی قدر دانی

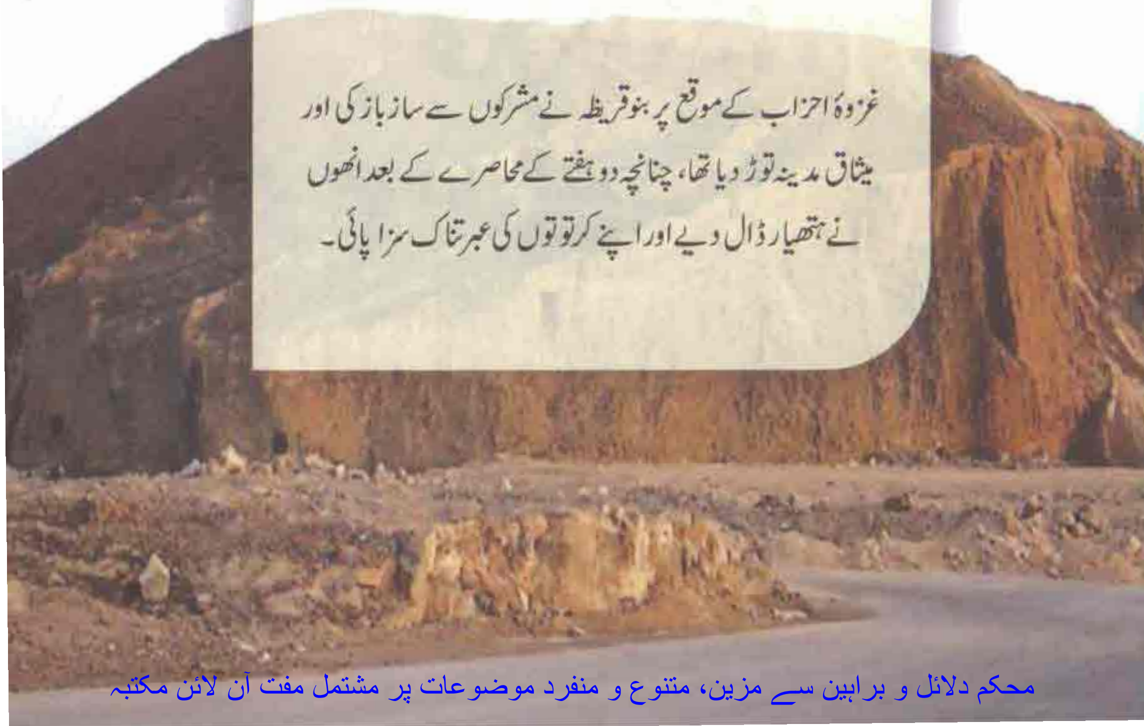
ابن ہشام ؒ کہتے ہیں: ایک قابل اعتماد شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالملک بن یحییٰ بن عباد بن عبداللہ نے کہا کہ سیدنا کعب ؓ نے جب یہ آخری شعر پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَقَدْ شَكَرَكَ اللّٰهُ يَا كَعْبُ! عَلٰى قَوْلِكَ هٰذَا»

’’اے کعب! اللہ تعالیٰ نے تمھارے اس شعر کی بڑی قدر دانی فرمائی ہے۔‘‘ [2]

[1] السيرة لابن هشام: 268,267/3. [2] السيرة لابن هشام: 273,272/3.

غزوۂ بنو قریظہ



غزوۂ احزاب کے موقع پر بنو قریظہ نے مشرکوں سے ساز باز کی اور میثاق مدینہ توڑ دیا تھا، چنانچہ دو ہفتے کے محاصرے کے بعد انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے کرتوتوں کی عبرتناک سزا پائی۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا

”اور اس (اللہ) نے اہل کتاب کو، جنھوں نے ان (احزاب) کی مدد کی تھی، ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے اور دوسرے گروہ کو قید کرتے تھے۔“ (الأحزاب 33:26)

اس باب میں





اسلام دشمنی، عہد شکنی، جھوٹ، فریب کاری، سود خوری اور پیسے کی ہوس یہود کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ انھی ناپاک خواہشات کی تکمیل کے لیے بنوقریظہ کے یہود نے احزاب کا ساتھ دیا اور بڑی ڈھٹائی سے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کا اعلان کر دیا۔ معرکۂ خندق کے فوری بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ نبیِ کریم ﷺ نے اپنے جانبازوں کے ساتھ ان کا محاصرہ کرلیا۔ جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو ان کے سردار نے اپنی قوم کو تین تجاویز دیں: ان میں پہلی تجویز یہ تھی کہ اسلام قبول کرلیں۔ لیکن ذلت و رسوائی ان کی تقدیر میں تھی۔ انھوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے غداری کی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی غداری کی عبرتناک سزا دی۔ طویل محاصرے کے بعد ان کے جنگجو قتل کر دیے گئے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے قیدی بنا لیے گئے۔ اگلے اوراق میں اس غزوے کی تمام تفصیلات جزئیات سمیت سمٹ آئی ہیں۔



بنوقریظہ کا عبرت ناک انجام

بنوقریظہ کی غداری اور عہد شکنی کا مفصل تذکرہ غزوۂ احزاب میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی مدد کے ذریعے سے احزاب کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ تقدیرِ الٰہی نے تدبیر کے شاطروں کو مات دے دی، قریش و غطفان اپنے جنگجو بہادروں کو لے کر پسپا ہو گئے تو اب بنوقریظہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ ندامت سے زمین میں گڑے جا رہے تھے۔ لیکن ''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئیں کھیت'' والا محاورہ ان پر مکمل منطبق ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت اپنے نبی ﷺ کو ان دشمنانِ اسلام پر مسلط کر دیا اور ان کی ساری قوت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

غزوے کا سبب اور تاریخ

حیی بن اخطب کا مسلسل اصرار بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے انکار پر غالب آ گیا تھا۔ اس نے عہد شکنی کا اعلان کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو اس کی تصدیق کے لیے بھیجا، پھر ان کے بعد بنوقریظہ کے حلیف اور اوس قبیلہ کے سردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک وفد بھیجا تاکہ وہ اس خبر کی تحقیق کریں اور بنوقریظہ کو نصیحت کریں۔ اس وفد نے بنوقریظہ کی غداری کا یقین کر لیا تو انھیں نصیحت کی، سمجھایا بجھایا لیکن انھوں نے بڑی ڈھٹائی سے غداری کا اعلان کیا اور کہا: کون محمد (ﷺ)؟ ہم نہیں جانتے کسی کو اور نہ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ ہے۔ چونکہ یہ غداری اور خیانت انتہائی نازک موقع پر کی گئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو غزوۂ خندق سے واپس آتے ہی بنوقریظہ پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا جبکہ مسلمان ابھی ہتھیار اتار کر آرام کرنے کا سوچ ہی رہے تھے۔ چنانچہ بنوقریظہ کی غداری اور عہد شکنی ہی اس غزوے کا سبب بنی۔

یہ غزوہ ذوالقعدہ کے آخر اور ذوالحجہ 5 ہجری کے شروع میں پیش آیا جیسا کہ واقدی نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ 23 ذوالقعدہ کو بدھ کے روز بنوقریظہ کی طرف نکلے اور ان کا پندرہ روز تک محاصرہ کیا، پھر آپ بروز جمعرات 8 ذوالحجہ 5 ہجری کو واپس تشریف لائے۔ [1]

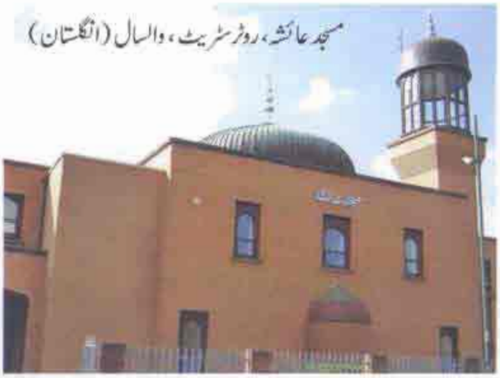
[1] المغازي للواقدي: 2/3.

یہودی عورت کا خواب

جب احزاب کے لشکر خائب و خاسر ہو کر واپس چلے گئے تو بنو قریظہ کو شدید خوف نے گھیر لیا اور انھوں نے کہا: اب محمد (ﷺ) ہم پر چڑھائی کر دیں گے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو ابھی ان کے ساتھ لڑائی کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے گھر پہنچ کر اسلحہ اتارا اور غسل کیا، پھر عود کی دھونی لی اور نمازِ ظہر ادا کی۔ اس اثنا میں جبریل علیہ السلام بنو قریظہ کے ساتھ لڑائی کا حکم نامہ لے کر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔

بنو قریظہ کے نامی گرامی یہودی نباش بن قیس کی بیوی نے ایک رات خواب دیکھا، اس وقت مسلمان خندق کے محاصرے کی تکلیف برداشت کر رہے تھے۔ اس یہودی عورت نے اپنا خواب بیان کیا: میں نے خندق کو دیکھا، وہاں کوئی بھی نہیں تھا، پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں نے ہماری طرف رخ کر لیا ہے جبکہ ہم اپنے قلعوں ہی میں ہیں اور ہمیں اس طرح ذبح کر دیا گیا جیسے بھیڑ بکریوں کو ذبح کیا جاتا ہے، پھر میں نیند سے بیدار ہوئی اور اپنے خاوند کو یہ خواب سنایا۔ وہ فوراً زبیر بن باطا کے پاس گیا اور اسے خواب سنایا۔ زبیر نے کہا: اسے کیا ہو گیا ہے، اس کی آنکھ میں نیند نہ آئے۔ تورات کی قسم! (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) قریش پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلیں گے اور محمد (ﷺ) ہمارا محاصرہ کر لیں گے اور محاصرے کے بعد ہمیں اس سے بھی سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔[1]

جبریل علیہ السلام کی آمد



مسجد عائشہ، روٹر سٹریٹ، والسال (انگلستان)

جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق سے فارغ ہوئے۔ آپ اسی دن ظہر کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں غسل فرما رہے تھے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس ریشم کا عمامہ لپیٹے ہوئے خچر پر پالان رکھے ہوئے آئے جس پر دیباج کی چادر چڑھی ہوئی تھی اور کہنے لگے:

أَوَقَدْ وَضَعْتَ السِّلَاحَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «نَعَمْ» فَقَالَ جِبْرِيلُ: فَمَا وَضَعَتِ الْمَلَائِكَةُ السِّلَاحَ بَعْدُ، وَمَا رَجَعْتُ الْآنَ إِلَّا مِنْ طَلَبِ الْقَوْمِ. إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَأْمُرُكَ يَا مُحَمَّدُ! بِالْمَسِيرِ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ، فَإِنِّي عَامِدٌ إِلَيْهِمْ فَمُزَلْزِلٌ بِهِمْ.

[1] المغازي للواقدي: 2/3.

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ہتھیار اتار دیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' جبریل (علیہ السلام) نے کہا: فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے اور میں بھی قریش کا تعاقب کر کے ہی واپس چلا آ رہا ہوں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنو قریظہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں بھی آگے آگے جا رہا ہوں، ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا۔'' [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ خندق سے واپس آئے تو آپ ﷺ میرے پاس تھے۔ ہم اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نمودار ہوا، اس نے سلام کیا۔ آپ ﷺ گھبرا کر اٹھے۔ آپ کے پیچھے میں بھی کھڑی ہوگئی۔ دیکھا تو وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ أَمَرَنِي أَنْ أَذْهَبَ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ وَقَالَ: قَدْ وَضَعْتُمُ السِّلَاحَ لٰكِنَّا لَمْ نَضَعْ، طَلَبْنَا الْمُشْرِكِينَ حَتّٰى بَلَغْنَا حَمْرَاءَ الْأَسَدِ»

''یہ جبریل تھے۔ انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بنو قریظہ کی طرف جاؤں اور یہ بھی کہا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دیے ہیں لیکن ہم (فرشتوں) نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے۔ ہم مشرکین کا تعاقب کرتے ہوئے انھیں حمراء الاسد تک چھوڑ آئے ہیں۔'' [2]

حمید بن ہلال بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے احزاب کو شکست دی تو بنو قریظہ قلعہ بند ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام فرشتوں کے جلو میں آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! انھیں اور بنو قریظہ کا حساب چکائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ فِي أَصْحَابِي جُهْدًا فَلَوْ أَنْظَرْتَهُمْ أَيَّامًا، قَالَ: يَقُولُ جِبْرِيلُ عليه السلام: انْهَدْ إِلَيْهِمْ لَأُدْخِلَنَّ

[1] السيرة لابن هشام: 244/3. [2] البداية والنهاية: 120,119/4.

جبل حمراء الأسد کا ایک منظر



فَرَسِي هٰذَا عَلَيْهِمْ فِي حُصُونِهِمْ ثُمَّ لَأُضَعْضِعَنَّهَا، قَالَ : فَأَدْبَرَ جِبْرِيلُ عليه السلام وَمَنْ مَّعَهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ حَتّٰى سَطَعَ الْغُبَارُ فِي زِقَاقِ بَنِي غَنْمٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ»

''بلاشبہ میرے صحابہ خاصے تھکن کا شکار ہیں، آپ کچھ دن مہلت دے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام کہنے لگے: آپ ان کی طرف جائیے، میں اپنا گھوڑا ان کے قلعوں میں داخل کردوں گا، پھر میں انھیں توڑ کر رکھ دوں گا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام اپنے ہمراہ فرشتوں کو لے کر چلے گئے یہاں تک کہ انصار کے قبیلہ بنوغنم کی گلیوں میں غبار اڑنے لگا۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں لشکر کشی کا اعلان

رسول اللہ ﷺ نے منادی کو بلایا، اس نے لوگوں میں اعلان کر دیا:

مَنْ كَانَ سَامِعًا مُّطِيعًا فَلَا يُصَلِّيَنَّ الْعَصْرَ إِلَّا بِبَنِي قُرَيْظَةَ.

''جو کوئی سننے والا اور فرمانبردار ہے، وہ عصر کی نماز بنوقریظہ میں جا کر پڑھے۔''[2]

صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جس روز رسول اللہ ﷺ احزاب سے واپس تشریف لائے تو آپ نے ہمارے اندر یہ اعلان فرمایا:

«أَنْ لَّا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ»

''ہر شخص ظہر کی نماز بنوقریظہ میں پڑھے۔''



مسجد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کرمانشاہ

لوگوں نے جب نماز کا وقت نکل جانے کا خدشہ محسوس کیا تو کچھ لوگوں نے بنوقریظہ میں پہنچنے سے پہلے ہی نماز پڑھ لی اور ایک گروہ نے کہا: ہم وہیں جا کر نماز پڑھیں گے جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اگرچہ نماز کا وقت نکل ہی کیوں نہ جائے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ نے دونوں گروہوں میں سے کسی کو سرزنش نہ کی۔[3]

[1] الطبقات لابن سعد :77/2، فتح الباري : 510/7، صحيح البخاري : 4118. [2] السيرة لابن هشام :245,244/3.
[3] صحيح مسلم :1770.

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ احزاب (کی پسپائی) کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ»

''ہر ایک شخص بنو قریظہ میں جا کر نمازِ عصر پڑھے۔''

راستے میں نماز کا وقت ہوگیا تو بعض نے کہا: ہم وہاں پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے اور بعض نے کہا: ہم ابھی نماز پڑھیں گے کیونکہ آپ ﷺ کے فرمان کا مقصود یہ نہ تھا (بلکہ مقصد جلد از جلد بنو قریظہ میں پہنچنا تھا)۔ جب یہ بات نبی ﷺ کے گوش گزار کی گئی تو آپ ﷺ نے کسی کو کچھ نہ کہا۔ [1]

شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحیح مسلم اور مسند ابویعلیٰ وغیرہ میں ظہر کی نماز کا حکم ہے جبکہ صحیح بخاری اور اہل مغازی میں یہ متفقہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز کا حکم دیا تھا اور یہی راجح ہے۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبرانی اور بیہقی کے حوالے سے سیدنا عبیداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ احزاب سے لوٹے، اسلحہ اتارا اور غسل کرنے کے بعد بخور کی دھونی لے رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے اور کہا: عَذِيْرَكَ مِنْ مُّحَارِبٍ؟ ''کوئی ہے جو آپ کی طرف سے یہودیوں سے نپٹے بغیر آرام کرنے کا عذر پیش کرے؟'' یعنی آپ کے لیے بنو قریظہ پر چڑھائی کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، چنانچہ آپ ﷺ گھبرا کر اٹھے اور لوگوں کو سختی کے ساتھ حکم دیا کہ وہ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں جا کر پڑھیں۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اسلحہ پہنا اور وہ ابھی بنو قریظہ نہیں پہنچے تھے کہ سورج غروب ہوگیا۔ غروب آفتاب کے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ادائے نماز کے حوالے سے اختلاف ہوگیا، ایک جماعت نے عصر کی نماز پڑھ لی اور ایک جماعت نے نماز نہ پڑھی، انھوں نے کہا: ہم اللہ کے رسول ﷺ کے تاکیدی حکم کی تعمیل کریں گے، ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ آپ ﷺ نے کسی کو بھی سرزنش نہ کی۔

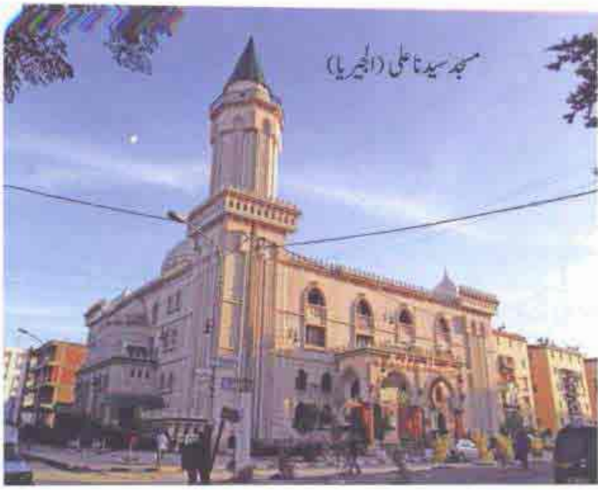
بیہقی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طویل روایت میں بھی اسی طرح بیان ہوا ہے۔ اس میں ہے کہ ایک گروہ نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے نماز پڑھ لی اور دوسرے گروہ نے ایمان کی حالت میں ثواب کی امید کرتے ہوئے نماز (راستے میں) نہ پڑھی۔

یہ روایات بھی صحیح بخاری کی روایت کی تائید کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس نماز کو بنو قریظہ میں پڑھنے کا حکم دیا تھا، وہ عصر کی نماز تھی۔ [3]

[1] صحيح البخاري: 4119. [2] منة المنعم في شرح صحيح مسلم: 196/3. [3] فتح الباري: 510/7.

بعدازاں حافظ ابن حجر اور امام نووی نے دونوں روایتوں میں تطبیق ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ میں نماز ادا کرنے کا حکم ظہر کے بعد صادر فرمایا تھا۔ بعض لوگوں نے مدینہ میں ظہر کی نماز پڑھ لی تھی اور بعض نے ابھی ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، چنانچہ جن لوگوں نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، انھیں حکم دیا کہ وہ ظہر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھیں اور جن لوگوں نے ظہر پڑھ لی تھی، انھیں عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھنے کا حکم دیا۔[1] واللہ اعلم

بنو قریظہ کی طرف سفر



خندق سے واپسی کے بعد ابھی تک جھنڈا کھولا بھی نہیں گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور جھنڈا ان کے سپرد کر دیا۔ آپ ﷺ نے زرہ اور خود پہنی، نیزہ اپنے ہاتھ میں پکڑا، ڈھال اٹھائی اور صحابہ کے درمیان اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ آپ کا حکم سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسلحہ پہن لیا۔ جن کے پاس گھوڑے تھے، وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ باقی پیدل چل پڑے۔ اس دن مسلمانوں کے پاس چھتیس گھوڑے تھے۔ تین ہزار[2] کے لشکر نے بنو قریظہ کا رخ کیا۔[3]

اسلامی لشکر کے شہسوار

رسول اللہ ﷺ کے پاس تین گھوڑے تھے۔ ایک پر آپ سوار تھے جس کا نام لُحَیف تھا اور دو ویسے ساتھ لیے۔

علاوہ ازیں سیدنا علی اور مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہما کے پاس بھی گھوڑے تھے۔

بنو عبد مناف میں سے سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، سیدنا عکاشہ بن محصن، سیدنا سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم شہسوار تھے۔

بنو زہرہ میں سے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے پاس گھوڑے تھے۔

بنو تیم سے سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما شہسوار تھے۔

---

[1] فتح الباري: 510/7، شرح النووي على صحيح مسلم: 140,139/12. [2] اسلامی لشکر کی تعداد میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی مفصل بحث غزوۂ احزاب میں گزر چکی ہے۔ [3] إمتاع الأسماع: 245/1، المغازي للواقدي: 4/2.

بنوعدی سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ گھڑسوار تھے۔

بنو عامر بن لؤی سے سیدنا عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

بنوفہر سے سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔

اوس سے سیدنا سعد بن معاذ، سیدنا اُسید بن حضیر، سیدنا محمد بن مسلمہ، سیدنا ابونائلہ اور سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہم کے پاس گھوڑے تھے۔

بنوظفر میں سے سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ شہسوار تھے۔

بنوعمرو بن عوف سے سیدنا عُوَیم بن ساعدہ، سیدنا معن بن عدی، سیدنا ثابت بن اقرم اور سیدنا عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہم شہسوار تھے۔

بنوسلمہ سے سیدنا حباب بن منذر، سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا قطبہ بن عامر بن حدیدہ رضی اللہ عنہم تھے۔

بنو مالک بن نجار سے سیدنا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ تھے۔

بنوزریق سے سیدنا رقاد بن لبید، سیدنا فروہ بن عمرو، سیدنا ابوعیاش اور سیدنا معاذ بن رفاعہ رضی اللہ عنہم تھے۔

بنوساعدہ سے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

مدینے کا نائب امیر

بنوقریظہ کی منازل مدینہ سے جنوب مشرق کی طرف کچھ فاصلے پر تھیں۔ بنوقریظہ کے معاملے سے فراغت پانے تک رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں نیابت کی ذمہ داری سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پر ڈالی۔[2] وہ نابینا صحابی تھے۔

جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی کی شکل میں

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بنوقریظہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ شہسوار اور پیادہ لشکر آپ کے اردگرد تھے۔ جب آپ ﷺ صورَین نامی جگہ پر بنونجار کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو وہ لوگ صفیں بنائے ہوئے اسلحہ سے لیس کھڑے تھے۔ ان میں سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا:

«هَلْ مَرَّ بِكُمْ أَحَدٌ؟»

''کیا تمھارے پاس سے کوئی گزرا ہے؟''

انھوں نے کہا: ہاں، دحیہ کلبی گزرے ہیں، وہ اپنے سفید خچر پر تھے، جس پر پالان کسا ہوا تھا، انھوں نے ریشم کی

[1] المغازي للواقدي :2/4. [2] السيرة لابن هشام :245/3، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :632/1.

چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ انھوں نے ہمیں ہتھیار بند ہونے کا حکم دیا، چنانچہ ہم نے اسلحہ تھام کر صفیں بنالی ہیں اور ہمیں مزید کہہ گئے ہیں کہ ابھی اللہ کے رسول ﷺ تشریف لارہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ذٰلِكَ جِبْرِيلُ، بُعِثَ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ يُزَلْزِلُ بِهِمْ حُصُونَهُمْ وَيَقْذِفُ الرُّعْبَ فِي قُلُوبِهِمْ»

''یہ جبریل علیہ السلام تھے، انھیں بنوقریظہ کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ وہ ان کے قلعوں میں ہلچل مچادیں اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں۔''[1]

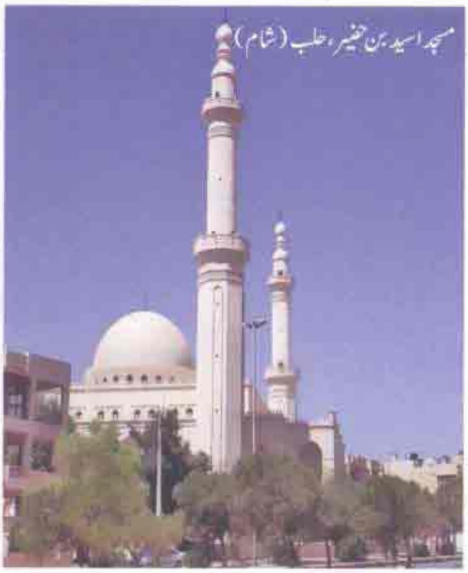
اسلامی لشکر کا ہراول دستہ بنوقریظہ میں

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مہاجرین اور انصار کے ہراول دستے کی کمان کرتے ہوئے بنوقریظہ کے قلعے تک پہنچ گئے۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی اسی ہراول دستے میں شامل تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم وہاں پہنچے تو ہمیں دیکھ کر یہود کو یقین ہوگیا کہ اب جنگ کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قلعے کی دیوار کے پاس جھنڈا گاڑ دیا۔ یہودی مرد اور عورتیں اپنے قلعے میں بند ہوگئے اور چھتوں پر چڑھ کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے لگے۔ ہم خاموش ہوگئے اور کہا: اب تلوار ہی ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ کرے گی۔

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ان کی اس بھونڈی حرکت پر غضبناک ہوگئے اور انھوں نے کہا:

يَا أَعْدَاءَ اللّٰهِ! لَا نَبْرَحُ حِصْنَكُمْ حَتّٰى تَمُوتُوا جُوعًا.

''اے اللہ کے دشمنو! ہم تمھارے قلعے کا محاصرہ کیے رکھیں گے یہاں تک کہ تم بھوکے مرجاؤ گے۔''

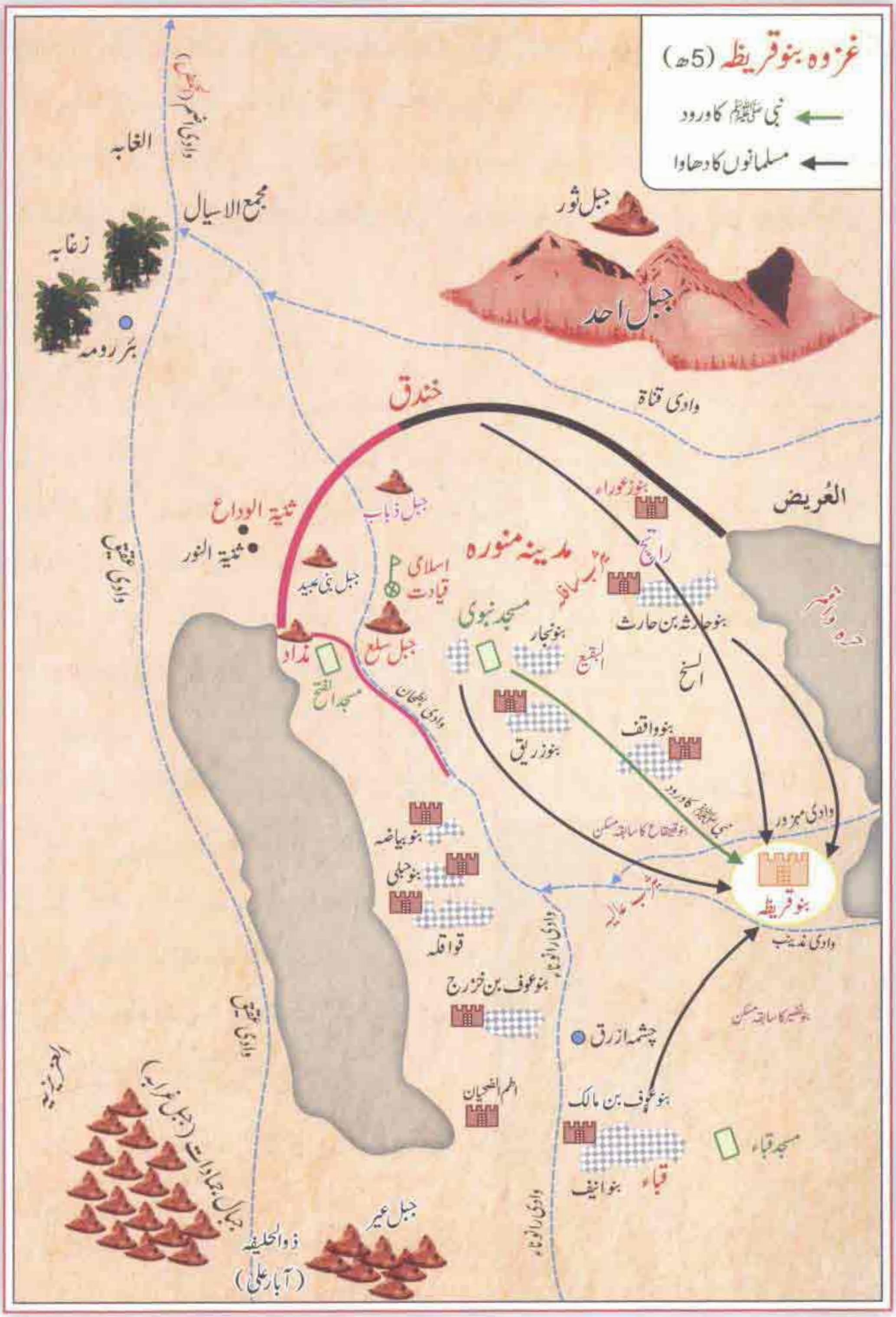


یہود نے اپنی دیرینہ دوستی کا واسطہ دیتے ہوئے کہا: اے حضیر کے بیٹے! ہم تمھارے دوست ہیں۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہوگئے تھے۔ لیکن سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے اور تمھارے درمیان کوئی تعلق اور معاہدہ نہیں، سب تعلقات منقطع ہوگئے ہیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا بنوقریظہ میں پڑاؤ

رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ

[1] السيرة لابن هشام :245/3، المغازي للواقدي :5/2. [2] فتح الباري :516/7، السيرة لابن هشام :245/3، المغازي للواقدي :5/2.


غزوہ بنو قریظہ (5ھ)
نبی ﷺ کا ورود
مسلمانوں کا دھاوا
جبل ثور
جبل احد
خندق
وادی قناۃ
العُریض
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بئر رومہ
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
جبل ذباب
جبل بنی عبید
اسلامی قیادت
جبل سلع
مذاد
مسجد الفتح
وادی عقیق
مدینہ منورہ
مسجد نبوی
بنو نجار
البقیع
بنو حارثہ بن حارث
السنح
بنو واقف
بنو زریق
وادی بطحان
وادی مہزور
بنو قریظہ
وادی مذینب
بنو بیاضہ
بنو حبلی
قواقلہ
بنو عوف بن خزرج
چشمہ ازرق
بنو نضیر کا سابقہ مسکن
اطم الضحیان
بنو عوف بن مالک
مسجد قباء
قباء
بنو انیف
وادی رانوناء
جبل عیر
ذوالحلیفہ
(آبار علی)

بنوقریظہ میں پہنچے اور ان کے ایک کنویں بئر اُنا کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ ابن ہشام نے اس کنویں کا نام بئر انّٰی ذکر کیا ہے۔ لوگ ٹولیوں کی شکل میں آپ ﷺ کے ساتھ آ ملے۔ کچھ لوگ عشاء کی نماز کے بعد پہنچے۔ بہت سارے لوگوں نے آپ ﷺ کے فرمان کی تعمیل میں ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ انھوں نے بنوقریظہ میں پہنچ کر عشاء کے بعد عصر کی نماز ادا کی۔ آپ ﷺ نے ان کے اس فعل پر کوئی قدغن نہیں لگائی اور نہ ان کی گوشمالی کی۔

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو فوراً آپ کی طرف آئے اور اسلامی کمان کا پرچم میرے سپرد کر گئے اور مجھے تاکید کی کہ میں پرچم کو تھامے رکھوں کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ ﷺ یہود کی بدزبانی سنیں۔ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کو ان خبیث لوگوں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لِمَ؟ أَظُنُّكَ سَمِعْتَ مِنْهُمْ لِي أَذًى؟» قَالَ: نَعَمْ، يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «لَوْرَأَوْنِي لَم يَقُولُوا مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا»

''کیوں؟ میرا خیال ہے کہ تم نے ان سے میرے متعلق کوئی تکلیف دہ باتیں سنی ہیں۔ انھوں نے کہا: جی ہاں، اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ مجھے دیکھ لیں گے تو ایسا کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔''

بنوقریظہ کا محاصرہ

جب رسول اللہ ﷺ بنوقریظہ کے قلعے کے پاس گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو گھیرے میں لے لیا، پھر آپ ﷺ نے انھیں بلند آواز سے پکارا:

«يَا إِخْوَةَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيرِ وَعَبَدَةَ الطَّوَاغِيتِ! أَتَشْتُمُونِي؟ هَلْ أَخْزَاكُمُ اللّٰهُ وَأَنْزَلَ بِكُمْ نِقْمَتَهُ؟»

''اے بندروں اور سؤروں جیسے لوگو! اے طاغوت کے پجاریو! کیا تم مجھے گالیاں دیتے ہو؟ کیا اللہ تعالیٰ نے تمھیں رسوا کیا اور تم پر اپنا عذاب نازل کیا؟''

یہودیوں نے آپ ﷺ کی آواز سن کر کہا:

يَا أَبَا الْقَاسِمِ! مَاكُنْتَ جَهُولًا.

''اے ابوالقاسم! آپ ناواقف نہیں ہیں۔''

اور تورات کی قسمیں کھا کر یقین دلانے لگے کہ انھوں نے آپ کے خلاف زبان درازی نہیں کی۔


تورات کا 400 سال قدیم عبرانی نسخہ

اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے جواب دیا:

يَا أَبَا الْقَاسِمِ! لَمْ تَكُ فَحَّاشًا.

''اے ابوالقاسم! آپ ترش زبان نہیں تھے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے بنوقریظہ کا محاصرہ کرلیا۔ اسی دوران میں آپ ﷺ تیر اندازوں کے پاس تشریف لائے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا:

«يَا سَعْدُ! تَقَدَّمْ فَارْمِهِمْ»

''سعد! آگے بڑھو اور ان پر تیر برساؤ۔''

فَتَقَدَّمْتُ حَيْثُ تَبْلُغُهُمْ نَبْلِي.

''میں وہاں تک آگے بڑھا جہاں سے میرا تیر ان تک پہنچ سکتا تھا۔''

میرے ساتھ پچاس سے زیادہ تیر انداز تھے۔ ہم نے کچھ دیر ان پر مسلسل تیروں کی بارش برسائی۔ ہمارے تیران پر ٹڈی دل کے مانند چھاؤں کیے ہوئے تھے۔ وہ چھپ گئے۔ اب ان میں سے کوئی بھی جھانک نہیں رہا تھا۔ ہمیں تیروں کا خطرہ پڑ گیا، کہیں یہ ختم ہی نہ ہو جائیں، پھر ہم نے وقفے وقفے سے تیر مارنے شروع کر دیے۔

کعب بن عمرو مازنی بھی تیر انداز تھے، کہتے ہیں: اس دن میں نے اپنے ترکش کے سارے تیر چلا دیے حتی کہ رات کا کافی حصہ گزر گیا، تب جا کر ہم نے ان پر تیر برسانے بند کیے، پھر انھوں نے بھی ہم پر تیر چلائے۔ آپ ﷺ اپنے گھوڑے پر اسلحہ بند کھڑے تھے۔ گھڑ سواروں کا دستہ آپ کے ارد گرد تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے پڑاؤ میں چلے جائیں۔ ہم اپنے معسکر میں واپس آئے۔ رات گزاری اور کھانا کھایا۔ ہمارا کھانا کھجوریں تھیں جو سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھیجی تھیں۔ آپ ﷺ، سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بھی ان کھجوروں میں سے تناول فرما رہے تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«نِعْمَ الطَّعَامُ التَّمْرُ»

''کھجور بہترین کھانا ہے۔''

پھر اگلے دن تڑکے ہی ہم نے ان پر حملہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے آگے تیر اندازوں کو کیا، ان کے

دوسرے صحابہ کو ترتیب سے کھڑا کیا۔ بعد ازاں بنوقریظہ کے قلعوں کا ہر جانب سے محاصرہ کرلیا۔ مسلمان ان پر مسلسل تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ ایک دستہ تھک جاتا تو اس کی جگہ تازہ دم فوج آ جاتی۔ آپ ﷺ بھی ان پر تیر چلا رہے تھے حتی کہ یہود کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ [1]

بنوقریظہ کی ہٹ دھرمی

بنوقریظہ کے ایک عقلمند یہودی عمرو بن سُعدیٰ نے احزاب کی واپسی کے بعد اپنی قوم کو اکٹھا کیا اور ان میں کھڑے ہو کر خطاب کیا کہ اے میری قوم! میں نے عبرت کی باتیں دیکھی ہیں۔ میں نے اپنے بھائیوں بنونضیر کو بے گھر ہوتے دیکھا ہے، انھوں نے اپنے اموال و جائیداد کو چھوڑ دیا جس پر غیروں نے قبضہ کرلیا اور وہ خود ذلیل ہو کر نکلے۔

پھر اس نے علمائے تورات کی طرح تاکید کرتے ہوئے کہا: جو محمد (ﷺ) سے دشمنی کرے گا، اس کا انجام ناکامی ہوگا۔ اس نے کہا: تورات کی قسم! یہ نبی اس قوم پر مسلط ہوگا جس کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت ہوگی۔ اس نبی نے بنوقینقاع پر حملہ کیا، حالانکہ وہ بڑی قوت والے، تیاری اور اسلحہ والے تھے۔ اس نے انھیں قید کرلیا حتی کہ ان میں سے ایک آدمی نے بھی سر نہ نکالا۔ ان کے بارے میں بات چیت ہوئی تو اس نبی نے انھیں یثرب سے جلاوطن کر کے چھوڑا۔ پھر عمرو بن سُعدیٰ نے اپنی قوم کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تاکہ وہ اسلام قبول کر کے اپنا خون محفوظ کرلیں اور حق کی پیروی کریں۔ اس نے کہا: اے لوگو! جو تمھیں دیکھنا تھا دیکھ لیا، میری مانو تو آؤ محمد (ﷺ) کی پیروی کریں۔ اللہ کی قسم! تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ نبی ہے، ہمارے علماء نے ہمیں ان کی بشارت دی ہے۔ پھر ابن سُعدیٰ مسلسل انھیں قید اور جنگ سے ڈراتا رہا اور اس نے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس جا کر کہا: تورات کی قسم جو طورِ سیناء کے روز موسیٰ پر نازل کی

[1] المغازي للواقدي: 6/2، السيرة لابن هشام: 246,245/3، دلائل النبوة للبيهقي: 10,9/4.



جزیرہ نمائے سینا میں کوہ طور (جبل موسیٰ)

گئی! بلاشبہ اسلام قبول کر لینے میں عزت و شرف ہے۔ لیکن بنو قریظہ نے عمرو بن سُعدیٰ کی بات پر کان نہ دھرے۔
عمرو بن سُعدیٰ نے اپنی قوم کو بچانے کے لیے آخری تجویز پیش کی کہ اگر تم اسلام میں داخل نہیں ہوتے تو نہ ہو، تم یہودیت ہی پر قائم رہو اور جزیہ ادا کرو۔ اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ وہ (محمد ﷺ) اسے بھی قبول کرے گا یا نہیں؟ لیکن بنو قریظہ کے دماغوں میں ابھی نخوت و تکبر کا بھوسہ بھرا ہوا تھا۔ انھوں نے اس عقلمند یہودی کی بات رد کرتے ہوئے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور کہا: ہم عربوں کو کبھی جزیہ نہیں دیں گے۔ اس سے تو قتل ہو جانا ہی بہتر ہے۔[1]

عمرو بن سُعدیٰ کی نجات

جب بنو قریظہ نے اپنے خیر خواہ ساتھی عمرو بن سعدیٰ کو متکبرانہ جواب دیا تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی بے وقوف قوم کا فساد اسے موت تک لے جائے گا، چنانچہ اس نے اپنی قوم سے براءت کا اعلان کر دیا اور رات کی تاریکی میں بنو قریظہ کے قلعوں سے نکلا اور اپنی قوم کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ گیا۔ وہ جب اپنی قوم کو چھوڑ کر جا رہا تھا تو اسلامی لشکر کے پہریداروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ پہرے دار اسے پکڑ کر اپنے کمانڈر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے بتایا کہ میں عمرو بن سُعدیٰ ہوں۔ چونکہ اس یہودی کے شریفانہ موقف کی اطلاع اسلامی لشکر کو مل چکی تھی، اس لیے محافظ دستے کے سالار نے اسے آزاد کرنے کا حکم دے دیا تاکہ وہ جدھر جانا چاہے جا سکے کیونکہ اس نے کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کیا تھا جس بنا پر اسے قتل یا قید کیا جائے۔ وہ اپنے عہد پر قائم تھا اور عہد شکنی اور غداری میں بنو قریظہ کے ساتھ شامل نہیں تھا۔ محافظ دستے نے اسے آزاد کر دیا، حالانکہ وہ اپنی قوم بنو قریظہ کے قلعوں سے نکلا تھا اور وہ ہمیشہ یہودیت پر قائم رہا۔
مسلمانوں نے عمرو بن سعدیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ بنو قریظہ کے یہودیوں کا محاصرہ کرنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے کی یہ وجہ ہرگز نہ تھی کہ وہ یہودی ہیں اور وہ اسلام قبول نہیں کرتے بلکہ ان کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے عہد شکنی کی تھی اور انتہائی نازک موڑ پر غداری کا ارتکاب کر کے مسلمانوں کی مصیبت میں اضافہ کیا تھا جس کی سزا ساری دنیا کے قوانین میں موت ہے۔[2]
ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ اس رات عمرو بن سعدیٰ قرظی بنو قریظہ کے قلعوں سے نکلا اور نبی کریم ﷺ کے محافظ دستے کے پاس سے گزرا۔ اس رات محافظ دستے کے نگران سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ جب انھوں نے اسے دیکھا تو پوچھا: کون ہو؟ اس نے جواب دیا: میں عمرو بن سعدیٰ ہوں۔ اس نے بنو قریظہ کے ساتھ مل کر

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :640/1. [2] موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :641/1.

رسول اللہ ﷺ سے عہد شکنی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس نے کہا تھا: میں محمد (ﷺ) سے کبھی عہد شکنی نہیں کروں گا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے پہچان کر دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! لَا تَحْرِمْنِي إِقَالَةَ عَثَرَاتِ الْكِرَامِ.

''اے اللہ! مجھے معزز لوگوں کی غلطیاں معاف کرنے سے محروم نہ کرنا۔''

پھر انھوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ وہ سیدھا چلا گیا اور رات مسجد نبوی میں گزاری، پھر صبح کو وہ کہیں چلا گیا اور آج تک پتہ نہیں چلا کہ وہ کدھر گیا۔ [1]

زبانِ رسالت سے ابن سُعدیٰ کی تعریف

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ابن سُعدیٰ کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ذَاكَ رَجُلٌ نَجَّاهُ اللّٰهُ بِوَفَائِهِ»

''اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس کی وفاداری کی وجہ سے نجات دی ہے۔'' [2]

محاصرے کی سختی

بنوقریظہ مسلسل اپنی بے راہروی پر قائم رہے اور ان کے خون کو بچانے کے لیے عمرو بن سُعدیٰ نے جو تجاویز پیش کیں، انھوں نے ان سب کو رد کر دیا اور وہ لڑائی اور مقابلے کا پختہ ارادہ کر کے قلعہ بند ہوگئے۔ مسلمانوں نے قلعے کے اردگرد محاصرہ سخت کر دیا اور ہر جانب سے ان کا گھیراؤ کرنے لگے۔ اسلامی لشکر نے یہودیوں اور بیرونی لوگوں کا باہمی رابطہ بالکل منقطع کر دیا اور ان کے کھیت اور کھجوریں جو قلعے سے باہر تھیں، ان پر قبضہ کر لیا۔

شروع شروع میں یہودیوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن جب محاصرے کو بیس راتیں گزر گئیں تو یہودیوں کے دلوں میں کمزوری اور بے چینی نے گھر کر لیا۔ محاصرے کی تنگی سے انھیں یقین ہوگیا کہ مسلمان اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک وہ (یہود) اطاعت قبول نہ کر لیں یا مسلمان ان کے قلعوں میں داخل ہو کر تلوار کی نوک پر انھیں فتح نہ کر لیں۔ اگرچہ ان کے پاس پانی، خوراک، اسلحہ اور مضبوط قلعوں کی وافر طاقت تھی جو طویل عرصے تک مقابلے میں ان کی مدد کر سکتی تھی مگر ان کے دل رعب، خوف اور گھبراہٹ سے بھر گئے اور ان کے قویٰ جواب دے گئے اور وہ ایسے طریقے پر غور و فکر کرنے لگے جس کے ذریعے سے ان کے خون محفوظ ہوسکیں۔ [3]

[1] البداية والنهاية : 123/4. [2] البداية والنهاية : 123/4. [3] موسوعة الغزوات الكبرى : 643,642/1.

محاصرے کی مدت

نبیِ کریم ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کتنے دن کیا، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن سعد نے پندرہ دن، سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے چودہ دن، موسیٰ بن عقبہ نے دس سے زائد دن ذکر کیے ہیں جبکہ ابن اسحاق نے پچیس دن بتائے ہیں اور یہی بات راجح ہے۔ مسند احمد میں بھی پچیس دنوں کا ذکر ہے۔[1]

بنو قریظہ کی طرف سے مذاکرات کی اپیل

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بنو قریظہ کا محاصرہ بہت سخت کر دیا۔ ایک دن ہم فجر سے پہلے ان کے قلعے کے پاس گئے۔ ہم ایک ٹیلے کے پیچھے سے ان پر تیر برسانے لگے۔ ہر لحظہ ہماری نظر ان کے قلعوں پر تھی۔ شام تک ہم ان پر تیر اندازی کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جہاد اور صبر کی ترغیب دلائی۔ ہم نے رات بھی ان کے قلعوں کے پاس گزاری اور اپنے پڑاؤ کی طرف نہ گئے حتی کہ انھوں نے ہمارے ساتھ لڑائی بند کر دی اور جنگ بندی کا اعلان کرتے ہوئے کہا: ہم آپ سے مذاکرات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کی۔

مذاکرات ناکام ٹھہرے

بنو قریظہ نے نباش بن قیس کو اپنا ترجمان بنا کر بھیجا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کی اور کہا: اے محمد! ہم انھی شرائط پر ہتھیار ڈالتے ہیں جن شرائط پر بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا۔ ہمارے اموال و جائیدادیں اور ہتھیار آپ

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 73/3، الطبقات لابن سعد: 77/2، المغازي لموسٰى بن عقبة، ص: 224، السيرة لابن هشام: 246/3، مسند أحمد: 141/6.



جبل بنی قریظہ

رکھ لیں، بس ہماری جانیں بخش دیجیے۔ ہم اپنے بیوی بچوں کو لے کر آپ کے علاقے سے چلے جاتے ہیں۔ ہمیں صرف اتنا سامان مرحمت فرما دیں جو ہمارے اونٹ اٹھا سکیں۔ ان میں ہتھیار نہیں ہوں گے۔ آپ ﷺ نے اس کی یہ بات تسلیم نہ کی۔ اس نے پھر کہا: ہمیں اتنے مال کی بھی ضرورت نہیں جو اونٹ اٹھا سکیں، آپ ہمارے بیوی بچوں کو کچھ نہ کہیں اور ہماری جانیں محفوظ کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا، إِلَّا أَنْ تَنْزِلُوا عَلٰی حُكْمِي»

''نہیں، اب تم میرے فیصلے کے مطابق اپنے قلعوں سے اترو گے۔''

سردارِ یہود کعب بن اسد کی اپنی قوم کو 3 تجاویز

نباش بن قیس مذاکرات کی ناکامی کے بعد واپس اپنی قوم کے پاس آیا۔ انھیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا: اے بنوقریظہ کی جماعت! اللہ کی قسم! تمھیں بخوبی علم ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے نبی ہیں اور ہم صرف عربوں سے حسد کی بنا پر ان کے دین میں داخل نہیں ہوئے، اس لیے کہ یہ نبی بنی اسرائیل میں سے کیوں نہیں آیا، چنانچہ وہ وہیں مبعوث ہوا جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ میں ان سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑنا ناپسند کرتا تھا لیکن ہمارے پاس بیٹھے ہوئے اس بدبخت (حُیی بن اخطب) کی نحوست ہم پر اور ہماری قوم پر آن پڑی بلکہ اس کی قوم تو ہم سے بھی زیادہ بدبخت ٹھہری۔

محمد (ﷺ) ایک آدمی کو بھی نہیں چھوڑیں گے، صرف وہی بچ سکے گا جو ان کی پیروی کرے گا۔ کیا تمھیں یاد ہے جب ابن خراش ہمارے پاس آیا تھا تو اس نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا تھا: اس بستی سے ایک نبی کا ظہور ہوگا۔ اگر وہ میری زندگی میں مبعوث ہوگئے تو میں ان کی پیروی کروں گا اور ان کی مدد کروں گا۔ اگر اس نبی کا ظہور میرے بعد ہوا تو خیال کرنا کہیں تم اس کے متعلق دھوکے میں نہ پڑ جانا۔ اس کی پیروی اختیار کرنا اور اس کے معاون و مددگار بن کر دونوں آسمانی کتابوں پہلی (تورات) اور دوسری (قرآن مجید) پر ایمان لانے والے بن جانا۔ کعب نے کہا: آؤ ہم آپ ﷺ کی پیروی اختیار کرلیں۔ آپ کی تصدیق کریں اور آپ پر ایمان لا کر اپنا خون، اپنے بیوی بچے اور اپنی جائیدادیں محفوظ کرلیں۔ اس طرح ہمیں آپ کے صحابہ کا مقام و مرتبہ بھی مل جائے گا۔ یہودیوں نے جواب دیا: ہم اپنے علاوہ کسی دوسرے کی پیروی نہیں کریں گے۔ ہم اہل کتاب اور صاحب نبوت ہو کر غیروں کے پیروکار بن جائیں؟ کعب انھیں بار بار یہ نصیحت کرتا رہا لیکن وہ ایک ہی بات پر اڑے ہوئے تھے کہ تورات اور موسیٰ علیہ السلام کے دین کو نہیں چھوڑیں گے۔

کعب نے دوسری تجویز پیش کی: آؤ اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیں،[1] پھر تلوار سونت کر محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کے مقابلے میں نکل پڑیں اور پوری قوت سے ٹکرا جائیں۔ اگر ہم قتل کر دیے گئے تو پیچھے کوئی ایسی چیز نہیں ہوگی جس کی ہمیں کوئی فکر ہوگی۔ اگر ہم فتح یاب ہوئے تو قسم سے ہم عورتوں اور بچوں کو حاصل کر لیں گے۔

حیی بن اخطب کعب کی یہ بات سن کر ہنس پڑا اور بولا: ان بیچاروں کا کیا گناہ ہے؟ اشرافِ یہود میں سے زبیر بن باطا جیسے لوگوں نے کہا: ان کے بعد زندگی کا کیا مزا؟

کعب نے تیسری تجویز پیش کرتے ہوئے کہا: میرے پاس اب ایک ہی تجویز رہ گئی ہے۔ اگر تم نے اسے قبول نہ کیا تو یاد رکھو، تم ہمیشہ ذلیل و رسوا ہی رہو گے۔

یہود نے کہا: بتاؤ وہ کیا ہے؟

اس نے کہا: آج ہفتے کی رات ہے۔ یقیناً محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہماری طرف سے بالکل مطمئن ہوں گے کہ آج لڑائی نہیں ہوگی۔ ہم نکلتے ہیں، ممکن ہے ہم دھوکے سے انھیں نقصان پہنچانے اور ان پر غالب آنے میں کامیاب ہو جائیں۔

حُیی بن اخطب اور نباش بن قیس کے اعتراضات

یہود نے کہا: کیا ہم ہفتے کے دن کی حرمت کو پامال کر دیں، حالانکہ تم اس کی حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہو؟ حیی بن اخطب بولا: جب میں نے تمھیں اس سے پہلے اس چیز کی دعوت دی تھی جبکہ قریش اور غطفان بھی موجود تھے اور معاملہ بہت آسان تھا لیکن تم نے اس وقت انکار کیا کہ ہم ہفتے کی حرمت پامال نہیں کریں گے۔ اگر یہودی میری اطاعت کر لیتے تو کامیاب ہو جاتے۔ یہود چلّائے: ہم ہفتے کی حرمت نہیں توڑیں گے۔

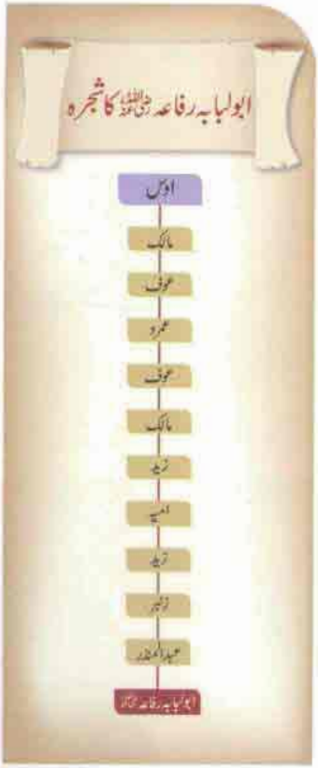
نباش بن قیس نے کہا: ہم کس طرح دھوکے کے ساتھ ان پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، حالانکہ تم دیکھ رہے ہو، ان کا معاملہ روز بروز قوت پکڑتا جا رہا ہے۔ محاصرے کے ابتدائی دنوں میں وہ دن بھر لڑتے تھے اور رات

[1] یہود کے اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی دو مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔ پہلا واقعہ پہلی صدی ق م میں پیش آیا تھا جب رومیوں نے فلسطین پر دھاوا بولا تھا۔ ایک شہر کے یہودیوں نے رومیوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بجائے اجتماعی خودکشی کی۔ پہلے اپنے اپنے بیوی بچے قتل کیے۔ پھر قرعہ اندازی سے دس جوان چنے جنھوں نے باقی یہودی قتل کیے۔ آخر میں ان دس میں پھر قرعہ ڈالا گیا اور اس نے باقی نو کو قتل کرنے کے بعد خودکشی کر لی۔ دوسرا واقعہ انگلستان کے شہر یارک کا ہے جہاں یہودی بہت مالدار تھے۔ انگریز بادشاہ رچرڈ نے تیسری صلیبی جنگ (1189-92ء) کے لیے رقم اکٹھی کرنا چاہی تو اس نے یارک کے یہودیوں پر بھاری ٹیکس لگایا، پھر دولت چھپانے کا الزام لگا کر شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ باہر عیسائی عوام نعرے لگا رہے تھے: مسیح کے دشمنوں کو مار دو۔ اس پر قلعہ بند یہودیوں نے اجتماعی خودکشی کے لیے وہی قرعہ اندازی والا طریقہ اختیار کیا اور ہتھیار ڈالنے پر موت کو ترجیح دی۔ (حروبِ صلیبیہ)

کو لوٹ جاتے تھے۔ تمھاری یہ تجویز ان دنوں کامیاب ہوسکتی تھی۔ اب نہیں۔ ذرا ہمت کر کے دیکھو، وہ رات کو بھی مکمل تیاری کی حالت میں ہوں گے اور دن کو پھر تازہ دم ملیں گے، پھر ایسی قوم پر بھلا کیسے دھوکے کے ساتھ حملہ کیا جاسکتا ہے؟ سنو! یہ خون ریزی اور آزمائش ہم پر لکھ دی گئی ہے۔ اس طرح یہود میں باہمی اختلاف شروع ہوگیا۔ کعب ان کے سامنے خاموش ہوگیا اور وہ اپنے کیے پر بہت شرمندہ تھے۔ [1]

یہود نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے نام کی دہائی کیوں دی؟

ان تینوں تجاویز کو رد کر دینے کے بعد صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیں لیکن انھوں نے چاہا کہ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے رابطہ قائم کرلیں، ممکن ہے پتہ لگ جائے کہ ہتھیار ڈالنے کا کیا نتیجہ نکلے گا، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس ابولبابہ کو بھیج دیں، ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ ان کے حلیف تھے اور ان کے باغات اور آل اولاد بھی اسی علاقے میں تھے۔



سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں! مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر حکم فرمایا:

«اِذْهَبْ إِلٰى حُلَفَائِكَ، فَإِنَّهُمْ أَرْسَلُوا إِلَيْكَ مِنْ بَيْنِ الْأَوْسِ»

''اپنے حلیفوں کے پاس جاؤ۔ انھوں نے بنو اوس میں سے تمھاری طرف پیغام بھیجا ہے۔''

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: محاصرہ بہت شدت اختیار کر چکا تھا۔ میں وہاں پہنچا تو مرد حضرات مجھے دیکھ کر میری طرف دوڑ پڑے۔ عورتیں اور بچے دہاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔

یہود کی ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشاورت

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں یہود کے پاس گیا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا: ابوبشیر! ہماری حالت تمھارے سامنے ہے۔ ہمارا محاصرہ سخت ہوگیا ہے۔ ہم ہلاک ہوگئے ہیں۔ تمھیں اچھی طرح معلوم ہے، ہم نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حدائق اور بعاث کی لڑائیوں میں ہم نے آپ لوگوں سے کیا برتاؤ کیا، وہ بھی تم پر مخفی نہیں کیونکہ تم ان

[1] المغازي للواقدي: 8/2، السيرة لابن هشام 347,346/3، دلائل النبوة للبيهقي: 15/4.

تمام لڑائیوں میں موجود تھے۔ محمد ﷺ ہمارے قلعوں کو نہیں چھوڑیں گے حتی کہ ہم ان کی اطاعت قبول کر لیں یا سرنڈر ہو جائیں۔ اگر وہ ہمیں موقع دے دیں تو ہم شام یا خیبر کے علاقے میں چلے جائیں گے۔ آیندہ ہم ان کے علاقے میں کبھی نہیں آئیں گے اور نہ ان پر لشکر کشی کریں گے۔

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حیی بن اخطب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ شخص تمھیں ہلاک کر کے ہی چھوڑے گا۔ کعب نے کہا: اللہ کی قسم! اس شخص نے مجھے ہلاکت میں ڈالا، پھر اس سے نکالا نہیں۔ حیی تلملایا اور کہنے لگا: میں کیا کر سکتا ہوں؟ میری تو یہی خواہش تھی کہ ہم مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ ہماری تدبیر ناکام ہو گئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں نے تو تمھارے ساتھ خیر خواہی کرتے ہوئے اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے۔ جو انجام تمھارا ہو گا، میں اس سے الگ تو نہیں ہوں گا۔ کعب نے جواب دیا: مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اور تو قتل کر دیے جائیں اور ہمارے بیوی بچے قیدی بن جائیں؟ حیی نے کہا: یہ خون ریزی اور آزمائش ہمارے مقدر میں لکھی ہوئی تھی۔ پھر کعب نے مجھ سے مشورہ طلب کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم محمد (ﷺ) کے حکم پر ہتھیار ڈال دیں۔

راز فاش ہو گیا

یہود کی آہ و بکا سن کر سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل پسیج گیا اور وہ ٹھوکر کھا بیٹھے۔ انھوں نے کعب کے مشورے کے جواب میں کہا: ہاں! اور پھر اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتا دیا کہ تم ذبح کر دیے جاؤ گے۔

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ عورتوں اور بچوں کی سسکیاں سن کر ان کے قدم پھسل گئے۔ ان سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا راز فاش ہو گیا۔ فوراً پشیمان ہوئے اور إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ


دمشق (شام) کا ایک خوبصورت منظر

خود کہتے ہیں:

فَوَاللّٰهِ! مَا زَالَتْ قَدَمَايَ مِنْ مَّكَانِهِمَا حَتّٰى عَرَفْتُ أَنِّي قَدْ خُنْتُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ﷺ.

''اللہ کی قسم! میرے پاؤں ابھی اپنی جگہ سے ہلے نہ تھے کہ مجھے اچھی طرح احساس ہوگیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کر دی ہے۔''

ندامت کے سبب آنکھوں سے برسات کی جھڑی لگ گئی۔ میری یہ حالت دیکھ کر کعب نے پوچھا: ابولبابہ! کیا بات ہے؟ میں نے کہا: میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کر دی ہے۔

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ وہاں سے نکلے۔ آنسو تھے کہ تھمنے نہ پاتے تھے۔ اشک باری کر کر کے ڈاڑھی بھی تر ہوگئی تھی۔ لوگ انتظار کر رہے تھے کہ ابولبابہ کو بہت دیر ہوگئی، ابھی تک واپس کیوں نہیں آئے؟ لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کے بجائے سیدھا مسجدِ نبوی میں چلے گئے اور اپنے آپ کو مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے باندھ لیا جسے اسطوانۂ مخلقہ اور اسطوانۂ توبہ کہا جاتا ہے۔[1] انھوں نے کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول نہ کی، میں اسی جگہ بندھا رہوں گا اور انھوں نے اللہ سے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ کبھی بنوقریظہ کے پاس نہیں جائیں گے اور جس علاقے میں انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی، وہ وہاں کبھی نظر نہیں آئیں گے۔



اسطوانہ مخلقہ (مسجد نبوی)

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں قرآن کا نزول

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل فرمایا:

[1] اسطوانۂ مخلقہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا: 385,384/4.

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے خیانت نہ کرو اور نہ تم اپنی امانتوں میں خیانت کرو جبکہ تم جانتے ہو۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا ردعمل

ادھر رسول اللہ ﷺ محسوس کر رہے تھے کہ ابولبابہ کی واپسی میں دیر ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«أَمَا فَرَغَ أَبُو لُبَابَةَ مِنْ حُلَفَائِهِ؟»

''کیا ابولبابہ اپنے حلیفوں سے فارغ نہیں ہوئے؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! وہ قلعے سے واپس نکل آئے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم پھر وہ کہاں چلے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ حَدَثَ لِأَبِي لُبَابَةَ أَمْرٌ مَّا كَانَ عَلَيْهِ»

''ابولبابہ کو ضرور کوئی سنگین معاملہ پیش آ گیا ہے۔''

اتنے میں مسجد کی طرف سے ایک آدمی آیا، اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے ابولبابہ کو مسجد میں دیکھا ہے، اس نے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ أَصَابَتْهُ بَعْدِي فِتْنَةٌ وَّلَوْ جَاءَنِي لَاسْتَغْفَرْتُ لَهُ، فَإِذَا فَعَلَ هٰذَا فَلَنْ أُحَرِّكَهُ مِنْ مَّكَانِهِ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيهِ مَا يَشَاءُ»

''یقیناً میرے بعد اس کو آزمائش نے آلیا ہے۔ اگر وہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے لیے استغفار کرتا۔ جب اس نے ایسے کر ہی لیا ہے تو اب میں اسے اس کی جگہ سے ہرگز نہیں ہلا سکتا حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو چاہے فیصلہ فرما دے۔''

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، یہ جلیل القدر صحابی آزمائش میں پڑے رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں اپنے ہاتھوں سے کھولا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ

[1] الأنفال 27:8.

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے کہ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے متعلق آیت نازل فرمائی۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سحری کے وقت رسول اللہ ﷺ کو مسکراتے دیکھا تو میں نے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کو مسکراتا رکھے! آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تِيبَ عَلٰى أَبِي لُبَابَةَ»

''ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا میں لوگوں کو خوشخبری نہ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلٰى! إِنْ شِئْتِ»

''کیوں نہیں! اگر تم چاہو تو (ابھی خوشخبری سنا دو)۔''

وہ اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑی ہوگئیں، یہ پردے کی فرضیت سے پہلے کی بات ہے،[1] اور کہا:

يَا أَبَا لُبَابَةَ! أَبْشِرْ، فَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكَ.

''ابولبابہ! خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول کر لی ہے۔''

لوگ یہ سن کر ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھولنے کے لیے دوڑے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا اور کہا: نہیں، اللہ کی قسم! مجھے اللہ کے رسول ﷺ اپنے دستِ مبارک ہی سے کھولیں گے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ صبح کی نماز کے لیے نکلے اور ان کے پاس سے گزرے تو انھیں اپنے دستِ مبارک سے کھولا۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے بارے میں قرآن کا نزول

ابن ہشام کا بیان ہے کہ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ دن مسجد نبوی میں بندھے رہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے بیس دن لکھے ہیں جبکہ مقریزی نے پندرہ دن کا ذکر کیا ہے۔ ہر نماز کے وقت ان کی بیوی آتی اور انھیں کھول کر وضو کراتی۔ وہ نماز پڑھتے اور پھر ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ لیتے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صٰلِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

[1] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلو پیڈیا: 121-123.

''اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے۔ انھوں نے ملا جلا عمل کیا ہے، ایک اچھا اور دوسرا برا۔ امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا خواب



مسجد ابوبکر الصدیق، المرج (لیبیا)

ایک دن ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو خواب آیا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے خواب دیکھا کہ ہم نے بنوقریظہ کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور میں بدبودار کیچڑ میں پھنسا ہوا ہوں۔ کوشش کے باوجود وہاں سے نکل نہیں پا رہا۔ اس کیچڑ کی بدبو اتنی خطرناک تھی، قریب تھا کہ میں مرجاتا۔ اسی دوران میں نے ایک جاری نہر دیکھی۔ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں نے اس میں غسل کیا یہاں تک کہ میرا سارا میل کچیل اتر گیا اور میں اپنے آپ سے اچھی خوشبو محسوس کرنے لگا۔ میں نے اس خواب کی تعبیر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھی تو انھوں نے یہ تعبیر کی کہ تم کسی پریشان کن معاملے میں مبتلا ہوگے، پھر اس کے بعد تمھیں چھٹکارا مل جائے گا۔

جب میں رسیوں میں جکڑا ہوا تھا تو مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات بہت یاد آتی تھی اور مجھے امید تھی کہ میری توبہ قبول ہو جائے گی۔

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا اظہار تشکر

جلیل القدر صحابی ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنی توبہ کی اتنی خوشی ہوئی کہ انھوں نے اظہار تشکر کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں اپنا مال صدقہ کرنا چاہتا ہوں اور میں اپنی قوم کا علاقہ چھوڑتا ہوں جہاں میں گناہ کا مرتکب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يُجْزِئُ عَنْكَ الثُّلُثُ»

''تمھاری طرف سے مال کا تیسرا حصہ صدقہ کافی ہے۔''

[1] التوبۃ 102:9.

پھر انھوں نے اپنی قوم کا علاقہ چھوڑ دیا اور تیسرا حصہ مال صدقہ کر دیا۔[1]

بنوقریظہ نے ہتھیار ڈال دیے

ادھر ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اشارے کے باوجود بنوقریظہ نے یہی طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ مناسب سمجھیں، وہ کریں، حالانکہ بنوقریظہ ایک طویل عرصے تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے کیونکہ ایک طرف ان کے پاس وافر مقدار میں سامان خور ونوش تھا، پانی کے چشمے اور کنویں تھے، مضبوط اور محفوظ قلعے تھے اور دوسری طرف مسلمان کھلے میدان میں خون منجمد کر دینے والی سردی اور بھوک کی سختیاں سہ رہے تھے اور آغازِ جنگِ خندق سے بھی پہلے سے مسلسل جنگی مصروفیات کے سبب تکان سے چُور چُور تھے، لیکن جنگ بنی قریظہ درحقیقت ایک اعصابی جنگ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بنوقریظہ کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا۔ ان کے حوصلے ٹوٹتے جا رہے تھے، پھر حوصلوں کی یہ شکستگی اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب سیدنا علی اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے پیش قدمی فرمائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گرجدار آواز میں اعلان کیا:

يَا كَتِيبَةَ الْإِيمَانِ! وَاللّٰهِ! لَأَذُوقَنَّ مَا ذَاقَ حَمْزَةُ أَوْ لَأَفْتَحَنَّ حِصْنَهُمْ.

''اے ایمان کے سپاہیو! اللہ کی قسم! میں بھی وہی چکھوں گا جو حمزہ نے چکھا (شہید ہو جاؤں گا) یا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ للکار سن کر بنوقریظہ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ انھوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مردوں کو باندھ دیا گیا، چنانچہ سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی زیرنگرانی مردوں کے ہاتھ باندھ دیے گئے اور عورتوں اور بچوں کو الگ کر دیا گیا۔[2]

قبیلہ اوس کی بنوقریظہ کے بارے میں سفارش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الگ ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ قبیلہ اوس کے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! یہ ہمارے دوست ہیں اور آپ نے ہمارے بھائیوں بنوخزرج کے دوستوں بنوقینقاع کے ساتھ جو کیا تھا، آپ کو خوب معلوم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے بنوقینقاع کا محاصرہ کیا تھا جو کہ بنوخزرج کے حلیف

---

[1] السيرة لابن هشام: 3/247-249، المغازي للواقدي: 2/10-13، موسوعة الغزوات الكبرى: 1/648-651، دلائل النبوة للبيهقي: 4/17,16، إمتاع الأسماع: 1/248,247، المغازي لموسى بن عقبة، ص: 225,224. [2] السيرة لابن هشام: 3/251، الرحيق المختوم، ص: 327.

تھے۔ وہ بھی آپ ﷺ کے حکم پر تسلیم (سرنڈر) ہوئے تھے اور بنوخزرج کے عبداللہ بن ابی منافق نے آپ ﷺ سے ان کی سفارش کی تو آپ ﷺ نے اس کے کہنے پر ان کی جان بخشی فرما دی تھی۔

اوس نے بھی اب آپ ﷺ سے بنوقریظہ کی سفارش کی کہ اللہ کے رسول! بنوقریظہ کے ساتھ ہمارے قدیم دوستانہ تعلقات ہیں۔ اب وہ اپنی غلطی پر ازحد پشیمان ہیں، اس لیے آپ نے جس طرح بنوخزرج کی عزت افزائی فرمائی تھی، اس طرح ہماری وجہ سے ہمارے دوست قبیلے کو بھی معافی دے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الْأَوْسِ! أَنْ يَّحْكُمَ رَجُلٌ مِّنْكُمْ»

''اے اوس کی جماعت! کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ ان کے بارے میں تمھی میں سے ایک آدمی فیصلہ کردے؟''

اوسی وفد نے کہا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے یہ معاملہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اوس کے لوگوں نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں۔ [1]

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمیوں کے خیمے میں

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں اسلم قبیلے کی ایک عورت سیدہ رفیدہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ یہ عورت زخمیوں کا علاج کرتی تھی اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بے گھر مسلمان مریضوں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ خندق کے موقع پر سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر لگا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی قوم کو حکم دیا:

«اِجْعَلُوهُ فِي خَيْمَةِ رُفَيْدَةَ حَتّٰى أَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ»

''انھیں رُفیدہ کے خیمے میں رکھو تاکہ میں قریب سے ان کی عیادت کرسکوں۔'' [2]

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی ایسے مسلمان کو زخم پہنچتا جس کا گھربار موجود ہوتا تو اس کی دیکھ بھال اس کے گھر والے کرتے۔ اگر کسی کا گھربار نہ ہوتا تو اسے لاکر مسجد نبوی کے اندر خیمے میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ گھربار والے تھے بلکہ یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے لیکن آپ ﷺ نے ان کی عزت افزائی کے لیے انھیں اپنے قریب مسجد نبوی میں ٹھہرایا تاکہ آپ ﷺ از خود ان کی خبرگیری کرتے رہیں۔ یوں انھیں خیمۂ رفیدہ میں بے آسرا لوگوں کے ساتھ لایا گیا۔ یہ لوگ آپ ﷺ کی نگہداشت میں رہتے تھے اور دن میں کئی مرتبہ انھیں رخ زیبا کا دیدار نصیب ہوجاتا تھا۔ [3]

---

[1] السيرة لابن هشام: 250,249/3، فتح الباري: 517/7. [2] السيرة لابن هشام: 250/3. [3] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 318.

سفارشی وفد سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

قبیلہ اوس کا وفد جو بنو قریظہ کا سفارشی بن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، انھیں امید لگ گئی تھی کہ ان کے ارمان پورے ہونے والے ہیں۔ وہ بہت خوش تھے کہ ہمارے حلیف قبیلے بنو قریظہ کا فیصلہ ہمارے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے۔ یقیناً وہ ان سے نرم برتاؤ کریں گے، چنانچہ یہ وفد سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔ انھیں ایک گدھے پر سوار کیا اور ان کے نیچے چمڑے کا تکیہ رکھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت اور بھاری بھرکم شخص تھے۔ قبیلہ اوس کا سفارشی وفد انھیں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لا رہا تھا۔ یہ لوگ راستے میں ان کی درخواست کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے ابوعمرو! اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کا معاملہ آپ کے سپرد اسی لیے کیا ہے تاکہ آپ ان سے اچھا سلوک کریں۔

بنو عبدالاشہل کا ایک آدمی بنو قریظہ کا حق یاد دلانے اور بتانے لگا کہ وہ ہمارے حلیف ہیں۔ انھوں نے پوری قوم میں سے آپ کا انتخاب کیا ہے۔ وہ آپ سے رحمت و شفقت کے امیدوار ہیں۔ آپ ان سے نرمی کیجیے گا، ان کی جان بخشی فرما دیں۔ وہ آدمی بہت اصرار کے ساتھ احسان کی بھیک مانگ رہا تھا لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ برابر خاموش تھے۔ اوسی وفد نے پوچھا: آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟ اس وقت سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ایسا تاریخی جملہ بولا جو سنہرے پانی سے لکھنے والا ہے، انھوں نے کہا:

لَقَدْ أَنٰی لِسَعْدٍ أَنْ لَّا تَأْخُذَهُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ.

''اب سعد کے لیے ایسا وقت آ گیا ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں اسے کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں ہے۔''

یہ جواب سن کر بعض لوگ اسی وقت مدینہ آ گئے اور مدینہ میں قیدیوں کی موت کی خبر پھیلا دی۔[1]

زخمی قاضی لشکر اسلام میں

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخموں کی تکلیف برداشت کرتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُومُوا إِلٰى سَيِّدِكُمْ أَوْ خَيْرِكُمْ»

''تم اپنے سردار یا (آپ نے فرمایا:) اپنے بہترین آدمی کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔''

[1] السيرة لابن هشام: 250/3، دلائل النبوة للبيهقي: 19/4.

مہاجرین نے سمجھا کہ آپ ﷺ نے انصار کو حکم دیا ہے اور انصار نے کہا کہ آپ ﷺ نے کسی کی تخصیص کیے بغیر عام حکم دیا ہے۔ چنانچہ وہ سعد رضی اللہ عنہ کے استقبال کے لیے اٹھے اور انھیں سواری سے اتارا اور کہا: اے ابوعمرو! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آپ کے دوستوں کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق دیا ہے۔

سعد رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلٰى حُكْمِكَ»

''بلاشبہ یہ لوگ (یہود) تمھیں حَکَم (جج) تسلیم کرکے اترے ہیں۔''[1]

قاضی کا اپنے فیصلے پر موافقت طلب کرنا

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنانے سے پہلے ہر فریق سے موافقت طلب کی کہ میں جو فیصلہ کروں گا، کیا وہ سب کو تسلیم ہوگا؟ انھوں نے کہا: تم پر اللہ کا عہد و پیمان لازم ہے! کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہوگا؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر انھوں نے اس کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس طرف اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما تھے، دریافت کیا: اور جو یہاں ہیں، ان پر بھی؟ ان کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا لیکن آپ کی تعظیم کے سبب چہرہ دوسری طرف کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

یہود کے دلوں کی دھڑکن تیز ہوگئی

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب یقین کرلیا کہ ان کا فیصلہ حتمی ہوگا اور ہر ایک فریق کو تسلیم ہوگا تو وہ اپنا فیصلہ سنانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ یہود نے اپنے کان اپنے حلیف حَکَم سعد رضی اللہ عنہ کی طرف لگا دیے جنھوں نے اب ان سب کے انجام کا فیصلہ کرنا تھا۔ یہودیوں نے حالتِ اضطراب میں اپنی آنکھیں ان پر لگا دیں۔ ان کے خبیث دل ان کے پہلوؤں میں تیزی سے دھڑکنے لگے۔ اپنے متعلق فیصلے کے انتظار میں ان کی نبضیں رک سی گئیں یہاں تک کہ جو مسلمان بھی پڑاؤ میں تھے، ان کی نگاہیں بھی حکمِ سعد کی منتظر تھیں، خصوصاً سعد رضی اللہ عنہ کی قوم اوس کی جنھوں نے اپنے حلیفوں کے متعلق فیصلے میں نرمی کرانے کے لیے اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دی تھیں۔ سب منتظر تھے کہ سعد رضی اللہ عنہ کیا فیصلہ سناتے ہیں۔ کسی کو معلوم نہ تھا حتی کہ سالارِ اسلام نبی ﷺ بھی نہ جانتے تھے کہ سعد کیا فیصلہ فرمائیں گے۔ آخر انھوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا جو دوٹوک، تباہ کن اور یہود کے لیے نہایت خوفناک تھا۔[2]

[1] صحیح البخاري :4121، صحیح مسلم :1768، السیرة لابن هشام :250/3. [2] موسوعة الغزوات الكبرٰی :659,658/1.

قاضیِ وقت کا اصولی فیصلہ

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے وہی فیصلہ سنایا جو کسی بھی غدار کا انجام ہوتا ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی غدار کی سزا یہی سنائی جاتی ہے۔ انھوں نے فرمایا:

فَإِنِّي أَحْكُمُ فِيهِمْ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَ أَنْ تُسْبَى النِّسَاءُ وَالذُّرِّيَّةُ، وَ أَنْ تُقْسَمَ أَمْوَالُهُمْ.

بلاشبہ میں ان کے بارے میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے جتنے لوگ جنگجو ہیں، وہ قتل کر دیے جائیں، ان کی عورتیں اور بچے قید کر لیے جائیں اور ان کے اموال تقسیم کر دیے جائیں۔'' [1]

سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی

سعد رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے مطابق نکلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَةِ أَرْقِعَةٍ»

''بلاشبہ تم نے ان کے متعلق وہی فیصلہ کیا ہے جو ساتوں آسمانوں سے اوپر اللہ کا فیصلہ تھا۔'' [2]

سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تورات کے مطابق تھا

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو قریظہ نے تسلیم کیا، وہ تورات اور یہودیوں کی شریعت کے مطابق تھا۔ جو قوم صلح اور امن کو ختم کرے، یہود کی شریعت میں بھی اس کا یہی حکم ہے جو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے صادر کیا تھا۔ جیسا کہ تورات میں لکھا ہے:

''اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تُو اس کا محاصرہ کرنا۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا۔'' [3]

یہود بنی قریظہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ امن و صلح توڑ کر غداری کا ارتکاب کیا اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کا اعلان کر دیا تھا، اس لیے کتاب مقدس کے اس صریح حکم سے معلوم ہو گیا کہ بنو قریظہ کے مردوں کو قتل

[1] صحیح البخاري: 4122، صحیح مسلم: 1768. [2] صحیح البخاري: 4121، صحیح مسلم: 1768، السنن الکبرٰی للنسائي: 403/5، السیرة لابن هشام: 251/3، واللفظ له. [3] کتاب مقدس (استثناء) 20:12-14.

کرنے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر ان کے اموال پر قبضہ کرنے میں مسلمانوں کو ذرا بھی تردد نہیں کرنا چاہیے تھا، اس لحاظ سے یہود کو وہی سزا دی گئی جو ان کی اپنی شریعت میں تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کا طرزِ عمل

بعض مستشرقین اور اسلام مخالف حضرات سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ وحشیانہ اور سنگدلانہ کارروائی تھی۔ کاش! وہ بائبل کا مطالعہ کر کے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا طرزِ عمل ملاحظہ کرتے تو شاید انھیں اعتراض کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ کتاب مقدس میں ہے:

> ''اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اُس کے مطابق انھوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا۔ اور انھوں نے ان مقتولوں کے سوا عوّی اور رقم اور صور اور حور اور ربع کو بھی جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا اور بعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا۔ اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کی سب چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا۔''[1]

لشکرِ اسلام کی قیدیوں کے ہمراہ مدینہ واپسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ بنوقریظہ سے جمعرات کے روز 8 ذوالحجہ 5 ھ کو واپس آئے۔ قیدیوں کو بھی ساتھ لایا گیا۔ مردوں کو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے گھر میں رکھا گیا اور عورتوں اور بچوں کو بنونجار کی ایک عورت جو کہ حارث کی صاحبزادی تھی، اس کے گھر میں رکھا گیا۔ بنت حارث کے متعلق سیرت نگاروں کی مختلف آراء ہیں۔ زرقانی نے ان سب آراء کو یکجا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں کہا ہے کہ وہ عورت رملہ بنت حارث بن ثعلبہ بن حارث بن زید تھیں جو معاذ بن حارث بن رفاعہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔

واقدی نے رملہ بنت حدث کہا ہے جبکہ سہیلی نے لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ بنت حارث ہیں اور ان کا نام کیّسہ بنت حارث بن کُریز بن حبیب بن عبدشمس ہے جو کہ مسیلمہ کذاب کی بیوی تھیں اور بعد میں عبداللہ بن عامر بن کُریز رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔[2]

---

[1] کتاب مقدس (گنتی) 31:7-10. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 86/3، الروض الأنف: 445,444/3، الإصابة: 140/8.

بالغ و نابالغ کے درمیان تمیز

نبیِ کریم ﷺ نے بالغ و نابالغ کے درمیان تمیز کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ دیکھیں، جس کے زیر ناف بال اُگ آئے ہیں، اسے قتل کر دیا جائے اور جس کے بال نہیں اُگے ہیں، اسے نہ قتل کیا جائے۔ عطیہ قرظی کہتے ہیں: میرے بال نہیں اُگے تھے (اس لیے مجھے قتل نہیں کیا گیا)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ لوگوں نے میرا زیر ناف کھول کر دیکھا تو انھیں کوئی بال اُگا ہوا نہیں ملا، اس لیے مجھے قیدیوں میں شمار کر لیا گیا۔ [1]

فیصلے کا نفاذ



فیصلے کے نفاذ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے بازار کا چکر لگایا، پھر آپ ﷺ نے گہری خندقیں کھودنے کا حکم دیا تاکہ ان غداروں کے ناپاک جسم قتل کے بعد دفن کر دیے جائیں، چنانچہ قتل و دفن کے لیے مدینہ کے بازار کا انتخاب کیا گیا جسے ان دنوں سوق المناخہ کہا جاتا تھا۔

خندق کی کھدائی مکمل کرنے کے بعد آپ ﷺ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ وہاں بیٹھ گئے اور پھر آپ ﷺ نے بنوقریظہ کے ان مردوں کو لانے کا حکم دیا جن پر فیصلہ لاگو ہو چکا تھا۔ انھیں جماعت در جماعت باری باری بلایا جاتا اور قتل کر دیا جاتا۔ قتل کی کارروائی میں سیدنا علی، سیدنا زبیر اور سیدنا اسلم انصاری رضی اللہ عنہم شریک تھے جیسا کہ سیدنا علی کہتے ہیں: میں اس شخص کو قتل کر دیتا تھا جس کے زیر ناف بال اُگے ہوتے تھے اور جس کے زیر ناف بال ابھی نہیں اُگے تھے، اسے مالِ غنیمت میں شامل کر دیتا۔ [2]

بلانے والا رُکتا نہیں، جانے والا پلٹتا نہیں

قتل کی کارروائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد باقی ماندہ قیدی اپنے سردار کعب بن اسد سے پوچھنے لگے:

[1] سنن أبي داود: 4405,4404، جامع الترمذي: 1584. [2] السيرة لابن هشام: 251/3، شرح الزرقاني على المواهب: 87/3، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 664/1.

آپ کا کیا اندازہ ہے؟ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کعب نے کہا: کیا تم لوگ کسی بھی جگہ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے؟ دیکھتے نہیں پکارنے والا رک نہیں رہا اور جانے والا پلٹ نہیں رہا ہے؟ اللہ کی قسم! یہ قتل ہے۔ بہرحال شام تک ان سب کی گردنیں اڑا دی گئیں۔[1]

اس کارروائی کے ذریعے غدر و دغا کے ان سانپوں کا مکمل طور پر خاتمہ ہوگیا جنھوں نے پختہ عہد و پیمان توڑا تھا اور مسلمانوں کے خاتمے کے لیے ان کی زندگی کے نہایت سنگین اور نازک ترین لمحات میں دشمن کو مدد دے کر جنگی مجرموں کا کردار ادا کیا تھا۔

حیی بن اخطب کا قتل

بنوقریظہ کی اس تباہی کے ساتھ ہی بنونضیر کا شیطان اور جنگ احزاب کا ایک بڑا مجرم حیی بن اخطب بھی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ یہ شخص ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا۔ قریش و غطفان کی واپسی کے بعد جب بنوقریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور انھوں نے قلعہ بندی اختیار کی تو یہ بھی ان کے ہمراہ قلعہ بند ہوگیا کیونکہ غزوۂ احزاب کے دنوں میں یہ شخص جب بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کو غدر و عہد شکنی پر آمادہ کرنے کے لیے آیا تھا تو اس نے ان کے ساتھ لڑنے مرنے کا وعدہ کر رکھا تھا اور اب اس وعدے کو نبھا رہا تھا۔ اسے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو اس نے ایک خوبصورت جوڑا زیب تن کیا ہوا تھا جسے خود ہی ہر جانب سے ایک ایک انگل پھاڑ رکھا تھا تاکہ اسے مالِ غنیمت میں نہ رکھوا لیا جائے۔ اس کے دونوں بازو رسی کے ساتھ گردن کے پیچھے یکجا بندھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مخاطب کر کے کہا:

«أَلَمْ يُمَكِّنِ اللّٰهُ مِنْكَ يَاعَدُوَّ اللّٰهِ؟»

”اے اللہ کے دشمن! کیا اللہ نے تجھے ہمارے حوالے نہیں کر دیا (تاکہ تجھے تیری سرکشی کا مزہ چکھائیں)۔“

تو اس نے جواب دیا:

أَمَا وَاللّٰهِ! مَا لُمْتُ نَفْسِي فِي عَدَاوَتِكَ وَلٰكِنَّهُ مَنْ يَّخْذُلِ اللّٰهَ يُخْذَلْ.

”سنیے، اللہ کی قسم! میں نے اپنے آپ کو آپ کی عداوت پر ملامت نہیں کی لیکن جو اللہ کو چھوڑ دے، اسے بھی بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے۔“

پھر لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِأَمْرِ اللّٰهِ، كِتَابٌ وَّقَدَرٌ وَّمَلْحَمَةٌ كَتَبَهَا اللّٰهُ عَلٰى بَنِي إِسْرَاءِيلَ.

[1] السيرة لابن هشام: 252/3، المغازي للواقدي: 16/2.

"بلاشبہ اللہ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ تو نوشتۂ تقدیر ہے اور ایک بڑا قتل ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا۔"

اس کے بعد وہ بیٹھا اور اس کی گردن تن سے جدا کر دی گئی۔

جبل بن جوال کے اشعار

ایک یہودی شاعر جبل بن جوّال ثعلبی نے حیی بن اخطب کی اس دیدہ دلیری کو سراہتے ہوئے اشعار کہے:

لَعَمْرُكَ مَا لَامَ ابْنُ أَخْطَبَ نَفْسَهُ ۔۔۔ وَلٰكِنَّهُ مَنْ يَّخْذُلِ اللّٰهَ يُخْذَلِ

لَجَاهَدَ حَتّٰى أَبْلَغَ النَّفْسَ عُذْرَهَا ۔۔۔ وَقَلْقَلَ يَبْغِي الْعِزَّ كُلَّ مُقَلْقَلِ

"تیری زندگی کی قسم! ابن اخطب نے اپنے آپ کو ملامت نہیں کی لیکن جو اللہ کو چھوڑتا ہے، اسے بھی چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

"اس نے خوب جدو جہد کی یہاں تک کہ اپنے لیے کوئی عذر باقی نہ چھوڑا اور عزت کی تلاش میں خوب بھاگ دوڑ کی۔" [1]

بری تدبیر خود تدبیر کرنے والے کو گھیر لیتی ہے

تمام عربی اور یہودی قبائل اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے جنگ کے لیے اکٹھے ہو گئے اور بنو قریظہ کو عہد شکنی اور پشت سے حملہ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر الٹی کر دی اور رسوا کر دیا۔ بالآخر حیی بن اخطب کی کوششیں اسے اپنے انجام تک لے آئیں۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کو نہیں چھوڑتا، وہ انھیں مہلت دیتا ہے اور بتدریج انھیں انجام کے قریب کرتا ہے اور آخر میں جب پکڑتا ہے تو اس کا مؤاخذہ انتہائی سخت ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ»

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے لیکن جب اسے پکڑنے پر آتا ہے تو بچ کر نکلنے نہیں دیتا۔"

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظٰلِمَةٌ ۚ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ (هود 102:11)

[1] السيرة لابن هشام: 252/3.

''اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں، بے شک اس کی پکڑ نہایت دردناک اور سخت ہوتی ہے۔''[1]

حیی بن اخطب کی جھوٹی دلیری

حیی بن اخطب نے جھوٹی دلیری کا اظہار کرنے کی کوشش کی اور خود آگے بڑھا کہ اس کی گردن مار دی جائے تاکہ اس پر کوئی خوش ہونے والا خوش نہ ہو، حالانکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ باطل پر ہے، اپنی جان پر اس نے ظلم کیا ہے۔ وہ باطل پر مر رہا تھا۔ گناہ کا غرور اسے جہنم اور برے انجام تک لے جا رہا تھا کیونکہ وہ نہایت شفیق و مہربان پروردگار کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کر رہا تھا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

''کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اسے گمراہ کر دیا جبکہ اسے (حق کا) علم تھا اور اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پھر کون ہے جو اللہ کے بعد اسے ہدایت دے؟ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟''[2]

جو اللہ کو چھوڑ دے وہ بے یار و مددگار ہو جاتا ہے

جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ بھی اسے چھوڑ دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بے آسرا کر دے تو اس کی حفاظت و مدافعت کرنے والا کوئی نہیں رہتا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

''اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمھاری مدد کر سکے؟ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''[3]

چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حیی بن اخطب کی عداوت کا سبب صرف حسد اور کینہ تھا، اس لیے اس نے علانیہ اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی موقع پر میرے ساتھ نہ تھا۔ حیی، رحمٰن کے دوستوں سے دشمنی کر کے شیطان کے گروہ میں شامل تھا اور اللہ تعالیٰ سے ضد کر کے دشمنی مول لے رہا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی اسے بے یار و مددگار کر کے تکلیف دہ

[1] صحيح البخاري :4686. [2] الجاثية 23:45. [3] آل عمرٰن 160:3.

عذاب میں ڈالنے والا تھا کیونکہ اس کی مشیت بالآخر نافذ ہو کر رہتی ہے، اس کے فیصلے کو کوئی ٹالنے والا نہیں، آسمان و زمین میں کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

''اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ آپ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[1]

قیدی عورت کا قتل

اسلام نے جنگ میں عورتوں پر ہاتھ اٹھانے سے منع کیا ہے۔ اسی لیے بنوقریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا گیا لیکن کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا۔ سوائے ایک عورت کے جس کا نام نباتہ تھا۔ اس کا تعلق بنونضیر سے تھا اور بنوقریظہ کے ایک شخص حسن قرظی کے ساتھ بیاہی گئی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی میں بہت پیار تھا۔ جب بنوقریظہ کا محاصرہ کیا گیا تو اس نے اپنے خاوند سے کہا: مجھے وصل کے دنوں پر بہت حسرت ہو رہی ہے جو عنقریب مفارقت میں بدل جائیں گے۔ اس نے کہا: تورات کی قسم! اگر تو اپنے دعوے میں سچی ہے تو محمد (ﷺ) کے اصحاب قلعے کے سائے میں بیٹھے ہیں، تو ان پر چکی کا پاٹ گرا کر قتل کر دے کیونکہ یہ ہمارے پاس آخری موقع ہے، اس کے بعد ہم کبھی انھیں قتل نہیں کر سکیں گے۔ تم ایک عورت ہو اور اگر محمد (ﷺ) ہم پر غالب آ گئے تو وہ عورتوں کو قتل نہیں کریں گے اور مجھے یہ بھی ہرگز پسند نہیں کہ تمھیں قیدی بنا لیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ان کو قتل کر دو تاکہ اس جرم کی پاداش میں زندہ نہ بچ سکو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم زبیر بن باطا کے قلعے کی دیوار کے ساتھ سائے میں بیٹھے تھے۔ وہ بدبخت عورت قلعے پر چڑھی اور اوپر سے چکی کا پاٹ گرا دیا۔

[1] الأنعام 6:17.

مسجد بنی قریظہ: کہا جاتا ہے کہ یہاں زبیر بن باطا کا قلعہ تھا جہاں نبی ﷺ نے بنوقریظہ کا محاصرہ کیا



مسلمانوں نے دیکھ لیا اور فوراً وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے لیکن سیدنا خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ اس کا نشانہ بن گئے۔ چکی کا پاٹ ان پر گرا تو ان کا سر کچل گیا جس کے سبب وہ جامِ شہادت نوش کر گئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بنوقریظہ کی ایک عورت کے علاوہ کسی عورت کو قتل نہیں کیا گیا۔ اللہ کی قسم! وہ میرے پاس بیٹھی تھی اور بہت کھل کھلا کر ہنس رہی تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں مردوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا رہے تھے۔ اچانک پکارنے والے نے اس عورت کا نام لے کر آوازہ لگایا: فلاں عورت کہاں ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے بلایا جا رہا ہے۔ میں نے اسے کہا: تیرا بُرا ہو! تجھے کیوں بلایا جا رہا ہے؟ اس نے کہا: مجھے قتل کیا جائے گا؟ میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: مجھ سے ایک واقعہ رونما ہوا تھا۔ پھر اسے لے جایا گیا اور سیدنا خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ کے قصاص میں اس کی گردن تن سے جدا کر دی گئی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اللہ کی قسم! مجھے اس کی رضامندی اور کھل کھلا کر ہنسنے پر تعجب ہے، میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اسے قتل کر دیا جائے گا لیکن پھر بھی وہ بہت ہشاش بشاش تھی۔ [1]

نباش بن قیس اور غزال بن سموأل کا قتل

قیدیوں میں سے دو بڑے جنگی مجرم نباش بن قیس اور غزال بن سموأل کو لایا گیا اور انھیں قتل کر دیا گیا۔ نباش بن قیس کو لایا گیا تو اس کی ناک کچلی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لانے والے کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

«لِمَ صَنَعْتَ بِهِ هٰذَا؟ أَمَا كَانَ فِي السَّيْفِ كِفَايَةٌ؟»

''تم نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ کیا تلوار سے قتل کر دینا کافی نہ تھا؟''

لانے والے نے جواب دیا: اللہ کے رسول! اس نے بھاگنے کے لیے مجھ سے ہاتھا پائی کی تھی۔ نباش نے کہا: ابوالقاسم! تورات کی قسم! یہ درست نہیں کہہ رہا۔ اگر یہ مجھے چھوڑ دیتا تو میں کہیں نہ بھاگتا۔ جہاں میری قوم قتل ہوئی، میں اس جگہ سے کبھی پیچھے نہ رہتا حتی کہ میں بھی ان میں سے ایک ہو جاتا۔

قیدیوں سے حسن سلوک کا حکم

بنوقریظہ کے لوگوں کو قتل کیا جا رہا تھا کہ سورج سر پر چڑھ آیا۔ دھوپ نے اپنی تمازت دکھانی شروع کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

«أَحْسِنُوا إِسَارَهُمْ وَقَيِّلُوهُمْ وَأَسْقُوهُمْ حَتّٰى يُبْرِدُوا فَتَقْتُلُوا مَنْ بَقِيَ، لَا تَجْمَعُوا عَلَيْهِمْ

[1] المغازي للواقدي: 2/19,18، السيرة لابن هشام: 3/253.

حَرَّ الشَّمْسِ وَ حَرَّ السِّلَاحِ ۔ وَكَانَ يَوْمًا صَائِفًا ۔ فَقَيِّلُوهُمْ وَأَسْقُوهُمْ وَأَطْعِمُوهُمْ»

''ان کی قید میں نرمی اختیار کرو، انھیں دوپہر کے وقت آرام کرنے دو اور انھیں پانی پلاؤ یہاں تک کہ دھوپ کی حدت جاتی رہے، تب ان باقی ماندہ لوگوں کو قتل کرنا۔ ان پر سورج کی اور اسلحہ کی شدت کو اکٹھا نہ کرو۔ یہ بہت گرم دن تھا، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں آرام کرایا اور انھیں کھلایا پلایا۔''

جب گرمی کی شدت کم ہوگئی، پچھلے پہر آپ ﷺ تشریف لائے تو باقی ماندہ لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔ [1]

قرظی سردار لقمۂ تلوار بن گیا

بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو لایا گیا۔ قتل سے پہلے اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حسبِ ذیل باتیں ہوئی:

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «كَعْبُ بْنُ أَسَدٍ؟» ''کعب بن اسد ہو؟''

کعب نے جواب دیا: ہاں ابوالقاسم!

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا انْتَفَعْتُمْ بِنُصْحِ ابْنِ خَرَاشٍ لَكُمْ وَكَانَ مُصَدِّقًا بِي، أَمَا أَمَرَكُمْ بِاتِّبَاعِي، وَ إِنْ رَأَيْتُمُونِي تُقْرِءُونِي مِنْهُ السَّلَامَ؟»

''تمھیں ابن خراش کی نصیحت نے فائدہ نہیں پہنچایا، حالانکہ وہ میری تصدیق کرتا تھا۔ کیا اس نے تمھیں میری پیروی کے لیے نہیں کہا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ جب تم مجھ سے ملو تو اس کی طرف سے سلام کہنا؟''

کعب نے کہا: تورات کی قسم! اے ابوالقاسم! ایسا ہی ہے۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ یہود مجھے تلوار کے ڈر کی عار دلاتے رہیں گے تو میں ضرور آپ کی اتباع کر لیتا لیکن اب تو میں یہودی ہی ہوں۔

آپ ﷺ نے حکم دیا: «قَدِّمُهُ فَاضْرِبْ عُنُقَهُ» ''اسے آگے بڑھاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔''

آپ ﷺ کے حکم پر اس کی گردن اڑا دی گئی۔ [2]

یاروں کے بنا کیا جینا

یہودی سردار زبیر بن باطا بہت بوڑھا تھا۔ اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ اس نے زمانۂ جاہلیت میں لڑی جانے

[1] المغازي للواقدي: 17,16/2، إمتاع الأسماع: 250/1. [2] المغازي للواقدي: 18/2.

والی جنگ بعاث میں سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر احسان کیا تھا۔ اس نے انھیں پکڑا اور پیشانی کے بال کاٹ کر جان بخشی کردی۔ غزوۂ بنوقریظہ میں جب جنگجو قیدیوں کو قتل کیا جا رہا تھا تو سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے محسن کو اس حالت میں دیکھا تو اس کے احسان کا بدلہ چکانا چاہا۔ انھوں نے زبیر سے پوچھا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا تم نے مجھے پہچانا؟ اس نے کہا کہ میرے جیسا آدمی تیرے جیسے آدمی کو بھلا بھول سکتا ہے؟ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تیرے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: کریم النفس لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زبیر کی جان بخشی کے لیے التجا کی، کہا: اللہ کے رسول! زبیر کا مجھ پر ایک احسان ہے، میں چاہتا ہوں کہ میں اس کے احسان کا بدلہ دوں۔ آپ اس کو مجھے ہبہ فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ ثابت رضی اللہ عنہ خوشی سے پھولے نہ سمائے، وہ فوراً اس کے پاس آئے اور پروانۂ امن سناتے ہوئے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارا خون میرے لیے ہبہ کر دیا ہے، چنانچہ اب تم آزاد ہو۔ وہ بولا:

شَيْخٌ كَبِيرٌ لَّا أَهْلَ لَهُ وَلَا وَلَدَ فَمَا يَصْنَعُ بِالْحَيَاةِ؟

''ایک انتہائی بوڑھا جس کی نہ بیوی نہ بچے، وہ زندہ رہ کر کیا کرے گا؟''

ثابت رضی اللہ عنہ واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ کے رسول! زبیر کے بیوی بچے بھی مجھے ہبہ فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کے بیوی بچے بھی ہبہ کر دیے۔ انھوں نے آکر اسے خوشخبری دی تو وہ کہنے لگا: وہ گھرانہ جس کی حجاز میں کوئی جائیداد نہ ہو، وہ کیسے زندگی بسر کرے گا؟ ثابت رضی اللہ عنہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض پرداز ہوئے: اللہ کے رسول! اس کا مال۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی تجھے عطا کیا۔ وہ خوشی خوشی آئے اور کہا: زبیر! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا مال مجھے عنایت کردیا ہے اور میں نے وہ تجھے ہبہ کیا۔

زبیر بن باطا نے پوچھا: ثابت! اس شخص پر کیا گزری جس کا چہرہ چینی آئینے کی طرح صاف شفاف تھا کہ کنواری لڑکیاں اس میں اپنا چہرہ دیکھتی تھیں، یعنی کعب بن اسد؟ انھوں نے بتایا: اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا: شہروں اور دیہات کے سردار حیی بن اخطب کا کیا حال ہے؟ انھوں نے بتایا: وہ بھی کیفرِ کردار کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس نے دریافت کیا: اس بہادر پر کیا گزری کہ جب ہم حملہ کرتے تھے تو وہ ہراول دستے میں ہوتا تھا اور جب بھاگتے تھے تو وہ پیچھے رہ کر ہماری حفاظت کرتا تھا، یعنی غزال بن سموأل؟ بتایا گیا کہ وہ بھی تہ تیغ کر دیا گیا ہے۔ پھر اس نے پوچھا: بنوکعب بن قریظہ اور بنوعمرو بن قریظہ پر کیا بیتی؟ بتایا گیا: وہ بھی قتل کر دیے گئے۔

زبیر بن باطا کہنے لگا: ان کے چلے جانے کے بعد زندگی میں کوئی لطف نہیں۔ ثابت! میں تجھے اس احسان کا واسطہ دیتا ہوں جو میں نے تجھ پر کیا تھا کہ مجھے بھی ان سے ملا دو، لمحہ بھر کی اذیت کے بعد پیاروں سے ملاقات ہو جائے گی۔ اس کی التجا پر ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی بات کا علم ہوا کہ ابھی اس کی ملاقات اس کے پیارے دوستوں سے ہوگی تو انھوں نے فرمایا:

يَلْقَاهُمْ وَاللّٰهِ! فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا مُخَلَّدًا.

''وہ ان سے ملاقات تو کرے گا لیکن اللہ کی قسم! جہنم کی آگ میں، وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی جہنم میں جلتا رہے گا۔'' [1]

رفاعہ بن سموئل کی جان بخشی

ام منذر سلمیٰ بنت قیس رضی اللہ عنہا سیدنا سُلَیط بن قیس رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ بھی تھیں، قبلتین کی طرف نماز بھی پڑھ چکی تھیں اور دیگر خواتین کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت بھی کر چکی تھیں۔ سلمیٰ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی رفاعہ بن سموئل قرظی کی سفارش کی۔ رفاعہ بالغ آدمی تھا جس نے ان سے پناہ طلب کی تھی۔ کیونکہ رفاعہ کے ام منذر کے گھرانے کے ساتھ پرانے تعلقات تھے۔ اس نے ام منذر سے التجا کی کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے میری جان بخشی کی درخواست کریں۔ میں آپ کا یہ احسان تا قیامت فراموش نہیں کروں گا۔ سیدہ سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! رفاعہ کو رہا کر دیجیے۔ اس کا خیال ہے کہ وہ نماز بھی پڑھے گا اور اونٹ کا گوشت بھی کھائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور ان کی درخواست قبول فرمائی اور اسے

[1] السيرة لابن هشام: 254,253/3، البداية والنهاية: 127/4.



مدرسہ سلمیٰ بنت قیس، العوابی (عُمان)

ان کے لیے ہبہ کر دیا۔ پھر فرمایا: ''اگر نماز پڑھنے لگے گا تو یہ اس کے لیے بہت بہتر ہوگا۔ اور اگر اپنے دین پر قائم رہا تو یہ اس کے لیے بہت برا ہوگا۔''[1]

مقتولینِ بنو قریظہ کی تعداد

بنو قریظہ کے مقتولین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان کی تعداد چار سو تھی۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق کے نزدیک ان کی تعداد چھ سو تھی۔ ابن عائذ نے قتادہ کی ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ ان کی تعداد سات سو تھی۔ سہیلی نے لکھا ہے: سب سے زیادہ ان کی تعداد بتانے والے کہتے ہیں کہ وہ آٹھ سو سے نو سو کے درمیان تھے اور ترمذی، نسائی اور ابن حبان کے نزدیک جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے مروی حدیث کے مطابق ان کی تعداد چار سو تھی۔ ان تمام اقوال کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے جنگجو جانبازوں کی تعداد چار سو تھی اور باقی قتل ہونے والے غیر جنگجو مرد تھے۔ ابن اسحاق کے ایک قول کے مطابق ان کے تمام مقتولین کی تعداد نو سو تھی۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا ریحانہ بنت زید کو منتخب کرنا

ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ رضی اللہ عنہا بہت حسین و جمیل عورت تھیں۔ ان کا تعلق بنو نضیر سے تھا اور بنو عمرو بن قریظہ کے حَکَم نامی شخص سے بیاہی گئی تھیں۔ جب قیدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو آپ ﷺ نے ریحانہ بنت زید کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔ آپ ﷺ نے انھیں شادی کی پیش کش کی لیکن انھوں نے غلامی کو ترجیح دی اور کہا: اللہ کے رسول! مجھے اپنی لونڈی رہنے دیجیے، یہ میرے لیے اور آپ کے لیے آسان بات ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت پیش کی لیکن انھوں نے اسلام قبول نہ کیا اور کہا: میں اپنی قوم کے مذہب یہودیت ہی پر ہوں۔ آپ ﷺ پر ان کا انکار بہت ناگوار گزرا۔ آپ ﷺ نے ان سے علیحدگی فرمالی اور انھیں ثعلبہ بن سعیہ رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیا، انھوں نے انھیں سمجھایا کہ اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دو۔ آپ نے دیکھ ہی لیا کہ حیی بن اخطب نے انھیں کیسی مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ آپ اسلام قبول کر لیں۔ اللہ کے رسول ﷺ آپ کو اپنے لیے منتخب فرمالیں گے۔

نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک چلنے کی آواز سنائی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هَاتَيْنِ لَنَعْلَا ابْنِ سَعْيَةَ يُبَشِّرُنِي بِإِسْلَامِ رَيْحَانَةَ»

[1] السيرة لابن هشام :255/3، المغازي للواقدي :17/2. [2] مسند أحمد :350/3. [3] فتح الباري :517/7.

''یقیناً یہ ابن سعیہ کے قدموں کی چاپ ہے، وہ مجھے ریحانہ کے اسلام کی بشارت دینے آرہے ہیں۔''
وہ آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور آپ کو خوشخبری دی: اللہ کے رسول! ریحانہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔
آپ ﷺ کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔ [1]
ایوب بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ریحانہ رضی اللہ عنہا کو ام منذر سلمٰی بنت قیس رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔ وہ ان کے پاس رہیں حتی کہ جب وہ اپنے ایامِ مخصوصہ سے فارغ ہوئیں تو ام منذر رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ کو اطلاع کی۔ آپ ﷺ ام منذر کے گھر ریحانہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:
«إِنْ أَحْبَبْتِ أُعْتِقُكِ وَ أَتَزَوَّجُكِ فَعَلْتُ، وَإِنْ أَحْبَبْتِ أَنْ تَكُونِي مِلْكِي أَطَؤُكِ بِالْمِلْكِ فَعَلْتُ»
''اگر تم چاہو تو میں تمھیں آزاد کر کے تمھارے ساتھ شادی کرلوں تو میں اس کے لیے تیار ہوں اور اگر چاہو کہ تم میری لونڈی بن کر رہو اور میں تمھارے ساتھ بحیثیت لونڈی تعلق قائم کروں، تب بھی ٹھیک ہے۔''
سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کے رسول! میرے اور آپ کے لیے اسی بات میں آسانی ہے کہ میں آپ کی لونڈی ہی رہوں، چنانچہ وہ تادمِ زیست آپ کی لونڈی ہی رہیں۔ [2]
ابن سعد نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ریحانہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا۔ ریحانہ کا خاوند اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ ریحانہ بھی اس سے شدید محبت رکھتی تھیں۔ انھوں نے کہا: میں اس کے بعد کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ ریحانہ بنت زید خود بیان کرتی ہیں کہ جب بنوقریظہ کے لوگ قید میں آگئے تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے لیے منتخب کرلیا اور مجھے ام منذر سلمٰی بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر بھیج دیا۔ جب مردوں کو قتل کر دیا گیا تو آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، مجھے بہت شرم محسوس ہو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا:
«إِنِ اخْتَرْتِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ اخْتَارَكِ رَسُولُ اللّٰهِ لِنَفْسِهِ»
''اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو منتخب کرو تو اللہ کے رسول تمھیں اپنے لیے چن لیں گے۔''
تو میں نے کہا:
«إِنِّي أَخْتَارُ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ»
''میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند کرلیا ہے۔''

[1] السيرة لابن هشام :256/3، المغازي للواقدي :22,21/2. [2] المغازي للواقدي :22/2.

جب میں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تو آپ ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ سے شادی کر لی اور مجھے بارہ اوقیہ اور ایک نش چاندی (500 درہم) حق مہر میں دی جیسا کہ آپ اپنی بیویوں کو دیتے تھے۔ میرے لیے باری بھی مقرر کی اور پردے کا حکم بھی دیا۔

پھر سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس رہیں حتی کہ جب 10 ھ میں آپ ﷺ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو انھوں نے وفات پائی۔ آپ ﷺ نے انھیں بقیع میں دفن فرمایا۔ ان کی شادی محرم 6 ھ میں ہوئی تھی۔ [1]

بہت سے مؤرخین نے یہی لکھا ہے کہ ریحانہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس بحیثیت لونڈی ہی رہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے۔ [2] لیکن ابن ابی ذئب کا قول ہے کہ میں نے زہری سے ریحانہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ وہ ابتدا میں رسول اللہ ﷺ کی لونڈی تھیں، پھر آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی تھی۔ یہی قول راجح ہے۔ [3]

مالِ غنیمت

رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کا مالِ غنیمت سمیٹنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سارا مالِ غنیمت اکٹھا کر لیا۔ بنو قریظہ سے جو مالِ غنیمت ملا، اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: پندرہ سو تلواریں، دو ہزار نیزے، تین سو زرہیں، چھوٹی بڑی پندرہ سو ڈھالیں، اس کے علاوہ بڑی تعداد میں بکریاں، اونٹ، گھریلو ساز و سامان اور بہت سے برتن۔ مسلمانوں نے کئی مٹکے شراب بھی پائی۔ شراب ساری کی ساری بہادی گئی، اس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا تھا۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے اپنے ہاتھوں سے شراب کے مٹکے توڑے تھے۔ [4]

مالِ غنیمت کی تقسیم

مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے گئے۔ پانچواں حصہ (خمس) نکال لیا گیا اور باقی چار حصے مالِ غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ تقسیم کا طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا کہ شہسوار کو تین حصے دیے گئے۔ دو حصے گھوڑے کے اور ایک حصہ اس مجاہد کا اپنا تھا۔ اس لڑائی میں چھتیس گھوڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس تین گھوڑے تھے لیکن آپ ﷺ نے صرف ایک گھوڑے کا حصہ وصول کیا۔ پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ مقرر کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سوید بن خلاد رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی نکالا جنھیں یہودی عورت نباتہ نے چکی کا پاٹ گرا کر شہید

[1] الطبقات لابن سعد: 130,129/8، أسدالغابة: 291,290/5. [2] البداية والنهاية: 128/4. [3] الطبقات لابن سعد: 131,130/8. [4] المغازي للواقدي: 22/2، السيرة النبوية للصلابي: 300,299/2.

کر دیا تھا۔ ان کا حصہ ان کے وارثوں کو دیا گیا۔ اسی طرح محاصرے کے دوران فوت ہونے والے صحابی ابوسنان وہب بن محصن رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی نکالا گیا تھا۔

اس جنگ میں شریک صحابیات سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب، ام عمارہ، ام سلیط، ام العلاء، سمیرا بنت قیس اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ کبشہ بنت رافع کے لیے آپ ﷺ نے حصہ تو مقرر نہ کیا، البتہ انھیں مالِ غنیمت سے نوازا تھا۔

غیر منقولہ اموال، مثلاً اراضی اور گھر، رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کو دیے اور انصار کو اس میں سے کچھ نہ دیا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین کو انصار کی جائیدادیں واپس کرنے کا حکم دے دیا جو انھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو عطا کی ہوئی تھیں۔[1]

قیدیوں کی فروخت


مسجد عبدالرحمٰن بن عوف، کوالالمپور (ملائیشیا)

رسول اللہ ﷺ نے نوجوان قیدی عورتوں کو الگ کر دیا اور سن رسیدہ کو الگ کر دیا۔ قیدی عورتوں کی ایک بڑی تعداد سیدنا عثمان اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے خریدی۔ ان قیدی عورتوں کو جب الگ الگ کر دیا، نوجوان ایک طرف اور سن رسیدہ ایک طرف، تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پسند کا اختیار دے دیا، چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بوڑھی عورتوں کو ترجیح دی۔ بوڑھی قیدیوں کے پاس کافی مال تھا جبکہ نوجوان اس سے محروم تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان قیدیوں سے بہت سا مال حاصل کیا۔

قیدی عورتوں کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام بھیجا اور ایک گروہ سعد بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نجد بھیجا جنھیں فروخت کر کے گھوڑے اور اسلحہ خریدا گیا۔[2]

ماں اور بچے میں تفریق کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے ماں اور اس کی اولاد میں دورانِ تقسیم یا فروخت جدائی سے منع کر دیا اور فرمایا:

1. إمتاع الأسماع: 253,252/1، السيرة لابن هشام: 256/3، اليهود في السنة المطهرة لعبدالله الشقاري: 375/1.
2. إمتاع الأسماع: 253/1، السيرة لابن هشام: 256/3.

«لَا يُفَرَّقُ بَيْنَ الْأُمِّ وَ وَلَدِهَا حَتّٰى يَبْلُغُوا»

''ماں اور اس کی اولاد میں جدائی نہ ڈالی جائے حتی کہ وہ بالغ ہو جائیں۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! ان کی بلوغت کی کیا نشانی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَحِيضُ الْجَارِيَةُ وَيَحْتَلِمُ الْغُلَامُ»

''لڑکی کو حیض آنا شروع ہو جائے اور لڑکے کو احتلام ہونے لگے۔''[1]

بنوقریظہ پر قرآن کا تبصرہ

بنوقریظہ کے غدار اور عہد شکن یہود کا عبرتناک انجام قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

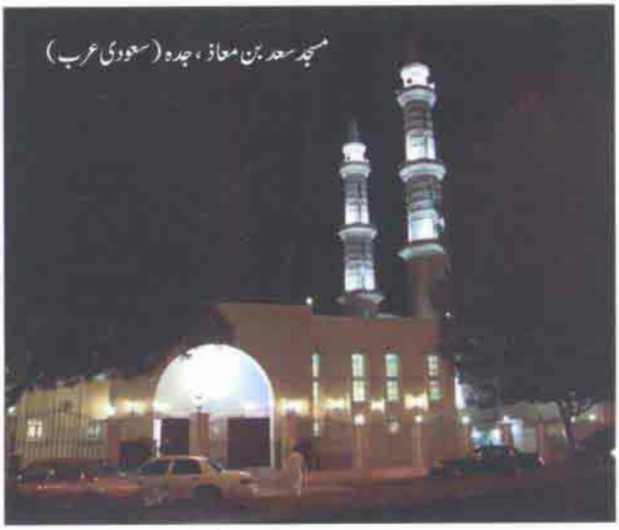
﴿وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝﴾

''اور اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں (بنوقریظہ) نے کافروں کی مدد کی تھی، انھیں اللہ نے ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے تھے اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے تھے۔ اور اللہ نے تمھیں ان کی زمینوں، ان کے گھروں، ان کے اموال اور اس زمین کا وارث بنا دیا جسے تمھارے قدموں نے روندا نہیں تھا اور اللہ ہر شے پر خوب قادر ہے۔''[2]

[1] المغازي للواقدي: 24/2، إمتاع الأسماع: 254/1. [2] الأحزاب 33:26، 27.

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابوعمر سعد بن معاذ بن نعمان بن امرؤ القیس بن زید بن عبدالاشہل انصاری اوسی اشہلی رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی اور عظیم سردار تھے۔ انھوں نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے اپنی قوم بنوعبدالاشہل کو اکٹھا کر کے کہا: اے بنوعبدالاشہل! میرا تمھارے ساتھ کیسا سلوک ہے؟ اور تمھاری نظروں میں میرا کیا مقام ہے؟ انھوں نے یک زبان ہو کر کہا: آپ ہم میں سے بڑے صاحب فضل اور بہت بابرکت سردار ہیں۔ پھر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھارے مردوں اور عورتوں سے کلام کرنا مجھ پر حرام ہے یہاں تک کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔



مسجد سعد بن معاذ، جدہ (سعودی عرب)

پھر بنوعبدالاشہل کے تمام مرد و عورت اسلام لے آئے۔[1]

یہ مردِ آہن غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور معرکۂ خندق میں ان کے بازو کی رگِ اکحل پر تیر لگا اور زخمی ہو گئے تو انھوں نے دعا کی تھی:

اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ أَبْقَيْتَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْئًا فَأَبْقِنِي لَهَا، فَإِنَّهُ لَا قَوْمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أُجَاهِدَهُمْ مِّنْ قَوْمٍ آذَوْا رَسُولَكَ وَكَذَّبُوهُ وَ أَخْرَجُوهُ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ فَاجْعَلْهُ شَهَادَةً لِّي، وَلَا تُمِتْنِي حَتّٰى تُقِرَّ عَيْنِي مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ.

”اے اللہ! اگر تو نے قریش کی جنگ میں سے کچھ حصہ باقی رکھا ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھ کیونکہ اس قوم سے جنگ کرنا مجھے بہت پسند ہے جس نے تیرے رسول کو اذیت پہنچائی، انھیں جھٹلایا اور انھیں اپنے

[1] سير أعلام النبلاء: 280,279/1.

وطن سے نکالا۔ اے اللہ! اگر ان کے ساتھ جنگ ختم ہوگئی ہے تو اس زخم کو میرے لیے شہادت کا سبب بنادے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک تو میری آنکھیں بنوقریظہ سے ٹھنڈی نہ کردے۔'' [1]

سعد رضی اللہ عنہ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندے کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ زخم سے خون بہنا بند ہوگیا۔ پھر بنوقریظہ کا محاصرہ ہوا۔ خوف و یاس کے عالم میں وہ قلعے سے اترے اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے کیفرِ کردار کو پہنچے تو اس بندۂ صالح نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! فَإِنِّي أَظُنُّ أَنَّكَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ، فَإِنْ كُنْتَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَافْجُرْهَا وَاجْعَلْ مَوْتَتِي فِيهَا.

''اے اللہ! میرا خیال ہے کہ تو نے ہمارے اور قریش کے درمیان جنگ ختم کردی ہے، اگر واقعی تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ختم کردی ہے تو میرا زخم جاری کردے اور اس کے باعث مجھے موت آجائے۔''

اس دعا کے بعد سینے پر ان کا زخم پھر سے تازہ ہوگیا۔

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم پھیلتے پھیلتے سینے تک چلا گیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ لیٹے ہوئے تھے کہ اس دوران میں ایک بکری اپنا پاؤں ان کے زخم پر رکھ کر ان کے اوپر سے گزر گئی۔ جس سے خون جاری ہوگیا۔ [2]

اس حدیث کو بیان کرنے والی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسجد میں قبیلہ بنوغفار کا بھی خیمہ تھا۔ خون ان کی طرف بہ کر آیا تو وہ گھبرا گئے اور کہنے لگے: اے خیمے والو! تمھاری طرف سے یہ خون کیسا ہماری طرف بہ کر آ رہا ہے۔ دیکھا تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہ رہا تھا اور ان کی وفات اسی وجہ سے ہوئی۔ [3]

ہم سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں دیکھتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم بھی ڈال دیں تو اللہ تعالیٰ اسے سچ کردکھاتے تھے۔ وہ آسمانوں اور زمین میں قابلِ احترام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ بنوقریظہ کا تمام معاملہ ان کے ہاتھ میں آئے اور وہ خود ان کو حَکَم (جج) بنانے کا مطالبہ کریں۔

اختتامِ جہاد اور اپنی قوم کی ذمے داری سے سبکدوش ہونے کے بعد انھیں زندگی کی چاہت نہ رہی۔ جنگ ختم ہوگئی۔ معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا اور بنوقریظہ کے متعلق فیصلے سے ان کے دل کو سکون ملا۔ اسلام کے لیے اچھے نتائج سامنے

[1] مسند أحمد: 141/6، السيرة لابن هشام: 238/3، البداية والنهاية: 108/4. [2] فتح الباري: 518/7. [3] صحيح البخاري: 4122، صحيح مسلم: (67)-1769.

آنے لگے تو انھوں نے یقین کرلیا کہ ان کی زندگی کا مقصد پورا ہوگیا ہے۔ اب ان کے لیے ''شہادت'' سے بڑا ثمر اور کوئی نہ تھا، لہٰذا دعا فرمائی: اے اللہ! میرا زخم جاری فرما اور اسی کے سبب مجھے موت نصیب فرما۔ ان کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا۔[1]

فرشتے کہیں سبقت نہ لے جائیں

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم پھر پھوٹ پڑا تو ان کے قبیلے نے انھیں ان کے گھر منتقل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ہمراہ ان کے گھر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی تیزی سے چل رہے تھے کہ اوپر کی چادریں گر رہی تھیں اور جوتوں کے تسمے ٹوٹ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (تیز رفتاری کی) شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي أَخَافُ أَنْ تَسْبِقَنَا الْمَلَائِكَةُ فَتَغْسِلَهُ كَمَا غَسَلَتْ حَنْظَلَةَ»

''بلاشبہ مجھے ڈر ہے کہ حنظلہ کی طرح اسے بھی ہم سے پہلے فرشتے آ کر غسل دے دیں گے۔''

ام سعد کے علاوہ ہر رونے والی جھوٹ کہتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سعد رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے تو انھیں غسل دیا جا رہا تھا اور ان کی والدہ رو رہی تھیں اور کہتی جا رہی تھیں:

وَيْلُ أُمِّ سَعْدٍ سَعْدَا حَزَامَةً وَّ جِدًّا

''سعد کی ماں کو سعد کی وفات کا افسوس ہے، وہ دور اندیشی، مستقل مزاجی اور سنجیدگی کا مجسمہ تھا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ نَائِحَةٍ تَكْذِبُ إِلَّا أُمَّ سَعْدٍ»

''ام سعد کے علاوہ ہر رونے والی جھوٹ کہتی ہے۔''

فرشتوں نے بھی جنازے کو کندھا دیا

میت کو جب قبرستان کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو کچھ صحابہ نے کہا: اللہ کے رسول! اس سے ہلکا پھلکا جنازہ ہم نے کبھی نہیں اُٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَخِفَّ، وَقَدْ هَبَطَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ كَذَا وَكَذَا لَمْ يَهْبِطُوا قَطُّ قَبْلَ يَوْمِهِمْ قَدْ

[1] التربية القيادية للدكتور غضبان: 71/4.

حَمَلُوهُ مَعَكُمْ»

''جنازہ کیوں نہ ہلکا ہوتا، آسمان سے آج اتنے اتنے فرشتے اترے ہیں کہ آج سے پہلے نہیں اترے تھے، انھوں نے بھی میت کو تمھارے ساتھ اٹھایا ہوا تھا۔''[1]

فرشتوں کی تعداد

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ان فرشتوں کی تعداد بتائی گئی ہے جو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«هٰذَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الَّذِي تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَهُ سَبْعُونَ أَلْفًا مِّنَ الْمَلَائِكَةِ لَمْ يَنْزِلُوا إِلَى الْأَرْضِ قَبْلَ ذٰلِكَ، لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً، ثُمَّ أُفْرِجَ عَنْهُ»

''یہ نیک بندہ ہے جس کے لیے عرش نے بھی حرکت کی اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے۔ اس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے۔ وہ فرشتے اس سے قبل کبھی زمین پر نہیں اترے تھے۔ (اس کے باوجود اس پر قبر) ایک مرتبہ تنگ ہوئی، پھر کشادہ کر دی گئی۔''[2]

ابن جوال کی ہرزہ سرائی اور سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کا جواب

ہشام بن عروہ نے بیان کیا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا خون مسلسل بہ رہا تھا حتی کہ خلعت شہادت اوڑھ لی۔ اس وقت ایک یہودی شاعر (جبل بن جوال) نے کچھ اشعار کہے جن میں اس نے سیدنا سعد اور ان کے قبیلے کی مذمت کی:

أَلَا يَا سَعْدُ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ ... فَمَا فَعَلَتْ قُرَيْظَةُ وَالنَّضِيرُ

لَعَمْرُكَ إِنَّ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ ... غَدَاةَ تَحَمَّلُوا لَهُوَ الصَّبُورُ

تَرَكْتُمْ قِدْرَكُمْ لَا شَيْءَ فِيهَا ... وَقِدْرُ الْقَوْمِ حَامِيَةٌ تَفُورُ

وَقَدْ قَالَ الْكَرِيمُ أَبُوحُبَابٍ ... أَقِيمُوا قَيْنُقَاعُ وَلَا تَسِيرُوا

وَقَدْ كَانُوا بِبَلْدَتِهِمْ ثِقَالًا ... كَمَا ثَقُلَتْ بِمِيطَانَ الصُّخُورُ

[1] المعجم الكبير للطبراني : 9/6، السيرة لابن هشام : 264/3، السلسلة الصحيحة : 222/3. [2] المعجم الكبير للطبراني : 10/6، سير أعلام النبلاء : 295/1.

اے سعد! بنو معاذ کے (گھرانے کے) سعد! بنو قریظہ اور بنو نضیر نے کیا کیا؟''

''تمھاری زندگی کی قسم! بنو معاذ کا سعد، جس صبح ان لوگوں (بنو قریظہ) نے سزا برداشت کی، خوب صبر کرنے والا تھا۔''

''تم (اوس کے) لوگوں نے اپنی ہانڈیاں اس طرح چھوڑیں کہ ان میں کچھ باقی نہ بچا تھا جبکہ قوم (بنو خزرج) کی ہانڈیاں گرم تھیں، ابل رہی تھیں (انھوں نے اپنے حلیف قبیلے بنو نضیر کا ساتھ دیا تھا)۔''

''ایک کریم انسان ابو حباب (رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی) نے کہا تھا: بنو قینقاع! مقیم رہو، مت جاؤ۔''

''اپنے شہر میں وہ بڑے باوقعت تھے جس طرح جبل میطان کی چٹانیں بہت وزن رکھتی ہیں۔''[1]



مسجد حسان بن ثابت، البویرہ (الجزائر)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اُهْجُهُمْ ـ أَوْهَاجِهِمْ ـ وَجِبْرِيلُ مَعَكَ»

''ان کی ہجو کرو۔ جبریل تمھاری مدد کرے گا۔''[2]

پھر سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے ایک قصیدہ پڑھا جس کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں:

تَفَاقَدَ مَعْشَرٌ نَصَرُوا قُرَيْشًا ... وَلَيْسَ لَهُمْ بِبَلْدَتِهِمْ نَصِيرُ

وَهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ فَضَيَّعُوهُ ... فَهُمْ عُمْيٌ عَنِ التَّوْرَاةِ بُورُ

''اس جماعت نے اپنے افراد کو کھو دیا جنھوں نے کفارِ قریش کی مدد کی اور ان کے علاقے میں ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔''

''انھیں کتاب دی گئی لیکن انھوں نے اسے ضائع کر دیا اور وہ تورات سے اندھا پن اختیار کر کے ہلاک ہو گئے۔''[3]

---

[1] صحيح مسلم :(68)-1769، فتح الباري :7/519,518. [2] صحيح البخاري :4123,4122، صحيح مسلم :2486.
[3] فتح الباري :7/519.

عرش بھی جھوم اٹھا

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اتنے جلیل القدر صحابی تھے کہ وہ آسمانوں میں بھی قابلِ احترام تھے۔ ان کی وفات پر عرش بھی حرکت میں آ گیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ»

''سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت پر رحمٰن کا عرش جھوم اٹھا۔''[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سعد رضی اللہ عنہ کو خراجِ تحسین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو بڑے زبردست انداز میں الوداع کیا۔ سیدنا عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو ان پر حالت نزع طاری تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

«جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْ سَيِّدِ قَوْمٍ، فَقَدْ أَنْجَزْتَ مَا وَعَدْتَهُ وَلَيُنْجِزُكَ اللّٰهُ مَا وَعَدَكَ»

''اے سردارِ قوم! اللہ تعالیٰ تجھے بہترین جزا دے۔ یقیناً تو نے اپنا وعدہ نبھایا اور اللہ تعالیٰ بھی ضرور اپنا وعدہ تجھ سے نبھائے گا۔''[2]

سعد رضی اللہ عنہ کے جنتی رومال

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی کپڑے کا جوڑا ہدیہ ملا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے چھوتے اور اس کی ملائمت پر تعجب کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَتَعْجَبُونَ مِنْ لِّينِ هٰذِهِ؟ لَمَنَادِيلُ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنْهَا وَأَلْيَنُ»

''کیا تم اس کی ملائمت پر تعجب کرتے ہو؟ جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے کہیں بہتر اور ملائم ہیں۔''[3]

سعد رضی اللہ عنہ اپنی آخری آرام گاہ میں

سعد رضی اللہ عنہ کو اپنی تمام خوبیوں، نیکیوں اور دینِ الٰہی کے لیے گراں قدر خدمات کے باوجود قبر کے دباؤ سے واسطہ

[1] صحيح البخاري: 3803، صحيح مسلم: (124)-2466. [2] المصنف لابن أبي شيبة: 322/5 و 145، سير أعلام النبلاء: 288/1. [3] صحيح البخاري: 3802، صحيح مسلم: 2468.

پڑا۔ چار آدمی انھیں قبر میں اتارنے کے لیے قبر میں اترے۔ حارث بن اوس، اسید بن حضیر، ابونائلہ سلکان اور سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہم، جبکہ رسول اللہ ﷺ (وہیں) کھڑے تھے۔ جب انھیں قبر میں دفنا دیا گیا تو آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ آپ ﷺ نے تین بار سبحان اللہ کہا۔ تمام مسلمانوں نے بھی سبحان اللہ کہا حتی کہ قبرستان بقیع گونج اٹھا، پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا، تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ آپ ﷺ سے اس اچانک تسبیح و تکبیر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَضَايَقَ عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَبْرُهُ وَضُمَّ ضَمَّةً لَوْ نَجَا مِنْهَا أَحَدٌ لَنَجَا سَعْدٌ مِنْهَا، ثُمَّ فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ»

''قبر تمھارے ساتھی پر تنگ ہوگئی تھی اور اسے بڑی سختی سے بھینچا گیا۔ اگر کوئی شخص قبر کے اس دبانے سے بچ سکتا تو یہ ضرور بچ جاتے، البتہ پھر اللہ تعالیٰ نے قبر کو کشادہ فرما دیا ہے۔''[1]

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عین جوانی میں شہید ہوگئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر صرف سینتیس سال تھی۔ انھوں نے اپنی قوم کی قیادت صرف تیس برس کی عمر میں سنبھالی تھی۔ تیس برس سے قبل بھی ان کی قائدانہ صلاحیتیں قابلِ دید تھیں، حالانکہ عموماً انسان کی خوابیدہ طاقتیں اور صلاحیتیں چالیس برس کے بعد بیدار ہوتی ہیں جو جوانی اور توانائی کی آخری عمر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسٰنَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ڱ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾ (الأحقاف 15:46)

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور تکلیف سے جنم دیا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ کی مدت ہے حتی کہ جب وہ اپنی قوت و طاقت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوگیا تو اس نے دعا کی: اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جو تو پسند کرے اور تو میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر، بلاشبہ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور بلاشبہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''[2]

[1] الطبقات لابن سعد :432/3، السنن الکبرٰی للنسائي : 101/4، مسند أحمد :377/3. [2] السیرۃ النبویۃ للصلابي : 294،293/2.

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا سفید رنگ، دراز قد، حسین و جمیل اور پُر وقار چہرہ، موٹی موٹی آنکھیں اور خوبصورت ڈاڑھی تھی۔[1] سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر کھودنے میں میں بھی شامل تھا۔ ان کی قبر سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔ ہم جیسے جیسے قبر گہری کرتے جاتے خوشبو تیز ہوتی گئی حتی کہ ہم لحد تک پہنچ گئے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ایک دراز قد بھاری جسم والے تھے۔ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو وہ بہت ہلکا تھا۔ منافقین بے ہودہ سرائی کرتے ہوئے کہا: ''بنو قریظہ کے خلاف فیصلے کی وجہ سے ان کا جنازہ ہلکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَذَبُوا وَلٰكِنَّهُ خَفَّ لِحَمْلِ الْمَلَائِكَةِ»

''منافقین جھوٹ بولتے ہیں۔ سعد کا جنازہ اس لیے ہلکا ہے کیونکہ فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔''[2]

[1] سیر أعلام النبلاء :296/1. [2] المغازي للواقدي :28/2.

وفد بلال بن حارث کی آمد

رجب 5 ھ میں قبیلہ مزینہ کا سردار بلال بن حارث مزنی اپنے قبیلے کے چودہ ممتاز افراد کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے اسلام کی نبیادی تعلیمات حاصل کیں، پھر آپ ﷺ نے انھیں فرمایا:

«أَنْتُمْ مُهَاجِرُونَ أَيْنَمَا كُنْتُمْ»

''تم جہاں بھی رہو گے، تمھارا شمار مہاجرین میں ہوگا۔''

بیرونِ مکہ سے دعوتِ اسلام پر لبیک کہنے والا یہ پہلا وفد تھا جسے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا، چنانچہ اُس وفد کے لوگ دین حق کی بنیادی آگہی حاصل کر کے اپنے وطن لوٹ گئے۔[1]

مدینہ میں زلزلہ

آزمائشیں، مشکلات اور مصائب انسان کو اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ بھٹکے ہوئے راہی کو جب ٹھوکر لگتی ہے تو وہ سیدھی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی نشانیاں دکھا کر اپنے قریب کرتا ہے۔ چنانچہ 5 ھ میں مدینہ میں زبردست زلزلہ آیا جیسا کہ شہر بن حوشب سے مرسل روایت ہے کہ عہدِ نبوت میں 5 ھ میں مدینہ میں زلزلہ آیا تو نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ رَبَّكُمْ يَسْتَعْتِبُكُمْ فَأَعْتِبُوهُ»

''بلاشبہ تمھارا پروردگار چاہتا ہے کہ تم توبہ کر کے اس کو راضی کرلو، چنانچہ تم اپنے رب کو راضی کرو۔''[2]

گھڑ دوڑ

اہلِ عرب گھوڑوں سے بہت محبت کرتے تھے بلکہ یہ ان کی محبوب ترین سواری تھی۔ عربی گھوڑا شکل وصورت اور

[1] كتاب الثقات لابن حبان (السيرة): 261/1، تاريخ الخميس: 470/1. [2] المصنف لابن أبي شيبة: 472/2، حديث: 8420، فتح الباري لابن رجب: 324/6.

دیگر خصوصیات کے اعتبار سے بھی امتیازی شان رکھتا تھا۔ گھوڑے کی بعض اقسام کو اہلِ عرب بہت پسند کرتے تھے۔ ان کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ الْخَيْلِ الْأَدْهَمُ، الْأَقْرَحُ، الْمُحَجَّلُ، الْأَرْثَمُ، طَلْقُ الْيَدِ الْيُمْنٰى، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ أَدْهَمَ، فَكُمَيْتٌ عَلٰى هٰذِهِ الشِّيَةِ»

''بہترین گھوڑا وہ ہے جو سیاہ ہو، اس کی پیشانی پر تھوڑا سا سفید نشان ہو، چاروں پاؤں میں سفیدی ہو، ناک اور اوپر والا ہونٹ سفید ہو، اگلا دایاں پاؤں سفید نہ ہو۔ اگر سیاہ رنگ نہ ہو تو انھیں صفات کا حامل کُمیت (سیاہی مائل سرخ رنگ کا) گھوڑا عمدہ ہے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُمْنُ الْخَيْلِ فِي شُقْرِهَا»

''گھوڑوں میں برکت ان کے سرخ رنگ والوں میں ہے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے شِکال گھوڑے کو ناپسند فرمایا ہے، یعنی وہ رنگ دار گھوڑا جس کی اگلی دائیں اور پچھلی بائیں ٹانگ یا اگلی بائیں اور پچھلی دائیں ٹانگ سفید ہو۔ [3]

مذکورہ روایات سے اہلِ عرب کی گھوڑوں سے شدید محبت عیاں ہو جاتی ہے۔ وہ گھوڑوں کی سواری اور گھڑ دوڑ کے مقابلے کے بہت شوقین تھے اور اس مقصد کے لیے باقاعدہ گھوڑے تیار کرتے تھے۔ گھوڑے کو سخت جان اور پھرتیلا بنانے کے لیے اس کی تَضمیر کرتے تھے جس کا طریقہ یہ ہوتا کہ گھوڑے کو پہلے خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کیا جاتا، جب وہ خوب صحت مند ہو جاتا تو اس پر جُل (موٹا گرم کپڑا) ڈال کر تدریجاً اس کی خوراک میں کمی کر دی جاتی اور اس کی دوڑ بھی شروع کرا دی جاتی اور دن بدن اس کی دوڑ کا فاصلہ بڑھایا جاتا۔ اس طرح وہ خوب پھرتیلا ہو جاتا تھا۔ جتنے وقت میں عام گھوڑا ایک میل مسافت طے کرتا ہے، تربیت یافتہ گھوڑا پانچ، چھ میل مسافت طے کر لیتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا ہی کرتے تھے، اسلام نے بھی یہ روایت برقرار رکھی۔ جنگی مشقوں کے لیے گھڑ دوڑ مشروع ہے، البتہ شرط لگا کر دوڑانا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی گھڑ دوڑ کا شوق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے 5 ھ میں گھڑ دوڑ کا مقابلہ کرایا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان گھوڑوں کی دوڑ کرائی جنھیں تیار (تضمیر) نہیں کیا گیا تھا اور مقابلے کی حد ثنیۃ الوداع سے مسجدِ بنو زُریق تک رکھی تھی۔ عبداللہ بن

[1] سنن ابن ماجه: 2789. [2] سنن أبي داود: 2545. [3] صحيح مسلم: 1875.

عمر رضی اللہ عنہما بھی ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے گھڑ دوڑ میں حصہ لیا۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان گھوڑوں کی دوڑ کرائی جنھیں تضمیر کیا گیا تھا۔ یہ دوڑ مقام الحفیاء سے شروع کرائی اس کی حد ثنیۃ الوداع تک تھی۔ (راویٔ حدیث) ابواسحاق نے (اپنے استاد) موسیٰ بن عقبہ سے پوچھا کہ اس کا فاصلہ کتنا تھا تو انھوں نے بتایا کہ چھ یا سات میل، پھر آپ ﷺ نے ان گھوڑوں کی بھی دوڑ کرائی جو تضمیر شدہ نہیں تھے۔ ایسے گھوڑوں کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے شروع ہوئی اور اس کی حد مسجد بنوزُریق تھی۔ راوی نے پوچھا: اس میں کتنا فاصلہ تھا تو بتایا: تقریباً ایک میل۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی دوڑ میں شرکت کرنے والوں میں شامل تھے۔ [2]

گھڑ دوڑ کے علاوہ اونٹ دوڑ کا مقابلہ بھی ہوتا تھا۔ نبیِ کریم ﷺ کی عضباء نامی ایک اونٹنی تھی۔ دوڑ میں اس سے آگے کوئی اونٹنی نہیں بڑھ سکتی تھی۔ ایک دفعہ ایک دیہی نوجوان اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس اونٹنی سے آگے نکل گیا۔ مسلمانوں پر یہ بات بڑی گراں گزری حتی کہ آپ ﷺ نے ان کی ناگواری محسوس کی تو فرمایا:

«حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ»

''اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز بھی بلند ہو، اسے پست کردے۔'' [3]

چاند گرہن اور نمازِ کسوف

چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ انھیں گرہن لگا کر ان کی روشنی روک دیتا ہے جس کا مقصد غفلت میں پڑے لوگوں کو بیدار کرنا اور لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرنا ہوتا ہے کہ جو ہستی اتنے

[1] صحيح البخاري: 2869. [2] صحيح البخاري: 2870. [3] صحيح البخاري: 2872.


چاند گرہن کا ایک منظر

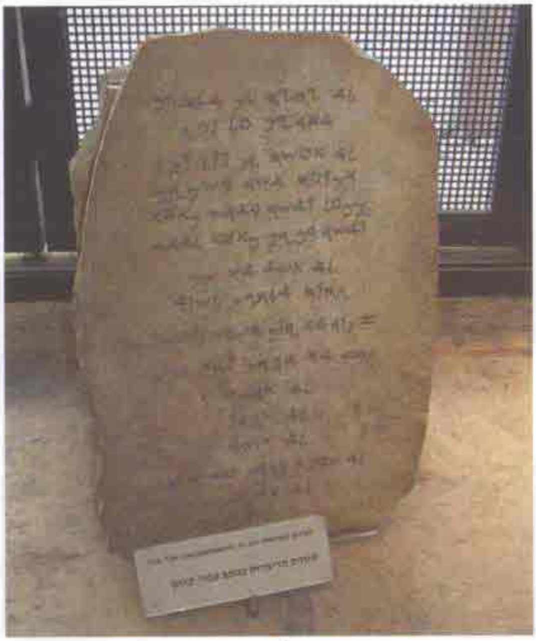
بڑے سیاروں کو بے نور کر سکتی ہے، وہ خوشحالی کو تنگ دستی اور عافیت کو عذاب میں بدلنے پر بھی قادر ہے۔ اس میں صاحبِ دانش لوگوں کے لیے یہ یاد دہانی ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور ایسے کاموں سے باز آجائیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا حق دار ٹھہراتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جمادی ثانیہ 5 ھ میں چاند کو گرہن لگ گیا تو یہود اپنے باطل عقیدے کے مطابق تانبے کے برتن کاٹنے لگے، چاند کی طرف آتشیں تیر پھینکنے لگے اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے چاند پر جادو کر دیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح تیر پھینکنے اور برتن کاٹنے سے گرہن ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے آسمانی ہدایت کے مطابق نمازِ کسوف کا اعلان کیا اور آپ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی حتی کہ گرہن ختم ہو گیا۔ [1]

[1] كتاب الثقات لابن حبان (السيرة): 261/1، تأسيس الأحكام بشرح عمدة الأحكام للنجمي: 53/3.

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہود کی زبان سیکھنے کا حکم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کی تخلیق فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی، وہ پڑھنے کا حکم تھا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے علم وتعلم کو کتنی اہمیت دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کے فروغ کے لیے دن رات کوشاں رہتے تھے یہاں تک کہ قرآن مجید نے ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ''کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے، برابر ہو سکتے ہیں؟'' کہہ کر اس عمل کو چار چاند لگا دیے۔

مدینہ منورہ میں مہاجرین وانصار خالص عربی تھے اور عربی ہی بولتے لکھتے تھے جبکہ یہود اپنی قومی اور دینی زبان عبرانی میں لکھت پڑھت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید ضرورت محسوس کی کہ یہود کی زبان سیکھی جائے، چنانچہ آپ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہود کی زبان سیکھیں۔ انھوں نے 4 ھ میں یہود کی زبان سیکھی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ یہود کی زبان سیکھیں تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہود کو خط لکھ سکیں اور یہود کی طرف سے آنے والے خطوط پڑھ کر سنا سکیں۔[1]



عبرانی تورات کی لوح

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ زبان صرف پندرہ دن میں سیکھ لی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو زید رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کے رسول! یہ بنونجار کا نوجوان ہے، اسے آپ پر اترنے والی انیس سورتیں یاد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ ان کی لیاقت دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہودی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 7195.

«إِنِّي وَاللّٰهِ! مَا آمَنُ يَهُودَ عَلٰى كِتَابِي»

''بلاشبہ اللہ کی قسم! مجھے اپنے خطوط کے حوالے سے یہود پر اعتبار نہیں۔''

زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر پندرہ دن نہیں گزرے تھے کہ میں نے یہود کی زبان سیکھ لی اور اس میں ماہر ہو گیا، چنانچہ جب وہ آپ ﷺ کے نام خط لکھتے تو میں آپ ﷺ کو خط پڑھ کر سناتا اور آپ ان کا جواب دینا چاہتے تو میں آپ ﷺ کے حکم پر ان کو جوابی خط لکھ دیتا تھا۔ [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت میں ترجمان کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ معاملاتِ حکومت کے اسرار سے باخبر ہوتا ہے، یوں وہ حکومت کی طرف سے خطوط کا جواب دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہود کی زبان سیکھنے کا حکم دینا اس امر کی دلیل ہے کہ اسلام مسلمانوں کو حسبِ ضرورت اغیار کے علوم وفنون اور زبانیں سیکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ [2]

[1] سنن أبي داود :3645، مسند أحمد :186/5. [2] السيرة النبوية لأبي شهبة :249/2.

سازشی عناصر کا صفایا

رسالت مآب ﷺ نے اسلام دشمن قبیلوں کی سرکوبی کے لیے پیہم جنگی کارروائیاں کیں۔ آپ نے مسلمانوں کو شہید کرنے والے سفاکوں کو بھی ان کے ہولناک جرم کی سزا دی۔ آپ کی متواتر حربی کارروائیوں سے پورے جزیرہ نمائے عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا
أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ
مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ
ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا
وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں قتل کردیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“ (المآئدۃ 5:33)

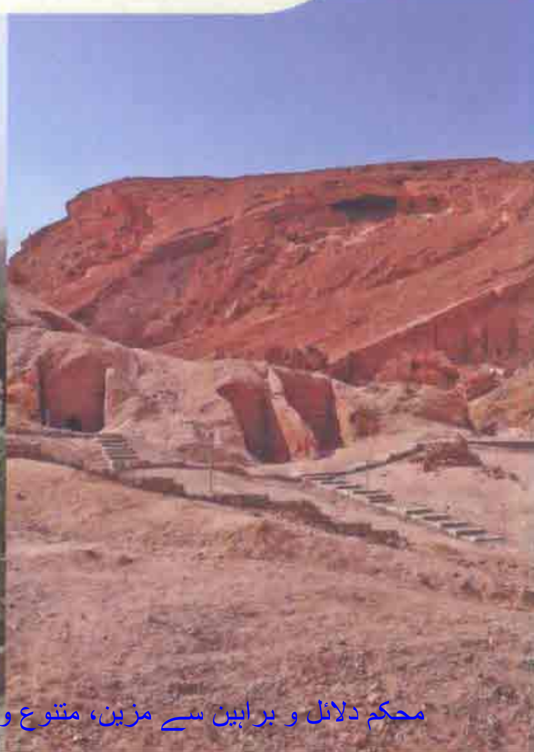
اس باب میں





سن 5 ہجری کا زمانہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں غزوۂ احزاب کی کامیابی نے کفار پر واضح کر دیا کہ اب مسلمان ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن چکے ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے مدینہ کے اردگرد موجود باقی ماندہ طاقتوں کو زیر کرنے کے اقدامات کیے۔ غزوۂ احزاب کے فوراً بعد یہودِ بنوقریظہ کا قلع قمع کر دیا گیا اور اسی سازشی گروہ سے امت مسلمہ کو نجات مل گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے قریش کی اقتصادی شہ رگ پر ہاتھ ڈالا اور احزاب کی معاونت کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے چند فوجی کارروائیاں کیں۔ ان قبائل سے بدلہ لینے کے لیے بھی لشکر روانہ کیا جنھوں نے مبلغین کو دھوکا دے کر شہید کر دیا تھا۔ اگلے اوراق میں آپ انھی فوجی مہمات و سرایا کی ایمان افروز تفصیلات پڑھیں گے، نیز نوگرفتار سردارِ یمامہ ثمامہ بن اثال سے نبی ﷺ کے حسن سلوک اور ان کے قبولِ اسلام کا ایمان افروز منظر بھی دیکھیں گے۔



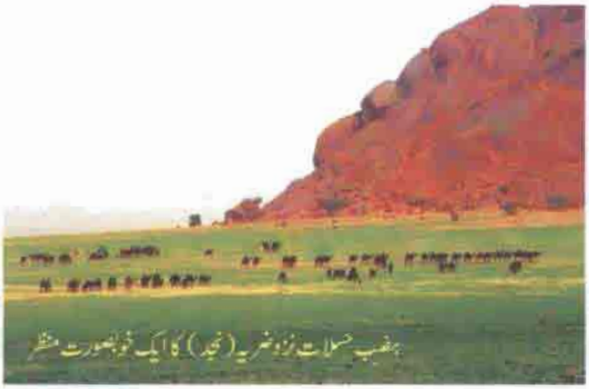


سریۂ محمد بن مسلمہ (سریۂ قُرطاء)

غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنوقریظہ سے فراغت کے بعد یہ پہلا سریہ تھا جس میں تیس مجاہدین کا دستہ بھیجا گیا۔

سریے کا سبب

بت پرست بدوی گروہوں میں سے نجدی قبائل مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ جرأت دکھاتے تھے، یہ لوگ بڑے جنگجو، طاقتور اور خاصی تعداد میں تھے۔ ہم گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ یہ نجدی قبائل احزاب میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ احزاب کی اصل قوت یہی شر پسند قبائل تھے۔ احزاب میں چھ ہزار جنگجو غطفان، اشجع، اسلم، بنوفزارہ اور بنواسد کے نجدی قبائل ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ احزاب اور بنوقریظہ سے فراغت پانے کے بعد نبیِ مکرم ﷺ نے دشمن کو سبق سکھانے کے لیے جو پہلا لشکر بھیجا، وہ انھی نجدی قبائل پر حملہ آور ہوا۔



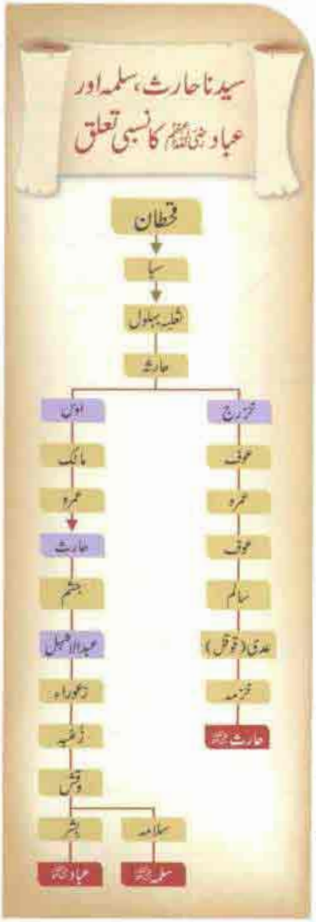
ہضب حسلات نزد ضریہ (نجد) کا ایک خوبصورت منظر

سریہ کی تاریخ اور مقام

یہ سریہ 10 محرم 6 ھ کو عمل میں آیا۔ اس سریہ کو نجد کے اندر بکرات کے علاقہ میں ضریہ کے آس پاس قرطاء نامی مقام پر بھیجا گیا تھا۔ ضریہ اور مدینہ کے درمیان سات رات کا فاصلہ تھا۔ اس سریے کا نشانہ بنوبکر بن کلاب کی ایک شاخ بنوقرطاء تھے۔

لشکر کی روانگی .... تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا!

رسول اللہ ﷺ نے محرم کے دس دن گزر جانے کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس جاں نثاروں کی جماعت روانہ فرمائی۔ ان میں جلیل القدر صحابہ عباد بن بشر، سلمہ بن سلامہ بن وقش اور حارث بن خزمہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ جنگ ایسی چیز ہے جو بڑی مہارت، ہوشیاری، کاریگری اور گہری بصیرت کی متقاضی ہوتی ہے۔ حربی حکمتِ عملی، ضرب وحرب کے طریقے، مؤثر اسلحہ، غذائی رسد کی فراہمی، نقل وحمل اور ایاب وذہاب وہ امور ہیں جو پوری طرح



صیغۂ راز میں رہنے چاہئیں، چنانچہ ایک باریک بین اور دور اندیش کمانڈر کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے ان تیس مجاہدوں کو روانہ فرماتے ہوئے ضروری ہدایات دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: رات کو سفر کرنا، دن کو چھپ جانا تاکہ بڑی راز داری سے دشمن کے سر پر جا پہنچو اور کامیابی سے دھاوا بول دو۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق لشکر کی کمان کی۔ یہ لوگ رات بھر سفر کرتے تھے اور دن کو رُوپوش ہو جاتے تھے حتی کہ یہ مطلوبہ مقام تک پہنچ گئے۔

بنو قرطاء پر حملہ

جب یہ لشکر دشمن کے علاقے میں پہنچ گیا تو سالارِ لشکر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو سراغ رسانی کے لیے بھیجا۔ عباد رضی اللہ عنہ نے آبادی میں پہنچ کر حالات کا جائزہ لیا۔ جب وہ لوگ شام کو اپنے جانور واپس لائے اور ان کا دودھ دوہ کر انھیں بٹھا دیا تو عباد رضی اللہ عنہ لشکر میں واپس تشریف لے گئے اور سالارِ لشکر کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا، بعدازاں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے دشمن پر حملہ کر دیا، ان کے دس افراد قتل کر دیے گئے، باقی لوگ بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور انھیں ہانک کر مدینہ لے آئے۔ یہ لشکر انیس راتوں کے بعد مدینہ واپس آیا۔

مالِ غنیمت

نبیِ کریم ﷺ نے ان اونٹوں اور بکریوں کے پانچ حصے کیے۔ پانچواں حصہ (خُمس) اپنے پاس رکھا، باقی مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔ ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر مانا گیا۔ اونٹوں کی تعداد ایک سو پچاس اور بکریوں کی تعداد تین ہزار تھی۔[1]

ثمامہ بن اُثال کی گرفتاری

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جانے والا دستہ جب اپنا مشن مکمل کر کے مدینہ واپس آ رہا تھا تو راستے

[1] المغازي للواقدي: 35,34/2، الطبقات لابن سعد: 78/2، شرح الزرقاني على المواهب: 102,101/3.

میں انھوں نے یمامہ کے سردار ثمامہ بن اُثال کو گرفتار کر لیا۔ یہ بنو حنیفہ سے تعلق رکھتے تھے محدثین کے مطابق ثمامہ عمرے کے لیے جبکہ مؤرخین کے مطابق بنو حنیفہ کے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ یہ جن مجاہدین کے ہتھے چڑھ گئے تھے، وہ انھیں پہچانتے نہیں تھے۔ انھوں نے ثمامہ کو آناً فاناً مسجدِ نبوی کے ستون سے باندھ دیا۔

نبی ﷺ اور ثمامہ کا مکالمہ

رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے انھیں پہچان لیا اور دریافت فرمایا:

«مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟»

''ثمامہ! بتاؤ کیا خیال ہے؟''

انھوں نے جواب دیا:

عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ! إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ، وَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ، وَ إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ.

''اے محمد! میرے پاس خیر ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جو خون والا ہے (یعنی اس کا بدلہ لینے والے موجود ہیں) اور اگر احسان فرما کر مجھے چھوڑ دیں گے تو ایک قدر دان پر احسان کریں گے۔ اگر آپ مال چاہتے ہیں تو فرمائیے آپ کو کتنا مال درکار ہے؟''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے انھیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر دوسرے دن پوچھا:

«مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟»

جامعۃ الیمامہ (الریاض)



''اے ثمامہ! بتاؤ تمھارا کیا خیال ہے؟''

انھوں نے کہا: میرا خیال وہی ہے جو کل عرض کر چکا ہوں۔ اگر آپ احسان کریں گے تو ایک قدر شناس پر احسان کریں گے۔ آپ ﷺ نے انھیں پھر ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ تیسرے دن پھر پوچھا:

«مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟»

''ثمامہ! کیا خیال ہے؟''

انھوں نے کہا: وہی جو میں پہلے گوش گزار کر چکا ہوں۔ نبیِ کریم ﷺ نے حکم صادر فرمایا:

«أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ»

''ثمامہ کو چھوڑ دو۔''

ثمامہ کی کایا پلٹ گئی

جگنو کو کبھی کسی سے کرنیں مانگنے کی ضرورت نہیں پڑی، نہ مور کو کبھی کسی باغ و چمن کی جستجو ہوئی ہے، وہ جہاں بھی اپنے پر کھول دیتا ہے ایک رنگا رنگ چمن اپنی بہار دکھلانے لگتا ہے۔ اسلام بھی خود اپنے جوہر میں ایک منبع نور ہے۔ یہ اپنے سے باہر کسی دلکشی کا محتاج نہیں اسلام کی سیدھی سادی سچی اور میٹھی تعلیمات میں وہ زبردست جادو ہے جو بڑے سے بڑے دشمن کا دل جیت لیتا ہے۔ ایسا ہمیشہ ہوا ہے اور آیندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا یہ قرآن کی کشش اور انجذاب تھا جس نے عمر بن خطاب کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ یہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی محبت کا کرشمہ تھا کہ زید بن حارث اپنے ماں باپ کے پاس جانے کی بجائے رسالت مآب ﷺ ہی کی غلامی کو اپنے لیے تاجِ فضیلت سمجھتے تھے۔ سچائی متاثر نہیں ہوتی بلکہ خود سچائی کے جلوے دوسروں کو متاثر کرتے ہیں اس کا بڑا واضح نمونہ ثمامہ بن اثال کی زندگی میں ملتا ہے۔ محسن انسانیت سیدنا محمد ﷺ نے ثمامہ سے صرف ایک سوال کیا تھا کہ اے اللہ کے بندے! کیا تو اب بھی اسلام کی صداقت کو نہیں پہچانا؟ ثمامہ یہ بول سن کر صحابہ کرام کا عظیم کردار اور مسجد نبوی کی فضا دیکھ کر ایسا موم ہوا کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ حضرت ثمامہ بن اثال نبیِ کریم ﷺ کے تیرِ محبت کا شکار ہو گئے۔ وہ آپ ﷺ کی عدیم النظیر شفقت اور اعلیٰ اخلاق سے اس قدر متاثر اور مغلوب ہو گئے کہ اب وہ چاہتے بھی تو اس در کو چھوڑ کر کہیں نہ جا سکتے تھے۔

مجھ کو اپنا بنا کے چھوڑ دیا کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

یہ عجیب لمحہ تھا جس نے اُن کی تقدیر کے کواڑ کھول دیے، ان کی آنکھوں سے نادانی کے سارے پردے ہٹا دیے،

اب وہ آپ ﷺ ہی کی محبت میں ڈوب گئے۔ ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پروانۂ آزادی مل چکا تھا۔ لیکن انھوں نے کفر کی زندگی گزارنے کے بجائے اطاعت رسول کو ترجیح دی۔ اب وہ واپس یمامہ جانے کے بجائے آپ ﷺ کی محبت ہی کے اسیر ہوگئے۔ وہ مسجدِ نبوی کے قریب ایک تالاب پر گئے، غسل کیا، پھر مسجد تشریف لائے اور دل کی گہرائیوں سے ببانگ دہل اعلان کیا:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، يَا مُحَمَّدُ! وَاللّٰهِ! مَاكَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ، فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ، وَاللّٰهِ! مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ، وَاللّٰهِ! مَاكَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ، وَ إِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَتْنِي وَ أَنَا أُرِيدُ الْعُمْرَةَ، فَمَاذَا تَرٰى؟

’’میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اے محمد! اللہ کی قسم! پہلے مجھے روئے زمین پر آپ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی اور چہرہ برا معلوم نہ ہوتا تھا لیکن اب مجھے آپ کا چہرہ سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! پہلے مجھے آپ کے دین سے بڑھ کر کوئی اور دین برا معلوم نہ ہوتا تھا مگر اب مجھے آپ ہی کا دین سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے پہلے آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر برا معلوم نہ ہوتا تھا، اب مجھے آپ کا شہر سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ میں عمرہ کرنے کے لیے جا رہا تھا کہ آپ کے گھڑ سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا، اب آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟‘‘

نبیِ کریم ﷺ نے انھیں مبارک باد دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ کی قریش کو دھمکی

ثمامہ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے جب مکہ پہنچے تو کسی نے ان سے پوچھا: کیا تو بے دین ہوگیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، میں تو محمد رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر مسلمان ہوگیا ہوں، اللہ کی قسم! اب نبی ﷺ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے تمھارے پاس گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا۔ [1]

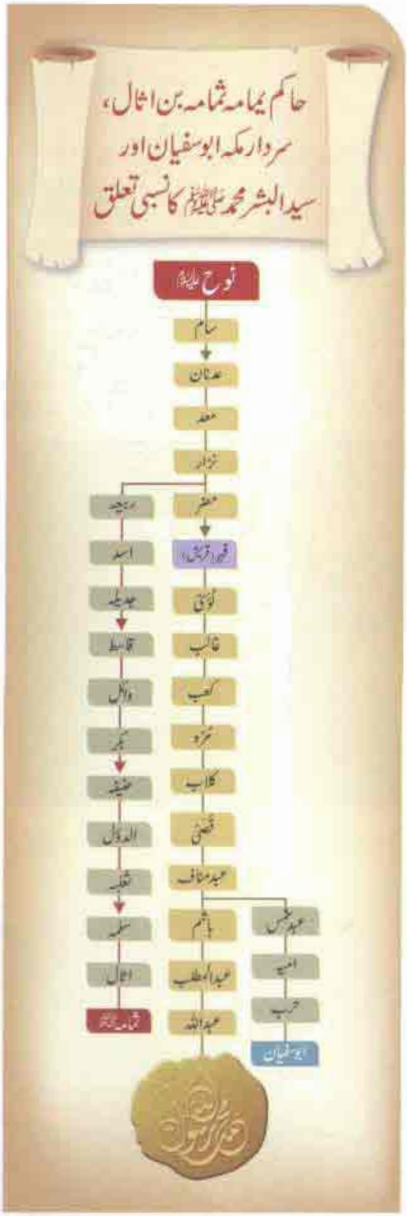
ترسیلِ غلہ کے لیے رسالت مآب ﷺ سے اہلِ مکہ کی التجا

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے بعد، یمامہ پہنچے اور اہل یمامہ کو حکم دیا کہ اب اہل مکہ کو غلہ نہ بھیجا جائے، انھوں نے

[1] صحيح البخاري: 4372، صحيح مسلم: 1764.

اپنے سردار کا حکم مانا اور غلہ روک لیا۔ اہل مکہ قحط سالی کی وجہ سے مردار کھانے پر مجبور ہو گئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ہم بھی آپ سے صلہ رحمی کے امیدوار ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ کو خط لکھا کہ لوگوں کو مکہ میں غلہ بھیجنے کی ممانعت نہ کرو، چنانچہ انھوں نے یہ پابندی اُٹھالی۔ [1]

ثمامہ رضی اللہ عنہ کے قصے سے ماخوذ اسباق



سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ہمیں درج ذیل اسباق ملتے ہیں:

1 کافر کو مسجد میں قید کرنا جائز ہے۔

2 کافر قیدی پر احسان کرنا جائز ہے۔ خطار کار سے درگزر کی بڑی اہمیت و افادیت ہے، اس لیے کہ جب نبیِ کریم ﷺ نے ثمامہ پر احسان کرتے ہوئے انھیں چھوڑ دیا تو انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ آپ کے اس احسان نے میرے بغض کو محبت میں تبدیل کر دیا۔

3 سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام قبول کرتے ہوئے غسل کرنا چاہیے۔

4 کافر جب کسی بھلائی کے کام کا ارادہ کرلے، پھر اسلام قبول کرلے تو اسے نیکی کا وہ کام مکمل کرنا چاہیے جس کا اس نے ارادہ کیا تھا۔

5 احسان بغض و کینہ ختم کرتا ہے اور دلوں میں محبت اور ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

6 مصلحت کے پیشِ نظر قیدی سے اچھا سلوک کرنا چاہیے، بالخصوص جب قیدی کے مسلمان ہوجانے کی امید اور اس کے قبولِ اسلام پر دوسرے بہت سے لوگوں کے مسلمان ہو جانے کا امکان ہو۔

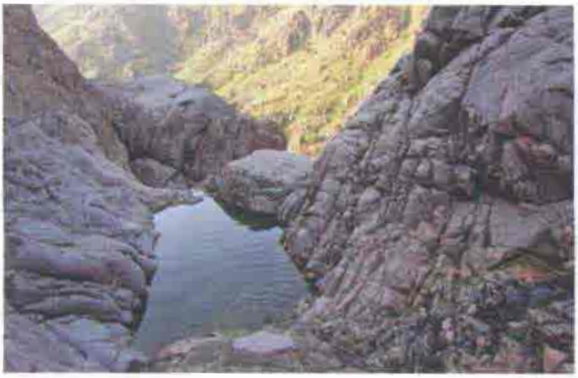
7 اس سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کفار کی طرف لشکر کشی کرنا ایک صحیح قدم ہے اور اس دوران میں اگر کوئی کافر ہاتھ لگ جائے تو اسے قید کرنا، زندہ رکھنا یا بوقت ضرورت قتل کرنا بھی جائز ہے۔ [2]

[1] فتح الباري : 111/8، تاريخ الإسلام للذهبي (المغازي)، ص : 351، تفسير القرطبي :76:23. [2] فتح الباري : 111/8.

غزوۂ بنولحیان

غزوے کا سبب

بنولحیان وہی لوگ ہیں جنھوں نے مقام رجیع پر سیدنا خبیب بن عدی اور سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کو دھوکہ دیا تھا۔ آٹھ افراد کو شہید اور دو افراد کو قید کر لیا، بعد ازاں انھوں نے ان جلیل القدر صحابہ کو دشمنانِ اسلام اہلِ مکہ کے ہاتھ بیچ ڈالا اور دام کمائے۔ اہلِ مکہ نے انھیں بڑی بے دردی سے پھانسی دی اور اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کی۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے ان اصحاب کی شہادت کا بڑا قلق تھا۔ آپ ﷺ سراپا رحمت تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کے خلاف بددعا نہیں کی تھی لیکن ان جلیل القدر قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کا اتنا گہرا صدمہ ہوا کہ آپ ﷺ ایک مہینے تک ان کے خلاف نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھتے رہے۔ چونکہ یہ لوگ عسفان کی حدود میں مکہ کے قریب آباد تھے اور اس وقت مسلمانوں اور قریش کے درمیان سخت کشاکش برپا تھی، اس لیے فوری طور پر بنولحیان سے نمٹنا ممکن نہ تھا۔ آپ ﷺ حملے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے، جونہی ماحول سازگار ہوا تو آپ ﷺ نے بنولحیان پر چڑھائی کر دی۔



رجیع (نزد الشامیہ) میں پانی کا چشمہ

غزوے کی تاریخ

غزوہ خندق اور بنوقریظہ کے بعد مسلمان پیش قدمی کرنے پر قادر ہو گئے تھے۔ کفار کے مختلف گروہوں کے مابین پھوٹ پڑ چکی تھی۔ ان کے عزائم بودے ہو گئے تھے اور انھوں نے حالات کے سامنے بڑی حد تک گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ ان حالات کے پیشِ نظر نبی کریم ﷺ نے محسوس کر لیا کہ اب بنولحیان کو سبق سکھانے کا وقت آ گیا ہے، چنانچہ ابن اسحاق کے بقول آپ ﷺ فتح بنوقریظہ کے بعد چھٹے مہینے کے اوائل، یعنی جمادی الاولیٰ اور بقول ابن سعد ربیع الاول 6 ھ

کی چاندرات کو لوگوں کی بے خبری کے عالم میں دو سو مجاہدوں کا لشکر لے کر بیس گھوڑوں کے ساتھ نکلے۔

مدینے کی نیابت

رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی غزوے کے لیے نکلتے تو حسب ضرورت مدینہ میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما جاتے۔ غزوۂ بنولحیان کے لیے نکلتے ہوئے آپ ﷺ نے نابینا صحابی سیدنا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں نائب مقرر فرمایا۔[1]

دشمن کا تعاقب

رسول اللہ ﷺ رہبرِ کامل ہیں۔ آپ ﷺ سیاسی امور کے عظیم مدبر اور حربی و دفاعی میدان کے بے مثل سپہ سالار بھی تھے۔ آپ ﷺ نے جنگی حکمت عملی کے تحت اپنے ارادے اور صحیح سمت کا واضح اظہار نہ کیا۔ آپ ﷺ نے یوں ظاہر کیا جیسے آپ ﷺ شام کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس حملے کو خفیہ رکھنے کے لیے پہلے شمال کی طرف پیش قدمی کی تاکہ دشمن کو یہی محسوس ہو کہ آپ ﷺ شام پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ بنولحیان مدینہ سے جنوب کی جانب رہائش پذیر تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی جنوب کی طرف گھوم جانے سے پہلے علم نہ تھا کہ آپ ﷺ بنولحیان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ دشمن کو بے خبری کے عالم میں دبوچنا چاہتے تھے۔[2]

اسلامی لشکر کی گزرگاہیں

اسلامی لشکر نبیِ کریم ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے نکلا۔ مدینہ سے نکل کر آپ ﷺ نے غراب نامی پہاڑ

[1] السیرۃ لابن ہشام: 292/3، الطبقات لابن سعد: 79/2، البدایۃ والنہایۃ: 151,150/4. [2] السیرۃ لابن ہشام: 292/3، موسوعۃ الغزوات الکبریٰ لباشمیل: 743,742/1.



بنولحیان کا علاقہ (عسفان)



وادی بین (تہامہ) کی پہاڑی بستی ''المندق''



وادی غران (تہامہ) کا ایک منظر

کی راہ لی جو شام کے راستے پر واقع ہے، پھر مَخِیض ہوتے ہوئے البتراء آئے، یہاں سے آپ ﷺ بائیں جانب مڑے۔ وادئ بَین سے ہوتے ہوئے صُخَیرات الیمام (الثمام) سے گزرے، پھر آپ ﷺ نے مکہ کا رخ کیا جہاں سے حاجی گزرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے سفر کی رفتار بڑھا دی اور غُرَّان میں پڑاؤ ڈالا، وہاں بنولحیان کی رہائش گاہیں تھیں۔ غُرَّان امج اور عسفان کے درمیان ایک وادی ہے جس کی وسعت مقام سایہ تک چلی جاتی ہے۔

دشمن چٹانوں کی چوٹیوں پر

رسول اللہ ﷺ نے بنولحیان کی رہائش گاہوں کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ دشمن انتہائی چوکس تھا۔ جب سے انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا تھا، اسی وقت ہی سے انھیں ڈر تھا کہ مسلمان بدلہ لینے ضرور آئیں گے۔ انھوں نے گزرگاہوں پر اپنے جاسوس پھیلا رکھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر پاتے ہی بنولحیان پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر چھپ گئے۔

دشمن کے لیے انتباہ

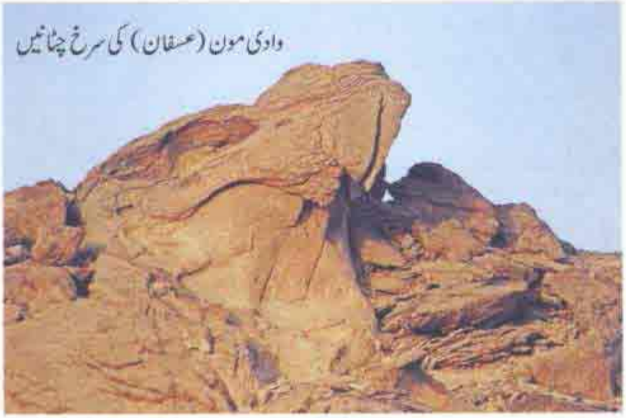
رسول اللہ ﷺ جب اپنی منزل پر پہنچے تو دیکھا کہ دشمن بھاگ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے دشمن کی تلاش کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں روانہ کیں تاکہ ان دھوکے بازوں میں سے کوئی ہاتھ لگے تو اسے پکڑ لائیں۔ مجاہدین دو دن تک دشمن کو تلاش کرتے رہے لیکن ان بلندترین پہاڑوں کی چوٹیوں میں پناہ گزینوں کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آپ ﷺ ان لوگوں کی سرزمین میں انھیں خوفزدہ کرنے اور انھیں چیلنج کرنے کے لیے دو دن تک قیام فرما رہے تاکہ دشمن کو مسلمانوں کی قوت اور خود اعتمادی کا اندازہ ہو اور وہ یہ بھی جان لیں کہ مسلمان جب چاہیں دشمن تک

پہنچنے کی قوت رکھتے ہیں۔[1]

شہداء کے لیے دعائے خیر

رسول اللہ ﷺ جس نیت اور ارادے سے آئے تھے بظاہر وہ پورا نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے وادی غران میں جہاں سانحہ رجیع میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی تھی، وہاں ان کے لیے دعائے خیر کی اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے رحمت و مغفرت کا سوال کیا۔

قریش مرعوب ہو گئے



وادی مون (عسفان) کی سرخ چٹانیں

رسول اللہ ﷺ لشکر سمیت مکہ کے قریب پہنچے۔ آپ ﷺ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا، چنانچہ طے پایا کہ مکہ میں مشرکین کو بھی خوفزدہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے لشکر کے ساتھ مدینہ کے راستے میں مکہ سے دو دن کی مسافت پر واقع وادی عُسفان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ وہاں آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

«إِنَّ قُرَيْشًا قَدْ بَلَغَهُمْ مَسِيرِي وَ أَنِّي قَدْ وَرَدْتُ عُسْفَانَ وَهُمْ يَهَابُونَ أَنْ آتِيَهُمْ فَاخْرُجْ فِي عَشْرَةِ فَوَارِسَ»

''قریش کو یہ خبر مل چکی ہے کہ میں مدینہ سے نکل کر عسفان پہنچ چکا ہوں، اب انھیں خطرہ ہے کہ میں ان پر حملہ کر دوں گا، اس لیے تم دس شہسواروں کو لے کر مکہ کی طرف بڑھو۔ (تاکہ ان کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہو)۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عسفان سے 8 میل اور مکہ سے 64 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع کراع الغمیم پہنچ گئے۔ قریش کو ان کی آمد کا پتہ چلا تو ان میں زبردست دہشت پھیل گئی۔ اس دستے کو بھیجنے کا مقصد بھی یہی تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اہل مکہ خوف کے مارے لرز رہے

[1] السيرة لابن هشام: 292/3، تاريخ الطبري: 255,254/2، الطبقات لابن سعد: 79/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 743/1.

ہیں تو وہ واپس چل پڑے اور صحیح سلامت لشکرِ اسلام کے ساتھ آ ملے۔ [1]

ابن اسحاق اور طبری نے دس کے بجائے دو شہسواروں کا کراع الغمیم تک جانے کا ذکر کیا ہے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ واپسی پر دعا

14 دن باہر گزارنے کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لائے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب عسفان سے واپس مدینہ آنے کے لیے سفر شروع کیا تو یہ دعا پڑھی:

«آئِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ. اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ عَلَى الْأَهْلِ، اَللّٰهُمَّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ، اَللّٰهُمَّ! بَلِّغْنَا بَلَاغًا صَالِحًا يَبْلُغُ إِلٰى خَيْرٍ، مَغْفِرَةً مِّنْكَ وَ رِضْوَانًا.»

”ہم توبہ کرنے والے، رجوع کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اے اللہ! میں سفر کی تکان، واپسی کی تکلیف اور اہل و عیال میں نظر بد سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! ہمیں نیک مقصد تک پہنچا جو ہمیں بھلائی تک پہنچائے۔ میں تجھ سے مغفرت اور تیری رضا کا طلب گار ہوں۔“ [3]

رسول اللہ ﷺ والدہ ماجدہ کی قبر پر

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ غزوۂ بنولحیان سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستے میں اپنی والدہ کی قبر کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ پر رقت طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت مانگی لیکن اجازت نہ ملی اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل کیا:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ (التوبة 113:9)

”نبی (ﷺ) اور ایمان والوں کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا مانگیں، خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں، ان کے متعلق یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ بلاشبہ وہ دوزخی ہیں۔“ [4]

[1] المغازي للواقدي: 37,36/2، الطبقات لابن سعد: 79/2، شرح الزرقاني على المواهب: 108,107/3. [2] السيرة لابن هشام: 293/3، تاريخ الطبري: 255/2. [3] المغازي للواقدي: 37/2، إمتاع الأسماع: 258/1. [4] صحيح مسلم: 976، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل: 745/1.

غزوۂ غابہ

اس غزوے کو غزوۂ غابہ، غزوۂ ذوقرد اور سریہ سعید بن زید بھی کہا جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ

اس غزوے کو غزوۂ غابہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ شام کی جانب مدینہ سے تقریباً 22 کلومیٹر دور ''غابہ'' نامی چراگاہ میں رسول اللہ ﷺ کی دودھیل اونٹنیاں چر رہی تھیں کہ بنو غطفان کے ذیلی قبیلہ بنو فزارہ کے لوگوں نے حملہ کیا اور اونٹنیاں ہانک کر لے گئے۔ اسے غزوۂ ذوقردہ اس لیے کہتے ہیں کہ جب بنو فزارہ کے لوگ اونٹنیاں لے جا رہے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان کا تعاقب کر کے انھیں ذوقرد نامی جگہ پر پالیا تھا۔ ذوقرد کا علاقہ مدینہ اور خیبر کے درمیان مدینہ سے 35 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس مہم کو سریہ سعید بن زید اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہراول کے طور پر جو دستہ روانہ فرمایا، اس کا امیر سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔

غزوے کا سبب

نبی کریم ﷺ غزوۂ بنو لحیان سے فراغت کے بعد واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ عیینہ بن حصن نے چالیس افراد کے ساتھ غابہ نامی چراگاہ میں آپ ﷺ کی اونٹنیوں پر حملہ کر دیا ہے اور ان کے چرواہے



خلیل ڈیم کی جھیل (غابہ)

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو شہید کر کے ان کی بیوی لیلیٰ کو قیدی بنا لیا ہے۔[1]

آیئے اب ہم اس غزوے کی تفصیلات کا مطالعہ کریں۔

غزوے کی تاریخ

غزوۂ ذوقرد (غابہ) کس سن ہجری کو ہوا؟ اس بارے میں اہل سیر و مغازی اور محدثین میں اختلاف ہے۔ سیرت نگار اور اہل مغازی اس غزوے کی تاریخ حدیبیہ سے پہلے بتاتے ہیں جبکہ محدثین کے نزدیک یہ غزوہ خیبر سے پہلے اور حدیبیہ کے بعد پیش آیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صحیح مسلم میں سیدنا سلمہ بن اکوع کی روایت ہے کہ "ہم غزوہ (ذوقرد) سے واپس مدینہ آئے تو اللہ کی قسم! ہم مدینہ میں صرف تین راتیں ہی ٹھہرے تھے کہ ہم خیبر کی طرف نکلے۔"[2]



ابن سعد کہتے ہیں کہ غزوہ ذوقرد ربیع الاول اور بقول بعض دیگر مؤرخین کے جمادی الاولیٰ 6 ھ میں پیش آیا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک اس غزوے کی تاریخ شعبان 6 ھ ہے۔ صحیح مسلم کے شارح امام قرطبی رحمہ اللہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سیرت نگاروں میں اس امر پر قطعاً اختلاف نہیں کہ غزوۂ ذوقرد حدیبیہ سے پہلے ہوا تھا۔ البتہ سیدنا سلمہ والی روایت میں کسی راوی کا وہم ہے کہ یہ حدیبیہ کے بعد ہوا۔ بعد ازاں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ان دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر سے پہلے سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں کوئی دستہ بھیجا ہو اور وہ اپنی آپ بیتی سنا رہے ہوں۔ اور اس کے بعد وہ خیبر کے لیے نکلے ہوں۔ اس کی تائید ابن اسحاق کی اس بات سے بھی ہوتی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر سے پہلے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ دستہ دے کر روانہ کیا تھا۔

[1] البداية والنهاية: 151/4، السيرة لابن هشام: 294/3. [2] صحيح مسلم: 1807.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علامہ قرطبی کی اس تطبیق سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں: سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا سیاق اس تطبیق کی تردید کرتا ہے کیونکہ اس میں ہے:

حِينَ خَرَجْنَا إِلٰى خَيْبَرَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

''جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے۔''

لہٰذا دلائل کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ ذوقرد کی جو تاریخ صحیح بخاری و مسلم میں ہے وہ سیرت نگاروں کی بیان کردہ تاریخ سے زیادہ صحیح ہے۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ عیینہ بن حصن نے آپ ﷺ کی اونٹنیوں پر دو مرتبہ غارت گری کی ہو، پہلی مرتبہ حدیبیہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ حدیبیہ کے بعد۔ اس کی تائید امام حاکم کی روایت سے بھی ہوتی ہے، انھوں نے اپنی کتاب ''الإکلیل'' میں بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ ذوقرد کی طرف دو مرتبہ نکلے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں

رسول اللہ ﷺ کی مختلف مہمات سے حاصل ہونے والی بیس دودھیل اونٹنیاں تھیں۔ ان میں سے بعض غزوہ ذات الرقاع میں بطورِ مالِ غنیمت اور کچھ اونٹنیاں نجد سے سریہ محمد بن مسلمہ میں دستیاب ہوئی تھیں۔ یہ ربذہ کی چراگاہ کی طرف واقع البیضاء نامی چراگاہ اور اس کے گردونواح میں چرتی تھیں۔ جب وہاں گھاس اور چارہ ختم ہوگیا تو چرواہوں نے انھیں الغابہ نامی چراگاہ میں چرانا شروع کر دیا۔ ان کی حفاظت کے لیے آپ ﷺ کے غلام رباح رضی اللہ عنہ [2] مامور تھے۔ [3]

---

[1] فتح الباري لابن حجر: 575,574/7، شرح الزرقاني على المواهب: 110,109/3. [2] بعض روایات میں ہے کہ رباح سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کے غلام تھے۔ ممکن ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کی ملکیت ہوں اور وہ دونوں کی خدمت کرتے ہوں، اس لیے دونوں کی طرف منسوب ہو گئے ہوں۔ (فتح الباري: 575/7) [3] المغازي للواقدي: 38/2.



وادی جن کی تفریح گاہ البیضا

کتب سیرت میں اونٹنیوں کی چراگاہ غابہ بتائی گئی ہے جبکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ وہ اونٹنیاں ذو قرد میں چر رہی تھیں۔ اس حوالے سے علامہ شریف کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ بسا اوقات وہ غابہ نامی چراگاہ میں چرتی تھیں اور کبھی ذو قرد میں چرتی تھیں۔ [1]

ابو ذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے ان اونٹنیوں کی نگرانی کے لیے جانے کی اجازت دیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكَ مِنْ هٰذِهِ الضَّاحِيَةِ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكَ وَنَحْنُ لَا نَأْمَنُ مِنْ عُيَيْنَةَ بْنِ حِصْنٍ وَّ ذَوِيهِ هِيَ فِي طَرَفٍ مِّنْ أَطْرَافِهِمْ»

"بے شک مجھے تمھارے بارے میں یہ خطرہ ہے کہ تم پر دشمن اس کھلی جانب سے حملہ کرے گا۔ ہم عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھیوں سے بھی بے خوف نہیں۔ یہ جگہ ان کی چراگاہ کی جانب میں ہے۔"

ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا: اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت عنایت فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اصرار دیکھا تو فرمایا:

«لَكَأَنِّي بِكَ قَدْ قُتِلَ ابْنُكَ وَ أُخِذَتِ امْرَأَتُكَ وَجِئْتَ تَتَوَكَّأُ عَلٰى عَصَاكَ»

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تمھارے بیٹے کو قتل اور تمھاری بیوی کو گرفتار کر لیا جائے گا اور تم لاٹھی ٹیکتے ہوئے آؤ گے۔"

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ خود کلامی کے انداز میں زیر لب کہنے لگے: تعجب ہے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: "مجھے یوں لگ رہا ہے......" مگر میں پھر بھی اصرار کیے جا رہا ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔ پھر وہی سانحہ ظہور میں آیا جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدشہ ظاہر فرمایا تھا۔

ابن حصن کی غارت گری

عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری بنو غطفان کے ایک گروہ کو لے کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا تھا۔ وہ وہاں سے چالیس افراد کو لے کر غابہ میں اتر آیا۔ بعض روایات کے مطابق ان لٹیروں کا سرغنہ عبدالرحمٰن بن عیینہ

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 111/3.

تھا۔ ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ بنوفزارہ کا رئیس مسعدہ بھی اس لوٹ مار میں شریک تھا، چنانچہ چالیس افراد کے اس گروہ نے نہتے چرواہوں پر حملہ کر دیا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ذر کو قتل کر دیا، ان کی بیوی لیلیٰ کو قیدی بنا لیا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیاں ہانک کر لے گئے۔

مقداد رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی بے چینی

مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں پر حملہ ہوا، اس رات میرا گھوڑا بڑا بے چین تھا، وہ بار بار اپنے پاؤں زمین پر مارتا اور ہنہناتا تھا۔ ابوسعید (مقداد) کہنے لگے کہ یہ ضرور کسی الجھن میں مبتلا ہے، آؤ ہم دیکھتے ہیں۔ ہم نے اس کی رسی کو دیکھا تو گھوڑے نے گھوم گھوم کر اس کے گرد چارہ لپیٹ رکھا تھا۔ مجھے خیال گزرا شاید اسے پانی کی ضرورت ہے۔ میں نے پانی رکھا لیکن اس نے منہ بھی نہ لگایا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر کیا بات ہے، چارہ بھی وافر ہے، پانی بھی موجود ہے، اس کے باوجود گھوڑا بار بار اپنے پاؤں زمین پر پٹخے جا رہا ہے اور ہنہنا رہا ہے، فجر کا وقت ہوا تو میں نے اس پر زین کسی اور اپنا اسلحہ تھام کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی لیکن وہاں کوئی خلاف معمول بات نہ دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کر اپنے کاشانۂ اقدس میں داخل ہوگئے۔ میں بھی واپس گھر آ گیا۔ گھوڑے کی زین اتاری اور تیر کمان رکھ کر لیٹ گیا۔ گھوڑے کو چین نہیں آ رہا تھا کہ اچانک کسی نے آ کر صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی کارگزاری



سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں صبح سویرے غابہ کی طرف جا رہا تھا تاکہ اونٹنیوں کا دودھ لا کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں صبح سویرے اپنا تیر کمان تھامے شکار کی نیت سے گھر سے نکلا۔ راستے میں عبدالرحمٰن بن عوف کا غلام رباح ملا، اس نے مجھے بتایا کہ ابن حصن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی اونٹنیاں ہانک کر لے گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے پاس طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا۔ میں نے وہ گھوڑا رباح کو دیا اور کہا: یہ گھوڑا طلحہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا دینا اور جاؤ جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غارت گری کی اطلاع کرو۔ رباح کے ذمے یہ کام لگا کر میں سلع پہاڑی پر چڑھا اور مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے تین دفعہ زور سے آواز لگائی: یَا صَبَاحَاهُ! ''ہائے صبح کا حملہ۔'' میں نے اتنے زور سے آواز دی کہ حرہ واقم اور حرہ وبرہ کے مابین سب لوگوں تک میری آواز پہنچ گئی۔

کفار کا تعاقب

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اس قدر تیز دوڑتے تھے کہ کوئی شہسوار بھی انھیں پکڑ نہیں سکتا تھا۔ وہ پکار لگا کر کفار کے پیچھے دوڑ پڑے اور ان پر تیر برسانے لگے، ساتھ ساتھ وہ یہ شعر بھی پڑھتے جاتے تھے:

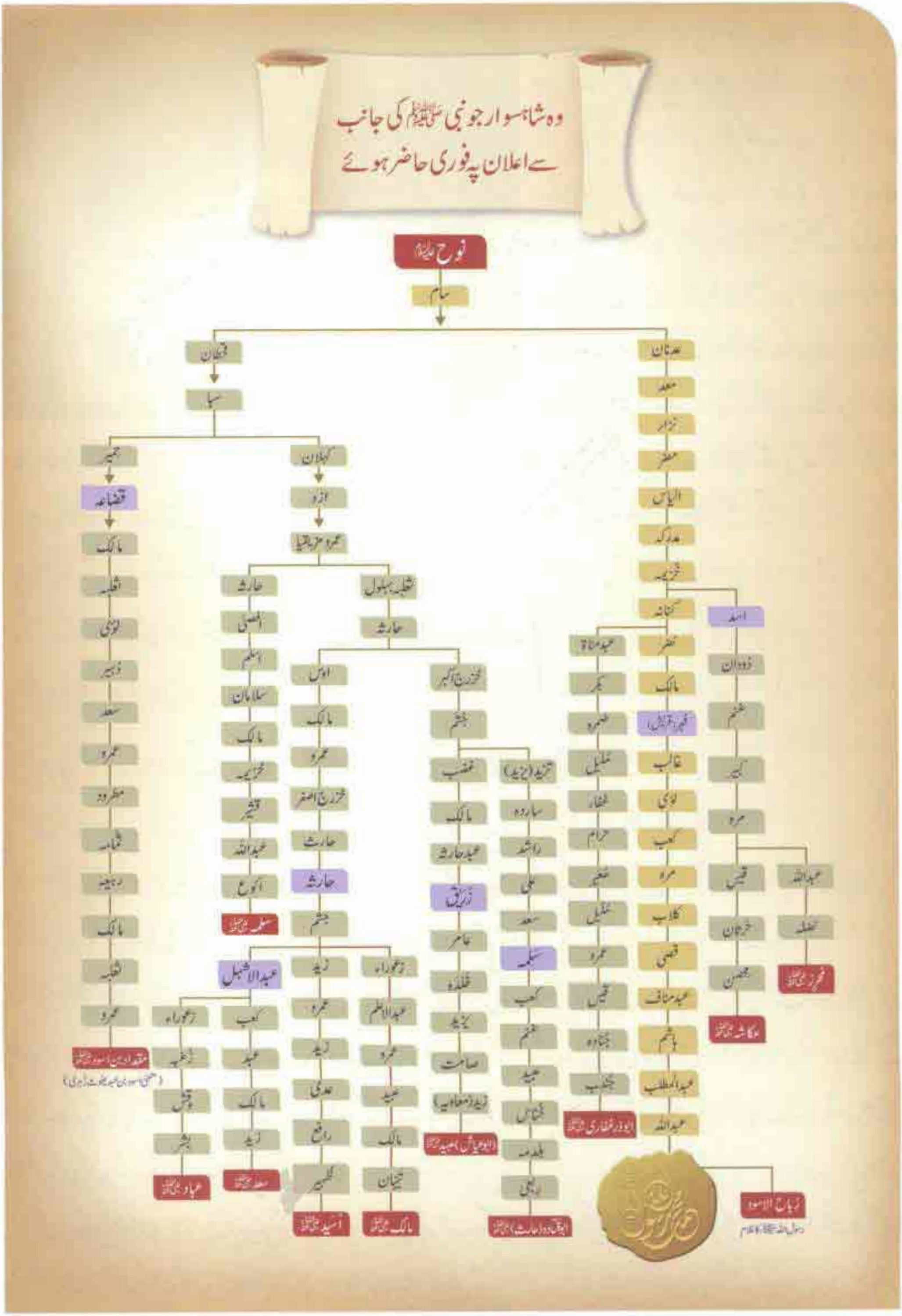
خُذْهَا وَ أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ اَلْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

''لو اسے سنبھالو اور میں اکوع کا بیٹا ہوں۔ آج کا دن کمینے لوگوں کی ہلاکت کا دن ہے۔''

سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں برابر ان کو اپنے تیروں کا نشانہ بناتا رہا۔ ان کا کوئی سوار میری طرف پلٹ کر آتا تو میں کسی درخت کے پیچھے اس کی جڑ میں بیٹھ جاتا اور اس پر تیر چلا کر اسے ہلاک کر دیتا تھا۔ جہاں تنگ اور دشوار گزار پہاڑی راستہ آجاتا، وہ وہاں گھس جاتے، میں پہاڑ پر چڑھ جاتا اور ان پر پتھروں کی بارش برساتا۔ میں نے اپنی کارروائی اسی طرح جاری رکھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جانور بھی ایسا نہ تھا جسے میں نے چھڑا کر اپنے پیچھے نہ کر لیا ہو۔ (بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس اونٹنیاں چھڑا لی گئی تھیں) دشمن نے مویشیوں کو آزاد کر دیا کیونکہ اب اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ انھوں نے اپنی رفتار بڑھانے کے لیے اپنا بوجھ ہلکا کرنا شروع کر دیا حتی کہ انھوں نے تیس سے زیادہ چادریں اور تیس نیزے راستے میں پھینک دیے۔ وہ جو چیز پھینکتے، میں اس پر پتھر رکھ دیتا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کی شناخت کر سکیں۔

ہنگامی حالت کا اعلان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی آواز پہنچ چکی تھی، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بھی آکر صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا، مزید برآں رباح بھی مدینہ پہنچ چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بطور ہنگامی حالت خطرے کا اعلان کرا دیا۔ منادی نے چہار سُو اعلان کر دیا: اَلْفَزَعَ اَلْفَزَعَ. ''پریشانی، پریشانی'' یہ اعلان سن کر شہسوار تیار ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے آئے۔ سب سے پہلے سیدنا مقداد بن عمرو (اسود) رضی اللہ عنہ آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم


وہ شاہسوار جو نبی ﷺ کی جانب سے اعلان پہ فوری حاضر ہوئے
نوح علیہ السلام
سام
قحطان
سبا
حمیر
قضاعہ
مالک
ثعلبہ
عمرو
کہلان
ازد
عمرو مزیقیا
حارثہ
اسلم
سلامان
مالک
قشیر
عبداللہ
اکوع
ثعلبہ بہلول
حارثہ
اوس
مالک
عمرو
خزرج اصغر
حارث
حارثہ
جشم
عبدالاشہل
زید
عمرو
زید
عدی
رافع
حضیر
زعوراء
عبدالاشہل
عمرو
عبید
مالک
تیہان
کعب
عبید
مالک
زید
سعد
جشم
مالک
خزرج اکبر
جشم
غضب
مالک
عبد حارثہ
زریق
عامر
خلدہ
زید (معاویہ)
تزید (یزید)
ساردہ
راشد
علی
سعد
سلمہ
کعب
عبید
بلدمہ
ربعی
عدنان
معد
نزار
مضر
الیاس
مدرکہ
خزیمہ
کنانہ
نضر
مالک
فہر (قریش)
غالب
لوی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبد مناف
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ
عبد مناۃ
بکر
عمرو
حرام
عمرو
قیس
جنادہ
جندب
ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
اسد
دودان
غنم
کبیر
مرہ
قیس
حرثان
محصن
عکاشہ رضی اللہ عنہ
عبداللہ
نضلہ
محرز رضی اللہ عنہ
محمد رسول اللہ
زید بن حارثہ



نے ان کے نیزے پر جھنڈا باندھ دیا۔ ان کے بعد انصار میں سے بنوعبدالاشہل کے عباد بن بشر بن وقش بن زغبہ، بنوکعب بن عبدالاشہل کے سعد (سعید) بن زید، بنو حارثہ بن حارث کے اُسَید بن ظُہیر (جن کے متعلق شک ہے،) بنو اسد بن خزیمہ کے عکاشہ بن محصن اور محرز بن نضلہ، بنوسلمہ کے ابوقتادہ حارث بن ربعی اور بنو زریق کے ابوعیاش عُبید بن زید بن صامت رضی اللہ عنہم نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب یہ سارے مجاہدین آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے سعد (سعید) بن زید رضی اللہ عنہ کو اس دستے کا امیر مقرر فرما کر دشمن کے تعاقب کا حکم دیا اور فرمایا:

«اُخْرُجْ فِي طَلَبِ الْقَوْمِ حَتّٰى أَلْحَقَكَ فِي النَّاسِ»

''دشمن کی تلاش میں نکلو، میں بھی لوگوں کے ساتھ تم سے آ ملوں گا۔''

نبی ﷺ کا فرمان ثابت ہو کے رہا!

جب شہسوار روانہ ہونے لگے تو نبیِ کریم ﷺ نے ابوعیاش رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا أَبَا عَيَّاشٍ! لَوْ أَعْطَيْتَ هٰذَا الْفَرَسَ رَجُلًا هُوَ أَفْرَسَ مِنْكَ فَلَحِقَ بِالْقَوْمِ»

''ابوعیاش! مناسب ہوتا کہ تم اپنا یہ گھوڑا کسی ایسے شخص کو دے دیتے جو تم سے زیادہ (ماہر) شہسوار ہوتا اور وہ دشمن کو جلدی جا دبوچتا۔''

ابوعیاش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ان سب سے بہترین شہسوار ہوں۔ پھر میں نے اپنے گھوڑے کو چابک مارا تو اللہ کی قسم! ابھی وہ پچاس ہاتھ ہی دوڑا ہوگا کہ اس نے مجھے زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ اب مجھے آپ ﷺ کی بات یاد آئی اور اپنے جواب پر تعجب بھی ہوا۔ سبحان اللہ! آپ ﷺ کا فرمان کس قدر سچ ثابت ہوا!

ان کے خاندان بنوزریق کے ایک آدمی نے بتایا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کا گھوڑا معاذ بن ماعص یا عائذ بن ماعص بن قیس بن خلاد رضی اللہ عنہ کو، جو اس جماعت میں آٹھویں فرد تھے، دے دیا۔ بعض لوگ سیدنا سلمہ بن

اکوع رضی اللہ عنہ کو آٹھواں شمار کرتے ہیں اور اسید بن ظُہیر رضی اللہ عنہ کو اس جماعت سے خارج بتلاتے ہیں جبکہ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ پیادہ ہی دشمن کا تعاقب کر رہے تھے حتی کہ اسلامی دستہ ان سے جا ملا۔

سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ کی دہشت

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ صبح سویرے ہی سے مسلسل دشمن کو تیروں سے چھلنی کر رہے تھے حتی کہ وہ بھاگتے بھاگتے اور جان چھڑاتے گھاٹی کے تنگ موڑ پر جا ٹھہرے اور کھانا کھانے لگے۔ وہ فرماتے ہیں: میں چوٹی پر جا بیٹھا۔ اسی دوران میں ایک آدمی ان کے پاس آیا۔ اس نے ان لوگوں سے پوچھا: یہ اوپر کون بیٹھا ہے؟ انھوں نے بتایا: اسی شخص نے تو صبح سے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ہمارے ہاتھ جو کچھ لگا تھا، وہ سب اس نے چھڑا لیا ہے۔ اس آدمی نے کہا: ایسا نہ ہو کہ یہ شخص جو دکھائی دے رہا ہے، اس کے پیچھے کوئی اور جستجو کرنے والا یعنی جماعت موجود ہو جس نے تمھیں چھوڑ دیا ہو، تم میں سے ایک جماعت کو اس کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیے، چنانچہ ان میں سے چار لوگ گھیرا ڈال کر پہاڑی پر چڑھے حتی کہ اس قدر قریب آ گئے کہ وہ میری آواز سن سکتے تھے۔ میں نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ انھوں نے کہا: تمھی بتا دو: کون ہو؟ انھوں نے بتایا: میں اکوع کا بیٹا ہوں، تم میں سے جسے بھی چاہوں گا، اسے ایک دم دھرلوں گا اور جو کوئی میرے پیچھے دوڑے گا، وہ مجھے ہرگز نہ پا سکے گا۔ وہ یہ سن کر واپس چلے گئے۔

بطور نائب عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا تقرر

دشمن آس پاس ہی تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کو خالی چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرمایا اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو جانبازوں کو مدینہ منورہ کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ انھوں نے پانچ راتوں تک مدینہ منورہ کا پہرہ دیا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔

مجاہدین کے لیے غذائی کمک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکلتے ہوئے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ آئے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذو قرد نامی چشمے پر پہنچ گئے تو سیدنا سعد بن عبادہ نے اپنے بیٹے قیس بن سعد کے ہاتھ کئی بورے کھجور اور دس اونٹ بھیجے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سامانِ رسد دیکھا تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو فرمایا:

«يَا قَيْسُ! بَعَثَكَ أَبُوكَ فَارِسًا وَّقَوَّى الْمُجَاهِدِينَ وَ حَرَسَ الْمَدِينَةَ مِنَ الْعَدُوِّ، اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْ سَعْدًا وَّ آلَ سَعْدٍ!»

''اے قیس! تجھے تیرے باپ نے بھیجا ہے، مجاہدین کو قوت بخشی ہے اور مدینے کا دشمن سے بچاؤ کیا ہے۔ اے اللہ! سعد اور آل سعد پر رحم فرما۔''

سیدنا محرز رضی اللہ عنہ دشمن کے تعاقب میں

رسول اللہ ﷺ کے شہسوار دشمن کے تعاقب کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ سیدنا محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بنواسد بن خزیمہ سے تھا۔ ان کا لقب اخرم تھا، لوگ انھیں قُمیر بھی کہتے تھے۔ جب مدینہ میں دشمن کی غارت گری کے خطرے سے تحفظ کے لیے اجتماع کا اعلان ہوا تو محمود بن مسلمہ (بروایت واقدی محمد بن مسلمہ) رضی اللہ عنہ کے گھوڑے نے، جو ان کے باغ میں بندھا ہوا تھا، دوسرے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنی اور اپنی جگہ جولانی کرنے لگا۔ یہ بہت عمدہ، سدھایا ہوا طاقتور گھوڑا تھا۔ باغ میں کھجور کے جس تنے سے وہ بندھا ہوا تھا، اس کے گرد تیزی سے چکر کاٹتے دیکھ کر بنوعبدالاشہل کی عورتوں نے محرز سے کہا: اے قمیر! دیکھو یہ گھوڑا کس طرح شوخی کر رہا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم اس پر سوار ہو جاؤ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچو اور ان کے شانہ بشانہ دشمن سے لڑو۔

سیدنا محرز رضی اللہ عنہ تیار ہوگئے۔ ان عورتوں نے وہ گھوڑا انھیں دے دیا، وہ اس پر سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ انھوں نے گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا، وہ نہ صرف بہت جلد ہراول دستے سے جا ملا بلکہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا راستہ کاٹتے ہوئے سب سے آگے جا نکلا۔

سیدنا محرز رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی میری دشمن کے ان چار افراد کے ساتھ بات جاری تھی جو گھیرا ڈال کر پہاڑی پر چڑھ آئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوار پہنچ گئے۔ وہ درختوں کے بیچ میں تھے۔ سب سے آگے محرز تھے، ان کے پیچھے ابوقتادہ اور ان کے پیچھے مقداد رضی اللہ عنہم تھے۔ مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ میں پہاڑ سے اترا اور محرز رضی اللہ عنہ کے آگے جا پہنچا۔ میں نے ان سے کہا: اے محرز! اس جماعت سے بچو، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ تمھیں شہید کر دیں گے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے یہاں آجانے تک انتظار کرو۔

سیدنا محرز رضی اللہ عنہ نے کہا: اے سلمہ! اگر تمھیں اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان ہے اور تم جانتے ہو کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل نہ ہو۔ سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ان کے گھوڑے کی

لگام چھوڑ دی۔ ان کی عبدالرحمٰن بن عیینہ سے ٹکر ہوئی۔ اخرم نے اس کے گھوڑے کو زخمی کر دیا۔ عبدالرحمٰن نے جوابی وار کر کے انھیں شہید کر دیا اور محرز کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ کا خواب

شہادت سے ایک روز پہلے سیدنا محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آسمان کو دیکھا تو اس کے دروازے میرے لیے کھول دیے گئے، میں آسمانِ دنیا میں داخل ہوا حتی کہ ساتویں آسمان تک چلا گیا اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ تمھارا گھر ہے۔ تو میں نے اپنا خواب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کیا، وہ خوابوں کی تعبیر کے ماہر تھے۔ انھوں نے میرے خواب کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا: مبارک ہو، تمھیں شہادت نصیب ہونے والی ہے۔ اس سے اگلے ہی دن اللہ تعالیٰ نے انھیں شہادت کے بلند مرتبے پر فائز کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن عیینہ واصل جہنم ہوا

عبدالرحمٰن بن عیینہ نے نیزہ مار کر اخرم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، ان کے پیچھے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اس پر پل پڑے، دونوں میں مقابلہ ہوا۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے لیکن انھوں نے عبدالرحمٰن بن عیینہ کو واصلِ جہنم کر کے دم لیا۔ پھر وہ گھوڑا جس پر عبدالرحمٰن بن عیینہ بیٹھ گیا تھا وہاں سے پلٹ کر تیزی سے مدینہ کی طرف بھاگا، دشمن اس پر قابو نہ پاسکا۔ وہ پھر بنوعبدالاشہل کے محلے میں پہنچ کر اسی باغ میں آ گیا جہاں وہ پہلے بندھا ہوا تھا۔ اس گھوڑے کا نام ذواللِّمہ تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن بن عیینہ کو قتل کر کے گھوڑے پر خود سوار ہو گئے تھے۔ ابن اسحاق نے مقتول کافر کا نام حبیب بن عیینہ لکھا ہے۔ بہر حال سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقتول کی لاش پر کپڑا ڈال دیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہچان لیں کہ یہ ابوقتادہ کا شکار ہے۔ پھر وہ دشمن کے تعاقب میں نکل گئے۔

دشمن کا فرار

فزاری قزاقوں نے جب اپنے ساتھی کی یہ درگت دیکھی تو وہ بھاگ نکلے۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پیدل ہی ان کا تعاقب کر رہا تھا اور ان پر تیر اندازی کرتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ رجزیہ کلام بھی پڑھ رہا تھا۔

أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

''میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج کمینے لوگوں کی ہلاکت کا دن ہے۔''

وہ بھاگتے ہوئے گھاٹی کے ایک تنگ موڑ پر پہنچے، وہاں ذوقرد نامی پانی کا چشمہ تھا۔ پیاس سے ان لوگوں کا برا

حال ہوا جا رہا تھا۔ وہ پانی پینے کے لیے رکے لیکن مسلسل تیروں کی بارش دیکھ کر انھوں نے بھاگنے ہی میں خیریت سمجھی، چنانچہ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پی سکے اور وہاں سے بھاگ گئے۔

ایک نیزے سے دو شکار

دشمن کا تعاقب کرنے والوں میں سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ بھی تھے، دشمن کے دو آدمی اوبار (اثار) اور اس کا بیٹا عمرو ایک ہی اونٹ پر سوار تھے، عکاشہ رضی اللہ عنہ نے ان پر ایسا کاری وار کیا کہ اپنے نیزے میں دونوں باپ بیٹے کو پرو لیا اور ان دونوں کو قتل کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سورج غروب ہو چکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سو، ایک روایت کے مطابق سات سو جانباز لے آئے۔ جب آپ تشریف لا رہے تھے تو راستے میں عبدالرحمٰن (یا حبیب) بن عیینہ کی لاش ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی چادر سے ڈھکی ہوئی پڑی تھی۔ لوگوں نے سمجھا شاید ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ لوگوں نے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا اور کہا: ابوقتادہ شہید ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ بِأَبِي قَتَادَةَ وَلٰكِنَّهُ قَتِيلٌ لِأَبِي قَتَادَةَ، وَضَعَ عَلَيْهِ بُرْدَهُ لِتَعْرِفُوا أَنَّهُ صَاحِبُهُ»

”یہ ابوقتادہ نہیں بلکہ ان کا مقتول ہے، انھوں نے اس پر اپنی چادر ڈال دی ہے تا کہ تمھیں پتہ چل جائے کہ یہ ابوقتادہ کا شکار ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، پہاڑ سے اتر کر ذوقرد چشمے پر لوگوں سے ملے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ میں صبح سے دشمن کو ناکوں چنے چبوا رہا تھا۔ میں دشمن کے تعاقب سے واپس آیا تو میرا چچا عامر پانی اور دودھ لے کر آیا۔ میں نے وضو کیا، دودھ پیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دشمنوں سے جو کچھ چھینا اور چھڑایا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ ذبح کیا، پھر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی کلیجی اور کوہان بھونا۔

ابن اکوع رضی اللہ عنہ کی دلیری

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ لوگ سخت پیاسے تھے، وہ اس چشمے سے پانی پینا چاہتے تھے لیکن میں نے انھیں اس کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا۔

مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان جانبازوں میں سے سو افراد لے کر ان کا پیچھا کروں، وہ ابھی دور نہیں گئے ہوں گے۔ میں ان کا سارا مال چھین کر اور انھیں ان کی گردنوں سے پکڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ آپ ﷺ میرے جذبات دیکھ کر خوشی سے ہنسے حتی کہ آپ کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَتُرَاكَ كُنْتَ فَاعِلًا؟»

''کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ایسا کرلو گے؟''

میں نے عرض کی: جی ہاں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو عزت بخشی ہے! میں ایسا ضرور کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ! مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ»

''اکوع کے بیٹے! تم نے قابو پالیا ہے تو اب نرمی برتو۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَّهُمْ لَيُقْرَوْنَ فِي أَرْضِ غَطْفَانَ»

''بلاشبہ اس وقت غطفان کی سرزمین میں ان کی مہمان نوازی ہو رہی ہے۔''

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُمُ الْآنَ لَيُغْبَقُونَ فِي غَطْفَانَ»

''اس وقت وہ غطفان (کی سرزمین) میں رات کی شراب پی رہے ہیں۔''

اسی دوران میں بنو غطفان کا ایک آدمی آیا، اس نے بتایا کہ فلاں غطفانی نے ان کے لیے اونٹ ذبح کیا ہے۔ اسلام کے شاہین فوراً ان کی طرف لپکے۔ ابھی وہ اونٹ کی کھال اتار رہے تھے کہ انھوں نے غبار اڑتا ہوا دیکھا تو کسی نے کہا: بس اب تم پکڑے گئے۔ یہ سنتے ہی بلچل مچ گئی اور جس کا جدھر سینگ سمایا وہیں بھاگ گیا۔

سلمہ بن اکوع اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہما کا اعزاز

جب اسلام کے شاہین واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُو قَتَادَةَ وَ خَيْرُ رَجَّالَتِنَا الْيَوْمَ سَلَمَةُ»

''آج کے بہترین شہسوار ابوقتادہ ہیں اور آج کے بہترین پیادے سلمہ بن اکوع ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے مجھے مالِ غنیمت میں سے دو حصے پیادہ اور سوار کا حصہ مرحمت فرمایا۔

اسلامی لشکر کی واپسی

نبیِ کریم ﷺ نے ذو قرد میں ایک دن اور ایک رات قیام فرمایا، پھر مدینہ کا رخ کیا۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی سواری پر پیچھے بٹھا لیا۔ ابھی ہم ذو قرد اور مدینہ منورہ کے درمیان پہنچے تھے کہ چاشت کا وقت ہوگیا۔ اس جماعت میں بہت تیز دوڑنے والے ایک انصاری صحابی تھے جن سے آگے بڑھنے کی طاقت کسی میں نہیں تھی۔ انھوں نے آواز لگائی: کیا ہے کوئی دوڑنے والا جو مدینے تک دوڑ کا مقابلہ کرے گا؟ پہلے میں برداشت کرتا رہا اور سنتا رہا، انھوں نے اپنا چیلنج کئی مرتبہ دہرایا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھا۔ مجھ سے رہا نہ گیا، میں نے ان سے کہا: نہ تو تم کسی معزز آدمی کی عزت کا خیال کرتے ہو نہ کسی شریف سے ڈرتے ہو۔ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے سوا مجھے کسی کا ڈر نہیں۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! اجازت ہو تو میں اس شخص سے دوڑ لگاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو (تو لگاؤ)۔'' میں نے اس انصاری سے کہا: چلو میں چلتا ہوں۔ انھوں نے سواری سے چھلانگ لگائی اور نیچے کود پڑے۔ میں نے بھی اپنے پاؤں سمیٹے اور نیچے اتر آیا۔ پھر دوڑ شروع ہوئی۔ میں نے ابتدا میں جانے بوجھے انھیں تھوڑا آگے رہنے دیا، پھر دوڑ لگائی حتی کہ میں ان سے مل گیا اور ان کے دونوں کندھوں کے بیچ میں گھونسا مارا اور کہا: میں تم سے آگے بڑھ گیا ہوں، کامیابی اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ ہنسے اور کہا: میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے نہیں جیت سکو گے۔ پھر ہم دوڑتے ہوئے مدینہ آگئے۔

شہداء کے اسمائے گرامی

مسلمانوں میں سے صرف سیدنا محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ انھیں عبدالرحمٰن بن عیینہ نے شہید کیا تھا۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ کے بقول انھیں اوبار نے شہید کیا تھا اور علامہ دمیاطی کہتے ہیں کہ انھیں مَسعدہ بن حَکَمہ نے شہید کیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ تینوں افراد انھیں شہید کرنے میں شریک ہوں، البتہ راجح قول کے مطابق ان کا قاتل عبدالرحمٰن بن عیینہ ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا تذکرہ صحیح بخاری میں ہے۔

جمہور سیرت نگاروں اور مؤرخین کے نزدیک اس غزوے میں شہید ہونے والے صرف سیدنا محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ لیکن ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس دن محرز کے ساتھ وقاص بن مُجَزِّز مدلجی رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تھے۔

مقتولین کفار

کفار میں سے قتل ہونے والے بدنصیب لوگوں میں عبدالرحمٰن بن عیینہ یا حبیب بن عیینہ ہے، اس کو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ مسعدہ بن حکمہ بھی ابوقتادہ کا شکار بنا۔ اوبار اور اس کا بیٹا عمرو سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے نیزے کا نشانہ بنے۔ بروایت واقدی حبیب بن عیینہ کو مقداد رضی اللہ عنہ نے ٹھکانے لگایا تھا۔

مجاہدین کے گھوڑوں کے نام

سیدنا محمود (محمد) بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام ذوالِلّمہ تھا۔ سعد بن زید رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کو لاحق کہتے تھے۔ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کو بَعزجہ کہا جاتا تھا۔ بقول بعض سبحہ کہتے تھے۔ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام بھی ذواللمہ یا الجناح تھا۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام حزوہ تھا۔ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کا گھوڑا لمّاع کہلاتا تھا۔ اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام مسنون تھا اور ابوعیاش رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام جُلوہ تھا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں ہر سو کے درمیان ایک اونٹ تقسیم فرمایا۔

لیلیٰ کی نجات

مشرکین نے غارت گری کے دوران میں سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو شہید کر دیا تھا اور ان کی بیوی لیلیٰ کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ ایک رات جب سب لوگ سو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں قید سے نجات دی۔ وہ اونٹوں کے باڑے میں داخل ہوئیں، ایک اونٹ کے قریب ہوئیں تو وہ بلبلایا، وہ پیچھے ہٹ گئیں۔ پھر ایک اونٹنی کے پاس گئیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی تھی۔ انھوں نے اس کی رسی کھولی، اس کی پشت پر تھپکی دی اور اس پر سوار ہو کر قید خانے سے نکل بھاگیں، کچھ دیر گزری تو دشمنوں کو خبر ہوگئی، انھوں نے تعاقب شروع کر دیا لیکن وہ اونٹنی کی رفتار کو نہ پہنچ سکے۔ لیلیٰ رضی اللہ عنہا صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئیں۔

احسان کا بدلہ احسان ہونا چاہیے

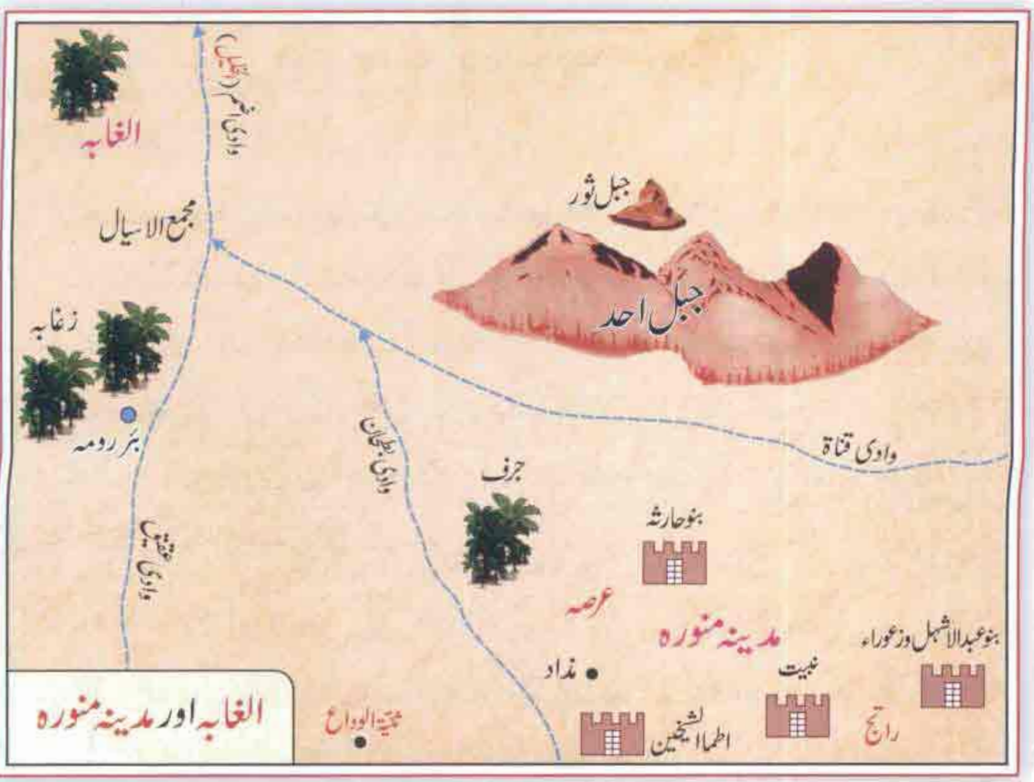
مدینہ پہنچ کر لیلیٰ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے حالات سے آگاہ کیا، پھر بتایا: اللہ کے رسول! میں نے نذر مان رکھی تھی کہ اگر میں صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئی تو اس اونٹنی کو ذبح کروں گی اور

اس کا جگر اور کوہان کھاؤں گی۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

«بِئْسَمَا جَزَيْتِهَا أَنْ حَمَلَكِ اللّٰهُ عَلَيْهَا وَنَجَّاكِ، ثُمَّ تَنْحَرِينَهَا إِنَّهُ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيمَا لَا تَمْلِكِينَ، إِنَّمَا هِيَ نَاقَةٌ مِّنْ إِبِلِي فَارْجِعِي إِلٰى أَهْلِكِ عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ»

”تو نے اسے بہت برا بدلہ دیا۔ اللہ نے تمھیں اس پر سوار کیا اور نجات دی، پھر بھی تم اسے ذبح کرو گی؟ اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر نہیں، نہ اس چیز میں نذر ہے جو تمھاری ملکیت نہیں، یہ اونٹنی میری ہے۔ تم اپنے گھر جاؤ، اللہ تمھیں برکت دے۔“[1]

[1] صحيح مسلم: 1807، مسند أحمد: 52/4، فتح الباري: 578-575/7، شرح الزرقاني على المواهب: 119-109/3، السيرة لابن هشام: 298-294/3، الطبقات لابن سعد: 84,80/2، تاريخ الطبري: 260-255/2، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 748-745/1.



سریّۂ غمر

الغمر جو غمر مرزوق کے نام سے معروف ہے۔ یہ مدینہ کے اطراف میں فَید سے دو دن کی مسافت پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہ کثیر پانی والا چشمہ تھا۔ یہاں بنو اسد کے لوگ آباد تھے۔

سریے کا سبب

قدیم فَید کے حجری آثار



آپ غزوۂ احزاب کے ذیل میں پڑھ آئے ہیں کہ بنو اسد کے لوگ طلیحہ بن خویلد کی قیادت میں معرکۂ خندق میں احزاب کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شامل ہوئے تھے، اس وجہ سے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرنا ضروری تھا تاکہ انھیں یہ سبق مل جائے کہ مسلمانوں کی عسکری قوت اس پوزیشن میں ہے کہ وہ جب چاہیں بنو اسد کے قلب تک پہنچ سکتے ہیں۔

سریے کی تاریخ اور روانگی

رسول اللہ ﷺ نے ربیع الثانی 6ھ میں سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو چالیس افراد کے ساتھ الغمر کی طرف بھیجا۔ ان میں سیدنا ثابت بن اقرم، سیدنا شجاع بن وہب اور سیدنا یزید بن رُقیش رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ فرزندانِ اسلام تیزی سے سفر کرتے ہوئے منزل مقصود کی طرف بڑھے۔ لیکن وہ اپنے ہدف کو نہ پا سکے کیونکہ ان لوگوں کو مجاہدین کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کی پیش قدمی کا پتہ چل گیا تھا، اس لیے وہ اپنے گھر چھوڑ کر بالائی علاقے کی طرف بھاگ گئے۔

دشمن کا فرار اور مخبر کی گرفتاری

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب وہاں پہنچے تو وہاں کوئی بشر نہ تھا۔ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے چہار جانب جاسوس بھیجے لیکن مفروروں

کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ صرف شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ ایک خبر لائے کہ انھوں نے چوپاؤں کے قدموں کے نشانات دیکھے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فوراً اس طرف لپکے۔ راستے میں انھیں دشمن کا ایک مخبر مل گیا۔ انھوں نے اسے پکڑ لیا۔ وہ رات بھر مجاہدین کی جاسوسی کرتا رہا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔ صبح ہوئی تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ مجاہدین نے اسے جھنجوڑا، پوچھا کہ مقامی لوگ کہاں گئے؟ اس نے کھسیانی بلی بنتے ہوئے انجانے پن کا مظاہرہ کیا اور کہنے لگا: لوگ؟ وہ تو اوپر پہاڑوں پر چڑھ گئے ہیں۔ مجاہدین نے پوچھا: جانور کہاں ہیں؟ اس نے کہا: مویشی تو وہ اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

مخبر نے سب کچھ اگل دیا

مخبر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سوالوں کا ٹھیک جواب نہیں دے رہا تھا، وہ آئیں بائیں شائیں کرتا رہا، بالآخر ایک صحابی نے اس کے ہاتھ پر کوڑا مارتے ہوئے کہا: بتاتے ہو یا کوئی اور طریقہ استعمال کریں۔ اس نے ڈر کے مارے فوراً کہا: جان کی امان پاؤں تو سب کچھ بتاتا ہوں۔ مجاہدین نے اسے جان کی امان دے دی اس نے کہا: میں آپ کو اپنے چچازاد بھائیوں کے جانوروں کے بارے میں بتاتا ہوں۔ انھیں تمھارے آنے کی کوئی خبر نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ٹھیک ہے۔

دشمن کے اونٹ دھر لیے گئے

مجاہدین اس مخبر کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ وہ مجاہدین کو دور لے گیا۔ مسلمانوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ یہ شخص دھوکا دے رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! تو ہمیں ساری بات سچ سچ بتا دے اگر تو نے ہیرا پھیری کی تو ہم تیری گردن تن سے جدا کر دیں گے۔ اس نے کہا: تم اس چوٹی سے ان پر دھاوا بول دو، چنانچہ اللہ کے شیر اس کے بتائے ہوئے راستے سے اوپر چڑھے تو واقعتاً وہاں جانور چر رہے تھے۔ مجاہدین نے ان پر حملہ کر دیا اور تمام اونٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ بدو لوگ اس ناگہانی حملے سے گھبرا گئے اور اپنے جانور چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کرنے سے منع کر دیا۔ وہ دو سو اونٹ ہانک کر مدینہ لے آئے اور اس مخبر کو چھوڑ دیا۔ اس طرح یہ چھوٹا سا اسلامی لشکر مالِ غنیمت حاصل کر کے بحفاظت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 85,84/2، المغازي للواقدي: 47/2، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 741,740/1.

1

سریہ ذوالقصہ

سریے کی تاریخ اور لشکر کی تشکیل



بنوثعلبہ کے علاقے میں وقر فُجان نامی چشمہ

رسول اللہ ﷺ نے ربیع الثانی 6 ھ میں ذوالقصہ میں آباد بنوثعلبہ اور بنوعُوال کی سرکوبی کے لیے ایک دستہ بھیجا۔ ذوالقصہ ربذہ کی طرف مدینہ سے 45 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس دستے کے امیر سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے ساتھ جلیل القدر صحابہ شریک تھے۔ سیدنا ابونائلہ، حارث بن اوس، ابوعبس بن جبر، نعمان بن عصر، مُحیصہ بن مسعود، حُویصہ بن مسعود، ابوبردہ بن نیار کے علاوہ دو صحابہ قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھتے تھے اور ایک صحابی غطفانی تھے۔

اسلامی دستے کا محاصرہ

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہوئے، رات کو اپنی منزل پر پہنچے۔ دشمن کے جاسوس نے پہلے ہی اطلاع کر دی، چنانچہ دشمن کے سو افراد گھات لگا کر چھپ گئے۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نیند آ گئی۔ دشمن نے موقع غنیمت جانا اور اس اسلامی دستے کا محاصرہ کر لیا اور ان پر تیر چلانے شروع کر دیے، سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھلی تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو زور سے آواز دی اور کہا: اپنے ہتھیار سنبھالو۔ یہ سنتے ہی سارے جانباز یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور دشمن کا مقابلہ کرنے لگے۔ کافی دیر تک دونوں طرف سے تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔

بدوؤں کی یلغار اور مجاہدین کی شہادت

یہ حملہ بڑا بھیانک اور اچانک تھا۔ تیراندازی کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ بدوؤں نے

نیزے نکال کر زبردست یلغار کی اور مسلمانوں کے تین ساتھی شہید کر دیے۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھ کر پوری جانبازی سے حملہ کیا اور ایک مشرک ٹھکانے لگا دیا۔ دشمن تعداد میں بہت زیادہ اور لڑائی کے بڑے ماہر تھے۔ انھوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے باقی ساتھیوں کو بھی شہید کر دیا۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بری طرح زخمی ہوگئے۔ یہ نڈھال پڑے تھے، کفار نے سمجھا کہ یہ بھی شہید ہوگئے ہیں۔ ایک مشرک نے ان کے ٹخنے پر نیزہ مارا لیکن انھوں نے حرکت نہ کی، چنانچہ وہ سب کو شہید سمجھ کر واپس چلے گئے، جاتے جاتے انھوں نے ان شہداء کے کپڑے بھی اتار لیے اور ان کے گھوڑے بھی لے اڑے۔

سالارِ لشکر کی واپسی

کچھ دیر بعد اتفاقاً ایک مسلمان وہاں سے گزرا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی جماعت شہید کر دی گئی ہے۔ اس نے إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہ مسلمان ہے، انھوں نے حرکت کی تو وہ مسلمان ان کے قریب آ گیا اور انھیں کھانا اور پانی دیا۔ انھوں نے کھانا تناول فرمایا، پانی پیا، پھر وہ شخص انھیں اپنی سواری پر بٹھا کر مدینہ لے آیا۔

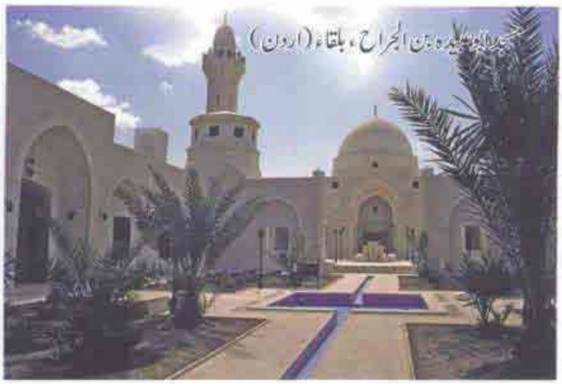
سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر کی لڑائی لڑی گئی تو میری نظر ایسے شخص پر پڑی جو ذوالقصہ میں ہم پر حملہ آوروں میں شریک تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو میرے پاس آیا اور کہا: میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔ میں نے اسے مبارک باد دی۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 85/2، زادالمعاد: 281/3، المغازي للواقدي: 48/2، سبل الهدى والرشاد: 79/6.

2

سریہ ذوالقصہ

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے نو ساتھی شہید ہو گئے تھے، خود سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہو چکے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحے کا شدید رنج تھا۔ ادھر بنو ثعلبہ، بنو محارب اور بنو انمار کے علاقے میں خشک سالی تھی۔ ان لوگوں کو جہاں بھی بارش کی اطلاع ملتی، یہ فوراً ادھر کا رخ کر لیتے۔ انھیں پتہ چلا کہ مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر واقع مَراض نامی جگہ سے تغلمین تک بارش ہوئی ہے۔ یہ لوگ مراض چلے گئے۔ وہاں جا کر ان کی نیت میں فتور آ گیا۔ انھیں معلوم ہوا کہ مدینہ سے سات میل کے فاصلے پر ہیفا نامی چراگاہ میں مسلمانوں کے جانور چر رہے ہیں۔ انھوں نے ان جانوروں کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا۔

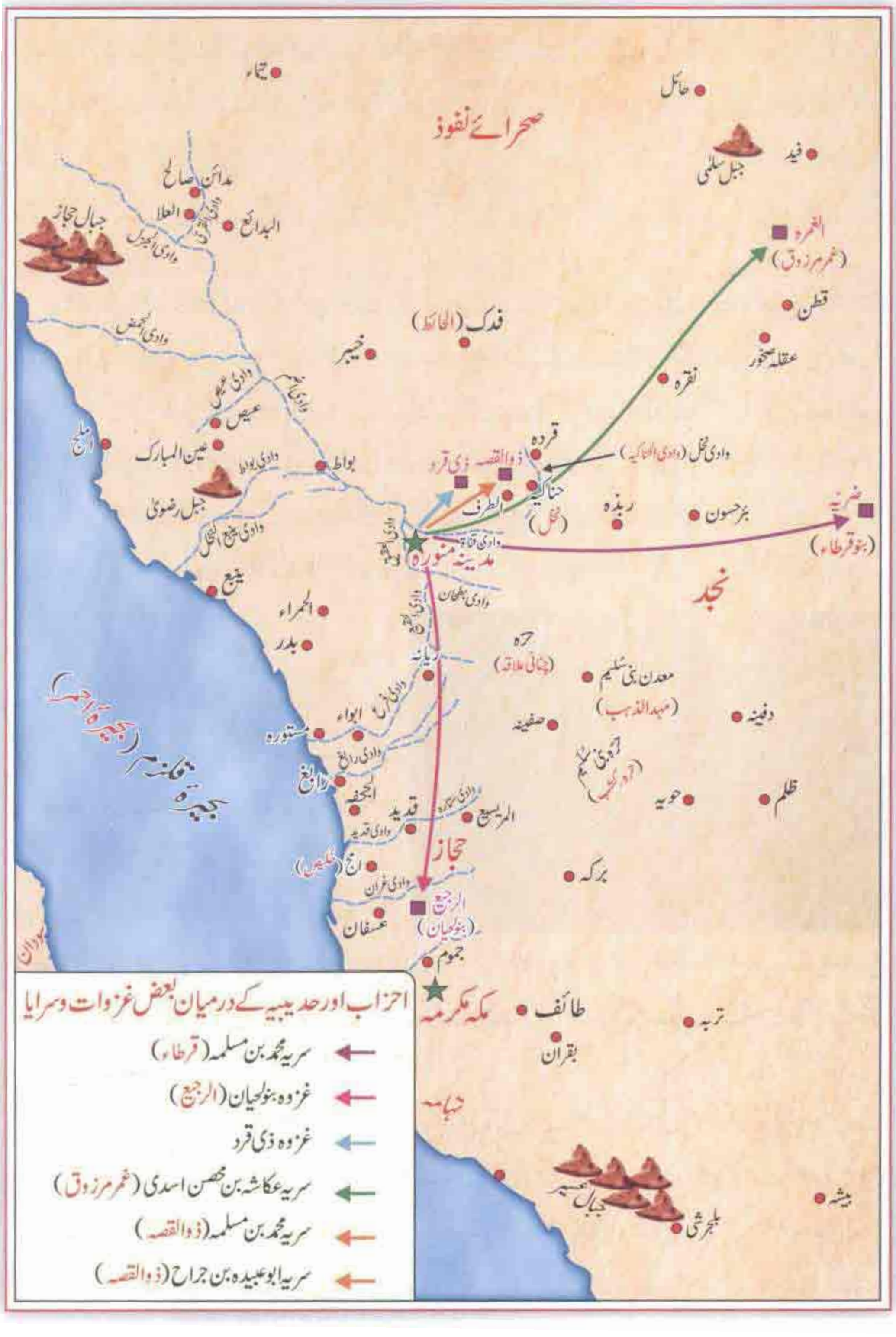


دشمن بھاگ گیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح ان کے منصوبے کا علم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 6ھ ربیع الثانی کے آخر میں ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چالیس افراد کا لشکر روانہ کیا تا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا بدلہ بھی لیا جائے اور ان لوگوں کو ایسا سبق سکھایا جائے کہ انھیں مسلمانوں کے اموال لوٹنے کی جرأت نہ ہو۔ سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نماز مغرب کے بعد اپنے ساتھیوں کو لے کر چلے اور تیزی سے سفر کرتے ہوئے صبح کے وقت دشمن تک جا پہنچے۔ دشمن نے خطرے کی بُو محسوس کر لی، وہ فوراً پہاڑوں پر چڑھ کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔

مجاہدین اسلام نے دیکھا کہ وہاں سوائے ایک آدمی کے اور کوئی نہیں ہے۔ انھوں نے اس شخص کو گرفتار کر لیا، دشمن کے جانور اور سامان اپنے قبضے میں لیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آ گئے۔ قیدی مسلمان ہو گیا تو اسے چھوڑ دیا گیا۔ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے گئے۔ پانچواں حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس رکھا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم فرما دیے۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 86/2، المغازي للواقدي: 49/2، سبل الهدٰى والرشاد: 81/6.



احزاب اور حدیبیہ کے درمیان بعض غزوات وسرایا
سریہ محمد بن مسلمہ (قرطاء)
غزوہ بنولحیان (الرجیع)
غزوہ ذی قرد
سریہ عکاشہ بن محصن اسدی (غمر مرزوق)
سریہ محمد بن مسلمہ (ذو القصہ)
سریہ ابوعبیدہ بن جراح (ذو القصہ)
تیماء
حائل
صحرائے نفوذ
فید
جبل سلمیٰ
مدائن صالح
العلا
البدائع
جبال حجاز
الغمرہ
(غمر مرزوق)
قطن
عقلہ صخور
فدک (الحائط)
خیبر
نقرہ
عیص
عین المبارک
قردہ
ذو القصہ
ذی قرد
بواط
جبل رضویٰ
الطرف
ربذہ
ضریہ
(بنو قرطاء)
مدینہ منورہ
ینبع
نجد
الحمراء
بدر
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
دفینہ
مستورہ
ابواء
رابغ
الجحفہ
قدید
المریسیع
حویہ
ظلم
حجاز
برکہ
الرجیع
(بنولحیان)
عسفان
جموم
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
بقران
تہامہ
جبال عسیر
بیشہ
بلجرشی

سریۂ جموم

جموم، نجد کے علاقے میں ایک چشمہ ہے۔ یہاں بنوسلیم رہتے تھے۔ غزوہ احزاب میں ان کے سات سو جنگجو ابوسفیان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف برسرِ جنگ رہے، اس لیے ان کے خلاف تادیبی کارروائی ضروری تھی تاکہ وہ آئندہ ایسا اقدام نہ کر سکیں اور انھیں معلوم ہو جائے کہ مسلمان اپنے دفاع کے ساتھ ساتھ دشمن کے علاقے میں گھس کر اینٹ سے اینٹ بجانے کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔

نبیِ ﷺ نے ربیع الثانی 6 ھ میں جموم میں بنوسلیم کی طرف ایک دستہ بھیجا۔ اس دستے کے کمانڈر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما تھے۔ مجاہدین ان کے علاقے میں پہنچے تو وہ لوگ تتر بتر ہو گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں مزینہ قبیلے کی ایک عورت ملی۔ اس کا نام حلیمہ تھا۔ اس نے مجاہدین کو بنوسلیم کے ٹھکانوں کا پتہ بتا دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں حملہ کیا تو وہاں سے کچھ لوگ بھاگ گئے اور کچھ مسلمانوں کی قید میں آ گئے۔ ان قیدیوں میں حلیمہ مزنیہ کا شوہر بھی تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے اونٹ اور بکریاں بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔

کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مالِ غنیمت اور قیدی لے کر مدینہ روانہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حلیمہ کو بنوسلیم کا پتہ بتانے کے عوض اس کے شوہر سمیت آزاد کر دیا۔ بلال بن حارث مزنی نے اس بارے میں کہا:

لَعَمْرُكَ مَا أَخْنَى الْمَسُولُ وَلَا وَنَتْ   حَلِيمَةُ حَتّٰى رَاحَ رَكْبُهُمَا مَعَا

''تیری زندگانی کی قسم! جس سے سوال کیا گیا تھا، اس نے کوتاہی کی، نہ حلیمہ ہی تھکی حتی کہ دونوں کی سواری ساتھ ساتھ روانہ ہوئی۔''[1]

[1] عیون الأثر لابن سید الناس، ص:306، الطبقات لابن سعد:86/2.

سریۂ عیص

جمادی الاولیٰ 6ھ میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ آپ ﷺ کے داماد اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند ابوالعاص قریش کا تجارتی کارواں لے کر شام سے واپس آرہے ہیں۔ جناب ابوالعاص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ عیص کی طرف روانہ کیا، یہ علاقہ سمندر کے قریب مدینہ سے تقریباً 180 کلومیٹر شمال مغرب میں ہے۔ جب قافلہ عین نشانے پر آگیا تو مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا۔ اس قافلے میں قریش کا بہت سارا مال اور صفوان بن امیہ کی ڈھیر ساری چاندی ہاتھ لگی۔

ابوالعاص سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ میں

کچھ لوگ گرفتار ہوئے، کچھ بھاگ گئے۔ امیرِ کارواں ابوالعاص نے بھاگ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ مانگ لی۔ انھوں نے پناہ دے دی۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے اس پناہ کو قبول کیا اور قافلے کا سارا مال بھی واپس کر دیا۔ اس بے مثال حسنِ خلق سے متأثر ہو کر سیدنا ابوالعاص مسلمان ہو گئے رضی اللہ عنہ۔ اس واقعے کی مکمل تفصیل اسی انسائیکلوپیڈیا کی جلد پنجم میں درج ہے۔ [1]

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا: 5/520-523.



سریۂ الطَّرَف

...کے نواح میں بسنے والے اسلام دشمن قبائل بالخصوص وہ قبیلے جو مسلمانوں کے خلاف احزاب کے ساتھ مل کر لڑائی [illegible] کے ساتھیوں کو شہید کیا تھا، ان کی گوشمالی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جمادی ثانیہ 6ھ میں پندرہ جانبازوں کے ساتھ الطرف نامی چشمے کی طرف بھیجا۔ یہ چشمہ مدینہ سے تقریباً 66 کلومیٹر دور المراض کے قریب اس راستے پر واقع تھا جو البقرہ سے المحجہ کو جاتا ہے۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ جب الطرف پہنچے تو مقامی دیہی لوگ دیکھ کر یہ سمجھے کہ اس دستے کے پیچھے خود رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور یہ مسلمانوں کا ہراول دستہ ہے۔ ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ اپنے جانور چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں میں جا چھپے۔ ان کا کوئی آدمی ہاتھ نہیں آیا، البتہ ان کے بیس اونٹ اور کچھ بکریاں ہاتھ لگیں۔ مجاہدین چار روز بعد مالِ غنیمت لے کر واپس مدینہ تشریف لائے۔ ان کا شعار (Code Word) ''أَمِتْ أَمِتْ'' تھا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 87/2، عیون الأثر، ص: 307.



بنی ثعلبہ کے قدیم محل کے حجری آثار

سریہ وادی القریٰ

رجب 6 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی قیادت میں بارہ آدمیوں کا دستہ وادی القریٰ کی جانب روانہ کیا۔ اس کا مقصد دشمن کی نقل و حرکت معلوم کرنا تھا۔ جب ان مجاہدین نے وادی القریٰ کے علاقے میں پڑاؤ کیا تو دشمن دبک گیا اور موقع کی گھات میں بیٹھ گیا۔ جونہی موقع ملا وادی القریٰ کے باشندوں نے اس چھوٹی سی جماعت پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے نو ساتھی شہید ہو گئے، صرف تین بچے جن میں خود سیدنا زید رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔[1]

[1] الرحیق المختوم، ص: 335.



وادی القریٰ کا ایک خوبصورت منظر

سریّۂ دومۃ الجندل

جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی لشکر جن دور دراز مقامات پر گئے، یہ ان میں سب سے دور جانے والا لشکر تھا۔ دومۃ الجندل اس وقت کے شام کی سرحد کے قریب واقع ہے اور دمشق سے اس کی جتنی مسافت ہے، اس سے یہ تین گنا زیادہ مدینہ سے دور ہے۔ یہ مقام عرب کے صحرائے نفود کے عین بیچ میں روم اور جزیرہ نمائے عرب کے مابین تعلق کا ذریعہ تھا۔ اس کے باسی کلب قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اہلِ روم عیسائی تھے اور بنوکلب ان کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے ان سے بہت متاثر تھے اور عیسائیت قبول کر چکے تھے، چنانچہ دومۃ الجندل کی طرف جانے والا یہ اسلامی لشکر رومی سلطنت سے ٹکراؤ کے نبوی منصوبے کا ایک حصہ تھا۔ [1]

سریے کی تاریخ

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سات سو مجاہدین کا لشکر شعبان 6 ھ میں دومۃ الجندل کی طرف روانہ کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ انھوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا اور آغاز ہی سے دعوتِ اسلامیہ کے اہم رکن بن گئے۔

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 137,136/1.



دومۃ الجندل کے آثار

جنگ کا مقصد

اس سریے کے دو نمایاں پہلو تھے : 1 دعوتی نقطۂ نظر 2 جنگی نقطۂ نظر۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ وہ ابتدائے اسلام ہی سے اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق تربیت یافتہ مجاہد تھے۔ اس جنگ کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

«تَجَهَّزْ فَإِنِّي بَاعِثُكَ فِي سَرِيَّةٍ مِّنْ يَّوْمِكَ هٰذَا أَوْمِنْ غَدٍ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

"تیاری کرلو، میں تمھیں آج یا کل جنگ پر روانہ کرنے والا ہوں۔ ان شاء اللہ۔"

ابن عوف رضی اللہ عنہ کی دستار بندی



عبداللہ بن مسعود پرائمری سکول، جبیل (سعودی عرب)



حذیفہ بن یمان سکول (سلطنت عمان)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: صبح میں مسجد ہی میں تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، معاذ بن جبل، حذیفہ بن یمان، ابوسعید خدری اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن کو حکم دیا تھا کہ رات ہی کو سفر شروع کر دو اور دومۃ الجندل پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ لیکن آپ ﷺ نے انھیں فجر کی نماز میں دیکھا تو دریافت فرمایا:

«مَا خَلَّفَكَ عَنْ أَصْحَابِكَ؟»

"تجھے تیرے ساتھیوں سے کس چیز نے پیچھے رکھا؟"

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ساتھی سحری کے وقت ہی جا چکے تھے اور مقام الجرف میں اکٹھے

ہو رہے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے استفسار پر عرض کیا: اللہ کے رسول! میرا جی چاہتا تھا کہ میں سفر کا لباس پہن کر سب سے آخر میں آپ سے مل کر جاؤں۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سر پر سیاہ پگڑی باندھ رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی پگڑی کے پیچ کھولے پھر خود اپنے دستِ مبارک سے پگڑی باندھی، اس کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا اور ان سے فرمایا:

«هٰكَذَا فَاعْتَمَّ يَا ابْنَ عَوْفٍ!»

''ابن عوف! اس طرح پگڑی باندھا کرو۔''

رسول اللہ ﷺ کی ابن عوف رضی اللہ عنہ کو وصیت

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ گردن میں تلوار لٹکائے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُغْزُ بِاسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، لَا تَغُلَّ وَلَا تَغْدِرْ وَلَا تَقْتُلْ وَلِيدًا»

''اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اللہ کے نام سے جنگ کرو اور جو شخص اللہ کا انکار کرے اس سے لڑو۔ خیانت مت کرنا، بدعہدی نہ کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا۔''[1]

پانچ کے بدلے پانچ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ! خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ، وَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ: لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَّضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَؤُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا، وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللّٰهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ غَيْرِهِمْ فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ، وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ»

[1] المغازي للواقدي: 57/2، السيرة لابن هشام: 280/4، سبل الهدٰى والرشاد: 93/6.

''اے مہاجروں کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ تم ان میں مبتلا ہو گئے (تو ان کی سزا ضرور ملے گی) اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم انھیں پاؤ: 1 جب کسی قوم میں بے حیائی علانیہ ہونے لگتی ہے تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے گزرے ہوئے لوگوں میں نہیں ہوتی تھیں۔ 2 جب بھی وہ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، انھیں قحط سالی، روزگار کی تنگی اور بادشاہ کے ظلم کے ذریعے سے سزا دی جاتی ہے۔ 3 جب وہ اپنے مالوں کی زکاۃ دینا بند کرتے ہیں تو ان سے آسمان کی بارش روک لی جاتی ہے اور اگر جانور نہ ہوں تو انھیں کبھی بارش نصیب نہ ہو۔ 4 جب وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا عہد توڑتے ہیں تو ان پر دوسری قوموں میں سے دشمن مسلط کر دیے جاتے ہیں، وہ ان سے ان نعمتوں میں سے کچھ چھین لیتے ہیں جو ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔ 5 جب بھی ان کے امام، حکمران اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے، اسے اختیار نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں باہم لڑائی ڈال دیتا ہے۔''[1]

ابن عوف رضی اللہ عنہ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جھنڈا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں۔ انھوں نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا۔ وہ جھنڈا لے کر، آپ ﷺ کی ہدایات سن کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور مقام جرف پر اپنے لشکر سے آملے۔ وہاں سے انھوں نے اپنے اصلی ہدف دومۃ الجندل کا رخ کیا۔

دومۃ الجندل میں انقلاب

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل پہنچ گئے اور وہاں کے باسیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا۔ دوسرے دن دعوت دی، پھر بھی وہ لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ تیسرا دن تھا کہ بنوکلب کا عیسائی سردار اصبغ بن عمرو کلبی مسلمان ہوگیا۔ اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد بنوکلب کے بہت سے باشندوں کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ انھوں نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ کچھ لوگ عیسائیت ہی پر اڑے رہے، انھوں نے اسلام قبول نہ کیا، وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہوگئے۔ اب مسلمان اسلامی احکام نافذ ہونے کی وجہ سے خوشحال اور آزادانہ زندگی گزارنے لگے اور جو مسلمان نہیں ہوئے، وہ جزیہ دے کر امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس انقلاب کی خوشخبری رسول اللہ ﷺ کو لکھ بھیجی۔

[1] سنن ابن ماجه: 4019، السيرة لابن هشام: 280/4.

کلبی سردار کی بیٹی سے ابن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی

اصبغ بن عمرو کلبی مسلمان ہوگیا۔ دومۃ الجندل کی کایا پلٹ گئی۔ علاقے میں مکمل امن و امان ہوگیا، اب سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ کلب میں شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شادی کی اجازت لینے کے لیے قبیلۂ جہینہ کے صحابی رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انھیں پیغام دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا عبدالرحمٰن قبیلہ کلب میں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ پیغام پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کہا کہ عبدالرحمٰن سے کہنا کہ تماضر بنت اصبغ سے شادی کرلو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے روانہ کیا تو انھیں نصیحت فرمائی:

«إِنِ اسْتَجَابُوا لَكَ فَتَزَوَّجِ ابْنَةَ مَلِكِهِمْ أَوِ ابْنَةَ سَيِّدِهِمْ»

''اگر وہ تمھاری دعوت قبول کرلیں (اور مسلمان ہو جائیں) تو ان کے حکمران یا سردار کی بیٹی سے شادی کرلینا۔''

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تماضر رضی اللہ عنہا سے شادی کرلی اور انھیں مدینہ لے آئے۔ ان کے بطن سے سیدنا عبدالرحمٰن کے صاحبزادے ابوسلمہ پیدا ہوئے۔ اس لیے تماضر بنت اصبغ رضی اللہ عنہا ام ابوسلمہ کے نام سے معروف ہوئی۔ [1]

سبق آموز باتیں

اس سریے سے ہمیں بہت سے اسباق ملتے ہیں، مثلاً:

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سر پر عمامہ باندھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس طرح کی خاطر مدارات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوصلے بڑھاتی تھی اور انھیں دین کی مزید خدمت پر آمادہ کرتی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قائد اور ماتحتوں میں اخوت و محبت کامیابی کی ضمانت ہے۔
- سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا یہ لشکر عقیدے کی اصلاح اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سکھانے نکلا اور اس نے لق و دق صحرا کی وسعتیں عبور کر کے مشرکوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ یہ لشکر مقاصدِ جہاد کی تکمیل کا ذریعہ بنا۔ اس سے پتہ چلا کہ مسلمانوں کی جنگ اللہ تعالیٰ کے منکروں سے ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔ مسلمانوں کی جنگ جاہلیت کے طرز اور اصولوں پر نہیں ہوتی جیسا کہ اس شعر میں جاہلیت کی جنگوں کا تذکرہ ہے:

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 85/4، المغازي للواقدي: 58/2، سبل الهدٰى والرشاد: 94/6.

وَأَحْيَانًا عَلٰى بَكْرٍ أَخِينَا إِذَا مَا لَمْ نَجِدْ إِلَّا أَخَانَا

''جب ہم اپنے بھائی کے علاوہ کسی اور کو نہ پائیں تو کبھی کبھی ہم اپنے بھائی بنو بکر ہی پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔''

- رسول اللہ ﷺ نے سالارِ لشکر کو خیانت، یعنی قبل از تقسیم، مالِ غنیمت سے کچھ لینے سے، بدعہدی سے اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ یہ اسلامی جہاد کے آداب کا ایک شاندار نمونہ ہے۔ جنگ میں عموماً ظلم وستم ڈھایا جاتا ہے لیکن ان مسلمانوں کے نزدیک جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے خیانت اور حسد سے پاک رکھا ہے، یہی جنگ حق کو غالب کرنے اور باطل کو دبانے کا ذریعہ بنتی ہے، مسلمان صرف حق کو غالب کرتے، اہل حق کی مدد کرتے اور ظالم کو ظلم سے روکتے ہیں۔ جہادِ اسلامی اخلاقِ عالیہ کا حامل ہے۔ یہ اخلاق انسان کو قوت دیتے اور اس میں نرمی اور رحم دلی کے اوصاف پیدا کرتے ہیں۔
- دومۃ الجندل میں بنوکلب کے سردار اصبغ کا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا، جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر نجاشی کا قبول اسلام اور سیدنا مصعب کے ہاتھ پر سردارانِ اوس وخزرج کے قبول اسلام کی یاد تازہ کرتا ہے۔ یہ تینوں جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کے اولین سپوت تھے۔
- دومۃ الجندل اسلام کے دشمن رومیوں کے خلاف ایک مضبوط قلعہ بن گیا۔ روم کے دور دراز علاقے میں جنگ کے لیے اس سے بہتر کوئی قلعہ اور مرکز نہ تھا۔
- سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بنوکلب کے سردار کی بیٹی سے شادی کرنا دومۃ الجندل کے نئے مسلمان حکمران اور اسلامی ریاست مدینہ کے درمیان روابط کو مزید مستحکم کرنے کا ذریعہ بنی۔ یہ امر اسلامی دعوت کے لیے بڑا مفید تھا کیونکہ سسرالی رشتہ قرب کا ذریعہ ہے جو اسبابِ عداوت کو جڑ سے اکھاڑ کر بالآخر اسلام میں داخلے کا سبب بنتا ہے۔[1]

[1] السيرة النبوية للصلابي :2/326-329، التربية القيادية للدكتور الغضبان : 4/172-174، التاريخ الإسلامي للحميدي : 184/6 و 186.

سریۂ مدین

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو مدین کی طرف بھیجا۔ ان کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام ضمیرہ اور ان کے بھائی بھی تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور بندرگاہ پر بسنے والے لوگوں میں سے بہت سے افراد قیدی بنا لیے، پھر انھیں فروخت کیا گیا اور فروخت کرتے وقت ماں اور اس کے بچے کو اکٹھا رکھنے کا دھیان نہیں رکھا گیا، یعنی ماں کسی کے ہاتھ فروخت کر دی اور اس کا بچہ کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس طرح ماں اور بچے کی جدائی دونوں کے لیے تکلیف در تکلیف کا سبب بنی۔

ممتا کا احترام

رسول اللہ ﷺ ان قیدیوں کی طرف تشریف لائے تو انھیں روتے دیکھ کر آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ کو ان کے رونے کا سبب بتایا گیا کہ ان میں جدائی ڈال دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَبِيعُوهُمْ إِلَّا جَمِيعًا»

''انھیں اکٹھا ہی فروخت کرو۔''

یعنی ماں اور اس کی اولاد میں جدائی مت ڈالو۔ [1]

[1] السیرۃ لابن ہشام: 284/4.



البدع (مدین) میں قوم شعیب کے آثار

سریۂ فدک

فدک مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان مدینہ سے چھ دن کی دوری پر واقع ہے۔ یہاں بنوسعد بن بکر آباد تھے۔ بنوقینقاع اور بنونضیر کے بہت سارے یہودی خیبر جا بسے تھے۔ انھیں اپنی جلاوطنی پر بہت غصہ تھا۔ اب وہ رسول اللہ ﷺ پر بھرپور وار کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے وہ گاہے گاہے شرارتیں بھی کرتے اور نجدی قبائل کو بھڑکاتے رہتے تھے۔ اب وہ بنوسعد بن بکر کو اپنا معاون بنا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چل گیا کہ بنوسعد بن بکر خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لیے لشکر تیار کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے شعبان 6 ھ میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ایک سو مجاہدین دے کر بھیجا۔ یہ لشکر بہت محتاط تھا، رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپ جاتا تھا۔ مجاہدین تیزی سے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہے تھے۔ راستے میں الہجم نامی کنویں کے پاس بنوسعد کا ایک جاسوس ہاتھ لگ گیا۔ اسے بنوسعد نے خیبر بھیجا تھا تاکہ یہودِ خیبر سے اس بارے میں گفت وشنید کرے کہ بنوسعد اہلِ خیبر کی مدد ضرور کریں گے لیکن اس شرط پر کہ انھیں خیبر کی کھجوروں میں حصہ دار بنایا جائے اور دوسروں کی طرح انھیں بھی نوازا جائے۔

مجاہدین کی کامیابی

مجاہدین نے اس جاسوس کو پکڑ لیا اور اس سے بنوسعد کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں، اس نے کہا:



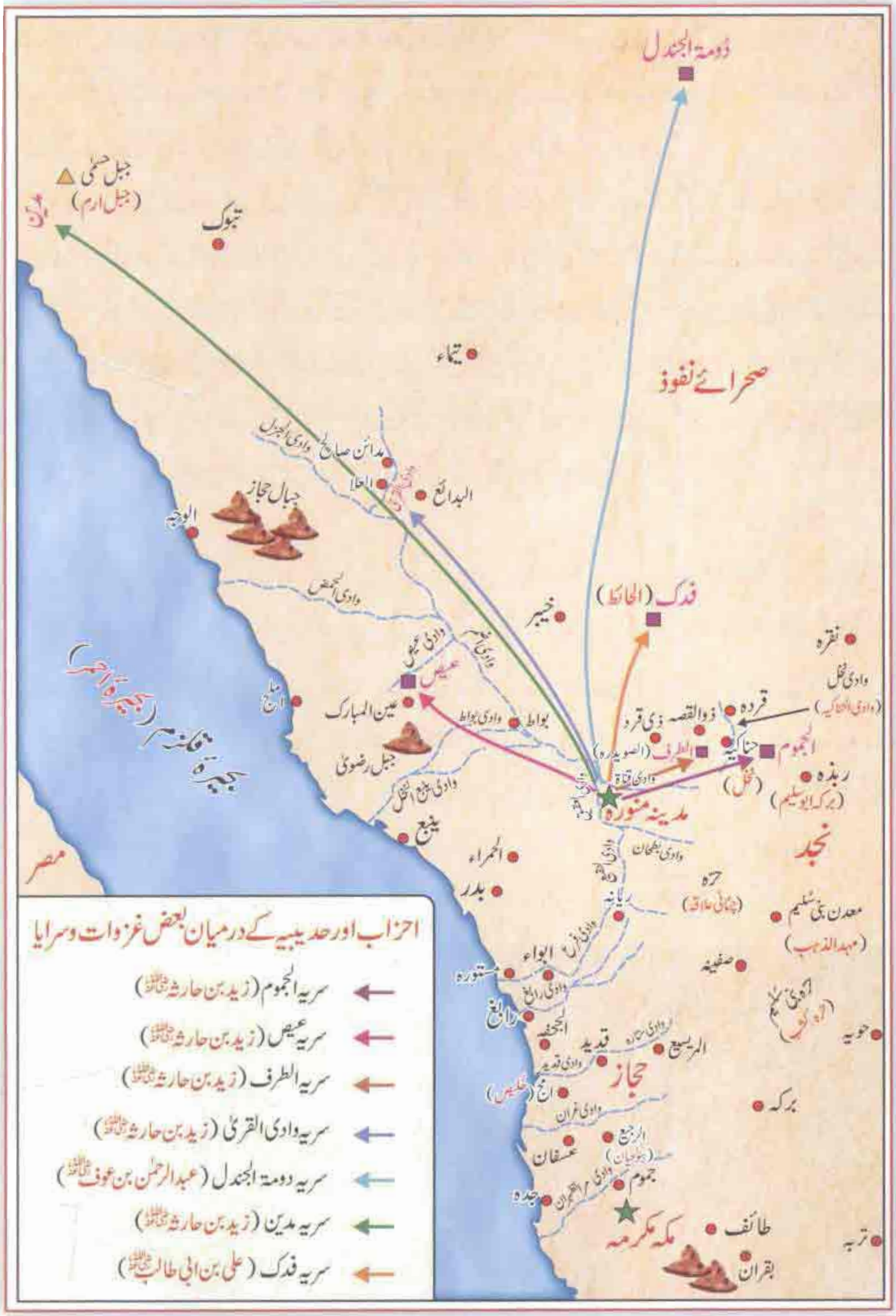
فدک (الحائط) کے آثار

مجھے جان کی امان دے دو تو تمھیں سب کچھ بتا دوں گا۔ مجاہدین نے اسے جان کی امان دے دی اور خبردار کیا کہ سب کچھ صحیح صحیح بتانا ورنہ تمھارا وہ حشر ہوگا کہ یاد کرو گے، چنانچہ اس نے بنوسعد کے گھروں اور مویشیوں کے متعلق ٹھیک ٹھیک رہنمائی کی۔ اس اطلاع کی روشنی میں مجاہدین نے ان پر اچانک حملہ کر دیا۔

بنوسعد اس اچانک اور بھیانک حملے سے سنبھل نہ سکے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ محمد (ﷺ) کے جاں نثار اس قدر اچانک اور زوردار حملہ کریں گے۔ بنوسعد کا سردار وبر بن عُلَیم بار برداری کے اونٹ، اپنے قبیلے کے بچے، عورتیں اور سب مردوں کو لے کر بھاگ گیا۔ بنوسعد کے پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مجاہدین کے قبضے میں آئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس مال غنیمت سے ایک دودھیل اونٹنی نبی کریم ﷺ کے لیے الگ کر دی۔ اس اونٹنی نے ابھی چند دن پہلے ہی بچہ دیا تھا۔ یہ اونٹنی مالِ خمس سے الگ خالصتاً نبی کریم ﷺ کے لیے تھی۔ بعد ازاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ (خمس) الگ کیا اور باقی سارا مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔[1]

1 المغازي للواقدي: 60,59/2، تاريخ الطبري: 287,286/2، الطبقات لابن سعد: 90,89/2.


مسجد علی بن ابی طالب، جناح (ہرمزگان، ایران)



احزاب اور حدیبیہ کے درمیان بعض غزوات وسرایا
سریہ الجموم (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)
سریہ عیص (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)
سریہ الطرف (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)
سریہ وادی القریٰ (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)
سریہ دومۃ الجندل (عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ)
سریہ مدین (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)
سریہ فدک (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)
دومۃ الجندل
جبل حسمٰی
(جبل ارم)
مدین
تبوک
تیماء
صحرائے نفوذ
مدائن صالح
العلا
البدائع
جبال حجاز
الوجہ
وادی الحمض
فدک (الحائط)
خیبر
نقرہ
عیص
عین المبارک
بواط
جبل رضوی
ذی قرد
ذوالقصہ
قردہ
الطرف
الجموم
ربذہ
مدینہ منورہ
نجد
ینبع
الحمراء
بدر
مصر
بحیرہ قلزم (بحیرہ احمر)
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
صفینہ
ابواء
مستورہ
رابغ
الجحفہ
قدید
الرجیع
حجاز
عسفان
جموم
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
برکہ
حویہ
تربہ
بقران

سریۂ ام قرفہ

ام قرفہ کا تعارف

ام قرفہ ایک عورت کا نام ہے۔ یہ ربیعہ بن بدرفزاری کی بیٹی تھی۔قوت وحفاظت میں اس کا نام بطورِضرب المثل بیان کیا جاتا تھا۔ اہل عرب کسی کے حفاظتی انتظامات اور قوت ظاہر کرنا چاہتے تو کہتے:

أَعَزُّ وَ أَمْنَعُ مِنْ أُمِّ قِرْفَةَ .

''یہ تو ام قرفہ سے بھی بڑھ کر غالب آنے والا اور حفاظت کرنے والا ہے۔''

اس کے گھر میں ہر وقت پچاس شمشیر زن سربکف تیار رہتے تھے۔ اس کے ایک بیٹے کا نام قرفہ تھا۔ اسی وجہ سے اس کی کنیت ام قرفہ تھی۔ اس کا اصل نام فاطمہ بنت ربیعہ تھا۔ یہ وادی القریٰ کے ایک طرف مدینہ سے سات رات کی مسافت پر رہتی تھی۔

ام قرفہ کے جارحانہ جذبات

ام قرفہ بوڑھی عورت تھی، انتہائی گستاخ اور بدزبان تھی۔ رسالتِ مآب ﷺ کی شان میں گستاخی گویا اس کی روحانی غذا تھی۔ ایک دفعہ اس نے اپنے بیٹوں اور پوتوں پر مشتمل تیس افراد کا جتھا تیار کیا اور انھیں حکم دیا کہ مدینہ پر حملہ کر دو اور محمد (ﷺ) کو قتل کر ڈالو۔ یہ عورت اسلام اور نبیِ اسلام ﷺ کی سخت دشمن تھی۔

سریے کی تاریخ اور سبب

یہ سریہ ماہ رمضان 6 ھ میں پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما تجارت کی غرض سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اموال بھی تھے۔ راستے میں جب وادی القریٰ سے گزرے تو بنوفزارہ کی شاخ بنوبدر کے کچھ لوگوں نے ان پر حملہ کر دیا اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بہت مارا پیٹا اور ان کے اموال بھی چھین لیے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے آ کر رسول ﷺ کو سارا ماجرا سنایا تو جب یہ صحت یاب

ہو گئے تو آپ ﷺ نے انھیں ایک دستہ دے کر بنو بدر فزاری کی گوشمالی کے لیے بھیجا۔

مجاہدین کی مہم جوئی

رسول اللہ ﷺ نے فوجی دستے کو روانہ کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی:

«اُكْمُنُوا النَّهَارَ وَ سِيرُوا اللَّيْلَ»

''تم دن کو چھپے رہنا اور رات کو سفر کرنا۔''

یہ چھوٹا سا اسلامی دستہ سالارِ اعظم ﷺ کی ہدایت کے مطابق دن کو چھپ جاتا اور رات کو سفر کرتا۔ بنو بدر کو یقین تھا کہ مسلمان اپنا مال واپس لینے ضرور آئیں گے، چنانچہ انھوں نے جاسوس پھیلا دیے۔ یہ لوگ دن رات پہاڑوں پر چڑھے رہتے راستے دیکھتے رہتے اور اندازہ لگاتے کہ مسلمان کدھر سے حملہ آور ہوں گے۔ منزل مقصود پر پہنچنے سے ایک رات پہلے ایسا اتفاق ہوا کہ اسلامی دستے کا رہبر راستہ بھول گیا اور جس وقت تک اسلامی دستے کو وہاں پہنچنا چاہیے تھا، اس وقت اسلامی دستہ ایک رات کی مسافت پیچھے تھا۔ بنو بدر کو یقین ہو گیا کہ مسلمان اب نہیں آئیں گے۔

بنو بدر پر حملہ



مسجد زید بن حارثہ، السویس (سویز، مصر)

بنو بدر اطمینان سے سو گئے، مجاہدین راستہ بدل کر رات کی تاریکی ہی میں وہاں جا پہنچے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے کہہ رکھا تھا کہ جب میں تکبیر کی آواز بلند کروں تو تم میرے بعد تکبیر کا نعرہ لگانا، چنانچہ سالارِ مجاہدین نے جب دشمن کا گھیراؤ کر لیا تو نعرہ تکبیر بلند کیا۔ مجاہدین نے بھی بلند آہنگی سے اللہ اکبر کہا۔ دشمن کے بہت سے آدمی قتل ہو گئے۔ مسعدہ بن حکمہ کے دو بیٹے نعمان اور عبیداللہ بھی قتل کر دیے گئے۔

گستاخ عورت کا حشر

ام قرفہ، اس کی بیٹی جاریہ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر فزاری اور عبداللہ بن مسعدہ بن حکمہ بن مالک کو گرفتار

کر لیا گیا۔ سیدنا قیس بن مُحَسِّر نے نعمان بن مسعدہ، عبیداللہ بن مسعدہ بن حکمہ اور گستاخِ رسول ام قرفہ کو قتل کر دیا۔ یوں وہ بدبخت اپنے انجام کو پہنچی۔

اسلامی لشکر کی واپسی

مسلمان بڑے شاداں وفرحاں تھے۔ انھوں نے بڑی اہم کامیابی حاصل کی تھی۔ دشمن اسلام ام قرفہ کو کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ان کے جنگجو قتل کیے۔ ام قرفہ کی بیٹی کو لونڈی بنایا۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ صحیح سلامت مدینہ پہنچے اور سیدھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ اقدس میں تھے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے دروازے پر دستک دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا لباس مبارک گھسیٹتے ہوئے تیزی سے باہر آئے اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اتنے خوش ہوئے کہ انھیں گلے لگایا اور ان کا ماتھا چوما۔ پھر سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اپنی مہم کی تفصیل سنائی اور قیدیوں کے بارے میں آگاہ کیا۔

ام قرفہ کی بیٹی جاریہ بنت مالک کو سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا، اس لیے وہ انھی کے پاس تھی، وہ بے حد معزز خاندان سے تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ سے ام قرفہ کی بیٹی کو مانگا تو انھوں نے وہ لونڈی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لونڈی اپنے ماموں حزن بن ابو وہب کو ہبہ کر دی۔ پھر اس کے بطن سے عبدالرحمٰن بن حزن پیدا ہوئے۔[1]

عبداللہ بن مسعدہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں آزاد کر دیا۔[2]

1 الطبقات لابن سعد: 91,90/2، تاريخ الطبري: 287/2. 2 أسد الغابة: 73/3.

سریّۂ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ

سریے کا سبب

بنونضیر سے تعلق رکھنے والا ایک یہودی ابورافع سلام بن ابی الحُقَیق لوگوں کو اسلامی حکومت کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف نفرت اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس نے غطفان اور اس کے اردگرد کے مشرک قبائل کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور انھیں بڑے انعام کا لالچ دیا۔ اس کا یہ سازشی کردار زبان زد عام تھا۔ احزاب کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف اکٹھا کرنے والوں میں ایک یہ شخص بھی تھا، اس لیے اس کو لگام ڈالنا بہت ضروری تھا۔

سریے کی تاریخ

اسلام کے اس بہت بڑے دشمن کو ٹھکانے لگانا آسان نہ تھا کیونکہ وہ اپنے علاقے کا سردار تھا۔ حاشیہ نشینوں کی ایک بہت بڑی جماعت ہر وقت اس کے اردگرد رہتی تھی۔ لیکن قوتِ ایمانی سے لبریز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسلام دشمن قوتوں سے ٹکرانا جانتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان 6 ھ میں عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھیوں سمیت روانہ کیا۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 91/2.



قلعہ کعب بن اشرف (مدینہ منورہ)

بنوخزرج کی مسابقت

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ انعام بھی کیا کہ اوس وخزرج کے انصار ہمیشہ آپ ﷺ کی خیر خواہی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ان دونوں قبیلوں میں سے اگر کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیتا تو دوسرا قبیلہ اس سے بھی بڑے کام کرنے کی دُھن میں لگ جاتا۔

قبیلۂ اوس کے انصار نے جنگِ احد سے پہلے اسلام کے دشمن کعب بن اشرف کو قتل کر دیا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچاتا تھا اور لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ بنوخزرج اب موقع کی تلاش میں تھے، انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اوس رسول اللہ ﷺ کے نزدیک اور اسلام میں ہم سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ انھوں نے ٹوہ لگائی کہ وہ کون بد بخت ہوسکتا ہے جو کعب بن اشرف کی طرح کا اسلام دشمن ہو۔ لوگوں نے خیبر میں رہنے والے ابورافع سلام بن ابی الحقیق کا نام بتایا۔ اس کے قتل پر بنوخزرج کا اتفاق ہوگیا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور ابورافع کو قتل کرنے کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور تاکید فرمائی کہ عورتوں اور بچوں کو کچھ نہ کہنا۔[1]

مہم میں شریک مجاہدین

ابورافع کو قتل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک مختصر سی جماعت روانہ کی۔ اس میں عبداللہ بن عتیک، عبداللہ بن اُنیس، ابوقتادہ حارث بن ربعی، خزاعی بن اسود اسلمی رضی اللہ عنہم شامل تھے، بعض روایات میں عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو اس دستے کا امیر مقرر فرمایا۔[2]

[1] السيرة لابن هشام: 286/3. [2] فتح الباري: 428/7، السيرة لابن هشام: 287/3.



خیبر کے آثار اور ہجوم نخیل

مجاہدین سوئے منزل چلے

ابورافع سلام بن ابوالحقیق ان بہت بڑے مجرموں کا سرغنہ تھا جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کو ورغلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور مال و رسد کے ذریعے ان کی امداد کی تھی۔ بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد یہ خیبر میں جابسا تھا اور وہاں اپنے مضبوط قلعے میں رہتا تھا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ مجاہدین کی چھوٹی سی جماعت لے کر خیبر کی طرف چل دیے اور ابورافع کے قلعے تک جا پہنچے۔

قلعہ میں داخل ہونے کی تدبیر

جب مجاہدین کا دستہ ابورافع کے قلعے کے پاس پہنچا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے اپنے جانور لے کر قلعے میں داخل ہو گئے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم یہیں ٹھہرو، میں جا کر دربان کے ساتھ کوئی حیلہ کرتا ہوں، شاید اس طرح قلعے میں داخل ہو جاؤں۔ یہ آئے اور دروازے کے قریب سر پر اس طرح کپڑا ڈال کر بیٹھ گئے جیسے قضائے حاجت کر رہے ہیں۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سب لوگ قلعے میں داخل ہو چکے تھے۔ دربان نے آواز لگائی: او اللہ کے بندے! اگر تم داخل ہونا چاہتے ہو تو جلدی سے داخل ہو جاؤ، میں دروازہ بند کر رہا ہوں۔ میں اندر گھس گیا اور گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ دربان نے دروازہ بند کرلیا اور چابیاں ایک کھونٹی پر لٹکا دیں۔ جب دربان سو گیا تو میں چپکے سے گیا، چابیاں اٹھائیں اور دروازہ کھول دیا۔ یوں میرے سارے ساتھی قلعے کے اندر آ گئے۔ ابورافع کے پاس ہر رات محفل ہوتی تھی۔ لوگ باتیں سناتے، گپ شپ کرتے اور سرود و غنا کی انجمن سجاتے تھے۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو محفل گرم تھی۔ میں نے لوگوں کے جانے کا انتظار کیا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو میں اس کے پاس پہنچنے کے لیے سیڑھی چڑھنے لگا۔ میں جو دروازہ کھولتا تھا، اسے اندر سے بند کر لیتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر لوگوں کو میرا پتہ چل بھی گیا تو جب تک وہ میرے پاس پہنچیں گے میں اللہ کے اس دشمن کو قتل کر چکا ہوں گا۔

دشمن اسلام کا خاتمہ

سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں دشمنِ اسلام ابورافع کے پاس پہنچ گیا، وہ ایک کمرے میں اپنے بچوں کے بیچ میں تھا، کمرے میں اندھیرا تھا، پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ میں نے پکارا: اے ابورافع! اس نے پوچھا: کون ہے؟ میں فوراً آواز کی سمت میں دوڑا اور اس پر تلوار کا وار کیا۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ میرا یہ

حملہ کارگر ثابت نہ ہوا، اسے کاری زخم نہ آیا۔ وہ چیخنے لگا، میں کمرے سے باہر نکل آیا اور کچھ فاصلے پر رک گیا۔ میں پھر داخل ہوا اور اس کے مددگار کے انداز میں آواز بدل کر پوچھا: ابو رافع! یہ کیسی آواز تھی؟ اس نے کہا تیری ماں ہلاک ہو! ایک آدمی نے ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھ پر تلوار سے حملہ کیا ہے۔ میں اس کی آواز سن کر جھٹ اس پر ٹوٹ پڑا۔ میں نے دوبارہ اس پر وار کیا، کاری ضرب لگائی لیکن اسے قتل نہ کر سکا۔ میں نے اپنی تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی، پھر اپنے بدن کا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا حتی کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ اب اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی واپسی

سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو رافع کو قتل کرنے کے بعد میں نے واپسی کی راہ لی تاکہ اپنے ساتھیوں کو خوشخبری سنا دوں اور دشمن کے بیدار ہونے سے پہلے پہلے ہم کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ جائیں۔ کہتے ہیں کہ میں ایک ایک دروازہ کھولتا گیا حتی کہ سیڑھی کے آخری زینے پر پہنچا۔ چاندنی رات تھی۔ میری نظر چوک گئی میں نے پاؤں رکھا اور سمجھا شاید فرش آ گیا ہے جبکہ وہ آخری زینہ تھا۔ میں بے قابو ہو کر گر پڑا اور میری پنڈلی سرک گئی۔ میں نے فوراً اپنی پگڑی کھولی اور اپنی پنڈلی پر باندھ لی۔ پھر دروازے پر جا بیٹھا اور تہیہ کر لیا کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک مجھے ابو رافع کی موت کا یقین نہ ہو جائے۔

صبح کے وقت مرغ نے بانگ دی، اس وقت موت کی خبر دینے والا قلعے کی دیوار پر چڑھا اور اعلان کرنے لگا: ”میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کی خبر دیتا ہوں۔“ یہ سنتے ہی میں اپنے ساتھیوں کی طرف بھاگ نکلا اور ان سے کہا: جلدی بھاگو، اللہ تعالی نے ابو رافع کو قتل کر دیا ہے۔[1]

قاتل کی تلاش

ابن اسحاق اور دیگر سیرت نگار کہتے ہیں کہ ابو رافع کے قتل میں تمام ساتھی شریک تھے۔ جب یہ لوگ اسے قتل کرنے لگے تو ابو رافع کی بیوی چیخ پڑی۔ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اسے قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی، معاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت یاد آ گئی تو میں رک گیا۔

ابن سعد اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب وہ قتل کر کے واپس آئے تو قلعے کے اندر آنے والے ایک چشمے میں گھس گئے۔ ابو زینب حارث یہودی تین ہزار یہودیوں کو لے کر ان کی تلاش میں نکلا لیکن خائب و خاسر ہو کر واپس آ گیا۔ یہ یہودی اپنے سردار کی لاش کے گرد اکٹھے بیٹھے تھے۔ ہم میں سے ایک ساتھی حالات کا جائزہ لینے گیا تو ابو رافع کی

[1] صحيح البخاري: 4040،4039.

بیوی واویلا کر رہی تھی، وہ بتا رہی تھی کہ میں نے عبداللہ بن عتیک کی آواز سنی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو جھٹلایا اور کہا بھلا عتیک کا بیٹا یہاں کیسے آ سکتا ہے؟ وہ باتیں کرتے کرتے جب اپنے شوہر کے چہرے کی طرف دیکھتی تو رونا شروع کر دیتی اور کہتی:

فَاظَ وَإِلٰهِ يَهُودَ!

''یہودیوں کے معبود کی قسم! یہ مر گیا ہے۔''

صحابی کہتے ہیں: مجھے اس کا یہ کلمہ سن کر بڑی مسرت ہوئی، پھر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور انھیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ [1]

مجاہدین کی مدینہ واپسی

ابو رافع کو قتل کرنے کے لیے جانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مشن کی تکمیل پر بہت خوش تھے۔ وہ خوشی خوشی مدینہ واپس آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کامیابی کی خبر دی اور سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے کا واقعہ بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُبْسُطْ رِجْلَكَ»

''اپنی ٹانگ پھیلاؤ۔''

سیدنا عبداللہ کہتے ہیں: میں نے اپنی ٹانگ پھیلائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تو وہ اس طرح ہو گئی جیسے کبھی اس میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ [2]

قاتل کون تھا؟

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ شرکاء میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ اس کا وار فیصلہ کن تھا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَجِّلُوا بِأَسْيَافِكُمْ»

''جلدی جلدی اپنی تلواریں لے آؤ۔''

دستے میں شریک تمام مجاہدین اپنی تلواریں لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا اور فرمایا:

---

[1] السيرة لابن هشام: 288,287/3، الطبقات لابن سعد: 91/2، السنن الكبرىٰ للبيهقي: 221/3. [2] صحيح البخاري: 4039.

«هٰذَا قَتَلَهُ»

''اس نے اُسے قتل کیا ہے۔''

یہ عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کی تلوار تھی۔ ان کی تلوار پر (ابورافع کے) خون کے کچھ اثرات بھی باقی تھے۔ [1]

ظاہری تعارض کا حل

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ابورافع کو قتل کرنے والے سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ ہی تھے جبکہ سیرت نگاروں کے بیان کے مطابق ابورافع کے قتل میں تمام ساتھی شریک تھے۔ لیکن صحیح بخاری میں یہ وضاحت موجود ہے کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ چھپا دیا تھا اور انھیں کہا تھا: اِجْلِسُوا مَكَانَكُمْ. ''تم اسی جگہ بیٹھے رہو'' میں کوشش کرکے قلعے میں داخل ہوتا ہوں۔ لہٰذا انھوں نے بڑی ہوشیاری سے یہ مہم مکمل کی اور جب ابورافع کی موت کا اعلان ہوا تو اپنے ساتھیوں سے جا ملے اور تیزی سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

سریۂ ابن عتیک رضی اللہ عنہ سے ماخوذ اسباق

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس قصے سے حاصل ہونے والے فوائد اور اسباق کا استخراج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- اس حدیث کی رو سے ایسے کافر پر اچانک حملہ کرنا جائز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہاتھ، مال یا زبان سے تعاون کرے۔
- اہل حرب کی جاسوسی کرنا اور ان کی غفلت کے اوقات ڈھونڈنا صحیح تدبیر ہے۔
- مشرکین سے جنگ میں سختی برتنی چاہیے۔
- مصلحت کا تقاضا ہو تو بات کو مبہم رکھنا بھی صحیح ہے۔
- مسلمان تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود زیادہ تعداد کے مشرکین سے پنجہ آزمائی کر سکتے ہیں۔
- دلیل اور علامت کی بنیاد پر فیصلہ کر لینا ٹھیک ہے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے ابورافع کی آواز ہی سے اس جگہ کا اندازہ لگایا تھا جہاں وہ موجود تھا۔ اسی طرح انھوں نے موت کی خبر دینے والے کی آواز پر بھی اعتبار کیا۔ [2] واللہ اُعلم
- سیدنا عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کا عام سپاہی کے طور پر سریہ میں شامل ہونا ان کی بڑائی اور عجز و انکسار کی بہت بڑی

[1] السيرة لابن هشام: 288/3، الطبقات لابن سعد: 92,91/2. [2] فتح الباري: 431/7.

دلیل ہے۔ یہ بدری صحابی تھے، بیعت عقبہ میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کرنے والے تھے، انصار کے السابقون الاولون میں سے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جہاد اور بہادری کے میدان میں غیر معروف نہیں تھے۔ وہ اکیلے ہی مکہ کے پاس سفیان بن خالد ہذلی کو ٹھکانے لگا آئے تھے جو مدینہ پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن انیس اپنی مہم جوئی میں بہت کامیاب رہے تھے۔ غرضیکہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ صاحبِ عظمت وفضیلت ہونے کے باوجود اس گروہ کے امیر نہیں بلکہ ایک عام سپاہی تھے۔ یہ وہ تربیتی سبق ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکمل طور پر حاصل کر رکھا تھا۔ تربیت کی دنیا میں ایسی درخشاں مثال نہیں ملتی۔ [1]

[1] السيرة النبوية للصلابي :2/343.

سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

یہودی سردار ابورافع سلام بن ابی الحقیق کو سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کر دیا تو خیبر کے یہودیوں کی سرداری کا تاج اسیر بن رزام کے سر پر سج گیا۔ اسے یسیر اور اسیرم بھی کہا جاتا ہے۔ نئے سردار نے اپنے ایجنڈے کا اعلان کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! آج تک محمد (ﷺ) نے جب چاہا، جہاں چاہا حملہ کر کے یا اپنے فوجی دستوں کے ذریعے سے یہودیوں کو برباد کرنے کا سلسلہ جاری رکھا مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں وہ حکمت عملی اپناؤں گا جو میرے پیش رو اپنانے میں ناکام رہے۔ لوگوں نے پوچھا: تمھارا پلان کیا ہے؟ تم کیسے مسلمانوں کا مقابلہ کرو گے؟ یہودیوں کے مفادات کا تحفظ کس طرح یقینی بناؤ گے؟ اسیر نے اپنی حکمت عملی واضح کرتے ہوئے کہا: میں غطفان قبیلے میں خود جاؤں گا۔ ان کے تمام سرکردہ لوگوں سے ملاقات کر کے انھیں مسلمانوں سے فیصلہ کن معرکے کے لیے تیار کروں گا۔ پھر ہم سب مل کر مسلمانوں کے گھر پہنچ کر معرکہ لڑیں گے۔ کیونکہ جب بھی کوئی لشکر کسی قوم کے مرکز پر حملہ کرتا ہے تو حملہ آور اپنے مقاصد میں کسی حد تک کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ لہٰذا آئندہ جنگ مسلمانوں کے شہر میں لڑی جائے گی۔ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی ہم ان پر کاری وار کریں گے۔

یہودیوں کی سرکوبی کا حکم

یہودی اپنے لیڈر کی یہ حکمت عملی سن کر بہت خوش ہوئے اور سردار کی سوچ کو سراہتے ہوئے کہنے لگے: ''آپ



عبداللہ بن رواحہ پرائمری سکول (مدینہ منورہ)

کی پلاننگ بڑی شاندار ہے۔'' یقیناً یہی پلاننگ یہودیوں کے تحفظ کی ضامن ہوگی۔ چنانچہ اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل کو اپنا ہمنوا بنانے اور انھیں جنگ کے لیے تیار کرنے کی غرض سے ان قبائل کا سفر شروع کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو یہودیوں کے اس منصوبے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو دیگر تین ساتھیوں کے ساتھ اس خبر کی تصدیق کے لیے روانہ کیا۔ یہ ماہِ رمضان کا واقعہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی زیر کمان یہ مختصر سا دستہ خیبر کے قریب پہنچا اور پھر امیر لشکر کے حکم پر مختلف باغات میں منتشر ہوگیا۔ تین دن تک اُسَیر بن رزام اور اس کے ہمنواؤں کی خبر لینے کے بعد یہ حضرات واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے مشاہدات اور اطلاعات سے آگاہ کیا۔ اسی دوران حسیل الأشجعی مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے بھی خیبر کے حالات دریافت فرمائے۔ انھوں نے بھی یہی رپورٹ دی کہ اسیر بن رزام یہودی جتھے بنا رہا ہے تاکہ مدینہ منورہ پر لشکر کشی کر سکے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اعلان کیا کہ وہ ان یہودیوں کی سرکوبی کے لیے تیار ہو جائیں۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس صحابہ کرام کا دستہ خیبر روانہ کیا۔ اس لشکر میں سیدنا عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔

اسلام کے فدائی خیبر میں

یُسیر بن رزام کے خاتمے کے لیے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی خبر ہی کافی تھی لیکن نبیِ رحمت ﷺ نے شوال 6 ھ میں تیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا تاکہ وہ یسیر بن رزام سے مذاکرات کریں۔ تیس سرفروشانِ اسلام جب خیبر پہنچے تو امیرِ لشکر نے شاہِ خیبر کو پیغام بھیجا کہ ہم امن کا پیغام لائے ہیں۔ تم سے مفید مذاکرات کے خواہش مند ہیں۔ بادشاہ نے کہا: میں بھی تم سے یہی توقع رکھتا ہوں۔

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یسیر سے بات کی، انھوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے تاکہ تم ہمارے ساتھ چلو اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر خود بات چیت کرو اور اللہ کے رسول ﷺ تمھیں خیبر کا گورنر مقرر کر دیں گے۔

یسیر کا انکار و اقرار

یسیر نے پہلے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشکش مسترد کر دی اور مدینہ جانے سے انکار کر دیا، پھر اس نے زعمائے یہود سے مشورہ کیا، انھیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور مدینہ جانے کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی۔ ان میں سے کسی نے بھی اتفاق نہ کیا بلکہ وہ اسے روکنے لگے کہ تم مدینہ نہ جاؤ، محمد (ﷺ) کسی اسرائیلی کو گورنر نہیں بنائیں

گے۔ وہ سوچ بچار میں پڑ گیا۔ ادھر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء اسے مسلسل امیدیں دلاتے رہے اور اس کا چراغ آرزو روشن کرتے رہے حتی کہ وہ مدینہ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

یُسیر خیبر کا سردار تھا، اس لیے اس کے فیصلے کے خلاف کسی یہودی کو بغاوت کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے اپنے ساتھ تیس معتمد ساتھیوں کو لیا اور مدینہ کا رخ کیا۔ ہر مسلمان نے ایک ایک یہودی اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا۔ مجاہدین کے اس گروہ میں بنوسلمہ کے حلیف سیدنا عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو بہت بہادر تھے۔ شاہِ خیبر یُسیر بن رزام ان کے پیچھے سوار ہو گیا۔

شاہِ خیبر کا قتل

دھوکا بازی، غداری، مکر و فریب اور خیانت یہود کی نس نس میں بھری ہوئی ہے۔ انھوں نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت عالم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں اور یہود کے درمیان خونریزی نہ ہونے پائے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا کردار بھی اسی پالیسی کا حصہ تھا لیکن کینہ پرور یہودی ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد کا زہر اگلتے رہتے تھے۔ اب بھی ان پر یہی بغض و عناد غالب تھا۔ یوں امن و آشتی کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ انھوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہا مگر جیسی نیت ویسی مراد! انھیں اپنے فاسد ارادوں کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔

جب یہ گروہ خیبر سے چھ میل دور قرقرۃ ثبار پہنچا تو یسیر بن رزام کو اپنے فیصلے پر پشیمانی ہوئی۔ اس نے چپکے سے سیدنا عبداللہ بن انیس کی تلوار پر ہاتھ ڈالنا چاہا، وہ اس کا مقصد بھانپ گئے اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھڑا لی اور کہا: ارے اللہ کے دشمن! تم دھوکا دینا چاہتے ہو؟ پھر وہ اونٹ سے اترے اور ایسا وار کیا کہ یُسیر کی ٹانگ کٹ گئی۔ یسیر کے ہاتھ میں ایک مضبوط ڈنڈا تھا، اس نے وہی ڈنڈا عبداللہ بن انیس کے سر پر دے مارا اور انھیں زخمی کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی تمام مسلمانوں نے اپنے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے یہودی سوار کو قتل کر دیا۔ ان میں سے صرف ایک یہودی بچ کر بھاگ گیا۔ مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔

مجاہدین کی دربارِ رسالت میں حاضری

سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دشمنوں کا صفایا کرنے کے بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے چل پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ الوداع پر ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہم وہاں پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کارگزاری سنائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَجَّاكُمُ اللّٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ»

''اللہ تعالیٰ نے تمھیں ظالم لوگوں سے نجات دے دی ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا۔ آپ کو اپنا زخم دکھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگایا، اس کے بعد زندگی بھر کے لیے وہ زخم مندمل ہو گیا اور کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ [1]

عبداللہ بن انیس کو عصائے مبارک کا عطیہ

سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا اور اپنا زخم دکھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک لعاب دہن میرے زخم پر لگایا تو وہ بہترین علاج ثابت ہوا۔ اس دن کے بعد اس زخم سے کبھی پیپ نکلی، نہ کبھی درد ہوا، حالانکہ میرے سر کی ہڈی بگڑ چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور برکت کی دعا دی۔ پھر مجھے اپنا عصا عطا کیا اور فرمایا:

«أَمْسِكْ هٰذِهِ مَعَكَ عَلَامَةً بَيْنِي وَبَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْرِفُكَ بِهَا فَإِنَّكَ تَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُتَخَصِّرًا»

''یہ عصا اپنے پاس سنبھال کر رکھنا۔ یہ تمھاری نشانی ہے۔ میں قیامت کے دن تمھیں اسی سے پہچان لوں گا۔ تم اس سے سہارا لے کر آؤ گے۔''

جب سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو یہ عصا ان کی میت کے ساتھ رکھ کر انھیں دفنایا گیا۔ [2]

[1] السيرة لابن هشام : 267,266/4، المغازي للواقدي : 64/2، الطبقات لابن سعد : 93,92/2. [2] مسند أحمد : 496/3، دلائل النبوة للبيهقي : 43/4، زاد المعاد : 360/3، سبل الهدى والرشاد : 112,111/6.

سریہ کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ

سریئے کا سبب

شوال 6ھ میں عُکل اور عرینہ قبیلے کے آٹھ آدمی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، انھوں نے اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کیا۔ اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم دودھیل جانوروں والے تھے، زراعت پیشہ نہ تھے۔ کچھ دن گزرے کہ ہم بیمار ہو گئے ہیں، ہمیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ مدینہ سے تقریباً 6 میل کے فاصلے پر قباء کے علاقے میں عَیر پہاڑ کے قریب ذی الجدر میں چرتے تھے۔ ان کی نگرانی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام یسار رضی اللہ عنہ مامور تھے۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اپنی دودھیل اونٹنیوں کی طرف بھیج دیا اور فرمایا کہ تم ان اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب استعمال کرو۔ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا تو چند ہی روز میں بالکل تندرست، بھلے چنگے اور موٹے تازے ہو گئے۔ ان بدبختوں نے شکر گزار ہونے کی بجائے اونٹنیوں کے چرواہے کو بڑی بے دردی سے شہید کیا۔ چرواہے کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے، اس کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائیاں پھیر دیں اور اونٹنیاں ہانک کر لے گئے۔ [1]

[1] صحيح البخاري: 4192، صحيح مسلم: 1671.


مسجد قباء (مدینہ منورہ)

یسار رضی اللہ عنہ کی میت قباء میں

ادھر سے بنوعمرو بن عوف کی ایک عورت کا گزر ہوا، اس نے دیکھا کہ یسار رضی اللہ عنہ درخت کے نیچے شہید ہوئے پڑے ہیں۔ وہ عورت گدھے پر سوار تھی، اس نے اپنے گدھے کا رخ اپنی قوم کی طرف پھیر دیا اور لوگوں کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ لوگ فوراً آئے اور یسار رضی اللہ عنہ کی لاش اٹھا کر قباء میں لے آئے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحے کی اطلاع دی۔ [1]

مرتدین کا تعاقب

یہ خبر پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظالموں کے تعاقب میں بیس شہسواروں کو روانہ فرمایا اور ان کا امیر سیدنا کُرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مرتدین کے خلاف دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! أَعْمِ عَلَيْهِمُ الطَّرِيقَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ أَضْيَقَ مِنْ مَّسْكٍ»

''اے اللہ! ان پر راستہ اندھا اور کنگن سے بھی زیادہ تنگ کر دے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی۔ ابھی سورج تھوڑا سا بلند ہوا تھا کہ مجاہدین کو ایک خاتون ملی، وہ اونٹ کا کندھا اٹھا کر جا رہی تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے پوچھا: یہ کہاں سے لائی ہو؟ اس نے بتایا کہ میں آ رہی تھی کہ مجھے چند لوگ ملے، انھوں نے ایک اونٹ ذبح کیا ہوا تھا، اس میں سے انھوں نے مجھے یہ حصہ دے دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: وہ لوگ کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ حرہ کے ویرانے میں ہیں، جب تم اس طرف جاؤ گے تو تمھیں دور ہی سے ان کی آگ کا دھواں نظر آ جائے گا۔

مجاہدین نے ادھر کا رخ کیا۔ جب یہ پہنچے تو وہ کھانا کھا کر فارغ ہو چکے تھے۔ مجاہدین نے ان کا گھیراؤ کر لیا اور انھیں ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا۔ وہ ہر طرف سے گھیرے میں آ چکے تھے۔ انھوں نے ہتھیار پھینکنے ہی میں عافیت سمجھی۔ مجاہدین نے انھیں گرفتار کر لیا اور رسیوں سے باندھ کر گھوڑوں پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ جب مجاہدین مدینہ پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غابہ نامی چراگاہ میں تھے۔ مجاہدین انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ [2]

مرتد چوروں کا انجام

ان بدبختوں نے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت

[1] المغازي للواقدي :2/66. [2] المغازي للواقدي :2/66، إمتاع الأسماع :1/273.

سے کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں گئیں، اس کے بعد انھیں تپتی ہوئی سنگلاخ چٹانوں میں پھینک دیا گیا، وہ پانی مانگتے تھے لیکن انھیں پانی نہیں دیا جاتا تھا حتی کہ وہ اسی طرح سسک سسک کر مر گئے۔

ابوقلابہ جو راوی حدیث ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے چوری کی، نہایت سفا کی سے خونِ ناحق کیا، ایمان قبول کرنے کے بعد مرتد ہوگئے، پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف انھوں نے اعلانِ جنگ کیا۔ [1]

اونٹنیوں کی بازیافت

جب اونٹنیاں واپس لائی گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سلمہ بن اکوع اور ابو رہم غفاری رضی اللہ عنہما کو ان کی نگرانی پر مامور کیا، پھر رسول اللہ ﷺ غابہ سے واپس مدینہ تشریف لائے۔ ذوالجدر نامی چراگاہ سے بھگائی جانے والی اونٹنیاں پندرہ تھیں۔ آپ ﷺ نے اونٹنیوں کی طرف نظر دوڑائی تو الحناء نامی اونٹنی گم پائی۔ آپ ﷺ نے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے پوچھا:



خلیل ڈیم (غابہ) نزد مدینہ منورہ

«أَيْ سَلَمَةُ! أَيْنَ الْحِنَّاءُ؟»

"سلمہ! الحناء کہاں ہے؟"

سلمہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: اللہ کے رسول! اسے تو ان بدبختوں نے ذبح کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اب ان کے چرنے کے لیے بہترین چراگاہ ڈھونڈو۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ذوالجدر سے بہترین کوئی چراگاہ نہیں تو آپ ﷺ نے انھیں ذوالجدر کی طرف بھیج دیا۔ [2]

[1] صحيح البخاري: 233، صحيح مسلم: 1671. [2] المغازي للواقدي: 2/67.

فرمانِ باری تعالیٰ کا نزول

جب ان مرتدین کو قصاص میں وہی سزا دی گئی جس طرح انھوں نے چرواہے کو شہید کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل کیا:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝﴾

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[1]

مُثلہ ہمیشہ کے لیے روک دیا گیا

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد کبھی کسی کی آنکھ نہیں داغی گئی اور اس کے بعد آپ ﷺ نے جو لشکر بھی روانہ کیا، اسے تاکید کے ساتھ مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔[2]

[1] المآئدة 3:5. [2] سنن أبي داود :4370، سنن النسائي :4030، إمتاع الأسماع :273/1.

سریّہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ

سریے کا سبب

ایک مرتبہ سردارِ قریش ابوسفیان بن حرب نے قریشی لوگوں سے کہا: کیا تم میں ایسا کوئی آدمی نہیں جو محمد (ﷺ) کو بے خبری میں قتل کر دے؟ وہ بازار بھی آتے جاتے ہیں۔ ایک بدو آیا اور کہنے لگا: میں بہت مضبوط دل کا مالک ہوں، میری گرفت بڑی سخت ہے اور بہت تیز دوڑتا ہوں۔ اگر تم مجھے قوت دو تو میں ان کی طرف جاتا ہوں۔ میرے پاس ایک خنجر ہے جو گدھ کے پر کی طرح ہے، اس سے میں ان پر حملہ کروں گا، پھر کسی قافلے میں گھس جاؤں گا اور بھاگ کر اس جماعت سے آگے بڑھ جاؤں گا کیونکہ راستے کا میں خوب ماہر ہوں۔

ابوسفیان نے کہا: ارے! تمھی تو ہمارے کام کے آدمی ہو۔ ابوسفیان نے اس کی خوب آؤ بھگت کی۔ اسے اونٹ اور زادِ راہ دیا اور رخصت کرتے ہوئے تاکید کی کہ اس منصوبے کا کسی کو علم نہ ہونے دینا۔ وہ رات کو مکہ سے نکلا اور مسلسل سفر کرتے ہوئے پانچ دن کے بعد چھٹے دن کی صبح حرہ کے علاقے میں پہنچ گیا۔ وہ لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتا پھرتا تھا، کسی نے بتایا کہ وہ بنوعبدالاشہل کی مسجد میں ہیں۔

بدو نے اپنی سواری کا رخ بنوعبدالاشہل کے محلے کی طرف کر دیا۔ بنوعبدالاشہل پہنچ کر اس نے مسجد کے پاس اپنی سواری باندھ دی اور رسول اللہ ﷺ کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محو گفتگو پایا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ يُرِيدُ غَدْرًا، وَاللّٰهُ حَائِلٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا يُرِيدُهُ»

”بلاشبہ یہ آدمی دھوکا دینا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کی مراد کے درمیان حائل ہو جائے گا۔“

بدو مسجد میں آیا اور دیہی لہجے میں پوچھنے لگا: عبدالمطلب کا بیٹا کون ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ»

”میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

وہ شخص آپ ﷺ کی طرف اس طرح لپکا جیسے سرگوشی کرنا چاہتا ہو۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا اور کھینچے

ہوئے پیچھے کیا۔ جب انھوں نے اس کا ازار پکڑ کر اسے کھینچنا چاہا تو ان کا ہاتھ بدو کے خنجر پر جا پڑا۔ وہ چیخ پڑے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! یہ تو دھوکے سے قتل کرنا چاہتا ہے۔ وہ شخص گھبرا گیا اور اس کا خنجر زمین پر گر پڑا۔ وہ چلانے لگا: میرا خون، میرا خون اے محمد!۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اُصْدُقْنِي مَا أَنْتَ وَمَا أَقْدَمَكَ؟ فَإِنْ صَدَقْتَنِي نَفَعَكَ الصِّدْقُ وَ إِنْ كَذَبْتَنِي فَقَدِ اطُّلِعْتُ عَلٰى مَا هَمَمْتَ بِهِ»

''سچ بتا دو، تم کون ہو؟ کیا ماجرا ہے؟ اور کس نیت سے آئے ہو؟ اگر سچ بتا دو گے تو تمھاری سچائی تمھیں فائدہ پہنچائے گی، جھوٹ بولو گے تو (اللہ کی طرف سے) مجھے تمھارے ارادے کی خبر کر دی جائے گی۔''

بدو نے کہا: اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ بتا دوں تو کیا مجھے امان مل جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں تم ہماری پناہ میں ہو۔'' اس نے صاف بتا دیا کہ ابوسفیان نے مجھے آپ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے اور بدلے میں منہ مانگا معاوضہ اور انعام و اکرام دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری بات سن کر اسے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ہی کی قید میں رہنے دیا۔ اگلی صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس بدو سے فرمایا:

«قَدْ أَمِنْتُكَ فَاذْهَبْ حَيْثُ شِئْتَ أَوْ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ ذٰلِكَ»

''میں نے تمھیں امان دی، جہاں چاہو جا سکتے ہو لیکن اس سے بہتر ایک اور بات بھی ہے۔''

اس نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ»

''(وہ بات یہ ہے) کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔''

شکاری خود شکار ہو گیا

اس نے یہ مبارک کلمات سنتے ہی کلمۂ حق کی گواہی دے دی اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ بعد ازاں اس نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں کسی سے نہیں ڈرتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے، میرا دل و دماغ اپاہج ہو گیا، میرے اعصاب جواب دے گئے۔ میں حیرت زدہ ہو گیا کہ مجھ سے پہلے یہاں کوئی سوار نہیں پہنچا اور میرے معاملے کی کسی کو خبر نہیں تھی، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ پتہ چل گیا! یہ بات دیکھ کر میری آنکھوں سے پردہ اتر گیا، مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابوسفیان کا گروہ بداعمالیوں کا

بنڈل اور شیطانی ٹولہ ہے۔ نبیِ کریم ﷺ اس کی بات سن کر مسکرا پڑے۔ یہ شخص کچھ دن آپ ﷺ کے پاس ٹھہرا، پھر اجازت لے کر اپنے وطن چلا گیا۔

ابوسفیان کے قتل کی مہم

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرو بن امیہ ضمری اور سلمہ بن اسلم بن حریش رضی اللہ عنہما کو بلایا اور انھیں ابوسفیان کے قتل کی ذمہ داری سونپتے ہوئے کہا کہ تم مکہ جاؤ، وہاں موقع کی تلاش میں رہنا جونہی موقع ملے اس دشمن اسلام (ابوسفیان) کا خاتمہ کر دینا۔ یہ دونوں ساتھی مدینہ سے روانہ ہوئے، جب وادی یَأجِج پہنچے تو عمرو بن امیہ کہتے ہیں: مجھ سے میرے ساتھی نے کہا: کیوں نہ ہم مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کر لیں اور دو رکعتیں پڑھ لیں؟ میں نے کہا: میں مکہ والوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں، وہ ظلم و شقاوت کے پیکر ہیں۔ جب ظلم کر لیتے ہیں تو فخر و مباحات کے لیے مجلسیں سجاتے ہیں۔ اگر انھوں نے مجھے دیکھ لیا تو فوراً پہچان لیں گے۔

بھید کھل گیا

میں نے اپنے ساتھی کو بہت سمجھایا لیکن ان کا اصرار تھا کہ ہم طواف ضرور کریں۔ میں اپنے ساتھی کی دلجوئی کے لیے چل پڑا۔ ہم نے طواف کر کے دو رکعتیں پڑھیں۔ جب ہم بیت اللہ سے نکلے تو اچانک معاویہ بن ابوسفیان مل گیا، اس نے مجھے پہچان لیا اور قریش مکہ کو فوراً میری آمد کی خبر دے دی۔ قریش مکہ کہنے لگے: عمرو ضرور کسی شر کے ارادے سے آیا ہے۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں بھی بہت معروف تھے اور بڑے خطرناک خیال کیے جاتے تھے۔

عمرو رضی اللہ عنہ نے خطرے کی بُو محسوس کر لی۔ انھوں نے اپنے ساتھی سے کہا: ہمیں اپنی جان بچا کر بھاگ جانا چاہیے۔ معاویہ جیسے ہی قریش کو ہمارے متعلق خبر دے گا، وہ فوراً ہماری تلاش میں آنکلیں گے۔ وہ کہتے ہیں: پھر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ



مدینہ منورہ سے 15 کلومیٹر مشرق اور العاقول کے جنوب میں وادی الخنق پر واقع ڈیم کے آثار جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کروایا تھا۔

تھا۔ قریش کو جونہی پتہ چلا وہ ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ہم بھاگ کر پہاڑی غار میں چھپ گئے، صبح تک ہم نے غار ہی میں پناہ لیے رکھی۔ قریشِ مکہ ہمیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔ پھر خائب و خاسر ہو کر لوٹ گئے۔

ایک مشرک کا صفایا

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ صبح ہوئی تو عثمان بن عبیداللہ بن مالک بن عبیداللہ تیمی اپنے گھوڑے کے لیے گھاس کاٹنے پہاڑی علاقے کی طرف آیا، وہ ہماری طرف ہی آ رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھی سلمہ سے کہا: اگر اس نے ہمیں دیکھ لیا تو فوراً شور مچا کر اہلِ مکہ کو اکٹھا کر لے گا۔ وہ آہستہ آہستہ ہمارے قریب آ رہا تھا حتی کہ وہ غار کے منہ تک پہنچ گیا۔ جونہی وہ میری زد میں آیا، میں اس پر پل پڑا اور اس کی چھاتی کے نیچے خنجر گھونپ دیا۔ وہ گر پڑا اور چیخ چیخ کر تڑپنے لگا۔ اہلِ مکہ جو ہماری تلاش سے مایوس ہو کر ابھی اپنے گھر ہی گئے تھے، شور سن کر واپس آ گئے۔ دیکھا کہ ان کا ساتھی خاک اور خون میں تڑپ رہا ہے، اس کی زندگی کی آخری رمق باقی تھی، انھوں نے اس سے پوچھا: تمھارا یہ حشر کس نے کیا ہے؟ اس نے بتایا: عمرو بن امیہ ضمری نے۔ ابوسفیان بولا: دیکھا، میں نہ کہتا تھا کہ وہ خیر کے ارادے سے نہیں آیا۔ عثمان بن عبیداللہ آخری سانس لے رہا تھا، وہ اپنے قاتل کا نام بتا کر دم توڑ گیا، قریش کو ہماری پناہ گاہ کے حوالے سے کچھ نہ بتا سکا۔

دوسرے مشرک کا خاتمہ

قریش نئے سرے سے ہمیں تلاش کرنے لگے۔ ہم دو راتیں غار ہی میں چھپے رہے۔ جب ہمیں یقین ہو گیا کہ دشمن ہمیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے ہیں اور مایوس ہو کر گھر بیٹھ گئے ہیں تو ہم مدینہ جانے کے لیے نکل پڑے۔ ہمیں بنو دیل بن بکر کا ایک لمبا تڑنگا آدمی ملا، وہ ایک آنکھ سے کانا تھا اور اپنی بکریاں چرانے کے لیے غار کی طرف آ نکلا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو پوچھنے لگا: تم کون ہو؟ میں جھٹ بولا: بنو بکر سے ہوں۔ میرا جواب سن کر وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا، اس نے جواباً کہا: میں بھی بنو بکر سے تعلق رکھتا ہوں۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔ اس نے غار کی دیوار سے ٹیک لگائی، ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹ گیا اور یہ شعر گانے لگا:

وَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَّا دُمْتُ حَیًّا   وَلَسْتُ أَدِینُ دِینَ الْمُسْلِمِینَا

''میں جب تک زندہ رہوں گا کبھی مسلمان نہیں ہوں گا۔ نہ مسلمانوں کا دین اپناؤں گا۔''

عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ میں موقع کی تاک میں رہا۔ وہ بہت جلد نیند کی آغوش میں جھولنے لگا۔ میں نے اپنا خنجر نکالا اور اسے ابدی نیند سُلا دیا۔ میں غار سے نکلا اور بھاگنے لگا۔ راستے میں مجھے دو آدمی ملے وہ قریش کے جاسوس تھے۔ میں نے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو مضبوطی سے باندھ لیا۔

میں اسے لے کر مدینہ پہنچا تو انصار کے بچے کھیل رہے تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو فوراً بھاگ کر نبی کریم ﷺ کو اطلاع دے دی۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرا قیدی بھی تھا۔ آپ ﷺ ہمیں دیکھ کر مسکرانے لگے اور میرے لیے دعائے خیر کی۔ جب یہ دونوں ساتھی سیدنا عمرو اور سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہما عثمان بن مالک کو قتل کر کے بھاگے تھے تو راستے میں بچھڑ گئے تھے۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ عمرو سے تین دن بعد مدینہ پہنچے تھے۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد :94,93/2، البدایة والنهایة :73-71/4، السیرة لابن هشام :284-282/4. ابن اسحاق اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ رجیع کے بعد ظہور میں آیا۔ انھوں نے اس کے ضمن میں سیدنا خبیب کی لاش کو سولی سے اتارنے کا بھی ذکر کیا ہے، ابن اسحاق نے عمرو رضی اللہ عنہ کے دوسرے ساتھی کا نام جبار بن صخر رضی اللہ عنہ بتایا ہے۔

سریّہ خبط

اس سریے میں اسلامی لشکر کو غذائی بحران کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ مجاہدین درختوں کے پتے کھاتے رہے، اس لیے اس سریہ کو سریۂ خبط کہتے ہیں۔ خبط کے معنی درخت سے جھاڑے ہوئے پتے کے ہیں۔ یہ لشکر ساحل سمندر کی طرف بھیجا گیا تھا، اس لیے اسے سیف البحر بھی کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس سریّے کے امیر سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے، اس لیے اس سریہ کو سریۂ ابوعبیدہ بن جراح بھی کہا جاتا ہے۔


مسجد ابوعبیدہ بن الجراح، الدوحہ (قطر)

سریے کا سبب

ابن سعد اور دیگر سیرت نگار اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ ساحل سمندر پر بسنے والے قبیلہ جہینہ کے لوگوں نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا۔ ان کے اس شر انگیز منصوبے کا علم رسول اللہ ﷺ کو ہوگیا تو آپ ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لیے تین سو مجاہدین کا لشکر بھیجا۔[1]

صحیح بخاری میں صراحت کے ساتھ اس سریے کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ مکہ واپس آ رہا ہے تو آپ ﷺ نے اس قافلے کا راستہ روکنے کے لیے تین سو جانباز بھیجے۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے لشکر کو قبیلہ جہینہ کی طرف بھیجا ہو لیکن راستے میں قریشی قافلے سے ٹکراؤ ہوگیا ہو۔[3] لیکن صحیحین کی صراحت اس سے موافقت نہیں کرتی۔ واللہ اعلم

سریہ کی تاریخ

جمہور سیرت نگار اور اہل مغازی اس سریے کی تاریخ رجب 8ھ بتاتے ہیں جبکہ صحیحین کی روایت کے مطابق یہ

[1] الطبقات لابن سعد: 132/2، المغازي للواقدي: 221/2، عيون الأثر، ص: 345. [2] صحيح البخاري: 4361، صحيح مسلم: 1935. [3] فتح الباري: 98/8.



سریہ صلح حدیبیہ سے پہلے 6ھ میں ہوا تھا۔ اگر اس سریے کی تاریخ رجب 8ھ مان لی جائے تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس سریہ کا وقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی ہے:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ﴾

''وہ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمائیے کہ اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''[1]

جبکہ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ مذکورہ فرمانِ الٰہی کے باوجود نبی کریم ﷺ حرمت والے مہینے میں کسی دستے کو لڑنے کے لیے بھیجیں۔ اگر اس سریے کا دوسرا سبب تسلیم کیا جائے کہ آپ ﷺ نے قریشی قافلے کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا تھا تو یہ بھی محال ہے کیونکہ صلح حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ فریقین دس سال تک ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے، لہٰذا اس شرط کی موجودگی میں بھلا کیسے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ عہد شکنی کریں ہر چند قریش نے رجب کے دو ماہ بعد رمضان میں عہد شکنی کی تھی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر اس سریے کی یہی تاریخ (8ھ) تسلیم کی جائے تو پھر ہم اس سریے کے بھیجنے کا تصور ہی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب صلح حدیبیہ ہو چکی تھی۔ (جس میں ایک شق یہ تھی کہ قریش اور مسلمان دس سال تک ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے) اس لیے صحیح حدیث کی روشنی میں یہی بات راجح محسوس ہوتی ہے کہ یہ سریہ 6ھ یا اس سے پہلے کا ہے جبکہ صلح حدیبیہ نہیں ہوئی تھی۔ ہاں اگر یہی تاریخ درست ہو تو یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے یہ لشکر قریشی قافلے سے لڑائی کے لیے نہیں بلکہ جہینہ قبیلے سے ان کی حفاظت کے لیے بھیجا ہو۔ اسی لیے اس سریے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ مجاہدین نے کیا کارروائی کی۔ اس سریے کے حوالے سے بس یہی معلوم ہے کہ مجاہدین نصف مہینہ یا اس سے زیادہ دن ایک ہی جگہ ٹھہرے رہے۔[2]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ سریہ خبط لکھنے کے بعد آخر میں کہتے ہیں کہ اس قصے کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ

[1] البقرۃ 2:217. [2] فتح الباري: 98/8.

سریہ صلح حدیبیہ اور عمرۂ حدیبیہ سے پہلے زمانے کا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے صلح سے فتح مکہ تک کسی قریشی قافلے کا تعاقب نہیں کیا۔ یہ عرصہ امن و صلح کا ہے۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ سریہ دو مرتبہ ہوا ہو۔ ایک مرتبہ صلح حدیبیہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ صلح کے بعد۔ واللہ اعلم [1]

لشکر کی روانگی



سلم نامی درخت

رسول اللہ ﷺ نے سیف البحر (ساحل سمندر) کی طرف ایک لشکر بھیجا، اس کی تعداد تقریباً تین سو تھی۔ ساحل سمندر مدینہ سے پانچ دن کی پیدل مسافت پر تھا۔ اس سفر میں مسلمانوں کو سخت بھوک کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ وہ سلم نامی درخت کے پتے کھا کر گزارہ کرتے رہے۔ آیئے اس واقعے کی تفصیل سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی زبانی سنیے۔ وہ اس لشکر میں بنفس نفیس شریک تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم تین سو سواروں کو بھیجا اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر بنایا اور ہمیں زادِ راہ کے طور پر کھجوروں سے بھرا ہوا ایک تھیلا مرحمت فرمایا۔

لشکر کی فاقہ کشی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی ہم راستے ہی میں تھے کہ زادِ راہ ختم ہو گیا۔ سالارِ لشکر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ جس کے پاس کچھ زادِ راہ ہو، وہ لے آئے، چنانچہ سارے لشکر سے زادِ راہ اکٹھا کیا گیا تو وہ چمڑے کے ایک برتن میں بھر گیا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیں روزانہ ایک ایک کھجور دیتے، ہم اسے اس طرح چوستے رہتے جیسے بچہ ماں کا دودھ پیتا ہے، اس کے بعد ہم پانی پی لیتے تھے جو ہمیں ایک دن کے لیے کافی ہوتا۔

ہمیں کھجور کی اہمیت کا اندازہ اس دن ہوا جب وہ بھی ختم ہو گئیں اور ہمیں ایک دانہ بھی نہ ملا۔ جب ہم بھوک سے نڈھال ہو گئے تو سلم نامی درخت کے پتے جھاڑ کر پانی میں بھگونے لگے جب وہ نرم ہو جاتے تو ہم انھیں کھا لیتے۔ یہ پتے کھانے سے ہمارے ہونٹ اور باچھیں زخمی ہو گئیں اور ہمارے ہونٹ سوج کر اونٹ کے ہونٹوں کی طرح ہو گئے۔

[1] زاد المعاد: 390/3.

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی بے مثال سخاوت

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے قیس بھی اس لشکر میں شریک تھے۔ اپنے باپ کی طرح یہ بھی بڑے دریا دل تھے۔ مجاہدین کی یہ حالت دیکھ کر انھوں نے اعلان کیا کہ کوئی ہے جو مجھ سے اونٹوں کے بدلے کھجوریں خرید لے۔ وہ مجھے اس جگہ اونٹ دے دے اور میں مدینہ جا کر اسے کھجوریں دے دوں گا۔ قبیلہ جہینہ کے ایک شخص کی قیس سے ملاقات ہوئی تو قیس رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے سامنے بھی یہی پیش کش دہرائی۔ اس نے کہا: میں تو تمھیں نہیں جانتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ بات سن کر بولے: واہ رے صاحبزادے! تمھارے پلے تو ہے کچھ نہیں مگر دوسروں کے مال پر اتنا بڑا سودا کر رہے ہو!

سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تنقید نظر انداز کر دی اور جہنی سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا: میں سعد بن عبادہ بن دُلیم کا بیٹا قیس ہوں۔ جہنی نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی کہا: بس بس! سعد کے نام کے بعد اب کسی تعارف کی ضرورت نہیں، وہ یثربی سردار تو میرا بڑا گہرا دوست ہے، چنانچہ سودا طے ہو گیا۔ ہر اونٹ کے عوض ایک وسق (تقریباً 4 من) کھجوریں دینے کا فیصلہ ہوا۔ جہنی نے شرط لگائی کہ میں بنو دُلیم کی ذخیرہ شدہ خشک کھجوریں لوں گا۔ سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نے اس کی شرط بخوشی تسلیم کی اور اس سے پانچ اونٹ خرید لیے۔ جہنی نے یہ سودا پکا کرنے کے لیے گواہ مانگے تو انصار و مہاجرین کی ایک جماعت نے گواہی دے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے گواہی طلب کی گئی تو انھوں نے انکار کر دیا اور کہا: اس نوجوان کے پلے کچھ نہیں، اس کا اپنا کوئی مال نہیں، سارا مال اس کے باپ کا ہے۔ میں اس کی گواہی نہیں دے سکتا۔ جہنی بول پڑا کہ اللہ کی قسم! سعد خیانت کرنے والا نہیں اور وہ بڑے اعلیٰ کردار کا مالک ہے، وہ تھوڑی سی کھجوروں کے بدلے اپنے بیٹے کے عہد سے خیانت نہیں کرے گا۔

سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ ذبح کیا اور مجاہدین کو کھانا کھلایا۔ دوسرے دن پھر ایک اونٹ ذبح کیا، تیسرے دن پھر ایک اونٹ ذبح کیا۔ چوتھے دن وہ اونٹ ذبح کرنے لگے تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انھیں روک دیا اور کہا: اے قیس! تمھارے پاس مال تو ہے نہیں، کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنا معاہدہ توڑ کر معاہدہ شکن کہلاؤ۔ سیدنا قیس نے بڑا خوبصورت جواب دیا، کہنے لگے: آپ میرے باپ کو جانتے ہیں، وہ لوگوں کے قرض ادا کرتے ہیں، بے کسوں کا سہارا بنتے ہیں اور قحط کے دنوں میں لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ کیا وہ میرے ذمے لگی کھجوریں ادا کرنے میں بخل سے کام لیں گے، جبکہ میں نے یہ قرض اللہ کی راہ میں اپنے مجاہد ساتھیوں کی خاطر لیا ہے؟ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر نرم پڑ گئے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سختی سے منع کر دیا، چنانچہ تین اونٹ ذبح کر دیے گئے اور دو اونٹ واپسی پر مجاہدین کی سواری کے کام آئے۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں تین دن تین تین اونٹ ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

اللہ کی طرف سے نرالی مہمان نوازی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سمندر کے کنارے پڑاؤ ڈالے پڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر سے ایک بہت بڑی مچھلی باہر پھینک دی۔ یہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ دور سے ایک پہاڑی ٹیلہ معلوم ہوتی تھی۔ ہم اس کے قریب گئے تو وہ عنبر نامی مچھلی تھی۔ ہم اسے تقریباً ایک مہینہ (بروایات بعض 15 یا 18 دن) کھاتے رہے۔ ہم اس مچھلی سے بیل کے گوشت کی طرح بڑے بڑے ٹکڑے کاٹتے اور بھون بھون کر کھا جاتے تھے۔ ہم نے اس کا کچھ حصہ اپنی اپنی ہمت کے مطابق خشک کر کے زادِ راہ کے طور پر رکھ لیا۔ ہم تین سو آدمی اس کا گوشت کھا کھا کر خوب موٹے تازے ہو گئے۔ ہم اس کے تیل کی مالش کرتے تھے، اس طرح ہماری جسمانی حالت پہلے سے بہت بہتر ہو گئی۔

عنبر کا حجم

عنبر مچھلی سمندر کے بڑے بڑے جانوروں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی عموماً 75 فٹ ہوتی ہے۔ سیدنا جابر کہتے ہیں کہ ہم اس مچھلی کی آنکھ کے گڑھے سے پیالے بھر بھر کر تیل نکالتے تھے۔ ایک بار سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہم میں سے تیرہ آدمیوں کو اس گڑھے میں بٹھا دیا اور اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی لے کر کھڑی کر دی، پھر لشکر میں موجود سب سے بڑا اونٹ منگوایا اور مجاہدین میں سب سے زیادہ دراز قامت شخص سیدنا قیس رضی اللہ عنہ کو اس پر سوار کیا۔ وہ اس پسلی کے نیچے سے گزر گئے مگر ان کا سر مچھلی کی پسلی سے مَس نہیں ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی مچھلی تناول فرمائی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم مدینہ واپس پہنچے تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے سفر کا حال سنایا اور اس مچھلی کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:



وہیل (عنبر) کے چھلانگ لگانے کا انداز

«كُلُوا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ، أَطْعِمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ مِّنْهُ»

''یہ رزق کھاؤ، اللہ تعالیٰ نے اسے تمھارے لیے ہی نکالا تھا۔ اگر تمھارے پاس اس میں سے کچھ ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔''

ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں وہ گوشت پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا۔

باپ بیٹے کی پیاری پیاری باتیں

جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو لشکر کی خستہ حالی کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے فرزند قیس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: لشکر کی کسمپرسی اور بھوک کی حالت میں تم نے ان کے لیے اونٹ ذبح نہیں کیا؟ انھوں نے جواب دیا: ذبح کیا تھا، انھوں نے پوچھا: پھر کیا کیا؟ جواب دیا: دوسرے دن بھی اونٹ ذبح کیا۔ پوچھا: پھر جب بھوک لگی تو کیا کیا؟ انھوں نے کہا: تیسرے دن بھی اونٹ ذبح کیا۔ پوچھا: جب بھوک لگی تو کیا؟ انھوں نے جواب دیا: پھر مجھے روک دیا گیا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کس نے روکا؟ انھوں نے جواب دیا: میرے امیر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے۔ پوچھا: کیوں روکا؟ کہنے لگے: وہ کہتے تھے کہ تمھارے پاس کوئی مال نہیں، سارا مال تو تمھارے باپ کا ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرے چار باغ تمھارے ہیں، ان میں سے جو سب سے کم پھل والا ہے، اس میں سے پچاس وسق کھجوریں تم حاصل کرسکو گے۔ انھوں نے یہ باغ اپنے بیٹے کے نام لکھ دیے اور اس پر ابوعبیدہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گواہ بنایا۔ اس کے بعد جہنی مدینہ آیا اور اس نے اپنے قرض کا مطالبہ کیا تو قیس رضی اللہ عنہ نے اُسے معاہدے کے مطابق کھجوریں دے دیں۔ مزید برآں اسے لباس بھی عنایت کیا اور سواری بھی فراہم کی۔

خاندانِ سعد کے لیے بشارت

رسول اللہ ﷺ کو جب سیدنا قیس رضی اللہ عنہ کی سخاوت کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

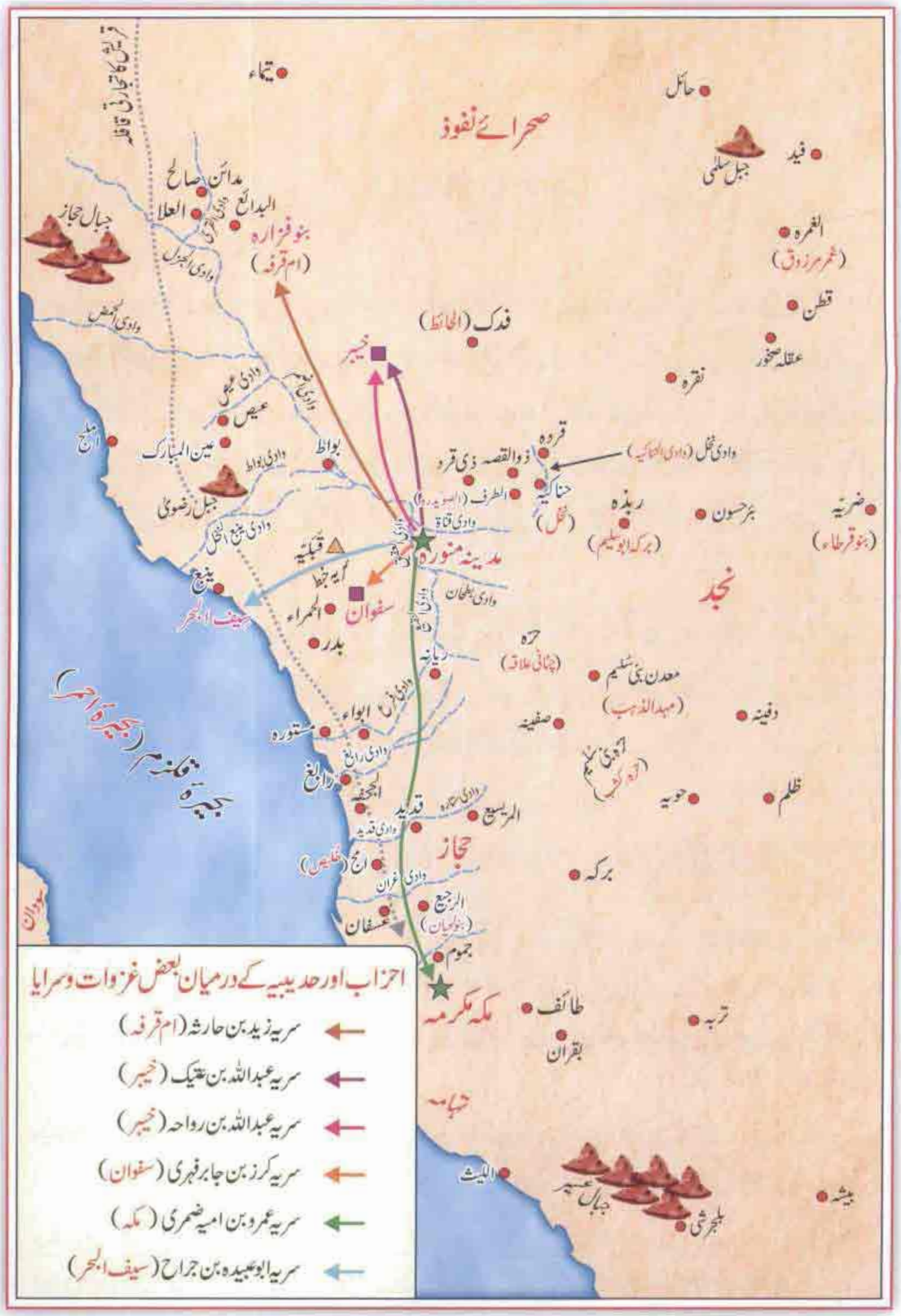
«إِنَّ الْجُودَ لَمِنْ شِيمَةِ أَهْلِ ذٰلِكَ الْبَيْتِ»

''بلاشبہ سخاوت کرنا اس خاندان کا طُرۂ امتیاز ہے۔''[1]

یہ ہیں وہ سرایا اور غزوات جو جنگ احزاب اور بنی قریظہ کے بعد پیش آئے۔ ان میں سے کسی بھی سریے یا غزوے

[1] صحيح البخاري :4360-4362، صحيح مسلم : 1935، فتح الباري : 8/98-102، زاد المعاد :3/389,390، السيرة لابن هشام :4/281، الطبقات لابن سعد :2/132، عيون الأثر، ص 345,346، المغازي للواقدي :2/221-223، سبل الهدىٰ والرشاد :6/176-181.

میں سخت جنگ نہیں ہوئی۔ کہیں کہیں معمولی جھڑپیں ہوئیں، لہٰذا ان مہمات کو جنگ کے بجائے فوجی گشت اور تادیبی نقل وحرکت کہا جا سکتا ہے جس کا مقصد ڈھیٹ بدوؤں اور اکڑے ہوئے مغرور دشمنوں کو خوف زدہ کرنا تھا۔ حالات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد صورت حال بدل گئی تھی اور اعدائے اسلام کے حوصلے ٹوٹتے جا رہے تھے۔ اب انھیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ دعوتِ اسلام کو خاموش کرنے اور اس کی شوکت کو دُھندلایا نہیں جا سکتا۔ یہ تبدیلی اچھی طرح کھل کر اس وقت رونما ہوئی جب مسلمان صلح حدیبیہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ یہ صلح دراصل اسلامی قوت کا اعتراف اور اس بات پر مہر تصدیق تھی کہ اب اس قوت کو جزیرہ نمائے عرب میں برقرار رہنے اور پھلنے پھولنے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔


احزاب اور حدیبیہ کے درمیان بعض غزوات وسرایا
سریہ زید بن حارثہ (ام قرفہ)
سریہ عبداللہ بن عتیک (خیبر)
سریہ عبداللہ بن رواحہ (خیبر)
سریہ کرز بن جابر فہری (سفوان)
سریہ عمرو بن امیہ ضمری (مکہ)
سریہ ابوعبیدہ بن جراح (سیف البحر)
تیماء
حائل
صحرائے نفوذ
فید
جبل سلمی
الغمرہ
(غمر مرزوق)
قطن
عقلہ صخور
نقرہ
فدک (الحائط)
خیبر
مدائن صالح
العلا
البدائع
بنو فزارہ
(ام قرفہ)
جبال حجاز
عیص
عین المبارک
بواط
جبل رضوی
ینبع
سیف البحر
الحمراء
بدر
سفوان
مدینہ منورہ
ذی قرہ
ذو القصہ
قروہ
حنا کیہ
(نخل)
ربذہ
ضریہ
نجد
حرہ
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
صفینہ
دفینہ
ظلم
حویہ
ابواء
مستورہ
رابغ
الجحفہ
قدید
حجاز
برکہ
عسفان
الرجیع
(بنو لحیان)
جموم
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
تہامہ
اللیث
جبال عسیر
بلجرشی
بیشہ
بحیرہ قلزم (بحیرہ احمر)

ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات

سیدہ ام رومان بنت عامر بن عُویمر بن عبد شمس کنانیہ رضی اللہ عنہا کا نام زینب تھا، ایک قول کے مطابق ان کا نام دِعد تھا۔ یہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ ان کی پہلی شادی قبیلہ ازد سے تعلق رکھنے والے عبداللہ بن حارث بن سخبرہ بن جُرثومہ سے ہوئی۔ وہ انھیں مکہ لے آئے۔ ان کے بطن سے عبداللہ بن حارث کا بیٹا طفیل پیدا ہوا۔ عبداللہ بن حارث سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حلیف تھا۔ مکہ آکر عبداللہ وفات پا گیا تو ام رومان رضی اللہ عنہا سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی۔ یہ اسلام قبول کر چکی تھیں۔ انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت بھی کی۔

ام رومان رضی اللہ عنہا کے بطن سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دو بچے پیدا ہوئے: ام المؤمنین سیدہ عائشہ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما۔ ذوالحجہ 6 ھ میں سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں۔ ان کی تدفین کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ان کی قبر میں اترے، ان کے لیے دعائے مغفرت کی اور بارگاہِ ربانی میں عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ! لَمْ يَخْفَ عَلَيْكَ مَا لَقِيَتْ أُمُّ رُومَانٍ فِيكَ وَفِي رَسُولِكَ»

''اے اللہ! ام رومان کو تیری اور تیرے رسول کی خاطر جو مشکلات آئیں وہ تجھ سے پوشیدہ نہیں۔''

پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بہت بڑے اعزاز سے نوازتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَّنْظُرَ إِلَى امْرَأَةٍ مِّنَ الْحُورِ الْعِينِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى أُمِّ رُومَانٍ»

''جسے یہ بات پسند ہے کہ وہ جنت کی حوروں میں سے کسی عورت کو دیکھے تو وہ ام رومان کو دیکھ لے۔''[1]

[1] إمتاع الأسماع: 182/6، الروض الأنف: 26,25/4، الإصابة: 392,391/8، أسد الغابة: 447,446/5.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا (جلد ہفتم)

اعلام، اماکن، قبائل اور متفرق مضامین

(بہ اعتبار حروف تہجی)

اعلام

جمل: جمل یہ ایک بہادر آدمی کا نام ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے بہادری میں بطور تمثیل یہ شعر پڑھا تھا۔ علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ یہ جمل نہیں حمل ہے، یعنی حمل بن سعدانہ بن حارثہ بن معقل بن علیم بن جناب کلبی۔ یہ قدیم رجز یہ شعر ہے جو سعد رضی اللہ عنہ نے بطور تمثیل پڑھا۔ (السيرة لابن هشام، حاشية: 236/3، الروض الأنف: 430/3)

حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ: حارثہ بن نعمان بن نفع بن زید بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار خزرجی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ انھیں ابن نفع کے بجائے ابن رافع بھی کہا گیا ہے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ بہت زیادہ دیندار تھے اور والدہ کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کرتے تھے۔ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ انھوں نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھا تھا۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں وفات پائی۔ (سير أعلام النبلاء: 380-378/2، إسعاف المبطا: 8/1، الإصابة: 708,707/1)

شریف (740-816ھ/1340-1413ء): علامہ علی بن محمد بن علی رحمہ اللہ شریف جرجانی کے نام سے معروف ہیں۔ ان کا شمار فلسفی اور کبار عربی علماء میں ہوتا ہے۔ ایران کے شہر آستر آباد (موجودہ نام گرگان) کے قریب تاکو نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ شیراز میں تعلیم حاصل کی۔ جب 789ھ میں تیمور نے وہاں دھاوا بولا تو علامہ جرجانی سمرقند بھاگ گئے۔ تیمور وفات پا گیا تو یہ شیراز واپس آ گئے اور تادم زیست شیراز ہی میں رہے۔ ان کی تقریباً پچاس تصنیفات ہیں جن میں سے چند کتب یہ ہیں: التعریفات، شرح مواقف الإيجي، مقاليد العلوم، شرح السراجية في الفرائض، رسالة في فن أصول الحديث، حاشية على الكشاف۔ (الأعلام للزركلي: 7/5)

عرقہ: یہ قلابہ بنت سُعَید بن سعد بن سہم ہے۔ اس کی کنیت ام فاطمہ تھی اور اس کو اس کی بہترین خوشبو کی بنا پر عَرِقہ کہا جاتا تھا اور یہ خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نانی تھی۔ (الروض الأنف: 431/3)

ولفسن (1305-1394ھ/1887-1974ء): اس کا مکمل نام Harry Austryn Wolfson ہے۔ 1887ء میں روس میں پیدا ہوا۔ 1903ء میں یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ کی طرف ہجرت کی۔ امریکہ کے شہر کیمبرج میں ہارورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر

1912ء سے 1914ء تک تحصیل علم کے سلسلے میں یورپ رہا۔ 1915ء میں ہارورڈ یونیورسٹی میں استاد مقرر ہوا۔ 1920ء میں ترقی پا کر عبرانی زبان و ادب اور یہودی فلسفے کا استاد بن گیا اور وفات تک اسی یونیورسٹی میں استاد رہا۔ اس نے فلسفے پر بہت سی کتابیں لکھیں، مثلاً: Crescas' Critique of Aristotle, The Philosophy of Spinoza, Foundations of Religious Philosophy in Judaism. (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

اماکن

أجم الشيخين: کو أحمر السبختين بھی کہا گیا ہے۔ ایک قول اجم السمر بھی ہے۔ یہ جگہ مدینہ کے قریب ہے۔ جس رات رسول اللہ ﷺ مشرکین سے احد میں لڑائی کے لیے نکلے تو آپ ﷺ کے لشکر نے یہیں پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دو گڑھیاں تھیں جہاں ایک بوڑھا اور بوڑھی آپس میں باتیں کیا کرتے تھے۔ اُجم السمر کے معنی بھی یہی ہیں۔ اجم کے معنی گڑھی اور السمر کے معنی قصہ گوئی کے ہیں۔ (مرويات غزوة الخندق، ص : 195,194)

حمراء الاسد: مدینہ سے عقیق کے راستے پر ذوالحلیفہ سے آگے 20 کلومیٹر دور ایک سرخ پہاڑ ہے جو وادی عقیق الحسا کے بائیں طرف واقع ہے۔ (معجم البلدان، مادة : حمراء الأسد، معجم المعالم الجغرافية، ص : 106,105) یہیں 3ھ میں غزوہ حمراء الاسد پیش آیا تھا۔

صورَین: یہ جگہ مدینہ منورہ سے بنوقریظہ کی طرف جاتے ہوئے بقیع سے دور عوالیٔ مدینہ کے قریب واقع ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية، ص : 180)

ضریّہ: یہ نجد کے وسط میں واقع چراگاہ ہے۔ ضریہ نامی قصبہ ربذہ سے 165 کلومیٹر اور الحنا کیہ سے 247 کلومیٹر مشرق میں، الحنا کیہ عنیزہ شاہراہ پر واقع البتراء سے 135 کلومیٹر جنوب میں اور العفیف سے تقریباً 90 کلومیٹر شمال میں ہے۔ (أطلس المملكة العربية السعودية، لوحه : 9)

اقوام وقبائل

بنوبکر بن کلاب: یہ قبیلہ بکر بن کلاب سے منسوب ہے جو قیس بن عیلان کی اولاد میں سے تھے۔ نجد میں ان کے علاقے ہرکنہ، وعامۃ السی اور الفالق تھے۔ یہ لوگ المطالی، المضاجع، ضریہ کی چراگاہ، الخر، احسن اور الہردہ کے مقامات پر بھی رہتے تھے۔ (معجم قبائل العرب : 93,92/1)

بنو بلی: یہ قحطانی قبیلہ قضاعہ کی بہت بڑی شاخ ہے۔ ان کا نسب بلی بن عمرو بن الحافی بن قضاعہ ہے۔ یہ مدینہ سے وادی القریٰ کے درمیان رہتے تھے۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ یہ قبائلِ جہینہ کے شمال سے عقبہ ایلہ تک بحیرۂ قلزم کے مشرقی کنارے پر آباد تھے۔ پھر ان کی کچھ جماعتیں بحیرۂ قلزم کے مغربی کنارے کی طرف جا آباد ہوئیں اور سوڈان اور حبشہ میں پھیل گئے۔ 8ھ میں بنو بلی نے اپنے ساتھ دوسرے عربی قبائل لخم، جذام، بلقین، بہراء کو ملا کر ایک لاکھ کی فوج اکٹھی کی اور جنگ مؤتہ میں رومیوں کا ساتھ دیا۔ جمادی الآخرہ 8ھ میں نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان کی طرف سریہ بھیجا تھا۔ 9ھ میں بنو بلی کا وفد نبی کریم ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ (معجم قبائل العرب :1/104-106)

بنو قیس: یہ قبیلہ خزرج کی شاخ ہے۔ ان کے جد امجد کا نام ونسب یہ ہے: قیس بن سعد بن عبادہ بن دُلیم بن حارثہ بن ابی جزیمہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج۔ (معجم قبائل العرب : 3/971,972)

متفرقات

رگِ اکحل: یہ رگ کلائی کے درمیان میں ہوتی ہے۔ اس کو عرق الحیات کہتے ہیں۔ جسم کے ہر عضو میں اس کا کچھ حصہ ہوتا ہے۔ ہاتھ میں موجود اس رگ کو اکحل کہتے ہیں۔ پشت میں اسے اَبہر کہتے ہیں اور ران میں پائی جانی والی عرق النساء کہلاتی ہے۔ اگر یہ کٹ جائے تو اس سے خون کا بہاؤ نہیں رکتا۔ (فتح الباري : 7/516)

عزل: ہم بستری کے دوران انزال کے وقت آلۂ تناسل کو باہر نکال دینا تا کہ مادہ منویہ عورت کے رحم میں نہ جائے اور اسے حمل نہ ٹھہرے، عزل کہلاتا ہے۔ (دیکھیے : فتح الباري : 9/389)

علہز: ایک قسم کا کھانا ہے، عرب لوگ قحط کے دنوں میں اونٹ کے بال اور خون ملا کر آگ پر بھون لیتے، پھر اسے کھاتے تھے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ابوسفیان (قحط سالی کے دنوں میں) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: يَا مُحَمَّدُ! أَنْشُدُكَ اللّٰهَ وَالرَّحِمَ فَقَدْ أَكَلْنَا الْعِلْهِزَ - يَعْنِي الْوَبَرَ وَالدَّمَ - فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ۝﴾ (المؤمنون 23:76) "اے محمد! میں آپ کو اللہ کا اور رشتے داری کا واسطہ دیتا ہوں۔ بلاشبہ ہم نے علہز، یعنی خون اور بال ملا کر کھا لیے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا، پھر بھی وہ نہ اپنے رب کے آگے جھکے اور نہ عاجزی اختیار کرتے تھے۔" (صحیح ابن حبان : 3/247، حدیث : 967) بعض نے کہا ہے کہ علہز ایک بوٹی ہے جو بنوسلیم کے علاقے میں اگتی ہے جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قحط سالی کی شکایت کی اور کہنے لگا: ..... وَلَا شَيْءَ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ عِنْدَنَا سِوَى الْحَنْظَلِ - الْعَامِيِّ وَالْعِلْهِزِ الْفَسْلِ وَلَيْسَ لَنَا إِلَّا إِلَيْكَ فِرَارُنَا - وَ أَيْنَ فِرَارُ النَّاسِ إِلَّا إِلَى الرُّسُلِ "ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ البتہ قحط کے سال کی اندرائن ہے اور خراب علہز ہے۔ آخر ہم لوگ بھاگ کر کدھر جائیں گے؟ ہماری دوڑ تو صرف آپ تک ہے۔ اور لوگ بھاگ بھی کہاں سکتے ہیں سوائے رسولوں کی طرف۔" (دلائل النبوة للبيهقي : 6/313، النهاية لابن الأثير، مادة: علهز)



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوام عالم کو ایسے روحانی اور سماجی و سیاسی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخِ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا جدید سیرت انسائیکلوپیڈیا ''اللؤلؤ المکنون'' اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

سیرت انسائیکلو پیڈیا کی زیرِ نظر ساتویں جلد چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں غزوۂ بنونضیر، غزوۂ مریسیع، غزوۂ خندق، غزوۂ بنوقریظہ اور مختلف سرایا کی تمام جزئیات اور محسن کش اور سازشی یہودیوں کے انجامِ رسوائی کی تفصیلات درج ہیں۔ ان ابواب میں آپ کو وہ لمحاتِ مسرت بھی ملیں گے جب رسول اللہ ﷺ کی یکے بعد دیگرے تین شادیاں ہوئیں جو انتہائی فیض رساں نتائج کے برگ و بار لائیں۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کے باعث عربوں میں بہت بڑا سماجی تغیر رُونما ہوا۔ اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامنِ طہارت پر بدباطن منافقوں نے دھبہ لگانا چاہا، تو خود اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل و نامراد کر کے سیدہ کی عفت و عظمت کی گواہی دی۔ یہ واقعہ مستند براہین کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ مجاہدینِ اسلام کس شانِ شجاعت سے غزوات اور سرایا میں جاتے تھے اور فتح و نصرت کس طرح ان کے قدم چومتی تھی، یہ ایمان افروز نظارے بھی اس جلد کا حصہ ہیں۔

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
9786035002776

اللؤلؤ المکنون

جلد ہشتم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- صلح حدیبیہ اور اس کے نتیجے میں فتحِ مبین کی بشارت
- شاہانِ عالم کو مکاتیبِ مقدس کے ذریعے اسلام قبول کرنے کی دعوت
- فتح خیبر اور اس کے نتیجے میں پورے جزیرہ نمائے عرب پر مسلمانوں کا دبدبہ
- غزوۂ ذات الرقاع اور اس سے بعد کے چند سرایا کے احوال

دار السلام
DARUSSALAM
دار السلام
ریسرچ سنٹر

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

www.KitaboSunnat.com

جلد 8

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام



وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اَللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاۃ والسلام

جلد 8

- صلح حدیبیہ اور اس کے نتیجے میں فتح مبین کی بشارت
- شاہانِ عالم کو مکاتیبِ مقدس کے ذریعے اسلام قبول کرنے کی دعوت
- فتح خیبر اور اس کے نتیجے میں پورے جزیرہ نمائے عرب پر مسلمانوں کا دبدبہ
- غزوۂ ذات الرقاع اور اس سے بعد کے چند سرایا کے احوال

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

رسول اللہ ﷺ کے خواب کی بدولت صلح حدیبیہ کا معاہدہ، بعد ازاں سلاطین و امراء کے نام دعوتی خطوط۔ غزوۂ خیبر کا تاریخ ساز واقعہ، رسول اللہ ﷺ کی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے شادی، نیز غزوۂ ذات الرقاع اور عمرۃ القضاء سے پہلے کے سرایا کے

ایمان افروز واقعات اس جلد کے موضوعات ہیں

نگرانِ اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا محمد اجمل بھٹی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

مولانا سیف اللہ
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح و تنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف و محقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ و لسانیات)

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

ڈیزائننگ و کمپوزنگ

ہارون الرشید
(آرٹ ڈائریکٹر)

عبدالخالق
(کمپوزنگ و گرافک ڈیزائننگ)

ⓒ مكتبة دارالسلام، ١٤٣٥ هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

مكتبة دار السلام

موسوعة السيرة النبوية - الجزء الثامن / مكتبة دار السلام - الرياض، ١٤٣٥ هـ (النص باللغة الاردية)

ص: ٨٢٥ مقاس: ١٧×٢٤ سم

ردمك: ١-٢٩٨-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

١. السيرة النبوية ٢. الموسوعات أ. العنوان

ديوي ٢٣٩ ١٤٣٥/٤١٥٢

رقم الإيداع: ١٤٣٥/٤١٥٢

ردمك ١-٢٩٨-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

پاکستان ہیڈ آفس ومرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 00 4 32 372 ,24 400 372 ,34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

ماڈل ٹاؤن: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2، گراؤنڈ فلور، ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

گلبرگ: دکان نمبر 2، گراؤنڈ فلور، بک سٹی پلازہ، لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون: 042-35773850

ماڈل ٹاؤن شاپ: بیکوروڈ ماڈل ٹاؤن شاپ، نزد اکبر چوک لاہور فون: 230 24 351 042

کراچی: مین طارق روڈ ڈائمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد: F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ورہ سنٹر: 13 815 22 51 0092 islamabad@darussalampk.com

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض ▪ العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 ▪ الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
▪ سویدی فون: 00966 1 4286641 ▪ سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

مکہ مکرمہ فون/فیکس: 0096 12 5376862 موبائل: 0096 562714039-0096 502839948

جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121

الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ ▪ نیویارک فون: 001 718 625 5925 ▪ ہیوسٹن: 001 713 722 0419 ▪ کینیڈا ▪ نسیم الدین الخطاب - فون: 001 416 4186619

لندن ▪ دارالسلام انٹرنیشنل: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 ▪ دارالسلام انٹرنیشنل: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات ▪ شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 033 01 480 52997

انڈیا ▪ دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 ▪ اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180

▪ فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 ▪ فون: 0091 44 42157847

سری لنکا ▪ دارالکتب فون: 0094 115 358712 ▪ دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197



شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

اللهم صل على

محمد

وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم

وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

رسول اللہ ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے

خوبصورت اشعار

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

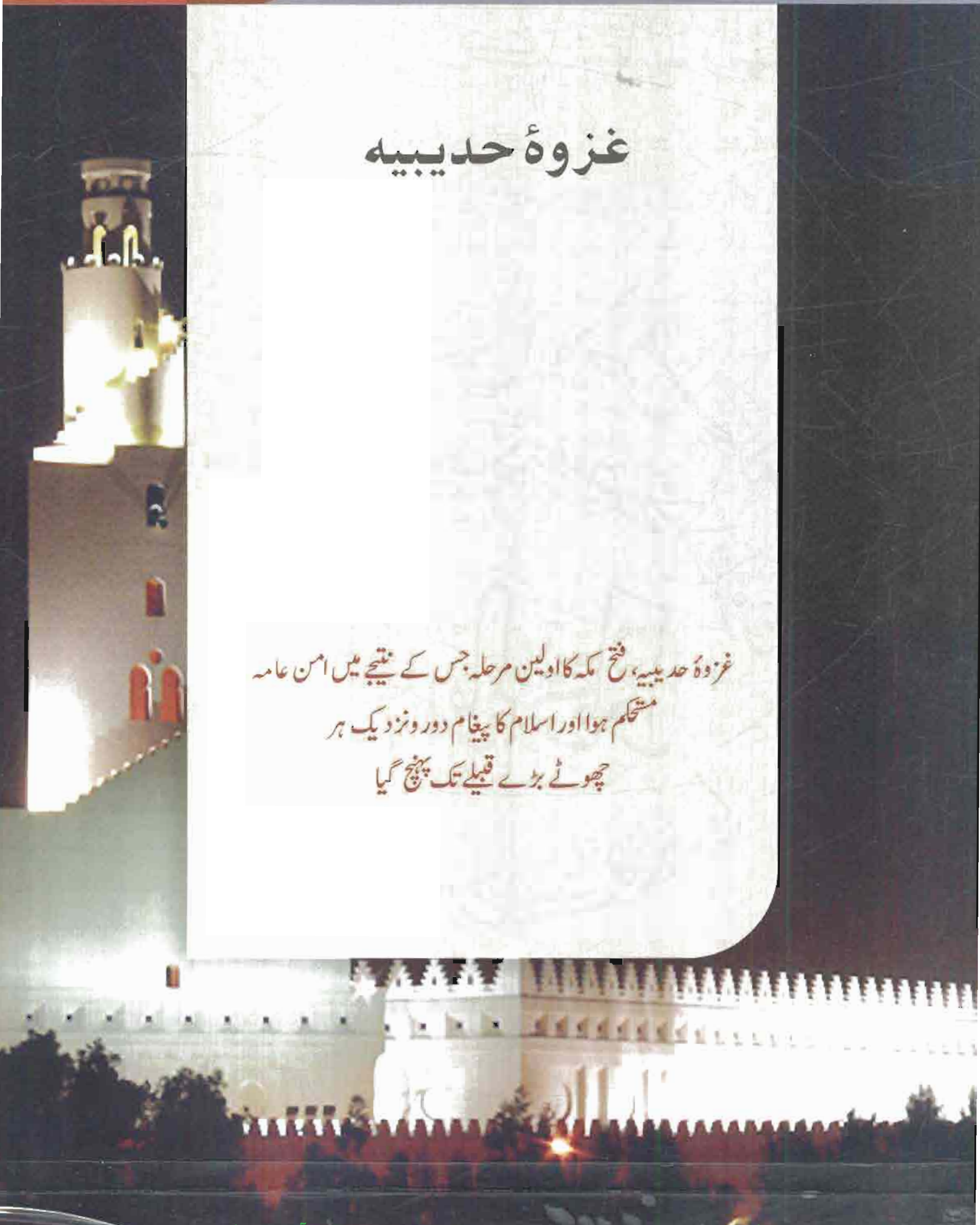


فہرست

مضامین

باب 1

سیرت انسائیکلوپیڈیا



غزوۂ حدیبیہ

غزوۂ حدیبیہ، فتح مکہ کا اولین مرحلہ جس کے نتیجے میں امن عامہ
مستحکم ہوا اور اسلام کا پیغام دور ونزدیک ہر
چھوٹے بڑے قبیلے تک پہنچ گیا

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا

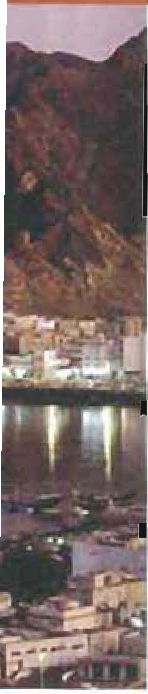
”یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، تو ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا، وہ اس نے جان لیا، تو اس نے ان پر تسکین نازل کی اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی۔“

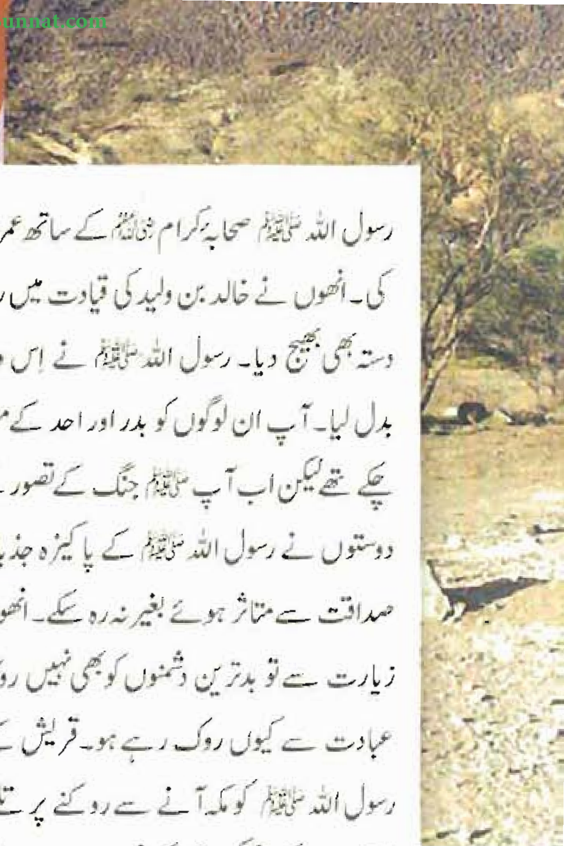
(الفتح 18:48)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِیْبًا

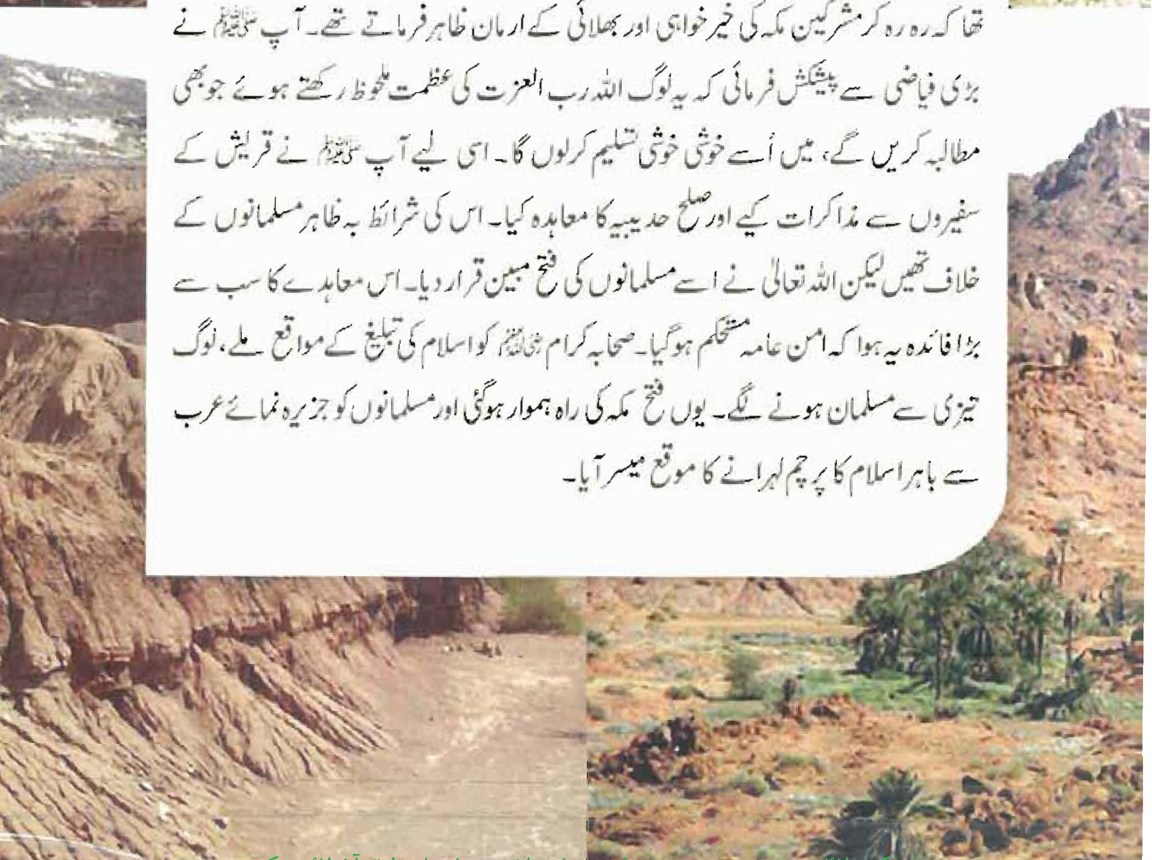
”بلاشبہ یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم حالت امن میں اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے مسجد حرام میں ضرور بالضرور داخل ہوگے، تم (کسی سے) نہ ڈرتے ہوگے، پس اللہ وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، تو اس نے اس سے پہلے ایک فتح جلد ہی عطا کر دی۔“ (الفتح 27:48)

اس باب میں





رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرے کے لیے نکلے تو مشرکینِ مکہ نے مزاحمت کی۔ انھوں نے خالد بن ولید کی قیادت میں رسول اللہ ﷺ کے قافلے کے خلاف ایک جنگجو دستہ بھی بھیج دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دستے سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ اپنا راستہ ہی بدل لیا۔ آپ ان لوگوں کو بدر اور احد کے معرکوں میں شجاعت و استقامت کے جوہر دکھا چکے تھے لیکن اب آپ ﷺ جنگ کے تصور کے بھی روادار نہ تھے۔ ادھر قریش مکہ کے جگری دوستوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ جذبات اور قربانی کے جانور دیکھے تو وہ بھی آپ کی صداقت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انھوں نے قریش ہی کو ملامت کی کہ اللہ کے گھر کی زیارت سے تو بدترین دشمنوں کو بھی نہیں روکا جا سکتا، تم لوگ محمد ﷺ کو عمرے جیسی عظیم عبادت سے کیوں روک رہے ہو۔ قریش کے پاس جھوٹی انا کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ آنے سے روکنے پر تلے بیٹھے تھے، لیکن رسالت مآب ﷺ کا یہ حال تھا کہ رہ رہ کر مشرکین مکہ کی خیر خواہی اور بھلائی کے ارمان ظاہر فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے بڑی فیاضی سے پیشکش فرمائی کہ یہ لوگ اللہ رب العزت کی عظمت ملحوظ رکھتے ہوئے جو بھی مطالبہ کریں گے، میں اُسے خوشی خوشی تسلیم کرلوں گا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے قریش کے سفیروں سے مذاکرات کیے اور صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا۔ اس کی شرائط بہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مسلمانوں کی فتح مبین قرار دیا۔ اس معاہدے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ امن عامہ مستحکم ہوگیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام کی تبلیغ کے مواقع ملے، لوگ تیزی سے مسلمان ہونے لگے۔ یوں فتح مکہ کی راہ ہموار ہوگئی اور مسلمانوں کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر اسلام کا پرچم لہرانے کا موقع میسر آیا۔



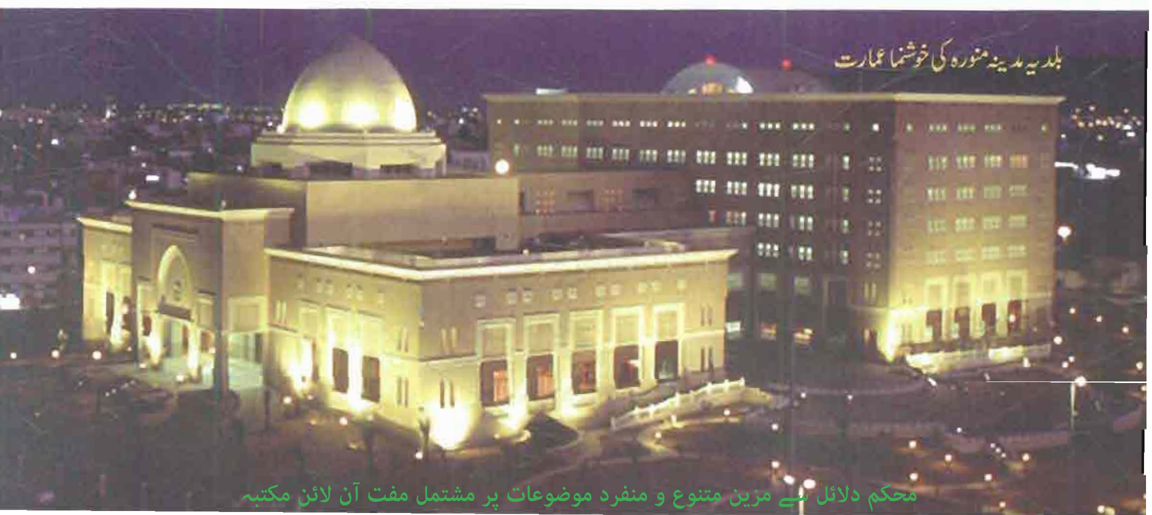
صلح حدیبیہ

رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے بڑی محبت تھی۔ مکہ مکرمہ رسول اللہ ﷺ کا وطن تھا۔ آپ کی 53 سالہ زندگی کے شب و روز اس مقدس سرزمین پر گزرے تھے۔ اس میں تیرہ سال وہ تھے جو آپ نے رسول کی حیثیت سے مکہ والوں کو دعوت دیتے ہوئے بسر فرمائے تھے۔ نبوت و رسالت کا تاج پہن لینے کے بعد آپ کے ہاں اس محترم گھر کی فضیلت پہلے سے بھی بڑھ گئی جسے آپ کے جد امجد جدِّ انبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔ مشرکینِ مکہ جس طرح اللہ کی قدر نہیں جانتے تھے، اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی قدر بھی نہ جان سکے۔ انھوں نے آپ کو اس قدر ستایا کہ بالآخر آپ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ ﷺ جب اپنے گھر سے نکل کر مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے تشریف لے جانے لگے تو انتہائی کرب کے عالم میں مکہ مکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَاخَرَجْتُ»

''اللہ کی قسم! بلا شبہ اللہ کی زمین میں تو سب سے اچھی زمین ہے۔ اور اللہ کی زمین میں اللہ کو بھی تو ہی سب سے زیادہ پسند ہے، اگر تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں یہاں سے کبھی نہ جاتا۔''[1]

[1] جامع الترمذي: 3925.

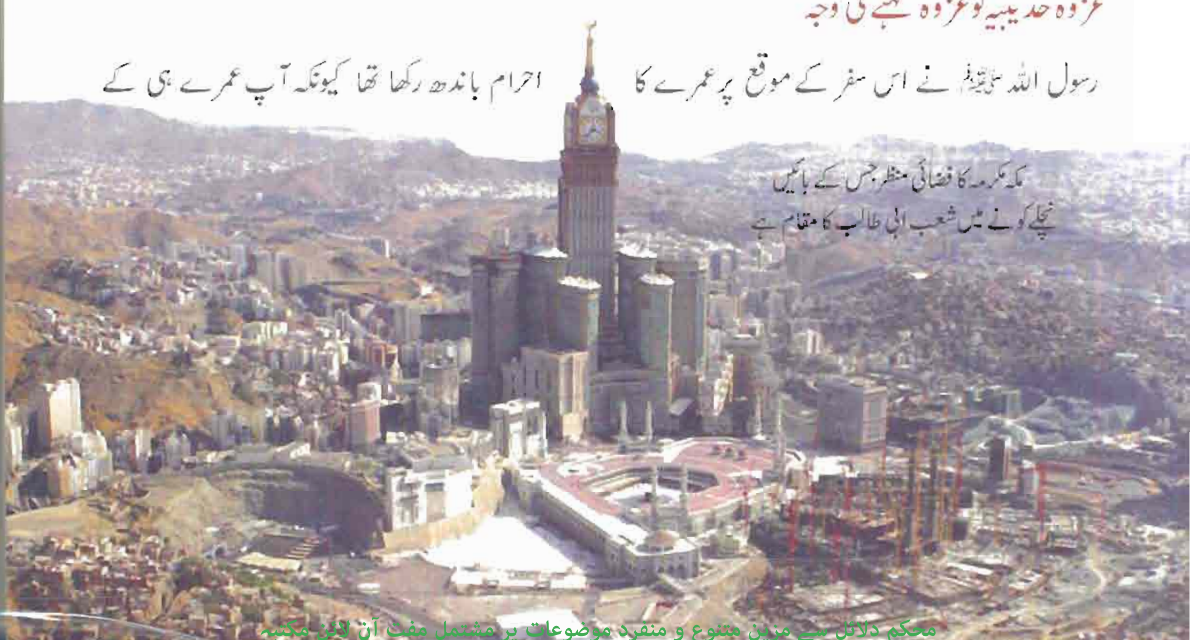


بلدیہ مدینہ منورہ کی خوشنما عمارت

اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے کس قدر محبت کرتے تھے، حالانکہ اہل مکہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بہت ستاتے تھے اور طرح طرح کی تکلیفوں سے دوچار کرتے تھے۔ قریش آپ ﷺ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے لیکن آپ ان کی گالیاں اور طعنے سن کر بھی ان کی ہدایت کی دعائیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ کفار کے یتیم بچوں اور کس مپرس لوگوں کی کفالت کرتے تھے، اس کے باوجود قریش نے آپ ﷺ اور آپ کے پورے خاندان کو عورتوں اور بچوں سمیت شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ آپ ﷺ نے جس کعبہ کی تعمیر میں اپنا عظیم کردار ادا کیا اور قریش کو خون ریز جنگ سے بچایا، آج ان لوگوں نے اسی کعبہ کے طواف سے آپ کو روک دیا۔ آپ تو سرچشمۂ ہدایت تھے۔ قریش کو جہنم کے عذاب سے بچا کر ابدی زندگی کی سعادتوں سے بہرہ ور کرنا چاہتے تھے لیکن قریشیوں نے آپ ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کی تدبیریں کیں اور آپ ﷺ پر جنگیں مسلط کیں۔ آپ کو صادق و امین کہنے والے اہل مکہ آپ کی جان کے دشمن بن گئے۔ وہ آپ کے نبی برحق ہونے کی واضح نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی شرک و گمراہی کی زنجیروں میں جکڑے رہنے پر مُصر تھے۔ مکہ مکرمہ سے جدا ہوئے پانچ سال گزر چکے تھے۔ پہلے چار سالوں میں مشرکین مکہ نے یکے بعد دیگرے جنگ مسلط کیے رکھی۔ غزوہ احزاب کے موقع پر ان کی تمام کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے خاک میں ملا دیا تو اس کے بعد اہل مکہ مدینہ کا رخ نہ کر سکے۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ بیت اللہ کی زیارت کی جائے اور اہل مکہ کو یہ باور کرایا جائے کہ ہم امن و امان کے علمبردار ہیں، دنگا فساد اور جنگ و جدال ہمارا مشن اور مقصد نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ عمرے کے لیے تشریف لے گئے۔

غزوہ حدیبیہ کو غزوہ کہنے کی وجہ

رسول اللہ ﷺ نے اس سفر کے موقع پر عمرے کا احرام باندھ رکھا تھا کیونکہ آپ عمرے ہی کے



مکہ مکرمہ کا فضائی منظر جس کے بائیں نچلے کونے میں شعب ابی طالب کا مقام ہے

ارادے سے تشریف لے گئے تھے لیکن حالات ایسی شکل اختیار کر گئے کہ اہل مکہ نے مزاحمت کی اور آپ ﷺ کو عمرے جیسی عظیم عبادت و سعادت سے روکا۔ اس ضمن میں باہمی مذاکرات ہوئے جن کے نتیجے میں آپ ﷺ مکہ نہیں جا سکے بلکہ حدیبیہ تک محدود رہے۔ آپ ﷺ نے اہل مکہ سے دس سال کے لیے صلح کی، بنا بریں سیرت نگار اور مؤرخین اس بات میں متردد ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے اس سفر کو کس نام سے پکارا جائے؟ سیرت ابن ہشام میں اسے ''امرالحدیبیۃ'' (معاہدہ حدیبیہ) ''تاریخ طبری'' میں اسے ''قصۃ الحدیبیۃ'' (واقعہ حدیبیہ) باشمیل کی ''موسوعۃ غزوات الکبریٰ'' میں ''صلح الحدیبیۃ'' ابن عبدالبر کی ''الدرر'' اور غزالی کی ''فقہ السیرہ'' میں ''عمرۃ الحدیبیۃ'' اور اکثر محدثین اور اصحاب المغازی نے اسے ''غزوۃ الحدیبیۃ'' کا عنوان دیا ہے۔

اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسے غزوے ہی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مثلاً: سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ غَزْوَةَ الْحُدَيْبِيَةِ.

''انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حدیبیہ میں شرکت کی۔''[1]

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ فَذَكَرَ خَيْبَرَ، وَالْحُدَيْبِيَةَ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ.

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی، چنانچہ وہ ان غزوات کا یوں ذکر کرنے لگے: خیبر، حدیبیہ، حنین......۔''[2]

اسی طرح امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ سورۂ فتح کی تفسیر میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

لَمَّا رَجَعْنَا مِنْ غَزْوَةِ الْحُدَيْبِيَةِ، وَقَدْ حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ نُسُكِنَا، قَالَ: فَنَحْنُ بَيْنَ الْحُزْنِ وَالْكَآبَةِ، قَالَ: فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ أَوْ كَمَا شَاءَ اللّٰهُ، فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ: «لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آيَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا»

''ہم غزوہ حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے جبکہ اہل مکہ ہمارے اور بیت اللہ کے طواف کے مابین حائل ہو گئے تھے۔ اس وقت ہم انتہائی پریشان اور غم زدہ تھے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح مبین دی۔'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو

1 صحیح مسلم: 1196(62). 2 صحیح البخاري: 4273.

مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔''[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان الفاظ سے جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہی ہے کہ عہد نبوی میں اسے غزوۂ حدیبیہ ہی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بنا بریں اسے غزوہ قرار دینا ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ لفظ اس سفر میں پیش آنے والے تمام واقعات کی پوری طرح عکاسی کرتا ہے۔[2]

مقام حدیبیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا جس کی وجہ سے اس جگہ کا نام بھی حدیبیہ پڑ گیا۔[3]



علامہ یاقوت حموی کہتے ہیں: یہ ایک متوسط گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں مسجد شجرہ کے پاس ایک کنواں تھا، اس کا نام حدیبیہ تھا، اُسی کے نام پر اس کا نام رکھ دیا گیا۔ مسجد شجرہ اسی جگہ تھی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کے نیچے بیعت لی تھی۔[4]

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا۔ اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً، وَالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا حَتّٰى لَمْ نَتْرُكْ فِيهَا قَطْرَةً.

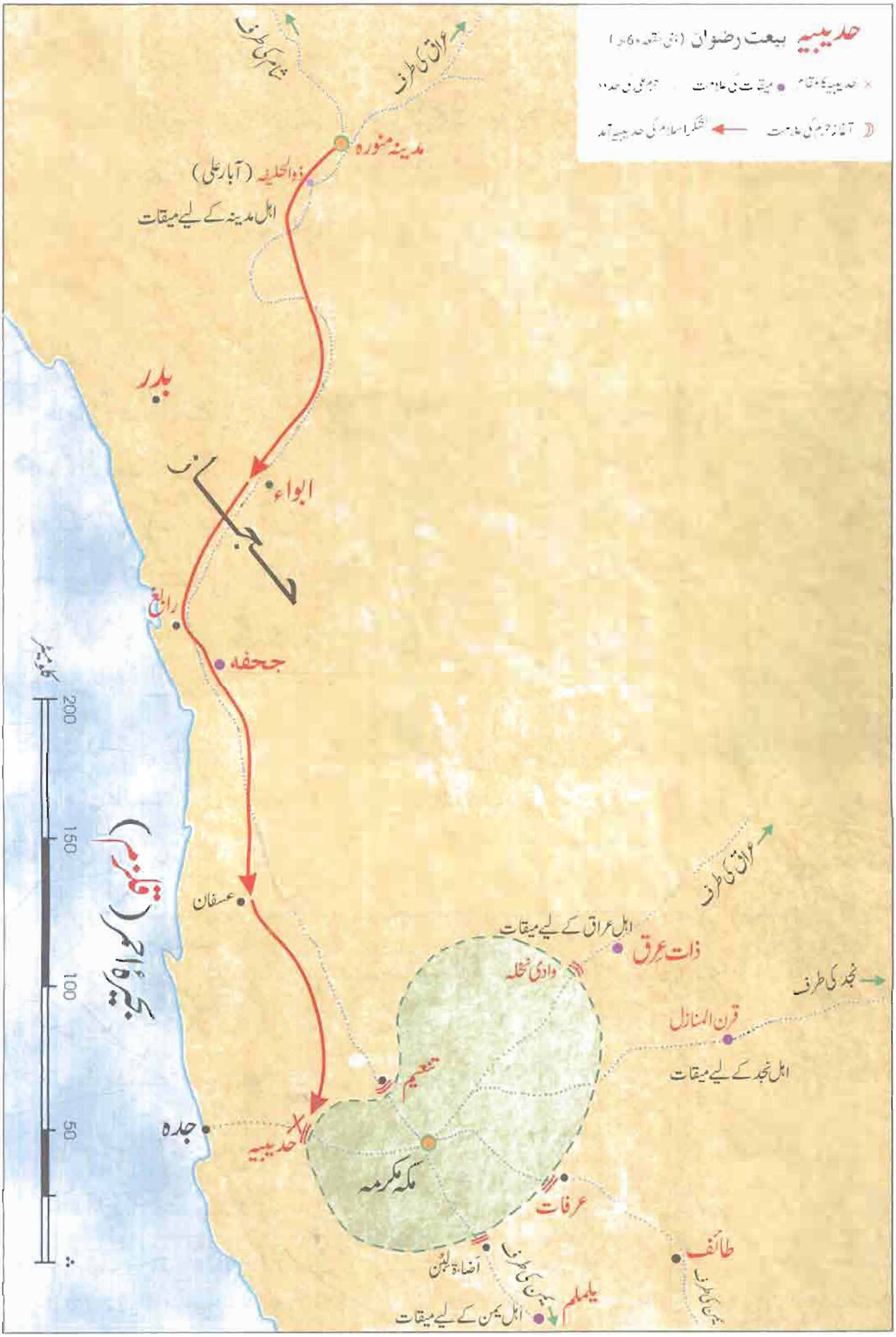
''حدیبیہ کے دن ہم چودہ سو افراد تھے۔ حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے۔ ہم نے اس سے اتنا پانی نکالا کہ اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ چھوڑا......''[5]

اس روایت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا۔

کیا حدیبیہ حرمِ مکی میں شامل ہے؟

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک حدیبیہ کا تمام حصہ حرم مکی سے باہر ہے۔ لیکن اس کے برعکس صحیح بات وہ ہے جو

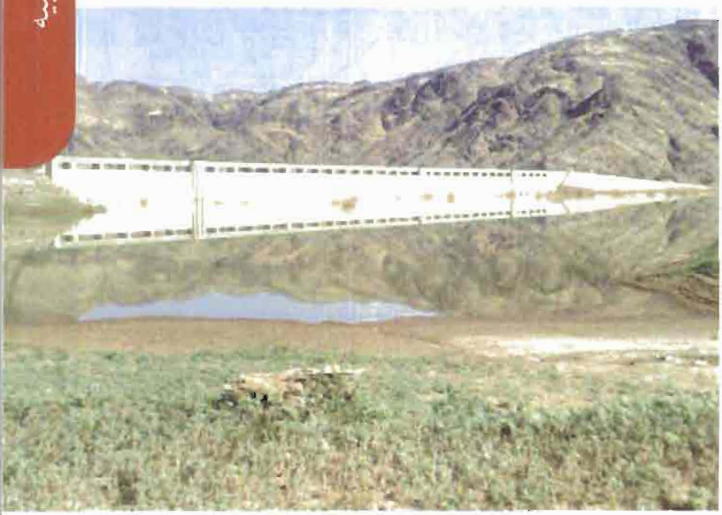
[1] تفسير الطبري، الفتح 48:1. [2] مزید دیکھیے: مرويات غزوة الحديبية، ص: 15-18. [3] فتح البارى: 409/5. [4] معجم البلدان: 229/2. [5] صحيح البخاري: 3577.


حدیبیہ بیعت رضوان
مدینہ منورہ
ذوالحلیفہ (آبارِ علی)
اہل مدینہ کے لیے میقات
شام کی طرف
عراق کی طرف
بدر
ابواء
حجاز
رابغ
جحفہ
عسفان
بحیرۂ احمر (قلزم)
جدہ
حدیبیہ
تنعیم
مکہ مکرمہ
عرفات
اضاءۃ لبن
یمن کی طرف
یلملم
اہل یمن کے لیے میقات
طائف
وادی نخلہ
ذات عرق
اہل عراق کے لیے میقات
عراق کی طرف
نجد کی طرف
قرن المنازل
اہل نجد کے لیے میقات
200
150
100
50
0

امام شافعی نے کہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مقام حدیبیہ کا بعض حصہ حرم مکی میں شامل ہے اور کچھ حصہ حرم سے باہر ہے۔ [1]

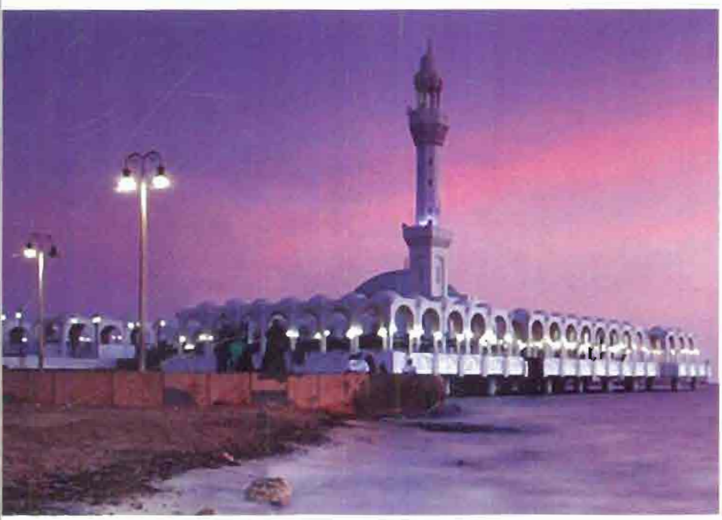
حدیبیہ کا محل وقوع اور مسافت

حدیبیہ مکہ مکرمہ کے مغرب میں جدید شاہراہ جدہ پر 22 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آج کل اس کا نام شمیسی ہے۔ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی، وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی جس کا نام ''مسجد الشجرۃ'' ہے۔ وہ مسجد منہدم ہو چکی ہے اور اس کی جگہ غیر معروف ہے۔ موجودہ مسجد، مسجد الشجرۃ نہیں ہے۔ حدیبیہ حدود حرم سے باہر ہے مگر حدود حرم سے زیادہ دور نہیں۔ [2]



وادی فاطمہ کا ایک منظر

صاحب صحیح الاخبار کا کہنا ہے: اگر آپ وادی فاطمہ سے گزریں تو آپ ایسی جگہ پر پہنچیں گے جسے آج کل شمیسی کے نام سے پکارا جاتا ہے، قدیم دور میں یہی مقام حدیبیہ کہلاتا تھا۔ صاحب نسب حرب کا کہنا ہے: مکہ سے مغرب کی طرف بائیس کلو میٹر کے فاصلے پر جدہ کے رستے میں حدیبیہ کا مقام ہے، لیکن اس کا نام شمیسی ہو چکا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی کا نام شمیسی تھا۔ اس نے وہاں کنواں کھودا، چنانچہ اُسی کا نام حدیبیہ کے نام پر غالب آ گیا۔ حدیبیہ میں آج کل مسجد رضوان ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔



مسجد عائشہ (جدہ)

[1] مرويات غزوة الحديبية، ص: 22,21. [2] أطلس الحديث النبوي، ص: 141، معجم المعالم الجغرافيه، ص: 94.

غزوہ حدیبیہ کا سبب

نبی مکرم ﷺ نے جب مکہ مکرمہ میں اسلام کی دعوت دی تو کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کی شدید مخالفت شروع کر دی، وہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بن گئے۔ جوں جوں اسلام کی تعلیمات عام ہونے لگیں، نیک دل لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ اور جوں جوں اسلام پھیلتا گیا، مکہ والوں کی دشمنی بھی بڑھتی چلی گئی اور انھوں نے مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے۔ چنانچہ مسلمان مکہ سے آہستہ آہستہ ہجرت کرنے لگے، لیکن مسلمانوں کے دل ہر آن بیت اللہ ہی کی طرف لگے رہتے تھے، اس کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ مکہ ان کا وطن تھا بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ مکہ اللہ تعالیٰ کا حرمت والا اور زبردست برکت والا شہر تھا۔ اس میں اللہ کا نہایت محترم گھر تھا۔ قریش کے جد امجد ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اس مبارک شہر سے خاص محبت اور تعلق تھا۔ مسلمان اپنے خالق و مالک کی عبادت کرنے کے لیے بیت اللہ ہی کی طرف منہ کرتے تھے۔ دوسری طرف اہلِ مکہ مسلمانوں کے ساتھ پیہم جنگ و جدل میں مصروف رہتے تھے۔ اس صورت حال میں مسلمان بیت اللہ کی زیارت ہی سے محروم ہوگئے تھے جب کہ ان کے دل و دماغ میں ہر آن بیت اللہ کی زیارت کا شوق انگڑائیاں لیتا رہتا تھا۔



کلید کعبہ

اللہ کی رحمت کی برکھا ہر وقت برستی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اس کے بدرجۂ اولیٰ مستحق تھے۔ چنانچہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بیت اللہ میں داخل ہوگئے ہیں اور انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا ہے اور آپ ﷺ نے بیت اللہ کی چابیاں لی ہیں۔[1]

اکثر اہلِ سیر و مغازی غزوۂ حدیبیہ کا یہی سبب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے 6 ہجری میں مدینہ میں خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بڑی سہولت و سلامتی سے مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں، اور عنقریب ایسا ہوگا کہ صحابۂ کرام اپنے سر منڈائیں گے، ان میں سے کچھ اپنے بال کٹوائیں گے اور انھیں کسی ایسے دشمن کا کوئی خوف

[1] المغازي للواقدي: 70/2.

نہیں ہوگا جو انھیں اس کام سے روک دے۔[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اس غزوے کا سبب بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ۚ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ ﴾

''تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے، تمھیں (کسی سے) کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، بس اللہ ہی وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، لہٰذا اس نے اس سے پہلے ہی ایک فتح جلد عطا کر دی۔''[2]

اکثر مفسرین نے اس آیتِ کریمہ کا سببِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ حدیبیہ کا واقعہ اسی آیتِ کریمہ کے پس منظر کے طور پر واقع ہوا۔

امام مجاہد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں بھی ایک خواب دیکھا تھا اور یہ خواب مدینہ کے خواب سے الگ تھا۔ روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

أُرِيَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ أَنَّهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُؤُوسَهُمْ وَمُقَصِّرِينَ، فَلَمَّا نَحَرَ الْهَدْيَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَالَ أَصْحَابُهُ: أَيْنَ رُؤْيَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَنَزَلَتْ: ﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ﴾.

''نبی ﷺ نے حدیبیہ میں خواب دیکھا کہ آپ اور صحابہ رضی اللہ عنہم امن و سلامتی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔ بعض صحابہ نے بال منڈوائے، بعض نے چھوٹے کروائے ہیں۔ پھر جب آپ ﷺ نے حدیبیہ ہی میں قربانی کر دی تو صحابہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے جو خواب دیکھا تھا، اس کا کیا ہوا؟ اس وقت اللہ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: ''تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی ہے۔''

اس کے متعلق علامہ زرقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے نبی ﷺ کو حدیبیہ میں ایک دوسرا خواب دکھایا گیا تھا جس کے ذریعے اللہ نے آپ ﷺ کو دوبارہ خوش خبری سے نوازا، اس لیے اس (دوسرے) خواب کو مدینہ سے نکلنے کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا۔[3]

اس تفصیل سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے دو خواب دیکھے تھے۔ ایک خواب مدینے میں اور ایک

[1] مرویات غزوة الحدیبیة، ص: 23. [2] الفتح 48:27. [3] شرح الزرقاني: 170/3، تفسیر الطبري، الفتح 48:27.

خواب حدیبیہ میں، دونوں خواب ایک جیسے تھے۔ مدینہ سے مکہ کے سفر کے لیے آپ نے مدینہ میں جو خواب دیکھا تھا، وہی غزوہ حدیبیہ کا سبب تھا۔

غزوۂ حدیبیہ کی تاریخ

اس بات پر تمام محدثین اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال نبی ﷺ عمرے کے لیے سفر پر نکلے۔ اکثر کے نزدیک یہ ماہ ذی القعدہ تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حدیبیہ کا واقعہ چھ ہجری ماہ ذی القعدہ میں ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ علامہ عینی نے اس بات پر بھی سب کا اتفاق نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے روز مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ واقدی اور ابن سعد کہتے ہیں کہ یکم ذی القعدہ بروز پیر رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا، احرام کی چادریں باندھیں اور گھر سے باہر تشریف لے آئے۔[1]

سیدنا براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ ذوالقعدہ میں عمرے کی غرض سے نکلے لیکن اہل مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔ پھر ان سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ ہتھیار نیام میں ڈال کر مکہ میں داخل ہوں گے۔[2]

قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ نے کتنے عمرے کیے؟ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے۔ ایک عمرہ حدیبیہ، ذوالقعدہ کے مہینے میں جب مشرکین نے آپ ﷺ کو روک دیا تھا۔ دوسرا عمرہ اس سے اگلے سال ذی القعدہ میں جس کے متعلق آپ نے مشرکین مکہ سے صلح کی تھی۔ تیسرا عمرۂ جعرانہ۔ اس موقع پر آپ نے غزوہ حنین کے اموال غنیمت تقسیم کیے، (اور چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ کیا) میں نے کہا: آپ ﷺ نے کتنے حج کیے ہیں؟ انس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ایک۔[3]


مسجد جعرانہ (مکہ مکرمہ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہشام بن عروہ نے اپنے والد کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ مدینے سے حدیبیہ کی طرف رمضان کے مہینے میں روانہ ہوئے جبکہ صلح حدیبیہ شوال کے مہینے میں ہوئی تھی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

[1] البداية والنهاية : 166/4، عمدة القاري : 6/14، الطبقات لابن سعد : 95/2، المغازي للواقدي : 71/2. [2] صحيح البخاري : 1844. [3] صحيح البخاري : 1778

فرماتے ہیں کہ عروہ کی یہ بات انتہائی غریب (ناقابلِ اعتبار) ہے۔ اس کے بعد انھوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی درج بالا روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے تھے۔ تین ذوالقعدہ میں اور چوتھا حج کے ساتھ۔[1]

حافظ محمد حکمی ہشام بن عروہ کی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس اثر کی سند عروہ تک صحیح ہے لیکن یہ مرسل ہے اور علماء نے عروہ کی اس روایت کو شاذ شمار کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اس روایت کے متعلق حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ وہم ہے کیونکہ رمضان میں غزوہ فتح مکہ ہوا تھا۔[2] حافظ ابن حجر نے بھی اس روایت کو شاذ کہا ہے، البتہ عروہ سے ایک اور روایت منقول ہے، وہ جمہور کے قول کے موافق ہے کہ غزوہ حدیبیہ چھ ہجری ماہ ذی القعدہ میں ہوا۔[3]

مکہ جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی تیاری

کفار مکہ کو اپنے اتحادیوں کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیے ایک سال ہی گزرا تھا اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ مدینہ کی اسلامی ریاست کو ختم کر دیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کی حفاظت فرمائی اور مشرکین خندق پھلانگنے میں ناکام رہ کر خائب و خاسر واپس ہوئے۔ اس وجہ سے مشرکین مکہ کے دل مسلمانوں کے خلاف شدید عداوت سے لبریز تھے۔ مسلمانوں کا مکہ جانا خطرے سے خالی نہ تھا کیونکہ مشرکین تو چاہتے ہی یہ تھے کہ کسی طرح مسلمان ان کی دسترس میں آ جائیں اور وہ انھیں ختم کر ڈالیں۔ رسول اللہ ﷺ مشرکوں کے اس فاسد ارادے سے پوری طرح باخبر تھے۔ اس کے باوجود آپ نے مکہ جانے کا فیصلہ کیا، اس لیے کہ مسلمانوں کا ارادہ نیک تھا۔ وہ صرف بیت اللہ کا طواف کرنے کے آرزومند تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیروکاروں اور عرب کے ان لوگوں میں جو آپ کے حلیف تھے، اعلان کرا دیا کہ وہ آپ کے ساتھ نکلیں کیونکہ آپ ﷺ کو خدشہ تھا مبادا قریش انھیں بیت اللہ کے طواف سے روکیں یا جنگ شروع کر دیں۔ لیکن بادیہ نشینوں نے آپ ﷺ کے ساتھ عمرے پر جانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین و انصار اور عرب کے کچھ لوگوں کے ساتھ نکلے۔ آپ نے اپنے ساتھ قربانی کے ستر اونٹ بھی لے لیے اور عمرے کا احرام بھی باندھا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ آپ جنگ کے لیے نہیں بلکہ بیت اللہ کی

1 صحیح البخاري: 1780، صحیح مسلم: 1253، البدایة والنهایة: 166/4. 2 زاد المعاد: 287/3. 3 فتح الباري: 548/7، مرویات غزوة الحدیبیة، ص: 32-34.

تعظیم اور اس کا طواف کرنے کے لیے آئے ہیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے آس پاس کے لوگوں کو ساتھ چلنے کے لیے اس لیے کہا تھا کہ آپ کو خدشہ تھا کہ مبادا مشرکین مسلمانوں سے جنگ شروع کر دیں۔ اسلامی ریاست کو خبر رساں دستوں کے ذریعے یہ اطلاعات مل چکی تھیں کہ مدینہ کے جنوب میں واقع قریش اور شمال میں واقع یہود خیبر کے مابین جنگی معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس معاہدے کا ناپاک مقصد اسلامی حکومت کو دو تلواروں کے بیچ کچل ڈالنا تھا۔ سیاسی لحاظ سے اس معاہدے کا خاتمہ کر دینے کا وقت بھی آ چکا تھا۔

بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

ماہ شوال کے آخر میں بسر بن سفیان الکعبی رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی زیارت کو آئے۔ وہ جب اپنے اہل و عیال کی طرف واپس جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا:

«يَا بُسْرُ! لَا تَبْرَحْ حَتّٰى تَخْرُجَ مَعَنَا، فَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُعْتَمِرُونَ»

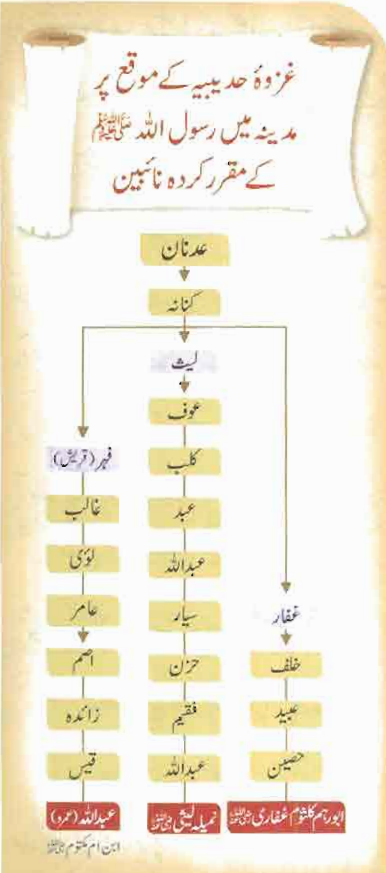
''اے بسر! تم یہیں رہو یہاں تک کہ تم ہمارے ساتھ نکلو، بلاشبہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم عمرہ کریں گے۔''

چنانچہ بسر رضی اللہ عنہ وہیں ٹھہرے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ وہ ان کے لیے اونٹ خرید یں۔ بسر رضی اللہ عنہ

[1] السيرة لابن هشام: 322/3.



میقات ذوالحلیفہ نزد مدینہ منورہ



آپ ﷺ کے لیے اونٹ خریدتے اور انھیں ذوالجدر بھیج دیتے۔ جب رسول اللہ ﷺ عمرے کے لیے نکلنے لگے تو آپ نے حکم دیا کہ اونٹ مدینہ لائے جائیں۔ اس کے بعد آپ نے ناجیہ بن جندب سلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اونٹوں کو ذوالحلیفہ لے جائیں۔ آپ نے انھیں اونٹوں کی نگرانی پر مامور کر دیا۔[1]

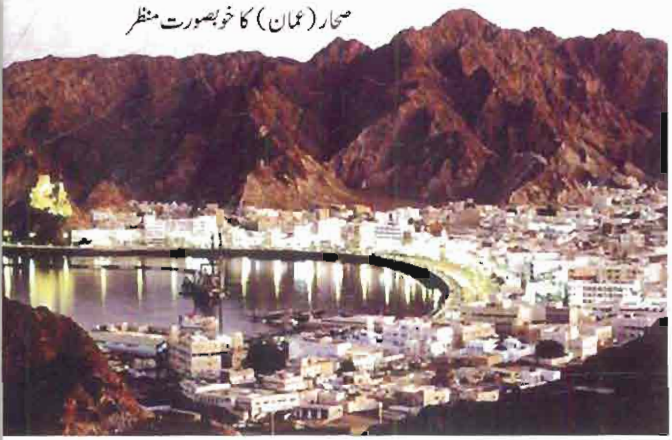
مدینہ میں نائب کا تقرر

رسول اللہ ﷺ نے عمرے پر جانے سے قبل مدینہ میں اپنے نائب کا تقرر فرمایا۔ واقدی اور ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔[2] جبکہ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ نُمیلہ بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ نیابت سے نوازے گئے۔[3] بلاذری نے ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابورہم کلثوم بن حصین رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ بعض لوگوں کا موقف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان سب حضرات کو نیابت سے سرفراز فرمایا جبکہ ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نماز کا امام مقرر کیا تھا۔[4]

رسول اللہ ﷺ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ صحار بستی کی بُنی ہوئی دو چادریں پہنیں، پھر دروازے سے باہر نکل کر اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو گئے۔ آپ کی زوجۂ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ نکلیں۔ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیگر خواتین میں ام عمارہ، ام منیع اسماء بنت عمرو،

صحار (عمان) کا خوبصورت منظر



1 المغازي للواقدي: 70/2. 2 المغازي للواقدي: 70/2، الطبقات لابن سعد: 95/2. 3 السيرة لابن هشام: 321/3. 4 أنساب الأشراف: 441,440/1، سبل الهدٰى والرشاد: 33/5.

ام عامر اشہلیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔[1] آپ کے ساتھ صحابہ بھی نکلے، آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں نماز ظہر ادا کی، پھر اپنے اونٹ منگوائے۔ ان پر پالان ڈالے۔ ان میں سے متعدد اونٹ قبلہ رخ کھڑے تھے، ان کے کوہانوں کے دائیں طرف اشعار کیا، یعنی چیرا لگایا تاکہ انھیں پہچانا جا سکے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے ایک اونٹ کو دائیں جانب اشعار کیا تھا اور پھر ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ باقی ماندہ اونٹوں کو اشعار کریں اور قلادے پہنائیں۔ یہ ستر اونٹ تھے، ان میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی تھا جو رسول اللہ ﷺ کو بدر کے روز غنیمت میں ملا تھا۔ اس اونٹ کو آپ ﷺ نے ذوالجدر کی چراگاہ میں چھوڑ رکھا تھا۔[2]

صحیح بخاری میں سیدنا مروان اور سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ نے قربانی کے جانوروں کو ہار پہنایا اور ان کا اشعار کیا، پھر وہاں سے عمرے کا احرام باندھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے جب اپنے اونٹوں کو اشعار کر لیا تو بعد ازاں تمام مسلمانوں نے اپنی اپنی قربانی کے اونٹوں کو اشعار کیا اور انھیں قلادے پہنائے۔[4]

غزوۂ حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد

غزوہ حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں جن میں شرکائے غزوۂ حدیبیہ کی تعداد پر اختلاف پایا جاتا ہے۔

تیرہ سو سے زیادہ صحابہ کا تذکرہ

صحیح بخاری میں سیدنا مروان اور سیدنا مسور رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي بِضْعَ عَشْرَةَ مِئَةً مِّنْ أَصْحَابِهِ.

”نبی ﷺ حدیبیہ کے موقع پر تیرہ سو یا اس سے زیادہ صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔“[5]

یاد رہے کہ اس روایت میں بِضْع کا لفظ ہے جو تین سے لے کر نو تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تیرہ سو کی تحدید

عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[1] سبل الهدى والرشاد: 33/5. [2] المغازي للواقدي: 71,70/2. [3] صحيح البخاري: 4158,4157. [4] المغازي للواقدي: 71/2. [5] صحيح البخاري: 1695.

كَانَ أَصْحَابُ الشَّجَرَةِ أَلْفًا وَّثَلَاثَمِائَةٍ، وَكَانَتْ أَسْلَمُ ثُمُنَ الْمُهَاجِرِينَ.

''اصحاب شجرہ (بیعتِ رضوان کرنے والے) تیرہ سو افراد تھے اور قبیلۂ اسلم کے لوگ مہاجرین کا آٹھواں حصہ تھے۔''[1]

چودہ سو صحابہ کی شرکت کا بیان

صحیح بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے روز ہم سے فرمایا:

«أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ»

''تم تمام اہل زمین سے افضل ہو۔''

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس دن ہم 1400 افراد تھے۔ اگر آج میں بینا ہوتا تو تمھیں اس درخت کی جگہ دکھاتا جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی۔[2]

ایک دوسری روایت میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت انگلیوں سے چشمہ پھوٹنے کی روایت بیان کرتے ہیں تو راوی جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں کہ اس دن آپ حضرات کی تعداد کتنی تھی؟ انھوں نے کہا کہ ہم اس دن 1400 افراد تھے۔[3]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِئَةً.

''حدیبیہ کے دن ہم چودہ سو افراد تھے۔''[4]

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: درخت والے دن میں نے خود کو دیکھا کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر رہے تھے، میں نے اس درخت کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کرنے کے لیے آپ کے سر مبارک پر تان رکھی تھی، اس روز ہم چودہ سو لوگ تھے۔ اس دن ہم نے موت پر نہیں بلکہ اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم آپ کی ذاتِ اقدس کے دفاع سے کبھی نہیں بھاگیں گے۔[5]

ابن سعد نے بھی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں راوی کہتے ہیں کہ ہم نے معقل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس روز آپ حضرات کتنی تعداد میں تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم چودہ سو تھے۔[6]

---

1 صحيح البخاري: 4155، صحيح مسلم: 1857. 2 صحيح البخاري: 4154. 3 صحيح البخاري: 5639.
4 صحيح البخاري: 3577. 5 صحيح مسلم: 1758. 6 الطبقات لابن سعد: 99/2

پندرہ سو صحابہ کی شرکت کا بیان

سالم بن ابی الجعد سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت بیان فرماتے ہیں، انھوں نے فرمایا: حدیبیہ کے روز لوگوں کو شدید پیاس نے ستایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چھوٹا برتن موجود تھا۔ آپ نے اس سے وضو کیا۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپکے۔ آپ نے پوچھا: "ما لکم؟" "تمھیں کیا ہوا ہے؟" لوگوں نے کہا: ہمارے پاس وضو کرنے اور پینے کے لیے پانی نہیں ہے۔ پانی صرف اتنا ہی ہے جو اس وقت آپ کے اس برتن میں موجود ہے۔ یہ سُن کر آپ نے اپنا دست مبارک اس چھوٹے برتن میں ڈال دیا۔ یکا یک آپ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی بہنے لگا۔ ہم نے خوب پانی پیا اور وضو بھی کیا۔ سالم کہتے ہیں: میں نے پوچھا: اس دن آپ لوگ کتنے تھے؟ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا۔ ہم اس روز پندرہ سو افراد تھے۔ [1]

ایک روایت میں قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے کہا: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ وہ چودہ سو افراد تھے۔ سعید رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ بتایا ہے کہ جنھوں نے حدیبیہ کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی، وہ پندرہ سو تھے۔ [2]

تاریخ خلیفہ بن خیاط میں ہے کہ سعید بن مسیّب کہنے لگے: جابر رضی اللہ عنہ بھول گئے ہیں۔ وہ پندرہ سو افراد تھے۔

ایک دوسری روایت میں سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں: جابر رضی اللہ عنہ پر اللہ اپنی رحمت برسائے! انھیں وہم ہو گیا ہے۔ انھوں نے مجھے خود بتایا تھا کہ ہم پندرہ سو افراد تھے۔ [3] یہ روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے۔ [4]

سات سو صحابہ کی شرکت کا بیان

مسند احمد میں سیدنا مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی زیارت کے لیے نکلے۔ آپ ہرگز لڑائی لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ قربانی کے لیے 70 اونٹ بھی لے لیے۔ لوگوں کی تعداد سات سو تھی۔ ہر دس لوگوں کے لیے ایک اونٹ تھا۔ [5]

پندرہ سو پچیس صحابہ کی شرکت کا بیان

ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں

[1] صحيح البخاري: 4152. [2] صحيح البخاري: 4153. [3] تاريخ خليفة بن خياط، ص: 10. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 97/4. [5] مسند أحمد: 323/4.

کی تعداد پندرہ سو پچیس (1525) تھی۔ [1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بیان کی ہے۔ [2] حافظ محمد حکمی حفظہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ [3]

پندرہ سو چالیس صحابہ کی شرکت کا بیان

علامہ بلاذری، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ خیبر کا مال غنیمت پندرہ سو اسی (1580) صحابہ میں تقسیم ہوا۔ ان میں پندرہ سو چالیس لوگ وہ تھے جو حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ جو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے ساتھ حبشہ سے لوٹے تھے، وہ چالیس آدمی تھے۔ [4]

سترہ سو افراد کی شرکت کا بیان

تاریخ ابن ابی شیبہ میں سلمہ بن عمرو بن اکوع اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم غزوہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ ہم نے ایک سو اونٹ ذبح کیے۔ ہماری تعداد سترہ سو تھی۔ لوگوں کے پاس اسلحہ تھا۔ کچھ پیدل تھے اور کچھ گھوڑوں پر سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں میں ابوجہل کا اونٹ بھی شامل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں ٹھہرے، قریش نے آپ سے اس امر پر مصالحت کی کہ ہم نے آپ کو جہاں روک دیا ہے، آپ وہیں قربانیاں کریں گے۔ [5]

اٹھارہ سو کی تعداد کا بیان

ابن ابی شیبہ نے اپنی تاریخ میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال نکلے۔ آپ کے ساتھ اٹھارہ سو صحابہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے ایک خزاعی جاسوس روانہ فرمایا۔ [6]

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی، ان کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض روایات میں صرف سات سو کی تعداد بتائی گئی ہے۔ بعض اٹھارہ سو کی تعداد بیان کرتے ہیں۔ کچھ نے ان کے بین بین تعداد بتائی ہے۔ ایسی صورت حال میں حتی الامکان یہ کوشش کی جاتی ہے کہ روایات کو جمع کرنے کی صورت پیدا کی جائے۔ اگر روایات میں توافق نہ ہو سکے تو پھر کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے۔

1 تاریخ الطبري: 271/2. 2 الكافي الشاف في تخريج أحاديث الكشاف، ص: 261. 3 مرويات غزوة الحديبية، ص: 47-49. 4 فتوح البلدان: 32/1. یہ روایت **شدید ضعیف** ہے۔ 5 المصنف لابن أبي شيبة: 384/7، الطبقات لابن سعد: 103/2. 6 المصنف لابن أبي شيبة: 387/7. یہ روایت **ضعیف** ہے۔

حافظ محمد حکمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ کیا یہ تمام روایات صحت کے معیار پر پوری اترتی ہیں یا کچھ روایات ضعیف ہیں تو انھیں الگ کیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں: اٹھارہ سو، سترہ سو، پندرہ سو چالیس اور پندرہ سو پچیس والی روایات ضعیف ہیں۔ اسی طرح سات سو کی تعداد والے قول کے بارے میں ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ قول محض وہم پر مبنی ہے۔ [1]

حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جنھوں نے سات سو کی تعداد بیان کی ہے، انھوں نے صریحاً غلطی کی ہے۔ ان کا یہ موقف اس لیے ہے کہ ستر اونٹ تھے اور اونٹ سات یا دس افراد کی طرف سے کفایت کرتا ہے جبکہ یہ وضاحت موجود ہے کہ اس عمرے میں ایک اونٹ سات افراد کی طرف سے تھا۔ [2] اس طرح اگر ستر اونٹوں کو سات سو کے حساب سے دیکھا جائے تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا بلکہ یہ اونٹ 490 افراد کی طرف سے کفایت کریں گے۔ [3]

اب ہمارے سامنے تیرہ سو، چودہ سو اور پندرہ سو کی تحدید کرنے والی صحیح روایات باقی رہ جاتی ہیں۔ اگر ان روایات کو سامنے رکھتے ہوئے ترجیح دی جائے تو چودہ سو (1400) صحابہ کی غزوہ حدیبیہ میں شرکت راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی یہ صحیح ترین روایت ہے جسے صحابہ میں سے براء بن عازب، معقل بن یسار اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہم نے بھی بیان کیا ہے۔ اسی طرح امام بیہقی اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو قابلِ ترجیح قرار دیا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اگر ان روایات کو جمع کیا جائے تو ممکن ہے چودہ سو اور کچھ صحابہ ہوں۔ جس نے چودہ سو افراد کی روایت بیان کی ہے، اس نے زائد کو چھوڑ دیا اور جس نے چودہ سو سے اوپر کی تعداد شامل کی ہے اس نے پندرہ سو کہہ دیا۔ البتہ جس نے تیرہ سو کی تعداد بیان کی ہے، اس نے پوری طرح تعداد یاد نہ رہنے کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے اضافی تعداد کا ذکر ہی نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی جمع ہی کا طریقہ اختیار کیا ہے اور امام نووی جیسی بات کی ہے، البتہ انھوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے جو تیرہ سو کی تعداد بیان کی ہے، ممکن ہے انھیں وہی خبر ملی ہو جو انھوں نے بیان کی ہے۔ بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ تعداد معلوم ہوئی ہو۔ اور ثقہ راویوں سے زیادہ بات کا ملنا قابلِ قبول ہوتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جب مدینہ سے چلے تو تعداد کم ہو، پھر جوں جوں یہ قافلہ آگے چلتا گیا، لوگ آکر ساتھ ملتے گئے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کم تعداد میں صرف اُنھی لوگوں کو شمار کیا گیا ہو جو جنگجو تھے اور بچوں، عورتوں اور خدام کو

[1] جوامع السیرة، ص: 107. [2] مسند أحمد: 396/3. [3] زاد المعاد: 288/3.

گناہ ہی نہ کیا ہو۔[1]

تاہم جن مؤرخین نے سولہ سو کی تعداد بتائی ہے، تو یہ ان کا نص کے مقابلے میں اجتہاد ہے۔ انھوں نے اس کے بارے میں کوئی مستند چیز پیش نہیں کی، لہٰذا امام نووی اور حافظ ابن حجر ؒ کی جمع ہی کو زیادہ معتبر باور کیا جائے گا۔[2]

غیر مسلح روانگی

واقدی رقم طراز ہیں: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ؓ مدینہ سے نکلے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کے خواب کی بنا پر ہرگز یہ شک نہیں تھا کہ وہ عمرہ نہیں کرسکیں گے۔ چنانچہ وہ میانوں میں موجود تلواروں کے علاوہ اور کوئی اسلحہ لے کر نہیں نکلے۔ مال دار صحابہ نے قربانی کے جانور بھی ساتھ لے لیے جن میں سیدنا ابوبکر، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان اور طلحہ بن عبیداللہ ؓ شامل تھے، تمام صحابہ ذوالحلیفہ پہنچ کر اکٹھے ہو گئے۔ سعد بن عبادہ ؓ نے بھی اونٹ اپنے ساتھ لے لیے۔ سیدنا عمر بن خطاب ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھیوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے جبکہ ہم نے تو لڑائی کے لیے سرے سے کوئی تیاری ہی نہیں کی؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

«ما أدري، ولَسْتُ أُحِبُّ أَحْمِلُ السِّلاحَ مُعْتَمِرًا»

''مجھے (ابوسفیان اور اس کے حواریوں کے بارے میں تو کچھ) معلوم نہیں، تاہم مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ عمرے کی غرض سے جاتے ہوئے اسلحہ بھی ساتھ لے لوں۔''

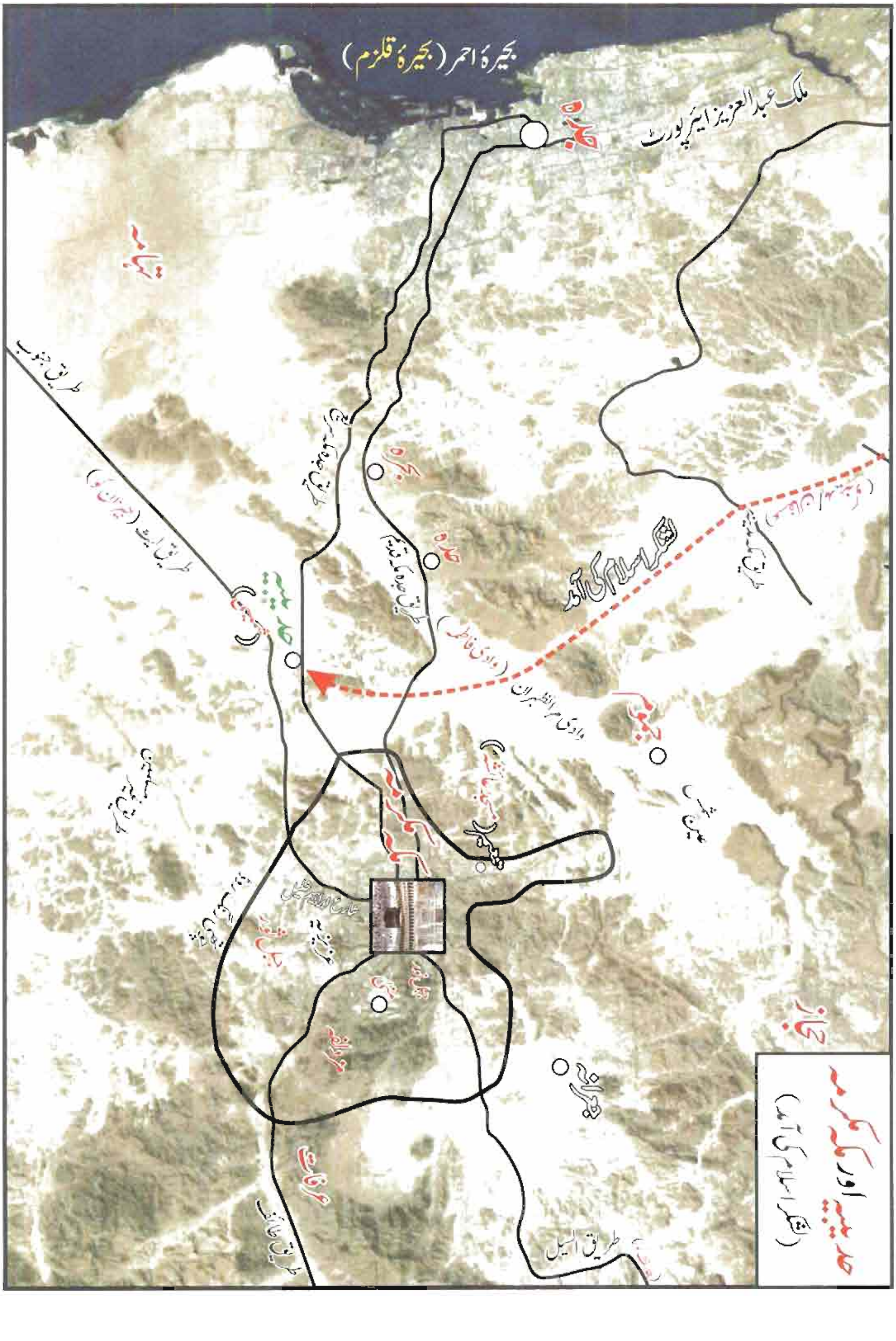
سعد بن عبادہ ؓ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! کاش! ہم اسلحہ بھی ساتھ لے چلیں۔ اگر ہمیں ان پر شک گزرا تو ہم ان سے جنگ کے لیے تیار رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

«لَسْتُ أَحْمِلُ السِّلاحَ، إِنَّمَا خَرَجْتُ مُعْتَمِرًا»

''میں اسلحہ ساتھ نہیں لوں گا، میں تو عمرے کی غرض سے نکلا ہوں۔''[3]

البتہ تاریخ طبری میں ابن ابزیٰ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے تو سیدنا عمر ؓ نے آپ سے گزارش کی کہ آپ دشمن کے علاقے میں اسلحے اور جنگی گھوڑوں کے بغیر جا رہے ہیں، یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مشورے کے بعد کسی شخص کو مدینہ روانہ فرمایا اور وہاں جتنا اسلحہ اور جنگی گھوڑے تھے، منگوا لیے۔[4]

1 فتح الباري :549/7. 2 مرويات غزوة الحديبية، ص :51-54. 3 المغازي للواقدي :70/2. 4 تاريخ الطبري :272/2.


بحیرۂ احمر (بحیرۂ قلزم)
جدہ
ملک عبدالعزیز ایئرپورٹ
لشکر اسلام کی آمد
مکہ مکرمہ
طریق الیل
عرفات
حدیبیہ اور مکہ مکرمہ
(لشکر اسلام کی آمد)

میقات ذی الحلیفہ

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب ذی الحلیفہ پہنچے تو اپنی سواری سے اترے اور وہاں ظہر کی نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد کے دروازے سے اونٹنی پر سوار ہوئے۔ جب وہ قبلہ رخ کھڑی ہوئی تو آپ نے عمرے کی نیت کی اور تلبیہ کہا:

«لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ»

”حاضر ہوں میں اے اللہ! حاضر ہوں۔ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیری ہیں اور ملک بھی تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔“

عام مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ ہی احرام باندھ لیے مگر ان میں سے بعض نے احرام وہاں سے نہ باندھے بلکہ جحفہ جو رابغ کے قریب ایک جگہ ہے، وہاں سے احرام باندھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی عمرے کی نیت کی اور تلبیہ کہا۔[1]

منافقین بھی عمرے کے لیے نکلے

اس تاریخی سفر میں دو منافق بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک رئیس المنافقین ابن سلول اور دوسرا منافق جد بن قیس تھا۔ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی منافق آپ ﷺ کے ساتھ نہیں نکلا۔ یہ دونوں ایمانی جذبے کے تحت نہیں نکلے تھے بلکہ یہ تو صرف مسلمانوں کی صفوں میں فتنہ اور فساد پھیلانے کے لیے نکلتے تھے۔[2]

ذوالحلیفہ میں بیعت نہیں ہوئی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا: کیا ذوالحلیفہ میں کسی نے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟ جابر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: نہیں، بس آپ نے وہاں نماز پڑھی تھی۔ بیعت تو آپ ﷺ نے صرف اسی درخت کے پاس کی تھی جو حدیبیہ میں ہے۔[3]

1 سبل الهدٰى والرشاد :34/5. 2 موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :794/1. 3 صحيح مسلم :1856.


میقات جحفہ کا مقام


رابغ البحر کی جدید آبادی

مکہ کی صورت حال سے آگہی کے لیے جاسوس کی روانگی

مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے:

فَلَمَّا أَتٰى ذَا الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَهُ وَأَحْرَمَ مِنْهَا بِعُمْرَةٍ، وَبَعَثَ عَيْنًا لَهُ مِنْ خُزَاعَةَ وَسَارَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى كَانَ بِغَدِيرِ الْأَشْطَاطِ أَتَاهُ عَيْنُهُ.

”جب نبی کریم ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ نے قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے اور ان کا اشعار کیا۔ وہاں سے آپ نے عمرے کا احرام باندھا، پھر قبیلۂ خزاعہ سے ایک جاسوس بھیجا اور خود نبی ﷺ سفر کرتے رہے۔ جب غدیر اشطاط پہنچے تو آپ کا جاسوس واپس آ گیا۔“ [1]

خزاعی جاسوس کو مکہ روانہ کرنے کا تذکرہ مسور بن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما کی حدیث میں دو مختلف طرق سے بیان ہوا ہے۔ ایک سفیان بن عیینہ کے طریق سے اور دوسرے محمد بن اسحاق کے طریق سے۔ درج بالا روایت سفیان بن عیینہ کے طریق سے بیان ہوئی ہے۔ اس میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ آپ نے قبیلۂ خزاعہ سے ایک جاسوس بھیجا۔ ابن اسحاق نے خزاعہ کے مذکورہ آدمی کا نام بشر بن سفیان الکعبی لکھا ہے اور غدیر الاشطاط کی جگہ عسفان کا ذکر کیا ہے۔ [2]

اس کی وضاحت یہ ہے کہ کعب اور خزاعہ ایک ہی قبیلے کے دو نام ہیں کیونکہ کعب ازدی قبیلہ ہے، اسے خزاعہ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ دوسرا غدیر الاشطاط، عسفان کے اندر یا اس کے ساتھ ہی ایک جگہ کا نام ہے، اس لیے عسفان اور غدیر الاشطاط میں بھی کوئی فرق نہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ابن اسحاق اور سفیان بن عیینہ کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں۔

بِشر بن سفیان کا نام احوالِ صحابہ کے متعلق کتابوں میں بُسر بن سفیان مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بُسر ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے بڑی صراحت سے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ ہم عمرے کے لیے نکلے ہیں، ہم جنگ کرنا نہیں

[1] صحيح البخاري: 4179. [2] السيرة لابن هشام: 322/3. [3] فتح الباري: 409/5، مرويات غزوة الحديبية، ص 58-61.

غدیر الاشطاط نزد عسفان



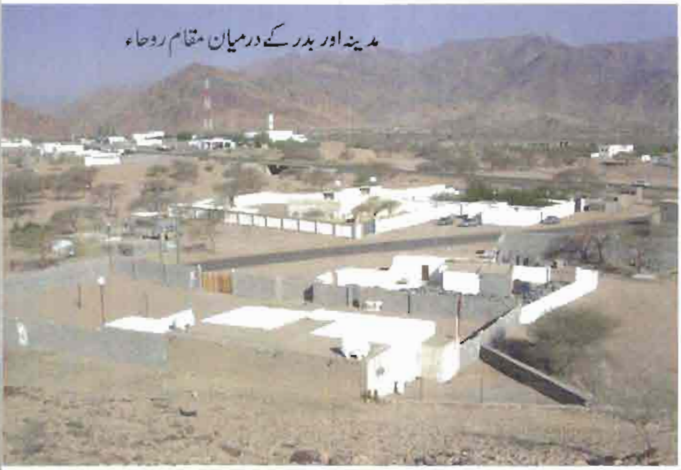
عسفان کا جدید منظر



چاہتے، اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ نے احرام باندھا اور قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے اور ان کا اشعار کیا۔ ان سب امن پسندانہ اقدامات کے باوجود آپ ﷺ ان حقائق سے بے خبر نہیں تھے کہ قریش دشمن ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ مسلسل حالت جنگ میں ہیں۔ مزید برآں وہ مشرک ہیں، ان سے مسلمانوں کا محفوظ رہنا ممکن نہیں، چاہے مسلمان احرام کی حالت ہی میں ہوں۔ احرام کی حالت میں اور حرمت والے مہینے میں اہلِ مکہ بیت اللہ کا طواف کرنے والے سے تعرض نہیں کرتے تھے، چاہے وہ دشمن ہی ہو۔ آپ ﷺ کو یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ مدینہ کے جنوب میں واقع قریش اور شمال میں واقع یہودِ خیبر کے مابین جنگی معاہدہ ہو چکا ہے، جیسا کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر یہودی اور مشرک اکٹھے ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ عظیم ترین مدبر اور نہایت معاملہ فہم شخصیت تھے۔ آپ حفظِ ماتقدم کے طور پر مکہ والوں کے ارادوں سے باخبر رہنا چاہتے تھے تاکہ اپنا پلہ بھاری رکھا جا سکے۔ دوسرے قبائل کے برعکس بنوخزاعہ کی ہمدردیاں آپ ﷺ کے ساتھ تھیں، اسی وجہ سے آپ نے قبیلہ خزاعہ کے بُسر بن سفیان کو حکم دیا کہ وہ قریش کے ساتھ گھل مل کر سارے احوال معلوم کریں، مسلمانوں کے لیے سراغ رسانی کا اہم فریضہ انجام دیں اور مکہ والوں کی مکمل معلومات حاصل کر کے جلد از جلد رپورٹ دیں۔

مسلمانوں کی جاسوسی ٹیم

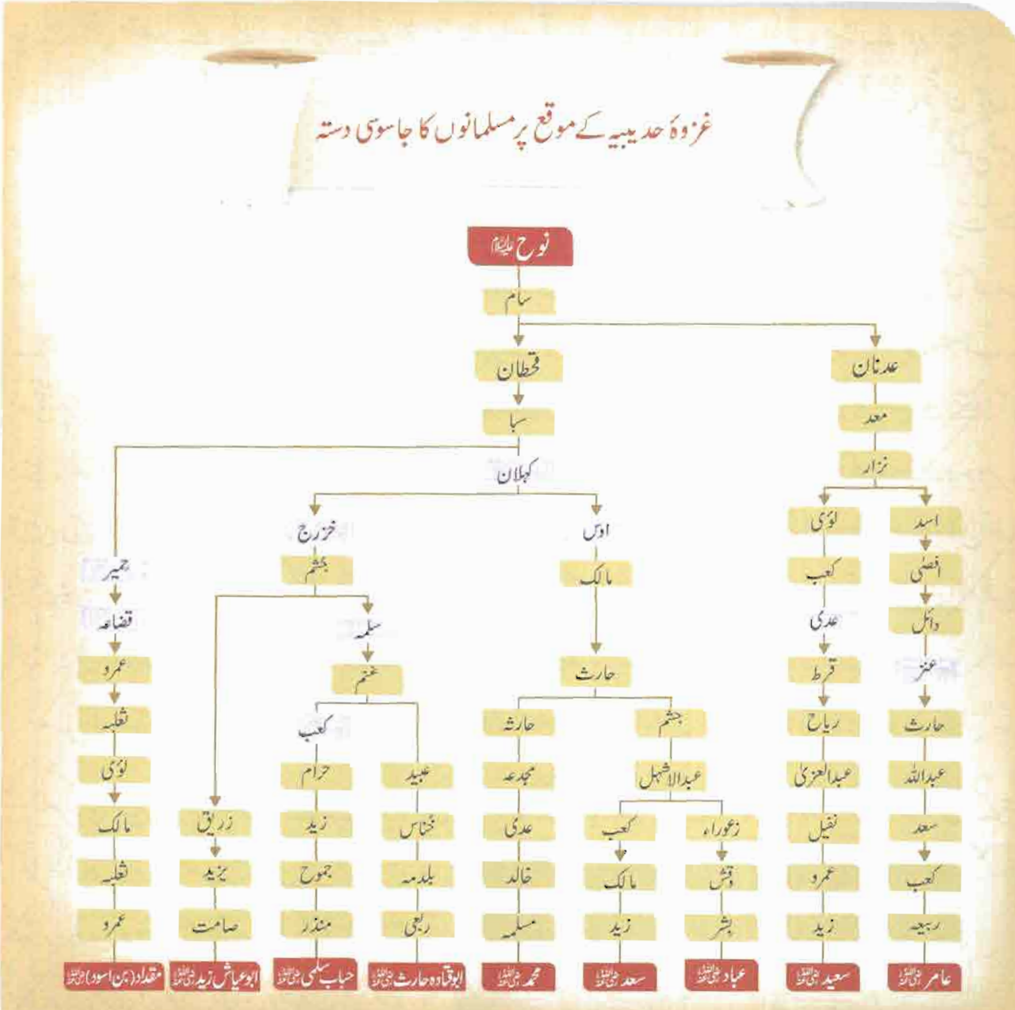
بُسر بن سفیان کو مکہ روانہ کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں مسلمانوں کے بیس گھڑ سواروں کا سالار مقرر فرمایا جن میں مہاجرین و انصار دونوں طرف کے افراد شامل تھے۔ ان میں مقداد بن عمرو، ابوعیاش زرقی، حباب بن منذر، عامر بن ربیعہ، سعید بن زید، ابوقتادہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے امیر سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ تھے۔[1]



جنگلی گدھے کا شکار

جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مقام روحاء پہنچے جو مدینہ سے 73 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، تو آپ ﷺ نے ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو جنھوں نے عمرے کا احرام نہیں باندھا تھا، صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بحراحمر کے ساحل

1 المغازي للواقدي: 71/2.

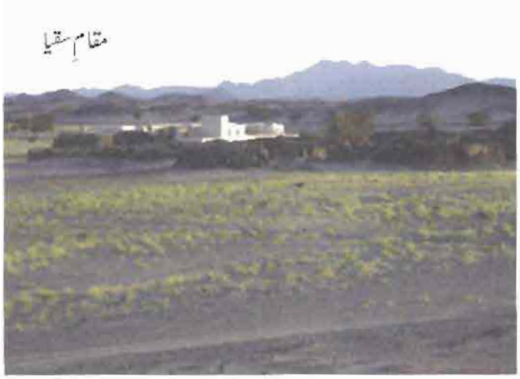


پر واقع وادئ غیقہ کی طرف روانہ کیا، آپ کو خبر ملی تھی کہ وہاں کچھ مشرکین ہیں اور اُن کی طرف سے خطرہ ہے مبادا وہ اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ اسی سفر میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک جنگلی گدھے کا شکار کیا جس کا گوشت سب نے کھایا، پھر انھیں اس کے حالت احرام میں کھانے کے بارے میں شبہ پیدا ہوگیا، اس لیے جب ان کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام سقیا پر ہوئی جو مدینہ سے ایک سو اسی (180) کلومیٹر کی دوری پر ہے، تو انھوں نے اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ نے محرم صحابہ کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی، اس لیے کہ انھوں نے شکار کرنے میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔[1]

[1] فتح الباری: 31/4

عبداللہ بن ابی قتادہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے نکلے۔[1] آپ کے ساتھ بہت سے اور لوگ بھی نکلے، آپ ﷺ نے ان میں سے کچھ لوگوں کو دوسرے رستے سے بھیج دیا۔ ان میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا: «خُذُوا سَاحِلَ الْبَحْرِ حَتّٰى نَلْتَقِي» ''تم ساحل سمندر کی راہ اختیار کرو یہاں تک کہ ہم آملیں۔'' وہ سمندر کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ جب وہ لوٹے تو سب مسلمانوں نے احرام باندھ رکھا تھا جب کہ ابوقتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا۔ جب وہ واپس جا رہے تھے، اس وقت انھوں نے کئی جنگلی گدھے دیکھے۔ چنانچہ ابوقتادہ نے ان پر حملہ کر کے ایک جنگلی گدھی کو شکار کر لیا۔ ان کے ساتھی سواریوں سے





اتر پڑے اور اس کا گوشت کھایا۔ پھر وہ اس بات پر تأمل کرنے لگے کہ کیا ہم احرام کی حالت میں شکار کا گوشت کھا بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ انھوں نے بقیہ گوشت اپنے ساتھ لے لیا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم سب محرم تھے، ابوقتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا۔ ہم نے جنگلی گدھے دیکھے۔ ابوقتادہ نے ان پر حملہ کر دیا اور ایک جنگلی گدھی کو شکار کر لیا۔ ہم نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور اس کا گوشت کھانے لگے۔ پھر ہم اس سوچ میں پڑ گئے کہ کیا ہمارے لیے احرام کی حالت میں شکار کا گوشت کھانا جائز ہے؟ چنانچہ ہم بقیہ گوشت اپنے ساتھ لے آئے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«أَمِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا، أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا؟»

''کیا تم میں سے کسی نے ابوقتادہ کو شکار کرنے کے لیے کہا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] ''حج کے لیے نکلے'' یہ الفاظ مجازی طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ حج کے معنی اصل میں بیت اللہ کا قصد کرنے کے ہیں، گویا راوی نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا قصد کر کے نکلے۔ اسی لیے عمرے کو بھی حج اصغر کہا جاتا ہے۔ (فتح الباری: 39/4)

«فَكُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهٖ»

''تو پھر اس کا بقیہ گوشت کھا لو۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ذوالحلیفہ میں احرام نہیں باندھا تھا۔ صحابہ کرام میں جن لوگوں نے احرام باندھا ہوا تھا، انھوں نے ابواء کے مقام پر ایک جنگلی گدھا دیکھا۔ ابوقتادہ کہتے ہیں: میں اُس وقت اپنی جوتی گانٹھ رہا تھا۔ مُحرم صحابہ نے مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن ان کی خواہش تھی کہ کاش میں دیکھ لوں۔ ایک روایت میں موصوف بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا کہ وہ سب کسی چیز کو دیکھ رہے تھے، ایک روایت میں ہے کہ وہ آپس میں ہنس رہے تھے۔ ابوقتادہ کہتے ہیں میں نے سر اٹھایا تو اچانک میری نظر جنگلی گدھے پر پڑی۔ میں فوراً اٹھا، گھوڑے کی زین کسی اور سوار ہوگیا۔ لیکن جلدی میں کوڑا اور نیزہ لینا بھول گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے گزارش کی کہ وہ مجھے میرا نیزہ اور کوڑا پکڑا دیں لیکن اُن سب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ میں غصے میں گھوڑے سے اترا اور کوڑا اور نیزہ لے کر پھر گھوڑے پر سوار ہوگیا اور جنگلی گدھا شکار کر لایا۔ سب اسے کھانے لگے، پھر انھیں شک گزرا کہ احرام کی حالت میں ان کا اسے کھانا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اس کے بعد ہم روانہ ہوگئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک دستی سنبھال کر رکھ لی۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے اس کے بارے میں وضاحت چاہی...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهٖ، إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا اللّٰهُ، هُوَ حَلَالٌ، هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ؟»

''اس کے گوشت سے جو بچ گیا ہے کھالو۔ یہ کھانا اللہ تعالیٰ نے تمھیں کھلایا ہے۔ وہ حلال ہے، کیا تمھارے پاس اس گوشت کا کچھ حصہ باقی ہے؟''

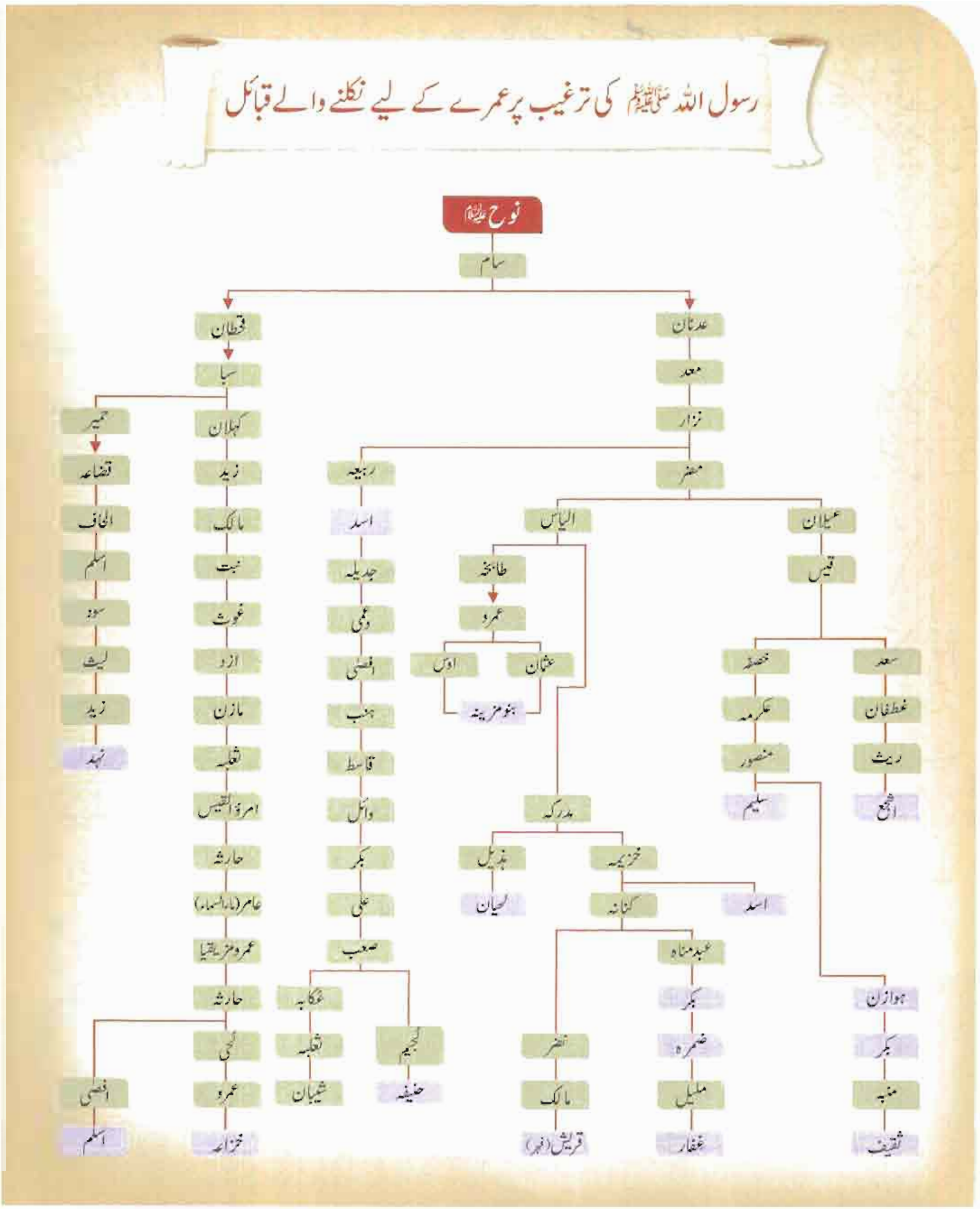
1 صحيح البخاري: 1824.



وادی ابواء

میں نے کہا: جی ہاں! موجود ہے۔ پھر میں نے آپ کو دستی کا گوشت پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اسے احرام کی حالت ہی میں کھایا۔[1]

1 سبل الهدى والرشاد: 35,34/5



رسول اللہ ﷺ کا اختیار کردہ رستہ

رسول اللہ ﷺ جب ذوالحلیفہ سے نکلے تو ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو قبیلہ اسلم کے نوجوانوں کے ساتھ قربانی کے جانور دے کر آگے روانہ فرما دیا۔ آپ ﷺ وہاں سے نکلنے کے بعد رستے میں جن لوگوں کے پاس سے گزرتے، انھیں عمرے پر ساتھ چلنے کے لیے فرماتے۔ بنو بکر، مزینہ اور جہینہ کو بھی ساتھ چلنے کی ترغیب دی گئی۔ ان قبائل نے اپنی مصروفیتوں، اپنے اہل و عیال اور مال کی حفاظت کا بہانہ بنایا اور ساتھ چلنے سے معذرت کر دی۔ پھر وہ مسلمانوں کا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے: محمد (ﷺ) ہمارے ساتھ مل کر ایسی قوم سے لڑائی لڑنا چاہتے ہیں جو پوری طرح مسلح ہے، جبکہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی تو صرف اناج کے دشمن ہیں۔ دیکھ لینا کہ ان میں سے کوئی بھی بچ کر واپس نہیں آنے پائے گا۔ محمد اور اس کے اصحاب کو اس سفر سے کبھی واپسی نصیب نہیں ہوگی۔ یہ تو ایسی قوم ہے جس کے پاس نہ کوئی اسلحہ ہے، نہ عددی قوت![1]

بہرحال ان بادیہ نشینوں نے صرف اس لیے آپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا کہ ان کا خیال تھا کہ مسلمان موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک مسلمان بھی کفارِ قریش کے ہاتھ سے بچ کر واپس نہیں آئے گا اور یہ سب کے سب وہاں جنگ میں مارے جائیں گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ فتح میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ۝﴾

''دیہاتیوں میں سے پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ آپ سے ضرور کہیں گے: ہمارے اموال اور ہمارے اہل و عیال نے ہمیں مشغول کر دیا تھا، لہٰذا آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کریں، وہ اپنی زبانوں سے وہ (بات) کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، آپ کہہ دیجیے: پھر کون تمھارے لیے اللہ سے کسی شے کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا کوئی نفع دینا چاہے؟ (کوئی بھی نہیں) بلکہ جو تم عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ اب رسول اور مومنین کو کبھی اپنے اہل و عیال کی

[1] سبل الہدٰی والرشاد: 34/5.

طرف پلٹنا نصیب نہیں ہوگا، اور یہ بات تمھارے دلوں میں رچ بچ گئی تھی، اور تم نے برا گمان کیا تھا، اور تم لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔'' [1]

اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مدینہ کے بادیہ نشینوں سے مراد جہینہ اور مزینہ کے لوگ تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے بارے میں یہ گمان کر لیا تھا کہ اب یہ کبھی واپس نہیں آسکیں گے اور سب کے سب ہلاک کر دیے جائیں گے، اس لیے وہ آپ کے ساتھ جانے پر تیار نہ ہوئے تھے۔ [2]

مشرکین کا ہدیہ نا منظور

روحاء کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قبیلہ بنونہد کے افراد حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ بعدازاں انھوں نے اپنی اونٹنیوں کا دودھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیتاً پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے یہ کہہ کر واپس کر دیا:

«لَا أَقْبَلُ هَدِيَّةَ مِنْ مُّشْرِكٍ»

''میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔''

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم ان لوگوں سے یہ دودھ خرید لو، چنانچہ مسلمانوں نے ان سے دودھ خرید لیا۔

اسی طرح بنونہد سے مسلمانوں نے تین سانڈے خریدے۔ جن مسلمانوں نے احرام نہیں باندھے تھے، وہ سانڈے کھانے لگے اور احرام والوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم سانڈے کھا سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 الفتح 48:11، 12۔ 2 تفسیر الطبري، الفتح 48:11، 12۔

وہ مقام جہاں بنونہد آباد تھے



«كُلُوا، فَكُلُّ صَيْدِ الْبَرِّ لَكُمْ حَلَالٌ فِي الْإِحْرَامِ تَأْكُلُونَهُ إِلَّا مَا صِدْتُمْ أَوْ صِيدَ لَكُمْ»

''کھاؤ کیونکہ خشکی کا ہر شکار تمھارے لیے احرام کی حالت میں حلال ہے، تم اسے کھا سکتے ہو الا یہ کہ جو تم نے خود شکار کیا ہو یا تمھارے لیے شکار کیا جائے۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم نے اسے شکار نہیں کیا۔ اسے تو اعرابیوں نے شکار کیا ہے اور ہمیں بطور ہدیہ دیا ہے۔ انھیں تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کی ہم سے ملاقات ہوگی۔ یہ خانہ بدوش لوگ ہیں، جابجا پھرتے رہتے ہیں۔ آج یہاں کل وہاں، یہ بارش کی جستجو میں رہتے ہیں۔ یہ اس بارش کے متمنی ہیں جو خریف (خزاں کے موسم) میں مَلَل کے علاقے میں برسی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک آدمی کو بلا کر



وادی ملل میں حوض کے آثار

پوچھا: «أَيْنَ تُرِيدُونَ؟» ''تم کہاں جانا چاہتے ہو؟'' اس نے جواب دیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ایک مہینہ گزرا ہے، ہمیں پتہ چلا ہے کہ مَلَل کے علاقے میں بارش ہوئی ہے۔ ہم نے ان علاقوں کی چھان بین کے لیے ایک آدمی کو بھیجا تو اس نے واپس آکر ہمیں اطلاع دی کہ بکریاں سیر ہوچکی ہیں، اونٹ بوجھل ہو کر چلتے ہیں اور تالاب لبریز ہو گئے ہیں۔ ہم اُسی جگہ جانا چاہتے ہیں۔[2]

ہدی کا اونٹ تھک گیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو قربانی کے جانوروں کے ساتھ آگے روانہ فرمایا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابواء پہنچے تو ناجیہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ہدی کا ایک جانور تھک کر بیکار ہوگیا ہے، اس کا کیا کیا جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 سبل الهدى والرشاد: 34/5. 2 المغازي للواقدي: 72/2

«انْحَرْهَا وَاصْبُغْ قَلَائِدَهَا فِي دَمِهَا، وَلَا تَأْكُلْ أَنْتَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ رُفْقَتِكَ مِنْهَا شَيْئًا، وَخَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا»

''اس اونٹ کونحر کر دو اور اس کے قلادے کو اسی کے خون سے لت پت کر دو، تم اور تمھارے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اس کا گوشت نہ کھائے۔ اس کے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ، یعنی لوگ اسے استعمال کریں۔''[1]

ایماء بن رحضہ کا ہدیہ

قبیلہ بنو غفار کے شخص ایماء بن رَحضہ بن خربہ نے اپنے بیٹے خُفاف بن ایماء رضی اللہ عنہ کے ہاتھ نبی ﷺ کو سو بکریوں اور دودھ دینے والی اونٹنیوں کا تحفہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا:

«بَارَكَ اللّٰهُ فِيكُمْ»

''اللہ تمھیں برکت دے۔''



وادان کی فراخ وادی

اسی طرح اہلِ ودان نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفید لوبیا، کھیرے اور ککڑیاں بطور ہدیہ پیش کیں۔ آپ ﷺ انھیں کھانے لگے اور یہ چیزیں آپ کو پسند آئیں، پھر آپ نے کچھ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی بھیجیں۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ نئے اور عمدہ تحفے دکھائے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ میں ابواء کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو ایک جنگلی گدھا ہدیے کے طور پر پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ جب آپ نے میرے چہرے پر ہدیہ قبول نہ ہونے کی بنا پر ملال کے آثار دیکھے تو فرمایا:

«إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ»

1 المغازي للواقدي: 74/2. 2 إمتاع الأسماع: 278/1، سبل الهدٰى والرشاد: 35/5.

''ہم نے تمھارا ہدیہ اس لیے واپس دے دیا ہے کہ ہم احرام کی حالت میں ہیں۔'' [1]
چونکہ یہ شکار آپ ﷺ ہی کے لیے کیا گیا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے مسترد کر دیا۔

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام کی حالت میں تھے۔ ہمیں مشرکین نے روک رکھا تھا۔ میرے بال (کانوں کی لو تک) بڑھے ہوئے تھے جن سے جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں۔ میرے قریب سے نبی ﷺ گزرے تو آپ نے پوچھا:

«يُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ؟»

''تمھارے سر کی جوئیں تمھیں تکلیف دے رہی ہیں؟''

میں نے کہا: جی ہاں، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ (البقرۃ 2:196)

''پھر اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوالے) تو فدیے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔'' [2]

انھی سے ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میرے چہرے پر جوئیں گر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ؟»

''کیا تمھاری جوئیں تمھیں تکلیف دے رہی ہیں؟''

میں نے عرض کی: جی ہاں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے سر کے بال منڈوا دو۔'' آپ اس وقت حدیبیہ میں تھے اور آپ نے لوگوں پر واضح نہیں کیا تھا کہ وہ حدیبیہ ہی میں احرام کھول کر اس کی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں گے۔ لوگوں کو امید تھی کہ وہ مکہ میں داخل ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فدیے کا حکم نازل فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے کعب رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

«أَنْ يُطْعِمَ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِينَ، أَوْ يُهْدِيَ شَاةً، أَوْ يَصُومَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ»

''وہ ایک فرق (تقریباً چھ کلو تین سو گرام) اناج چھ مسکینوں کو کھلا دیں، یا ایک بکری قربانی کریں، یا تین دن

[1] المغازي للواقدي: 2/73. [2] صحيح البخاري: 4191.

کے روزے رکھیں۔''[1]

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے۔ اس وقت وہ احرام کی حالت میں اور مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ میں قیام پذیر تھے۔ کعب رضی اللہ عنہ ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں ان کے چہرے پر گر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: «أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ هٰذِهِ؟» ''کیا یہ جوئیں تمھیں تکلیف دے رہی ہیں؟'' تو انھوں نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: «فَاحْلِقْ رَأْسَكَ وَ أَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِينَ أَوْصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوِانْسُكْ نَسِيكَةً» ''اپنے سر کے بال منڈوا دو، چھ مساکین کو ایک فرق (تین صاع) کھانا کھلا دو، یا تین روزے رکھو یا پھر ایک بکری ذبح کرو۔''[2]

اہلِ مکہ کی پریشانی

اہلِ مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی مکہ کی طرف پیش قدمی کا علم ہوگیا تھا۔ انھیں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ آپ ﷺ عمرے کی نیت سے آ رہے ہیں۔ یہ اچنبھے والی بات نہیں تھی کیونکہ عرب میں یہ بات مشہور تھی، کوئی دوست ہو یا دشمن سبھی بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ دشمن اسی غرض سے حرمت والے مہینے میں بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، اس طرح وہ بالکل محفوظ ہو جاتے تھے۔ یہ قانون صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔ حرمت والے مہینے میں لوگ حج کرتے تھے۔ وہ بیت اللہ کے گرد رکھے گئے بتوں کو بھی مقدس سمجھتے تھے۔ مسلمانوں نے بیت اللہ کی بے حد تکریم و تعظیم کی۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں بیت المقدس کو قبلہ برقرار رکھا لیکن پھر بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا۔ اب مسلمانوں کے دلوں میں بیت اللہ کی عظمت دو چند ہوگئی لیکن وہ بتوں سے شدید نفرت کرتے تھے کیونکہ اللہ پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی

[1] صحیح البخاري: 4159. [2] صحیح مسلم: 1201.



غیر اللہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اللہ کی عبادت اور اس کی وحدانیت ہی اسلام کی اساس ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو صرف اللہ ہی کی عبادت کا حکم تھا لیکن مشرکینِ مکہ اللہ کی عبادت اور بیت اللہ کا طواف کرنے کے ساتھ ساتھ بتوں کی پوجا پاٹ کرتے، ان کے نام کی نذریں مانتے اور جانور ذبح کرتے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا۔ مشرکین اپنے بتوں سے محبت کی بنا پر آپ ﷺ سے دشمنی رکھتے تھے۔ اسی بنا پر انھوں نے آپ اور آپ کے رفقاء کا رستہ روک دیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے حرمت والے مہینے میں سفر شروع کیا، احرام باندھا، قربانیوں کے جانوروں کا اشعار کیا اور انھیں قلادے پہنائے۔ عرب کے قبائل کو بھی بیت اللہ کے طواف کی دعوت دی تاکہ اہلِ مکہ کو یہ غلط فہمی نہ ہونے پائے کہ مسلمان عمرے کی آڑ میں مکہ پر دھاوا بولنا چاہتے ہیں۔

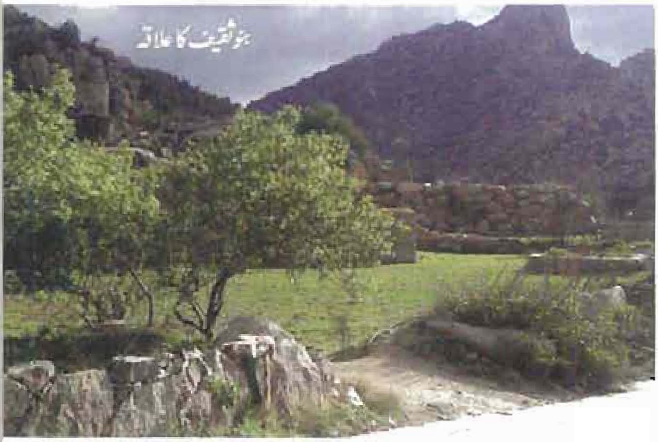
اہلِ مکہ بیت اللہ کا طواف کرنے والوں کو طواف سے روکنے کے ہرگز مجاز نہیں تھے۔ قریش کی عظمت کا اصل سبب یہی تھا کہ وہ حج اور عمرہ کرنے والوں کی خدمت کرتے اور انھیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرتے تھے۔ ہر قبیلے نے اپنے ذمے کوئی نہ کوئی اہم ذمہ داری لے رکھی تھی۔ سقایہ (پانی پلانا)، رفادہ (کھانا کھلانا) اور حجابت (دربانی) وغیرہ کے مناصب انھی کے پاس تھے۔ لیکن یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں اس قدر اندھے ہو گئے کہ انھوں نے حرمت والے مہینوں میں قتال سے رکنے کا صدیوں سے چلا آنے والا قانون دیوار پر دے مارا۔ وہ سمجھے کہ اتنی بڑی تعداد میں رسول اللہ ﷺ کا مکہ کی طرف کوچ کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ انھیں یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ اس طرح قریش کی سیاسی اہمیت اور عسکری ہیبت ختم ہو جائے گی۔ عرب خیال کریں گے کہ مسلمان اتنی تعداد میں اپنے دشمن کی طرف گئے ہیں کہ قریش انھیں روک ہی نہیں سکے۔ وہی لوگ جو چھپ چھپا کر انتہائی مظلومیت اور مجبوری کی حالت میں مکہ سے بھاگے تھے، اب پانچ سال بعد وہی لوگ نہایت بے باکی اور پوری شان و شوکت سے مکہ چلے آرہے ہیں، حالانکہ ان پر تین بڑی بڑی جنگیں بھی مسلط کی جا چکی ہیں۔

بہر حال اس خبر سے سارے مکہ میں غم و غصے اور قلق و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اس صورت حال اور عظیم انقلاب کے مقابلے کے لیے منصوبہ تیار کرنے کی غرض سے ان کے سرداروں نے دارالندوہ میں ایک اہم اجلاس بلا لیا۔ اس کمیٹی کے تین سردار تھے: عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو العامری۔

علامہ واقدی کا بیان ہے کہ اصحاب الرائے نے جمع ہو کر خدشہ ظاہر کیا کہ مسلمانوں کا اصل ارادہ یہ ہے کہ وہ عمرے کے بہانے ہم پر اپنی فوج چڑھا لائیں اور عربوں میں ان کا دبدبہ بیٹھ جائے کہ وہ بزورِ قوت ہم پر چڑھ دوڑے ہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کی حالت ہے۔ اللہ کی قسم! ایسا کبھی نہ ہوگا۔

قریش کا بزور طاقت مسلمانوں کو روکنے کا فیصلہ کرنا

چنانچہ قریش نے مسلمانوں کو بذریعہ طاقت روکنے کے لیے یہ منصوبہ تیار کیا: 1 تمام قریش جو ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور جنگ کر سکتے ہیں، وہ جنگ کے لیے تیار رہیں۔ 2 قریش کے حلیف قبائل سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں قریش کی مدد کریں۔ 3 جنگ کے لیے بھاری فنڈ جمع کرنا تاکہ ان حلیفوں کا خرچہ برداشت کیا جائے جو قریش کی مدد کرنے کے لیے آئیں۔ 4 مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ انھیں بزور طاقت حدود حرم سے باہر ہی روک دیا جائے۔ 5 قریش اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر حدود حرم سے باہر نکلیں تاکہ مسلمانوں کو قریش کے اس ارادے کا پتہ چل جائے کہ وہ ہر صورت انھیں مکہ میں داخلے سے روکیں گے۔ 6 گھڑ سواروں کے دستے بنائے جائیں اور ان کی قیادت خالد بن ولید کو دی جائے۔ 7 یہ دستے مسلمانوں کو روکنے کے لیے مکہ اور مدینہ کی مرکزی شاہراہ پر حدود حرم کے قریب پڑاؤ ڈالیں تاکہ مسلمانوں کو یقین ہو جائے کہ قریش نے مکہ میں ان کا داخلہ روکنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ 8 انٹیلی جنس کے ماہرین تیار کیے جائیں جو مسلمانوں کی عددی قوت، نقل و حرکت اور دیگر حالات کی دمبدم رپورٹ پہنچائیں۔



یہ منصوبہ فوراً نافذ ہوگیا۔ تمام جنگجو قریش مسلح ہو گئے۔ حلیف قبائل کو بھی ساتھ دینے پر آمادہ کر لیا گیا۔ حبشی قبیلے کا سردار حلیس بن علقمہ اور بنوثقیف کا سردار عروہ بن مسعود بھی قریش کے ساتھ آ ملا۔ اس سارے لشکر کے جنگجوؤں کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار تھی جو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے سربکف بیٹھے تھے۔

فوجی ہیڈ کوارٹر

قریش نے ان مشترکہ افواج کے ساتھ مکہ کے مغربی جانب بلدح کے علاقے میں پڑاؤ ڈالا۔ انھوں نے اپنے ساتھ اپنے بچوں اور عورتوں کو بھی ملایا۔ خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ اس شاہراہ پر متعین کر دیا جہاں مسلمانوں کے گزرنے کا امکان تھا۔ خالد بن ولید نے کراع الغمیم کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ انٹیلی جنس کے لیے قریش نے دس نوجوانوں کو منتخب کیا۔ ان کی قیادت حکم بن عبدمناف کو سونپی، اس نے انھیں تقسیم کر کے ان کی ڈیوٹی ان پہاڑوں پر لگا دی جو اس راستے میں واقع تھے جس سے آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو گزرنا تھا۔ پہلے آدمی کو

جو بات بھی سنائی یا دکھائی دیتی، وہ اسے دوسرے آدمی تک پہنچا دیتا اور دوسرا تیسرے آدمی تک، اسی طرح یہ بات درجہ بدرجہ ہوتی ہوئی بلدح میں قریش کی مرکزی قیادت تک پہنچ جاتی۔ یوں مسلمانوں کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ قریش تک پہنچنے لگی۔ اس طرح وہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہی بہتر منصوبہ بندی کے قابل اور لڑائی کے لیے بالکل تیار ہو گئے۔

قریش اپنے پورے جتھے سمیت بلدح میں مقیم تھے۔ انھیں وہاں قیام کے دوران کھانے پینے اور دیگر ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے حلیفوں کی ضروریات کا بھی انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں چار قریشی سرداروں سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ نے سب اخراجات برداشت کیے۔ [1]

بسر بن سفیان الکعبی کی واپسی

رسول اللہ ﷺ نے بسر بن سفیان کو اہل مکہ کی معلومات لینے کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ بسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق مکہ گئے اور چند ہی دنوں کے بعد قریش کی نقل و حرکت اور دیگر معلومات حاصل کر کے واپس آ گئے۔ اس دوران بسر رضی اللہ عنہ نے پوری طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ قریش مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخلے سے روکنے کا مصمم ارادہ کیے بیٹھے ہیں۔ بسر رضی اللہ عنہ جب واپس پہنچے تو اس وقت تک رسول اللہ ﷺ غدیر ذات الاشطاط تک پہنچ چکے تھے۔ یہ علاقہ عسفان کے علاقے سے پہلے آتا ہے۔



ابن ہشام میں ہے: رسول اللہ ﷺ جب عسفان پہنچے تو وہاں سیدنا بشر (بسر) بن سفیان کعبی خزاعی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں آ پہنچے اور انھوں نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قریش آپ کی آمد کی اطلاع پا کر بچوں اور عورتوں سمیت نکل آئے ہیں۔ انھوں نے چیتوں کی کھالیں پہنی ہوئی ہیں، وہ ذو طویٰ میں پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں۔ وہ اس بات پر حلف اٹھا رہے ہیں کہ وہ آپ کو کبھی مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ان لوگوں نے خالد بن ولید کو گھڑ سواروں کی

[1] المغازي للواقدي: 2/75، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1/798-801.

معیت میں کراع الغمیم بھیج دیا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا وَيْحَ قُرَيْشٍ! لَقَدْ أَكَلَتْهُمُ الْحَرْبُ، مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ خَلَّوْا بَيْنِي وَبَيْنَ سَائِرِ الْعَرَبِ، فَإِنْ هُمْ أَصَابُونِي كَانَ ذٰلِكَ الَّذِي أَرَادُوا، وَإِنْ أَظْهَرَنِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ دَخَلُوا فِي الْإِسْلَامِ وَافِرِينَ، وَإِنْ لَّمْ يَفْعَلُوا قَاتَلُوا وَبِهِمْ قُوَّةٌ، فَمَا تَظُنُّ قُرَيْشٌ، فَوَاللّٰهِ! لَا أَزَالُ أُجَاهِدُهُمْ عَلَى الَّذِي بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ تَنْفَرِدَ هٰذِهِ السَّالِفَةُ»

”قریش پر افسوس! انھیں جنگوں نے تباہ کر دیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ مجھے عرب کے دوسرے لوگوں سے لڑنے بھڑنے دیتے۔ اگر وہ مجھ پر غالب آ جاتے تو قریش کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے لوگوں پر غالب کر دیتا تو وہ بھی اسلام قبول کر لیتے اور صحیح سلامت رہتے اور اگر اسلام قبول نہ کرتے تب بھی قوت کے ساتھ تو لڑتے۔ قریش نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ اللہ کی قسم! جو دین اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے، میں اس کے غلبے لیے ان سے لڑتا رہوں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب فرما دے یا میری گردن تن سے جدا ہو جائے۔“[1]

سیدنا مسور بن مخرمہ اور سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ حدیبیہ کے سال ایک ہزار سے کچھ زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَشِيرُوا أَيُّهَا النَّاسُ! عَلَيَّ، أَتَرَوْنَ أَنْ أَمِيلَ إِلٰى عِيَالِهِمْ وَذَرَارِيِّ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَّصُدُّونَا عَنِ الْبَيْتِ، فَإِنْ يَّأْتُونَا كَانَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ قَطَعَ عَيْنًا مِّنَ الْمُشْرِكِينَ، وَإِلَّا

1 السيرة لابن هشام:3/323.



تَرَكْنَاهُمْ مَحْرُوبِينَ»

''اے لوگو! مجھے مشورہ دو، کیا تم یہ مناسب سمجھتے ہو کہ میں ان لوگوں کے اہل و عیال پر حملہ کر دوں جو ہمیں بیت اللہ کی زیارت سے روکنا چاہتے ہیں؟ اگر وہ لوگ (اپنے اہل و عیال کو بچانے کی خاطر) ہمارے پاس (لڑائی لڑنے) آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی زد سے ہمارے جاسوس کو محفوظ فرما دیا ہے۔ اور اگر وہ نہ آئے تو ہم ان کے بال بچوں پر حملہ کر کے انھیں جنگ کی حالت میں چھوڑ دیں گے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! خَرَجْتَ عَامِدًا لِّهٰذَا الْبَيْتِ، لَا تُرِيدُ قَتْلَ أَحَدٍ وَّلَا حَرْبَ أَحَدٍ، فَتَوَجَّهْ لَهُ، فَمَنْ صَدَّنَا عَنْهُ قَاتَلْنَاهُ.

''اللہ کے رسول! آپ تو بیت اللہ کا ارادہ کر کے تشریف لائے ہیں، نہ آپ کسی کو قتل کرنا چاہتے ہیں، نہ آپ کا کسی سے لڑنے کا ارادہ ہے، اس لیے آپ بدستور بیت اللہ کی طرف سفر جاری رکھیے، جو شخص اس سلسلے میں رکاوٹ بنے گا، ہم اس سے جنگ کریں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِمْضُوا عَلَى اسْمِ اللّٰهِ» ''(تم نے ٹھیک کہا ہے،) اللہ کا نام لے کر سفر جاری رکھو۔''[1]

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عسفان پہنچے تو آپ کو بنوکعب کا ایک آدمی ملا۔ وہ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے قریش کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ انھوں نے احابیش کو جمع کر لیا ہے، وہ انھیں آٹے اور قیمے کی یخنی پلاتے ہیں۔ وہ آپ کو بیت اللہ میں جانے سے روکنا چاہتے ہیں۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے چل دیے، پھر جب عسفان سے آگے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش کے گھڑ سواروں کا دستہ سامنے موجود ہے جو خالد بن ولید کی قیادت میں تعینات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرف چلو، پھر آپ نے دو درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے راستہ تبدیل کر لیا یہاں تک کہ آپ غمیم پہنچے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، اللہ کی حمد و ثنا اس طرح بیان کی جس کا وہ مستحق ہے، پھر ویسی ہی بات ارشاد فرمائی جو درج بالا روایت میں گزر چکی ہے ...... سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے کہا:

إِنَّا وَاللّٰهِ! لَا نَقُولُ لَكَ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِنَبِيِّهَا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (المآئدة 24:5) وَلٰكِنِ اذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا مَعَكُمْ مُقَاتِلُونَ.

[1] صحيح البخاري: 4178، 4179.

’’اللہ کی قسم! ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے کہا تھا کہ تو اور تیرا رب جا کر لڑے، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ آپ چلیں ہم تو حریف سے آپ کے شانہ بشانہ لڑیں گے۔‘‘ [1]

نمازِ خوف کی مشروعیت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض قرار دی ہیں۔ ہر بالغ اور عاقل مسلمان پر یہ نمازیں بہرحال فرض ہیں۔ البتہ بعض حالتیں ایسی ہیں جن میں نماز میں تخفیف اور تاخیر کی گنجائش ہے۔

نمازِ خوف بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رخصت کی ایک شکل ہے۔ عسفان کے مقام پر مسلمانوں کو پتہ چلا کہ مشرکوں کا دستہ ان کے قریب موجود ہے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ خوف کی امامت کرائی۔

سیدنا ابوعیاش زرقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِعُسْفَانَ وَعَلَى الْمُشْرِكِينَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَصَلَّيْنَا الظُّهْرَ، فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: لَقَدْ أَصَبْنَا غِرَّةً، لَقَدْ أَصَبْنَا غَفْلَةً، لَوْ كُنَّا حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْقَصْرِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، فَلَمَّا حَضَرَتِ الْعَصْرُ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَالْمُشْرِكُونَ أَمَامَهُ، فَصَفَّ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ صَفٌّ، وَصَفَّ بَعْدَ ذٰلِكَ الصَّفِّ صَفٌّ آخَرُ، فَرَكَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَرَكَعُوا جَمِيعًا، ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ الصَّفُّ الَّذِي يَلُونَهُ، وَقَامَ الْآخَرُونَ يَحْرُسُونَهُمْ، فَلَمَّا صَلّٰى هٰؤُلَاءِ السَّجْدَتَيْنِ وَقَامُوا سَجَدَ الْآخَرُونَ الَّذِينَ كَانُوا خَلْفَهُمْ، ثُمَّ تَأَخَّرَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ إِلٰى مَقَامِ الْآخَرِينَ، وَتَقَدَّمَ الصَّفُّ الْأَخِيرُ إِلٰى مَقَامِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَرَكَعُوا جَمِيعًا، ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ وَقَامَ الْآخَرُونَ يَحْرُسُونَهُمْ، فَلَمَّا جَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ سَجَدَ الْآخَرُونَ ثُمَّ جَلَسُوا جَمِيعًا، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا، فَصَلَّاهَا بِعُسْفَانَ وَصَلَّاهَا يَوْمَ بَنِي سُلَيْمٍ.

’’ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عسفان میں تھے۔ مشرکین کے لشکر کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے۔ ہم نے نمازِ ظہر ادا کی تو مشرکین کہنے لگے: ہمیں دھوکہ دینے کا موقع ملا تھا، ہمیں مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ

1 المصنف لابن أبي شيبة: 381/7

اٹھانا چاہیے تھا، جب مسلمان نماز پڑھ رہے تھے، اگر ہم اُسی وقت ان پر حملہ کر دیتے تو یہ انھیں نقصان پہنچانے کا بہترین موقع تھا، چنانچہ ظہر اور عصر کے درمیان آیت قصر (نماز خوف) نازل ہوگئی۔ پھر جب عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ قبلے کی طرف کھڑے ہوگئے، اس وقت مشرکین آپ کے سامنے موجود تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا تو صحابہ نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ نے سجدہ کیا تو صرف اگلی صف والوں نے سجدہ کیا۔ اور پچھلی صف والے صحابہ ان کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ جب انھوں نے دو سجدے کر لیے اور سیدھے کھڑے ہوگئے تو پھر پچھلی صف والوں نے سجدے ادا کیے۔ پھر اگلی صف والے پیچھے چلے گئے اور پچھلی صف والے آگے آگئے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا تو تمام صحابۂ کرام نے رکوع کیا۔ پھر آپ نے اور اگلی صف والوں نے سجدے کیے لیکن پچھلی صف والے ان کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور اگلی صف والے بیٹھ گئے تو پھر



بنولحیان کا علاقہ

پچھلی صف والوں نے سجدے ادا کیے۔ بعدازاں سب (تشہد میں) بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے سب صحابہ سمیت اکٹھے سلام پھیرا۔ آپ ﷺ نے عسفان میں نماز خوف پڑھائی، اس کے علاوہ غزوۂ بنی سلیم کے موقع پر بھی اسی طرح نماز (خوف) پڑھائی۔"[1]

اس حدیث سے یہ بات اُجاگر ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عسفان میں صلاۃ الخوف پڑھائی لیکن یہ نماز کس غزوے میں پڑھی گئی؟ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عسفان میں غزوہ بنولحیان اور غزوہ حدیبیہ دونوں مواقع پر پڑاؤ ڈالا۔ ان دونوں غزوات میں کس غزوے میں صلاۃ الخوف پڑھی گئی؟ اس امر کی کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ سیدنا ابوعیاش رضی اللہ عنہ کی روایت سے بس اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

[1] سنن أبي داود: 1236، سنن النسائي: 1551، صحيح مسلم: 840

نے پہلی مرتبہ عسفان میں صلاۃ الخوف پڑھائی۔ اس میں غزوہ بنولحیان یا حدیبیہ کا کوئی ذکر نہیں۔

حافظ ابن کثیر نے یہ حدیث غزوہ بنولحیان کے تذکرے میں درج کی ہے اور لکھا ہے: اس حدیث کا سیاق یہ تقاضا کرتا ہے کہ صلاۃ الخوف کی آیات عسفان کے دن اسی غزوے کے موقع پر نازل ہوئیں۔ ان آیات کے نازل ہونے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے اس موقع پر پہلی مرتبہ نماز خوف ادا کی۔ [1] واللہ اعلم

جبکہ واقدی، ابن سعد اور ابن جوزی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے عسفان میں غزوہ حدیبیہ کے موقع پر نماز خوف ادا کی، ابن سعد کی بات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز ظہر کے وقت نماز خوف ادا کی گئی لیکن یہ بات سیدنا ابوعیاش زرقی رضی اللہ عنہ کی روایت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ نماز عصر کے وقت نماز خوف ادا کی گئی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واقدی سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔ اس کے راوی خود خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) ہیں، وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے لیے نکلے تو ہمارا آپ سے عسفان کے مقام پر آمنا سامنا ہوا، ہم آپ کے بالمقابل آ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے ہمارے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز ظہر پڑھائی۔ ہم نے آپ پر چل پڑنے کا ارادہ کر لیا لیکن ہم اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ ہمارے دلوں میں آپ پر حملہ کرنے کا جو منصوبہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس منصوبے سے رسول اللہ ﷺ کو باخبر کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز صلاۃ الخوف کے طریقے پر پڑھائی۔ [2]

اس روایت میں یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ نبی ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر عصر کے وقت نماز خوف پڑھائی۔ یوں یہ روایت معنوی حیثیت سے ابوعیاش رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہے، صرف غزوہ حدیبیہ کا اضافہ ہے۔ اگرچہ یہ اضافہ واقدی نے بیان کیا ہے لیکن مغازی میں ان کی روایات کو قبول کیا گیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

وَالْوَاقِدِيُّ إِذَا لَمْ يُخَالِفِ الْأَخْبَارَ الصَّحِيحَةَ وَلَا غَيْرَهُ مِنْ أَهْلِ الْمَغَازِي، مَقْبُولٌ فِي الْمَغَازِي عِنْدَ أَصْحَابِنَا.

”واقدی جب صحیح روایات اور دیگر اہل مغازی کی مخالفت نہ کر رہے ہوں تو وہ ہمارے شیوخ کے نزدیک مغازی میں مقبول ہیں۔“ [3]

[1] البداية والنهاية: 84/4. [2] فتح الباري: 529/7. [3] التلخيص الحبير: 592/2.

دوسری بات یہ ہے کہ واقدی کے درج بالا اضافے کی شاہد وہ روایت بھی ہے جو سیدنا مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِعُسْفَانَ لَقِيَهُ بِشْرُ بْنُ سُفْيَانَ الْكَعْبِيُّ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هٰذِهِ قُرَيْشٌ قَدْ سَمِعَتْ بِمَسِيرِكَ، فَخَرَجَتْ مَعَهَا الْعُوذُ الْمَطَافِيلُ، قَدْ لَبِسُوا جُلُودَ النُّمُورِ، يُعَاهِدُونَ اللّٰهَ أَنْ لَا تَدْخُلَهَا عَلَيْهِمْ عَنْوَةً أَبَدًا، وَهٰذَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فِي خَيْلِهِمْ قَدِمُوا إِلٰى كُرَاعِ الْغَمِيمِ.

”رسول اللہ ﷺ نکلے، جب آپ عسفان پہنچے تو وہاں آپ ﷺ کی ملاقات بشر بن سفیان الکعبی سے ہوئی۔ انھوں نے آپ کو اطلاع دی: اے اللہ کے رسول! قریش آپ کی آمد کی اطلاع پا کر اپنے بچوں اور عورتوں سمیت نکل آئے ہیں۔ انھوں نے چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں۔ وہ اس بات پر قسمیں کھا رہے ہیں کہ وہ آپ کو مکہ میں زبردستی داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اور خالد بن ولید (اسی سلسلے میں) اپنے گھڑ سواروں سمیت کراع الغمیم تک پہنچ گیا ہے۔“ [1]

اس روایت سے دو چیزیں سامنے آتی ہیں: 1 رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر عسفان میں پڑاؤ ڈالا۔ 2 خالد بن ولید اسی غزوے میں آپ ﷺ کے مقابلے میں نکلے۔

کسی بھی صاحب سیر و مغازی نے یہ نہیں بتایا کہ خالد بن ولید کا عسفان کے مقام پر حدیبیہ کے علاوہ کسی دوسرے غزوے میں بھی نبی ﷺ سے ٹکراؤ ہوا۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ عسفان میں پڑھی جانے والی نمازِ خوف دراصل غزوۂ حدیبیہ ہی میں پڑھی گئی تھی۔ حافظ محمد حکمی حفظہ اللہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ غزوہ بنولحیان کے موقع پر کسی بھی قریشی کافر کا رسول اللہ ﷺ سے آمنا سامنا نہیں ہوا بلکہ ابن سعد نے غزوہ بنولحیان کے بعد نبی ﷺ کی واپسی کے متعلق لکھا ہے:

”رسول اللہ ﷺ غزوہ بنولحیان کے بعد عسفان پہنچے۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دس شہسواروں کو قریش کی خبر گیری کے لیے روانہ کیا تاکہ قریش ان کی آمد سے خوف زدہ ہو جائیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ غمیم آئے تو انھوں نے وہاں کسی کو بھی موجود نہ پایا۔“ [2]

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو موقف اختیار کیا ہے، وہ ان کا وہم ہے۔ [3] واللہ اعلم

1 مسند أحمد: 323/4. 2 الطبقات لابن سعد: 79/2. 3 مرويات غزوة الحديبية، ص: 79-82.

پہلی مرتبہ نماز خوف

رسول اللہ ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے نماز خوف متعدد غزوات میں ادا کی۔ لیکن صحیح روایات کی روشنی میں یہ بات کہیں بھی واضح نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز خوف پہلی مرتبہ کس غزوے میں ادا کی۔

واقدی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ نماز خوف غزوہ ذات الرقاع میں ادا کی، بعد ازاں عسفان میں ادا کی۔ غزوہ ذات الرقاع میں نماز اور عسفان میں نماز کے دوران چار سال کا عرصہ حائل ہے۔

حافظ محمد حکمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: یہ روایت ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں واقدی نے چار سال کے عرصے کا جو فرق بیان کیا ہے، یہ ناممکن ہے کیونکہ خود واقدی ہی نے غزوہ ذات الرقاع کا وقوع ہجرت کے پانچویں سال بیان کیا ہے اور حدیبیہ چھٹے سال۔ دیگر تمام اہل مغازی کا بھی اتفاق ہے کہ غزوہ حدیبیہ چھٹے سال ہوا۔ تو پھر ان دونوں کے درمیان چار سال کا عرصہ کس طرح واقع ہوگیا؟

اکثر اہل مغازی اس امر کے قائل ہیں کہ نماز خوف پہلی مرتبہ غزوہ ذات الرقاع میں پڑھی گئی لیکن وہ اس بات میں متردد ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع کب ہوا۔ اس سلسلے میں واقدی، ابن سعد اور ابن حبان نے محرم پانچویں سال کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ بھی متردد ہیں کہ پتہ نہیں یہ غزوہ بدر سے پہلے ہوا یا بعد میں، احد سے پہلے ہوا یا بعد میں۔ ابومعشر سندھی کہتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خندق اور غزوہ بنوقریظہ کے بعد ہوا ہے۔

جبکہ جمہور محدثین، مثلاً: امام بخاری، حافظ ابن کثیر، ابن قیم اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ کا موقف ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ خیبر کے بھی بعد ہوا ہے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی یہ روایت ہے کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھا جبکہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کے بعد نبی ﷺ کے پاس آئے تھے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد کا واقعہ ہے۔

دوسری دلیل سنن ابوداود کی روایت ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی غزوہ خیبر کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ سے ملے تھے۔

ان دونوں روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوۂ خیبر کے بعد ہوا ہے اور غزوہ حدیبیہ میں پڑھی جانے والی نماز خوف ہی اولین نماز خوف ہے جو نبی ﷺ نے کسی غزوے میں پڑھائی۔[1] واللہ أعلم

[1] مرويات غزوة الحديبية، ص: 82-88

راستے کی تبدیلی

امام طبرانی ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جب ہم غمیم پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قریش نے خالد بن ولید کو گھڑ سواروں کی جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کا راستہ روکنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ آپ قریش کے ساتھ شفقت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَجُلٌ يَعْدِلُ لَنَا عَنِ الطَّرِيقِ؟»

''ہمیں اس راستے سے ہٹا کر دوسرے رستے سے کون لے جائے گا؟''

ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد سن کر میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا باپ آپ پر قربان ہو، میں آپ کو لے جاتا ہوں۔[1]

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ خالد بن ولید مسلمانوں کے خلاف گھات لگائے بیٹھا ہے تو آپ ﷺ نے اس وقت مشرکین سے تصادم خلاف مصلحت سمجھا اور راستہ بدل لینے کا ارادہ فرما لیا۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ رَجُلٌ يَخْرُجُ بِنَا عَلَى طَرِيقٍ غَيْرِ طَرِيقِهِمُ الَّتِي هُمْ بِهَا؟»

''کون ہے جو ہمیں قریش کے راستے سے ہٹ کر کسی دوسرے راستے سے لے چلے؟''

قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ خدمت میں انجام دوں گا۔'' یہ اسلمی شخص گھاٹیوں کے اندر سے ہوتا ہوا مسلمانوں کو سخت پتھریلے راستے پر لے گیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ راستہ بڑا دشوار گزار تھا۔ اسی سنگلاخ راستے سے تمام لوگ وادی کے کنارے نرم زمین پر پہنچے تو آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا:

«قُولُوا: نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ»

''سب کہو: ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہیں اور اس کے حضور توبہ کرتے ہیں۔''

پھر فرمایا: «وَاللّٰهِ! إِنَّهَا لَلْحِطَّةُ الَّتِي عُرِضَتْ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَلَمْ يَقُولُوهَا»

''اللہ کی قسم! یہ وہی ''حطہ'' ہے (جس کا ذکر قرآن میں ہے: ﴿وَقُولُوا حِطَّةٌ﴾ (البقرۃ 2:58) جسے کہنے کی بنی اسرائیل کو تاکید کی گئی مگر انھوں نے نہیں کہا۔''

[1] المعجم الكبير للطبراني: 2/193، 194

اب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ دائیں طرف مقام حمض کے درمیان اسی راستے پر چلو جو ثنیۃ المرار کی طرف جانکلتا ہے۔ لشکر مکہ کے زیریں جانب حدیبیہ کی طرف چل پڑا اور اس قدر احتیاط اور آہستگی سے چلتا رہا کہ کسی کو ان کی نقل و حرکت کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

خالد بن ولید نے مسلمانوں کے لشکر کا گرد و غبار اڑتا دیکھا تو وہ اپنے سواروں سمیت اہل مکہ کو نئی صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے بڑی تیزی سے آگے روانہ ہو گیا۔[1]


مقام حمض نزد مکہ مکرمہ

رسول اللہ ﷺ جنگ سے بچنا چاہتے تھے کیونکہ آپ حرمت والے مہینے میں احرام کی حالت میں بیت اللہ کے طواف کی نیت سے نکلے تھے۔ یوں بھی آپ ﷺ قریش کی زندگی کے آرزو مند تھے کیونکہ آپ کو یہ امید تھی کہ اگر یہ مسلمان ہو گئے تو اسلام کے لیے بہترین سرمایہ ثابت ہوں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«فعَنْ مَعادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونَ؟ خِيارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا»

''تم خاندانِ عرب کے متعلق پوچھتے ہو؟ ان میں سے جو زمانۂ جاہلیت میں بہتر تھے، وہی اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ وہ دین میں فقاہت حاصل کر لیں۔''[2]

اہل عرب میں قبیلۂ قریش کے لوگ سب سے زیادہ فصیح اللسان اور ذہین و فطین تھے اور معاشرے میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ وہ زندگی کے گوناگوں تجربات سے مالا مال تھے۔ ان کے قبولِ اسلام سے بڑے فائدے حاصل ہونے کی توقع تھی، بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ توقعات بالکل درست تھیں۔[3]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ جب ہم عسفان پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا:

«إِنَّ عُيُونَ الْمُشْرِكِينَ الْآنَ عَلَى ضَجْنَانَ، فَأَيُّكُمْ يَعْرِفُ طَرِيقَ ذَاتِ الْحَنْظَلِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ أَمْسَى: هَلْ مِنْ رَجُلٍ يَنْزِلُ فَيَسْعَى بَيْنَ يَدَيِ الرِّكَابِ؟»

1 السيرة لابن هشام: 3/323، 324. 2 صحيح البخاري: 3353. 3 السيرة النبوية للعمري: 2/438.

''مشرکین کے جاسوس اس وقت ضجنان[1] نامی پہاڑ پر ہیں۔تم میں سے کون ذات الحنظل کا رستہ جانتا ہے؟ پھر جب شام ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کوئی شخص ہے جو سواری سے نیچے اترے اور سواریوں کے آگے آگے چلے؟''

ایک شخص کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں چلتا ہوں۔ وہ اترا تو اس کے پاؤں پتھروں کی رگڑ سے شل ہونے لگے اور کپڑے جھاڑیوں سے الجھ کر پھٹنے لگے۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا: «اِرْكَبْ» ''تم سوار ہو جاؤ۔'' پھر ایک دوسرا شخص اترا۔ جب اس کے پاؤں بھی زخمی ہونے لگے اور کپڑے پھٹنے لگے تو آپ نے اسے بھی فرمایا: «اِرْكَبْ» ''سوار ہو جاؤ۔'' اس کے بعد ہم مطلوبہ رستے پر پہنچ گئے یہاں تک کہ ہم ایک گھاٹی سے گزرے جسے الحنظل کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مَثَلُ هٰذِهِ الثَّنِيَّةِ إِلَّا كَمَثَلِ الْبَابِ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ، قِيلَ لَهُمْ: ﴿ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ﴾ (البقرۃ 58:2) لَا يَجُوزُ أَحَدٌ اللَّيْلَةَ هٰذِهِ الثَّنِيَّةَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ»

''اس گھاٹی کی مثال اس دروازے کی سی ہے جس میں سے بنی اسرائیل داخل ہوئے۔ انھیں یہ حکم دیا گیا: ''تم دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور کہنا: اے اللہ! ہمیں بخش دے، تو ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے۔'' جو شخص بھی آج رات اس گھاٹی سے گزرے گا، اسے ضرور معاف کر دیا جائے گا۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے:

«اَلْكَلِمَةُ الَّتِي عُرِضَتْ عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا، قَالَ: بَابٌ

[1] ضجنان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس کے اور مکہ کے درمیان 25 میل کا فاصلہ ہے۔ [2] كشف الأستار عن زوائد البزار: 222/2.



ضجنان کا پہاڑی علاقہ

بَیْتَ الْمَقْدِسِ، فَدَخَلُوا مِنْ قِبَلِ أَسْتَاهِهِمْ وَقَالُوا: حَبَّةٌ فِي شَعِيرَةٍ"

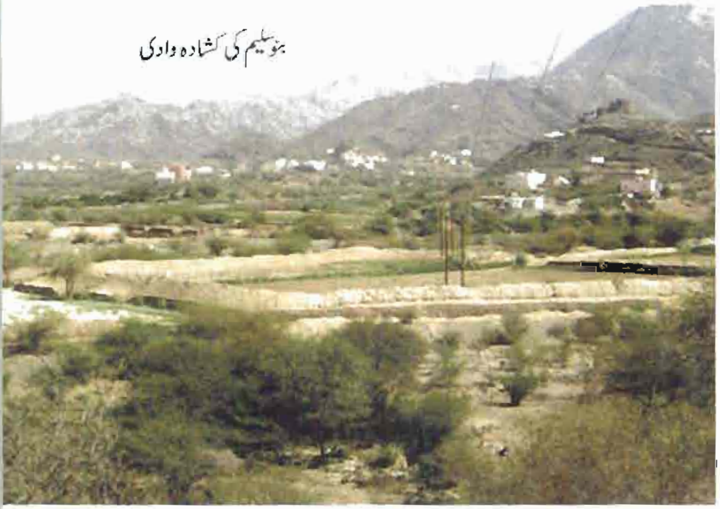
''بنی اسرائیل کو جو تلقین کی گئی تھی وہ یہ تھی: اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اور یہ کہ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ بیت المقدس کا دروازہ تھا۔ وہ لوگ اس میں سرینوں کے بل داخل ہوئے اور دُنیا مانگتے ہوئے کہنے لگے: بالی میں دانہ ہو۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کو جو بات کہنے کی تاکید کی گئی، وہ یہ تھی:

"نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ"

''ہم اللہ سے بخشش طلب کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ جن غیر معروف رستوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ چلے، ان رستوں سے صرف چند دیہاتی واقف تھے۔ آپ ﷺ اور صحابہ کو ان رستوں پر چلتے ہوئے شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ بنوسلیم کے تین آدمی جوان رستوں سے واقف تھے، وہ بھی اس راستے کو پہچاننے میں ناکام ہوگئے۔ حالانکہ وہ کئی بار ان راستوں سے گزر چکے تھے۔ واقدی بیان کرتے ہیں کہ پہلے رہبر بریدہ بن خصیب اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ آپ ﷺ اور صحابہ کو ایک پُر پیچ رستے میں لے گئے۔ وہ اس رستے سے متعدد مرتبہ گزر چکے تھے۔ لیکن وہ تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ پتھروں، جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں یوں الجھ کر رہ گئے گویا وہ اس راستے کو جانتے ہی نہ تھے۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں تو جمعہ کے روز کئی بار اس راستے پر چلا کرتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں حیران و پریشان دیکھا تو آپ ﷺ نے انھیں سوار ہو جانے کو کہا۔ پھر آپ نے پوچھا: ''ذات الحنظل کا رستہ ہمیں کون بتائے گا؟'' تو حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے سواری سے اتر کر کہا: اے اللہ کے رسول! میں بتاؤں گا۔ وہ بھی تھوڑی دور جا کر جھاڑیوں میں کھو گئے، انھیں پتہ ہی نہ چلا کہ کس طرف جانا ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی سوار ہونے کا حکم دیا اور تیسری مرتبہ دریافت فرمایا: ''کون ہے جو ہمیں ذات الحنظل کا رستہ



بنوسلیم کی کشادہ وادی

1 المغازي للواقدي: 79,78/2.

بتائے گا؟'' عمرو بن عبد نُہم اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو رستہ بتاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آؤ اور ہمارے آگے آگے چلو۔'' عمرو رضی اللہ عنہ ان کے آگے آگے چل پڑے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ثنیہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: «هٰذِهٖ ثَنِيَّةُ ذَاتِ الْحَنْظَلِ؟» ''کیا یہ ثنیۃ ذات الحنظل ہے؟'' عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! یہ ثنیہ ذات الحنظل ہے۔ آپ چلتے چلتے اس کی چوٹی پر جا کھڑے ہوئے، پھر اس سے نیچے اترے۔ عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! مجھے اپنی اور ذمہ داری کی فکر تھی (مبادا میں بھی گھاٹی عبور کرانے میں ناکام ہو جاؤں)۔ وہ گھاٹی تسمے کی طرح لمبی تھی، پھر وہ میرے لیے وسیع اور نمایاں ہوگئی۔ اس رات تمام لوگ گھاٹی عبور کرتے ہوئے اس کی وسعت کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ رات اس قدر روشن ہوگئی کہ یوں محسوس ہوا جیسے ہم چاند پر چل رہے ہیں۔

سرخ اونٹ والے منافق کا عبرتناک انجام

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت فرمایا: «مَنْ كَانَ مَعَهُ ثَفَلٌ فَلْيَصْطَنِعْ» ''جس کے پاس زادِ راہ ہو، وہ کھانا تیار کرے۔'' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آٹا موجود تھا اور ہمارا عام زادِ راہ کھجوریں ہوتی تھیں۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم ڈرتے ہیں اگر کھانا تیار کرنے کے لیے آگ جلائی تو مبادا قریش ہمیں دیکھ لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُمْ لَنْ يَرَوْكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ سَيُعِينُكُمْ عَلَيْهِمْ»

''وہ ہرگز تمھیں نہیں دیکھ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف تمھاری مدد کرے گا۔''

پھر جن لوگوں نے کھانا پکانا چاہا، انھوں نے آگ سلگائی اور کھانا پکایا۔ قریب قریب پانچ سو چولہے جلائے گئے۔ صبح ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لِلرَّكْبِ أَجْمَعِينَ إِلَّا رُوَيْكِبًا وَاحِدًا عَلٰى جَمَلٍ أَحْمَرَ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ نے قافلے کے سب آدمیوں کو بخش دیا سوائے سرخ اونٹ والے کے۔''

لوگ اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ اسے لشکر میں تلاش کیا گیا۔ اس کے متعلق یہ سمجھا جا رہا تھا کہ وہ شخص صحابہ میں سے ہے۔ پتہ چلا کہ وہ آدمی سیف البحر کے رہنے والے بنوضمرہ کے سعید بن زید بن عمرو بن نُفیل کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس شخص کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس کا نام جد بن

قیس تھا۔ وہ منافق تھا۔[1] سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو اس شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بتایا گیا تو انھوں نے اس سے کہا: تیرا ستیاناس ہو! جا! فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اپنے لیے استغفار کرا۔ وہ کہنے لگا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار سے زیادہ اپنے اونٹ کی فکر ہے۔ پھر اچانک اس کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ لشکر میں اونٹ تلاش کرنے لگا، پھر سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے آ کر کہنے لگا: اونٹ تمھارے لشکر میں ہے، میرا اونٹ واپس کرو۔ سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ میرے قریب اتنی بڑی مصیبت موجود ہے۔ جاؤ! یہاں سے چلے جاؤ۔ اسے اس قافلے میں اپنا اونٹ نظر نہ آیا تو وہ اپنا اونٹ ڈھونڈنے کے لیے آگے چل دیا۔ وہ سُراوع کے پہاڑوں میں گھوم پھر کر اپنا اونٹ تلاش کر رہا تھا کہ اچانک اس کا جوتا پھسلا اور وہ پہاڑ سے نیچے گر کر مر گیا۔ اسے درندے کھا گئے۔[2]

ایک دوسری روایت میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ يَصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَإِنَّهُ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ»

”جو شخص ثنیۃ المرار کی گھاٹی سے گزرا، اس کے گناہ اس طرح ختم ہوں گے جس طرح بنی اسرائیل کے گناہ ختم ہو جاتے (اگر وہ حکم الٰہی پر عمل کر لیتے)۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سب سے پہلے جو لوگ اس گھاٹی سے گزرے، وہ ہمارے گھڑ سوار بنو خزرج کے لوگ تھے۔ اُن کے بعد پھر دوسرے لوگ گزرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّكُمْ مَغْفُورٌ لَّهُ إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ»

”تم سب بخش دیے گئے، سوائے سرخ اونٹ والے کے۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم اس شخص کے پاس آئے اور اس سے کہا: جلدی آ جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے

[1] شرح النووي على مسلم: 184/17. [2] المغازي للواقدي: 79،78/2.



مکہ مکرمہ کے شمال مغرب میں ثنیۃ المرار

استغفار کراؤ۔ وہ شخص ہماری بات سُن کر کہنے لگا: میں اپنا گم شدہ اونٹ ڈھونڈ لوں، یہ مجھے تمھارے صاحب کے استغفار سے زیادہ پسند ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر وہ اپنے گم شدہ اونٹ کا اعلان کرتا پھر رہا تھا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کا جذبۂ صلہ رحمی

رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے قریب پہنچے۔ قریش کو علم ہوگیا اور وہ بڑے چوکنے ہوگئے، ادھر رسول اللہ ﷺ بھی حدیبیہ کے میدان سے حدودِ حرم کی طرف چل پڑے۔ جب آپ ﷺ ثنیۃ المرار پہنچے تو اسی اثنا میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو رُکنا پڑا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ مسلمان عمرے کی نیت سے آئے ہیں، لہٰذا انھیں جنگ کے الاؤ سے بچایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی فرمانبردار اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اسے چلانے کے لیے چُمکارا اور آگے بڑھنے کے اشارے دیے مگر اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ لوگ کہنے لگے: قصواء اڑ گئی ہے۔ قصواء اَڑ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ، وَلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ»

''قصواء اَڑی نہیں، نہ یہ اس کی عادت ہے۔ بلکہ اسے اس ذات نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ لوگ میرے سامنے جو بھی منصوبہ رکھیں، بشرطیکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کریں تو میں اسے ضرور تسلیم کرلوں گا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اونٹنی کو ڈانٹا، وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی، پھر آپ ﷺ نے مکہ کے رستے میں تھوڑی سی تبدیلی کی اور آگے چلتے رہے یہاں تک کہ اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالا۔ [2]

مذکورہ بالا فرمانِ نبوی سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ ﷺ ہرگز جنگ نہیں چاہتے تھے بلکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرنا چاہتے تھے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ قریش سے آخری امکانی حد تک مذاکرات کے لیے تیار تھے۔

---

[1] صحیح مسلم: 2780. [2] صحیح البخاري: 2732,2731، السیرۃ لابن ہشام: 324/3.

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے کہ اس اونٹنی کو اس ذات نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک بہت مستحسن نتیجہ اخذ کیا ہے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں: ''اس قصے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمومی لحاظ کا اعتبار کر کے تشبیہ دینی جائز ہے اگرچہ اس کا کوئی خاص پہلو مختلف ہی ہو کیونکہ اصحاب الفیل تو کاملاً باطل پر تھے جبکہ اس اونٹنی والے خالصتاً حق پر تھے، لہٰذا اس مثال میں تشبیہ اللہ تعالیٰ کے حرم سے مطلقاً روک دینے کے اعتبار سے ہے۔''[1]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین، اہلِ بدعت، اہلِ فسق، ظالم اور باغی جب کسی ایسے امر کا تقاضا کریں جس میں شعائر اللہ (دین) کا احترام موجود ہو تو ان کی بات بھی تسلیم کرنی چاہیے، ان سے تعاون بھی کرنا چاہیے اور تعاون صرف اس بات میں ہونا چاہیے جس میں حُرمات اللہ کی عظمت پائی جائے، ان کے کفر اور ظلم و زیادتی میں تعاون کی مطلق اجازت نہیں۔[2]

اللہ جل جلالہ کا فیصلہ تھا کہ اس بار مسلمانوں اور مشرکوں میں جنگ کی نوبت ہی نہ آئے کیونکہ اس میں کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں جن کا ظہور بعد میں ہوا، مثلاً:

- مسلمان بزورِ شمشیر داخل ہوتے تو کشت و خون اور فریقین کے جانی اور مالی نقصانات یقینی تھے۔
- یہ خطرہ بھی تھا کہ مکہ مکرمہ میں موجود وہ کمزور مسلمان بھائی بھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جاتے جو اپنی قوم کے ڈر سے اسلام کو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔

یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود تھی کہ یہی لوگ جو آج رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مسجد حرام سے روک رہے ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اسلام کے لیے کھول دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں بہت سے ملک فتح کرائے گا۔ پھر یہی لوگ پیغامِ الٰہی لوگوں تک پہنچائیں گے اور بھٹکے ہوؤں کو صراطِ مستقیم دکھائیں گے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ

مسلمانوں کا قافلہ جب حدیبیہ میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اس صورت حال میں لڑائی سے بچنے کے لیے کفار قریش سے مصالحت اور مذاکرات کرنے کا عندیہ دیا تو رات کے پچھلے پہر ایک غیر آباد کنویں کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ اس کنویں میں بہت تھوڑا پانی تھا۔ گرمی کی شدت اور سفر کی تھکاوٹ کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پانی کے لیے

1 فتح الباري: 412/5. 2 صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 48. 3 صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 45.

ایک دوسرے پر سبقت لے جانے لگے۔ اسی کشمکش میں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی ضرورت کا اظہار کرنے لگے کہ پانی تھوڑا سا ہے، قافلے کے افراد کی تعداد زیادہ ہے اور سب کے سب پیاسے ہیں۔ یہ معروضات سُن کر رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ مسئلہ حل کرنے کی التجا کی اور ترکش سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا کہ وہ اس کنویں میں پانی میں گاڑ آئے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے جونہی آپ ﷺ کے تیر کو چشمے میں گاڑا، اسی وقت پانی اُمڈ آیا اور کنواں پانی سے لبریز ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود بھی جی بھر کے پانی پیا اور اپنے جانوروں کو بھی خوب پلایا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: «اِنْزِلُوا» ''پڑاؤ ڈال دو۔'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس وادی میں تو لوگوں کے لیے پانی بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور صحابہ میں سے ایک آدمی کو دیا۔ وہ ایک کنویں میں اترا اور کنویں کے بیچ میں تیر گاڑ دیا۔ پانی جوش مار کر اُچھل پڑا، پھر لوگ خود بھی سیر ہوئے اور انھوں نے اپنے اونٹوں کو بھی سیراب کیا۔ [1]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں روایت ہے، انھوں نے فرمایا: تم لوگ فتح سے فتح مکہ مراد لیتے ہو، ٹھیک ہے فتح مکہ یقیناً عظیم الشان فتح تھی، لیکن ہم لوگ حدیبیہ کے روز بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں۔ اس دن ہم نبی ﷺ کے ساتھ چودہ سو افراد تھے۔ وہاں حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا۔ ہم نے اس سے اس قدر پانی نکالا کہ اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ چھوڑا۔ جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ کنویں پر تشریف لائے اور اس کے کنارے پر بیٹھ کر ایک برتن میں پانی طلب فرمایا۔ اس سے آپ نے وضو کیا، پھر کلی کی اور دعا کی، پھر بقیہ پانی کنویں میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم نے اس کنویں کو اسی حالت میں رہنے دیا۔ بعدازاں پانی کی ایسی فراوانی ہوئی کہ ہم بھی جی بھر کے سیراب ہوئے اور ہمارے اونٹوں کو بھی خوب سیرابی نصیب ہوئی۔ [2]

صحیح بخاری میں سیدنا مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کی طرف سے رخ پھیرا اور حدیبیہ کے انتہائی آخری حصے میں ایک ندی پر پڑاؤ کیا، اس میں پانی بہت کم تھا۔ لوگ اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لینے لگے اور چند ہی لمحوں میں سارا پانی ختم کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی گئی تو آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ارشاد فرمایا کہ اسے اس پانی میں گاڑ آؤ۔ اللہ کی قسم! تیر گڑتے ہی پانی جوش مار کر اُچھلنے لگا۔ پھر سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ اور واپسی تک ہماری سیرابی

[1] مسند أحمد: 323/4. [2] صحيح البخاري: 4150.

کا یہی حال رہا۔[1]

درج بالا روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تیر گاڑنے کا حکم دیا جبکہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے کنویں میں کلی کی اور دعا کی۔ حافظ محمد حکمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان دونوں روایات میں کوئی اختلاف نہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ دونوں عمل ہوئے ہوں جیسا کہ حافظ ابن حجر اور امام ابن قیم رحمہما اللہ نے اسے جمع کیا ہے۔

بعض روایات میں یہ دونوں باتیں اکٹھی بیان ہوئی ہیں جیسا کہ امام طبرانی نے معجم الکبیر میں جندب بن ناجیہ یا ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ جب ہم ہموار زمین پر پہنچے تو پھر ہم حدیبیہ کے کنویں پر جا نکلے۔ اس میں پانی نہ ہونے کے برابر تھا آپ ﷺ نے اس میں اپنے ترکش کے ایک یا دو تیر گاڑے، پھر اس میں لعاب دہن ڈالا اور دعا کی، پھر تو اس سے پانی ابل پڑا۔ اور کنواں اس حد تک لبریز ہو گیا کہ ہم (آپس میں) کہنے لگے کہ اگر ہم چاہیں تو اپنے ہاتھوں ہی سے پانی بھر لیں (ڈول ڈالنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی)۔[2]

اسی طرح عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ قریش مکہ سے نکلے، وہ بلدح کے مقام پر پانی کے پاس پڑاؤ ڈالنے میں سبقت لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں دیکھا تو آپ نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ شدید گرمی تھی اور وہاں صرف ایک کنواں تھا۔ آپ ﷺ نے جب بڑی تعداد میں پیاسی جماعت کو دیکھا تو آپ کو بڑا ترس آیا۔ آپ نے جانچ پڑتال کے لیے کنویں میں ایک آدمی اتارا۔ پھر آپ ﷺ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا، اس میں وضو کیا، کلی کی اور اسے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا، پھر آپ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اسے کنویں میں گاڑنے کا حکم دیا، پھر اللہ سے دعا کی۔ آپ کی دعا کے بعد کنویں میں پانی اُبل پڑا یہاں تک کہ صحابہ نے منڈیر پر بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے پانی لیا۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا تیر لے کر کنویں میں کون اترا؟

رسول اللہ ﷺ کا تیر لے کر کنویں میں اترنے والے صحابی کے بارے میں اہلِ سیر و مغازی کے مابین اختلاف ہے۔ ابن اسحاق، ابنِ عبدالبر اور دیگر کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا تیر لے کر اترنے والے صحابی ناجیہ بن جندب بن عمیر الاسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔

مجمع الزوائد میں امام طبرانی کے حوالے سے ابن اسحاق سے روایت ہے کہ مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ قبیلہ اسلم کے لوگ کہتے ہیں: جو صحابی رسول اللہ ﷺ کا تیر لے کر کنویں میں اترے، وہ ناجیہ بن جندب بن

1 صحيح البخاري: 2731، 2732. 2 المعجم الكبير للطبراني: 2/179، 180. 3 دلائل النبوة للبيهقي: 4/112.

عمیر بن معمر بن حازم بن عمرو بن واثلہ بن سہم بن مازن بن سلامان بن اسلم بن افصیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ وہی صحابی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانیوں کے جانور اپنی نگرانی میں لے کر گئے تھے۔ [1]

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنو اسلم نے ایسے اشعار سنائے ہیں جو ناجیہ نے کہے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیر لے کر کنویں میں اترے تھے۔ بنو اسلم کا کہنا ہے کہ انصار کی ایک لڑکی اپنا ڈول لیے ہوئے اس کنویں پر آئی۔ ناجیہ اس وقت لوگوں کو پانی بھر بھر کر دے رہے تھے۔ اس لڑکی نے اس وقت یہ اشعار پڑھے:

يَا أَيُّهَا الْمَائِحُ دَلْوِي دُونَكَا ... إِنِّي رَأَيْتُ النَّاسَ يَحْمَدُونَكَا

يُثْنُونَ خَيْرًا وَيُمَجِّدُونَكَا

ابن ہشام کا کہنا ہے کہ یہ الفاظ بھی روایت کیے گئے ہیں:

إِنِّي رَأَيْتُ النَّاسَ يَمْدَحُونَكَا

''اے پانی دینے والے! میرا ڈول بھی لے لو، میں نے دیکھا ہے کہ لوگ تمھاری بڑی تعریف و توصیف کر رہے ہیں۔''

اس کے جواب میں ناجیہ نے لوگوں کو پانی دیتے ہوئے کنویں کے اندر ہی سے یہ شعر پڑھے:

قَدْ عَلِمَتْ جَارِيَةٌ يَمَانِيَهْ ... أَنِّي أَنَا الْمَائِحُ وَاسْمِي نَاجِيَهْ

وَطَعْنَةٍ ذَاتِ رَشَاشٍ وَاهِيَهْ ... طَعَنْتُهَا عِنْدَ صُدُورِ الْعَادِيَهْ

''یمانی لڑکی جانتی ہے کہ میں ہی پانی بھر کر دیتا ہوں اور میرا نام ناجیہ ہے۔ میں نے دشمن کے سینوں میں نیزے کے ایسے کاری وار کیے ہیں جن سے خون کے فوارے اُچھل پڑے۔'' [2]

ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایات میں تذکرہ ملتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیر لے کر کنویں میں اترے تھے جیسا کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیر لے کر کنویں میں اترا۔ سیدنا خالد بن عبادہ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس روز کنویں میں تیر لے کر اترا۔ [3] سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آیا ہے کہ وہ کنویں میں تیر لے کر اترے [4] لیکن واقدی نے زور دے کر ناجیہ بن اعجم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا ہے کہ تیر لے کر وہی اترے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ

[1] مجمع الزوائد: 145/6. [2] السيرة لابن هشام: 325/3. [3] المغازي للواقدي: 82/2. [4] الإصابة: 206/2

ناجیہ بن اعجم کی اولاد میں سے عبدالملک بن وہب اسلمی نے مذکورہ بالا ناجیہ بن جندب سے منسوب اشعار کہے تھے جنھیں ابن اسحاق نے درج کیا ہے۔ اسی طرح وہ ناجیہ بن اعجم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس وقت بلایا جب آپ سے پانی کی قلت کی شکایت کی گئی۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر مجھے دیا اور کنویں سے پانی کا ایک ڈول لانے کا حکم دیا۔ میں ڈول لے کر آیا تو آپ نے وضو فرمایا اور منہ میں پانی بھر کر ڈول میں کلی کر دی، لوگ شدید گرمی میں مبتلا تھے اور کنواں صرف ایک ہی تھا۔ جبکہ مشرکین پہلے ہی سے بلدح کی طرف جا کر پانی پر قابض ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِنْزِلْ بِالْمَاءِ فَصُبَّهُ فِي الْبِئْرِ وَأَثِرْ مَاءَهَا بِالسَّهْمِ»

''پانی لے کر اتر جاؤ، اسے کنویں میں ڈال دو اور اس کے پانی کو تیر کے ذریعے سے حرکت دو۔''

میں نے ایسا ہی کیا، اللہ کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں ابھی کنویں سے باہر نکلنے بھی نہیں پایا تھا کہ پانی نے مجھے ڈھانپ لیا اور ہنڈیا کی طرح ایسا جوش مارا کہ اوپر زمین کی سطح کے برابر آ گیا۔ لوگ اس کے کناروں پر بیٹھ کر پانی لینے لگے یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔ [1]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے صحابہ نے اپنے اپنے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ سے تیر لے کر کنویں میں اترے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان تمام روایات کو جمع کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عین ممکن ہے ان تمام صحابہ نے اس وقت کنویں میں اترنے اور تیر گاڑنے میں باہم ایک دوسرے کی مدد کی ہو۔ [2] واللہ اعلم

اس حوالے سے امام احمد نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کنویں میں چھ حضرات اترے تھے۔ ان میں چھٹا میں تھا۔ [3]

معجزے پر منافقین کے تبصرے

اس موقع پر منافقین نے اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ دیکھا۔ اوس رضی اللہ عنہ، جد بن قیس اور عبداللہ بن ابی کنویں کی منڈیر پر بیٹھ کر کنویں کا پانی دیکھ رہے تھے۔ اس موقع پر اوس بن خولی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سے کہا: اے ابوالحباب! تیرا ستیاناس ہو۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تو اپنے رویوں پر غور کرے؟ کیا اس کھلے معجزے کے بعد بھی کسی چیز کی ضرورت باقی ہے؟ جب ہم اس کنویں پر آئے، اس میں تھوڑا سا پانی تھا، پیالے میں

1 المغازي للواقدي: 2/81. 2 فتح الباري: 5/413. 3 مسند أحمد: 4/292

پانی کا بمشکل ایک گھونٹ آتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ڈول میں وضو کیا اور اپنے منہ سے ڈول میں کلی کر دی، پھر ڈول کنویں میں انڈیل دیا اور تیر لے کر اس میں اترے۔ پھر کنویں میں تیر کو حرکت دی تو پانی نے زبردست جوش مارا۔ ابن ابی کہنے لگا: میں نے اس قسم کے معجزے دیکھ رکھے ہیں۔ اوس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تیرا اور تیری سوچ کا ستیاناس کرے۔

ابن سلول کی پریشانی

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ عبداللہ بن ابی نے آپ ﷺ کے اس معجزے کو تسلیم نہیں کیا کہ برائے نام پانی والا کنواں کس طرح پانی کی موجوں سے لبریز ہوگیا۔ آپ ﷺ کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ عبداللہ بن ابی نے تھوڑی دیر پہلے سیدنا اوس بن خولی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں استہزا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن سلول کو بلایا اور فرمایا:

«أَيْ أَبَا الْحُبَابِ! أَيْنَ رَأَيْتَ مِثْلَ مَا رَأَيْتَ الْيَوْمَ؟»

''اے ابوالحباب! جیسا معجزہ تو نے آج دیکھا ہے، اس جیسا معجزہ اور کہاں دیکھا ہے؟''

اس نے جواب دیا: میں نے اس جیسا معجزہ کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَلِمَ قُلْتَ مَا قُلْتَ؟» ''پھر تو نے جو کچھ کہا، وہ کیوں کہا؟'' ابن ابی کہنے لگا: میں اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں معافی چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ابن سلول کے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! اس کے لیے استغفار کیجیے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے لیے استغفار کیا۔[1]

منافق جد بن قیس کی سرداری کا لعدم

جد بن قیس اپنی قوم انصار کا سردار تھا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں سے بغض و عناد اور منافقت میں ابن ابی سے کم نہ تھا۔ ہر چند بظاہر وہ عمرے ہی کے لیے نکلا تھا لیکن درحقیقت وہ محض اس لیے آیا تھا کہ لوگوں کو ورغلائے، انھیں آپ ﷺ کی مدد کرنے سے روکے اور مسلمانوں کی صفوں میں فتنہ برپا کرے۔ واقدی نے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ جب ہم نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالا تو پانی بہت ہی کم تھا، اس وقت میں نے جد بن قیس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارا نکلنا بے فائدہ ہے بلکہ ہم تو پیاسے ہی مر جائیں گے۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جد بن قیس سے کہا: ابوعبداللہ! اگر تو ایسی ہی بات کرنا چاہتا تھا تو پھر تو کیوں نکلا؟ اس نے

1 المغازي للواقدي: 2/81، 82.

جواب دیا: میں اپنی قوم کے ساتھ نکلا تھا۔ میں نے کہا: کیا تو عمرے کے لیے نہیں نکلا؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے احرام باندھا نہ میں عمرے کے لیے نکلا ہوں۔ ابوقتادہ نے پوچھا: کیا تو نے عمرے کی نیت نہیں کی؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔

پھر جب رسول اللہ ﷺ نے ڈول سے وضو کیا اور اس میں کلی کی، پھر اسے کنویں میں انڈیل دیا تو کنواں یکا یک پانی سے لبالب بھر گیا۔ ابوقتادہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ جد بن قیس کنویں کی منڈیر پر بیٹھا ہے اور اس نے اپنی ٹانگیں پانی میں لٹکا رکھی ہیں۔ میں نے کہا: اے ابوعبداللہ! تمھاری پیاس سے مرجانے والی بات کا کیا بنا؟ اس نے جواب دیا: میں تو مذاق کر رہا تھا۔ میں جس بات کا تذکرہ کر رہا تھا، وہ محمد ﷺ کو ہرگز نہ بتانا۔ میں نے کہا: میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی تیری بے ہودہ باتیں بتا دی ہیں۔ یہ سُن کر جد بن قیس غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: ہمیں اپنی قوم کے بچوں سے واسطہ پڑ گیا ہے جو ہماری منزلت جانتے ہیں نہ ہماری عمر کا لحاظ کرتے ہیں۔ آج زمین کا اندرونی حصہ اس کے بیرونی حصے سے بہتر ہے۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے جد بن قیس کی یہ بات بھی رسول اللہ ﷺ کو بتا دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِبْنُهُ خَيْرٌ مِّنْهُ"

''اس کا بیٹا اس سے بہتر ہے۔''



علاقہ بنوسلمہ کا نیا منظر

ابوقتادہ کہتے ہیں کہ پھر میری قوم کے چند لوگ مجھ سے ملے۔ وہ مجھے اس بات پر ملامت کرنے لگے کہ تم نے جد بن قیس کی باتیں رسول اللہ ﷺ کو کیوں بتائی ہیں۔ میں نے کہا: تم بدترین لوگ ہو۔ تم جد بن قیس کو ملامت کرنے کے بجائے اس کا دفاع کرتے ہو۔ وہ کہنے لگے: اس لیے کہ وہ ہمارا سردار ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اُسے بنوسلمہ کی سرداری سے برطرف کر دیا ہے اور اس کی جگہ بشر بن براء بن معرور کو ہمارا سردار بنا دیا ہے۔ وہی قیامت تک ہمارے سردار ہیں۔[1]

1 [illegible]: 83.82/2

سیدنا بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ بنوسلمہ کے فرد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بنوسلمہ سے پوچھا:

«مَنْ سَيِّدُكُمْ يَا بَنِي سَلِمَةَ؟»

''اے بنوسلمہ! تمھارا سردار کون ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ہمارا سردار جد بن قیس ہے مگر ہم نے اسے بخیل پایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوَى مِنَ الْبُخْلِ؟ بَلْ سَيِّدُكُمْ بِشْرُ بْنُ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُورٍ»

''کیا بخل سے بڑھ کر مہلک بیماری بھی کوئی ہے؟ تمھارا سردار بشر بن براء بن معرور ہے۔''[1]

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بنوسلمہ کے سردار عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہی الفاظ فرمائے تھے۔ اس کی مکمل تفصیل سیرت انسائیکلوپیڈیا: 177/6 میں گزر چکی ہے۔

خیبر کے بعد ایک یہودی عورت نے زہر آلود بھنی ہوئی بکری سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تھی۔ اسی بکری کا گوشت کھانے سے بشر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر بنوسلمہ کے لوگوں کو بتا رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس کے بجائے بشر رضی اللہ عنہ کو ہمارا سردار مقرر فرمایا ہے، وہی قیامت تک ہمارے سردار ہیں، چونکہ سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ عین ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہو اور وہ شہید ہو گئے ہوں۔ یوں جد بن قیس پھر سردار بن گیا ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ کو بنوسلمہ کا سردار بنا دیا ہو۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عمرو اور بسر کے ہدیے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ پہنچنے کے بعد حدیبیہ کے قریب رہنے والے بنوخزاعہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دوستی اور محبت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بنوخزاعہ سے بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ نے، جو قافلے کے ہمراہ تھے، یہاں اپنے علاقے میں پہنچ کر مسلمانوں کو اونٹ اور بکریاں بطور ہدیہ پیش کیں۔ عمرو بن سالم نے بھی یہ جانور تحفے کے طور پر پیش کیے۔ وہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ انھوں نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو اونٹ ہدیہ کیے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ وہ اونٹ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے جو عمرو بن سالم نے ہدیہ کیے تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے کہ یہ اونٹ عمرو نے مجھے ہدیہ کیے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] المستدرك للحاكم: 219/3، المعجم الكبير للطبراني: 35/2. [2] دیکھیے: عمدة القاري: 159/13، 160.

«وَعَمْرٌو قَدْ أَهْدٰى لَنَا مَا تَرٰى، فَبَارَكَ اللّٰهُ فِي عَمْرٍو»

"جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، یہ بھی عمرو نے ہمیں ہدیہ دیا ہے، اللہ تعالیٰ عمرو کو برکت عطا فرمائے۔"

پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اونٹوں کو نحر کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا جائے، اسی طرح آپ نے بکریاں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیں۔[1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے۔ جس طرح دوسرے لوگوں میں اونٹ کا گوشت تقسیم ہوا، اسی طرح ہمارے پاس بھی گوشت کا حصہ آیا۔ ہمیں بکریوں میں سے بھی حصہ ملا۔ یہ ہدیہ لانے والا ایک لڑکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس لڑکے نے بوسیدہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا:

«يَا غُلَامُ! أَيْنَ تَرَكْتَ أَهْلَكَ؟»

"اے نوجوان! تیرے گھر والے کہاں ہیں؟"


ثمام گھاس


اذخر گھاس

وہ کہنے لگا: میں نے انھیں ضجنان کے گرد و نواح میں چھوڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كَيْفَ تَرَكْتَ الْبِلَادَ؟» "تو نے اس علاقے کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟" وہ کہنے لگا: اس حالت میں چھوڑا ہے کہ اس کے خاردار درختوں کے پتے نکلے ہوئے ہیں۔ اذخر گھاس خوب اُگی ہوئی ہے، ثمام گھاس بھی اُگ چکی ہے۔ ترش پودے بھی اُگے ہوئے ہیں۔ زمین تر ہو چکی ہے۔ اونٹ اور بکریاں رات کو واپس آتی ہیں تو سیر ہو کر آتی ہیں۔ زمین میں پانی بہت ہے، جہاں مویشی چرنے جاتے ہیں، وہاں زمین کی قدرتی رطوبت کی وجہ سے مویشیوں کو پانی کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اس نوجوان کی خوش بیانی سے خوشگوار حیرت ہوئی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ

1 المغازي للواقدي: 84,83/2، سبل الهدى والرشاد: 42/5.

اس نوجوان کو بہترین پوشاک دی جائے۔ چنانچہ اسے بہترین پوشاک پہنا دی گئی۔ نوجوان نے آپ ﷺ سے عرض کیا: میں آپ کے ہاتھ کو چھو کر برکت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ! وہ قریب ہوگیا۔ اس نے آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر چوما۔ آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: "بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ!" ''اللہ تجھے برکت دے۔'' چنانچہ وہ نوجوان لمبی عمر کو پہنچا اور اپنی قوم میں نہایت برگزیدہ ہوا یہاں تک کہ وہ ولید بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں فوت ہوا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے قریش کو اپنی تشریف آوری کی اطلاع بھیجی

حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے رواج کے مطابق قریش مکہ کو اطلاع دی کہ ہم بیت اللہ کا طواف کرنے آئے ہیں، جنگ کے لیے ہرگز نہیں آئے، نہ عمرے کے علاوہ ہمارا کوئی اور مقصد ہے۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد ہم مدینہ واپس چلے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے قریش کو یہ پیغام پہنچانے کے لیے سیدنا خراش بن امیہ الکعبی رضی اللہ عنہ کو اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر روانہ فرمایا۔ سیدنا خراش رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ قریش کو جنگ ترک کرنے پر رضامند کرنے کی کوشش کرو تاکہ وہ ایسی تباہ کن جنگ کا باعث نہ بنیں جس کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ وہ ہمارا اور بیت اللہ کا راستہ چھوڑ دیں اور ہمیں مناسک ادا کرنے دیں۔ خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ بنوخزاعہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بلدح کی جانب روانہ ہوئے جہاں کفارِ قریش نے اپنے بال بچوں سمیت ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ خراش رضی اللہ عنہ ابھی قریش کے پڑاؤ تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ درمیان میں قریش کے چند جذباتی نوجوانوں نے خراش کو روک کر ان پر حملہ کر دیا اور جس اونٹ پر وہ سوار تھے، اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر انھوں نے خراش رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو قریش کے چند عقلمند لوگوں نے انھیں قتل ہونے سے بچایا۔ خراش رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کرنے والوں میں عکرمہ بن ابوجہل پیش پیش تھا۔[2]

واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کی طرف سب سے پہلے ثعلب نامی اپنے اونٹ پر خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تاکہ وہ قریش کے اشراف تک یہ بات پہنچا دیں کہ آپ کس غرض کے لیے آئے ہیں اور ان پر واضح کر دیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم محض عمرے کے لیے آئے ہیں، ہمارے پاس قربانی کے جانور بھی ہیں، ہم بیت اللہ کے طواف کے بعد حلال ہو جائیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔ خراش رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو عکرمہ بن ابوجہل نے آپ ﷺ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور ایلچی کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی قوم

[1] المغازي للواقدي: 2/84. [2] موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1/818، 819.

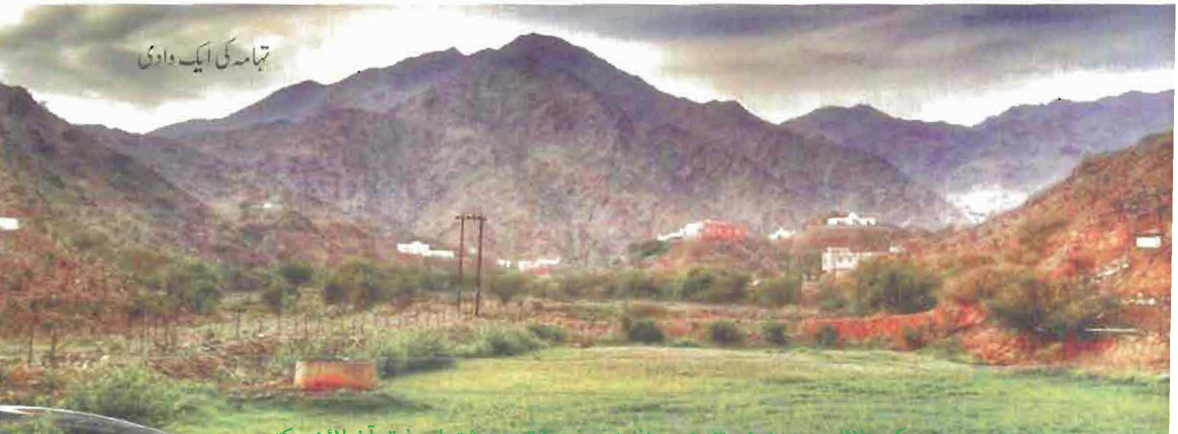
کے کچھ لوگوں نے اسے منع کیا۔اس ایلچی نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو سارا ماجرا سنا دیا اور گزارش کی کہ ان لوگوں کے پاس مجھ سے زیادہ دبنگ آدمی بھیجے۔[1]

رسول اللہ ﷺ اور قریش کے مابین سفارتی سرگرمیاں

قبیلۂ خزاعہ کو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اطلاع ملی کہ آپ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔انھیں یہ بھی اطلاع مل گئی کہ قریش کے کیا ارادے ہیں۔ وہ جان گئے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں آنے سے روکنے کا عزم مصمم کرلیا ہے۔ ہر چند خزاعہ کے لوگ مسلمان نہیں تھے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ ان کا مسلمانوں کے ساتھ عدم جارحیت کا معاہدہ بھی تھا۔خزاعہ کے سردار کو جب اس صورت حال کا پتہ چلا تو وہ اپنی مساعی حمیدہ کو بروئے کار لانے کے لیے آیا تا کہ فریقین کے مابین صلح کا نمائندہ بن جائے۔ خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء مسلمانوں اور قریش کے معاملے میں غیر جانبدار رہنا چاہتا تھا۔لیکن وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ مسلمان جس حالت میں آئے ہیں، اس حالت میں قریش ان سے تعرض نہ کریں۔انھیں بیت اللہ کا عمرہ کرنے دیں۔قریش کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے بال بچوں سمیت لڑائی کے لیے مکہ سے باہر آگئے تھے اور اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے، اسی مقصد کے لیے انھوں نے خالد بن ولید کو گھڑ سواروں کے ساتھ آگے بھیج دیا تھا۔

بدیل بن ورقاء خزاعی قوم کے چند آدمی لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ اور تہامہ کے بااعتماد لوگوں میں سے تھے۔ اس نے کہا: میں نے کعب بن لؤی اور عامر بن لؤی کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ حدیبیہ کے عمیق چشموں پر فروکش ہیں اور ان کے ساتھ دودھ دینے والی اونٹنیاں ہیں، وہ

1 المغازي للواقدي: 2/89


تہامہ کی ایک وادی

لوگ آپ سے جنگ کرنا اور آپ کو بیت اللہ آنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا لَمْ نَجِئْ لِقِتَالِ أَحَدٍ، وَلٰكِنَّا جِئْنَا مُعْتَمِرِينَ، وَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ نَهِكَتْهُمُ الْحَرْبُ، وَأَضَرَّتْ بِهِمْ، فَإِنْ شَاءُوا مَادَدْتُهُمْ مُدَّةً، وَيُخَلُّوا بَيْنِي وَبَيْنَ النَّاسِ، فَإِنْ أَظْهَرْ فَإِنْ شَاءُوا أَنْ يَدْخُلُوا فِيمَا دَخَلَ فِيهِ النَّاسُ فَعَلُوا، وَإِلَّا فَقَدْ جَمُّوا، وَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأُقَاتِلَنَّهُمْ عَلٰى أَمْرِي هٰذَا حَتّٰى تَنْفَرِدَ سَالِفَتِي، وَلَيُنْفِذَنَّ اللّٰهُ أَمْرَهُ»

’’ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے۔ صرف عمرہ کرنے آئے ہیں، بے شک قریش کو لڑائی نے کمزور کر دیا ہے اور انھیں بہت نقصان پہنچایا ہے، لہٰذا اگر وہ چاہیں تو میں ان سے ایک مدت طے کر لیتا ہوں، وہ اس مدت میں میرے اور دوسرے لوگوں کے مابین حائل نہ ہوں، (اگر اس دوران میں کوئی مجھ پر غالب آ جائے تو یہ ان کی مراد ہے اور) اگر میں غلبہ پالوں، پھر وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں جس میں اور لوگ داخل ہو گئے ہیں ورنہ وہ مزید چند روز آرام کر لیں گے۔ اگر وہ یہ بات نہ مانیں تو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تو اس دین کے لیے ان سے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ میری گردن کٹ جائے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کو ضرور نافذ کر کے رہے گا۔‘‘[1]

مشرکین مکہ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی صلح اور عدم جنگ کی اعلیٰ ترین سیاسی پیشکش کئی اہم مقاصد پر منتج ہوئی، مثلاً:

1 قریش سے صلح کا مطلب انھیں جزیرۃ العرب میں واقع ہونے والے کسی بھی معرکے سے الگ تھلگ کر دینا تھا، خواہ وہ قریش کے علاوہ دیگر عربی قبائل کے ساتھ ہو یا دغا باز اور گھٹیا دشمن یہود کے ساتھ ہو۔ یہود تو مسلمانوں کے لیے ہر وقت کسی مشکل گھڑی کے منتظر رہتے تھے۔

2 رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ ہمارے اور قریش کے مابین بات چیت کا دروازہ کھلا ہی رہے تاکہ سفارت اور خط کتابت کے ذریعے سے ایک دوسرے کی بات سنتے سناتے رہیں۔ دلوں کو قریب کرنا اور فضا پر امن رکھنا بھی مطلوب و مقصود تھا۔ آپ ﷺ جنگ کی فضا کو ہموار سطح پر لانا اور جنگ کی طرف ان کی پیش قدمی کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

3 رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ خزاعہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان کا حلیف طاقتور ہے، لہٰذا اسلام سے قبل

[1] صحيح البخاري: 2732،2731۔

بنوہاشم کے ساتھ طے پانے والے معاہدے پر انھیں اعتماد کرنا چاہیے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ معاہدہ بحال رہا اور ختم ہونے کے بجائے مزید پختہ ہوا۔

4 اہلِ عقل و دانش اور صاحبِ ضمیر لوگ جب رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنیں گے کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور مشرک اس قدر سفاک ہیں کہ انھیں بیت اللہ کی زیارت جیسی مقدس عبادت بھی نہیں کرنے دے رہے اور انھیں واپس چلے جانے پر مجبور کر رہے ہیں، اس کے باوجود وہ بیت اللہ کی زیارت پر مصر ہیں تو یہ اہل دانش آپ ﷺ کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ ﷺ کے لیے نرم گوشہ رکھیں گے جس کے نتیجے میں آپ کا موقف طاقتور اور قریش کا موقف کمزور ہوتا چلا جائے گا۔

5 مشرکینِ مکہ بدیل کی بات چیت سے مطمئن نہ ہوئے۔ انھیں آپ ﷺ کے حق میں خزاعہ کے ہمدردانہ جذبات کا علم تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ خزاعہ کی حمایت مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

6 رسول اللہ ﷺ نے بدیل بن ورقاء کو جو جواب دیا، اس کا یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اطاعت گزاری یا اس تک پہنچنے کے لیے نرم پہلو اختیار کرنا چاہیے، خواہ ایسا کرنا ضروری نہ ہو۔ آپ ﷺ نے انھیں بڑے کریمانہ اسلوب سے جواب دیا اور اپنی طبعی خوش خلقی کی بنا پر اس ناراضی کا اظہار نہ ہونے دیا جو دل میں موجود تھی کیونکہ جس نیکی کی بجا آوری کے لیے آپ ﷺ گھر سے نکلے تھے، اس طرح اس تک پہنچنے کی امید کی جا سکتی تھی۔[1]

بدیل کی مشرکین مکہ سے گفتگو

واقدی بیان کرتے ہیں کہ بدیل نے رسول اللہ ﷺ کی بات نہایت غور سے سنی اور پھر اپنے سواروں سمیت قریش کی جانب روانہ ہوگیا۔ ان سواروں میں عمرو بن سالم بھی تھا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! جو شخص اس قسم کی پیشکش کرتا ہے، تم اس کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

جب وہ قریش کے قریب پہنچے تو بدیل کے پہنچنے سے پہلے ہی لوگوں نے کہنا شروع کر دیا: یہ بدیل اور اس کے ساتھی ہیں۔ یہ تمھارے حالات دریافت کرنے آئے ہیں، اس لیے ان سے ایک حرف بھی نہ پوچھو۔ جب بدیل اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ قریش ان سے کوئی بات ہی نہیں پوچھ رہے تو بدیل نے کہا: ہم محمد ﷺ کے پاس سے آئے ہیں۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ہم تمھیں کوئی بات بتائیں؟ عکرمہ بن ابوجہل اور حکم بن عاص کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہمیں چنداں ضرورت نہیں کہ تم ہمیں ان کی کوئی بات بتاؤ لیکن ان (محمد ﷺ) کو ہماری طرف سے خبردار کر دو

1 صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 68,67.

کہ ہم سب فنا ہو جائیں گے مگر انھیں اس سال یہاں نہیں آنے دیں گے۔

عروہ بن مسعود جو بنو ثقیف کا سردار اور قریش کا حلیف تھا اور جنگ کی امکانی صورت میں اہل مکہ کی مدد کرنے آیا تھا، اس نے اس موقعے پر قریش کے نوجوانوں کی بات کا برا منایا اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے تو آج جیسی حیران کن بات کبھی نہیں دیکھی۔ تم بدیل اور اس کے ساتھیوں سے بات کیوں نہیں سنتے؟ اگر تمھیں کوئی بات اچھی لگے تو اسے قبول کرلو، اگر بری لگے تو اسے چھوڑ دو۔ تم جیسا سلوک کرنے والی قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ مکہ کے دانشور اور اشراف جن میں حارث بن ہشام اور صفوان بن امیہ بھی تھے، عروہ بن مسعود کا مشورہ قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ انھوں نے نوجوانوں کو خاموش کرایا اور بدیل بن ورقاء اور اس کے وفد کے آدمیوں سے کہا: تم نے جو کچھ دیکھا یا سنا ہے، ہمیں بتاؤ۔[1]

بدیل نے کہا: تم لوگ جلد باز ہو۔ محمد ﷺ لڑائی کے لیے نہیں آئے۔ وہ محض عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں اور تم لوگوں سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔[2] بدیل نے انھیں وہ تمام باتیں بتادیں جو رسول اللہ ﷺ نے اس سے ارشاد فرمائی تھیں۔ اس میں یہ پیشکش بھی تھی کہ فریقین میں معینہ مدت تک صلح ہو جائے اور اس مدت کا آغاز مسلمانوں کو مناسک عمرہ کی ادائیگی کی اجازت دینے سے ہوگا۔ اس دوران اگر رسول اللہ ﷺ دیگر بت پرست عناصر سے جنگ کریں تو قریش غیر جانب دار رہیں۔ اگر محمد ﷺ عربوں پر غالب آگئے تو قریش بھی عربوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اگر غالب نہ آئے تو قریش مسلمانوں سے جنگ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

مکرز بن حفص بارگاہ رسالت میں

اس کے بعد مکرز بن حفص نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں ان (محمد ﷺ) کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ قریش نے مکرز بن حفص بن اخیف کو بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے آتے دیکھ کر فرمایا:

«هٰذَا رَجُلٌ غَادِرٌ»

''یہ ایک دھوکے باز شخص ہے۔''

یہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور باتیں کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی وہی جواب دیا جو بدیل اور اس کے ساتھیوں کو دیا۔ پھر وہ واپس چلا گیا اور قریش کو ساری بات بتلائی۔[3]

[1] المغازي للواقدي: 85,84/2. [2] مسند أحمد: 323/4. [3] السيرة لابن هشام: 326/3

عروہ بن مسعود نبی ﷺ کی خدمت میں

اس دوران عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: ''اے میری قوم! کیا تم میری اولاد کے درجے میں نہیں ہو؟ کیا میں تمھارے نزدیک باپ کی حیثیت نہیں رکھتا؟'' انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' عروہ کہنے لگا: ''کیا تم مجھ پر کوئی الزام لگاتے ہو؟'' قریش کہنے لگے: ''نہیں۔'' عروہ نے کہا: ''کیا تم جانتے نہیں کہ میں نے اہل عکاظ کو تمھاری مدد کے لیے بلایا۔ انھوں نے جب میری بات نہیں مانی تو میں اپنے بیوی بچوں اور پیروکاروں کو ساتھ لے کر تمھارے پاس آ گیا۔'' قریش نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' اس نے کہا: ''اس شخص (بدیل) نے تمھارے سامنے اچھی تجویز رکھی ہے، اسے قبول کرلو اور مجھے ان کے پاس جانے دو۔'' قریش نے کہا: ''ٹھیک ہے آپ جائیں۔'' چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی وہی گفتگو فرمائی جو بدیل سے کی تھی۔

عروہ نے کہا: ''اے محمد (ﷺ!) یہ بتائیے کہ اگر آپ نے اپنی قوم کا صفایا بھی کر دیا تو کیا آپ نے اب سے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا ہو۔ اور اگر دوسری صورت پیش آئی تو اللہ کی قسم! میں قابلِ اعتماد چہرے نہیں دیکھ رہا۔ میں تو ایسے اوباش لوگ دیکھ رہا ہوں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔''



سوق عکاظ کی چٹان پر امرؤالقیس کا شعر

اس کی یہ لغو بات سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شدید غصہ آیا۔ اُن سے رہا نہ گیا۔ ان کی ایمانی غیرت نے جوش مارا۔ انھوں نے بڑی بلند آہنگی سے عروہ سے کہا: ''جا! لات کی شرمگاہ چوس! کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟''

عروہ نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''یہ ابوبکر ہیں۔'' اس نے انھیں مخاطب کر کے کہا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمھارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا تو یقیناً میں تمھاری اس بات کا جواب دیتا۔'' [1]

1 صحيح البخاري: 2732،2731.

عروہ نے مسلمانوں پر نفسیاتی حربے آزمانے کی کوشش کی تاکہ انھیں نفسیاتی طور پر شکست دے دے، اسی لیے وہ خوب بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا رہا۔ اس نے قریش کی جنگی قوت، ان کا موقف اور جنگی تیاری کا حال نہایت مبالغہ آرائی سے بیان کیا اور قریش کو فائدہ پہنچانا چاہا۔

اس تدبیر سے اس نے نفسیاتی طور پر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے اور سالارِ اعلیٰ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے علاوہ مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کرنا چاہیں تاکہ ان کے ارادے کو پسپا کر دیا جائے اور خیالات پر برا اثر ڈالا جائے۔ مذاکرات کے دوران مسلمانوں کے خلاف نفسیاتی جنگ کے جو مختلف انداز اختیار کیے گئے، یہ ان میں موثر ترین حربہ تھا۔[1] مگر یہ تمام حربے مسلمانوں کے گہرے ایمان، استقامت اور مضبوط صف بندی کے آگے بے کار ثابت ہوئے۔

عروہ بن مسعود سے مذاکرات کے دوران مسلمانوں کے امتیازی اوصاف سامنے آئے، ان میں سے انتہائی تعجب خیز واقعہ وہ تھا جو اصحابِ رسول کی قوتِ ایمانی کی دلیل کے طور پر سامنے آیا۔ اور واضح ہوا کہ دینِ اسلام میں ایک عام عربی بدو کو فضیلت کا حامل اور اخلاقی معراج پر پہنچانے کی کتنی زبردست قدرت و طاقت موجود ہے۔

عروہ بن مسعود سے مذاکرات کے دوران آپ ﷺ کی حفاظت پر جو حضرات مامور تھے، ان میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ[2] بھی تھے جو عروہ بن مسعود ہی کے بھتیجے تھے۔

مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے مغیرہ بن شعبہ ایک ڈاکو اور شراب نوشی کے رسیا نوجوان تھے۔ اسلام سے وابستگی نے ان کی کایا پلٹ دی اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ ایک ممتاز مومن بن چکے تھے۔ جنگ کے بادلوں سے اٹی ہوئی فضا میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری کا امتحان ان پر آ گیا۔ مذاکرات کے دوران جاہلیت کی عادت کے مطابق فریق مخالف اپنے ہم منصب کی داڑھی ہاتھ میں لے لیتا تھا۔ اسی عادت کے زیر اثر عروہ بن مسعود بھی گفتگو کے دوران رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کو پکڑنے لگا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ چہرے پر خود چڑھائے رسول گرامی ﷺ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ انھیں یہ حرکت دیکھ کر بڑا طیش آیا، انھوں نے اپنے چچا کو سختی سے ڈانٹ دیا اور اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارتے ہوئے کہا:

”خبردار! رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک سے اپنا ہاتھ ہٹا لے ورنہ یہ ہاتھ واپس نہیں آئے گا۔“

[1] سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حدیبیہ سے قبل اسلام لائے اور حدیبیہ میں شامل ہوئے۔ یوں بیعت رضوان میں بھی شرکت کی۔ جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔ جنگ قادسیہ میں رستم کی طرف، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ایلچی کی حیثیت سے جانے والے یہی تھے۔ (الإصابة: 3/452) [2] منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص: 132،131.

نبی مکرم ﷺ مشرک چچا اور مومن بھتیجے کے معاملے پر تبسم فرما رہے تھے چونکہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اپنے جنگی لباس میں ملبوس تلوار سونتے، زرہ لگائے اور خود چڑھائے کھڑے تھے، اس لیے عروہ نے انھیں نہیں پہچانا۔ عروہ نے غصے سے کہا: ''کاش! مجھے پتا چل جائے کہ تم کون ہو؟'' اس نے پوچھا: ''اے محمد (ﷺ)! یہ کون ہے؟'' رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا ابْنُ أَخِيكَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ»

''یہ تمھارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔''

یہ ارشاد سنتے ہی عروہ نے حضرت مغیرہ سے کہا: ''او بدعہد! تو ....؟ تو نے ثقیف قبیلے سے ہمارے لیے دائمی لڑائی کھڑی کر دی ہے۔ اللہ کی قسم! ابھی کل ہی میں نے تیری خباثت دھوئی ہے۔''

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ جاہلیت میں مغیرہ کچھ لوگوں کے ساتھ تھے، وہ انھیں قتل کر کے ان کا مال لے بھاگے اور مسلمان ہو گئے۔ اس پر نبی ﷺ نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ میں تمھارے اسلام کو تو قبول کر لیتا ہوں لیکن تمھارے مال کے معاملے سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

عروہ کی واپسی

عروہ مذاکرات میں ناکام رہا مگر واپسی پر اس نے قریش کو مسلح تصادم سے ڈرایا اور کہنے لگا:



جامع مغیرہ بن شعبہ (عمان، اردن)

''اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے دربار میں بھی وفد لے کر گیا ہوں اور قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی جا چکا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو اس قدر صاحب عظمت نہیں پایا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد (ﷺ) کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! وہ تھوکتے بھی تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص ان کے لعاب دہن کو اپنے جسم پر مل لیتا تھا۔ وہ اگر انھیں کوئی حکم دیتے تو ہر شخص

اسے بجا لانے میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرتا۔ جب وہ وضو کرتے تو ہر شخص وضو کا پانی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ جب گفتگو کرتے تو سب پر خاموشی چھا جاتی۔ ان کے دلوں میں آپ کی تعظیم کا یہ عالم تھا کہ آپ کو نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ انھوں نے تمھارے سامنے ایک بھلی صورت رکھی ہے، تم اسے قبول کرلو۔''[1]

واقدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ عروہ نے کہا: ''میں نے ان کا صحیح صحیح اندازہ لگا لیا ہے۔ یقین جانو! اگر تم لڑنا چاہتے ہو تو وہ اس سے بھی پس و پیش نہیں کریں گے بلکہ لڑائی کا حق ادا کر دیں گے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ ان کے ساتھ چاہے کچھ بھی ہو جائے، انھیں پروا تک نہیں، لیکن وہ اپنے صاحب (محمد ﷺ) کی حفاظت کے لیے سربکف ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے ان کے ساتھ ایسی جماعتیں دیکھی ہیں جو کسی صورت محمد (ﷺ) کو نہیں چھوڑ سکتیں۔ کوئی مستحکم رائے قائم کرو اور کمزور آراء سے بچو۔ لوگو! ان کے ساتھ معاملہ طے کرلو۔ انھوں نے جو پیشکش کی ہے، قبول کرو۔ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔ یاد رکھو! مجھے ڈر ہے کہ اس کے خلاف تمھیں (غیبی) امداد بھی میسر نہ ہوگی کیونکہ وہ بیت اللہ کی تعظیم کی غرض سے آئے ہیں۔ ان کے ساتھ قربانیاں ہیں جنھیں وہ ذبح کریں گے اور واپس چلے جائیں گے۔'' یہ سن کر قریش نے کہا: ''اے ابو یعفور! ایسی باتیں مت کرو۔ کوئی اور یہ باتیں کرتا تو ہم اسے ملامت کرتے۔ اس سال ہم انھیں بیت اللہ میں نہیں آنے دیں گے۔ انھیں واپس بھیج دیں گے۔ وہ آئندہ سال آ جائیں۔''[2]

اب نفسیاتی جنگ مسلمانوں کے بجائے قریش پر مسلط ہوگئی۔ عروہ نے جن حالات کی عکاسی کی، وہ بالکل صحیح تھی۔ اس نے حدیبیہ میں مسلمانوں کی جو کیفیت دیکھی، کھول کر بیان کر دی کہ وہ اپنے پیغمبر ﷺ کی بے حد تعظیم کرتے ہیں اور اپنے پیغمبر سے انھیں بے پناہ محبت ہے۔ وہ ان کے دفاع کے لیے خوب قربانی دینے والے ہیں اور وہ نفسیاتی برتری کے حامل ہیں۔ ان کی جنگی اور نفسیاتی تیاری بیان سے باہر ہے۔ گویا عروہ کی باتوں میں قریش کے لیے براہ راست تنبیہ تھی کہ وہ جلد بازی نہ کریں، نبی ﷺ سے جنگ مول نہ لیں۔ عین ممکن ہے کہ جنگ کے نتائج مسلمانوں کے حق میں نکلیں۔

عروہ کی باتوں نے قریش کی قیادت کو پریشان کر دیا۔ وہ معاملے کی سنگینی کا اس حد تک اندازہ ہی نہیں لگا سکے تھے۔ قریشی قیادت پر ثقیف کے سردار کا ایک ایک لفظ بجلی بن کر گر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے تائید یافتہ تھے۔ اس کا اثر عروہ بن مسعود پر بھی پڑا جس سے قریشی لشکر میں پھوٹ پڑنے لگی۔ اور قریشی لشکر یکجا، مضبوط، خود دار اور حق کی علمبردار جماعت کے بالمقابل اپنے لیے جائے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ یوں نبی ﷺ کے خلاف عرب کو اکٹھا کرنے کا جواز خود بخود ختم ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکمت و بصیرت سے بڑی کامیابی حاصل کی۔ آپ ﷺ نے حصولِ مقصد کے لیے کئی

[1] صحیح البخاري: 2731، 2732. [2] المغازي للواقدي: 2/86-88.

طرح کی تدابیر اختیار کیں تا کہ مخالفین کے دلوں میں شکست کا یقین بٹھا دیں اور انھیں ان کے طرفداروں سے دور کر دیں۔ سیاسی اور عسکری سطح پر یہ بہت بڑی فتح تھی جو رسول اللہ ﷺ نے حاصل کی۔[1]

عروہ بن مسعود کی مایوسی

قریش کی ہٹ دھرمی اور ان کی طرف سے جنگ کے اصرار نے عروہ بن مسعود کو بہت مایوس اور متردد کر دیا۔ جب وہ نبی اکرم ﷺ سے بات چیت کر کے واپس آیا تو اس نے قریش کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مانے۔ عروہ ایک خود مختار سردار تھا۔ اسے قریش کی جارحانہ ضد، ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بڑا غصہ آیا۔ وہ قریش کی صفوں سے نکل کر اپنے ساتھیوں سمیت طائف روانہ ہوا۔ اس کے قریش کے لشکر سے نکلنے کی وجہ سے قریش کی مرکزی قوت بڑی حد تک کمزور ہوگئی مگر ان کی ضد کا ٹیلہ نہیں ٹوٹا۔ وہ مسلح تصادم کے خوف کے باوجود مسلمانوں سے عناد اور دشمنی پر قائم رہے اور مسلمانوں کو روکنے کا تہیہ کیے بیٹھے رہے۔ اہل مکہ کو اپنی جنگی مہارت کا نشہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان حدیبیہ میں مسلسل احرام بندی، پراگندگی اور غبار آلود حالت میں لمبا قیام کرنے کی وجہ سے تنگ آ کر بیت اللہ کا طواف کیے بغیر خود ہی مدینہ لوٹ جائیں گے۔ نبی ﷺ نے جنگ سے عدم دلچسپی کا اظہار کر دیا تھا اور آپ حرم کے تقدس اور خون کی حفاظت کی شرط پر قریش کے کسی بھی منصوبے کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے۔ قریش اسے مسلمانوں کی کمزوری سمجھنے لگے۔[2]

حلیس بن علقمہ کی سفارت

پھر قریش نے حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا۔ یہ شخص اس وقت احابیش کا سردار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھ

1 منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص: 145. 2 موسوعة الغزوات الكبرى: 1/830,829.

طائف کا ایک منظر



کر فرمایا:

"إِنَّ هٰذَا مِنْ قَوْمٍ يَتَأَلَّهُونَ، فَابْعَثُوا الْهَدْيَ فِي وَجْهِهِ حَتّٰى يَرَاهُ"

"اس شخص کا تعلق نیک قوم سے ہے۔ وہ قربانی کے جانوروں کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ اس کے سامنے جانور کھڑے کر دو تاکہ وہ دیکھ لے۔"

اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے بہ آواز بلند تلبیہ کہنے کا حکم دیا۔ **حلیس** بن علقمہ نے قربانی کے اونٹ قلادوں سمیت وادی سے اپنی طرف آتے دیکھے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے ملے بغیر ہی واپس چلا گیا۔[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ قربانی کے جانور اس کے سامنے کر دیے گئے اور صحابہ نے تلبیہ کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو وہ بے اختیار بول اٹھا: سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔[2]

جس وادی میں اونٹ تھے، وہ انتہائی خشک تھی۔ اس میں پانی تھا نہ چارا۔ قربانی کے اونٹ اتنی مدت یہاں ٹھہرنے کی بنا پر اپنی ہی مینگنیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس نے مسلمانوں کو بھی دیکھا جنھوں نے تلبیہ بلند کرتے ہوئے اس کا استقبال کیا اور وہ احرام پہنے ہوئے تھے۔ زیادہ عرصے تک احرام میں رہنے کی بنا پر ان کی حالت پراگندہ ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر اسے قریش کا سخت رویہ بہت ناگوار گزرا۔ یوں بنو کنانہ کا سردار رسول اللہ ﷺ سے کچھ کہے سنے بغیر ہی قریش کے پاس واپس چلا گیا اور کوئی بات چیت ہی نہیں کی۔ اس نے بیت اللہ کی زیارت کرنے والوں کے خلاف مشرکین مکہ کے ظالمانہ رویے کو دشمنی پر مبنی انتہائی غیر منصفانہ قرار دیا اور کہا کہ اس صورت حال میں قریش کی حمایت کرنا جائز نہیں۔[3]

اس نے قریش سے کہا: میں نے قربانی کے جانور دیکھے ہیں کہ ان کے گلے میں ہار پڑے ہوئے ہیں اور ان کے کوہان زخمی ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا ٹھیک نہیں سمجھتا......۔[4] یہ ایسی صورتِ حال تھی جس میں قریش کی صفوں میں دراڑیں پڑنے اور قریش کے دیگر قبائل کے ساتھ ہونے والے معاہدے کالعدم قرار پا جانے کے خدشات بڑھ گئے۔ اس لیے قریش نے کوشش کی کہ اس صورتِ حال کی تلافی کی جائے۔ اب قریش اور دیگر قبائل کے سردار حلیس سے کہنے لگے: "تم نے جو کچھ دیکھا، وہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کی چال ہے۔

[1] مسند أحمد: 323/4، السيرة لابن هشام: 326/3. [2] صحيح البخاري: 2732،2731. [3] منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص: 108. [4] صحيح البخاري: 2732،2731.

ذرا رُک جاؤ تا کہ ہم اپنے لیے کوئی ایسی بات طے کر لیں جس پر ہم سب رضا مند ہو جائیں۔"[1]

ابن ہشام میں ہے: جب حلیس نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احرام کی حالت میں دیکھا اور پھر یہی حالت بیان کی تو قریش کہنے لگے: تو زرا بدو ہے۔ تجھے کسی چیز کا پتہ نہیں، لہٰذا بیٹھ جا۔ اس موقع پر حلیس شدید غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: اے قریش! ہم نے اس طرح کے معاملے پر نہ تو تمھارے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ نہ اس پر ہم حلیف ہی ہیں؟ کیا بیت اللہ کی تعظیم کے لیے آنے والے کو روکا جا سکتا ہے؟

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں حلیس کی جان ہے! یا تو تم محمد کی راہ سے ہٹ جاؤ اور جس کام کے لیے وہ آیا ہے، اُسے پورا کرنے کا موقع دو ورنہ میں تمام احابیش کو ساتھ لے کر تمھیں چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ اس بات پر قریش کہنے لگے: اے حلیس! ٹھہر جاؤ تا کہ ہم اپنے لیے کوئی ایسی راہ نکال لیں جس پر وہ راضی ہو جائیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا حسبِ حال فیصلہ

رسول اللہ ﷺ نے حلیس کی نفسیات اور اس کے شخصی پس منظر سے آگہی کی وجہ سے فوراً فرما دیا تھا کہ یہ نیک اور عبادت گزار قوم کا فرد ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی نفسیات کے بڑے رمز شناس تھے اور اس کے مطابق خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتے تھے۔

حلیس بن علقمہ سارے عرب میں اپنے متوازن اندازِ فکر کی وجہ سے بہترین شہرت رکھتا تھا، اسی بنا پر وہ احابش کا سردار تھا۔ یوں وہ رسول اللہ ﷺ اور قریش دونوں کی نگاہ میں معزز و محترم تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مسلمان حق اور انصاف پر ہیں تو وہ ایسی پوزیشن اختیار کر گیا کہ دو مدمقابل گروہوں میں امن و سلامتی کے لیے اہم کردار ادا کر سکے، قریش کو لگام دے سکے اور انھیں ناروا دشمنی سے روک کر مسلمانوں کے لیے زیارت بیت اللہ کی راہ ہموار کر سکے۔ یہیں سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حلیس کی نفسیات کو جانچنا ان مبادیات سے بالکل ہم آہنگ تھا جن مبادیات پر وہ ایمان رکھتا تھا۔ یہ منصوبہ بڑا کارآمد اور موثر تھا، اسی لیے اس سے برآمد ہونے والا نتیجہ توقع کے عین مطابق بڑا پسندیدہ ثابت ہوا۔[3]

قریش کے پاس بھیجنے کے لیے سفیر کا انتخاب

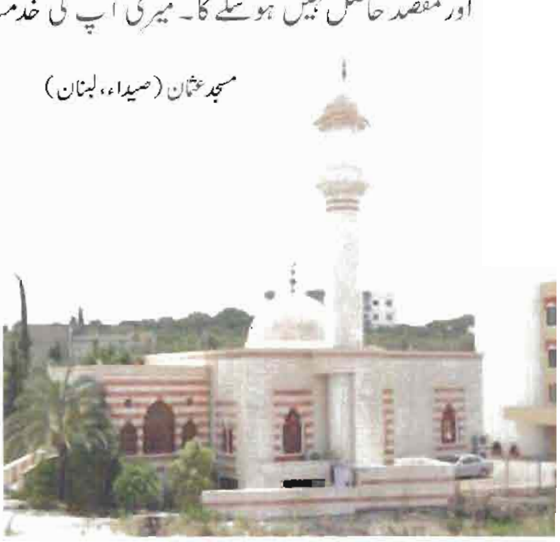
سفرائے قریش کے آنے جانے سے حالات کوئی فیصلہ کن رُخ اختیار نہیں کر رہے تھے۔ اہل مکہ کے جتنے بھی

1 المغازي للواقدي: 600/2. 2 السيرة لابن هشام: 326/3. 3 منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لمسليم حجازي، ص: 111.

سفراء آئے، وہ خود تو بہت مطمئن ہو کر جاتے تھے لیکن قریش اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے۔ اہل مکہ نے جو روش اختیار کر رکھی تھی، اس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوتا تھا۔ ہر چند حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود قریش سے بالکل جداگانہ موقف رکھتے تھے لیکن قریش کے ذہنوں میں یہ بات راسخ تھی کہ وہ بیت اللہ کے خادم اور مالک ہیں، اگر اب مسلمان ان کی خواہش کے خلاف عمرہ کر گئے تو پھر جزیرہ نمائے عرب میں اُن کی ہوا اُکھڑ جائے گی اور ان کی عزت دو کوڑی کی بھی نہیں رہے گی۔ اس لیے قریش کی یہی کوشش تھی کہ اہل عرب کے دل میں ان کی کمزوری کا تاثر پیدا نہ ہو۔

اسی صورت حال میں رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ اب قریش کے پاس خصوصی سفیر روانہ کیا جائے جو قریش کو رسول اللہ ﷺ کا یہ خصوصی پیغام پہنچا دے کہ ہم ہرگز جنگ نہیں کرنا چاہتے بلکہ صلح صفائی سے عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور ادائے مناسک کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ انھیں بطور سفیر اہل مکہ کے پاس بھیجیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ احساس تھا کہ پہلے بھی خراش بن امیہ خزاعی کو آپ ﷺ نے سفیر بنا کر بھیجا تھا اور عکرمہ وغیرہ نے آپ ﷺ کے دیے گئے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں اور خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام کے انتہائی جانباز سپاہی تھے۔ آغاز اسلام میں ان کی بدولت اسلام نے بڑی ترقی اور مسلمانوں نے بہت عزت پائی تھی۔ ہجرت کے موقع پر بھی انھوں نے جارحانہ انداز میں مکہ والوں کو للکارا تھا۔ ان وجوہ کے پیش نظر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے دل میں مشرکین مکہ کے لیے جو سخت جذبات ہیں، وہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ مکہ میں بنوعدی کا کوئی فرد ایسا نہیں جو پریشانی کے وقت میرے کام آسکے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے نقصان پہنچائیں گے اور مقصد حاصل نہیں ہو سکے گا۔ میری آپ کی خدمت میں یہ تجویز ہے کہ اگر آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجیں تو وہاں موجود ان کے خاندان والے انھیں تحفظ دیں گے۔ ان پر دست درازی کی کوئی جرأت نہیں کرے گا اور ہمارا مقصد بھی حاصل ہوگا۔ کیونکہ اصل مقصد اہل مکہ کو امن و آشتی اور خلوص نیت کے ساتھ عمرہ کرنے کے موقف سے آگاہ کرنا تھا۔ یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ ان پر دہشت یا رعب طاری کیا جائے۔ اس لحاظ سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو مشورہ دیا، وہ حالات کی نزاکت کے باعث قرین ثواب تھا جیسا کہ بعد کے

مسجد عثمان (صیداء، لبنان)



حالات نے ثابت کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ تجویز بہت اچھی لگی۔ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا، انھیں اپنا سفیر خاص بنایا اور مکہ روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اِذْهَبْ إِلٰى قُرَيْشٍ فَخَبِّرْهُمْ أَنَّا لَمْ نَأْتِ لِقِتَالِ أَحَدٍ وَّ إِنَّمَا جِئْنَا زُوَّارًا لِّهٰذَا الْبَيْتِ، مُعَظِّمِينَ لِحُرْمَتِهِ، مَعَنَا الْهَدْيُ نَنْحَرُهُ وَنَنْصَرِفُ»

''قریش کے پاس جاؤ! انھیں بتاؤ کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے۔ ہم محض بیت اللہ کی حرمت کی پاسداری کرتے ہوئے اس کی زیارت کے لیے آئے ہیں، ہمارے ساتھ قربانیاں ہیں، ہم انھیں ذبح کریں گے اور واپس چلے جائیں گے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ روانہ ہوگئے، ''بلدح'' پہنچے، وہاں کچھ قریشی ملے۔ انھوں نے پوچھا: ''کہاں کے ارادے ہیں؟'' عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمھاری ہی طرف بھیجا ہے کہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اسلام کی دعوت دوں۔ تم سب اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنے نبی ﷺ کو غالب کرنے والا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم لڑائی کے ارادے سے باز آؤ۔ یہ کام دوسروں کو کرنے دو۔ اگر عرب محمد ﷺ پر غالب آگئے تو تمھارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اور اگر محمد ﷺ نے غلبہ پا لیا تو تمھیں اختیار ہوگا کہ تم چاہو تو اس دین میں داخل ہو جاؤ جس میں لوگ داخل ہوگئے ہیں اور اگر تم لڑنا چاہو تو تازہ دم ہو کر پوری قوت سے لڑو۔ جنگ تمھیں توڑ چکی ہے۔ تمھارے سب بڑے بڑے افراد اس کی نذر ہو چکے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھیں یہ پیغام ارسال فرمایا ہے کہ ہم کسی سے لڑائی کے لیے نہیں آئے۔ صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ ہمارے ساتھ قربانیاں بھی ہیں، انھیں ہار بھی پہنائے گئے ہیں۔ ہم انھیں قربان کر کے واپس چلے جائیں گے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو سن کر انھوں نے جواباً کہا: ''ہم تمھاری باتیں سن رہے ہیں مگر یاد رکھو، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ محمد (ﷺ) بزور طاقت ہمارے ہاں کبھی نہیں آسکیں گے۔ اپنے ساتھی کے پاس واپس جاؤ اور انھیں بتا دو کہ وہ ہم تک کبھی نہیں پہنچ پائیں گے۔''

ابان بن سعید بن عاص نے آگے بڑھ کر عثمان رضی اللہ عنہ کو مرحبا کہا۔ انھیں اپنی پناہ میں لے لیا اور کہا کہ آپ اپنا کام بھرپور طور پر انجام دیں۔ بعدازاں وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور اس پر زین کس کر عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ گئے۔ وہاں باری باری ہر سردار ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ وغیرہ سے ملاقات کی۔ ان میں

سے کچھ لوگ بلدح میں اور کچھ مکہ میں ملے، سب نے یہی جواب دیا کہ محمد (ﷺ) ہمارے ہاں کبھی نہ آسکیں گے۔[1]

مکہ میں اہل ایمان سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ملاقات

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو مشورہ دیا تھا، وہ بڑا صائب اور برمحل تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ بنوامیہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو فراخ دلی سے پناہ دی اور انھیں مکہ میں سب سے ملنے اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچانے کی کھلی اجازت دی۔ اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت آسانی سے مکہ میں مقیم بعض مسلمان خواتین و حضرات کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچانے کا موقع بھی مل گیا۔ حالت یہ تھی کہ مکہ میں مسلمان ابھی تک معتوب تھے یہاں تک کہ انھیں چھپ چھپا کر ہجرت کرنی پڑتی تھی۔ جو مسلمان مکہ میں رہ رہے تھے، مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ وہ ہجرت کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، یا بعض خواتین تھیں جن کے ساتھ مسلمان مرد تو تھے لیکن وہ انتہائی کمزور تھے، کچھ مسلمان غلام بھی تھے جنھیں سماج نے باندھ کر رکھا ہوا تھا اور وہ آزادی کی حسرت میں جی رہے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب سے فرداً فرداً ملاقات کی۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچایا اور خوشخبری دی کہ اب وہ دن دور نہیں جب آپ ظلم و ستم کی چکی سے نجات پا جائیں گے اور آپ کو مکہ میں اپنا دین چھپانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنایا:

«أُظِلُّكُمْ حَتَّى لَا يَسْتَخْفِي بِمَكَّةَ الْإِيمَانُ»

”میں تمھیں پناہ دوں گا یہاں تک کہ مکہ میں ایمان پوشیدہ نہیں رہے گا۔“

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے انھیں خوشخبری دی تو وہ خوشی کے مارے اتنے گہرے گہرے سانس

[1] المغازي للواقدي: 2/90,89، زاد المعاد: 3/290، السيرة لابن هشام: 3/329.



اموی مسجد اور دمشق کا خوبصورت منظر

لینے لگے کہ مجھے خیال گزرا شاید یہ لوگ خوشی سے مر جائیں گے۔ ان حضرات نے بھی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔ وہ بڑی راز داری سے سوالات کرتے۔ انھیں تو یہ حسرت تھی کہ وہ رسالت مآب ﷺ کا ذکر جمیل علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ کریں لیکن وہ جس سفاک ماحول میں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے، اُس ماحول میں بقدر شوق گفتگو کرنے کا یارا نہ تھا۔ بس وہ اتنا ہی کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہماری طرف سے سلام کہیے گا۔ وہ ذاتِ بابرکات جس نے انھیں حدیبیہ تک پہنچایا ہے، وہ پوری طرح قادر ہے کہ انھیں مکہ میں بھی پہنچا دے۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرے کی پیشکش مسترد کر دی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا چکے اور مسلمانوں سے بھی ملاقات کر آئے تو قریش نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک زبردست پیشکش کی۔ وہ کہنے لگے: اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو پوری اجازت ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حب نبوی سے لبریز تاریخی جواب دیا۔ انھوں نے فرمایا:

مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ حَتّٰى يَطُوفَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ.

''میں اُس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف نہ کرلیں۔''[2]

عثمان رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات سے جس بے پایاں محبت وعقیدت کا اظہار ہو رہا ہے، وہ تو ایک عیاں حقیقت ہے۔ اس کے علاوہ اس جواب میں ان لوگوں کے لیے سبق ہے جو قومی اور سیاسی زندگی کے شعبوں میں کام کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کی حفاظت کریں اور بڑے سے بڑے ذاتی مفاد کو نظر انداز کر دیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے رہبر اعظم ﷺ کے حکم کو پیش نظر رکھا۔ انھی کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اور مثالی سفارت کاری کا حق ادا کر دیا۔ انھیں زیارتِ کعبہ جیسی دولتِ عظمٰی کا موقع دیا جا رہا تھا لیکن انھوں نے صرف ادائے فرض سے واسطہ رکھا اور اپنے محبوب ترین قائد کی عدم موجودگی میں زیارت بیت اللہ کی پیش کش سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اہل مکہ کو دعوت اسلام اور پیغام نبوی پہنچانے کے سلسلے میں تین دن تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا رشک

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ پہنچے تو ابان بن سعید کی پناہ میں تھے اور بنو امیہ کے اثر و رسوخ کی بنا پر تمام اہلِ مکہ ان سے انتہائی محبت و مروت سے پیش آ رہے تھے۔ اُدھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تو رسول اللہ ﷺ کی عدم موجودگی میں

1 المغازي للواقدي: 90/2. 2 السيرة لابن هشام: 329/3. 3 المغازي للواقدي: 91/2

طواف کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن ادھر حدیبیہ میں مسلمان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بڑا رشک کر رہے تھے کہ انھوں نے تو عمرہ کر لیا ہوگا اور اپنے دل کی ساری حسرتیں پوری کر لی ہوں گی۔ اس رشک کا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار بھی کر دیا کہ اے اللہ کے رسول! عثمان تو بیت اللہ پہنچ گئے ہیں اور انھوں نے طواف بھی کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أَظُنُّهُ طَافَ بِالْبَيْتِ وَ نَحْنُ مَحْصُورُونَ»

''میں سمجھتا ہوں کہ ہماری یہاں محصوری کے پیش نظر عثمان بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے۔''

وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! وہ تو بیت اللہ میں پہنچ گئے ہیں۔ اب انھیں طواف کرنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ذٰلِكَ ظَنِّي بِهِ أَلَّا يَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ حَتّٰى يَطُوفَ مَعَنَا»

''میرا عثمان کے بارے میں یہی خیال ہے کہ وہ اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کریں گے جب تک کہ وہ ہمارے ساتھ طواف نہ کر لیں۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب واپس تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے پوچھا کہ اے ابوعبداللہ! کیا آپ نے بیت اللہ کا طواف کر کے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لی ہیں؟ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

بِئْسَ مَا ظَنَنْتُمْ بِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ مَكَثْتُ بِهَا مُقِيمًا سَنَةً، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُقِيمٌ بِالْحُدَيْبِيَةِ، مَا طُفْتُ بِهَا حَتّٰى يَطُوفَ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَلَقَدْ دَعَتْنِي قُرَيْشٌ إِلَى الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ فَأَبَيْتُ.

''میرے بارے میں تم نے بڑا غلط گمان کیا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میں احرام کی حالت میں سال بھر بھی مکہ میں مقیم رہتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں مقیم ہوتے تو میں ہرگز طواف نہ کرتا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر لیتے۔ حالانکہ قریش نے مجھے طواف کرنے کی پیش کش بھی کی تھی لیکن میں نے ان کی پیش کش رد کر دی۔''

یہ بات سُن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ جاننے والے اور آپ کے بارے میں بہترین گمان رکھنے والے ہیں۔[1]

1 دلائل النبوة للبيهقي : 134/4

عرب میں پناہ کی اہمیت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ پہنچے تو ابان بن سعید نے یہ اعلان کیا کہ میں نے عثمان کو پناہ دے دی ہے۔ واضح رہے کہ عرب کے ہاں پناہ دینے کا قانون بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس پر عمل کرنے اور اس کا احترام کرنے پر تمام عرب متفق تھے۔ اس پناہ کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ جو شخص اسے پناہ دے رہا ہے، وہ اس کے مال و جان کا محافظ ہے۔ اور صرف وہی اس کا محافظ نہیں بلکہ اس کا سارا قبیلہ بھی اس کا ہمنوا ہے۔ کوئی دوسرے قبیلے والا یا دشمن اگر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس نے پناہ دینے والے سارے قبیلے کی مخالفت مول لی ہے۔ اسی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین نے جب دیکھا کہ ابان بن سعید نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دے دی ہے تو سارے مخالفین خبردار ہو گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچانے سے باز رہے۔ اس کے برعکس خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر ہی کی حیثیت سے گئے تھے لیکن وہ قریش کے پاس پہنچے تو چند بدقماش قریشیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جاہلیت میں سفیر کا وہ مقام نہیں تھا جو ایک پناہ یافتہ شخص کا ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بحیثیت سفیر بھیجنے کا جو مشورہ دیا تھا، وہ نہایت دور اندیشی پر مبنی تھا۔

اسلام نے بھی پناہ دینے کے معاملے کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسے ہر مسلمان کا بنیادی حق تصور کیا ہے، خواہ وہ مسلمان مرد ہو یا عورت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ»

”مسلمانوں میں پاسِ عہد کی ذمہ داری مشترکہ ہے۔ اب جو شخص مسلمان کے عہد کو توڑے، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ اس کا کوئی نفل قبول ہوگا نہ فرض۔“ [1]

اسی بنا پر دورِ نبوی میں سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور گزارش کی کہ میں نے ابن ہبیرہ کو پناہ دی ہے لیکن میرے ماں جائے علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک قاتل کو پناہ دی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ!»

”ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دے دی۔“ [2]

1 صحيح البخاري: 1870. 2 صحيح البخاري: 3171

اسی طرح سیدہ زینب بنت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاوند ابو العاص کو پناہ دی تھی جسے مسلمانوں نے خوش دلی سے قبول کیا۔ اسی طرح اسلامی حکومت اگر کسی کافر کو پناہ دیتی ہے تو اسلام اسے بھی فراخدلی سے قبول کرتا ہے تاکہ امن وسکون درہم برہم نہ ہو اور تعلقاتِ عامہ کو نقصان نہ پہنچے۔

مشرکین مکہ کی شرانگیزیاں

مشرکین مکہ کی طرف سے جو سفیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے، وہ آپ ﷺ کا یہ موقف بخوبی سمجھ گئے تھے کہ آپ صرف عمرہ کرنے تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ حلیس اور عروہ بن مسعود نے قریش کو یہ باور کرانے کی بڑی کوشش کی کہ محمد ﷺ جنگ کے ہرگز خواہش مند نہیں، وہ محض بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو عمرہ کرنے دیا جائے۔ اس معقول بات کی وجہ سے اگرچہ قریش کی صفوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی لیکن اس کے باوجود انھوں نے وہ مذموم حکمت عملی اپنائی جو آج کل بھی مروج ہے کہ جب دو معارض قوتوں کے عوام صلح کا پیغام پھیلانا شروع کرتے ہیں تو مسلح قیادت اپنی سیادت اور دباؤ برقرار رکھنے اور عوام کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی کارروائی کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب مکہ کے عوام نے سمجھ لیا کہ مسلمان صرف عمرے کی نیت سے آئے ہیں، انھیں روکنا نہیں چاہیے تو اس وقت اُن کی مسلح قیادت نے اعتدال کی راہ چھوڑ کر کشیدگی کو ہوا دینی شروع کر دی۔ انھوں نے اپنے گمراہ اور شریر لوگوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں تاکہ وہ صلح کے تمام امکانات ناکام بنا دیں اور جنھوں نے مسلمانوں کے لیے راہ آسان کرنے کی کوشش کی، ان کی باتوں کو غلط ثابت کر دیا جائے۔ ظاہر بات ہے کہ جب مکی لشکر مدنی لشکر پر جھپٹے گا تو لازماً مسلمان بھی کارروائی کریں گے۔ اس طرح صلح تو کجا، لڑائی شروع ہو جائے گی۔ مشرکین کی اس مذموم صورت حال کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ضبطِ نفس پر کاربند رکھا اور انھیں باور کرا دیا کہ ہم نے کسی صورت ہتھیار استعمال نہیں کرنے۔

ابوسفیان کی مسلمانوں پر یلغار

امام طبری رحمہ اللہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ قریش نے سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور حفص کو نبی ﷺ کے پاس صلح کے لیے بھیجا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو اس وفد میں دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ سَهَّلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ أَمْرِكُمْ، اَلْقَوْمُ مَاتُّونَ إِلَيْكُمْ بِأَرْحَامِكُمْ وَسَائِلُوكُمُ الصُّلْحَ، فَابْعَثُوا الْهَدْيَ وَأَظْهِرُوا التَّلْبِيَةَ لَعَلَّ ذٰلِكَ يُلَيِّنُ قُلُوبَهُمْ»

''اللہ نے تمھارے لیے تمھارا کام آسان کر دیا ہے۔ یہ لوگ تمھاری خاندانی قرابت کا سہارا لے کر تمھارے پاس آرہے ہیں۔ اب یہ تم سے صلح کی درخواست کریں گے۔ تم قربانی کے جانور کھڑے کر دو اور لبیک لبیک پکارو، شاید اس طرح ان کے دل نرم پڑ جائیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق تمام مسلمانوں نے اپنے اپنے قربانی کے جانور اس وفد کے سامنے کر دیے اور ہر سمت سے لبیک کا نعرہ بلند کیا جس سے فضا گونج اٹھی۔ وہ وفد آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے صلح کی درخواست کی، صلح کی بات ہونے لگی۔ صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس کچھ مشرک قید تھے۔ اسی طرح مشرکین کے پاس کچھ مسلمان اسیر تھے۔ اسی دوران ابوسفیان نے اچانک رسول اللہ ﷺ کے پڑاؤ کی طرف یورش کر دی اور ساری وادی آدمیوں اور اسلحے سے بھر گئی۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی دوران میں چھ مسلح مشرکوں کو بے بس کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ آپ ﷺ نے انھیں دیکھا لیکن نہ ان کا جنگی لباس اتروایا، نہ ان کا اسلحہ رکھوایا، نہ انھیں قتل کیا بلکہ معاف فرما دیا اور معاً چھوڑ دیا۔[1]

مشرک شہسواروں کی گرفتاری

جمہور مؤرخین نے لکھا ہے کہ مشرکین کے شہسوار رات کے وقت ٹولیوں کی شکل میں چھپتے چھپاتے مسلمانوں کے پڑاؤ میں آگھسے تاکہ رات کی تاریکی میں انھیں نقصان پہنچایا جا سکے۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ پہنچتے ہی بعض صحابہ کو حفاظت کی ذمہ داری دے کر انھیں گشت پر مامور فرما دیا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ مشرکین کی تعداد 80 تھی اور وہ جبل تنعیم کی طرف سے حملہ آور ہوئے۔[2] سنن ابوداود، مسند احمد اور جامع ترمذی میں صبح کی نماز

1 تاریخ الطبري: 277,276/2. 2 صحیح مسلم: 1808.



مسجد عائشہ (تنعیم، مکہ مکرمہ)

کے وقت مشرکین کے حملے کا ذکر کیا گیا ہے۔[1] جب مشرکین مختلف اطراف سے حدیبیہ کے میدان کی طرف بڑھے تو مسلمان پہرہ داروں نے انھیں فوراً دھر لیا اور گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد ستر تھی۔[2] مشہور مؤرخ محمد احمد باشمیل نے لکھا ہے کہ مشرکین کے شہسواروں نے کچھ صحابہ کو گرفتار کر لیا تھا مگر گشت پر مامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹولیوں نے ان مسلمانوں کو مشرکوں کی قید سے چھڑا لیا۔[3]

مشرکین کے پچاس جنگی شہسوار

مؤرخ واقدی کے نزدیک اس موقع پر باقاعدہ جنگ بھی ہوئی۔ وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں: قریش نے رات کے وقت مکرز بن حفص کی سرکردگی میں پچاس افراد بھیجے۔ انھیں حکم دیا کہ وہ نبی ﷺ کے لشکر کے ارد گرد چکر لگائیں، کسی مسلمان کو زدوکوب کریں یا موقع ملتے ہی مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیں۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک گشتی ٹولی کی قیادت کر رہے تھے۔ انھوں نے جب مسلح مشرکین کو دیکھا تو انھیں گرفتار کر لیا اور انھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، جب مشرکین قریش کو اطلاع ملی تو ان کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئی۔ اس دوران فریقین میں جنگ شروع ہو گئی۔ اس موقع پر تیر چلائے گئے اور پتھر بھی برسائے گئے مگر مسلمانوں نے ان میں سے کئی مشرکین کو گرفتار کر لیا۔[4]

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح کا معاملہ طے ہوتے ہوتے مسلمان اور مشرکین آپس میں گھل مل گئے۔ اچانک فریقین میں سے کسی شخص نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو پتھر دے مارا، اس وجہ سے جھگڑا شروع ہو گیا، دونوں طرف سے تیر اور پتھر برسنے لگے۔ دونوں جماعتیں اس (اچانک جھگڑے) پر چیخ اٹھیں جسے ختم کرنے کے لیے دونوں جانب کے لوگوں نے اس میں شامل افراد کو بطور گروی روک لیا۔[5]

زنیم رضی اللہ عنہ کی شہادت اور رسول اللہ ﷺ کی معافی

مشرکین مکہ نے انتہائی جارحانہ قدم اٹھا کر اپنی بیوقوفی کا ثبوت پیش کر دیا تھا اور مسلمانوں نے متعدد مشرکوں کو گرفتار کر کے اپنی دسترس میں لے لیا تھا، یہ ایسا عمل تھا جس کی بنا پر مسلمان اپنے تمام مطالبات منوا سکتے تھے اور پچھلی تمام رقابتوں کا بدلہ لے سکتے تھے، جبکہ بعض صحابہ احرام کی حالت میں بھی نہیں تھے۔ مشرکین کی طرف سے جنگ

[1] سنن أبي داود: 2688، جامع الترمذي: 3264، مسند أحمد: 290/3. [2] صحیح مسلم: 1807. [3] موسوعة الغزوات الكبرٰی لباشمیل: 838/1. [4] المغازي للواقدي: 91/2. [5] زاد المعاد: 291/3.

میں پہل بھی حرمتِ حرم اور احرام کی تمام قیود کو حلال کرنے والی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس جنگ جوئی اور اشتعال انگیزی سے چشم پوشی فرما کر انھیں یہ کہہ کر آزاد کر دیا:

«دَعُوهُمْ يَكُنْ لَهُمْ بَدْءُ الْفُجُورِ»

''انھیں چھوڑ دو، برائی کا آغاز انھی سے ہونے دو۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴾

''اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے وادی مکہ میں ان (کفار) کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے بعد اس کے کہ اس نے تمھیں ان پر کامیابی دی تھی اور اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔''[2]

گزشتہ آیت کا سببِ نزول امام مسلم یہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے 80 مسلح آدمی جبل تنعیم سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر اچانک حملہ کرنے کے لیے اتر آئے۔ مسلمانوں نے انھیں گرفتار کر لیا مگر رسول اللہ ﷺ نے انھیں معاف کر دیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[3]

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سارا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں: ''جب مشرکوں نے ہماری طرف صلح کے پیغام بھیجے تو لوگ ایک دوسرے کی طرف آنے جانے لگے اور ہم نے صلح کر لی۔ میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت کرتا تھا، ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا، ان کی کمر کھجاتا اور انھی کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ میں اپنا گھر بار، مال و دولت سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کر کے چھوڑ چکا تھا۔ جب ہماری اور اہل مکہ کی صلح ہو گئی اور ہم ایک دوسرے سے ملنے لگے تو میں ایک درخت کے پاس گیا، اس کے نیچے جگہ صاف کی اور جڑ کے پاس لیٹ گیا۔ اسی دوران اہل مکہ میں سے چار مشرک میرے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا الفاظ کہنے لگے۔ مجھے ان پر شدید غصہ آیا، میں وہاں سے اُٹھ گیا اور دوسرے درخت کے نیچے چلا گیا۔ انھوں نے اپنے ہتھیار زمین پر رکھے اور لیٹ گئے۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ اچانک وادی کے نشیب سے کسی نے آواز دی: ''اے مہاجرو! دوڑو، ابن زُنیم رضی اللہ عنہ مارے گئے۔'' میں نے اپنی تلوار سونتی اور ان چاروں کو دھمکانا شروع کر دیا، وہ ابھی سو رہے تھے۔ میں نے ان کے ہتھیار اُٹھا لیے، اُن کا گٹھا بنایا اور ایک ہاتھ میں تھام لیا، پھر میں نے ان سے کہا: ''قسم اس ذات کی جس نے محمد ﷺ

1 تاریخ الطبری 277/2. 2 الفتح 24:48. 3 صحیح مسلم: 1808.

کے چہرے کو عزت دی! تم میں سے جس نے بھی سر اٹھایا، میں اس کی کھوپڑی اُڑا دوں گا۔'' وہ ڈر کے مارے دبک گئے۔ پھر میں انھیں پیچھے سے ہانکتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ دوسری طرف سے میرے چچا عامر رضی اللہ عنہ زین کسے گھوڑے پر عبلات (قریش کی ایک شاخ) کے مکرز نامی شخص کو ہانکتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ اس کے ساتھ ستر مشرک اور بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھا اور فرمایا:

«دَعُوهُمْ، يَكُنْ لَهُمْ بَدْءُ الْفُجُورِ وَثِنَاهُ»

''انھیں چھوڑ دو، انھی کی طرف سے عہد شکنی شروع ہونے دو، پھر دوبارہ بھی یہی عہد شکنی کا باعث بنیں۔''

بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت اتاری۔''[1]

وادی حدیبیہ



قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسی اثنا میں ہمیں اطلاع ملی کہ ایک صحابی زنیم رضی اللہ عنہ جو وادی حدیبیہ سے بلند ٹیلے پر چڑھ کر کفار کے سامنے نمودار ہو گئے تھے، انھیں کفار نے تیر کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے گھڑ سواروں کا ایک دستہ بھیجا، وہ مشرکین کے بارہ شہسواروں کو گرفتار کر کے آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ لَكُمْ عَلَيَّ عَهْدٌ؟ هَلْ لَكُمْ عَلَيَّ ذِمَّةٌ؟»

''کیا میں نے تم سے کوئی عہد کیا ہے؟ کیا تمھارا مجھ پر کوئی ذمہ ہے؟''

انھوں نے کہا: ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں چھوڑ دیا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں پر احسان جتلانا ہے کہ اس نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے مشرکین کے ہاتھ روک لیے اور مشرکین کی طرف سے انھیں کوئی گزند نہیں پہنچا۔ اسی طرح مومنوں کے ہاتھوں کو مشرکینِ مکہ کی طرف بڑھنے سے روکے رکھا۔ انھوں نے مسجد حرام کے پاس ان سے

[1] صحیح مسلم: 1807. [2] تاریخ الطبري: 278/2.

لڑائی نہیں لڑی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کو محفوظ رکھا اور ان میں صلح کرا دی جس میں مومنوں کے لیے بھلائی اور دنیا و آخرت کی بہتری تھی۔''[1]

﴿كَفَّ﴾ کسی کو کسی کام کے ارادے یا اس کام کو شروع کرنے سے باز رکھنا۔ یہ کلمہ ''کف'' بمعنی ہاتھ سے مشتق ہے کیونکہ روکنے میں اصل یہی ہے کہ ہاتھ سے روکا جائے (دھکیلا اور ہٹایا جائے۔) کہا جاتا ہے: كَفَّ يَدَهُ عَنْ كَذَا ''اس نے اپنے ہاتھ کو فلاں کام سے روک لیا۔''[2]

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ کے بارے میں امام راغب کہتے ہیں: ''ہر چیز کی ظاہری سطح کا متضاد بطن کہلاتا ہے۔ نچلی طرف کو ''بطن'' اور اوپری طرف کو ''ظہر'' کہتے ہیں۔''[3]

جمہور مفسرین نے اس آیت میں مذکور بَطْنِ مَكَّةَ سے مراد حدیبیہ لیا ہے۔ یہاں ''بطن'' کا اطلاق نشیبی جگہ پر ہوا ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ نے اس فرمان پر آیت ختم فرمائی:

﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝﴾

''بعد اس کے کہ اس نے تمھیں ان پر کامیابی دی اور اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔''

یہ اس جانب اشارہ ہے کہ ایک دوسرے کے قتال سے باز رہنا دراصل مسلمانوں ہی کا ظرف و شرف تھا کیونکہ وہی تھے جنھوں نے دشمن پر قابو پانے کے باوجود ان پر احسان کیا تھا۔[5]

امام طبری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عبیداللہ بن موسیٰ کی روایت کے مطابق سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے حملہ کر کے ان تمام مسلمانوں کو چھڑا لیا جو مشرکین کے قبضے میں تھے، اسی طرح مشرکین نے اپنے آدمی ہمارے قبضے سے چھڑا لیے، اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو اور حویطب کو صلح کے لیے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ مقرر فرمایا۔[6]

1 تفسیر ابن کثیر، الفتح 24:48. 2 التحریر والتنویر لابن عاشور، الفتح 20:48. 3 المفردات للراغب، ص: 51.
4 التحریر والتنویر لابن عاشور، الفتح 24:48. 5 حدیث القرآن عن غزوات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم للدکتور محمد بن بکر آل عابد: 530/1. 6 تاریخ الطبری: 278،277/2.

بیعت رضوان

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی افواہ

ابھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ ہی میں تھے اور ان کی واپسی میں تاخیر ہوگئی تھی کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ نے شہید کر ڈالا ہے۔ ابنِ اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جونہی یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا نَبْرَحُ حَتّٰی نُنَاجِزَ الْقَوْمَ»

''جب تک ہم اس قوم سے خون کا بدلہ نہ لے لیں، ہرگز حرکت نہ کریں گے۔''[1]

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کی یہ صدا سنائی دی:

أَيُّهَا النَّاسُ! اَلْبَيْعَةَ الْبَيْعَةَ، نَزَلَ رُوحُ الْقُدُسِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

''لوگو! بیعت کے لیے آؤ، بیعت کے لیے آؤ، روح القدس آئے ہیں۔''

یہ ندا سن کر ہم تیزی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ اس وقت ایک خاردار درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ ہم نے اسی جگہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسی بارے میں اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح 18:48)

''البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔''[2]

بیعت کس مقام پر ہوئی؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں بتایا ہے کہ بیعت درخت کے نیچے ہوئی تھی:

[1] السيرة لابن إسحاق :460/2. [2] تفسير الطبري و تفسير ابن أبي حاتم، الفتح 18:48، تاريخ الطبري :279/2.

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

''البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔''

اس کے علاوہ بہت سی احادیث میں بھی اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے درخت کے نیچے بیعت لی تھی۔ مشہور تابعی نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے:

إِنَّ النَّاسَ يَتَحَدَّثُونَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَسْلَمَ قَبْلَ عُمَرَ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ، وَلٰكِنْ عُمَرُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْسَلَ عَبْدَ اللّٰهِ إِلٰى فَرَسٍ لَهُ عِنْدَ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ يَأْتِي بِهِ لِيُقَاتِلَ عَلَيْهِ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُبَايِعُ عِنْدَ الشَّجَرَةِ، وَعُمَرُ لَا يَدْرِي بِذٰلِكَ، فَبَايَعَهُ عَبْدُاللّٰهِ، ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى الْفَرَسِ، فَجَاءَ بِهِ إِلٰى عُمَرَ، وَعُمَرُ يَسْتَلْئِمُ لِلْقِتَالِ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُبَايِعُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. قَالَ: فَانْطَلَقَ فَذَهَبَ مَعَهُ حَتّٰى بَايَعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَهِيَ الَّتِي يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَسْلَمَ قَبْلَ عُمَرَ.

''لوگ باتیں کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد گرامی عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ حدیبیہ کے روز عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے پاس اپنا گھوڑا لانے کے لیے بھیجا تاکہ اسے جہاد میں استعمال کریں۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ درخت کے نیچے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لے رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہیں تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے آپ کی بیعت کی، پھر گھوڑا لینے گئے اور اسے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لا کھڑا کیا۔ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ جہاد کے لیے زرہ پہن رہے تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ درخت کے نیچے بیعت لے رہے ہیں۔ تب عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبداللہ کو ساتھ لے کر گئے حتی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ یہ ہے وہ اصل واقعہ جس کے متعلق لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے باپ عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔''[1]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَنَّ النَّاسَ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ، تَفَرَّقُوا فِي ظِلَالِ الشَّجَرِ، فَإِذَا النَّاسُ

[1] صحیح البخاري: 4186.

مُحْدِقُونَ بِالنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا عَبْدَاللّٰهِ! انْظُرْ مَا شَأْنُ النَّاسِ قَدْ أَحْدَقُوا بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَوَجَدَهُمْ يُبَايِعُونَ، فَبَايَعَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى عُمَرَ فَخَرَجَ فَبَايَعَ .

''لوگ حدیبیہ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ تھے، وہ درختوں کے سائے میں پھیلے ہوئے تھے۔ پھر اچانک لوگ نبی ﷺ کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبداللہ! ذرا دیکھو لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کیوں جمع ہیں؟ چنانچہ انھوں نے دیکھا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کی بیعت کر رہے ہیں، چنانچہ انھوں نے بھی بیعت کر لی۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ کر بتایا تو وہ بھی گئے اور انھوں نے آپ ﷺ کی بیعت کی۔''[1]

ان دونوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر ایک درخت کے نیچے بیعت لی تھی۔



مسجد عمر بن خطاب (بن غازی، لیبیا)

بعض روایات میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس درخت کو بھول گئے تھے جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی، جیسے طارق بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں حج کے لیے نکلا، میرا چند لوگوں کے پاس سے گزر ہوا، وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون سی مسجد ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی۔ میں سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے پاس گیا اور انھیں یہ بات بتائی تو انھوں نے فرمایا: میرے والد گرامی نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی، وہ ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی۔ انھوں نے فرمایا: جب ہم اگلے سال حج کے لیے نکلے تو اس جگہ کو بھول گئے اور اسے معلوم نہ کر سکے۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے کہا: محمد ﷺ کے صحابہ تو اس درخت کو نہ پہچان سکے اور تم لوگوں نے اسے پہچان لیا! کیا تم صحابۂ کرام سے زیادہ جانتے ہو؟[2]

مندرجہ بالا روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیّب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کو وہ جگہ نہیں مل سکی جہاں درخت تھا لیکن اس سے یہ یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک درخت ہی تھا۔ اس روایت سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ سارے

[1] صحيح البخاري: 4187. [2] صحيح البخاري: 4163.

صحابہ بیعت والی جگہ کو بھول گئے تھے کیونکہ بعض صحابہ کے بارے میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ انھیں اس جگہ کا پتہ تھا جیسے جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: اگر میری بینائی ہوتی تو تمھیں اس درخت کی جگہ دکھاتا۔[1]

درخت کاٹ دیا گیا

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ لوگ اس درخت کے پاس آتے تھے جسے ''شجرۂ رضوان'' کہا جاتا تھا۔ یہاں بیعت کی گئی تھی اور لوگ اس جگہ آکر نماز پڑھتے تھے۔ جب یہ بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے اس بارے میں لوگوں کو ڈانٹا، پھر اُن کے حکم سے یہ درخت کاٹ دیا گیا۔[2]

بیعت سے محروم بدنصیب

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کا حکم دیا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کرنے میں سبقت کی۔ ایک آدمی کے سوا کوئی بھی اس بیعت سے پیچھے نہ رہا۔ یہ منافق تھا اور اس کا نام جد بن قیس تھا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جد بن قیس انصاری نے بیعت نہیں کی۔ اس موقع پر وہ اپنی اونٹنی کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔[3]

بیعت کس بات پر کی گئی؟

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جس امر پر بیعت لی تھی، اس کا تذکرہ مختلف روایات میں ملتا ہے۔ یزید بن ابوعبید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے حدیبیہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس بات پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے فرمایا: موت پر۔[4]

سیدنا عباد بن تمیم رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حرہ کے دن لوگ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کی بیعت کر رہے تھے تو سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ابن حنظلہ کس بات پر لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں؟ انھیں بتایا گیا کہ وہ موت پر بیعت لے رہے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے شخص سے موت پر بیعت نہیں کروں گا۔ اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے۔[5]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس دن موت پر آپ کی بیعت نہیں کی تھی بلکہ اس عہد پر بیعت کی تھی کہ ہم فرار نہیں ہوں گے۔[6] صحیح مسلم میں معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: درخت والے دن میں دیکھ رہا تھا جبکہ

1 صحیح مسلم: 1856. 2 الطبقات لابن سعد: 100/2. 3 صحیح مسلم: 1856. 4 صحیح البخاري: 4169.
5 صحیح البخاري: 4167. 6 تاریخ الطبري: 279/2.

رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے اور اس وقت میں آپ ﷺ کے سر سے ٹہنی دور ہٹا رہا تھا۔ اس روز ہم چودہ سو افراد تھے۔ اس روز ہم نے موت پر بیعت نہیں کی بلکہ اس بات پر بیعت کی کہ ہم پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے۔ [1]

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ بیعت دشمن کے خلاف ڈٹ جانے پر تھی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم اگلے سال (عمرۂ قضا کے موقع پر) آئے تو ہم میں سے کوئی دو شخص بھی اس درخت کی نشاندہی پر متفق نہ ہو سکے جس کے نیچے ہم نے بیعت کی تھی۔ اس درخت کا غائب ہو جانا بھی اللہ کی طرف سے رحمت کا معاملہ تھا۔ نافع سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے کس بات پر بیعت لی تھی؟ کیا موت پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے کہا: نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے صبر کرنے کی بیعت لی تھی۔ [2]

ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیعت کا آنکھوں دیکھا حال

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور قریش کے مابین ایلچی آتے جاتے رہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے خیمے کے پاس سے گزرے۔ مجھے خیال ہوا شاید آپ ﷺ کو کوئی کام ہے۔ ٹھیک اسی وقت آپ ﷺ کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ملی، رسول اللہ ﷺ اس وقت ہماری قیام گاہ میں بیٹھ گئے اور فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي بِالْبَيْعَةِ»

”اللہ تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے کا حکم دیا ہے۔“

ام عمارہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ آپ کی بیعت کرنے کے لیے ہماری طرف آئے یہاں تک کہ سب لوگوں نے بیعت کرلی۔ ہمارا سارا سامان پامال ہوگیا۔ غزیہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے۔ وہ فرماتی ہیں: میں یوں محسوس کر رہی ہوں جیسے میں لوگوں کو ہتھیار بندی کی حالت میں دیکھ رہی ہوں، ہتھیار ہمارے پاس بہت کم تھے کیونکہ ہم صرف عمرے کے لیے آئے تھے۔ میں نے اپنے خاوند غزیہ بن عمرو کی طرف دیکھا کہ وہ تلوار لٹکائے ہوئے ہیں۔ میں اٹھ کر ایک ستون کی طرف گئی۔ ہم اُس کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے، میں نے اسے پکڑ لیا، میرے پاس ایک چھری تھی جسے میں نے اپنی کمر سے باندھ رکھا تھا۔ میں نے تہیہ کرلیا کہ اگر کسی نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں اسے قتل کر دوں گی۔ اس دن رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا دستِ مبارک تھامے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے اس امر پر بیعت لی کہ وہ راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ [3]

[1] صحیح مسلم :1858. [2] صحیح البخاری :2958. [3] المغازی للواقدی :91/2.

ان تمام روایات سے واضح ہوتا ہے کہ صرف ایک منافق کو چھوڑ کر باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت جداگانہ تھی۔ بعض نے موت پر بیعت کی۔ بعض نے فرار نہ ہونے پر اور ڈٹے رہنے پر بیعت کی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صحابہ نے موت پر اور فرار نہ ہونے پر بیعت کی۔ اس لیے کہ موت پر بیعت کرنے سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ راہ فرار اختیار نہیں کریں گے، چاہے جان ہی چلی جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ بیعت کرنے والوں پر موت لازماً واقع ہو کر ہی رہے گی۔ نافع رحمہ اللہ نے اسی بات کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ انھوں نے صبر پر بیعت کی تھی کہ وہ ثابت قدم رہیں گے چاہے انھیں موت ہی آ جائے۔[1] حافظ محمد حکمی حفظہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن حجر کی اس توجیہ کی تائید شعبی کی اس مرسل روایت سے ہوتی ہے جس میں ابوسنان رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ابو سنان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جو بات آپ کے من میں ہے، مجھ سے اس بات پر بیعت لے لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «مَا فِي نَفْسِي؟» ''بتاؤ میرے نفس میں کیا ہے؟'' ابوسنان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: فتح حاصل کریں گے یا شہادت پائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بس اُسی بات پر ابوسنان رضی اللہ عنہ سے بیعت لی۔ پھر اس کے بعد لوگ آئے اور وہ یہ کہہ کر بیعت کرنے لگے کہ ہم بھی اس بات پر بیعت کرتے ہیں جس پر ابوسنان نے بیعت کی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں قسم کی روایات صحیح ہیں۔ کچھ صحابہ نے موت پر بیعت کی اور کہا کہ ہم اس وقت تک آپ کے آگے آگے رہیں گے جب تک کہ قتل نہ کر دیے جائیں۔ کچھ صحابہ نے اس بات پر بیعت کی کہ وہ کبھی فرار نہیں ہوں گے۔[2]

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی بیعت

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں درخت کے تنے کے پاس بیعت کے لیے بلایا، سب سے پہلے میں نے بیعت کی، میرے بعد دوسرے حضرات بیعت کرنے لگے۔ جب نصف کے قریب لوگوں نے بیعت کر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَايِعْ يَا سَلَمَةُ!» ''سلمہ! تم بیعت کرو۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے تو سب سے پہلے بیعت کر لی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر سہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میرے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چمڑے کی ایک ڈھال عطا کی، پھر بیعت لینے میں مصروف ہو گئے۔ جب سب سے آخری شخص نے بیعت کر لی تو آپ نے پھر فرمایا: «أَلَا تُبَايِعُنِي يَا سَلَمَةُ!» ''اے سلمہ! تم بیعت کیوں نہیں کر لیتے۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں سب سے پہلے اور پھر بیچ میں دو مرتبہ

[1] فتح الباري: 143/6. [2] جامع الترمذي، بعد حديث: 1594، مرويات غزوة الحديبية، ص: 148، 149

بیعت کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا: پھر کرلو۔ میں نے تیسری مرتبہ آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا:

«يَا سَلَمَةُ! أَيْنَ حَجَفَتُكَ أَوْ دَرَقَتُكَ الَّتِي أَعْطَيْتُكَ؟»

''وہ ڈھال کہاں ہے جو میں نے تمھیں دی تھی؟''

میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! وہ ڈھال تو میں نے اپنے چچا عامر کو دے دی کیونکہ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

«إِنَّكَ كَالَّذِي قَالَ الْأَوَّلُ: اَللّٰهُمَّ! أَبْغِنِي حَبِيبًا هُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي»

''تمھاری مثال ایسی ہے جیسے پہلے زمانے کے کسی آدمی نے یہ دعا کی تھی: الٰہی! مجھے ایسا دوست عطا فرما جو مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو۔''[1]

ابن بطال نے مہلب رحمہ اللہ کا سلمہ رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ بیعت لینے کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ دراصل اس کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کی مضبوط بیعت کی تاکید فرمانا چاہتے تھے کیونکہ آپ ان کی بہادری اور اسلام کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانے سے واقف تھے۔ ان کی ثابت قدمی بھی مشہور تھی۔ اس بنا پر آپ انھیں بار بار بیعت کا حکم دیتے رہے تاکہ یہ ان کے لیے فضیلت کا باعث بن جائے مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ سلمہ رضی اللہ عنہ کے بار بار بیعت کرنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب سلمہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کرلی تو وہ قریب ہی بیٹھ گئے۔ پھر دیگر صحابہ نے بیعت کرنی شروع کر دی، پھر جب لوگوں کا رش کم ہوگیا تو آپ نے دوبارہ سلمہ سے فرمایا: بیعت کرو تاکہ پے در پے بیعت کرنے والوں میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ کیونکہ جب بیعت کرنے کے دوران وقفہ آجاتا ہے تو پے در پے بیعت کرنے والوں میں اس مقصد کے بارے میں جس پر بیعت ہو رہی ہوتی ہے، خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس وقت سلمہ رضی اللہ عنہ کی کوئی امتیازی خصوصیت یا فضیلت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن بطال نے سلمہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور استقامت کی طرف جو اشارہ کیا ہے، وہ خوبیاں ابھی عیاں بھی نہیں ہوئی تھیں کیونکہ وہ تو بعد میں غزوہ ذی قرد میں اُس وقت آشکار ہوئیں جب یہ ان مویشیوں کو چھڑا لائے جن پر مشرکین نے قبضہ کرلیا تھا اور انھوں نے ان مشرکوں کے کپڑے تک چھین لیے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے لیے دو حصے رکھے: ایک پیدل آدمی کا اور ایک شہسوار کا کیونکہ اس موقع پر انھوں نے

[1] صحیح مسلم: 1807.

بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر سلمہ رضی اللہ عنہ کو اس لیے دوبارہ بیعت کا حکم دیا کہ آپ ﷺ نے ان میں علامات خیر دیکھ لی تھیں۔ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ نے بیعت فرمائی

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بحیثیت سفیر مکہ روانہ فرمایا تھا۔ جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا: «لَا نَبْرَحُ حَتّٰى نُنَاجِزَ الْقَوْمَ» ''ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں ٹلیں گے جب تک ہم ان لوگوں سے بدلہ نہ لے لیں۔'' بیعت بھی اس لیے کی گئی تھی کہ کفار سے اس جنگ میں صحابہ ثابت قدم رہیں۔ چونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر محض خبر ہی کی حد تک تھی اور اس خبر کی تصدیق و توثیق نہیں ہوئی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس امر کا التزام و اہتمام رکھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس بیعت کے زبردست فضائل و برکات سے محروم نہ رہنے پائیں۔ اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت لیتے ہوئے فرمایا: «إِنَّ عُثْمَانَ فِي حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُولِهِ» ''عثمان، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کام کے لیے گئے ہوئے ہیں (اس لیے میں ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں)۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا: ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔'' رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک عثمان کے لیے لوگوں کے ہاتھوں سے بہتر تھا۔ [2]

سب سے پہلے بیعت کرنے والے صحابی

بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے بیعت کرنے والے ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ بنو اسد میں اس کنیت سے دو افراد معروف ہیں: ایک ابوسنان جو عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے اور دوسرے ابوسنان بن وہب رضی اللہ عنہ۔ اسی وجہ سے یہ اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے یہاں کون سے صحابی مراد ہیں۔ ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ بیعت رضوان کرنے والے سب سے پہلے ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ [3] ابن ہشام نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ [4] امام بیہقی نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے واسطے سے امام شعبی رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے لیے بلایا تو سب سے پہلے جو صاحب آپ ﷺ کے پاس پہنچے، وہ ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ابوسنان نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اپنا دست مبارک بڑھایئے تاکہ میں بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «عَلٰى مَا تُبَايِعُنِي؟»

1 فتح الباري: 246/13. 2 صحيح البخاري: 4066، جامع الترمذي: 3702. 3 الطبقات لابن سعد: 100/2.
4 السيرة لابن هشام: 330/3.

''تم کس بات پر مجھ سے بیعت کرو گے؟'' ابوسنان کہنے لگے: جو آپ کے دل میں ہے، میں اسی پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔[1]

ابن سید الناس نے بھی ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے بیعت کی۔[2] امام طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ابوسنان بن محصن رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔[3]
اس روایت کی سند ضعیف ہے اور اس کا متن بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ابوسنان بن محصن تو بنوقریظہ کے حصار سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ واقدی نے سنان بن ابی سنان بن محصن کا ذکر کیا ہے۔[4]
دوسری جانب ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام شعبی اور زِرّ بن حُبَیش کے حوالے سے ابوسنان بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔[5] اسی طرح ابن مندہ نے بھی زر بن حبیش سے ابوسنان بن وہب رضی اللہ عنہ ہی کا نام لکھا ہے۔[6] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شعبی اور زر بن حبیش کی روایات صحیح ہیں۔[7] امام بغوی کی روایت میں ابوسفیان بن حارث کا ذکر ہے،[8] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اہل مغازی کے نزدیک بھی ابوسنان بن وہب رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے صحابی ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔[9]

ابوسنان اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کی بیعت کا معاملہ

امام سفارینی نے ابوسنان بن وہب رضی اللہ عنہ کے واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہی پہلے شخص تھے جنھوں نے سب سے پہلے بیعت کی تھی اور صحیح مسلم میں پہلے سلمہ رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے کا تذکرہ ہے، وہ ان دونوں روایتوں کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابوسنان نے مطلق طور پر سب سے پہلے بیعت کی جب کہ انصار میں سے سب سے پہلے بیعت کرنے والے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ تھے، اس لیے سلمہ رضی اللہ عنہ کی اولیت ابوسنان رضی اللہ عنہ کے بعد ہے۔[10]

بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرکزِ اسلام مدینہ طیبہ سے تقریباً 400 کلومیٹر دور تھے۔ کفار کے مقابلے میں ان کی کل تعداد 1400 تھی اور وہ بھی باقاعدہ کسی جنگ کے لیے نہیں نکلے تھے۔ دشمن اپنے علاقے میں تھا۔ ان کے حلیفوں کی مدد بھی انھیں پہنچ سکتی تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان حالات سے بے نیاز، شوقِ شہادت سے سرشار دیوانہ وار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1 دلائل النبوة للبيهقي: 137/4. 2 عيون الأثر، ص: 320. 3 المعجم الأوسط للطبراني: 576/1. 4 المغازي للواقدي: 92,91/2. 5 الاستيعاب: 39/2. 6 الإصابة: 162/7. 7 الإصابة: 157/3. 8 معجم الصحابة للبغوي: 404/5. 9 الإصابة: 153/7. 10 شرح ثلاثيات مسند أحمد: 733/2 بحوالہ مرويات غزوة الحديبية، ص: 149-153.

کے دست مبارک پر جان دینے کی بیعت کر رہے تھے۔ چشمِ فلک نے شوق و جاں نثاری کا یہ ذوق کب دیکھا ہوگا! اللہ تعالیٰ صحابہ کی بے سر و سامانی میں اس عزم مصمم پر اس قدر راضی ہوا کہ اپنے حبیب سے اس بیعت کو اپنے سے بیعت قرار دیا، چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ○ ﴾

''بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد شکنی کی، تو بس وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے، اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا، تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''[1]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کی شان بیان کی ہے اور اپنے رسول سے ان کی بیعت کو اپنے ساتھ بیعت قرار دیا ہے۔ اس میں بیعت کرنے والے صحابہ کی بے حد عزت افزائی کی گئی ہے اور انھیں بہت بڑے مرتبے سے نوازا گیا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کیجیے: ''جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔'' جب صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر رہے تھے اور آپ اپنا مبارک ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھ رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ لوگوں اور اللہ تعالیٰ کے مابین سفیر ربانی تھے تو مسلمانوں کی یہ بیعت اللہ تعالیٰ ہی سے ہوئی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے اور اپنی ساری مخلوق سے اوپر ہے تو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہی ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے اوپر ہے۔[2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ اس بیعت میں شامل ہونے والوں کو اپنی رضا مندی کی خوشخبری دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ○ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ ﴾

''البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، چنانچہ ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا، اُسے اللہ نے جان لیا، تو اس نے ان پر تسکین وطمانیت نازل کی اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح عطا فرمائی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جو وہ حاصل کریں گے۔ اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔''[3]

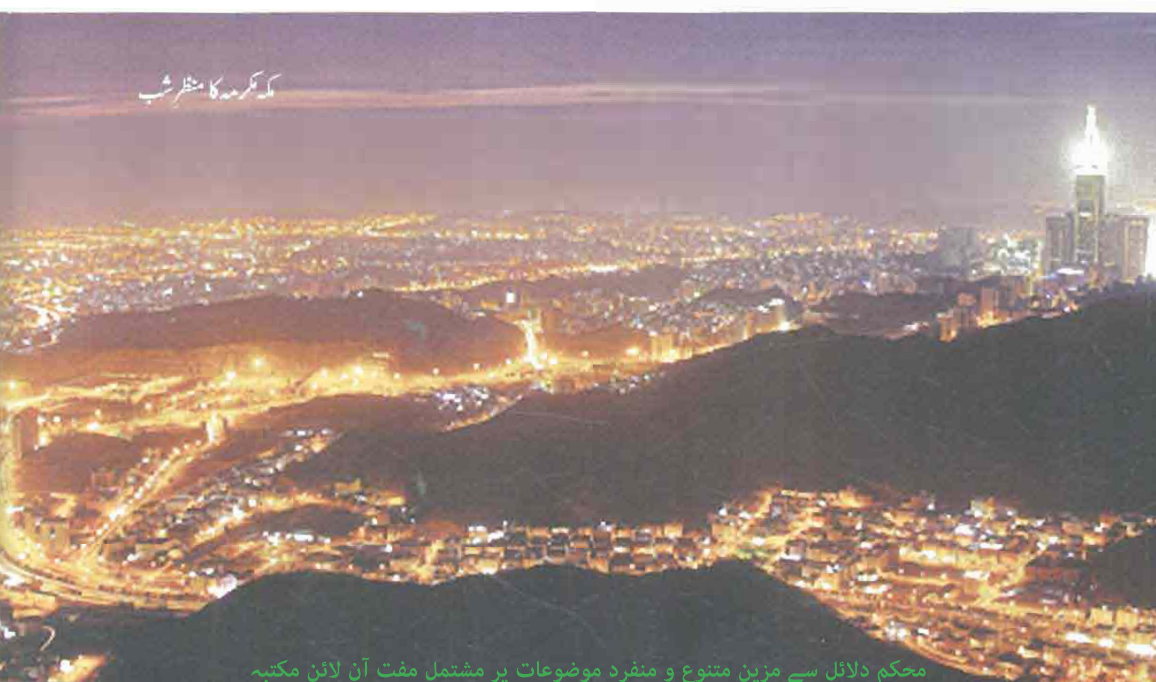
[1] الفتح 48:10. [2] مختصر الصواعق المرسلة لابن القیم: 3/989، 990. [3] الفتح 48:18، 19

یہاں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ ان منتخب افراد سے راضی ہو چکا ہے جو بیعت رضوان والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہو جائے، اُس سے وہ کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ اللہ کی قسم! جو مقام و مرتبہ بیعت رضوان والوں کو مل گیا، اُس کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ اللہ! یہ کتنا رفیع و وقیع مرتبہ ہے، کتنی بڑی فضیلت ہے۔ درج بالا آیت میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے راضی ہو چکا ہے۔ وہ کتنا ایمان افروز اور ولولہ انگیز منظر تھا جب آپ کے ساتھیوں نے درخت کے نیچے آپ کے دست مبارک پر قریش کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی بیعت کی۔ ان کی بیعت کیکر کے درخت تلے تھی۔ اے محمد ﷺ! درخت تلے جب آپ کے صحابہ آپ سے بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے خوب جان لیا کہ وہ صدقِ نیت، وفاداری اور سمع و طاعت سے بیعت کر رہے ہیں اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دکھائے ہوئے حق کے رستے پر کس قدر بصیرت اور استقامت کا مظاہرہ کیا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر سکون و اطمینان کی چادر تان دی۔

اس فتح سے مراد وہ صلح ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان کرا دی اور اس کے بعد مسلسل خیر و برکت کا دور شروع ہوگیا۔ اس صلح کے فوراً بعد پہلے خیبر فتح ہوا، پھر مکہ مکرمہ اور پھر دیگر تمام علاقے اسلام کے سایۂ رحمت میں آگئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دنیا و آخرت کی عزت و سربلندی اور فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔

غنیمتوں کا وعدہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:


مکہ مکرمہ کا منظر شب

﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ ﴾

''اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، پھر اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کردیں، اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے، تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے، اور تاکہ وہ تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ اور (اللہ نے) دوسری غنیمتوں کا بھی (وعدہ کیا) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے۔ یقیناً اللہ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے، اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[1]

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے غنیمتوں کا جو وعدہ فرمایا، اس سے مراد آج تک حاصل ہونے والی تمام غنیمتیں ہیں۔

آیت کریمہ میں صلح حدیبیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ اللہ نے دشمنوں کے ہاتھوں کو تمھاری طرف بڑھنے سے روک دیا تھا اور وہ جنگ و جدال کے جو منصوبے بنا رہے تھے، ان سے تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان والوں کے بارے میں فرمایا کہ اُسی نے انھیں تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہی اس کے زیادہ اہل اور حق دار تھے۔ مزید ارشاد فرمایا:

﴿ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ﴾

''جن لوگوں نے کفر کیا جب انھوں نے اپنے دلوں میں حمیت (غیرت) پیدا کرلی، جاہلیت کی حمیت (غیرت)، تو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر تسکین نازل کی اور ان کو تقویٰ کی بات پر ثابت قدم رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے۔ اور اللہ ہر شے کو خوب جانتا ہے۔''[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمادی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ ہی نے تقوے کی بات پر ثابت قدم رکھا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک کلمۂ تقویٰ سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ وضاحت فرمادی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کفار کی نسبت کلمۂ تقویٰ کے زیادہ حقدار تھے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق وہی اس کے اہل تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نصرت اور پیغمبر کی مصاحبت کے لیے اہل خیر و صلاح لوگوں ہی کو چنا ہے۔[3]

1 الفتح 21,20:48. 2 الفتح 26:48. 3 تفسیر الطبری، الفتح 26:48

احادیث میں بھی بیعت رضوان کرنے والوں کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ امام احمد بن حنبل ؒ نے سیدنا جابر ؓ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ»

”درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔“ [1]

صحیحین میں سیدنا جابر ؓ کی ایک دوسری روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن فرمایا:

«أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ»

”تم اہلِ زمین میں سب سے بہتر لوگ ہو۔“

ہم اس وقت چودہ سو افراد تھے۔ اگر آج میری آنکھیں بینا ہوتیں تو میں تمھیں اس درخت کی جگہ دکھاتا۔ [2]

حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: اصحاب شجرہ کی فضیلت کے بارے میں یہ روایت بالکل واضح ہے، حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی ایک جماعت مکہ اور مدینہ وغیرہ میں بھی موجود تھی (لیکن رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والوں کے بارے میں مندرجہ بالا فضیلت بیان فرمائی)۔ [3]

صحیح مسلم میں سیدنا جابر ؓ سے روایت ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ ؓ کا ایک غلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاطب کی شکایت کرنے آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! حاطب ضرور آگ میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:

«كَذَبْتَ لَا يَدْخُلُهَا، فَإِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَةَ»

”تو نے جھوٹ بولا ہے، وہ آگ میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شامل ہوا تھا۔“ [4]

سیدنا جابر ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ام مبشر ؓ نے بتایا کہ انھوں نے سیدہ حفصہ ؓ کے ہاں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ مِنَ الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَهَا»

”ان شاء اللہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔“

یہ سن کر سیدہ حفصہ ؓ نے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں؟“ آپ ﷺ نے انھیں ڈانٹا۔ حفصہ ؓ

[1] مسند أحمد: 3/350. [2] صحيح البخاري: 4154، صحيح مسلم: 1856. [3] فتح الباري: 7/552. [4] صحيح مسلم: 2495.

نے عرض کیا: پھر قرآن کی اس آیت کا مفہوم کیا ہے: ﴿وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾ (مریم 19:71) ''تم میں سے ہر ایک جہنم پر ضرور وارد ہونے والا ہے۔'' تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝﴾ (مریم 19:72)»

''اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تو فرمایا ہے: ''پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔''[1]

امام نووی ؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''اصحاب شجرہ میں سے کوئی بھی ان شاء اللہ آگ میں داخل نہیں ہوگا۔'' کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے یقیناً کوئی بھی آگ میں داخل نہ ہوگا۔ آپ نے ''ان شاء اللہ'' برکت کے طور پر کہا ہے، شک کی بنا پر نہیں کہا۔ رہا سیدہ حفصہ ؓ کا سوال اور قرآنی آیت تو نبی ﷺ نے اس آیت کے بعد والی آیت پڑھ کر سنا دی اور اپنے ارشاد مبارک کی توضیح کر دی۔

اس میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے مناظرہ اور اعتراض کرنے اور جواب دینے کی دلیل موجود ہے۔ سیدہ حفصہ ؓ کا مقصود یہی تھا، وہ آپ ﷺ کی بات تردید کرنے کی ہرگز خواہش مند نہیں تھیں۔ آیت میں وارد ہونے کا جو ذکر ہے تو اس کے متعلق صحیح قول یہی ہے کہ اس سے مراد ''پل صراط'' سے گزرنا ہے۔ پل صراط جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا، جہنمی اس میں جا گریں گے اور باقی بچ نکلیں گے۔[2]

امام مسلم ؒ نے سیدنا جابر ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَصْعَدُ الثَّنِيَّةَ، ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ، فَإِنَّهُ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ»

''جو شخص مرار گھاٹی پر چڑھ جائے گا، اس کے گناہ اس طرح معاف ہو جائیں گے جیسے بنی اسرائیل کے معاف

[1] صحیح مسلم: 2496۔ [2] شرح مسلم: 16/85۔



بیرونِ مکہ کی گھاٹی ''ثنیۃ المرار''

ہو جاتے (اگر وہ حکم الٰہی پر عمل کر لیتے)۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سب سے پہلے اس گھاٹی پر ہمارے، یعنی بنوخزرج کے گھوڑے چڑھے، پھر لوگوں کا تانتا بندھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَكُلُّكُمْ مَغْفُورٌ لَهُ إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ»

''تم میں سے ہر ایک کی بخشش ہوگئی سوائے لال اونٹ والے کے۔''

ہم اس شخص کے پاس گئے اور ہم نے کہا: ''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلا جا تاکہ وہ تیرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔'' وہ بولا: ''اللہ کی قسم! میں اپنی گمشدہ چیز پا جاؤں، یہ بات مجھے اس امر سے زیادہ پسند ہے کہ تمھارے صاحب کی دعا سے مجھے بخش دیا جائے۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ شخص اپنی گم شدہ چیز ڈھونڈ رہا تھا۔[1]

اس حدیث میں حدیبیہ والوں کی بہت بڑی فضیلت کا ذکر ہوا ہے، یعنی انھیں اللہ تعالیٰ کی جناب سے مغفرت کا پروانہ نصیب ہوا۔ پروردگار نے انھیں بے مثال فضیلت سے نوازا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کے اخلاص کا صلہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع و طاعت کا ثمر تھا۔[2]

درج بالا صحیح نصوص میں حدیبیہ والی جماعت کی متعدد صفات بیان ہوئی ہیں کہ وہ لوگ تمام اہل زمین سے افضل ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ نے مغفرت سے نوازا ہے۔ ان میں سے کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اس جلیل القدر جماعت کا جب ہم اہل بدر سے تقابل کرتے ہیں تو ہمیں کل لشکر میں نصف سے زیادہ مہاجرین نظر آتے ہیں۔ بدر میں مہاجرین کی تعداد تراسی تھی جبکہ وہ اس موقع پر آٹھ سو کی تعداد میں تھے۔ ان میں سے اکثر پڑوس میں واقع چھوٹے چھوٹے عرب قبائل سے آنے والے مہاجرین تھے۔ ان کے نوجوان مدینہ منورہ آتے، مسجد نبوی میں تربیت پاتے اور غزوات

1 صحیح مسلم: 2780. 2 عقیدة أهل السنة والجماعة: 212/1



مسجدِ نبوی رات کے اوقات میں

سے عملی تربیت حاصل کرتے تھے۔ وہ بہترین فوجی تربیت حاصل کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست دین کا فہم حاصل کرتے تھے۔ وہ اپنے سے پہلے مسلمان ہونے والے عظیم مہاجرین وانصار کی زیرِ تربیت پروان چڑھ رہے تھے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ یوں ان کے قبائل شرف وعزت میں بڑے بڑے قبائل سے بہت آگے بڑھ گئے، جبکہ بڑے بڑے قبائل اسلام کے سائے میں آنے اور مددگار بننے کے شرف سے محروم رہ گئے، قبیلہ اسلم اور غفار ان قبائل میں سب سے آگے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کے بعد اس کا سہرا مسلمانوں میں سے سبقت لے جانے والوں اور اسلامی دعوت کے اولین ارکان کے سر جاتا ہے۔ یوں کہہ لیجیے کہ مکہ مکرمہ میں سابقون اولون کے ساتھ اسلام لانے والے صحابی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو یہ رفعت وفضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنی قوم میں داعی بن کر گئے اور غزوۂ احد کے بعد

مسجد ابوذر غفاری (الشارقہ، متحدہ عرب امارات)



قبیلۂ غفار کا علاقہ



غفار کے ستر گھرانوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ یہی فضیلت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہے جو ہجرت سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے ملے اور اپنی قوم کے ستر آدمیوں کے ساتھ اسلام لائے تھے۔

رہے بقیہ قبائل جیسے مزینہ، جہینہ، اشجع اور خزاعہ تو ان کے نوجوان بہت تھوڑی تعداد میں اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ آئے تھے، جبکہ ان کی اکثریت شرک وکفر ہی میں گھری رہی۔ یہ لوگ مدینہ منورہ کے تربیتی ماحول سے کنارہ کش رہے۔ لہٰذا حدیبیہ کی طرف آنے والے خوش نصیب مسلمانوں کی صف میں عدم شمولیت کی وجہ سے وہ آیات ان پر بجلیاں بن کر گریں جن میں پیچھے رہنے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی تھی۔[1]

صلح کے اسباب

حدیبیہ کے موقع پر صلح کا اہم ترین سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا موقف مبنی برحق اور پوری طرح امن وسلامتی

1 التربیة القیادیة للدکتور الغضبان: 4/214-216

والا تھا۔ آپ ﷺ نے صراحت سے فرمایا تھا:

"والَّذي نَفْسي بيدِه! لا يسألُوني خُطَّةً يُعظِّمون فيها حُرُماتِ اللهِ إلّا أعطيتُهم إيّاها"

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر کفارِ قریش مجھ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کریں جس میں وہ اللہ کی حرمت وعزت والی چیزوں کی تعظیم کریں تو میں اسے ضرور منظور کرلوں گا۔''

اس فرمانِ نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہی سب سے پہلے صلح اور سلامتی کے بدرجہ غایت آرزومند تھے اور مکہ مکرمہ کے تقدس واحترام کے پیش نظر لڑائی کے ہرگز روادار نہیں تھے۔

دوسری طرف جب قریشِ مکہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنے کی اطلاع ملی تو انھیں یقین ہوگیا کہ مسلمان اپنے موقف سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹیں گے اور موت پر بیعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر صلح کی طرف جلدی ہاتھ نہ بڑھایا گیا تو شہرِ امن میں خون ریزی ہوگی۔ اور احرام باندھے ہوئے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے سے سارے علاقے میں ہماری عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔ ایسی صورت میں حلیفوں کا ساتھ بھی چھوٹ سکتا ہے۔ اشرافِ قریش اور حلفائے قریش رسول اللہ ﷺ کے ارادوں سے بخوبی باخبر تھے۔ مسلمانوں کا یہ سفر صرف بیت اللہ کے طواف اور تکریم کے لیے تھا۔ اس سفر میں اللہ کی رضا کے حصول کے علاوہ کوئی اور مقصد کارفرما نہ تھا۔ عرب رسول اللہ ﷺ کی سچائی اور ثابت قدمی سے خوب واقف تھے۔ اسی لیے سردارِ احابیش حلیس بن علقمہ اور سردارِ طائف عروہ بن مسعود قریشِ مکہ کو مسلمانوں سے لڑنے کی ممانعت اور تلقین کر چکے تھے۔

مشرکین مکہ کی پریشانی

مشرکینِ مکہ اپنی جھوٹی انا اور گرتی ہوئی ساکھ بحال رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کا مکہ میں امن وسلامتی

طائف شہر کا ایک خوبصورت منظر

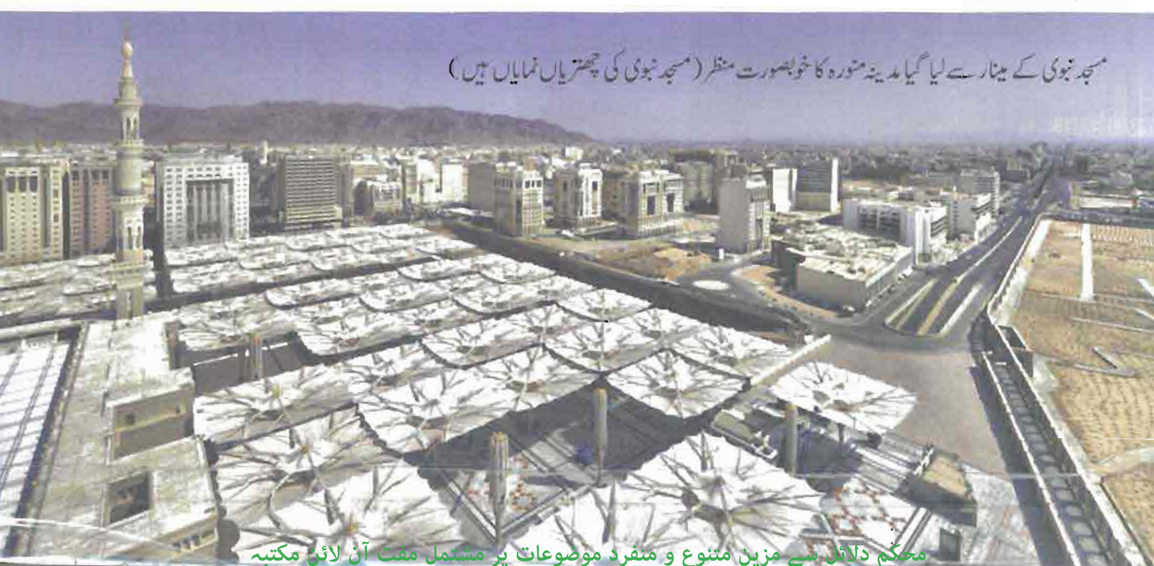


سے داخل ہونا اور بیت اللہ کا طواف کرنا، سخت ذلت کا موجب تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کا بغض وعناد اور صریح دشمنی عروج پر تھی۔ غزوۂ بدر میں ذلت آمیز شکست، احد وخندق میں نامرادی اور یہودیوں کا مدینہ سے در بدر اور تباہ ہونا قریش کی پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا۔ انھیں یہ کیسے گوارا ہوسکتا تھا کہ مسلمان اپنی مرضی سے بیت اللہ کا طواف کریں۔

قریشِ مکہ یہ بھول گئے تھے کہ ان کا شعار حجاج کی تکریم اور اعانت ہے اور اسی وجہ سے انھیں عرب میں عزت و احترام کا مقام حاصل ہے۔ اس وقت قریش اپنا فرضِ منصبی بھول گئے اور تکبر میں مبتلا ہوکر شیطانی حربوں کے غلام بن گئے۔ اب وہ اپنے عملِ بد کی رُو سے بیت اللہ کے متولی نہیں رہے تھے بلکہ ان شیطانوں کے آلۂ کار بن گئے تھے جنھیں وہ مورتیوں کی صورت میں پوجتے تھے۔

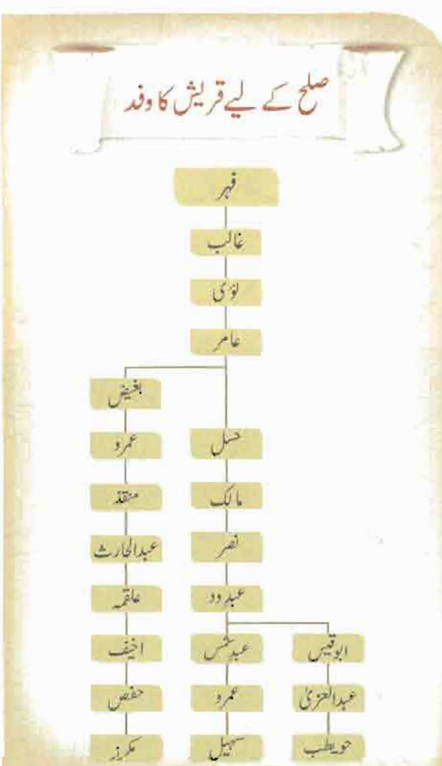
اگر قریش بزور شمشیر مسلمانوں کو روکتے تو مسلمان موت پر بیعت کر چکے تھے اور جذبۂ جہاد سے پوری طرح سرشار تھے۔ ہرچند قریشی وادی بلدح میں اپنے حلیفوں کے ساتھ آٹھ ہزار جنگجو تیار کیے بیٹھے تھے لیکن چودہ سو مسلمانوں کا ولولہ اور حوصلہ قریشیوں کو یہ باور کرا دینے کے لیے کافی تھا کہ تباہی و بربادی قریش ہی کا مقدر ہوگی، چنانچہ قریش نے اسی میں عافیت جانی کہ مسلمانوں سے کسی نہ کسی طرح صلح کر کے انھیں واپسی پر رضا مند کیا جائے تاکہ ان کی تیزی سے گرتی ہوئی ساکھ بحال ہوسکے۔

رسول اللہ ﷺ کو بھی حدود اللہ کا احترام بدرجۂ غایت ملحوظ تھا اور آپ بہرصورت صلح کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی سب سے بڑی تڑپ اور طلب یہ تھی کہ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح مسلمان ہوجائیں۔ یوں انھیں قتل کر کے جہنم رسید کرنے کے بجائے دعوت کے ذریعے اسلام میں داخل کیا جائے تاکہ ان کے اسلام کی بدولت دیگر عرب بھی خوشی خوشی اسلام قبول کرلیں۔


مسجد نبوی کے مینار سے لیا گیا مدینہ منورہ کا خوبصورت منظر (مسجد نبوی کی چھتریاں نمایاں ہیں)

قریش کے معاہدے

قریشِ مکہ دوسری قوموں سے صلح صفائی سے رہنے کے خواہش مند تھے اگرچہ ان کا بعض گروہوں سے جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا لیکن وہ اکثر و بیشتر معاہدے بھی کرتے تھے۔ انھوں نے مختلف گروہوں سے تجارتی معاہدے کر رکھے تھے۔ قیصر و کسریٰ سے ان کا تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا تھا۔ جس طرح ہاشم بن عبدمناف نے قیصر و کسریٰ سے معاہدہ کر رکھا تھا۔ دوسری طرف امیہ بن عبدشمس نے شاہِ حبشہ نجاشی سے سلام دعا بڑھا رکھی تھی۔ اب وہ قائل ہو گئے کہ اسی طرح کا ایک معاہدہ مسلمانوں کے ساتھ بھی ہونا چاہیے جس کے تحت طرفین امن سے رہ سکیں، چنانچہ سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مکہ سے پلٹے تو اسی اثنا میں سہیل بن عمرو، حویطب اور مکرز قریش کی طرف آئے، انھوں نے قریش کو وہ سب کچھ بتایا جو وہ دیکھ کر گئے تھے کہ کس طرح صحابہ نے کتنی جاں نثاری کے جذبے سے لپک لپک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی ہے اور وہ جنگ کے لیے چوکس بیٹھے ہیں۔ یہ باتیں سن کر کفارِ قریش پر مسلمانوں کا زبردست رعب طاری ہو گیا۔ قریش کے دور اندیش اور سمجھدار لوگوں نے کہا: اس سے بہتر کوئی حل نہیں کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لیں کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں، بیت اللہ نہ آئیں تاکہ عرب سمجھ لیں کہ ہم نے مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخلے سے روک دیا ہے۔ وہ اگلے سال آئیں، تین دن رہیں، قربانی کریں اور مدینہ چلے جائیں۔[1]



صلح کے لیے قریش کے وفد کی روانگی

سہیل بن عمرو قریش کے سرکردہ سرداروں میں سے تھا۔ وہ دور اندیش، سمجھ بوجھ والا اور سیاسی بصیرت کا حامل تھا۔ اس وفد میں سہیل کے علاوہ حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص شامل تھے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق مکرز پہلے سے وہاں موجود تھا۔[2]

1 المغازي للواقدي : 93/2، سبل الهدى والرشاد : 52/5.

2 صحيح البخاري: 2731، 2732.

سہیل کو قریش کی ہدایات

قریش نے سہیل کو روانہ کرتے وقت ہدایات دیتے ہوئے کہا:

اِئْتِ مُحَمَّدًا فَصَالِحْهُ، وَلَا يَكُنْ فِي صُلْحِهٖ إِلَّا أَنْ يَّرْجِعَ عَنَّا عَامَهُ هٰذَا، فَوَاللّٰهِ! لَا تُحَدِّثُ الْعَرَبُ عَنَّا أَنَّهُ دَخَلَهَا عَلَيْنَا عَنْوَةً أَبَدًا.

''محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کا عہد و پیمان کرو۔ یہ خوب سن لو کہ صلح کی شرائط میں یہ شرط ضرور رکھنا کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں۔ اللہ کی قسم! ہم عرب کے لوگوں سے ہرگز یہ سننا نہیں چاہتے کہ محمد (ﷺ) زبردستی مکہ میں داخل ہوگئے ہیں (اور ہم انھیں روکنے کی طاقت نہیں رکھتے)۔''

وفد قریش حدیبیہ میں

سہیل بن عمرو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دور سے دیکھتے ہی فرمایا:

«قَدْ أَرَادَ الْقَوْمُ الصُّلْحَ حِينَ بَعَثُوا هٰذَا الرَّجُلَ»

''اس شخص کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ قریش نے صلح کا ارادہ کرلیا ہے۔''[1]

صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں:

«قَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ»

''تمھارے لیے تمھارا معاملہ آسان ہوگیا ہے۔''[2]

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ سَهَّلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ، اَلْقَوْمُ مَاتُونَ إِلَيْكُمْ بِأَرْحَامِكُمْ، وَسَائِلُوكُمُ الصُّلْحَ، فَابْعَثُوا الْهَدْيَ وَأَظْهِرُوا التَّلْبِيَةَ، لَعَلَّ ذٰلِكَ يُلَيِّنُ قُلُوبَهُمْ»

''اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تمھارا معاملہ آسان کر دیا ہے۔ (اب) یہ لوگ تمھاری قرابت داری کا سہارا لے کر تمھارے پاس آرہے ہیں اور تم سے صلح کے طلب گار ہیں۔ ان کے سامنے قربانی کے جانور کھڑے کر دو اور بلند آواز سے تلبیہ پکارو، شاید اس سے ان کے دل نرم پڑ جائیں۔''

1 السيرة لابن إسحاق: 461/2. 2 صحيح البخاري: 2732،2731.

آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتنی بلند آہنگی سے تلبیہ پکارنا شروع کر دیا کہ فضا گونج اٹھی۔ [1]

سہیل کی طرف سے مذاکرات کا آغاز

قریش مکہ نے سہیل کو جو ہدایات دی تھیں، ان میں اہم بات یہی تھی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں، اگلے سال عمرہ کرنے آئیں۔ باقی امور میں انھوں نے سہیل کو بااختیار بنایا تھا اور درپیش حالات کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے معاہدے کی جزئیات طے کرنے کی کھلی چھوٹ دی تھی۔ سہیل اپنے وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ اُس نے سب سے پہلے نبی ﷺ سے قریشی جنگجوؤں کی زیادتیوں پر معذرت کی۔ اس نے کہا: کچھ باؤلے قریشی جنگجوؤں نے اشتعال انگیزی کی ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہوا، اس نے افسوس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ عثمان اور دیگر صحابہ کو مکہ میں محبوس رکھنا بھی غلط بات ہے۔ اس نے افسوس کے ساتھ یہ بھی کہا:

مَنْ قَاتَلَكَ لَمْ يَكُنْ مَنْ رَأْيِ ذَوِي رَأْيِنَا، وَلَا ذَوِي الْأَحْلَامِ مِنَّا، بَلْ كُنَّا لَهُ كَارِهِينَ، حِينَ بَلَغَنَا وَلَمْ نَعْلَمْ بِهِ، وَكَانَ مِنْ سُفَهَائِنَا.

”جنھوں نے آپ سے لڑائی کی ہے، وہ ہمارے سمجھدار لوگوں میں سے نہیں تھے، نہ انھیں کسی صاحب حیثیت نے لڑنے کے لیے کہا تھا۔ ہمیں اس کا علم تک نہیں تھا۔ جب ہمیں پتہ چلا تو ہم نے اس طرز عمل کو پسند نہیں کیا۔ یہ ہمارے بیوقوفوں کی کارروائی تھی۔“

قیدیوں کی رہائی

سہیل بن عمرو نے معذرت کے بعد کہا: آپ نے پہلی اور آخری دفعہ دونوں مواقع پر ہمارے جن لوگوں کو قید کیا ہے، انھیں چھوڑ دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي غَيْرُ مُرْسِلِهِمْ حَتَّى تُرْسِلَ أَصْحَابِي»

”میں اُس وقت تک تمھارے افراد کو نہیں چھوڑوں گا جب تک تم لوگ میرے صحابہ کو نہیں چھوڑو گے۔“

سہیل بولا: ”ہاں، یہ بات بالکل قرین انصاف ہے۔“

چنانچہ سہیل نے شتیم بن عبدمناف تیمی کو قریش کی طرف روانہ کیا اور مسلمان قیدیوں کو رہا کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا: تم لوگوں نے محمد (ﷺ) کے کچھ لوگوں کو روک رکھا ہے، حالانکہ تمھاری ان کے ساتھ رشتہ داری ہے۔ تم

[1] تاريخ الطبري: 277/2، المصنف لابن أبي شيبة: 385/7

انھیں قتل نہیں کر سکتے، ہمیں یہ ناپسند ہے۔ محمد (ﷺ) نے تمھارے افراد کو اس وقت تک چھوڑنے سے انکار کر دیا ہے جب تک کہ تم ان کے صحابہ کو نہیں چھوڑ دیتے۔ انھوں نے ہمارے ساتھ انصاف کیا ہے۔ تمھیں جاننا چاہیے کہ محمد (ﷺ) تمھارے ساتھیوں کو رہا کر دیں گے۔

اہل مکہ نے یہ پیغام سننے کے بعد اپنے ہاں محبوس صحابہ ؓ کو چھوڑ دیا۔ یہ کل گیارہ افراد تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہلی اور آخری مرتبہ جو مشرکین قید ہوئے تھے، انھیں بھی رہا کر دیا گیا۔ پہلی مرتبہ قید ہونے والوں میں ابوسفیان کا بیٹا عمرو بھی شامل تھا۔[1]

معاہدے کے لیے بحث

ابتدائی بات چیت اور قیدیوں کی رہائی کے بعد فریقین صلح کی شقوں پر گفتگو کرنے لگے۔ اس بحث میں جانبین کی یہی خواہش تھی کہ صلح کی شرائط ایسی ہوں جن سے اسے فائدہ پہنچے، چنانچہ اس بحث وتکرار کی وجہ سے مناقشہ بڑھتا گیا۔

سہیل کو رسول اللہ ﷺ کے محافظوں کی ڈانٹ

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ کے اردگرد موجود تھے۔ عباد بن بشر اور سلمہ بن اسلم ؓ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے اسلحہ زیب تن کیے ہوئے آپ کے قریب کھڑے تھے۔ مذاکرات کرتے کرتے سہیل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بلند آواز سے بولنے لگا تو عباد بن بشر ؓ نے سہیل کو ڈانٹا اور کہا: ”خبردار! رسول اللہ ﷺ کے حضور تمھاری آواز بلند نہ ہونے پائے۔“

سیدہ ام عمارہ ؓ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں: ”جب صلح حدیبیہ کے لیے بات چیت ہو رہی تھی تو میں اس دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمہ بن اسلم اور عباد بن بشر ؓ مسلح ہو کر آپ کی حفاظت کر رہے تھے۔ جب سہیل کی آواز بلند ہوئی تو ان دونوں نے سہیل کو ٹوکا اور کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنی آواز پست رکھو۔ اس موقع پر سہیل دوزانو ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ (اپنی بات منوانے کے لیے) بلند آواز سے بات کر رہا تھا۔ میں اس کے ہونٹ کے نشان اور پچھلی کے دانت دیکھ رہی تھی۔ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔“[2]

1 المغازی للواقدی: 92/2. 2 المغازی للواقدی: 94,93/2.

جب سہیل آیا تھا تو آپ ﷺ کے سامنے پاؤں پسار کر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن جب معاہدے کی جزئیات پر بحث ہونے لگی تو آپ ﷺ نے بھی وہی حالت اختیار کر لی جو اس نے ابتدائے کلام میں اختیار کی تھی تاکہ سہیل اس وہم میں نہ رہے کہ وہ کسی طور معاہدے پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ قریش کی شرط مان گئے

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سمیت وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو مکہ میں روک لیے گئے تھے، وہ سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آ چکے تھے۔ اب رسول اللہ ﷺ امن و سلامتی اور دعوت و تبلیغ جیسے فریضۂ عظمیٰ کے پیش نظر قریش کی یہ شرط ماننے کے لیے رضا مند ہو گئے کہ مسلمان اس دفعہ عمرہ نہیں کریں گے۔ آپ نے یہ معاملہ اگلے سال تک مؤخر کر دیا۔

بظاہر یہ فیصلہ انتہائی صبر آزما اور پریشان کن تھا۔ تمام صحابۂ کرام بیت اللہ کی محبت میں اللہ کی رضا کے حصول کے لیے تڑپ رہے تھے لیکن یہاں تو اللہ کی رضا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے مشروط تھی۔ یہ فیصلہ خود رسول اللہ ﷺ کا نہیں تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا اور رسول اللہ ﷺ صرف اللہ کے فیصلے کے تابع تھے۔ بعد ازاں اس بارے میں جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ذہنی تحفظات اور تأثرات ظاہر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللّٰهُ أَبَدًا»

''میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔'' [1]

اس ارشاد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کیے بغیر واپس چلے جانے کی شرط اللہ تعالیٰ کے حکم سے مانی تھی۔ اس کے زبردست فوائد کا عام مسلمانوں کو اندازہ ہی نہیں تھا۔

سہیل بن عمرو کہنے لگا: آئیے! ہم ایک معاہدہ تحریر کر لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ تحریر کرنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ انھوں نے یہ معاہدہ تحریر کیا۔

صحیح بخاری میں معاہدۂ حدیبیہ کے بارے میں جو روایت ہے، اس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

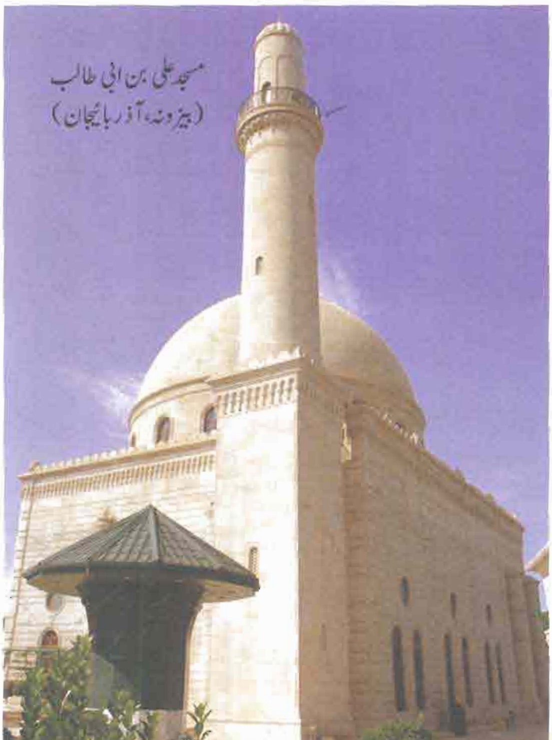
لَمَّا صَالَحَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَهْلَ الْحُدَيْبِيَةِ كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ بَيْنَهُمْ كِتَابًا.

[1] صحيح البخاري: 3182.

''جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والوں سے صلح فرمائی تو اس روز سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کے مابین معاہدہ لکھا۔''[1]

صلح کے مسودے پر اعتراضات اور ان کا جواب

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لکھو: «بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ» سہیل کہنے لگا: میں رحمٰن کو نہیں جانتا، اس لیے لکھیں: بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ. ''اے اللہ! تیرے نام سے۔'' جیسا کہ آپ پہلے لکھا کرتے تھے۔



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس موقع پر تکرار کرنے لگے، انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھوائیں گے۔ آپ ﷺ نے سیاسی بصیرت کی بنا پر سہیل کی بات مان لی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «اُكْتُبْ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» ''بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھ دو۔'' اس کے بعد آپ نے یہ لکھوایا: «هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ» ''یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی ہے۔'' یہ سنتے ہی سہیل نے اعتراض اُٹھایا اور کہا: اللہ کی قسم! اگر ہمیں یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم کبھی آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے نہ روکتے، نہ آپ سے لڑائی کرتے۔ یہاں لکھیں: ''محمد بن عبداللہ۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَاللّٰهِ! إِنِّي لَرَسُولُ اللّٰهِ وَإِنْ كَذَّبْتُمُونِي» ''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں چاہے تم مجھے جھٹلاؤ۔''[2]

اس موقع پر سیدنا اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان سے کہنے لگے: محمد رسول اللہ ﷺ ہی لکھیے اور کچھ مت لکھیے ورنہ ہمارے اور ان کے مابین تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں قبول کریں؟ اس موقع پر آوازیں بلند ہونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو ہاتھ کے

1 صحيح البخاري: 2698. 2 صحيح البخاري: 2732,2731

اشارے سے آوازیں بلند کرنے سے روکا اور حکم دیا: "أُسْكُتُوا" "خاموش ہو جاؤ۔"[1]

"رسول اللہ" کے الفاظ حذف کرنے سے علی رضی اللہ عنہ کا انکار

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے مابین صلح نامہ لکھا۔ انھوں نے لکھا: هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ. "یہ وہ معاہدہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرایا ہے۔" مشرکین کہنے لگے: رسول اللہ نہ لکھو کیونکہ اگر ہمیں یقین ہوتا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے لڑائی نہ لڑتے۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اُمْحُهُ" "اسے مٹا دو۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں تو اسے نہیں مٹا سکتا، چنانچہ آپ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "أَرِنِي مَكَانَهَا" "مجھے اس کی جگہ دکھاؤ۔" انھوں نے آپ کو اس لفظ کی جگہ دکھائی تو آپ نے اسے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔[2]

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: "أُكْتُبْ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ" "محمد بن عبداللہ لکھو۔" امام زہری رحمہ اللہ اس حوالے سے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہیل کی تمام باتیں اس وجہ سے مانتے رہے کہ آپ نے شروع ہی میں یہ فرما دیا تھا: "لَا يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا" "مشرکین ایسا جو بھی مطالبہ کریں جس میں وہ اللہ کی حرمت وعزت والی چیزوں کی تعظیم کریں تو میں اسے منظور کر لوں گا۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو سے فرمایا: "عَلٰى أَنْ تُخَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْبَيْتِ، فَنَطُوفَ بِهِ" "شرط یہ ہے کہ تم ہمارے اور بیت اللہ کے بیچ سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم طواف کر لیں۔" سہیل کہنے لگا: اللہ کی قسم! عرب ہمیں باتیں بنائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہم پر زبردستی کی گئی ہے، البتہ آپ اگلے سال آجائیں، چنانچہ یہ بات لکھ دی گئی۔

سہیل نے ایک شرط یہ بھی رکھی کہ ہمارے لوگوں میں سے کوئی بھی شخص ہر چند وہ آپ ہی کے دین پر ہو، اگر آپ کے پاس پہنچے تو آپ اسے لوٹا دیں۔ یہ سن کر مسلمان بلبلا اٹھے اور کہنے لگے: سبحان اللہ! ایسا شخص مشرکوں کی طرف کیسے لوٹایا جا سکتا ہے جو مسلمان ہو کر آیا ہو؟ ابھی اسی مسئلے پر بحث ہو رہی تھی کہ اچانک ابوجندل عاص بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ پابہ زنجیر داخل ہوئے۔ وہ مکہ کے نشیبی علاقے سے نکل کر آئے تھے۔ وہ آتے ہی مسلمانوں کی صفوں میں گر پڑے۔ انھیں دیکھتے ہی اُن کا والد سہیل بن عمرو چیخنے لگا: اے محمد! سب سے پہلی بات جس پر ہم صلح کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ آپ اسے میرے حوالے کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّا لَمْ نَقْضِ الْكِتَابَ بَعْدُ"

[1] المغازي للواقدي 2/98,97. [2] صحيح مسلم: 1783.

''ابھی تو ہم نے معاہدے کی تحریر بھی مکمل نہیں کی۔'' سہیل کہنے لگا: اللہ کی قسم! اس صورت میں تو میں آپ سے ہرگز کسی قسم کا معاہدہ نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: «فَأَجِزْهُ لِي» ''اسے میری خاطر چھوڑ دو۔'' سہیل اڑ گیا، کہنے لگا: میں اسے کسی صورت نہیں چھوڑوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا: «بَلٰى فَافْعَلْ» ''نہیں، تم اسے ہمارے پاس چھوڑ دو۔'' سہیل ہٹ دھرمی پر اتر آیا۔ کہنے لگا: میں اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

ابوجندل رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

أَيْ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! أُرَدُّ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَقَدْ جِئْتُ مُسْلِمًا؟ أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ لَقِيتُ؟

''اے مسلمانوں کی جماعت! کیا مجھے پھر کافروں کی طرف لوٹا دیا جائے گا، حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں؟ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ مجھے کتنی اذیت دی جا رہی ہے؟''

یقیناً انھیں اللہ کی راہ میں نہایت سخت تکلیفیں دی گئی تھیں۔[1]

ابوجندل رضی اللہ عنہ کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا جَنْدَلٍ! اصْبِرْ وَاحْتَسِبْ فَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لَكَ وَلِمَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا، إِنَّا قَدْ عَقَدْنَا مَعَ الْقَوْمِ صُلْحًا وَأَعْطَيْنَاهُمْ وَأَعْطَوْنَا عَلٰى ذٰلِكَ عَهْدًا وَإِنَّا لَا نَغْدِرُ»

''اے ابوجندل! صبر کرو اور اللہ رب العزت سے ثواب کی امید رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے کمزور ساتھیوں کی رہائی کے لیے کوئی نہ کوئی رستہ نکال دے گا۔ بلاشبہ ہم نے قوم کے ساتھ صلح کا عہد و پیمان کر لیا ہے اور اس پر ہم نے انھیں اور انھوں نے ہمیں یقین دہانی بھی کرا دی ہے۔ بلاشبہ ہم بدعہدی نہیں کرتے۔''

ابوجندل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی سن کر مطمئن ہو گئے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے زبردست اعتماد، یقین اور حوصلہ ملا۔ جب سہیل اپنے بیٹے کو لے کر جا رہا تھا، اس وقت مسلمانوں کی حالت غیر ہو گئی اور وہ شدید غم سے اس قدر نڈھال ہو گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہو گئی

یہ کتنا الم انگیز منظر تھا۔ ایک طرف رحمت دو عالم ﷺ پابہ زنجیر ابوجندل رضی اللہ عنہ کی حالت زار دیکھ کر بے قرار ہو رہے

1 صحيح البخاري: 2732،2731.

تھے اور ان کے والد سہیل سے اصرار فرما رہے تھے کہ اس مظلوم کو میری خاطر ہی چھوڑ دو۔ ابھی تو معاہدہ بھی طے نہیں ہونے پایا، اس لیے اس ستم زدہ انسان کو چھوڑ دینے کی پوری گنجائش موجود ہے، دوسری طرف اُس کا سنگدل باپ تھا جو رسول اللہ ﷺ کا اصرار نظر انداز کر کے بڑی ڈھٹائی سے یہی رٹ لگائے جا رہا تھا کہ میں ابوجندل کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اور اگر آپ اسے میرے حوالے کرنے پر راضی نہ ہوئے تو میں آپ سے کسی طرح کا کوئی معاہدہ نہیں کروں گا۔ سہیل کی یہ سنگدلی اور رسول اللہ ﷺ کی غمگینی دیکھ کر سہیل کے ساتھیوں حویطب اور مکرز بن حفص کا دل بھی پسیج گیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یقین دلایا: يَا مُحَمَّدُ! نَحْنُ نُجِيرُهُ لَكَ. ''اے محمد! ہم اسے آپ کی خاطر پناہ دیتے ہیں۔'' چنانچہ اب سہیل کے لیے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو تعذیب و تشدد کا نشانہ بنانے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ یوں آپ ﷺ کی پیش گوئی فوراً پوری ہوئی۔

حویطب اور مکرز کا معنی خیز تبصرہ

ابوجندل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی اور اس کا فوری اثر دیکھ کر مطمئن ہو گئے لیکن دوسری طرف حویطب اور مکرز یہ منظر دیکھ کر بے حد متأثر ہوئے کہ مسلمان ابوجندل کی حالت دیکھ کر نہایت مغموم ہیں اور ان کی جدائی ان پر اس قدر شاق گزر رہی ہے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک اُٹھی ہیں۔ فرطِ تأثر سے مغلوب ہو کر حویطب مکرز سے کہنے لگا: میں نے آج تک کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی جو اپنے ہم مذہب سے اس طرح ٹوٹ کر محبت کرتی ہو جس طرح محمد (ﷺ) کے ساتھی محمد (ﷺ) سے اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آج کے بعد تم محمد سے کبھی کسی آدمی کو لوٹانے کا مطالبہ نہ کرنا الاّ یہ کہ کوئی شخص ازخود مکہ میں داخل ہو جائے۔ مکرز کہنے لگا: تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، میرا بھی یہی خیال ہے۔ [1]

سیدنا عمر اور سیدنا ابوجندل رضی اللہ عنہما کی ملاقات

سہیل بن عمرو اپنے بیٹے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو لے کر چل دیا۔ اس موقع پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی آگے بڑھے اور ابوجندل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اور ان سے کہنے لگے: اے ابوجندل! صبر سے کام لو۔ بلاشبہ تمھارا باپ مشرک ہے، اس کا خون کتے کے خون کی طرح ہے۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنی تلوار کا دستہ ابوجندل رضی اللہ عنہ کے قریب کر دیا۔ وہ فرماتے ہیں: مجھے امید تھی کہ ابوجندل تلوار کھینچ لیں گے اور اپنے باپ کو قتل کر دیں گے لیکن انھوں نے اپنے باپ کے بارے میں بخل سے کام لیا۔ [2]

1 المغازي للواقدي: 95/2. 2 السيرة لابن هشام: 333/3.

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوجندل! بلاشبہ آدمی اللہ کی راہ میں اپنے باپ کو قتل کر دیتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر ہم راہِ جہاد میں اپنے باپ کو مزاحم پاتے تو ضرور قتل کر دیتے (جس طرح بدر کے روز سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا کو قتل کر دیا تھا)۔ ابوجندل نے جواب دیا: آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ اسے قتل نہیں کر رہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اور دیگر کسی بھی فرد کو قتل کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ یہ سن کر ابوجندل رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا: آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حق مجھ سے زیادہ حاصل نہیں ہے۔[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوجندل کو اپنے باپ کے قتل پر اُکسایا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"يا عُمَرُ! لَعَلَّهُ أَنْ يَقُومَ فِي اللّٰهِ مَقَامًا يُحْمَدُ عَلَيْهِ"

''اے عمر! شاید وہ اللہ کی راہ میں کوئی ایسا کام کرے جس پر اس کی تعریف کی جائے۔''[2]

بظاہر تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس صلح میں مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی ساری شرطیں مان لیں اور مکہ میں جو کمزور مسلمان تھے، بالخصوص ابوجندل رضی اللہ عنہ، انھیں بھی نہ چھڑا سکے۔ لیکن اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ یہ حقیقی فتح تھی جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ یہاں سب سے اہم اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ جہاد کے لیے تیار تھے اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے کے لیے سربکف بیٹھے تھے لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر مسلمانوں کی تربیت فرما رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ اللہ کی حکمتوں کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہایت ضروری ہے۔ حالات و حوادث چاہے جیسے بھی ہوں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بہرحال شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی شخص چاہے کتنی ہی زبردست اہمیت کا حامل ہو، اسے اجتماعی مفاد اور حکمِ الٰہی کے سامنے لازماً سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ مسلمان اتحاد و اتفاق اور وحدت پر یقین رکھتے ہیں۔ امیر کی اطاعت ضروری ہے۔ اُس کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے بھائی ابوجندل رضی اللہ عنہ کی المناک حالت پر بڑے صبر کا مظاہرہ کیا۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ کا باپ جب مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے انھی کے ایک دینی بھائی کو گریبان سے پکڑ کر کھینچ رہا تھا اور اس کے بدن سے خون بہہ رہا تھا تو مسلمان اپنے بھائی کی حالت زار سے متاثر ہو کر اپنے آنسو نہ روک سکے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

1 المغازي للواقدي: 96/2. 2 جامع الأصول من أحاديث الرسول: 222/9.

فیصلے پر راضی ہو کر اپنے دل پر صبر کی سل رکھ کر یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ ایک سفاک اور مشرک باپ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے مایۂ ناز بیٹے کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتا چلا جا رہا ہے تا کہ اس بے قصور کو دوبارہ عقوبت خانے میں دھکیل دے۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ نے دین و عقیدہ کی راہ میں صبر کا دامن تھامے رکھا۔ یوں ان پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی کا اطلاق ہوا:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ ﴾

''اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اور وہ اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ بے شک اللہ نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''[1]

چنانچہ معاہدے کے بعد ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ مکہ مکرمہ میں موجود دیگر کمزور مسلمان بھی مکہ کے عقوبت خانوں سے نکل بھاگے اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ایک قوت بن گئے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ اہل مکہ ان سے خوف کھانے لگے اور یوں شام سے آنے والے قریشی قافلے ان کی دسترس میں آ گئے۔

معاہدے کی عبارت

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: اختلافات کے بعد جو تحریر لکھی گئی، وہ یہ تھی:

هٰذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلٰى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِينَ، يَأْمَنُ فِيهَا النَّاسُ، وَيَكُفُّ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ، عَلٰى أَنَّهُ مَنْ أَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَصْحَابِهِ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهِ رَدَّهُ عَلَيْهِمْ، وَمَنْ أَتٰى قُرَيْشًا مِمَّنْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَرُدُّوهُ عَلَيْهِ، وَإِنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَكْفُوفَةً، وَ إِنَّهُ لَا إِسْلَالَ وَلَا إِغْلَالَ، وَكَانَ فِي شَرْطِهِمْ حِينَ كَتَبُوا الْكِتَابَ: أَنَّهُ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ فِي عَقْدِ مُحَمَّدٍ وَ عَهْدِهِ دَخَلَ فِيهِ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ

[1] الطلاق 65:2، 3۔

فِي عَقْدِ قُرَيْشٍ وَ عَهْدِهِمْ دَخَلَ فِيهِ ..... وَأَنَّكَ تَرْجِعُ عَنَّا عَامَنَا هٰذَا فَلَا تَدْخُلُ عَلَيْنَا مَكَّةَ، وَ أَنَّهُ إِذَا كَانَ عَامُ قَابِلٍ خَرَجْنَا عَنْكَ فَتَدْخُلُهَا بِأَصْحَابِكَ وَأَقَمْتَ فِيهِمْ ثَلَاثًا، مَعَكَ سِلَاحُ الرَّاكِبِ، لَا تَدْخُلُهَا بِغَيْرِ السُّيُوفِ فِي الْقُرُبِ.

''یہ وہ شرطیں ہیں جن پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو کے مابین صلح کا معاہدہ طے پایا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے اب دس سال تک جنگ بند رہے گی۔ اس دوران لوگ امن و اطمینان کے ساتھ رہیں گے۔ کسی طرح کی کوئی چھیڑ خوانی نہیں ہوگی۔ محمد ﷺ کے وہ ساتھی جو آج کل مکہ میں رہ رہے ہیں، اگر ان میں سے کوئی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) سے جا ملا، تو لازم ہوگا کہ وہ اسے واپس کر دیں۔ اگر کوئی قریشی مسلمان محمد (ﷺ) کو چھوڑ کر واپس مکہ آ گیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ طے پا گیا ہے کہ فریقین کے دل اس معاہدے کے بارے میں صاف رہیں گے۔ وہ چوری چھپے یا خیانت کے ذریعے سے اس عہد و پیمان کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ یہ شرط بھی طے پا گئی ہے کہ جو شخص محمد (ﷺ) کے عہد میں داخل ہونا چاہے، وہ اس میں داخل ہونے کا مجاز ہے اور جو قریش کے عہد میں داخل ہونا پسند کرے تو وہ قریش کے ساتھ شامل ہو جائے۔ مزید برآں آپ اس سال واپس تشریف لے جائیں، مکہ میں داخل نہ ہوں۔ آئندہ سال ہم آپ کے لیے مکہ خالی کر دیں گے۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہو جائیں۔ آپ صرف تین دن قیام کریں گے۔ آپ اپنے ساتھ صرف ایک سوار کی ضرورت کا اسلحہ (تلواریں) لائیں اور وہ بھی نیام میں ڈالے رکھیں۔''

اس موقع پر خزاعہ کے لوگ کہنے لگے: ہم محمد ﷺ کے عہد میں ہیں۔ بنو بکر کہنے لگے: ہم قریشیوں کے عہد میں ہیں۔[1]

سنن ابی داود میں ہے:

أَنَّهُمُ اصْطَلَحُوا عَلٰى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِينَ، يَأْمَنُ فِيهِنَّ النَّاسُ، وَعَلٰى أَنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَكْفُوفَةً، وَأَنَّهُ لَا إِسْلَالَ وَلَا إِغْلَالَ.

''انھوں نے دس سال تک جنگ بندی کا عہد کیا ہے۔ اس دوران لوگ امن و امان سے رہیں گے۔ اس معاہدے کے متعلق ہمارے دل صاف شفاف رہیں گے۔ چوری چھپے یا خیانت سے اس کی کوئی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔''[2]

1 مسند أحمد: 325/4، السيرة لابن هشام: 332/3. 2 سنن أبي داود: 2766

صلح کے گواہ

امام طبری نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو میں اتفاق ہوگیا اور ابوجندل رضی اللہ عنہ کا معاملہ بھی نمٹ گیا تو اس معاہدے پر مسلمانوں اور کافروں میں سے کچھ لوگوں نے اپنی گواہی کا اندراج کیا۔ گواہوں میں یہ لوگ شامل تھے: سیدنا ابوبکر بن ابی قحافہ، عمر بن خطاب، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص، محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہم۔ مکرز بن حفص مشرکین کی طرف سے گواہ تھا۔ ان کے علاوہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی جنھوں نے یہ معاہدہ تحریر کیا تھا، گواہوں میں شامل تھے۔[1]

واقدی اور ابن سعد نے عبداللہ بن سہیل بن عمرو اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے گواہ بننے کا تذکرہ نہیں کیا جبکہ محمود بن مسلمہ کے بجائے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے، نیز گواہوں میں مسلمانوں کی طرف سے سیدنا عثمان بن عفان اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما کا اور مشرکین کی طرف سے حویطب بن عبدالعزیٰ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔[2]

معاہدے کی شرائط و دفعات

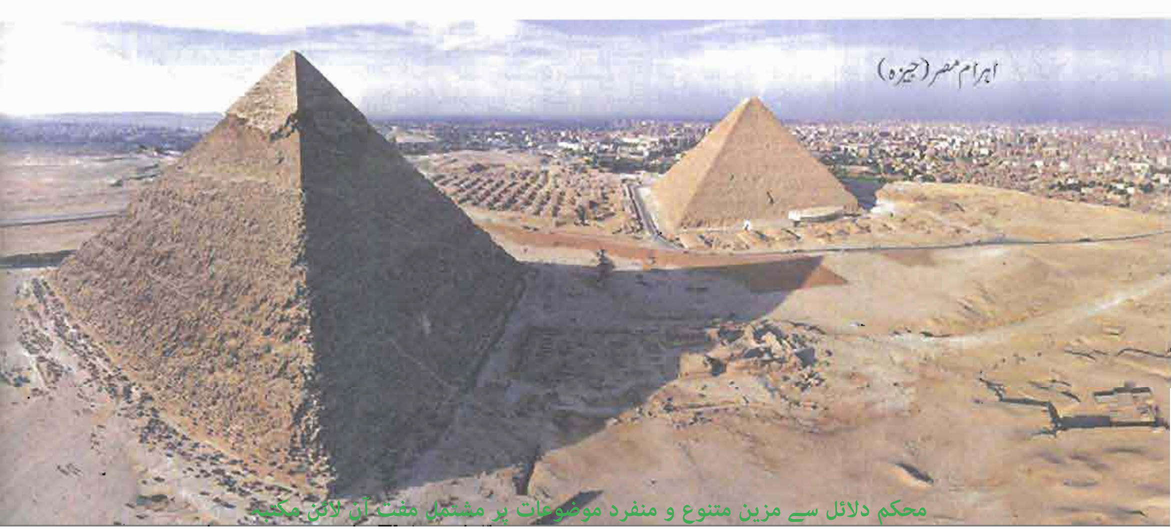
اس معاہدے میں درج ذیل دس دفعات تھیں:

1 «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» ''اے اللہ! تیرے نام سے۔''

2 یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سہیل بن عمرو سے صلح کا معاہدہ کیا ہے۔

3 دونوں نے اتفاق کرلیا ہے کہ دس سال تک جنگ بند رہے گی۔ ان دس برسوں میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے اور (ایک دوسرے پر حملے سے) ہاتھ روکے رکھیں گے۔

[1] تاریخ الطبري: 262/2. [2] الطبقات لابن سعد: 97/2، المغازي للواقدي: 98/2.



اہرام مصر (جیزہ)

4 محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو بھی بغرض حج، عمرہ یا کاروبار مکہ جائے گا، اس کا خون اور مال محفوظ رہے گا۔ اسی طرح قریش کا جو کوئی شخص مدینہ پہنچے یا بغرض تجارت مصر یا شام جانے کے لیے وہاں سے گزرے تو اس کا بھی مال و جان محفوظ ہوگا۔

5 قریش کا جو آدمی ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا، اسے محمد (ﷺ) قریش کے پاس واپس بھیج دیں گے اور محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آئے گا، قریش اسے محمد (ﷺ) کے پاس واپس نہیں بھیجیں گے۔

6 دلوں کی عداوتیں دلوں ہی میں رہیں گی۔ انھیں ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ نہ بدعہدی کی جائے گی، نہ خیانت روا رکھی جائے گی۔

7 جو محمد (ﷺ) کے عہد میں داخل ہونا پسند کرے، وہ اس میں داخل ہو جائے اور جو قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے، وہ ان کے عہد میں داخل ہو جائے۔ یہ معاہدہ طے پاتے ہی بنوخزاعہ آگے بڑھے اور انھوں نے کہا: ”ہم لوگ محمد (ﷺ) کے عہد میں ہیں۔“ اسی طرح بنوبکر نے بھی آگے بڑھ کر کہا: ”ہم قریش کے عہد میں ہیں۔“

8 آپ اس سال واپس چلے جائیں اور ہمارے ہوتے ہوئے مکہ میں داخل نہ ہوں۔ جب اگلا سال آئے گا تو ہم آپ کے لیے مکہ خالی کر دیں گے۔ آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ پہنچ جائیں اور یہاں تین دن قیام کریں۔ آپ کے پاس مسافروں جیسے ہتھیار ہونے چاہئیں، تلواریں نیاموں میں ہونی چاہئیں۔ اس اہتمام کے بغیر مکہ میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔

9 جو قربانیاں آپ لے کر آئے ہیں، ان کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔

10 اس صلح پر چند مسلمانوں اور کچھ مشرکین نے گواہی ثبت کی۔[1]

صلح کی مصلحت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾

1 المعاهدات في الشريعة الإسلامية والقانون الدولي للدكتور محمد الديك، ص: 270، 271.

''یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمھیں مسجدِ حرام (جانے) سے روکا، اور قربانی کے جانوروں کو بھی اپنی قربان گاہ تک پہنچنے سے روکے رکھا، اور اگر (مکہ میں کچھ) مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتے جن (کے ایمان) کو تم نہیں جانتے، (اگر یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ تم انھیں روند ڈالو گے، یوں بے خبری میں ان (کے قتل) کی وجہ سے تمھیں صدمہ ہوتا (تو تمھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا)، تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے، ہم انھیں نہایت دردناک عذاب دیتے۔''[1]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اہلِ بیعت حدیبیہ کے دلوں کو تسکین بہم پہنچائی ہے اور صلح میں پنہاں حکمتوں میں سے ایک بہت بڑی حکمت اُجاگر فرمائی ہے، وہ یہ کہ مکہ مکرمہ میں وہ مظلوم مسلمان بھی موجود تھے جو بے بسی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے قلوب نورِ ایمان سے منور تھے، لیکن انھوں نے اپنا جوہرِ اسلام کافروں اور مشرکوں کے خوف سے چھپا رکھا تھا، دانائے قلوب پروردگار کو ان مظلوم مسلمانوں کی زندگی بچانی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرے کے لیے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غلبہ پانے کا فوری موقع فراہم نہیں کیا گیا۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اہل مکہ پر فوری غلبے کا موقع مل جاتا تو مشرکین مکہ کے ساتھ وہ تہی دامن مسلمان بھی مارے جاتے جن سے صحابہ کرام واقف نہیں تھے اور جو محض اپنی لاچاری اور بے بسی کی وجہ سے ہجرت کرنے کی سکت سے بھی محروم تھے۔ اگر لاعلمی میں وہ مخفی مومن مرد و خواتین مارے جاتے تو یہ بہت بڑا المیہ اور بڑا سنگین گناہ ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت میں داخل کرنا اور مومنوں کے ساتھ شامل کر کے سرخرو کرنا چاہتا تھا اور ان کافروں میں بھی بعض لوگوں کو اللہ ہدایت دینا چاہتا تھا، اس لیے اللہ نے فریقین میں جنگ ہی نہیں ہونے دی اور باہم صلح کرا دی۔

ہاں! اگر کفار اور مومن الگ الگ ہوتے تو کافروں کو اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دیتا اور مسلمانوں کو ان پر مسلط کر دیتا جو انھیں تہ تیغ کر کے رکھ دیتے۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: جو شخص اس (معاہدے) کی دفعات کا ان کے پس منظر سمیت جائزہ لے گا، اسے کوئی شبہ نہ رہے گا کہ یہ مسلمانوں کی فتحِ عظیم تھی، کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا اور انھیں نیست و نابود کرنے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے۔ انھیں انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔ اس کے علاوہ قریش جزیرۃ العرب کے دینی پیشوا اور دنیاوی صدر نشین ہونے کی حیثیت سے اسلامی دعوت

[1] الفتح 25:48

اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اس پس منظر میں دیکھیں تو صلح کی جانب محض جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر کفار کی جانب سے یہ پیش کش کہ قبائلِ عرب میں سے جو چاہے قریش مکہ کے ساتھ مل جائے اور جو چاہے مسلمانوں کے ساتھ مل جائے، اس کے پیچھے صاف طور پر اہل مکہ کی یہ نفسیاتی کیفیت کارفرما نظر آتی ہے کہ قریش کو دنیاوی صدر نشینی اور دینی پیشوائی کا جو منصب حاصل تھا، اسے انھوں نے بالکل بھلا دیا تھا اور اب انھیں صرف اپنی پڑ گئی تھی۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ بقیہ لوگوں کا کیا بنتا ہے۔ یعنی اگر سارے کا سارا جزیرۃ العرب حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے تو قریش کو اس کی کوئی پروا نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کی مداخلت نہ کریں گے۔ کیا قریش کے عزائم اور مقاصد کے لحاظ سے یہ ان کی شکست فاش نہیں ہے؟ اور مسلمانوں کے مقاصد کے لحاظ سے یہ فتح مبین نہیں ہے؟ آخر اہلِ اسلام اور اعدائے اسلام کے درمیان جو خونریز جنگیں پیش آئی تھیں، ان کا منشا اور مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں لوگوں کو مکمل آزادی اور خودمختاری حاصل ہو جائے۔ یعنی اپنی آزاد مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان ہو اور جو چاہے کافر رہے، کوئی طاقت ان کی مرضی اور ارادے کے سامنے دیوار بن کر کھڑی نہ ہو۔ مسلمانوں کا یہ مقصد تو ہرگز نہ تھا کہ دشمن کے مال ضبط کیے جائیں، انھیں موت کے گھاٹ اتارا جائے اور انھیں زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ یعنی مسلمانوں کا مقصود صرف وہی تھا جسے علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن   نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس صلح کے ذریعے مسلمانوں کا مذکورہ مقصد اپنے تمام اجزا اور لوازم سمیت حاصل ہو گیا اور اس طرح حاصل ہو گیا کہ بسا اوقات جنگ میں فتح مبین سے ہمکنار ہونے کے باوجود حاصل نہیں ہو پاتا۔ پھر اس آزادی کی وجہ سے مسلمانوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں نہایت زبردست کامیابی حاصل کی، چنانچہ مسلمان افواج کی تعداد جو اس صلح سے پہلے تین ہزار سے زائد کبھی نہ ہو سکی تھی، وہ محض دو سال کے اندر فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار ہو گئی۔

دس سالہ جنگ بندی میں بھی درحقیقت اس فتح مبین کا ایک جزو ہے کیونکہ جنگ کی ابتدا مسلمانوں نے نہیں بلکہ مشرکین نے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾

''یعنی پہلی بار ان ہی لوگوں نے تم سے ابتدا کی۔''

جہاں تک مسلمانوں کی طلایہ گردیوں (جاسوسی سرگرمیوں) اور فوجی گشتوں کا تعلق ہے تو مسلمانوں کا مقصود ان

سے صرف یہ تھا کہ قریش اپنے احمقانہ غرور اور اللہ کی راہ روکنے سے باز آ جائیں اور مساویانہ بنیاد پر معاملہ کرلیں، یعنی ہر فریق اپنی اپنی ڈگر پر گامزن رہنے کے لیے آزاد رہے۔ اب غور کیجیے کہ دس سالہ جنگ بند رکھنے کا معاہدہ آخر اس غرور اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ سے باز آنے ہی کا تو عہد ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ کا آغاز کرنے والا کمزور اور بے دست و پا ہو کر اپنے مقصد میں ناکام ہوگیا۔

جہاں تک مسلمانوں کو اس سال کے بجائے اگلے سال عمرے کی اجازت دینے کا تعلق ہے تو یہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی ناکامی کے بجائے کامیابی کی علامت ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہ اس پابندی کے خاتمے کا اعلان ہے جو قریش نے مسلمانوں پر مسجد حرام میں داخلے سے متعلق عائد کر رکھی تھی۔ البتہ اس میں قریش کے لیے بھی تشفی کی اتنی سی بات ضرور تھی کہ وہ اس سال مسلمانوں کو روکنے میں کامیاب رہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وقتی اور بے حیثیت فائدہ تھا۔

اس کے بعد اس صلح کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو یہ تین رعایتیں دے کر صرف ایک رعایت حاصل کی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ گیا تو اسے واپس کیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان بھاگ کر مکہ آیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ رعایت حد درجہ معمولی اور بے وقعت تھی اور اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب تک مسلمان مسلمان رہے گا، اللہ، رسول اور مدینۃ الاسلام سے بھاگ ہی نہیں سکتا۔ اس کے بھاگنے کی صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ مرتد ہو جائے، خواہ ظاہراً خواہ درپردہ، اور ظاہر ہے کہ جب کوئی مرتد ہو جائے تو مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں اس کی موجودگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ الگ ہو جائے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا:

«إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ»

''جو ہمیں چھوڑ کر ان مشرکین کی طرف بھاگا، اسے اللہ نے دور (یا برباد) کر دیا۔''[1]

باقی رہے مکے کے وہ باشندے جو مسلمان ہو چکے تھے یا مسلمان ہونے والے تھے تو ان کے لیے اگرچہ اس معاہدے کی رو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی گنجائش نہ تھی لیکن اللہ کی زمین تو بہرحال کشادہ تھی۔ کیا حبشہ کی زمین نے ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کے لیے اپنی آغوش وا نہیں کر دی تھی، جبکہ مدینہ کے باشندے اسلام کا نام بھی نہ جانتے تھے؟ اسی طرح آج بھی زمین کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لیے اپنی آغوش کھول سکتا تھا، یہی بات تھی جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا:

[1] صحيح مسلم: 1784

"وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا"

''ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا، اللہ اس کے لیے کشادگی اور نکلنے کی جگہ بنا دے گا۔''[1]

ہر چند اس قسم کے تحفظات سے بظاہر قریش نے فوری اور گریز پا وقار حاصل کیا تھا مگر یہ درحقیقت قریش کی سخت نفسیاتی گھبراہٹ، پریشانی، اعصابی دباؤ اور شکستگی کی علامت ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ انھیں اپنے بت پرست سماج کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا یہ سماجی گھروندا ایک کھائی کے ایسے کھوکھلے اور اندر سے کٹے ہوئے کنارے پر کھڑا ہے جو کسی بھی دم ٹوٹ کر گرنے والا ہے، لہٰذا اس کی حفاظت کے لیے اس طرح کے تحفظات حاصل کر لینا ضروری ہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جس فراخدلی کے ساتھ یہ شرط منظور کی کہ آپ قریش کے ہاں پناہ لینے والے کسی مسلمان کو واپس نہ طلب کریں گے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اپنے سماج کی ثابت قدمی اور پختگی پر پورا پورا اعتماد تھا اور اس قسم کی شرط آپ کے لیے قطعاً کسی اندیشے کا سبب نہ تھی۔[2]

علاوہ ازیں کفار قریش سے ہونے والی اس مصالحت سے قریش کا یہودِ خیبر سے تعلق توڑ دیا گیا۔ یوں اگلے سال خیبر فتح ہوا اور کفار مکہ یہودیوں کی مدد نہ کر پائے۔

پریشان حال صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

مسلمان اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے نکلے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو خواب دیکھا ہے، وہ بالکل حق ہے اور وہ یقیناً مکہ میں داخل ہوں گے۔ مگر یہاں صلح کے معاہدے میں مکہ میں داخلہ ممنوع ہو گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ اڑی اور سب نے موت پر بیعت کر لی تھی اور پھر ابوجندل رضی اللہ عنہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آئے تو مسلمان انھیں روک نہ سکے اور وہ واپس کفار مکہ کی طرف بھیج دیے گئے۔ یہ ساری صورت حال مسلمانوں کے سچے اور پکے جذبۂ ایمانی کے لیے بہت بڑا چیلنج تھی۔ اسی وجہ سے معاہدۂ صلح پر اتفاق سے پہلے مسلمانوں کے مابین معاہدے کے متعلق شدید اختلاف پیدا ہو گیا، خاص طور پر ان دو دفعات کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان تھے جن میں آپ ﷺ پناہ کی غرض سے آنے والے مسلمانوں کو واپس بھیج دینے کے پابند تھے، جبکہ قریش اس کے پابند نہ تھے کہ اپنے پاس آنے والے مرتد کو واپس بھیجیں۔

اسی طرح اس شق کے بارے میں بھی بڑا اختلاف ہوا جس میں طے پایا کہ مسلمان اس سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے بغیر واپس مدینہ جائیں گے۔ ان دفعات سے اختلاف کرنے والوں میں سیدنا عمر بن خطاب، اوس کے سردار اسید بن حضیر

1 صحیح مسلم: 1784. 2 الرحیق المختوم، ص: 469-472.

اور خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بہت نمایاں تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیگر کئی صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور معاہدے سے اختلاف کا اظہار کیا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صبر وحکمت، بردباری اور قوتِ دلیل سے صلح کی افادیت پر قائل کر لیا اور بتایا کہ یہ سب کچھ سراسر مسلمانوں کے مفاد میں ہے اور ان کے لیے فتح ونصرت کی بشارت ہے۔

روایات میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس معاہدے سے اختلاف کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کیا: ''کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول نہیں ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَلٰی!» ''کیوں نہیں!''

عمر رضی اللہ عنہ: ''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَلٰی!» ''کیوں نہیں!''

عمر رضی اللہ عنہ: ''تو پھر دین کے معاملے میں ہمیں ذلت کا سامنا کیوں کرنا پڑ رہا ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: «إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَلَسْتُ أَعْصِيهِ، وَهُوَ نَاصِرِي» ''بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اللہ کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ وہی میرا مددگار ہے۔''[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، لَنْ أُخَالِفَ أَمْرَهُ، وَلَنْ يُضَيِّعَنِي»

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کروں گا اور وہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔''[2]

عمر رضی اللہ عنہ: ''کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کریں گے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: «بَلٰی! فَأَخْبَرْتُكَ أَنَّا نَأْتِيهِ الْعَامَ؟» ''کیوں نہیں! (لیکن) کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال بیت اللہ جائیں گے؟''

عمر رضی اللہ عنہ: ''نہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: «فَإِنَّكَ آتِيهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهِ» ''تم بہرحال بیت اللہ تک پہنچو گے اور اس کا طواف بھی کرو گے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں ابوبکر کے پاس گیا اور کہا: ''اے ابوبکر! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول نہیں؟''

[1] صحيح البخاري، حديث: 2732،2731. [2] تاريخ الطبري: 280/2.

ابوبکر رضی اللہ عنہ: ''کیوں نہیں!''

عمر رضی اللہ عنہ: ''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ: ''کیوں نہیں!''

عمر رضی اللہ عنہ: ''پھر دین کے معاملے میں ہمیں ذلت کا سامنا کیوں ہے؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سمجھاتے ہوئے کہا: بھلے آدمی! بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہی ان کا مددگار ہے۔ وہ جو حکم دیں، بس اس کی تعمیل کرو۔ اللہ کی قسم! وہ حق پر ہیں۔



مسجد ابوبکر صدیق (دوحہ، قطر)

عمر رضی اللہ عنہ: کیا وہ ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ: کیوں نہیں، لیکن کیا انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے؟

عمر رضی اللہ عنہ: نہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ: تم یقیناً بیت اللہ پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت وحمیت کا جوش

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بہت غیرت والے تھے۔ وہ اس موقع پر سب سے زیادہ پریشان تھے۔ وہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے پے در پے سوالات کرتے تھے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے ایسی شرط پر صلح کی اور ان کی ایسی بات قبول فرمالی کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر کسی کو امیر مقرر فرماتے اور وہ وہی فیصلہ کرتا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو میں اس امیر کی کبھی اطاعت نہ کرتا، نہ اس کی بات سنتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی یہ شرط منظور کر لی کہ مسلمانوں میں سے جو کفار سے جا ملے، اسے واپس نہیں کیا جائے گا لیکن اگر کفار میں سے کوئی مسلمانوں سے جا ملے گا تو وہ کفار کی

1 صحیح البخاري: 2732،2731.

طرف واپس بھیج دیا جائے گا۔[1]

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی طرف سے صبر و تحمل کی تلقین

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب رہ رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور کہتے رہے کہ ہم دین کے معاملے میں ذلت کیوں برداشت کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہی جواب مرحمت فرمایا:

«أَنَا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ، لَنْ أُخَالِفَ أَمْرَهُ، وَلَنْ يُضَيِّعَنِي»

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہیں چل سکتا اور وہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔''

اس کے بعد سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عمر بن خطاب! کیا تم سن نہیں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں؟ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو اور اپنی رائے کو چھوڑ دو۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھنے لگے۔ وہ کہتے ہیں: مجھے اس روز جیسی پریشانی کبھی لاحق نہیں ہوئی۔ اس روز جو میں نے بحث و تکرار کی تھی، اس پر میں آج تک صدقہ و خیرات کرتا اور روزے رکھتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں آج تک صدقہ و خیرات اور غلام آزاد کرتا ہوں، نوافل ادا کرتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس کے بدلے میرے حق میں بھلائی ہوگی۔[2]

معاہدے کے بعد صحابۂ کرام کا ردعمل

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدے سے فارغ ہوگئے۔ سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھی واپس چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا:

«قُومُوا فَانْحَرُوا ثُمَّ احْلِقُوا»

''کھڑے ہو جاؤ، اور قربانیاں کرو، پھر سر کے بال منڈ واؤ۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ کہی لیکن کوئی صحابی کھڑا نہ ہوا۔[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کی یہ خاموشی اور حکم پر فوراً لبیک نہ کہنا ناگوار گزرا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے گئے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] الطبقات لابن سعد 101/2 [2] السیرۃ لابن ھشام: 331/3، المغازی للواقدی: 94/2. [3] صحیح البخاري: 2731، 2732.

"هَلَكَ الْمُسْلِمُونَ! أَمَرْتُهُمْ أَنْ يَنْحَرُوا وَ يَحْلِقُوا فَلَمْ يَفْعَلُوا"

''مسلمان ہلاک ہوگئے! میں نے انھیں قربانی کرنے اور بال منڈانے کا حکم دیا لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"عَجَبًا يَا أُمَّ سَلَمَةَ! إِنِّي قُلْتُ لِلنَّاسِ: انْحَرُوا وَاحْلِقُوا وَحِلُّوا مِرَارًا، فَلَمْ يُجِبْنِي أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ إِلَى ذَالِكَ وَهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامِي وَ يَنْظُرُونَ فِي وَجْهِي!"

''ام سلمہ! کتنی عجیب بات ہے، میں نے بار بار لوگوں سے کہا: قربانی کرو، بال منڈاؤ اور حلال ہو جاؤ لیکن کسی نے میری بات پر عمل نہیں کیا، حالانکہ وہ میری بات سن بھی رہے تھے اور میری طرف متوجہ بھی تھے۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! انھیں کچھ نہ کہیے کیونکہ صلح کے باعث آپ فتح کے بغیر پلٹ رہے ہیں اور مشقت میں پڑ گئے ہیں، اسی وجہ سے صحابہ بھی شدید پریشان ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ (ﷺ) خود باہر تشریف لے جائیے، کسی سے کچھ نہ کہیے بلکہ اپنا قربانی کا اونٹ نحر کر دیجیے اور حجام کو بلا کر سر کے بال منڈا دیجیے۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر سیدہ نے یہ بھی کہا: یقیناً لوگ آپ کی طرف دیکھ کر آپ کی پیروی کریں گے۔ [2]

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہوگئے۔ آپ نے اپنی چادر سمیٹی، نحر کرنے کے لیے نیزہ اُٹھایا، اونٹ کی طرف گئے اور بلند آواز سے ''بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ'' پڑھ کر اونٹ نحر کر دیا۔ پھر تو ساری بندشیں کھل گئیں اور سارے مسلمان اپنے اپنے جانوروں کی طرف لپکے۔ لوگ اتنی جلدی کرنے لگے کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کے اوپر گر پڑیں گے۔ اس طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی فراست سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ معاملہ حل فرما دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے جانوروں میں لوگوں کو بھی شریک فرمایا۔ آپ نے ایک اونٹ کو سات افراد کی طرف سے نحر کیا۔ آپ ﷺ نے کل ستر اونٹ نحر فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ میں جس جگہ روکا گیا تھا، وہیں آپ نے اونٹ نحر کیے۔ بدر کے موقع پر پکڑے گئے ابوجہل کے اونٹ کو نحر کرنے کے لیے قلادہ پہنایا اور اشعار کیا گیا تھا۔ وہ چرتے چرتے اونٹوں کے بیچ سے نکل بھاگا۔ اس کی گردن میں چاندی کا کڑا ڈالا گیا تھا۔ وہ عمدہ اور مہری [3]

1 سبل الهدٰى والرشاد: 5/56. 2 المغازي للواقدي: 2/99. 3 یہ قضاعہ قبیلے کی ایک شاخ بنومُہرہ کی طرف نسبت ہے جو مہرہ بن حیدان کی اولاد تھے۔ مُہرہ نام کا عمان میں ایک شہر بھی ہے۔ مہری اونٹ ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں۔ (سبل الهدٰى والرشاد: 5/92)

اونٹ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اس لیے بھی قربانی کے لیے مختص کیا تاکہ مشرکین سٹپٹائیں۔ وہ حدیبیہ سے بھاگا اور سیدھا مکہ میں ابوجہل کے گھر کے سامنے پہنچ کر دم لیا۔ عمرو بن عَنَمَہ بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ اس اونٹ کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے گئے۔ اہل مکہ کے بیوقوفوں نے اونٹ عمرو رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے سے انکار کیا تو سہیل بن عمرو نے حکم دیا کہ اونٹ واپس کیا جائے۔ وہ اس کے بدلے میں بہت سی اونٹنیاں اور ایک روایت کے مطابق سو اونٹنیاں دینے پر تیار ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَوْلَا أَنْ سَمَّيْنَاهُ فِي الْهَدْيِ فَعَلْنَا» ''اگر ہم نے اسے قربانی کرنے کے لیے خاص نہ کیا ہوتا تو ہم اسے بدلے میں دے دیتے۔'' چنانچہ آپ نے اسے سات افراد کی طرف سے نحر کیا۔ ان میں ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ طلحہ بن عبیداللہ، عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اپنے اونٹ نحر کیے۔[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے سال ستر اونٹ نحر کیے۔ ایک اونٹ سات افراد کی طرف سے تھا۔ ہم اس روز 1400 کی تعداد میں تھے۔ اس دن جنھوں نے قربانی نہیں کی، وہ قربانی کرنے والوں سے زیادہ تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے گوشت تقسیم فرما دیا

حدیبیہ کے روز جو بھی گوشت لینے آیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے مرحمت فرمایا۔ ام کُرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جس روز حدیبیہ میں اونٹ نحر کیے گئے، میں اس روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے گوشت کا سوال کیا۔ آپ ﷺ اس روز فرما رہے تھے:

«عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَالْجَارِيَةِ شَاةٌ»

''(عقیقے میں) بچے کی طرف سے دو بکریاں ایک جیسی اور بچی کی جانب سے ایک بکری ذبح کی جائے گی۔''

اس روز مسلمان اپنے نحر کیے ہوئے جانوروں کا گوشت کھا رہے تھے اور مسکینوں میں سے جو آیا، اسے بھی کھلا رہے تھے۔

مروہ کے قریب بیس اونٹ نحر کرنے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کے ہاتھ بیس اونٹ روانہ کیے کہ انھیں مروہ کے پاس ذبح کیا جائے۔

1 المغازي للواقدي: 2/99,100، سبل الهدٰى والرشاد: 5/56,57. 2 الطبقات لابن سعد: 2/102.

چنانچہ اس نے وہ اونٹ مروہ کے پاس نحر کیے اور لوگوں میں ان کا گوشت تقسیم کر دیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی سر کے بال منڈوانے والوں کے لیے دعا

رسول اللہ ﷺ کا خیمہ حدودِ حرم سے باہر تھا لیکن جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ حدودِ حرم کے اندر آ کر نماز ادا کرتے۔ جب آپ ﷺ نے سارے اونٹ نحر کر لیے تو پھر اپنے خیمے میں داخل ہوئے اور خراش بن امیہ کعبی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انھوں نے نبی ﷺ کے سر کے بال مونڈ دیے۔ پھر قریب ہی موجود سرسبز خاردار درخت کے اوپر ڈال دیے۔ لوگ ان بالوں کو جمع کرنے اور آپس میں تقسیم کرنے لگے۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے کچھ بال لیے، وہ مریض کے لیے انھیں پانی میں ڈالتی اور پانی مریض کو پلاتی تھیں تو وہ ٹھیک ہو جاتا تھا۔ اسی طرح صحابہ نے بھی ایک دوسرے کے بال مونڈ دیے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک خیمہ سے باہر نکالا اور فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ»

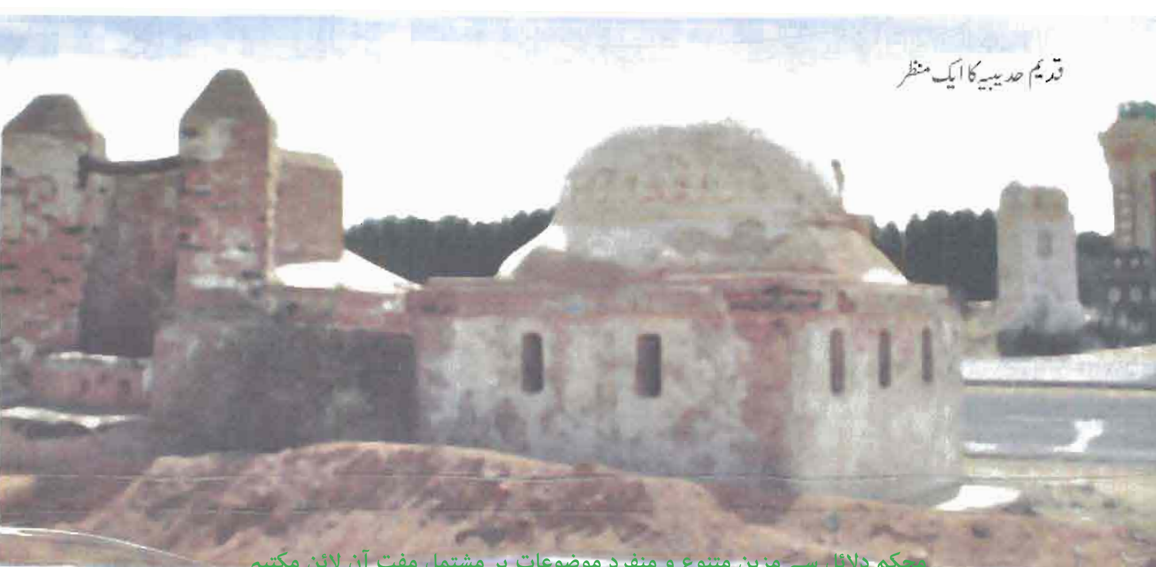
''اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرمائے۔''

لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بال کٹوانے والوں کے لیے بھی رحم کی دعا فرمائیے۔ آپ نے پھر فرمایا: «رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ» ''اللہ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے۔''

آپ نے تین مرتبہ یہی کہا اور پھر فرمایا: «وَالْمُقَصِّرِينَ» ''اور بال کٹوانے والوں پر بھی اللہ رحم فرمائے۔''

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے بالوں کے کناروں سے اپنے بال خود کاٹے۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا

[1] المغازي للواقدي: 2/100.



قدیم حدیبیہ کا ایک منظر

کہتی ہیں: میرے پاس ایک قینچی تھی، اس سے میں نے اپنے کچھ بال کاٹے۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ نے سر منڈانے والوں کے لیے رحم کی بار بار دعا فرمائی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّهُمْ لَمْ يَشُكُّوا» ''کیونکہ وہ شک میں نہیں پڑے۔''[2]


مسجد عبداللہ بن عباس (طائف)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام خطابی کے حوالے سے اس کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ عربوں میں بال رکھنے کا رواج تھا اور وہ بال منڈوانا عجمیوں کی عادت سمجھتے تھے۔ سر منڈوانے کو ان کا جی نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے سر منڈوا لینا تعمیل حکم کا بلند تر درجہ ہے۔''[3] یا شک سے مراد تذبذب اور ہچکچاہٹ کا اظہار ہے۔ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا چلائی۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کے بال اڑ کر حرم میں پہنچ گئے۔[4] واللہ اعلم

حدیبیہ میں قیام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں کتنے دن قیام فرما رہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے انیس دن، بعض نے بیس دن اور بعض نے ڈیڑھ مہینہ مدت بتائی ہے۔[5]

معاہدے سے پہلے مفرور غلاموں کی آمد

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے روز صلح سے پہلے کچھ غلام مکہ سے نکل بھاگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ ان غلاموں کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ اللہ کی قسم! یہ لوگ آپ کے دین کی رغبت کی وجہ سے نہیں آئے بلکہ یہ غلامی کے پھندے سے بھاگ کر آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ بعض لوگوں نے بھی کہا: اے اللہ کے رسول! یہ بات ٹھیک ہے۔ انھیں ان کے مالکوں کے پاس واپس بھیج دیجیے۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی غضبناک ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں واپس بلوانے والوں سے فرمایا:

«مَا أُرَاكُمْ تَنْتَهُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! حَتّٰى يَبْعَثَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مَنْ يَضْرِبُ رِقَابَكُمْ عَلٰى هٰذَا»

---

[1] المغازي للواقدي: 2/100، 101. مزید دیکھیے صحیح البخاري: 1728، صحیح مسلم: 1302. [2] سنن ابن ماجه: 3045. [3] فتح الباري: 3/712. [4] الطبقات لابن سعد: 2/104. [5] الطبقات لابن سعد: 2/98، مرويات غزوة الحديبية، ص: 251.

''اے قریش کی جماعت! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک اللہ تعالیٰ تم پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ کردے جو اس ہٹ دھرمی پر تمھاری گردنیں مار دے۔''

چنانچہ آپ نے انھیں واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

«هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ»

''وہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ افراد ہیں۔''[1]

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے روز مشرکین کے کچھ لوگ ہمارے پاس آئے جن میں سہیل بن عمرو اور مشرکین کے دیگر سرکردہ لوگ تھے۔ وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس ہمارے بچوں، بھائیوں اور غلاموں میں سے کچھ لوگ آگئے ہیں۔ ان کو دین کی کوئی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ یہ ہمارے مالوں اور گھروں سے نکل بھاگے ہیں، انھیں ہمارے حوالے کر دیں۔ اگر انھیں دین کی سمجھ نہیں تو ہم انھیں سمجھائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! لَتَنْتَهُنَّ أَوْ لَيَبْعَثَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مَنْ يَضْرِبُ رِقَابَكُمْ بِالسَّيْفِ عَلَى الدِّينِ قَدِ امْتَحَنَ اللّٰهُ قَلْبَهُ عَلَى الْإِيمَانِ»

''اے قریشیو! اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسا شخص مسلط کر دے گا جو اس دین کی خاطر تلوار سے تمھاری گردنیں اڑا دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایمان کی آزمائش کر لی ہے۔''

وہ کہنے لگے: وہ کون ہے اے اللہ کے رسول! ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے بھی پوچھا: ایسا کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هُوَ خَاصِفُ النَّعْلِ» ''وہ جو جوتی کو گانٹھ رہا ہے۔'' آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جوتا دیا تھا جسے وہ گانٹھ رہے تھے۔ یہ روایت بیان کرنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

''جس نے جانے بوجھے مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''[2]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے واقعے کو یاد کر کے کہا کرتے تھے: اے لوگو! دین کے معاملے میں رائے کو چھوڑ دو کیونکہ میں نے اجتہاد کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنی رائے بیان کی۔ اللہ کی قسم! میں حق کے معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ اور ایسا ابوجندل رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ہوا تھا۔[3]

[1] سنن أبي داود: 2700. [2] جامع الترمذي: 3715. یہ روایت ضعیف ہے۔ [3] المعجم الكبير للطبراني: 72/1.

قریش کے ساتھ کنانہ اور خزاعہ کے روابط

صلح حدیبیہ سے پہلے قریش اور کنانہ کے مابین خونریز تصادم ہوتے رہتے تھے۔ ظہور اسلام تک ان کے درمیان بدلہ لینے کا سلسلہ چل رہا تھا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر جب قریش نے مسلمانوں سے جنگ کا پروگرام بنایا تو قریش کو یہ خطرہ پیدا ہوگیا مبادا کنانہ پیچھے سے حملہ کر دیں کیونکہ اس وقت یہ دونوں حالت جنگ میں تھے۔ اس موقع پر سردار کنانہ سراقہ بن مالک نے قریش سے وعدہ کیا کہ جب تک وہ بدر میں مسلمانوں سے لڑیں گے، کنانہ ان سے تعرض نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود کنانہ اور قریش کی باہمی عداوت قائم رہی۔

خزاعہ اور قریش کے درمیان طویل زمانے سے کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی بلکہ خزاعہ قریش کے حلیف تھے۔ صلح حدیبیہ سے پہلے ان کے آپس میں بڑے اچھے تعلقات تھے۔ خزاعہ والے قریش کے ماموں تھے اور خزاعی سردار بدیل بن ورقاء مکہ میں اپنے خاندان سمیت رہائش پذیر تھا۔ مگر خزاعہ دعوت اسلام کے ظہور کے وقت ہی سے اسلام نہ لانے کے باوجود رسول اللہ ﷺ سے دوستی کا اظہار کرتے تھے۔ جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر بنوخزاعہ سے عمرو بن سالم قریش کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ جب یہ لشکر ذی طویٰ پہنچا تو عمرو چپکے سے وہاں سے کھسک آیا اور قریشی لاؤ لشکر کی ساری تفصیل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوش گزار کر دی، پھر وہ واپس آ کر قریشی لشکر کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اس کا تذکرہ سیرت انسائیکلو پیڈیا: 158/6 میں گزر چکا ہے۔

بنو کنانہ کا علاقہ



صلح حدیبیہ میں نئی نئی رسم و راہ

کنانہ قریشیوں کے مخالف تھے لیکن اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں دونوں حلیف بن گئے اور ساری باہمی رقابتیں بھول گئے۔ دوسری طرف خزاعہ قریشیوں کے حلیف اور دوست تھے، ان کی آپس میں تعلق داریاں تھیں لیکن اسلام دوستی کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے حلیف ہوگئے۔ اب ان کی قریشیوں سے پہلے جیسی محبت نہیں رہی بلکہ قریشیوں کے دلوں میں ان کے بارے میں بغض وعناد پیدا ہوگیا۔ چنانچہ فتح مکہ کا سبب یہ تھا کہ بنوخزاعہ پر بنوبکر

نے حملہ کیا تھا جنھیں قریشیوں کی حمایت حاصل تھی۔ چنانچہ نبی ﷺ نے خزاعہ کی مدد فرمائی اور مکہ فتح ہوا۔

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ فطری طور پر مسلمانوں کے دشمن آپس میں دشمن بھی ہوں، تب بھی وہ اسلام دشمنی میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور جنھیں اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے، انھیں اسلام سے محبت ہوتی ہے، پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے دشمن بن جاتے ہیں، ہرچند وہ کافران کے پرانے حلیف ہی ہوں۔

حدیبیہ سے واپسی پر کھانے کی قلت

رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ سے لوٹے تو پہلے مرالظہران میں پڑاؤ کیا، پھر عسفان آکر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں کھانے پینے کی چیزوں کی قلت پیدا ہوگئی۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے شدید بھوک کی شکایت کی اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس کچھ سواریاں ہیں، کیا ہم انھیں ذبح کرلیں، ان کی چربی استعمال کریں اور ان کے چمڑے سے جوتے بنالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی۔ آپ کی اجازت کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس طرح نہ کیجیے، اگر لوگوں کے پاس سواریاں نہیں ہوں گی تو وہ مشکل میں پڑ جائیں گے۔ ہمارا دشمن سے ٹکراؤ ہوگیا تو پھر ہمارا کیا بنے گا اگر اس وقت ہم لوگ بھوکے اور پیدل ہوئے؟ اگر آپ پسند کریں تو لوگوں سے ان کی بچی کھچی چیزیں منگوائیں، انھیں جمع کریں اور پھر ان میں برکت کی دعا کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی دعا سے فائدہ پہنچائے گا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اپنے اپنے زادِ راہ میں سے جو کچھ بچا کھچا تھا، لے آنے کو کہا۔ ایک چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا گیا۔ کچھ لوگ ہتھیلی بھر کر لائے، کچھ اس سے زیادہ۔ سب سے زیادہ جو شخص لایا، وہ ایک صاع (2100 گرام) کھجوریں تھیں۔ سب کو اس دسترخوان پر جمع کر دیا گیا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس کا اندازہ کرنے لگا کہ وہ کتنا ہوگا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ایک ڈھیری کی مانند تھا جبکہ ہم چودہ سو صحابہ تھے۔

مرالظہران (وادی فاطمہ)



رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، آپ نے اللہ سے دعا کی۔ پھر لوگوں نے کھانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ سیر ہوگئے، پھر انھوں نے اپنے برتن بھرنے شروع کیے لیکن کھانا اسی طرح باقی تھا جیسے شروع میں تھا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اتنا ہنسے کہ آپ ﷺ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ! لَا يَلْقَى اللّٰهَ تَعَالٰى عَبْدٌ مُؤْمِنٌ بِهِمَا إِلَّا حُجِبَ مِنَ النَّارِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کی قسم! جو شخص بھی ان دونوں پر ایمان کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا، اللہ تعالیٰ اسے یقیناً جہنم سے دور رکھے گا۔''

جھوم کے آئی گھٹا، ٹوٹ کے برسا پانی

جب سب لوگ سیر ہوگئے تو آپ ﷺ نے وہاں سے کوچ کا حکم دیا۔ جونہی یہ قافلہ آگے چلا۔ بارش شروع ہوگئی، رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے اتر آئے۔ آپ نے بارش کا پانی پیا۔ دیگر لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

دو سعادت مند اور ایک بدبخت

پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو وعظ و نصیحت کی۔ اسی دوران تین آدمی آئے۔ دو رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور تیسرا منہ پھیر کر چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ الثَّلَاثَةِ؟»

''کیا میں تمھیں (ان) تینوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا وَاحِدٌ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللّٰهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَتَابَ فَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، أَمَّا الثَّالِثُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ»

''ایک نے شرم محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے شرم کر لی۔ دوسرے نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف رجوع فرمایا اور تیسرے نے منہ موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی طرف سے منہ موڑ لیا۔''[1]

[1] سبل الهدى والرشاد: 58/5

معاہدۂ حدیبیہ فتح مندی کا اعلان ہے

امام بیہقی رحمہ اللہ کی دلائل النبوہ میں عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو ایک صحابی نے کہا: یہ فتح نہیں ہے۔ہمیں بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا گیا۔ ہماری قربانیوں کو بھی روک دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے دو مومن آدمیوں کو جو آپ کی طرف آئے تھے، لوٹا دیا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"بِئْسَ الْكَلَامُ، هٰذَا أَعْظَمُ الْفَتْحِ، لَقَدْ رَضِيَ الْمُشْرِكُونَ أَنْ يَدْفَعُوكُمْ بِالرَّاحِ عَنْ بِلَادِهِمْ، وَيَسْأَلُونَكُمُ الْقَضِيَّةَ، وَيَرْغَبُونَ إِلَيْكُمْ فِي الْأَمَانِ، وَقَدْ رَأَوْا مِنْكُمْ مَا كَرِهُوا، وَقَدْ أَظْفَرَكُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِمْ، وَرَدَّكُمْ سَالِمِينَ غَانِمِينَ مَأْجُورِينَ، فَهٰذَا أَعْظَمُ الْفُتُوحِ، أَنَسِيتُمْ يَوْمَ أُحُدٍ؟ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلٰى أَحَدٍ، وَأَنَا أَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ!! أَنَسِيتُمْ يَوْمَ الْأَحْزَابِ؟ ﴿إِذْ جَآءُوكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصٰرُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا۠﴾ "

''(جو بات کہی گئی ہے وہ) بہت بری بات ہے۔ درحقیقت یہ صلح بہت بڑی فتح ہے۔ دیکھو مشرکین تمھیں اپنے شہر سے بڑی خوشی سے جانے کی اجازت دے رہے ہیں۔ وہ تم سے صلح کے متمنی ہیں۔ وہ تمھاری طرف سے امان میں رہنے کے خواہش مند ہیں۔ وہ تو تمھیں یہاں دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے لیکن انھیں یہ دن بھی دیکھنا پڑا۔ یہ تمھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے میں کامیابی عطا فرمائی ہے۔ اور تمھیں اجر عظیم دے کر صحیح سلامت لوٹایا ہے، اسی لیے یہ بہت بڑی فتح ہے۔ کیا تم احد کا دن بھول گئے؟ (اس دن تم پر کتنی بڑی مصیبت آ پڑی تھی) تم خوف کے مارے بھاگے جا رہے تھے، کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ میں تمھیں پیچھے سے آوازیں دے رہا تھا۔ تمھیں احزاب کا دن یاد نہیں؟ جب ہر طرف سے تم پر دشمن ٹوٹ پڑے تھے، تمھاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ دل حلق تک آ پہنچے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔''

لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول نے بالکل صحیح کہا ہے۔ یقیناً یہ سب سے عظیم فتح ہے۔ اللہ کی قسم! اے اللہ کے نبی! ہم نے کبھی اس انداز سے نہیں سوچا جس طرح آپ نے سوچا ہے۔ آپ ہی اللہ کے فیصلے کے بارے میں بہتر جانتے ہیں اور ہمارے معاملات کا بھی آپ ہی کو زیادہ علم ہے۔[1]

1 دلائل النبوة للبيهقي: 161,160/4

رستے میں پڑاؤ اور فجر کی نماز میں تاخیر

حافظ محمد حکمی ﷾ مرویات غزوہ حدیبیہ میں ذکر کرتے ہیں: مسلمان جب حدیبیہ سے واپس آرہے تھے تو اثنائے راہ میں رات ہوگئی، رات گزارنے کے لیے وہ رستے سے تھوڑی دور ہٹ گئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ قافلے کی حفاظت پر مامور ہوئے لیکن وہ سو گئے اور انھیں سورج کی تپش نے جگایا۔ اس سلسلے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم حدیبیہ کے زمانے میں واپس آرہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ يَكْلَؤُنَا؟» ''ہمارا پہرہ کون دے گا؟'' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں پہرہ داری کروں گا۔ چنانچہ سب سو گئے، یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا: «افْعَلُوا كَمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ» ''اس طرح کرو جس طرح تم پہلے کیا کرتے تھے۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے اسی طرح کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَكَذَلِكَ فَافْعَلُوا لِمَنْ نَامَ أَوْ نَسِيَ» ''جو شخص سو جائے یا بھول جائے، وہ اسی طرح کیا کرے۔''[1] سنن کبری للنسائی میں یہ روایت کچھ مفصل ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب سورج نکلا تو جاگنے والوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور فلاں فلاں حضرات بھی تھے۔ آپ ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ میں نے اسے ڈھونڈا تو اس کی رسی ایک درخت سے اٹکی ہوئی پائی۔ میں اسے پکڑ لایا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہوئے، پھر ہم چل دیے۔ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو وہ آپ پر بہت بھاری ہو جاتی تھی۔ ہم یہ حالت پہچان لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہم سے کچھ پیچھے ہٹ گئے۔ پھر آپ کے سر کو ڈھانپ دیا گیا۔ ہم نے جان لیا کہ اب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ پھر ایک خبر دینے والا ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ ﷺ پر ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ نازل ہوئی ہے۔[2]

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یہ حدیبیہ سے واپسی تھی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہم نے پڑاؤ ڈالا تو آپ نے فرمایا: ''کون شخص نماز کے لیے ہمارا پہرہ دے گا؟'' پھر اسی طرح سارا واقعہ درج ہے۔[3]

حافظ حکمی فرماتے ہیں: بہت سی احادیث ایسی بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ نیند کا واقعہ حدیبیہ کے علاوہ بھی رونما ہوا جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خیبر سے واپسی کے موقع پر اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح زید بن اسلم سے موطا امام مالک میں مرسلاً مروی ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے رستہ میں پیش آیا جبکہ عطاء بن یسار سے مرسلاً بیان ہوا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک سے واپسی پر پیش آیا تھا۔

---

[1] سنن أبي داود: 447. [2] السنن الكبرى للنسائي: 268،267/5. [3] السنن الكبرى للبيهقي: 218/2.

چنانچہ بعض علماء نے ان سب کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوہ خیبر سے واپسی پر ہوا اور یہ ایک ہی قصہ ہے کیونکہ زید بن اسلم کے مطابق یہ واقعہ مکہ کے رستے میں پیش آیا۔ خیبر اور مکہ سے مدینہ واپسی کا تقریباً ایک ہی راستہ ہے۔ زمن الحدیبیہ سے مراد اسی سال ہے، نہ کہ حدیبیہ سے واپسی مراد ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے اسے تکلف سے تعبیر کیا ہے کیونکہ غزوہ تبوک والی روایت میں اس کی تردید ہے، اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ متعدد مرتبہ رونما ہوا ہے۔[2] اسی کو امام نووی نے ترجیح دی ہے اور ابن کثیر، زرقانی اور ابن حجر بھی اسی بات کی طرف مائل ہیں۔[3]

1 التمهيد: 5/203-207. 2 فتح الباري: 1/582. 3 مرويات غزوة الحديبية، ص: 251-258

تبوک کے سنگلاخ پہاڑ



سورۂ فتح کا نزول

یہ سورۂ مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں آپ کے اور کفار مکہ کے حالات بیان فرمائے اور اس صلح کو مصلحت اور انجام کے اعتبار سے فتح مبین قرار دیا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ تم فتح سے مراد فتح مکہ لیتے ہو جبکہ ہم تو صلح حدیبیہ کو فتح قرار دیتے ہیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ ہی کے دن کو فتح قرار دیتے تھے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، میں نے آپ سے ایک چیز کے بارے میں تین بار پوچھا مگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا، میں نے اپنے دل میں کہا: ابن خطاب! تجھے تیری ماں گم پائے، تو نے تین بار سوال کیا مگر رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا! عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں اپنے اونٹ پر سوار ہوگیا، اسے حرکت دی اور آگے بڑھا۔ مجھے ڈر تھا کہ میرے بارے میں کوئی چیز نازل نہ ہوگئی ہو، اسی دوران میں ایک شخص نے پکارتے ہوئے کہا: اے عمر! میں پلٹا تو ڈر رہا تھا کہ میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوگئی ہوگی۔ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"نَزَلَتْ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ سُورَةٌ هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾"

''رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس سب سے زیادہ عزیز ہے اور وہ یہ ہے: ''(اے محمد!) بے شک ہم نے آپ کو فتح دی، فتح بھی صریح و صاف تا کہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔''[2]

فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے کیونکہ اس کے سبب بہت خیر و بھلائی حاصل ہوئی، لوگوں کو امن حاصل ہوگیا اور

[1] تفسير الطبري، الفتح 48:1-3. [2] مسند أحمد: 31/1.

انھیں ایک دوسرے سے آزادی کے ساتھ ملنے جلنے کا موقع مل گیا، اس طرح کافروں تک وضاحت سے دین حنیف کا پیغام پہنچ گیا۔ یوں علم نافع اور ایمان کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آیت کریمہ: ﴿ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ﴾ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آيَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا عَلَى الْأَرْضِ»

"(رات) مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔"[1]

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدیم النظیر فضیلت

اگلے اور پچھلے گناہوں کی بخشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے وہ خصوصیت ہے جس میں کوئی بھی آپ کا سہیم و شریک نہیں، آپ کے سوا اور کسی کے لیے بھی کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیے ہوں، یہ شرفِ عظیم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے لیے پوری جزئیات کے ساتھ ایسی زبردست اطاعت اور صبر واستقامت کا مظاہرہ فرمایا جس تک اولین و آخرین میں سے کسی بشر کی رسائی نہ ہوسکی، آپ کی ذات گرامی بلاشبہ تمام انسانوں سے افضل واکمل ہے اور آپ دنیا و آخرت میں ساری انسانیت کے سردار ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اپنے رب تعالیٰ کے سب سے زیادہ اطاعت گزار اور اس کے اوامر و نواہی کی سب سے زیادہ تعمیل کرنے والے تھے، جب آپ کی اونٹنی مکہ مکرمہ کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے زمین پر بیٹھ گئی تھی تو آپ نے فرمایا: «حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ» "اسے اس ذات پاک نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللَّهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا» "اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آج اگر وہ مجھ سے کوئی بھی ایسی چیز طلب کریں جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت والی اشیاء کی عزت و تکریم کریں تو میں ان کا مطالبہ تسلیم کرلوں گا۔"[2]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے صلح کی دعوت قبول فرمالی تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے مخاطب ہوکر یہ آیات کریمہ نازل فرما دیں: ﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا

1 مسند أحمد: 197/3، صحيح مسلم: 1786. 2 صحيح البخاري: 2731، 2732.

تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ ﴾ ''بے شک (اے محمد!) ہم نے آپ کو فتح دی، فتح بھی صریح و صاف تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے اور آپ پر (دنیا و آخرت میں) اپنی نعمت پوری کر دے۔''

مومنوں کے لیے بشارتیں

رسول اللہ ﷺ اور جملہ مومنین عمرے کی سعادت میسر نہ آنے کے بعد کئی بڑے بڑے مراحل سے گزر چکے تھے، مثلاً: مشرکین کا آمنا سامنا، بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ۔ اس صورتحال پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوش نہ تھے اور ان معاملات کے بارے میں ان کے دلوں میں کئی خیالات جنم لے چکے تھے۔

قرآن کریم نے واضح کیا کہ یہ صلح درحقیقت ''فتح مبین'' ہے اور قبولِ صلح کے سلسلے میں نبی مکرم ﷺ صحیح موقف پر قائم تھے۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، اس وقت آپ ''کراع الغمیم'' میں اپنی سواری پر تشریف فرما تھے۔ لوگ آپ کی طرف لپکے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ فتح کی پہلی آیت تلاوت فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ! وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! إِنَّهٗ لَفَتْحٌ»

''ہاں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! یہ یقیناً فتح ہے۔''[1]

آپ ﷺ کا ارشاد عالی سن کر مسلمانوں کا غم اور پریشانی انتہائی خوشی میں بدل گئی۔ انھیں یقین ہو گیا کہ ہم اسباب و نتائج کا قطعاً ادراک نہیں کر سکتے۔ ان کی اپنی اور اسلامی دعوت کی ساری بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔[2]

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق مومنوں کے ساتھ تھی۔ اس نے اپنے رسول کو صبر

[1] سنن أبي داود: 2736. [2] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 449/2.

کراع الغمیم (جہاں سورۂ فتح کا نزول ہوا)



کی توفیق بخشی کہ بالآخر مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدۂ صلح پر متفق ہو گئے۔ اور یہ معاہدہ مسلمانوں کے دلوں میں نزولِ سکینت کا سبب بنا حتی کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں کو بھی قرار آ گیا جنھوں نے صلح کی بعض شرائط ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اسے بڑی بوجھل طبیعت سے تسلیم کیا تھا، ان کی جانب سے بھی صلح کا معاملہ ترک کر دینے کی نوبت نہ آئی۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سکینت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے راضی ہو گئے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ۙ﴾

”وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں طمانیت و تسکین نازل کی تاکہ ان کے ایمان میں اور ایمان کا اضافہ ہو اور آسمانوں اور زمین کے (سب) لشکر اللہ ہی کے ہیں، اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا تاکہ وہ اس کا فضل و احسان یاد رکھیں اور ہمیشہ اس کا شکر یہ ادا کریں۔

اطمینان و سکون کے نازل فرمانے کی خبر قرآن پاک نے صرف اسی غزوے کے متعلق دی ہے۔ یہ سکینت غیر حسی ہے۔ اس کی کیفیتِ نزول اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ قرآن نے بیعتِ رضوان کی تعریف فرمائی اور اسے ہمیشہ کے لیے ایک یادگار واقعہ بنا دیا۔

مومنوں سے مراد حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور یہ صلح حدیبیہ کے دن کی بات ہے جب انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان پر لبیک کہا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے آگے سر اطاعت خم کر دیا۔ جب انھیں اطمینان قلب حاصل ہو گیا تو اس سے ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو گیا۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ”یہ اس لیے کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ کے لیے داخل کرے۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! مبارک ہو! اللہ تعالیٰ نے یہ تو بیان فرما دیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیسا حسنِ سلوک فرمائے گا، سوال یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا؟ تو اس کے جواب میں آپ پر یہ آیت کریمہ

1 الفتح 4:48.

نازل ہوگئی:

﴿ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّـَٔاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾

''(یہ سب اس لیے کیا) تاکہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور (تاکہ) ان سے ان کی برائیاں دور کردے، اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی صفات جمیلہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ ﴾

''(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، اور خوشخبری دینے والا، اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور تم اس کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اور تم صبح اور شام اس (اللہ) کی پاکی بیان کرو۔''

امام بخاری اور امام احمد نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ملا اور میں نے عرض کی: مجھے بتائیے کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی کیا صفت لکھی ہوئی ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ کی انھی صفات کا ذکر ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، مثلاً: تورات میں آپ کے بارے میں لکھا ہوا ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ ﴾ ''اے پیغمبر! ہم نے بلاشبہ آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔'' اور ان پڑھوں کے لیے ذریعۂ حفاظت بنا کر بھیجا ہے، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، آپ بدخو، سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں ہیں، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معافی و درگزر سے کام لیتے اور بخش دیتے ہیں، اس وقت تک اللہ تعالیٰ انھیں دنیا سے نہیں بلائے گا جب تک وہ ان کے ذریعے سے کج روملت کو سیدھا نہیں کردیتا کہ وہ لا الہ الا اللہ کہنا شروع کردیں تو اللہ تعالیٰ اس کلمے سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور

[1] مسند أحمد: 197/3، صحيح البخاري: 4172، صحيح مسلم: 1786.

پردے میں بند دلوں کو کھول دے گا۔[1]

وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے بنی اسرائیل میں سے شَعیا نامی ایک نبی کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تم اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ، میں اپنی وحی کے ساتھ تمھاری زبان کو قوت گویائی عطا کردوں گا اور میں ان پڑھ لوگوں میں اپنے ایک نبی امی کو مبعوث کروں گا جو نہ تند خو ہوگا، نہ سنگ دل، نہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا، اگر وہ جلتے ہوئے چراغ کے پاس سے گزرے تو اس قدر شائستگی کے ساتھ کہ چراغ بجھنے نہ پائے۔ اگر وہ سرکنڈوں پر بھی چلے تو اس کے قدموں کی آہٹ سنائی نہ دے، میں اسے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا، وہ بے ہودہ بات نہیں کرے گا، اس کے ذریعے سے میں اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردے میں بند دلوں کو کھول دوں گا، میں اسے ہر خوب صورت کام کی توفیق عطا کروں گا، ہر خلق کریم سے اسے سرفراز کردوں گا، سکینت کو اس کا لباس، نیکی کو اس کا شعار، تقویٰ کو اس کا ضمیر، حکمت کو اس کی گفتگو، صدق و وفا کو اس کی طبیعت، عفو و نیکی کو اس کا خلق، حق کو اس کی شریعت، عدل کو اس کی سیرت، ہدایت کو اس کا امام اور اسلام کو اس کی ملت بنا دوں گا، اس کا نام احمد ہوگا۔ میں اس کے ذریعے سے گمراہی کے بعد ہدایت دے دوں گا۔ جہالت کے بعد علم دے دوں گا، گمنامی کے بعد سربلندی عطا کر دوں گا، نامعلوم ہونے کے بعد پہچان کرا دوں گا، قلت کے بعد کثرت کر دوں گا، محتاجی کے بعد غنی کردوں گا، تفرقہ کے بعد جمع کر دوں گا، اور ان کے ذریعے سے متفرق امتوں، مختلف دلوں اور پراگندہ افراد میں الفت اور ہم آہنگی پیدا کردوں گا اور ان کے ذریعے سے میں بے شمار لوگوں کو تباہی و ہلاکت سے محفوظ کردوں گا، ان کی امت کو سب سے بہتر امت بنا دوں گا جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس امت کے لوگ نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے اور وہ موحد، مومن، مخلص اور میرے رسولوں کے لائے ہوئے دین و شریعت کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ میں ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دوں گا کہ وہ اپنی مسجدوں، مجلسوں اور آنے جانے کے راستوں میں میری تسبیح، تحمید، ثنا، تکبیر اور توحید کے ترانے گائیں گے، وہ کھڑے اور بیٹھے ہوئے نماز پڑھیں گے، وہ صفیں باندھ کر اور بھاری تعداد میں چل کر اللہ کے رستے میں جہاد کریں گے اور ہزاروں کی تعداد میں میری رضا کے حصول کے لیے اپنے گھروں سے نکلیں گے، وہ اپنے چہروں اور ہاتھ پاؤں کو پاک صاف رکھیں گے، اپنے کپڑوں کو نصف پنڈلیوں تک رکھیں گے، ان کی قربانیاں ان کے خون ہوں گے، ان کی انجیلیں (کتابیں) ان کے سینوں میں ہوں گی، وہ رات کو عبادت گزار اور دن کو شیر ہوں گے، میں ان (ﷺ) کے اہل بیت اور اولاد میں سے سابقین، صدیقین، شہداء اور صالحین پیدا کروں گا، ان کے بعد

[1] صحيح البخاري: 2125، مسند أحمد: 174/2.

ان کی امت کے لوگ حق کے ذریعے ہدایت کریں گے اور اسی کے ذریعے عدل وانصاف کریں گے۔ جو ان کی مدد کرے گا، میں اسے عزت عطا کروں گا۔ جو ان کے لیے دعا کرے گا، میں اس کی تائید کروں گا۔ جو ان کی مخالفت کریں گے یا ان پر سرکشی کریں گے یا ان کے ہاتھوں سے کچھ چھیننا چاہیں گے، میں ان لوگوں کو بری گردش میں مبتلا کردوں گا۔ میں انھیں اپنے نبی کا وارث اور رب کی طرف دعوت دینے والا بنادوں گا، وہ نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے، نماز قائم کریں گے، زکاۃ ادا کریں گے، وعدے پورے کریں گے اور انھی پر میں اس خیر و بھلائی کو ختم کردوں گا جس کا ان کے پہلے شخص سے میں نے آغاز کیا تھا، یہ میرا فضل ہے، جس کو چاہوں میں اس سے سرفراز کردوں اور میں تو فضل عظیم کا مالک ہوں۔[1]

پسماندگانِ حدیبیہ کے بارے میں قرآن کا فیصلہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾

”عنقریب جب تم مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے (خیبر کو) چلو گے تو پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ کہیں گے: ہمیں چھوڑو کہ ہم بھی تمھارے ساتھ چلتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام بدل دیں۔ آپ کہہ دیجیے: تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے، اللہ نے پہلے ہی سے یہ فرما دیا ہے، پھر وہ یقیناً کہیں گے: (نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، (ایسا نہیں) بلکہ وہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں۔“[2]

آیت مبارکہ میں ﴿ كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ کا مفہوم

عمرۂ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جانے والے اعراب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے کہ جب نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیبر فتح کرنے نکلیں گے تو وہ بھی ان کے ساتھ مل کر مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے نکلنے کی اجازت طلب کریں گے، حالانکہ دشمنوں سے جنگ، ان سے مقابلہ اور مشکل وقت میں ساتھ نکلنے کے بجائے وہ پیچھے رہ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ جب وہ اجازت طلب کریں تو انھیں اجازت نہ دیں اور یہ سزا ان کے گناہ کی نوعیت کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اہل حدیبیہ سے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پیچھے رہ جانے والے اعراب میں سے کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں ہوگا، لہٰذا شرعاً اور

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 3140/9 و 3141/10، یہ حدیث ضعیف ہے۔ [2] الفتح 15:48

قدرا اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ﴾ ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے قول کو بدل دیں۔'' امام ابن جریر، مجاہد، قتادہ اور جویبر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول سے مراد وہ وعدہ ہے جو اس نے اہلِ حدیبیہ سے فرمایا تھا۔[1]

جہاد مومنوں اور منافقوں میں حدِّ فاصل ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴾

''آپ ان پیچھے چھوڑے جانے والے دیہی لوگوں سے کہہ دیجیے: عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمھیں اچھا اجر دے گا، اور اگر تم پھر جاؤ گے، جیسا کہ اس سے پہلے تم پھر گئے تھے تو وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب دے گا۔''[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ نے ان لوگوں کو انتباہ فرمایا ہے جو حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے کہ اگر بعد ازاں انھوں نے جہاد کیا اور سخت جنگجو لوگوں کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، اور آزمائشوں پر ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ انھیں اس کا اجر عطا فرمائے گا ورنہ جس طرح یہ لوگ حدیبیہ میں پیچھے رہے ہیں، اگر بعد میں بھی پیچھے رہے تو پھر انھیں دردناک عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔

مفسرین کا اس امر پر اختلاف ہے کہ ان سخت جنگجو لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں جن کے ساتھ لڑائی کے لیے بلائے جانے کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ اس بارے میں کئی اقوال ہیں: بعض کے نزدیک ان سے مراد ہوازن کے لوگ ہیں۔

1 تفسير الطبري، الفتح 15:48. 2 الفتح 16:48.


بنو ہوازن کا علاقہ

بعض کہتے ہیں: ان سے مراد ثقیف کے لوگ ہیں، بعض اس سے بنو حنیفہ مراد لیتے ہیں اور کچھ نے ایرانی اور کچھ نے رومی یا بت پرست لوگ مراد لیے ہیں۔ امام طبری کا موقف ہے کہ ان سے بس سخت جنگجو لوگ ہی مراد ہیں۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ﴾ ''یا تو تم ان سے جنگ کرتے رہو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے۔'' یعنی تمھارے لیے ان سے جہاد اور قتال کا حکم ہے اور ان کے خلاف ہمیشہ جہاد ہوتا رہے گا اور تمھیں ان پر فتح حاصل ہوتی رہے گی یا وہ بغیر قتال ہی اپنی مرضی سے تمھارے دین میں داخل ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا: ﴿ فَإِنْ تُطِيعُوا ﴾ ''پھر اگر تم حکم مانو گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے جہاد کے لیے نکل آؤ گے اور اس کا پورا پورا حق ادا کرو گے ﴿ يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''تو اللہ تم کو اچھا بدلہ دے گا اور اگر منہ پھیر لو گے جیسا کہ تم نے پہلے پھیرا تھا۔'' یعنی حدیبیہ کے زمانے میں کہ جب تم کو جہاد کے لیے کہا گیا مگر تم نے شرکت نہ کی اور پیچھے بیٹھے رہ گئے ﴿ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴾ ''(تو) وہ تمھیں عذاب دے گا بہت دردناک عذاب۔''

جہاد سے مستثنیٰ کون لوگ ہیں؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ﴾

''(جہاد سے پیچھے رہنے میں) اندھے پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے، اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے۔''[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ترک جہاد کے شرعی عذر واضح فرمائے ہیں کہ ان میں سے کچھ تو مستقل نوعیت کے ہیں، مثلاً: اندھا پن اور مستقل لنگڑا پن اور کچھ عارضی نوعیت کے ہیں، مثلاً: چند دن کے لیے آنے والی بیماری جو کچھ مدت کے بعد ختم ہو جائے تو ایسی بیماری میں مبتلا انسان معذور لوگوں میں شمار ہوگا حتی کہ وہ صحت یاب ہو جائے۔

کفار حدیبیہ میں جنگ کرتے تو بھاگ کھڑے ہوتے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴾

[1] تفسير الطبري، الفتح 16:48. [2] الفتح 17:48.

''اور اگر تم سے کافر لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، پھر کسی کو نہ دوست پاتے اور نہ مددگار۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر مشرکین تم سے لڑتے تو اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں اپنے رسول اور اپنے مومن بندوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرماتا، کفار و مشرکین کا لشکر دم دبا کر بھاگ جاتا اور اپنا کوئی یار و مددگار نہ پاتا کیونکہ ان کی جنگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے مومن بندوں کے خلاف تھی، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

''یہی اللہ کا طریقہ ہے، جو پہلے سے چلا آتا ہے اور تم اللہ کے طریقے میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔''

یعنی مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ جب بھی فیصلہ کن جگہ پر کفر و ایمان ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوں تو اللہ تعالیٰ کفر کے مقابلے میں ایمان کو فتح و نصرت سے سرفراز فرماتا اور حق کو باطل کے خلاف سر بلند کر دیتا ہے جیسا کہ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنے دشمنوں اور مشرکوں کے مقابلے میں فتح یاب فرمایا تھا، حالانکہ مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی اور ان کے پاس ساز و سامان کی بھی شدید قلت تھی جبکہ مشرکین کی تعداد زیادہ تھی اور ان کے پاس اسلحہ کی بہتات اور مال و منال کی بھی فراوانی تھی۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ آمد

جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے، کفار ان کو بے حد اذیتیں دیتے تھے، اس لیے وہ موقع پاتے ہی بھاگ کر مدینہ آ جاتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد قریش کے حلیف قبیلہ ثقیف سے ابو بصیر عتبہ بن اُسید رضی اللہ عنہ مشرکینِ مکہ کی قید سے نکل بھاگے اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ معاہدے کی شرط کے مطابق قریش نے ان کے پیچھے دو آدمی بھیجے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا أَبَا بَصِيرٍ! إِنَّا قَدْ أَعْطَيْنَا هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ مَا قَدْ عَلِمْتَ، وَلَا يَصْلُحُ لَنَا فِي دِينِنَا الْغَدْرُ، وَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لَكَ وَلِمَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا فَانْطَلِقْ إِلٰى قَوْمِكَ»

''اے ابو بصیر! ہم نے اس قوم سے جو عہد کیا ہے، وہ تمھیں معلوم ہی ہے اور عہد شکنی کی ہمارے دین میں کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے ساتھ دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کوئی راہ نکالے گا، لہٰذا تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ۔''

ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے ان مشرکوں کے حوالے کر رہے ہیں جو میرے دین کے معاملے میں مجھے آزمائش میں مبتلا کریں گے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا أَبَا بَصِيرٍ! انْطَلِقْ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى سَيَجْعَلُ لَكَ وَلِمَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا»

''ابو بصیر! تم چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمھارے لیے اور تمھارے ساتھ دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے آزادی کی کوئی نہ کوئی راہ نکال دے گا۔''[1]

چنانچہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چل دیے۔ مسلمانوں کو یہ بات بہت گراں گزری کہ ان کا مظلوم ہم عقیدہ بھائی

[1] السيرة لابن هشام: 337/3.

قریش کے ظلم کی چکی سے نجات پانے میں کامیاب ہو گیا تو اُسے دوبارہ مشرکوں کے عقوبت خانے میں بھیجا جا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ عہد کی پاسداری کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاں یہ صرف رسمی یا کاغذی کارروائی نہیں تھی بلکہ یہ آپ کا ناقابلِ تسخیر دائمی معمول تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش سے کیے ہوئے عہد کی پابندی کی اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے بھیجے ہوئے دو آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چل دیے۔ جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے تو دونوں مشرک وہاں بیٹھ کر کھجوریں کھانے لگے۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا: اے فلاں! تمھاری تلوار بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے تلوار نیام سے نکال کر کہا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ بہت عمدہ تلوار ہے۔ میں اس کا بارہا تجربہ کر چکا ہوں۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ذرا دکھاؤ تو سہی، میں بھی تو اسے دیکھوں۔ اس نے وہ تلوار ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو دے دی۔

ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے تلوار ہاتھ میں لیتے ہی اس پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ دوسرا شخص بھاگتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا:

«لَقَدْ رَأَى هٰذَا ذُعْرًا»

”اس نے کوئی خوفناک منظر دیکھا ہے۔“

وہ رسول اللہ ﷺ سے التجا کرنے لگا: آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ ابھی وہ رسول اللہ ﷺ سے باتیں ہی کر رہا تھا کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی تلوار سونتے ہوئے پہنچ گئے اور کہا: ”اے اللہ کے رسول! آپ کی ذمہ داری پوری ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کی طرف سے واجب تھا، ادا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا اور میں اپنے دین کے متعلق فتنے میں پڑنے سے بچ گیا۔“ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَيْلُ أُمِّهِ مِسْعَرَ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهُ أَحَدٌ»

”اس کی ماں پر افسوس! اگر اسے کسی کا ساتھ مل جائے تو یہ جنگ بھڑکا دے گا۔“ [1]

یہ بات سن کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ انھیں پھر کافروں کے حوالے کیا جائے گا، اس لیے وہ مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر پر چلے گئے۔

ساحل سمندر پر مظلوم و مفرور مسلمانوں کا اجتماع

اب مکہ میں رہنے والے کمزور اور مظلوم مسلمان مکہ سے بھاگ بھاگ کر ابوبصیر کے پاس ساحل سمندر پر اکٹھے

[1] صحيح البخاري: 2732,2731، سنن أبي داود: 2765

ہونے لگے۔ ادھر ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ پھر قریش میں سے جو بھی مسلمان ہوتا، وہ سیدھا ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جاتا۔ اس طرح ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس اچھی خاصی جماعت اکٹھی ہو گئی۔ اس کے بعد جب بھی ان لوگوں کو ملک شام سے آنے والے کسی قریشی قافلے کا پتا چلتا تو وہ اس سے جا ٹکراتے اور قافلے والوں کو قتل کر کے مال لوٹ لیتے۔

قریش نے مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس ہی بلا لیں۔ اب ہمارے پاس سے جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے گا، وہ مامون رہے گا۔ یوں قریش خود ہی اپنی ظالمانہ شرائط سے دست بردار ہو گئے۔ اس طرح قریش کو اس جگہ سے ذلت ملی جہاں سے انھوں نے عزت حاصل کرنے کی آرزو کی تھی۔[1]

یہ ساٹھ یا ستر افراد جو عیص میں جمع تھے، سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہاں جگہ دی۔ ان کی آمد سے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوا۔ لیکن اس گروہ کے قائد ''ابو بصیر رضی اللہ عنہ'' کی قسمت میں مدینہ آنا نہیں لکھا تھا۔ جب انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط موصول ہوا تو وہ بستر مرگ پر تھے۔ عین اس موقع پر جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پہنچا، ان کے سانس کی ڈوری ٹوٹ گئی۔[2]

خواتین صلح حدیبیہ کے معاہدے سے مستثنیٰ تھیں

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ مکہ مکرمہ میں متعدد ایسے مسلمان بھی تھے جو کمزور ہونے یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی ملاقات کی اور انھیں تسلی دی تھی۔ انھی لوگوں میں ایک مومنہ

1 صحیح البخاري: 2732,2731، محمد رسول الله ﷺ، صادق عرجون: 281/4. 2 صور و عبر من الجهاد النبوي في المدينة للدكتور فوزي فيض الله، ص: 296



تدمر (شام کے رومی آثار)

خاتون سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ ام کلثوم حالات کی رفتار سے بہت بے چین تھیں، اُن کے دل میں اسلام کی محبت موجزن تھی۔ اسی جذبے کی سرشاری میں وہ بے اختیار مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ اہلِ مکہ کو پتہ چلا تو انھیں واپس لانے کے لیے ان کے دو بھائی ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ مدینہ پہنچے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ حدیبیہ میں جو صلح مکمل ہوچکی ہے، اس کی رو سے انھیں واپس کیا جائے۔ آپ ﷺ نے یہ مطالبہ اس وجہ سے مسترد کر دیا کہ صلح کی دفعہ میں جو لفظ لکھا گیا تھا، وہ یہ تھا:

وَعَلٰى أَنَّهُ لَا يَأْتِيكَ مِنَّا رَجُلٌ، وَإِنْ كَانَ عَلٰى دِينِكَ، إِلَّا رَدَدْتَهُ إِلَيْنَا.

''یہ معاہدہ اس شرط پر کیا جا رہا ہے کہ ہمارا جو آدمی آپ کے پاس جائے گا، آپ اسے واپس کر دیں گے، ہرچند وہ آپ ہی کے دین پر ہو۔''

اس میں صرف مردوں کا ذکر ہے، عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے اسے لوٹانے سے انکار فرما دیا۔ پھر اللہ نے اسی سلسلے میں یہ آیت بھی نازل فرما دی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم انھیں مومن جانو تو انھیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ (عورتیں) ان (کفار) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان (عورتوں) کے لیے حلال ہیں اور تم ان (کفار) کو دے دو جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انھیں ان کے مہر دے دو اور تم کافر عورتوں کی عصمتیں قبضے میں نہ رکھو اور مانگ لو جو (مہر) تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ (کفار) بھی مانگ لیں جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب کوئی مومنہ مدینہ ہجرت کر کے آتی تو رسول اللہ ﷺ اس سے اس آیت کریمہ کی روشنی میں بیعت لیتے:

1 الممتحنة 10:60، السيرة لابن هشام: 3/341,340، مرويات غزوة الحديبية، ص: 191-195

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں (اور) وہ آپ سے (ان امور پر) بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی، اور نہ اپنی اولاد قتل کریں گی، اور نہ بہتان لگائیں گی جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیں، اور نہ نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لے لیں، اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان کا امتحان یہی تھا کہ وہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی گواہی دیں اور اقرار کریں۔ مزید برآں ﴿فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ یہی وہ آیت ہے جس کے اترتے ہی مسلمان عورتیں مشرکوں پر حرام قرار دے دی گئیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کے بقول مسلمان عورت کے لیے اس کے (غیر مسلم) خاوند سے علیحدگی کا سبب اس کا اسلام ہے، نہ کہ عورت کی ہجرت۔[2]

مسلم خواتین کا مشرکوں پر حرام قرار دیا جانا

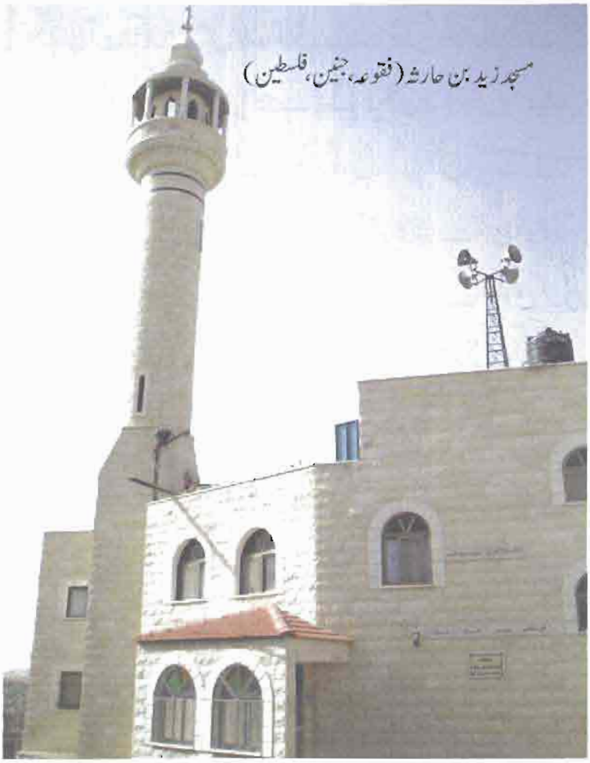
صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار نے ہجرت کر کے آنے والی مسلمان خواتین کی واپسی کا مطالبہ کیا تو جہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں کفار و مشرکین کی طرف لوٹانے سے منع فرما دیا، وہاں ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا:

﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ﴾

''نہ وہ (مسلمان عورتیں) ان (کافروں) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان (مسلمان عورتوں) کے لیے حلال ہیں۔''

ان الفاظ کے ذریعے سے مسلمان عورتوں کو مشرکوں کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔ اس سے پہلے ابتدائے اسلام میں مشرک کے لیے مومن عورت سے شادی کرنے کی اجازت تھی۔ اسی لیے ابوالعاص نے رسول اللہ ﷺ

[1] الممتحنة 60:12. [2] تفسیر القرطبي، الممتحنة 60:10


مسجد زید بن حارثہ (فقوعہ، جنین، فلسطین)

کی لختِ جگر زینب ؓ سے شادی کی تھی، حالانکہ سیدہ زینب ؓ مسلمان تھیں اور ابوالعاص اپنی قوم کے دین پر تھا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر جب ابوالعاص کو مسلمانوں نے قید کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اس شرط پر رہا کیا کہ وہ آپ کی صاحبزادی کو آپ کے پاس بھیج دے گا، چنانچہ اس نے مدینہ جا کر اس عہد کو پورا کیا اور آپ سے کیے ہوئے وعدے کو سچا ثابت کر دکھایا۔ اس نے زینب ؓ کو زید بن حارثہ ؓ کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کر دیا۔ سیدہ زینب ؓ غزوۂ بدر کے بعد 2ھ سے لے کر 8ھ میں اپنے خاوند ابوالعاص کے مسلمان ہونے تک مدینہ ہی میں رہیں۔ آپ نے ابوالعاص کے مسلمان ہو جانے کے بعد زینب ؓ کو پہلے نکاح ہی پر ان کے پاس لوٹا دیا اور نیا حق مہر بھی مقرر نہیں فرمایا۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ﴾ یعنی مہاجر خواتین کے مشرک خاوندوں نے ان پر حق مہر کی جو چٹی بھری ہے، وہ انھیں دے دو۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ کے متعلق ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب انھیں ان کا حق مہر دے دو تو ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ ان کی عدت گزر جائے اور ولی کی شرط پوری ہو۔[2]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾

1 تفسير ابن كثير، الممتحنة 10:60، سنن أبي داود: 2240، جامع الترمذي: 1143. 2 تفسير ابن كثير، الممتحنة 10:60.

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافر عورتوں کے نکاح پر قائم رہنے سے منع فرمایا ہے اور انھیں اپنے سے الگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب یہ آیت اتری تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنے پاس موجود دو مشرک عورتوں کو طلاق دے دی۔[1]

امام طبری نے بیان کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جن دو عورتوں کو طلاق دی تھی، ان میں سے ایک قُرَیبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ تھی جس سے معاویہ بن ابی سفیان نے شادی کر لی۔ اور دوسری ام کلثوم بنت عمرو بن جرول الخزاعیہ تھی جو عبیداللہ بن عمر کی ماں تھی۔ اس سے اس کے ہم قوم ابوجہم بن حذافہ بن غانم نے شادی کر لی۔ یہ دونوں بھی اس وقت مشرک تھے۔[2]

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

''اور مانگ لو جو (مہر) تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ (کفار) بھی مانگ لیں جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''[3]

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا کہنا ہے کہ قاعدہ یہ تھا کہ جو مسلمان عورتیں اسلام چھوڑ کر ایسے کفار کے پاس چلی جاتیں جن کے ساتھ معاہدہ ہے تو کفار سے کہا جاتا کہ ان عورتوں کا حق مہر ہمیں دے دو۔ اور کوئی عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے ادھر آ جاتی تو کہا جاتا کہ اس کا حق مہر کفار کو لوٹا دو۔ دونوں صورتوں میں یہ قانون عدل و انصاف پر مبنی تھا۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

''اور اگر تمھاری بیویوں میں سے کوئی تمھیں چھوڑ کر کفار کی طرف چلی جائیں، پھر تم (کفار سے) بدلہ لو (اور غنیمت ہاتھ لگے) تو جن کی بیویاں چلی گئیں، انھیں اس (مہر) کے برابر دے دو جو انھوں نے خرچ کیا اور تم اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔''[4]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مومنوں کی بیویوں میں سے اگر کوئی عورت

[1] صحيح البخاري: 2733. [2] تاريخ الطبري: 285/2. [3] الممتحنة 10:60. [4] الممتحنة 11:60.

(مرتد ہو کر) کفار کی طرف چلی جائے تو مومن اس کے خاوند کو اس مال میں سے نفقہ دیں گے جو ان کے ہاتھوں میں اس مال میں سے موجود ہے جسے مشرکین کی طرف لوٹانے کا انھیں حکم دیا گیا ہے، یعنی ان کی ان بیویوں کی وجہ سے جو ایمان لانے اور ہجرت کرنے کے بعد مسلمانوں کے پاس آ گئی ہوں اور اگر اس میں سے کچھ بچ جائے تو وہ مشرکین کو دے دیا جائے گا۔[1]

فوائد، حکمتیں اور مسائل و احکام

اللہ رب العزت کا ہر فیصلہ حکمت و دانش پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے ہر کام میں بے شمار حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں جن کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ان میں سے کچھ حکمتیں انسانوں کی راہنمائی اور بھلائی کے لیے ظاہر کر دی جاتی ہیں جبکہ اکثر و بیشتر خالق کائنات کے علم ہی میں محفوظ رہتی ہیں۔

صلح حدیبیہ بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے چند حکمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کمال مہربانی کرتے ہوئے ظاہر فرما دیں اور علمائے کرام نے انھیں احاطۂ تحریر میں لا کر آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا۔ صلح حدیبیہ سے ماخوذ و مستنبط کچھ فوائد، حکمتیں اور مسائل و احکام درج ذیل ہیں:

1 حج اور عمرے کا احرام میقات سے باندھنا افضل ہے، البتہ نیت میقات ہی سے کی جائے گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ذوالحلیفہ سے عمرے کی نیت کی تھی، حالانکہ ذوالحلیفہ، مدینہ منورہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز ہے لیکن میقات سے پہلے نیت کرنا درست نہیں ہے۔

ایک شخص نے امام مالک رحمہ اللہ سے عرض کی: میں مسجد نبوی میں روضۂ رسول کے پاس سے احرام باندھ کر عمرے کی نیت کرنا چاہتا ہوں؟

انھوں نے فرمایا: ایسا مت کرو، مجھے ڈر ہے کہ تم فتنے میں پڑ جاؤ گے۔

سائل نے عرض کی: اس میں کون سا فتنہ ہے؟ میں تو چند میل کا اضافہ کر رہا ہوں، یعنی میقات سے پہلے ہی نیت کر کے احرام کی پابندیاں قبول کر رہا ہوں، کوئی کمی تو نہیں کر رہا۔

امام صاحب نے فرمایا: اس سے بڑا فتنہ اور کیا ہوگا کہ تم بزعم خویش یہ سمجھ رہے ہو کہ تم ایسا فضیلت والا کام کرنے والے ہو جو رسول اللہ ﷺ بھی نہیں کر سکے جبکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (النور 63:24)

[1] تفسیر ابن کثیر، الممتحنۃ 11:60۔

''لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس (بات) سے ڈریں کہ انھیں (دنیا میں) کوئی آزمائش آپڑے یا انھیں (آخرت میں) دردناک عذاب پہنچے۔''[1]

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بیت المقدس سے احرام باندھ کر عمرے کی نیت کرنے کے بارے میں سیدہ ام سلمہ ؓ سے جو درج ذیل حدیث مروی ہے، یہ ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہے:

''جس نے بیت المقدس سے عمرے کا احرام باندھا تو وہ اس کے سابقہ گناہوں کی بخشش کا باعث ہوگا۔''

یا یہ روایت کہ ''اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔''[2]

2 عمرے کے لیے قربانی کا جانور ساتھ لے کر جانا مستحب ہے۔ صحابہ کرام ؓ نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں عمرے کے لیے ہدی کے جانور ساتھ لیے تھے۔ پھر صلح نامہ تحریر ہونے کے بعد حدیبیہ ہی میں قربانی کے جانور ذبح کر دیے تھے۔

3 ہدی کے اونٹ کو اشعار کرنا سنت ہے۔ اونٹ کے کوہان کو دائیں جانب سے چیر کر اس کا خون کوہان پر مل دیا جاتا تھا جو اس بات کی دلیل ہوتا تھا کہ یہ اونٹ ہدی کا ہے۔ اس لیے راہزن بھی اس اونٹ سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ آج بھی اس سنت پر عمل کرنا باعث اجر و ثواب ہے۔ فقہائے اہلِ رائے کا اس کو مثلہ قرار دینا درست نہیں۔ ایک شخص نے جناب وکیع ؒ کی مجلس میں کہا: اشعار کو ابراہیم نخعی مثلہ قرار دیتے ہیں۔ یہ سن کر جناب وکیع شدید ناراض ہوئے اور فرمایا: میں تمھیں بتا رہا ہوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور تم مجھے ابراہیم نخعی کا قول سنا رہے ہو۔ تم اس سزا کے مستحق ہو کہ تمھیں تادم توبہ قید میں ڈال دیا جائے۔[3]

یقیناً اتباعِ سنت کا یہ جذبہ قابلِ فخر اور سنت نبوی سے تغافل قابلِ گرفت جرم ہے۔

1 عارضة الأحوذي: 35,34/4، موارد الظمآن: 341/3. 2 سنن ابن ماجه: 3002، زاد المعاد: 300/3. 3 جامع الترمذي: 906.



مسجد اقصیٰ کا ایک منفرد منظر (بیت المقدس)

4 حربی کافر دشمن کو زچ کرنا، اسے غصہ دلانا اور چڑانا درست ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہدی کے جو اونٹ مکہ مکرمہ روانہ کیے تھے، ان میں ابوجہل کا وہ خوبصورت اونٹ بھی شامل تھا جس کی ناک میں چاندی کی نکیل تھی۔ جنگِ بدر کے موقع پر ہاتھ آنے والا یہ اونٹ آپ نے مشرکینِ مکہ کا دل جلانے اور تڑپانے کے لیے بھیجا تھا تاکہ انھیں اپنے سردار کی یادیں تڑپا دیں۔ مشرکین مکہ نے اس کے عوض سو اونٹوں کی پیش کش کی مگر آپ نے یہ کہہ کر ان کی پیش کش ٹھکرا دی کہ ہم اسے قربان کرنے کی نیت کر چکے ہیں۔

کافروں کو تڑپانا، جلانا اور غضبناک کرنا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی وہ خصوصی صفت ہے جسے اللہ تعالی نے قرآن مجید میں دو جگہ بیان فرمایا ہے۔[1]

5 سپہ سالار اور قائدِ عوام کا اپنی سپاہ اور رعایا سے مشورہ کرنا مستحب ہے۔ مشورے سے مشکلات کا حل سامنے آتا ہے، سپاہ اور رعایا میں اعتماد بڑھتا ہے اور بہترین طریق کار کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ ماہرینِ فنِ حرب کی خدمات سے پوری قوم کو فائدہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے کی بدولت غزوۂ بدر، خندق، طائف اور حدیبیہ میں شاندار حکمت عملی ترتیب دی اور دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیے۔

6 رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصواء حدیبیہ کے مقام پر رک گئی اور اس نے حدودِ حرم میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: ''قصواء اڑ گئی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کی غلط فہمی فوراً دور فرمائی اور کہا:

«مَا خَلَأَتْ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ»

''قصواء نہ اڑی ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے اس کے رکنے کی وجہ بیان فرمائی کہ اسے اسی ذات بابرکات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کے لشکر کو مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہونے سے روک دیا تھا۔ بعدازاں اسے روکنے کی عظیم حکمت بھی مسلمانوں کے لیے آشکارا ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کی طرف منسوب کی جانے والی غلط بات کی فوری تصحیح کر دی۔

7 کسی شرعی ضرورت کے لیے یا کسی سچی بات کی تاکید کے لیے قسم اٹھانا جائز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!» ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔'' کہہ کر صلح حدیبیہ کے موقع پر

1 دیکھیے: الفتح 29:48، التوبۃ 120:9.

قسم کھائی تھی۔

علامہ ابن قیم ؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر تقریباً 80 مرتبہ قسم کھائی ہے اور قرآن مجید میں تین مقامات پر آپ ﷺ کو اپنی تصدیق کے لیے قسم کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ [1]

8 اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ ہے کہ امیر اور عوام، قائد اور سپاہ، دولت مند اور غریب سب برابر ہیں۔ کسی امیر، قائد یا افسر کے لیے لوگ تعظیماً کھڑے نہیں ہوں گے جبکہ وہ خود کرسی پر بیٹھا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کے لیے شدید وعید سنائی ہے جو اپنی تعظیم کے لیے لوگوں کو کھڑے رکھنا پسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَمْثُلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

''جو شخص یہ بات پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے رہیں تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنا لے۔'' [2]

البتہ جنگوں میں مسلمان فوج کو فخر و غرور اور دشمن پر رعب طاری کرنے کے لیے سینہ تان کر اور اکڑ اکڑ کر چلنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح جنگ کے دوران اپنے کمانڈر کے گرد اسلحہ لے کر کھڑے ہونا تاکہ اسلام کی طاقت اور کمانڈر کی عظمت کا اظہار ہو، جائز ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے قریب تلوار سونتے کھڑے تھے اور قریشی سفیر جونہی رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک پکڑتا تھا، وہ اپنی تلوار کی دستی مار کر اسے پیچھے ہٹا دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوتے تو صحابہ کرام ؓ تعظیماً آپ کے گرد کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ نہ آپ یہ عمل پسند فرماتے تھے، البتہ حفاظتی مقاصد کے لیے ایسے کرنا درست ہے۔ [3]

9 رسول اللہ ﷺ نے قریشی سفیر کی بے ادبی اور گستاخی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ عروہ ثقفی جب آپ سے گفتگو کر رہا تھا تو عربوں کی عادت کے مطابق بار بار رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کو پکڑ لیتا تھا۔ آپ اس کی اس گستاخی سے درگزر فرماتے رہے۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب کے دو سفیر جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی بے ادبی کو بھی آپ نے یہ کہتے ہوئے معاف فرما دیا:

«أَمَا وَاللّٰهِ! لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا»

---

1 دیکھیے: یونس 53:10، سبا 3:34، التغابن: 7:64. 2 سنن أبي داود: 5229. 3 فتح الباري 340/5، زاد المعاد: 304/3.

''اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سفیروں اور قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔''[1]

10 اسلام میں بدفالی منع ہے لیکن نیک شگون لینا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قریشی سفیر سہیل کو دیکھا تو فرمایا: سَهُلَ أَمْرُكُمْ ''تمھارا کام آسان ہوگیا۔'' کیونکہ سہیل کا معنی ہے: آسانی اور نرمی کرنے والا۔ آپ نے اس کے نام سے نیک شگون لیا کہ اب قریش کے ساتھ معاملات طے پا جائیں گے۔

آپ کا اسوۂ حسنہ یہ تھا کہ آپ معنوی لحاظ سے خوبصورت نام پسند کرتے اور ان سے نیک شگون لیتے تھے جبکہ برے معانی والے ناموں کو ناپسند فرماتے اور انھیں تبدیل کر دیتے تھے۔

11 عمرے میں سر کے بال منڈانا افضل ہے جیسا کہ حج میں بال منڈانا افضل ہے۔ ہر چند بال چھوٹے کرانا بھی جائز ہے۔

12 جس شخص کو سفر حج یا عمرے سے روک دیا جائے اور وہ مکہ مکرمہ نہ پہنچ سکے تو وہ جہاں بھی روکا جائے گا، وہیں قربانی کرے گا۔ اس کے لیے قربانی کو حرم تک پہنچانا ضروری نہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ﴾ [الفتح 25:48]

''اور قربانی کے جانوروں کو بھی اپنی قربان گاہ تک پہنچنے سے روکے رکھا۔''

اسی طرح وہ جونہی قربانی کر کے سر کے بال منڈائے گا یا چھوٹے کرائے گا تو احرام کی پابندیوں سے معاً آزاد ہو جائے گا۔

13 اگر حج یا عمرہ کرنے والے کو مکہ مکرمہ پہنچنے سے روک دیا جائے تو آئندہ سال اس کے لیے حج یا عمرہ کرنا واجب نہیں۔ صلح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد تقریباً چودہ سو تھی جبکہ اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے جانے والے حضرات اس سے کہیں کم تھے۔ اگر یہ عمرہ واجب ہوتا تو سبھی لوگوں کو عمرے کے لیے جانا چاہیے تھا، البتہ جو شخص احرام کی حالت میں بیوی سے جماع کر لے تو اس صورت میں اس پر اگلے سال حج کرنا ضروری ہے اور اسے فدیہ بھی دینا پڑے گا۔

14 اگر مصلحت اور مسلمانوں کے مفادات کا تقاضا ہو تو کافروں سے ایسی شرائط پر صلح کی جا سکتی ہے جو بظاہر مسلمانوں کے نقصان میں ہوں۔ بڑی برائی کو ختم کرنے کے لیے چھوٹی برائی برداشت کی جا سکتی ہے۔ ممکن ہو تو ایسی صلح

1 سنن أبي داود: 2761

جائز ہے۔

15 قریشی سفیر عروہ بن مسعود ثقفی نے دوران گفتگو رسول اللہ ﷺ سے کہا: میں آپ کے گرد جن لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، یہ تو آپ کو میدانِ کارزار میں تن تنہا چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔ اس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے خوب سنائیں۔ لیکن جب عروہ نے آپ کی خدمت میں کچھ وقت گزارا تو اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کی ایسی عزت و تکریم کرتے ہوئے دیکھا کہ اس کا سابقہ گمان باطل ہوگیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی محبت و عقیدت کے ایسے دلکش مناظر دیکھے کہ وہ اپنی قوم کے پاس جا کر برملا بول اٹھا: ''اے قریش کی جماعت! اللہ کی قسم! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں حاضر ہو چکا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے ان



طاق کسریٰ (مدائن، عراق)



شہر قیصر (قسطنطنیہ) کا نادر خاکہ

بادشاہوں کی اتنی عزت و تکریم اور عظمت نہیں دیکھی جتنی عظمت محمد کے صحابہ محمد (ﷺ) کو دیتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ بلغم بھی تھوک دیتے تھے تو ان کے ساتھی اُسے بھی لپک لیتے تھے اور اپنے چہروں اور بدن پر مل لیتے، آپ جو حکم دیتے وہ فوراً اس کی تعمیل کرتے تھے، آپ وضو کرتے تو آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کے حصول کے لیے جھپٹ پڑتے تھے، جب آپ گفتگو کرتے تو وہ خاموش ہو جاتے تھے۔ کوئی شخص آپ کی عظمت و وقار کی وجہ سے آپ کو نظر بھر کر دیکھنے کی بھی تاب نہیں رکھتا تھا۔''

16 مسلمان بھائی کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیے۔ اس کے بارے میں بُرا گمان رکھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بطور سفیر قریش کے پاس گئے تو کچھ صحابہ نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ تو بیت اللہ کا طواف کر چکے ہوں گے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن ظن کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"ذَاكَ ظَنِّي بِهِ أَلَّا يَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ حَتَّى نَطُوفَ مَعَهُ"

''ان کے بارے میں میرا گمان یہی ہے کہ وہ تنہا بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ واپس آئے تو صحابہ نے ان سے دریافت کیا: کیا تم بیت اللہ کے طواف سے اپنا دل ٹھنڈا کر چکے ہو؟ انھوں نے فرمایا: ''تم نے میرے بارے میں بڑا غلط گمان کیا۔ اللہ کی قسم! اگر میں مکہ مکرمہ میں سال بھر بھی ٹھہرا رہتا، تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کبھی طواف نہ کرتا۔ مجھے قریش نے طواف کرنے کی دعوت دی تھی مگر میں نے ان کی دعوت مسترد کر دی۔''

اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے اختیار کہا: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے عالم اور سب سے زیادہ حسنِ ظن رکھنے والے ہیں۔[1]

17 مسلمانوں کو دشمن کے پراپیگنڈے سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ ایسی کوئی بھی خبر جو مسلمانوں کی پریشانی کا باعث بن سکتی ہو، اسے نشر کرنے سے پہلے اس کی خوب تحقیق کر لینی چاہیے۔ خصوصاً دورِ حاضر کے تیز ترین ذرائع ابلاغ کی موجودگی میں خبروں کی اشاعت میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ بلاتحقیق کوئی خبر پھیلانا مسلمانوں کے لیے اذیت ناک بھی ہوسکتا ہے اور یہ دشمن کی ایک چال بھی ہوسکتی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو پریشان کرنا ہو۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر اڑا کر قریش نے مسلمانوں کو بہت پریشان کیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو دشمن کے پراپیگنڈے سے ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے۔


مسجد ابوبکر صدیق (غلیبة، تیونس)

18 سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والے، آپ کی تائید و حمایت میں سب سے آگے اور آپ کے مفہوم و مراد کو سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے۔ دینی فہم و فراست میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

اس کا ایک ثبوت اس وقت سامنے آیا جب بظاہر مسلمانوں کے خلاف طے پانے والی شرائط پر صلح نامہ لکھا جا رہا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ان شرائط کو

1 دلائل النبوة للبیهقی: 134/3، زاد المعاد: 290/3، 291.

قبول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت آزردہ تھے، وہ پہلے رسول اللہ ﷺ اور پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان شرائط کے بارے میں اپنا ردعمل ظاہر کرنے لگے۔

اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر صلح نامہ کی شرائط پر گفتگو کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ مبارک اور دین حنیف کی جو بصیرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی، وہ کسی اور کو نصیب نہ تھی۔ اسی لیے وہ اس موقع پر کمال رضا و تسلیم کے ساتھ پر سکون تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلہ کیا ہے، اسی میں خیر و بھلائی ہے۔

19 شرعی احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے ہی میں نجات ہے۔ شرعی احکام کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا یا ان کی حکمتوں کو جاننے کے لیے عقلی گھوڑے دوڑانا درست نہیں کیونکہ شارع ان کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ جو احکام دیتا ہے، انھی میں انسانوں کی خیر و بھلائی مضمر ہوتی ہے۔ انسانی عقل ناقص ہے۔ یہ احکام ربانی کی منشا و حکمت کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اس لیے مسلمان کو ہر دم اطاعت و فرمانبرداری ہی کو اپنا شیوہ بنانا چاہیے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ والے دن صلح نامہ کی شرائط پر رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی۔ شرائط بظاہر قریش کے حق میں تھیں، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اس صلح نامے کو قبول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ مگر وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے زیر اثر خاموش رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو جرأت مندی کا مظاہرہ کیا، اس پر وہ بعد میں سخت نادم ہوئے اور اس بارے میں صدقہ دیتے اور توبہ کرتے رہے۔ انھوں نے پھر کبھی اپنی عقل کو بروئے کار لانا گوارا نہیں کیا بلکہ وہ لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّهِمُوا الرَّأْيَ عَلَى الدِّينِ، فَقَدْ رَأَيْتُنِي أَرُدُّ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِرَأْيِي اجْتِهَادًا، فَوَاللّٰهِ! مَا آلُو عَنِ الْحَقِّ، وَ ذٰلِكَ يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ.

''اے لوگو! دینی معاملات میں اپنی رائے کو ناقص سمجھو۔ ابوجندل والے دن میں نے خود کو دیکھا کہ میں اپنی رائے اور اجتہاد کے ذریعے اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو ماننے سے پس و پیش کر رہا تھا۔ اللہ کی قسم! میں حق بات بیان کرنے میں ہرگز سستی نہیں کروں گا۔''[1]

20 انسان غلطی کا پتلا ہے۔ اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے رب سے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ معافی کو یقینی بنانے کے لیے نیک اعمال کرنے چاہئیں۔

[1] المعجم الكبير للطبراني: 32/1.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کی شرائط پر جو مکالمہ کیا، انھیں بعد میں اس پر سخت افسوس ہوا۔ وہ فوراً توبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے رب سے معافی کے طلب گار بنے، وہ فرماتے ہیں:

مَا زِلْتُ أَصُومُ وَ أَتَصَدَّقُ وَ أُصَلِّي وَ أَعْتِقُ مِنَ الَّذِي صَنَعْتُ مَخَافَةَ كَلَامِي الَّذِي تَكَلَّمْتُ بِهِ يَوْمَئِذٍ حَتّٰى رَجَوْتُ أَنْ يَكُونَ خَيْرًا.

''میں نے صلح حدیبیہ والے دن جو گفتگو کی، اس کے ڈر سے مسلسل روزے رکھتا رہا، صدقہ کرتا اور نفل نماز پڑھتا رہا حتی کہ مجھے امید ہوگئی کہ میری خطا معاف ہوگئی ہوگی۔''[1]

21 مسلمانوں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ معاہدوں کی پاسداری کرتے ہیں اور وعدہ وفا کرتے ہیں۔
رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے وقت قریشی شرط کے مطابق ابوجندل رضی اللہ عنہ کو قریش کے حوالے کر کے امت کو ایفائے عہد کا شاندار سبق دیا۔ ہر چند یہ معاہدہ ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں پر سیدنا ابوجندل رضی اللہ عنہ کی واپسی سخت ناگوار گزر رہی تھی، مگر آپ نے اپنے اسوۂ مبارک سے ثابت کر دیا کہ مسلمان کو ہر قسم کے حالات میں ایفائے عہد کرنا چاہیے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اگر اپنا مفاد ہو تو وعدے پر پکے رہے لیکن دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچانے کے لیے معاہدوں اور وعدوں کو پس پشت ڈال دیا، جیسا کہ آج کل مسلمانوں کا عمومی حال ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایفائے عہد کی خوبی پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔

22 صلح حدیبیہ کی شرائط پر مسلمان اس قدر رنجیدہ تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں سر منڈانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا تو کوئی بھی فوری عمل کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر مشورہ دیا کہ آپ قربانی کرنے میں پہل کریں۔ پھر سر کے بال منڈا دیں تو تمام صحابہ آپ ﷺ کی پیروی کریں گے، کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ آپ نے یہ مشورہ مانتے ہوئے جب اپنی قربانی نحر کی اور سر کے بال منڈانے شروع کیے تو تمام صحابہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر انھوں نے قربانیاں کرنی شروع کیں اور بال منڈانے لگے۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ امیر، سپہ سالار، قائد، گھر کے سربراہ اور والد کو اپنا کردار مثالی بنانا چاہیے تاکہ اس کے ماتحت بھی اس کے کردار کو اپنے لیے نمونہ بنائیں۔ اسی طرح استاد کو اپنے طلبہ اور داعی کو عوام کے لیے نمونہ ہونا چاہیے تاکہ طلبہ اور عوام ان کے کردار کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔

[1] مسند أحمد: 323/4.

23 مسلمان کو اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی دعا کرنی چاہیے۔ تمام اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اچھے نتائج کی امید رکھنی چاہیے۔ کسی کام کا پکا ارادہ کر لے تو اسے کر گزرنا چاہیے۔ نتیجہ مثبت نکلے تو شکر ادا کرے اور اگر نتیجہ حسب منشا نہ ہو تو صبر سے کام لے۔

صلح حدیبیہ کی شرائط سے مسلمان ابتدائی طور پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مسلمانوں کے لیے فتح عظیم بنا دیا۔ اس صلح سے مسلمانوں کو ایسی کامیابی ملی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اس لیے مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے اگرچہ بظاہر حالات اس کے مخالف ہی ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ (البقرۃ 2:216)

''اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

24 صلح حدیبیہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو بھی فرصت کے چند ایام میسر آ گئے۔ آپ نے غیر ملکی بادشاہوں کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے خطوط لکھے۔ پھر چند دن آرام کرنے کے بعد یہودِ خیبر کو سبق سکھانے کے لیے اسلامی لشکر کو خیبر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اور بالآخر یہودیوں کے آخری مرکز خیبر کو فتح کر کے جزیرہ عرب سے یہودیوں کی طاقت کو نیست و نابود کر دیا۔ اس طرح یہودیوں کی سازشوں کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع ہو گیا جیسا کہ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

25 رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو جب ان کے سر میں جوئیں پڑ گئی تھیں، احرام کے باوجود سر منڈانے کی اجازت دی تھی اور انھیں پابند کیا تھا کہ وہ فدیے کے طور پر ایک بکری ذبح کریں یا تین روزے رکھیں یا چھ



خیبر کا نخلستان

مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔

نمازِ خوف کے مسائل

نماز ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ خوشی ہو یا غمی، امن ہو یا جنگ، سفر ہو یا حضر، آدمی بیمار ہو یا صحت مند، ہر حالت میں بروقت نماز ادا کرنا ضروری ہے۔ البتہ مخصوص افراد کو مخصوص حالات میں کچھ رخصت بھی دی گئی ہے کیونکہ اسلام نرمی، سہولت اور آسانی والا دین ہے، اپنے ماننے والوں کو آسانی کرنے اور دوسروں کو خوشخبری سنانے کا حکم دیتا ہے۔

نمازِ خوف بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو دی گئی رخصت اور آسانی ہی کی ایک شکل ہے تاکہ مسلمان عین اس وقت بھی اپنے رب کے حضور بروقت حاضر ہو سکیں جب ان کے سامنے دشمن صف آرا ہو اور کسی بھی لمحے مسلمانوں کی مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر انھیں نقصان پہنچانے کے لیے کمر کس چکا ہو۔ ایسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی گھٹا کس طرح چھا جاتی ہے؟ فرمانِ ربانی پڑھیے:

﴿ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ ۖ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَن تَضَعُوٓا۟ أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا۟ حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ فَإِذَا قَضَيْتُمُ ٱلصَّلَوٰةَ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا ٱطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ ۚ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ۝ ﴾

”اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی، وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ ساتھ لے اور اپنے ہتھیار لگائے رکھے۔ کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی دھاوا بول دیں۔ اور اگر تمھیں بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے ہتھیار (ایک طرف) رکھ دو، اور اپنا بچاؤ ساتھ لو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے

ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے رہو، پھر جب تمھیں اطمینان ہو جائے تو (پوری) نماز پڑھو، بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔‘‘[1]

سیدنا ابوعیاش زرقی ﷜ بیان کرتے ہیں:

’’ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عسفان میں تھے۔ مشرکین کے لشکر کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے۔ ہم نے نمازِ ظہر ادا کی تو مشرکین کہنے لگے: ہمیں دھوکہ دینے کا موقع ملا تھا، ہم نے مسلمانوں کو لاپروا پایا تھا، اگر ہم ان پر اُس وقت حملہ کر دیتے جب وہ نماز ادا کر رہے تھے (تو یہ انھیں نقصان پہنچانے کا بہترین وقت تھا)، چنانچہ ظہر اور عصر کے درمیان آیتِ قصر، یعنی نماز خوف ادا کرنے کا حکم نازل ہو گیا۔ عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ قبلے کی جانب کھڑے ہو گئے جبکہ مشرکین آپ ﷺ کے سامنے تھے۔ صحابۂ کرام ﷡ نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا تو سب صحابہ ﷡ نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو اگلی صف والوں نے بھی سجدہ کیا۔ اس دوران میں پچھلی صف والے ان کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ جب انھوں نے دو سجدے کر لیے اور سیدھے کھڑے ہو گئے تو پھر پچھلی صف والوں نے سجدے کیے۔ پھر اگلی صف والے پیچھے چلے گئے اور پچھلی صف والے آگے آ گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا تو سب صحابۂ کرام ﷡ نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ نے اور اگلی صف والوں نے سجدے کیے جبکہ پچھلی صف والے ان کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور اگلی صف والے بیٹھ گئے تو پچھلی صف والوں نے سجدے کیے۔ پھر سب (تشہد میں) بیٹھ گئے۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے سب صحابہ ﷡ کے ساتھ مل کر سلام پھیرا۔ آپ ﷺ نے عسفان میں نمازِ خوف پڑھائی اور غزوۂ بنی سلیم کے موقع پر بھی اسی طرح نماز (خوف) پڑھائی۔‘‘[2]

حافظ ابن قیم ﷫ فرماتے ہیں: بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلی نماز خوف عسفان میں ادا کی تھی جیسا کہ ابوعیاش الزرقی ﷜ کی روایت میں ہے۔[3]

نمازِ خوف کی حالتیں

نبی کریم ﷺ نے نمازِ خوف متعدد طریقوں سے ادا کی ہے۔ ہر موقع پر جو طریقہ زیادہ موزوں تھا وہی اپنایا۔ ان

[1] النسآء 4:102، 103. [2] صحیح مسلم: 840، سنن أبي داود: 1236 واللفظ له، سنن النسائي: 1551. [3] زاد المعاد: 251/3.

کی تفصیل کتب احادیث میں موجود ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ نمازِ خوف کی تقریباً سولہ اقسام ہیں جو صحیح مسلم میں تفصیل سے مذکور ہیں اور کچھ سنن ابی داود میں بھی ہیں۔[1]

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے 14 اقسام لکھی ہیں، امام حاکم رحمہ اللہ نے آٹھ اقسام بیان کی ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المفہم" میں نمازِ خوف کی دس احادیث تبصرہ سمیت درج کی ہیں۔[2]

امام ابو داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے مروی تمام طریقے جائز ہیں (موقع کی مناسبت سے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔) ہم ان میں کسی کو ترجیح نہیں دیتے۔

جبکہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مسئلے میں صحیح احادیث مروی ہیں اور میں سیدنا سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت پسند کرتا ہوں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب "زاد المعاد" میں نمازِ خوف کے چھ طریقے بیان کیے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: نمازِ خوف کے چند اور طریقے بھی بیان کیے جاتے ہیں لیکن وہ سب انھی چھ طریقوں کے گرد گھومتے ہیں، البتہ بعض دفعہ الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔...... صحیح بات یہی ہے کہ یہ تمام طریقے کل چھ ہی ہیں۔ راویوں کے بیان میں اختلاف کو دیکھتے ہوئے علمائے کرام نے انھیں الگ الگ قسم شمار کر لیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔[3]

نبی کریم ﷺ نے ہر موقع پر خوف کی شدت اور مسلمانوں کی حفاظت و سلامتی کو مدنظر رکھتے ہوئے جو طریقے اختیار فرمائے، وہ اگرچہ ادائیگی کے لحاظ سے مختلف ہیں لیکن مقصود سب کا ایک ہی ہے۔ آئیے وہ طریقے ملاحظہ فرمائیں۔

1 غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جس طریقے سے نمازِ خوف پڑھائی، وہ سورۂ نساء میں مذکور طریقے کے مطابق ہے۔ اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ نے اسے پسند کیا ہے۔

سیدنا سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرح نمازِ خوف پڑھائی کہ مجاہدین کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صف بنائی جبکہ دوسری جماعت دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑی رہی۔ آپ ﷺ نے اس جماعت کو ایک رکعت پڑھائی اور دوسری رکعت انھوں نے خود ادا کر کے نماز مکمل کر لی۔ پھر یہ جماعت جا کر دشمن کے سامنے صف آرا ہو گئی اور دوسری جماعت نبی کریم ﷺ کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس دوران نبی کریم ﷺ ایک رکعت پڑھا کر سیدھے کھڑے تھے۔ جب دوسری جماعت آئی تو آپ ﷺ نے اسے دوسری رکعت پڑھائی جو آپ کی نماز سے رہ گئی تھی۔ پھر آپ ﷺ تشہد میں بیٹھ گئے اور مجاہدین نے اپنی دوسری رکعت ادا کی۔ پھر (تشہد پڑھنے کے بعد) آپ ﷺ نے سب کے ساتھ سلام پھیرا۔[4]

1 شرح النووي على صحيح مسلم: 375/6. 2 المفهم: 476,468/2. 3 الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: 352/4، زاد المعاد: 532/1. 4 صحيح البخاري: 4129، صحيح مسلم: 842,841.

2 جب دشمن قبلہ رخ صف آرا ہو تو نماز پڑھنے کی کیفیت کیا ہوگی؟ اس بارے میں صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے، جبکہ وہی روایت نماز خوف کی صراحت کے ساتھ سنن ابی داود میں سیدنا ابوعیاش الزرقی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو گزشتہ صفحات پر گزر چکی ہے۔

3 نمازِ خوف کی تیسری صورت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نجد کے علاقے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں شرکت کی۔ جب دشمن سے آمنا سامنا ہوا تو ہم نے صف بندی کی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نمازِ خوف پڑھائی تو ہم میں سے ایک جماعت آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے لگی جبکہ دوسری جماعت دشمن کے سامنے ڈٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ نماز پڑھنے والے مجاہدین کو ایک رکوع اور دو سجدے کرائے، پھر یہ مجاہدین ان کی جگہ چلے گئے جنھوں نے نماز نہیں پڑھی تھی۔ وہ دوسری جماعت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑی ہوگئی تو آپ ﷺ نے انھیں ایک رکوع اور دو سجدے کرانے کے بعد (تشہد پڑھ کر اکیلے) سلام پھیر دیا۔ پھر اس جماعت کے ہر فرد نے کھڑے ہو کر اپنا اپنا رکوع کیا اور دو سجدے کیے (اور نماز مکمل کر لی)۔ [1]

سنن ابو داود میں مزید وضاحت موجود ہے کہ پھر نبی کریم ﷺ نے سلام پھیر دیا تو اس جماعت نے کھڑے ہو کر اپنی دوسری رکعت مکمل کر کے سلام پھیرا۔ پھر یہ دوسری جماعت کی جگہ چلے گئے اور انھوں نے آ کر دوسری رکعت ادا کر کے سلام پھیرا۔ [2]

اس طرح دونوں گروہوں نے نبی کریم ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی دوسری رکعت مکمل کر کے سلام پھیرا۔ اس دوران میں دونوں گروہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی ہوئے۔ ان کا نماز میں چلنا زیرِ ضرورت تھا، اس لیے ایسی صورت حال میں نماز میں چلنا جائز ہے۔

4 نمازِ خوف کی چوتھی صورت یہ ہے کہ امام دونوں گروہوں کو الگ الگ دو دو رکعتیں پڑھائے۔ اس سلسلے میں سیدنا جابر اور سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی۔ (آپ نے مجاہدین کو دو گروہوں میں تقسیم کیا، ایک گروہ دشمن کے سامنے صف آرا ہوگیا جبکہ) آپ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں (اور سلام پھیر دیا۔) پھر یہ گروہ دشمن کے سامنے چلا گیا اور آپ ﷺ نے دوسرے گروہ کو بھی دو رکعتیں پڑھائیں۔

[1] صحيح البخاري: 942، صحيح مسلم: 839. [2] سنن أبي داود: 1244، 1245.

اس طرح نبی کریم ﷺ کی چار رکعات اور دونوں گروہوں کی دو دو رکعتیں ہوگئیں۔[1]

امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مغرب کی نماز بھی اسی طریقے سے ادا کی جائے گی۔ امام کی چھ رکعات ہوجائیں گی جبکہ دونوں گروہوں کی تین تین رکعتیں ہوں گی۔[2]

درج بالا حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر امام نفل کی نیت سے نماز پڑھا رہا ہو تو مقتدی فرض کی نیت سے اس کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے گروہ کو نفل کی نیت سے نماز پڑھائی جبکہ خود ان کی وہ فرض نماز تھی۔

5 علمائے کرام نے نمازِ خوف کی پانچویں صورت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لی ہے۔ اس روایت میں جو صورت بیان ہوئی ہے، وہ بالکل وہی ہے جو چوتھی صورت میں ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اس روایت میں نبی کریم ﷺ کے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرنے کا تذکرہ نہیں ہوا۔ اسی عدم ذکر کی بنا پر اس صورت کو الگ شمار کیا گیا ہے جبکہ کچھ علمائے کرام نے اسے چوتھی صورت ہی شمار کیا ہے۔[3]

6 سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی مکرم ﷺ کی زبانی حضر کی نماز چار رکعات، سفر کی دو اور خوف کی ایک رکعت فرض کی ہے۔[4]

نمازِ خوف کی ایک رکعت کیسے ادا ہوگی؟ اس بارے میں سیدنا حذیفہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت پیشِ خدمت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى بِذِي قَرَدٍ وَصَفَّ النَّاسُ خَلْفَهُ صَفَّيْنِ، صَفًّا خَلْفَهُ وَصَفًّا مُوَازِيَ الْعَدُوِّ، فَصَلّٰى بِالَّذِي خَلْفَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ انْصَرَفَ هٰؤُلَاءِ إِلٰى مَكَانِ هٰؤُلَاءِ، وَجَاءَ أُولٰئِكَ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَةً وَلَمْ يَقْضُوا.

''رسول اللہ ﷺ نے ذی قرد مقام پر نمازِ (خوف) پڑھائی۔ ایک جماعت آپ ﷺ کے پیچھے صف آرا ہوگئی جب کہ دوسری دشمن کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے والی جماعت کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر یہ جماعت دوسری جماعت کی جگہ (دشمن کے سامنے) چلی گئی اور وہ حضرات (نبی کریم ﷺ کے پیچھے) آگئے۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی ایک رکعت پڑھائی۔ (پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا) اور دونوں گروہوں نے دوسری رکعت ادا نہیں کی۔''

1 صحیح مسلم: 843، سنن النسائي: 1553-1555. 2 سنن أبي داود: 1248. 3 دیکھیے: صحیح البخاري: 4136، صحیح مسلم: 843، المغني لابن قدامۃ: 313/3، زادالمعاد: 529/1. 4 سنن أبي داود: 1247.

اس طرح نبی کریم ﷺ کی دو رکعتیں ہو گئیں اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ [1]

حضر میں نمازِ خوف

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نمازِ خوف میں رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے سفر اور خوف کی حالت میں نماز کے ارکان اور تعدادِ رکعات میں قصر کرنا جائز کر دیا۔ پر امن سفر میں صرف تعدادِ رکعات میں قصر کرنا جائز قرار دیا۔ اور جب حالتِ اقامت میں خوف لاحق ہو تو صرف ارکانِ نماز میں قصر کی اجازت مرحمت فرمائی (مطلب یہ ہے کہ کھڑے کھڑے یا سواری پر بیٹھے ہی یا چلتے پھرتے اشارے کے ساتھ جس طرح بھی ممکن ہو، نماز ادا کر لیں)۔ اس تفصیل کی رُو سے آیت کریمہ میں سفر اور خوف کی قید لگانے کی حکمت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ [2]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴾

''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر کر لو، اگر تمھیں ڈر ہو کہ کافر (حملہ کر کے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے، بے شک کافر تمھارے کھلے دشمن ہیں۔'' [3]

اگر حالتِ اقامت میں دشمن کا خوف طاری ہو تو نمازِ خوف ادا کرنا جائز ہے، مثلاً: دشمن نے مسلمانوں کا گھیراؤ کر رکھا ہو یا مسلمان اپنے علاقے میں دفاعی پوزیشن لیے ہوئے ہوں۔

جمہور علمائے کرام کے نزدیک حضر میں نمازِ خوف ادا کرنا جائز ہے لیکن اس میں پوری رکعتیں ادا کی جائیں گی۔ چار رکعات والی نماز میں امام دو گروہوں میں سے ہر گروہ کو دو دو رکعتیں پڑھائے گا اور بقیہ نماز وہ خود مکمل کریں گے۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ﴾

''اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو۔'' [4]

[1] صحیح البخاري: 944، سنن أبي داود: 1246، سنن النسائي: 1531 و 1534. [2] زادالمعاد: 529/1. [3] النسآء 101:4. [4] النسآء 102:4

یہ حکم تمام حالتوں کے لیے ہے کہ مسلمان جب بھی خوفناک صورتِ حال سے دو چار ہوں، وہ پوری طرح مسلح ہو کر نماز ادا کر لیں۔ اس لیے حضر میں بھی نمازِ خوف جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضر میں اس لیے نماز خوف ادا نہیں کی کیونکہ ایسی کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ [1]

مغرب کی نماز میں قصر نہیں ہے

نماز مغرب میں قصر نہیں ہے۔ اس پر علمائے کرام کا اجماع ہے۔ نمازِ خوف کی صورت میں امام مقتدیوں کے پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھائے گا یا اس کے برعکس عمل کرے گا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس میں اختیار دیا ہے، البتہ پہلے گروہ کو دیگر نمازوں کی کیفیت دیکھتے ہوئے دو رکعات پڑھانا افضل ہے۔ دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھا کر امام سلام پھیر دے گا جبکہ دونوں گروہ اپنی اپنی نماز مکمل کریں گے۔ [2]

امام ابن المنذر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: امام حضر میں نماز خوف پڑھاتے وقت لوگوں کی دو جماعتیں بنائے گا۔ پہلی جماعت کو دو رکعتیں پڑھانے کے بعد تشہد میں بیٹھا رہے گا۔ یہ لوگ اپنی نماز مکمل کر کے چلے جائیں گے۔ پھر دوسری جماعت آئے گی۔ انھیں بھی دو رکعتیں پڑھانے کے بعد امام تشہد بیٹھ جائے گا اور یہ لوگ بقیہ نماز مکمل کریں گے۔ پھر امام سب کے ساتھ سلام پھیرے گا۔ اور اگر مغرب کی نماز ہو تو پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھائے گا۔ پھر دونوں گروہ اپنی اپنی نماز مکمل کریں گے اور امام دوسرے گروہ کے ساتھ مل کر سلام پھیرے گا۔ [3]

دشمن سے مقابلے کے وقت نمازِ خوف

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نماز کا اہتمام اور حفاظت کرنے کا تاکیدی حکم دیا تو وہ حالت بھی بیان کر دی جس میں مشغولیت کی بنا پر نماز کے اہتمام میں کمی آ سکتی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾

''پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیدل یا سوار ہی (نماز پڑھ لو)۔'' [4]

یعنی عین جنگ کے دوران میں یا دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت جس طرح بھی نماز پڑھنا ممکن ہو، پڑھ لو۔ پیدل چلتے چلتے یا سواری پر بیٹھے بیٹھے، چاہے تم قبلہ رخ ہو یا قبلہ رخ نہ ہو۔

---

[1] المغني لابن قدامة: 305/3. [2] فتح الباري: 558/2، نيل الأوطار: 630/2. [3] الإقناع: 123/1. [4] البقرة 239:2.

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان کفار سے ٹکرا جائیں تو کھڑے کھڑے نماز پڑھ لیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

«وَ إِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيُصَلُّوا قِيَامًا وَ رُكْبَانًا»

''اگر کافروں کی تعداد بہت زیادہ ہو (اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو) تو پھر کھڑے کھڑے یا سواری پر بیٹھے بیٹھے ہی (جیسے بھی ممکن ہو) نماز پڑھ لو۔''[1]

صحیح مسلم میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ ''اشارہ کر کے نماز ادا کرلو۔''[2]

سنن ابو داود میں عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرف راہنمائی کرتی ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خالد بن سفیان ہذلی کے تعاقب میں وادی عرنہ اور عرفات کی طرف بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِذْهَبْ فَاقْتُلْهُ»

''جاؤ اور اسے قتل کر دو۔''

جب میں نے خالد بن سفیان کو دیکھا تو عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے سوچا: اگر میں نے نماز مؤخر کی تو اس شخص سے میرا تصادم ہو جائے گا (اور نماز ادا نہ ہو سکے گی)، لہٰذا میں اس کی طرف بڑھتا رہا اور چلتے چلتے اشارے کے ساتھ نماز بھی پڑھتا رہا۔ جب میں اس کے قریب ہوا تو اس نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں اہل عرب میں سے ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلے کے لیے لشکر جمع کر رہے ہو۔ میں بھی اسی غرض سے تمھارے پاس آیا ہوں۔ اس نے کہا: (ہاں) میں اسی تیاری میں ہوں، چنانچہ میں تھوڑی دیر اس کے ساتھ چلتا رہا، پھر جونہی میں نے موقع پایا، تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔[3]

اس سے معلوم ہوا کہ دوران جنگ میں اگر باجماعت نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو تو مجاہدین چلتے پھرتے، اشارے سے بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

نمازِ خوف میں رکعات کی تعداد

نمازِ خوف ایک رکعت ہے۔ یہ سیدنا ابوہریرہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما اور بہت سارے تابعین کا موقف ہے۔ ان کے دلائل یہ ہیں:

[1] صحيح البخاري: 943. [2] صحيح مسلم: 839. [3] سنن أبي داود: 1249.

1 سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام ذی قرد میں نمازِ (خوف) پڑھائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے دو صفیں بنائیں۔ ایک صف آپ ﷺ کے پیچھے (نماز کے لیے) کھڑی ہوگئی جبکہ دوسری صف دشمن کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھ کھڑی ہونے والی صف کو ایک رکعت پڑھائی، پھر یہ دشمن کے سامنے چلے گئے اور وہ صف آپ ﷺ کے پیچھے آ کر کھڑی ہوگئی۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی ایک رکعت پڑھائی۔ دونوں گروہوں نے دوسری رکعت مکمل نہیں کی۔[1]

2 سیدنا ثعلبہ بن زہدم بیان کرتے ہیں کہ ہم سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ طبرستان میں تھے۔ انھوں نے پوچھا: تم میں سے کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ خوف پڑھی ہے؟ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے پڑھی ہے، لہٰذا انھوں نے دونوں گروہوں کو ایک ایک رکعت پڑھائی اور انھوں نے دوسری رکعت مکمل نہیں کی۔[2]

3 سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی ﷺ کی زبانی حضر کی نماز چار رکعات، سفر کی دو رکعتیں اور خوف کی ایک رکعت فرض کی ہے۔[3]

جبکہ کچھ علماء کا موقف یہ ہے کہ شدید خوف میں ایک رکعت ادا کی جائے گی۔

جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ نمازِ خوف حضر میں مکمل اور سفر میں قصر کر کے ادا کی جائے گی۔ حضر میں نمازِ خوف کی تعداد رکعات میں قصر نہیں ہوگی، البتہ نماز کی ہیئت وترکیب میں قصر ہوگی۔ جو شخص جس حال میں نماز ادا کر سکتا ہو کر لے۔ اگر باجماعت نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو تو اکیلے اکیلے، چلتے ہوئے، اشارے سے نماز ادا کر لیں۔ اس دوران میں وہ قبلہ رخ نہ بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔[4]

دورِ حاضر میں نمازِ خوف کی ادائیگی

دورِ حاضر میں چونکہ جنگی صورت حال ماضی کے حالات سے یکسر تبدیل ہو چکی ہے۔ اب تیروں اور نیزوں کی جگہ بم، راکٹ اور میزائل دشمن کو تہس نہس کرتے دکھائی دیتے ہیں اور آن کی آن میں جنگی جہاز وہ تباہی مچا دیتے ہیں جو ماضی میں کئی کئی دنوں کی مجموعی جنگ میں بھی نہیں ہوتی تھی، لہٰذا ایسی خوفناک صورت حال میں مسلمان کمانڈر کو اپنی فوج کی سلامتی اور نماز کی ادائیگی دونوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو طریقہ مناسب معلوم ہو، اسی کے مطابق عمل کر لے۔ اگر باجماعت نماز ادا کرنا ممکن ہو تو نبی کریم ﷺ کے طریقوں میں سے کسی بھی طریقے پر عمل کیا

1 سنن النسائي: 1531 و 1534. 2 سنن النسائي: 1531، سنن أبي داود: 1246. 3 صحيح مسلم: 687، سنن أبي داود: 1247. 4 دیکھیے: فتح الباري: 557/2، نيل الأوطار: 9/4.

جائے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے، چلتے ہوئے، جہاز اُڑاتے یا ٹینک چلاتے ہوئے، اشارے کنائے سے نماز ادا کرلے، یا اپنے بنکر اور مورچے میں نماز پڑھ لے۔

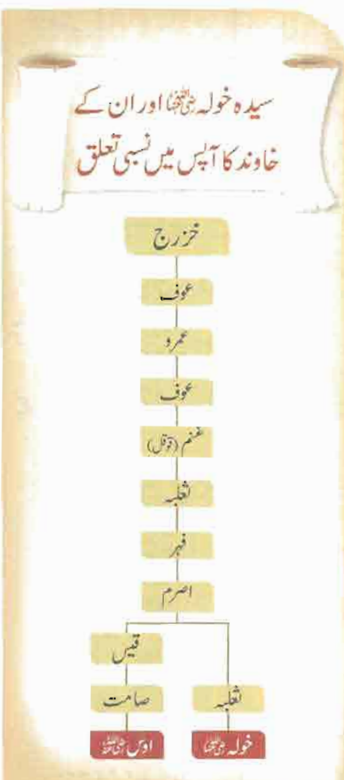
علامہ مختار الشنقیطی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: نمازِ خوف کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت طریقوں میں سے افضل وہ ہے جو (حالات کے مطابق) نماز کے لیے زیادہ محتاط اور نمازیوں کو دشمن سے محفوظ رکھنے کے لیے زیادہ مؤثر اور تحفظ کا باعث ہو۔[1]

اگر جنگ یا کسی اور خوف کے دوران میں جمعہ اور عیدین آجائیں تو یہ بھی نمازِ خوف کے طریقے پر ادا کیے جائیں گے۔ اور اگر صرف ایک ہی رکعت ادا کرنا ممکن ہو تو ایک رکعت ہی ادا کرلینی چاہیے۔[2]

[1] أضواء البيان: 263/1۔ [2] تفسير ابن كثير، النسآء 102:4۔

ظہار کے بارے میں قرآن کی صراحت و ہدایات

6 ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ظہار سے متعلقہ احکام نازل فرمائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ احکام خیبر کے بعد نازل ہوئے۔[1] ظہار، ظہر (پیٹھ) سے مشتق ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرتا تو اسے یہ کہہ دیتا: أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي ''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔'' ان الفاظ کے ذریعے وہ اپنی بیوی کو نہ صرف اپنے لیے حرام قرار دے لیتا بلکہ بیوی کو یہ جملہ کہہ دینا طلاق سمجھا جاتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت سے لوگوں میں یہ رواج پڑ چکا تھا کہ جب کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تھا تو وہ اس سے ظہار کر لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے آسانی فرما دی اور اس معاملے کا کفارہ مقرر کر دیا۔ اسے زمانۂ جاہلیت کی طرح طلاق قرار نہیں دیا۔[2]



اس آسانی کا سبب وہ واقعہ بنا جو سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے خاوند اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ اس کی تفصیل سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں، فرماتی ہیں کہ میں اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔ وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے، اس وجہ سے ان کے مزاج میں تلخی اور چڑچڑا پن آ گیا تھا۔ ایک دن وہ میرے پاس آئے۔ کسی چیز کے بارے میں ان سے میری تکرار ہو گئی تو وہ غصے میں آ گئے اور انھوں نے یہ کہہ دیا:

أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي.

''تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔''

اس کے بعد وہ باہر چلے گئے، کچھ دیر اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھے رہے۔ پھر میرے پاس واپس آ گئے۔ اب انھوں نے مجھ سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہی۔ میں نے کہا: ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خویلہ (خولہ)

1 السیرۃ الحلبیۃ: 501/3 و 722/2. 2 تفسیر ابن کثیر، المجادلۃ 2:58.

کی جان ہے! آپ کو جو کچھ کہنا تھا، وہ کہہ چکے۔ اب آپ اس وقت تک میرے قریب نہیں پھٹک سکتے جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہمارے بارے میں فیصلہ صادر نہ فرما دیں۔ انھوں نے میرے ساتھ زبردستی کی کوشش کی لیکن میں نے انھیں اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ پھر میں اپنی ایک پڑوسن کے پاس گئی، اس سے چادر لے کر اوڑھی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئی۔ میں نے سارا ماجرا عرض کیا اور مجھے اوس کی جس تند مزاجی کا سامنا تھا، اس کی آپ ﷺ سے شکایت کرنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا خُوَيْلَةُ! ابْنُ عَمِّكِ شَيْخٌ كَبِيرٌ، فَاتَّقِي اللّٰهَ فِيهِ»

''خویلہ! تمھارا چچازاد بہت بوڑھا ہے۔ تم اس کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَكَلَ شَبَابِي، وَنَثَرْتُ لَهُ بَطْنِي، حَتّٰى إِذَا كَبِرَتْ سِنِّي وَانْقَطَعَ وَلَدِي ظَاهَرَ مِنِّي، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَشْكُو إِلَيْكَ.

''اللہ کے رسول! میری ساری جوانی اس (اوس) کے ساتھ گزر گئی۔ میرے بطن سے اس کے بہت سے بچے بھی ہوئے۔ اب جبکہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور اولاد کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے تو اس نے مجھ سے ظہار کرلیا ہے۔ اے اللہ! میں تیری ہی بارگاہ میں اس کی شکایت کرتی ہوں۔'' [2]

خولہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: اللہ کی قسم! ابھی میں رسول اللہ ﷺ ہی کی خدمت میں موجود تھی کہ میرے بارے میں قرآنی آیات نازل ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ پر وہی کیفیت طاری ہوگئی جو نزولِ وحی کے وقت طاری ہوا کرتی تھی۔ پھر وہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا:

«يَا خُوَيْلَةُ! قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيكِ وَفِي صَاحِبِكِ»

''خویلہ! اللہ تعالیٰ نے تمھارے اور تمھارے شوہر کے بارے میں قرآن کی آیات نازل فرمادی ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے مجھے یہ آیاتِ مقدسہ پڑھ کر سنائیں:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ○ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ○ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ

[1] مسند أحمد: 6/410، 411. [2] سنن ابن ماجه: 2063.

مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ
فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

”(اے نبی!) اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کی بات سن لی جو اپنے خاوند (اوس بن صامت) کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی تھی اور وہ اللہ سے شکوہ کر رہی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ”ظہار“ کرتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انھیں جنا اور بے شک وہ ناگوار بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں، تو ایک گردن آزاد کرنی ہے، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، اس (حکم) کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ اس سے باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ پھر جو شخص (غلام) نہ پائے تو دو ماہ کے لگاتار روزے (رکھنے) ہیں، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص یہ ہمت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“[1]

خولہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

”مريه فليعتق رقبة“

”اسے (اپنے خاوند کو) کہو کہ ایک گردن آزاد کرے۔“

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اس کے پاس آزاد کرنے کے لیے کوئی غلام نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”فليصم شهرين متتابعين“

”پھر وہ مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے۔“

میں نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! وہ تو بہت بوڑھا ہے۔ اس میں روزے رکھنے کی طاقت نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 المجادلة 58: 1-4.

«فَلْيُطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا وَسْقًا مِنْ تَمْرٍ»

''پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجور کھلا دے۔''

میں نے کہا: اللہ کے رسول! واللہ! اس میں تو اتنی سکت بھی نہیں۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّا سَنُعِينُهُ بِعَرَقٍ مِنْ تَمْرٍ»

''ہم کھجوروں کے ایک ٹوکرے سے اس کی مدد کر دیں گے۔''

میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں بھی کھجوروں کا ایک ٹوکرا دے کر اس کی مدد کروں گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ أَصَبْتِ وَأَحْسَنْتِ فَاذْهَبِي فَتَصَدَّقِي عَنْهُ ثُمَّ اسْتَوْصِي بِابْنِ عَمِّكِ خَيْرًا»

''شاباش! بہت خوب، جاؤ، اس کی طرف سے صدقہ کرو، اور اپنے چچازاد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔''

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔[1]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ اپنے دلنشین اسلوب میں بیان کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ، لَقَدْ جَاءَتِ الْمُجَادِلَةُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَأَنَا فِي نَاحِيَةِ الْبَيْتِ، تَشْكُو زَوْجَهَا وَمَا أَسْمَعُ مَا تَقُولُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو ہر قسم کی آوازیں سنتا ہے۔ جھگڑنے والی عورت (خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا) نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئی، اس وقت میں گھر کے ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ وہ اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھی، میں اس کی باتیں سن نہیں پائی۔ اللہ تعالیٰ نے (سات آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہونے کے باوجود نہ صرف اس کی باتیں سن لیں بلکہ) یہ آیات مقدسہ (بھی) نازل فرما دیں: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾۔''[2]

[1] مسند أحمد: 411/6، سنن أبي داود: 2214. [2] سنن ابن ماجه: 188، مزید دیکھیے: صحیح البخاري، قبل الحدیث: 7386.

استسقاء کا واقعہ

اسی سال رمضان 6 ھ میں استسقاء کا واقعہ پیش آیا۔[1] اس کا تذکرہ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں لوگ قحط سالی کا شکار ہوگئے۔ مسلمان اکٹھے ہوکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! بارش نہیں ہو رہی۔ درخت خشک ہو چکے ہیں۔ مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور لوگ قحط میں مبتلا ہیں۔ آپ ہمارے لیے بارش کی دعا کر دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ پریشان کن صورت حال سن کر ارشاد فرمایا:

«إِذَا كَانَ يَوْمُ كَذَا وَكَذَا فَاخْرُجُوا، وَأَخْرِجُوا مَعَكُمْ بِصَدَقَاتٍ»

''جب فلاں فلاں دن ہو تو تم (عید گاہ کی طرف) آ جانا اور اپنے ساتھ صدقات بھی نکال لانا۔''

جب مقررہ دن آیا تو رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بڑے سکون و وقار کے ساتھ عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ آپ نے ان رکعتوں میں جہری قراءت کی۔ آپ عیدین اور نماز استسقاء میں پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ غاشیہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے اپنا چہرۂ مبارک لوگوں کی طرف کیا اور اپنی چادر کو الٹا کر دیا۔ پھر آپ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھا لیے، پھر تکبیر کہی۔ اس کے بعد ان الفاظ میں بارش کی دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا وَأَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيثًا رَحْبًا رَبِيعًا وَجْدًا غَدَقًا طَبَقًا مُغْدِقًا، هَنِيئًا مَرِيئًا مُرْبِعًا وَابِلًا شَامِلًا مُسْبِلًا مُجَلِّلًا دَائِمًا دَرًّا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ، عَاجِلًا غَيْرَ رَائِثٍ، غَيْثًا، اَللّٰهُمَّ! تُحْيِي بِهِ الْبِلَادَ، وَتُغِيثُ بِهِ الْعِبَادَ، وَتَجْعَلُهُ بَلَاغًا لِلْحَاضِرِ مِنَّا وَالْبَادِ، اَللّٰهُمَّ! أَنْزِلْ عَلَيْنَا فِي أَرْضِنَا زِينَتَهَا، وَأَنْزِلْ فِي أَرْضِنَا سَكَنَهَا، اَللّٰهُمَّ! أَنْزِلْ عَلَيْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا، فَأَحْيِ بِهِ بَلْدَةً مَيْتَةً وَاسْقِهِ مِمَّا خَلَقْتَ لَنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا»

''اے اللہ! ہم پر رحمت کی برکھا برسا۔ اے اللہ! ہم پر ایسی موسلا دھار بارش برسا جو مددگار ثابت ہو، کھل کر برسے، باغ و بہار لائے، ہر جگہ برسے، خوب برسے، زور دار، خوشگوار اور زرخیز ہو۔ ہماری ضرورت پوری

1 تاریخ الخمیس: 14/2، غایۃ السؤل فی سیرۃ الرسول ﷺ، ص: 35.

کر دے، زبردست اور عام ہو۔ جل تھل کر دینے والی ہو، جاری رہنے والی ہو۔ مفید ہو، نقصان دہ نہ ہو۔ جلدی برسے، تاخیر نہ ہو۔ اے اللہ! تو اس کے ذریعے شہروں کو نئی زندگی عطا کر اور اپنے بندوں کی مدد فرما۔ اسے شہروں اور دیہات میں رہنے والوں تک پہنچا دے۔ اے اللہ! ہماری زمین پر اس کی زیب و زینت اور برکت نازل فرما دے۔ اے اللہ! ہم پر آسمان سے پاکیزہ پانی نازل فرما۔ اس کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دے اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو اس سے سیراب کر دے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ لوگ ابھی وہیں موجود تھے کہ مختلف ٹکڑوں کی صورت میں ہر طرف سے بادل آ گئے، پھر وہ آپس میں جڑ گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ یہ بارش مسلسل ایک ہفتہ جاری رہی۔ مدینہ میں مسلسل بادل چھائے رہے۔ چھٹنے کا نام ہی نہ لیا۔ اب مسلمان پھر اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! زمین پانی میں ڈوب گئی ہے، گھر منہدم ہو گئے ہیں اور رستے منقطع ہو چکے ہیں، آپ اللہ سے دعا کر دیجیے کہ وہ ان بادلوں کو دور پھیر دے۔ آپ ﷺ اس وقت منبر پر جلوہ افروز تھے۔ آپ لوگوں کی یہ بات سن کر مسکرا دیے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک دکھائی دینے لگے۔ آپ تعجب فرما رہے تھے کہ آدم کی اولاد کس قدر عجلت پسند ہے، جلد تنگ پڑ جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ! عَلٰى رُؤُوسِ الظِّرَابِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَظُهُورِ الْآكَامِ»

''اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا (اب) ہم پر نہ برسا۔ اے اللہ! پہاڑیوں کی چوٹیوں پر، درختوں کے اگنے کے مقامات پر، وادیوں کے اندر اور ٹیلوں کی پشتوں پر بارش برسا۔''

آپ کے دعا کرتے ہی مدینہ منورہ سے بادل چھٹ گئے۔ اب بادل مدینہ کی چراگاہوں کو تو سیراب کر رہے تھے لیکن مدینہ کے اندر ایک قطرہ بھی نہیں گر رہا تھا۔[1]

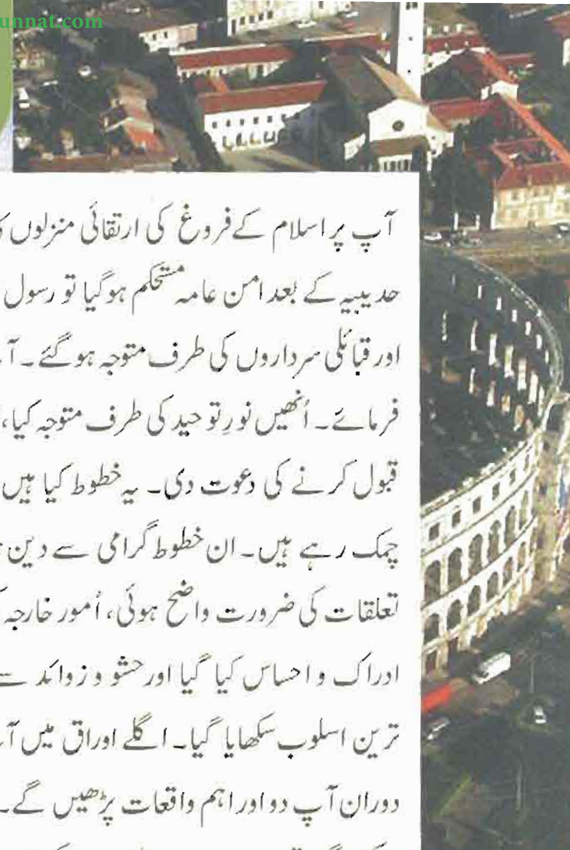
[1] المعجم الأوسط للطبراني: 302،301/8.

شاہان عالم اور امرائے وقت کو دعوت اسلام

قیصر و کسریٰ، دیگر ہم عصر بادشاہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کے نام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب مقدس جن میں اسلام کی حقانیت اُجاگر فرما کر قبولِ حق کی دعوت دی گئی ہے



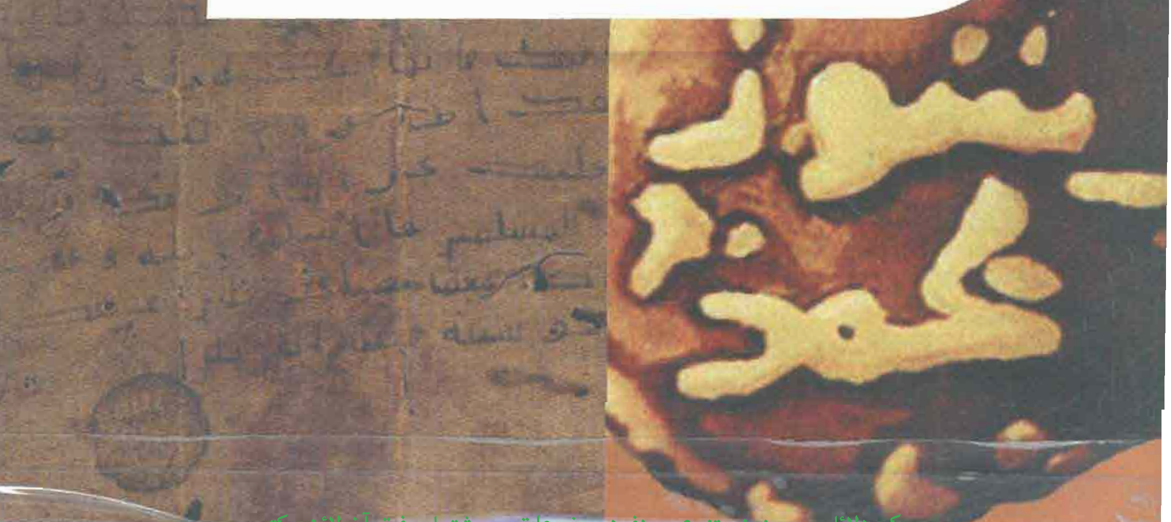
''اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (سبا 28:34)





اس باب میں

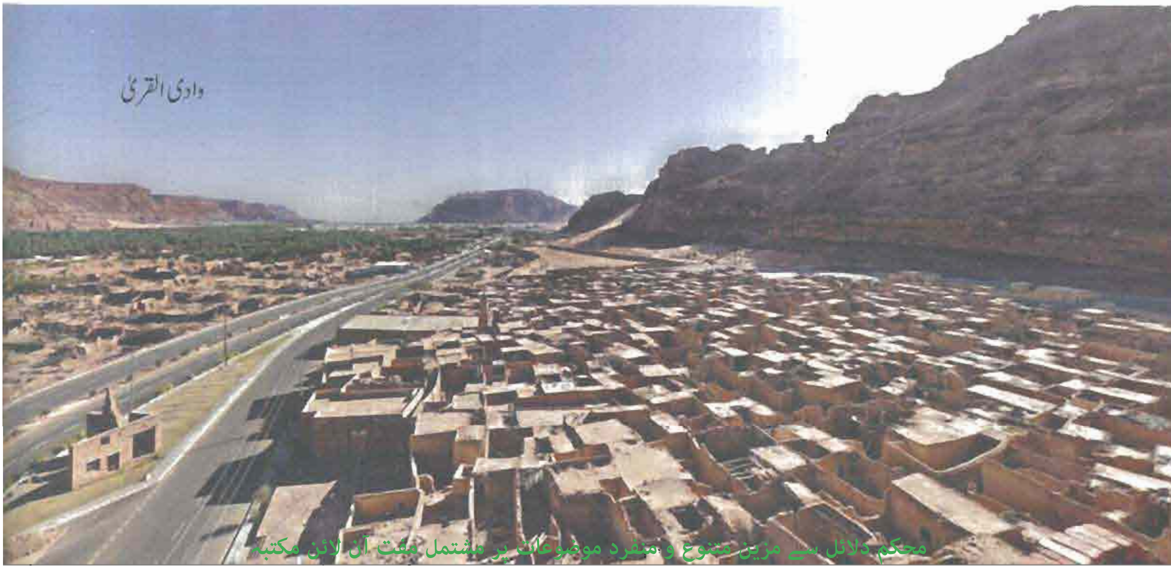
آپ پر اسلام کے فروغ کی ارتقائی منزلوں کا حال روشن ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ صلح حدیبیہ کے بعد امن عامہ مستحکم ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ فوراً بیرونی ملکوں کے بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اُن کے نام مکتوبات ارسال فرمائے۔ اُنھیں نورِ توحید کی طرف متوجہ کیا، شرک اور کفر کا بطلان کیا اور دینِ حنیف قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہ خطوط کیا ہیں، نور کی کرنیں ہیں جن میں بے شمار سبق چمک رہے ہیں۔ ان خطوط گرامی سے دین حنیف کی سچائی نمایاں ہوئی، بین الاقوامی تعلقات کی ضرورت واضح ہوئی، اُمور خارجہ کی اہمیت اور سفارت کاری کی افادیت کا ادراک و احساس کیا گیا اور حشو و زوائد سے پاک مختصر اور مدلل خطوط نویسی کا جدید ترین اسلوب سکھایا گیا۔ اگلے اوراق میں آپ یہی مکاتیب مقدس پڑھیں گے۔ اسی دوران آپ دو اور اہم واقعات پڑھیں گے۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ عبیداللہ بن جحش مرتد ہوکر مرگیا تو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوکر دُور افتادگی کی حالت میں تنہا رہ گئیں، چنانچہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرلیا۔ دوسرا واقعہ آپ ﷺ کی علالت کا ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے بڑی اذیت جھیلی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ آپ ﷺ پر جادو کیا گیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا سدباب فرمایا۔



مکاتیبِ گرامی اور مہر نبوی

اسلامی تاریخ میں صلح حدیبیہ کو دعوت اسلام کے فروغ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہر چند ظاہری طور پر صلح کی شرائط زیادہ تر کفار کے مفاد میں دکھائی دیتی تھیں لیکن یہی شرائط آخر کار مسلمانوں کے لیے فتح مبین ثابت ہوئیں۔ اس معاہدے کے تحت دس سال کے لیے جنگ بند ہوگئی۔ اب ہر قبیلہ آزاد تھا اور کسی بھی گروہ کے ساتھ شامل ہونے کے لیے پوری طرح خود مختار تھا۔

صلح کا مطلب یہ تھا کہ کفار نے اسلامی حکومت کو بادلِ ناخواستہ تسلیم کر لیا تھا۔ گویا صلح حدیبیہ اسلامی قلمرو کے استحکام کی طرف پہلا قدم تھا۔ اس کے بعد اسلامی حکومت جزیرہ نمائے عرب کے کونے کونے تک پھیلتی چلی گئی۔ حجاز کے شمال میں خیبر، وادی القریٰ، تیماء اور فدک کے یہودی مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے۔ داخلی امن و امان کے استحکام کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حجاز کی حدود سے باہر اسلام کی نشر و اشاعت کا آغاز کر دیا، اس لیے کہ آپ کو جو منصبِ نبوت سونپا گیا تھا، وہ ابدی اور آفاقی تھا۔ کسی خاص قوم یا علاقے تک محدود نہیں تھا۔ اسلام کی جتنی ضرورت عرب میں تھی، اتنی ہی اشد ضرورت عجم کے ممالک میں بھی تھی۔ نبی ﷺ صرف عربوں ہی کے لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ پوری انسانیت کی رہنمائی کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:



وادی القریٰ

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾

''اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں ہی کے لیے بھیجا ہے۔''[1]

مزید فرمایا:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾

''کہہ دیجیے: اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''[2]

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَ بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً»

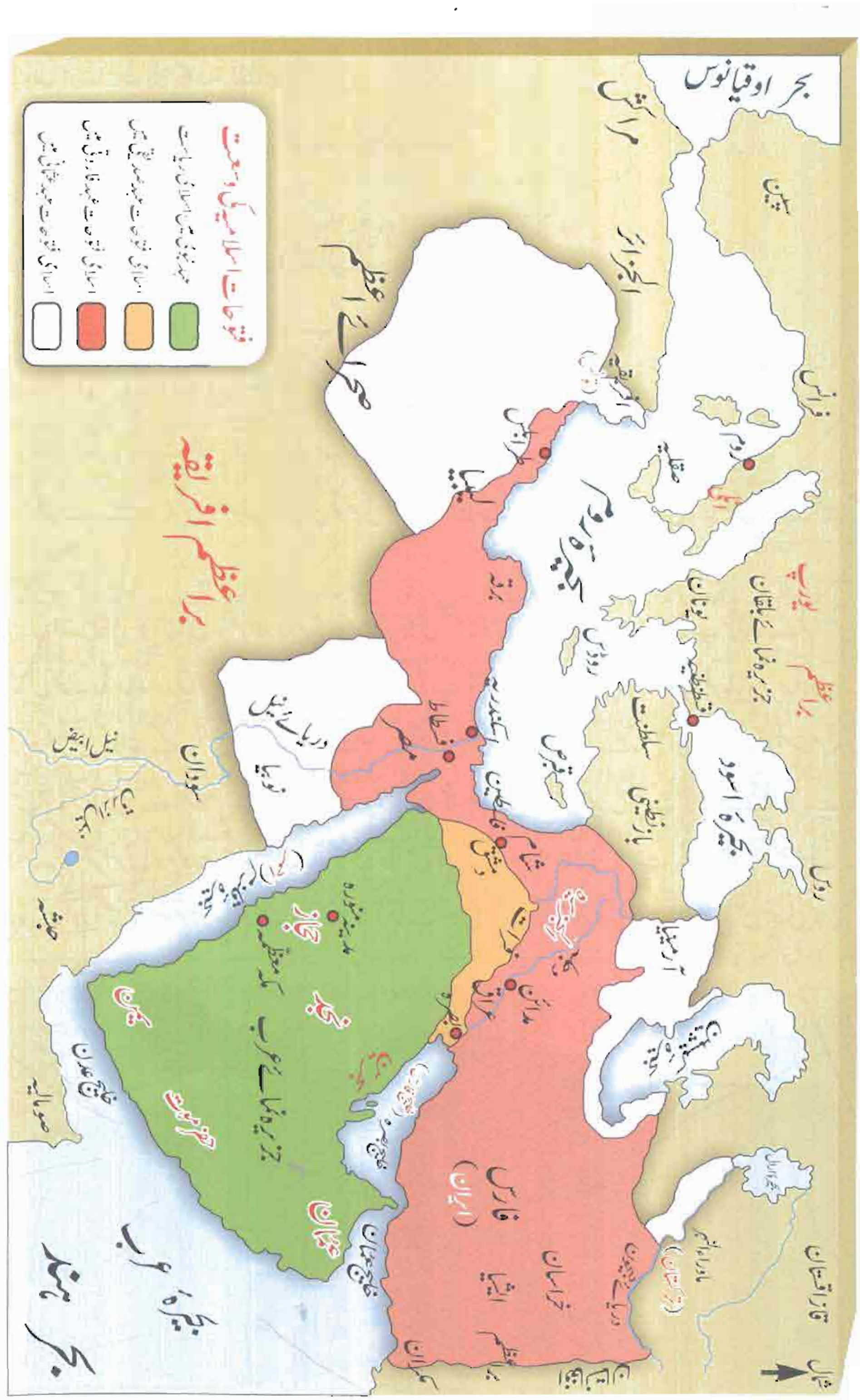
''(مجھ سے پہلے ہر) نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے ہر خاص و عام کی طرف بھیجا گیا ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کا شاہانِ عالم اور دوسری ہم عصر بڑی شخصیتوں کو دعوتِ اسلام دینا آپ ﷺ کے فرائضِ عظیمہ میں شامل تھا۔ رؤساء اور قبائل کو دعوت دینے کے لیے آپ ﷺ نے ایک نیا انداز اختیار فرمایا، سربراہوں کے نام خطوط لکھ کر سفیر روانہ کیے۔ اس خط کتابت کے بڑے واضح اثرات مرتب ہوئے۔ بعض امراء نے اسلام قبول کر لیا اور بعض فرمانرواؤں نے اسلام سے صرف محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ اس طرح آپ ﷺ کے خطوط سے نہ صرف اس دور کے حکمرانوں کو دعوتِ اسلام سے آگاہی حاصل ہوئی بلکہ وہ اسلامی ریاست کے احوال و ظروف سے بھی باخبر ہو گئے اور انھیں معلوم ہو گیا کہ اب اسلام کا آفتاب طلوع ہو گیا ہے اور دنیا کے سامنے اصلی سچائی کا چہرہ دمک

1 سبا 28:34. 2 الاعراف 158:7. 3 صحیح البخاري: 335.

تیماء کے کھنڈر





بحر اوقیانوس
فتوحاتِ اسلامی کی وسعت
بحیرہ روم
بحر اعظم افریقہ
صحرائے اعظم
جزیرہ نمائے عرب
فارس
(ایران)
خراسان
بحیرہ عرب
بحیرہ اسود
آرمینیا
الجزائر
فرانس
روم
صقلیہ
قسطنطنیہ
سلطنت بازنطینی
سوڈان
نیل ابیض
حبشہ
صومالیہ
خلیج عدن
خلیج عمان
قازقستان
چین

اُٹھا ہے۔ یوں ان خطوط سے بہت اہم نتائج اخذ کیے گئے اور اسلامی حکومت نے خطوط نبوی کے مختلف ردعمل کا جائزہ لے کر ایک نیا سیاسی منہج تشکیل دیا۔

عہد نبوی کے دوران جغرافیائی صورت حال پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے مشرقی، شمال مشرقی اور جنوبی حصے پر ایرانی قبضہ جمائے ہوئے تھے اور شمالی اور شمال مغربی علاقوں پر رومیوں کی حکومت تھی۔ ایرانیوں کے زیرِ نگیں علاقوں پر مجوسی حاکم تھے۔ جن علاقوں پر رومیوں کا قبضہ تھا، وہاں غسانی عرب عیسائی حکمران تھے۔ یہ عیسائی اور مجوسی حکمران روم اور ایران کے مقرر کردہ تھے اور ان کی حکومتیں دراصل باجگزار تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے وقت کی ان بڑی حکومتوں کے بادشاہوں اور جبراً قبضہ میں لی گئی سلطنتوں کے امراء کی طرف دعوتی مراسلات روانہ فرمائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور ہر متکبر بادشاہ کی طرف خطوط ارسال کیے اور انھیں اللہ کی بندگی کی دعوت دی۔[1]

خطوط کب لکھے گئے؟

مکتوباتِ نبوی پر تاریخ درج نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کم از کم عرب میں کوئی مخصوص تقویم رائج نہیں تھی، تاہم مؤرخین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہی مراسلات روانہ فرمائے۔

مکتوبات گرامی کی ترسیل کی وضاحت طبقاتِ ابن سعد میں اس طرح کی گئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ 6 ھ میں حدیبیہ سے واپس تشریف لے آئے تو پھر آپ ﷺ نے دنیا کے مختلف بادشاہوں کے نام دعوتی مراسلات ارسال فرمائے، چنانچہ محرم 7 ھ میں ایک ہی دن چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے خطوط لے کر روانہ ہوئے۔[2]

روم ثانی (قسطنطنیہ) کی بندرگاہ کا ایک منظر



قلعہ سریزد (یزد، ایران)



1 صحیح مسلم: 1774. 2 الطبقات لابن سعد: 258/1.

علامہ ابن اسحاق خطوط بھیجنے کی کوئی معین تاریخ بیان نہیں کرتے، البتہ وہ اتنا ضرور بتاتے ہیں کہ ترسیل مکتوبات کا زمانہ صلح حدیبیہ کے بعد سے لے کر آپ ﷺ کی وفات تک پھیلا ہوا ہے۔ تاریخ طبری میں ابن اسحاق کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ اور اپنی وفات تک کی درمیانی مدت میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین اسلام کی دعوت دینے کے لیے عرب وعجم کے بادشاہوں کی طرف روانہ فرمایا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے کاتب

رسول اللہ ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ﴾

''پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول امی نبی پر۔''[2]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾

''وہی ہے جس نے ان پڑھوں (اُمّیوں) میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا۔''[3]

اس آیت مبارکہ میں ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ سے مراد عرب کے لوگ ہیں جن کی اکثریت ان پڑھ تھی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو ﴿النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ﴾ قرار دیا گیا ہے۔ یہ آپ کی ایک خاص صفت ہے۔ امی کے معنی ہیں: ان پڑھ، یعنی آپ نے کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیے اور کسی انسان سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ آپ کو خود اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے تعلیم دی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اپنے لیے چند کاتب مقرر کر رکھے تھے۔ ان کی تعداد کے بارے میں سیرت نگاروں میں اختلاف ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے ان کی تعداد 40 سے بھی اوپر بتائی ہے۔ یہ حضرات مختلف مصروفیات اور سرگرمیوں کے سلسلے میں آپ ﷺ کے لیے لکھا کرتے تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو وحی لکھنے پر مامور تھے۔ بعض صحابہ ایسے تھے جو حادثاتی امور لکھنے پر تعینات تھے۔ کچھ صحابہ کرام معاملات اور معاہدے لکھا کرتے تھے جبکہ بعض خطوط اور مراسلات تحریر کیا کرتے تھے۔ کچھ صحابہ ایسے تھے جو دوسرے کاتب صحابہ کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت کا فریضہ سرانجام دیا کرتے تھے۔[4]

1 تاريخ الطبري:2/288. 2 الأعراف 7:158. 3 الجمعة 62:2. 4 إعلام السائلين، ص:25.

مشہور کاتبینِ وحی کے نام درج ذیل ہیں:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

سیدنا ابان بن سعید رضی اللہ عنہ

سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ

سیدنا حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

سیدنا جُہیم بن صلت رضی اللہ عنہ

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

سیدنا سجل رضی اللہ عنہ

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ

سیدنا علاء بن عقبہ رضی اللہ عنہ

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

سیدنا معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ

سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ [1]

مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی لکھا کرتے تھے، چاہے وہ وحی متلو ہوتی یا غیر متلو۔ البتہ وحی متلو، یعنی قرآن پاک تو رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی ہی میں مدون ہو چکا تھا جبکہ وحی غیر متلو، یعنی احادیث اور سنن آپ کی وفات کے بعد باضابطہ طور پر مدون کی گئیں۔ جب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ موجود ہوتے تھے تو وحی یہی حضرات لکھا کرتے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں سیدنا ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کتابت کے فرائض سر انجام دیتے تھے۔ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے یہ چاروں حضرات موجود نہ ہوتے تو متذکرہ بالا حضرات میں سے کوئی بھی شخصیت یہ تحریری خدمت انجام دیتی تھی۔ [2]

1 البدایۃ والنھایۃ: 5/295-308، المصباح المضي: 1/28. 2 إمتاع الأسماع: 9/334.

رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی

رسول اللہ ﷺ نے جب مختلف ملکوں کے بادشاہوں اور امراء کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو اس بات کی بھی ضرورت پیش آئی کہ کوئی ایسی مہر ہونی چاہیے جو ان خطوط پر لگائی جائے کیونکہ امراء و سلاطین اس خط کو پڑھتے ہی نہیں تھے جس پر مہر نہ لگی ہوتی۔ مہر کی حیثیت ایک سند کی ہوا کرتی تھی۔ خادم رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ نے شاہِ روم کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا گیا کہ وہ لوگ اس وقت تک آپ کا نامۂ مبارک نہیں پڑھیں گے جب تک اس پر مہر نہ لگی ہو، چنانچہ آپ نے اپنے لیے انگوٹھی بنوالی۔[1]



رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگوٹھی کے حوالے سے مختلف روایات میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ابتدا میں رسول اللہ ﷺ نے زیب و زینت کے لیے سونے کی انگوٹھی بنوائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر معاملے میں آپ ﷺ کی اتباع کرتے تھے۔ جب انھوں نے آپ کو انگوٹھی پہنے دیکھا تو انھوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ ابھی تین دن ہوئے تھے کہ مردوں کے لیے سونا پہننے کی ممانعت نازل ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا:

«إِنِّي كُنْتُ اصْطَنَعْتُهُ، وَإِنِّي لَا أَلْبَسُهُ»

''میں نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی۔ اب میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا۔''

پھر آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا تو لوگوں نے بھی اپنی سونے کی انگوٹھیاں پھینک دیں۔ اس کے بعد آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر آپ نے اپنا نام مبارک کندہ کروایا۔[2] یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح چاندی کی انگوٹھیاں بنوالیں اور ان میں آپ ﷺ کا نام مبارک بھی کندہ کروالیا۔ اس صورت حال کو بھانپ کر آپ ﷺ نے اپنی انگوٹھی اتار دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ دیکھا تو انھوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار دیں۔[3] آپ ﷺ کا اپنی انگوٹھی اتار دینے کا مقصد اپنے نام مبارک کے نقش کی انگوٹھی کو اس سے مشابہ دوسری انگوٹھیوں سے بچانا اور محفوظ کرنا

[1] صحيح البخاري :5875. [2] صحيح البخاري :5876، سنن النسائي :5220. [3] صحيح البخاري :5868.

تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں سے انگوٹھیاں اتر گئیں تو آپ نے اپنی انگوٹھی ہاتھ میں پہن لی، اسی سے آپ خطوط پر مہر لگاتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آیندہ اپنے نام مبارک کے نقش والی انگوٹھیاں بنانے سے منع فرما دیا جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّا اتَّخَذْنَا خَاتَمًا مِّنْ وَّرِقٍ وَّنَقَشْتُ فِيهِ: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ، فَلَا يَنْقُشَنَّ أَحَدٌ عَلٰى نَقْشِهِ»

''میں نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں ''محمد رسول اللہ'' کے حروف نقش کرائے ہیں، اب کبھی کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر یہ نقش کندہ نہ کرائے۔''[1]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کے علاوہ لوہے سے بنی ہوئی انگوٹھی، جس پر چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا، بھی پہنی ہے جیسا کہ سنن ابی داود،[2] سنن نسائی[3] اور التاریخ الکبیر[4] میں سیدنا معیقیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کے کچھ شواہد طبقات ابن سعد میں مرسل و متصل اسانید سے مروی ہیں۔[5] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری میں ان کا ذکر کیا ہے۔[6]

انگوٹھی کا نقش



بادشاہوں یا امرائے وقت کے نام مکتوبات کے لیے جو انگوٹھی بنوائی گئی تھی، اس پر تین سطروں میں ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ یہ الفاظ انگوٹھی کے نگینے پر الٹے لکھے ہوئے تھے۔ جب اس انگوٹھی پر سیاہی لگا کر اسے دستاویزات پر لگایا جاتا تھا تو یہ الفاظ مبارک بالکل صحیح شکل میں نظر آتے تھے۔ رہی یہ بات کہ ان الفاظ کو کس ترتیب سے لکھا گیا تھا تو اس کے بارے میں بعض شیوخ کا کہنا ہے کہ اوپر کی پہلی لائن میں لفظ ''اللہ'' تھا، درمیان میں ''رسول'' اور نیچے تیسری سطر میں ''محمد'' تھا۔ گویا ان الفاظ کو نیچے سے اوپر کی طرف پڑھا جاتا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میں نے کسی حدیث میں یہ نہیں دیکھا کہ ان کے لکھنے کی ترتیب کیا تھی۔[7] تاہم ماضی قریب میں آپ کے جو خطوط دستیاب ہوئے ہیں، ان پر لگی ہر مہر کی یہی ترتیب ہر انسان بچشم خود دیکھ سکتا ہے۔ ان سے

1 صحيح البخاري: 5877، فتح الباري: 10/393-395. 2 سنن أبي داود: 4224. 3 سنن النسائي: 5208.
4 التاريخ الكبير للبخاري: 8/52،53. 5 الطبقات لابن سعد: 1/473، 474. 6 فتح الباري: 10/396. 7 فتح الباري: 10/404.

صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سطریں اسی ترتیب سے اوپر نیچے تھیں اور انگوٹھی کا نگینہ گولائی میں تھا۔ اور یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مقصد وحید ہر حالت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام کی سربلندی تھا اور اسی حقیقت کا مظہر آپ ﷺ کی انگوٹھی مبارک بھی تھی۔

انگوٹھی کی انگلی

رسول اللہ ﷺ انگوٹھی مبارک کس ہاتھ میں اور کس انگشت مبارک میں پہنتے تھے، اس بارے میں روایات مختلف ہیں مگر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگشت مبارک میں انگوٹھی پہنتے تھے جیسا کہ سیدنا ابن عباس، ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، جابر، ابوامامہ، ابوہریرہ، علی بن ابی طالب، انس بن مالک اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، جبکہ سیدنا انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگشت میں پہننے کی روایات بھی آئی ہیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایات میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی روایت ہی محفوظ (زیادہ صحیح) ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر راجح ہے۔[1]

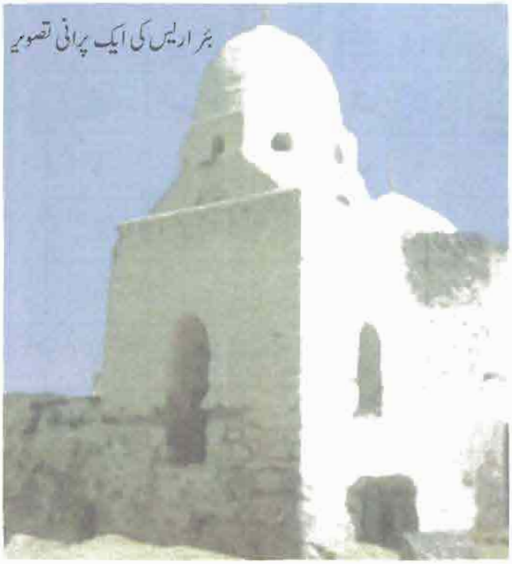
روایات کے اسی اختلاف کی بنا پر فقہائے کرام کے مابین اختلاف ہے۔ بعض بائیں ہاتھ میں اور بعض دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل قرار دیتے ہیں۔ علامہ بغوی نے تو کہا ہے کہ آپ کا آخری عمل بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا تھا مگر انھوں نے اس بارے میں جس روایت سے استدلال کیا ہے، وہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: فَلَوْ صَحَّ هٰذَا لَكَانَ قَاطِعًا لِّلنِّزَاعِ وَلٰكِنَّ سَنَدَهُ ضَعِيفٌ. ''اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو اس سے اختلاف ختم ہو جاتا مگر اس کی سند ضعیف ہے۔''[2]

انگوٹھی پہننے کے حوالے سے یہ بات بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے۔[3] تاہم ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انگلی کی ظاہری (پچھلی) جانب نگینہ رکھنے کا ذکر بھی آیا ہے۔[4] اور حافظ ابن رجب نے موقوفاً یہی عمل عبداللہ بن جعفر سے بھی نقل کیا ہے۔[5] لیکن ہتھیلی کی طرف ہونے کی روایات زیادہ صحیح اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔ اسی بنا پر علماء نے فرمایا ہے کہ یہی افضل ہے۔[6]

مہر نبوی کی گمشدگی

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔

1 العلل للدارقطني: 2/178، حديث: 2586، أحكام الخواتم، ص: 146-155. 2 فتح الباري: 10/400-403.
3 صحيح البخاري: 5866، 5876. 4 سنن أبي داود: 4229. 5 أحكام الخواتم، ص: 165. 6 عون المعبود: 4/146.



وہ آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں رہی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی۔ ان کی وفات کے بعد جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے پہنی۔ اس کے بعد یہ انگوٹھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بئر اریس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انگوٹھی اتار کر اسے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کرنے لگے، اچانک وہ کنویں میں گر گئی۔ ہم تین دن تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کنویں پر جاتے رہے اور پانی نکالتے رہے لیکن انگوٹھی نہیں ملی۔[1]

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ یہ انگوٹھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چھ سال تک رہی۔[2]

سفیرانِ محمد ﷺ

رسول اللہ ﷺ بہت بڑے حکیم، دانا، مردم شناس اور ماہر نفسیات تھے۔ شاہانِ عالم کو خطوط پہنچانے کے لیے آپ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں میں سے چند صحابہ کا انتخاب فرمایا۔ یہ حضرات بڑے عقل مند، ذہین و فطین، معاملہ فہم اور نہایت فصیح و بلیغ گفتگو کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ نے جس ملک کی طرف جس صحابی کو بھی بھیجا، وہ وہاں کے حالات سے باخبر اور ان لوگوں کی زبان سے خوب واقف تھے۔ ان حضرات کی قوت گویائی اور حاضر جوابی کا اندازہ آپ کو اس وقت ہوگا جب آپ بادشاہوں سے ان کے مکالمات کا مطالعہ کریں گے۔

ذیل میں ہم ان عظیم المرتبت سفارت کاروں کے اسمائے گرامی کے علاوہ بادشاہوں کے نام بھی درج کر رہے ہیں جن کے لیے مکتوبات مقدس تحریر فرمائے گئے۔

نمبر شمار	حامل مکتوب	شہر / ملک	مکتوب الیہ
1	سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	اکسوم (حبشہ)	نجاشی
2	سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	ہجر (بحرین)	مُنذر بن ساوی عبدی
3	سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	مدائن (ایران)	کسرائے فارس خسرو پرویز

1 صحیح البخاري: 5873، 5879. 2 الطبقات لابن سعد: 1/476، 477

4	سیدنا دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ	بیت المقدس (یروشلم)	قیصر روم ہرقل
5	سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	اسکندریہ (مصر)	مقوقس
6	سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	صُحار (عُمان)	جُلندی کے بیٹے جیفر وعبد
7	سیدنا سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ	یمامہ (نجد)	ہوذہ بن علی
8	سیدنا شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ	غوطہ (نواح دمشق)	حارث بن ابی شمر غسانی
9	سیدنا مہاجر بن ابی امیہ اور جریر رضی اللہ عنہما	یمن	ذوالکلاع حمیری
10	سیدنا سائب رضی اللہ عنہ	یمامہ	مسیلمہ کذاب [1]

خطوط کی تعداد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں مختلف لوگوں کو مختلف نوعیتوں کے خطوط اور مراسلات بھیجے۔ ان میں سے کچھ معاہدات پر مشتمل تھے، کچھ امان نامے تھے۔ بعض اسلامی تعلیمات پر مشتمل تھے۔ اسی طرح کچھ وثیقہ جات اور جاگیر نامے بھی تھے۔ بعض خطوط ایسے تھے جن میں تعزیتی جذبات کا اظہار فرمایا گیا تھا۔ اکثر مراسلات دعوتی اور تبلیغی نوعیت کے تھے۔ ہم اس باب میں دعوتی اور تبلیغی خطوط کا تذکرہ کریں گے۔ ان تمام خطوط کی صحیح تعداد تو اللہ عالم الغیب ہی جانتا ہے، البتہ سیرت نگاروں اور مؤرخین نے ان کی تعداد مختلف بتائی ہے۔ جناب ڈاکٹر حمید اللہ ان خطوط کی مجموعی تعداد کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں یا قبائل کے سرداروں کے نام جو خطوط روانہ فرمائے، ان کی تعداد اب سوا دو سو تک دریافت ہوگئی ہے۔'' [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم، امرائے وقت اور قبائلی رہنماؤں کے نام جو خطوط لکھے، ان میں سے بعض کے متون کتب حدیث، کتب سیرت اور تاریخ میں موجود ہیں جبکہ کچھ خطوط ایسے بھی ہیں جن کا اصل متن معلوم نہیں ہوسکا۔ اب ہم معروف مکتوباتِ نبوی کا تذکرہ کریں گے اور خطوط کا متن اور ان کی جزئیات بیان کرنے سے پہلے متعلقہ بادشاہوں کا تعارف کرائیں گے۔

1 فتح الباری: 8/160۔ 2 رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، ص: 153

مکتوبِ گرامی بنام اصحمہ نجاشی

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دعوتی خطوط میں سے پہلا خط شاہِ حبشہ نجاشی کو بھیجا۔ یہ خط 6 ھ کے آخر میں یا محرم سات ہجری میں بھیجا گیا۔ اس طرح یہ مکتوب اول شمار کیا جاتا ہے۔ اسے سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ اس سے پہلے دوسری ہجرت حبشہ کے موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اصحمہ نجاشی کو ایک خط لکھا تھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی تھی اور یہ تاکید فرمائی تھی کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک میں ٹھہرائے اور ان کا اچھی طرح خیال رکھے۔ اس خط کا متن ہم سیرت انسائیکلوپیڈیا کی تیسری جلد کے صفحات 334-336 میں ذکر کر آئے ہیں۔ تاہم آپ نے صلح حدیبیہ کے بعد شاہانِ عالم کو جو باقاعدہ دعوتی خطوط لکھے، ان میں سے سب سے پہلا خط وہی تھا جو سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔

نجاشی

قدیم زمانے میں حبشہ کے بادشاہوں کا لقب نجاشی تھا، جیسے فارس کے فرمانروا کو کسریٰ، روم کے بادشاہ کو ہرقل


گونڈر (حبشہ) کے قدیم قلعے کا ایک منظر

اور ترکوں کے شاہ کو خاقان کہتے تھے۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ بن ابجر تھا۔ اصحمہ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب عطیہ ہے اور نجاشی درحقیقت ''نجوس'' (Negus) کی تعریب ہے جس کے معنی حبشی زبان میں بادشاہ کے ہیں۔ یہ بہت نیک، عادل اور عقل مند شخص تھا۔ یہ نسطوری مذہب پر قائم تھا۔ یہ مذہب اس وقت توحید کا حامل اور ربوبیت مسیح

کا انکاری تھا۔ دعوتِ اسلام کے آغاز کے بعد سن 5 نبوی میں مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس نیک فطرت انسان نے مسلمانوں کو اپنے ملک میں نہ صرف امن و عافیت کے ساتھ رہنے کی اجازت دی بلکہ قریشیوں کے اس وفد کو بھی خائب و خاسر لوٹا دیا جو مسلمانوں کو حبشہ بدر کرانے اور واپس مکہ لے جانے کے لیے آیا تھا۔[1]

نامۂ مبارک کی عبارت

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نجاشی کے نام جو نامۂ مبارک لے کر گئے تھے، اس کی عبارت یہ ہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى النَّجَاشِيِّ الْأَصْحَمِ مَلِكِ الْحَبَشَةِ سَلْمٌ أَنْتَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رُوحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ الْبَتُولِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِينَةِ، فَحَمَلَتْ بِعِيسَى، فَخَلَقَهُ اللّٰهُ مِنْ رُوحِهِ وَنَفْخِهِ كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهِ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَالْمُوَالَاةِ عَلَى طَاعَتِهِ، وَأَنْ تَتَّبِعَنِي وَتُؤْمِنَ بِالَّذِي جَاءَنِي، فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ وَجُنُودَكَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ، فَاقْبَلُوا نَصِيحَتِي وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى"

"مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ"



اصحمہ نجاشی کے نام مکتوب نبوی

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے شاہِ حبشہ اصحم نجاشی کے نام! تم سلامتی حاصل کرلو۔ میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو قادرِ مطلق شہنشاہ ہے، نہایت پاک ہے، سلامتی والا ہے، امن دینے والا ہے اور نگران ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں

1 زاد المعاد: 1/120، اسد الغابہ: 1/117، 188، عالمیۃ الاسلام، ص: 61 (حاشیۃ)، تاریخ ارض القرآن (کامل)، ص: 240، 241.

جسے اس نے پاکیزہ اور پاکدامن کنواری مریم کی طرف ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو روح اور پھونک سے پیدا کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں تمھیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی اطاعت کی بنیاد پر دوستی کی اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے، اس پر یقین و ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں تمھیں اور تمھارے لشکر کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے تبلیغ و نصیحت کر دی ہے، میری نصیحت قبول کرو۔ سلامتی ہو ہر اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''[1]

(محمد رسول اللہ)

رسول اللہ ﷺ کے نامہ بر: عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ نجاشی تک یہ مکتوب گرامی سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے پہنچایا۔ یہ صلح حدیبیہ کے بعد نامۂ مبارک لے کر جانے والے پہلے سفیر تھے۔ ان کا تعلق کنانہ کی شاخ بنوضمرہ سے تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی بڑے بہادر اور بزرگی میں معروف تھے۔ انھوں نے غزوۂ بدر و احد میں مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی۔ جب مشرکین احد سے واپس گئے تو یہ مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے سب سے پہلے سریۂ بئر معونہ میں شرکت کی جو ہجرت کے چوتھے سال پیش آیا۔ اس معرکے میں بنو عامر نے انھیں قید کر لیا لیکن عامر بن طفیل



بئر معونہ (سعودی عرب)

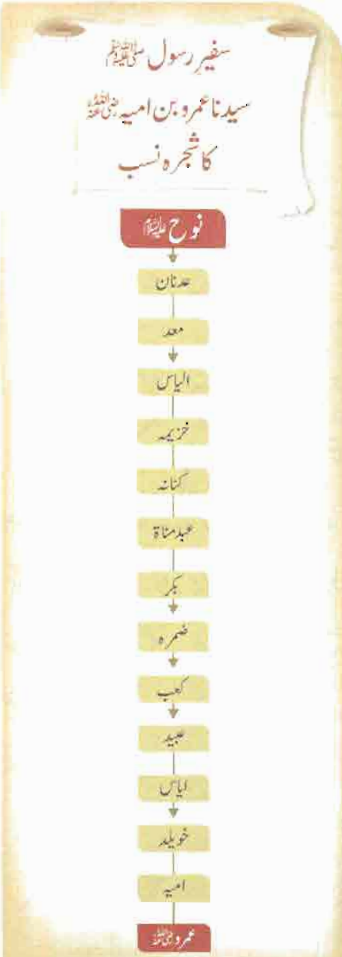


امیر معاویہ ڈیم (طائف)

نے انھیں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد بھی انھوں نے کئی ایک معرکوں میں شرکت کی۔ یہ بڑے ماہر، جری اور پھرتیلے انسان تھے۔ یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں 55ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔[2]

[1] زاد المعاد :689/3، تاريخ الطبري :294/2. [2] أسد الغابة :352,351/3، الإصابة :496/4

سفیرِ نبوی اور نجاشی کے مذاکرات



سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نہایت اعتماد اور بڑی بے باکی سے نجاشی کے پاس پہنچے اور اس سے نہایت فصیح و بلیغ گفتگو کی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی اچھی قوت گویائی عطا فرمائی تھی۔ انھوں نے نجاشی سے کہا: ''اے اصحمہ! میں جو بات کرنے والا ہوں، اسے غور سے سنیے۔ یقیناً آپ ہم پر بہت مہربان ہیں اور ہمیں آپ پر اعتماد ہے۔ بلاشبہ جب بھی ہم نے آپ کے ہاں سے خیر چاہی، وہ ہمیں حاصل ہوئی۔ جب ہمیں خوف لاحق ہوا، آپ نے ہمیں امن فراہم کیا۔ ہم نے آپ کے کلام ہی کے ذریعے آپ پر حجت قائم کر دی ہے۔ ہمارے اور آپ کے مابین انجیل معتبر گواہ اور انصاف پسند قاضی ہے۔ یہ بھلائی اور فضیلت حاصل کرنے کا موقع ہے۔ اگر آپ نے یہ باتیں تسلیم نہ کیں تو اس امی نبی کے متعلق آپ کی وہی رائے تصور کی جائے گی جو یہودی جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف لوگوں کی طرف اپنے سفیر روانہ فرمائے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے وہ امید رکھی ہے جو دوسروں سے نہیں رکھی۔ جس قسم کا خدشہ رسول اللہ ﷺ کو ان سے تھا، آپ سے بالکل نہیں ہے۔''

نجاشی نے کہا: ''میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ (محمد ﷺ) وہ نبی ہیں جن کا اہلِ کتاب انتظار کر رہے تھے۔ اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام کا شتر سوار (یعنی وہ نبی ایسا ہوگا جو اونٹ کی سواری کرے گا) کی بشارت دینا ایسا ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے گدھے کی سواری کرنے والے (جناب عیسیٰ علیہ السلام) کی بشارت دی تھی۔ اور بے شک خبر مشاہدے کی مانند نہیں ہوتی۔ حبشہ میں میرے حمایتی بہت کم ہیں۔ آپ مجھے اس وقت تک مہلت دیں جب تک کہ میرے طرف دار بڑھ جائیں اور لوگوں کے دل نرم پڑ جائیں۔''[1]

ابن سعد نے لکھا ہے کہ نجاشی نے نامۂ مبارک بڑے احترام سے اپنی دونوں آنکھوں پر پھیرا۔ تخت سے نیچے اتر

1 الروض الأنف: 487/3، السيرة الحلبية: 294/3

آیا، عاجزی اور احترام کرتے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا، پھر اسلام قبول کر لیا اور حق کی گواہی دی اور کہا: لَوْ كُنْتُ أَسْتَطِيعُ أَنْ آتِيَهُ لَأَتَيْتُهُ. ''اگر اس نبی تک پہنچنا میرے بس میں ہوتا تو ضرور حاضر خدمت ہوتا۔'' [1]


گلیل (طبریہ) اور جھیل طبریہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بشارت دی تھی کہ وہ گدھے کی سواری کریں گے۔ حسبِ بشارت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام گدھے پر سوار ہو کر گلیل (طبریہ) منتقل ہوئے تھے۔ پھر جب وہ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو گدھے پر سوار تھے۔ یہ بات چاروں اناجیل میں لکھی ہوئی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام گدھے کی سواری کرنے میں مشہور تھے لیکن رسول اللہ ﷺ اونٹ کی سواری کرنے میں اُن سے زیادہ مشہور تھے۔ آپ ﷺ نے اونٹ ہی پر سوار ہو کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ آپ اکثر غزوات میں اونٹ ہی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔ [2]

نجاشی کا جوابی خط

نجاشی نے نبی ﷺ کی خدمت میں تحفے بھی بھیجے اور آپ ﷺ کے مکتوب گرامی کا درج ذیل جواب دیا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، إِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ مِنَ النَّجَاشِيِّ الْأَصْحَمِ بْنِ أَبْجَرَ، سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ مِنَ اللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، اَلَّذِي هَدَانِي لِلْإِسْلَامِ. أَمَّا بَعْدُ: فَقَدْ بَلَغَنِي كِتَابُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فِيمَا ذَكَرْتَ مِنْ أَمْرِ عِيسٰى، فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ! إِنَّ عِيسٰى مَا يَزِيدُ عَلٰى مَا ذَكَرْتَ ثُفْرُوقًا، إِنَّهُ كَمَا قُلْتَ، وَقَدْ عَرَفْنَا مَا بَعَثْتَ بِهِ إِلَيْنَا وَقَدْ قَرَّبْنَا ابْنَ عَمِّكَ وَأَصْحَابَهُ، فَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَادِقًا مُّصَدَّقًا وَّ قَدْ بَايَعْتُكَ وَبَايَعْتُ ابْنَ عَمِّكَ وَأَسْلَمْتُ عَلٰى يَدَيْهِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَقَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكَ بِابْنِي أَرْهَا بْنِ الْأَصْحَمِ بْنِ أَبْجَرَ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ آتِيَكَ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

1 الطبقات لابن سعد: 259,258/1. 2 عالمية الإسلام، ص: 102,101.

فَإِنِّي أَشْهَدُ أَنَّ مَا تَقُولُ حَقٌّ • وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے نام من جانب نجاشی اصحم بن ابجر۔ اے اللہ کے نبی! آپ پر اس اللہ کی طرف سے سلامتی، رحمتیں اور برکتیں ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت فرمائی۔ اما بعد! اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کا خط موصول ہوا۔ اس میں آپ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، زمین و آسمان کے رب کی قسم! وہ کھجور کی پینیدی کے برابر بھی اس سے کم یا زیادہ نہیں ہیں۔ وہ بالکل اسی طرح ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔ آپ نے جو پیغام ہماری طرف بھیجا ہے، ہم نے اسے بخوبی جان لیا ہے۔ ہم نے آپ کے چچا زاد اور ان کے ساتھیوں کو عزت و احترام سے نوازا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے اور (گزشتہ انبیاء کی) تصدیق کرنے والے رسول ہیں۔ میں نے آپ کی اور آپ کے چچازاد کی بیعت کرلی ہے اور میں ان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کی فرمانبرداری قبول کرچکا ہوں۔ میں نے آپ کی طرف اپنے بیٹے اریحا بن اصحم بن ابجر کو بھیجا ہے۔ مجھے صرف اپنے اوپر اختیار حاصل ہے۔ اے اللہ کے رسول! اگر آپ چاہیں تو میں خود بھی حاضر خدمت ہونے کو تیار ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں، وہ حق ہے۔ اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔‘‘ [1]

مکتوب نبوی کا سائز

رسول اللہ ﷺ نے اصحمہ نجاشی کو جو درج بالا دعوتی خط روانہ کیا تھا، اس کی دستاویز اکتوبر 1938ء میں دمشق میں حاصل ہوئی۔ یہ نامۂ مبارک ایک چمڑے کی جھلی پر ہے۔ یہ جھلی 13.5 انچ لمبی اور 9 انچ چوڑی ہے۔ خط کی کل سترہ سطریں ہیں جو جلی حروف میں لکھی گئی ہیں اور صاف پڑھی جاتی ہیں۔ اس خط کے آخر میں ایک دائرے کی شکل میں مہر بھی لگی ہوئی ہے جس کا عرض تقریباً ایک انچ ہے۔ [2]

نجاشی کو مہاجرین حبشہ کو روانہ کرنے کی ہدایت

طبقات ابن سعد میں ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی کو ایک اور خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ جعفر اور جو مہاجرین باقی ہیں، انھیں واپس بھیج دیا جائے، چنانچہ نجاشی نے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو کشتیوں میں

[1] عیون الأثر، ص: 427. [2] عالمیۃ الإسلام، ص: 103-106، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ، ص: 142-151.

سوار کر کے روانہ کر دیا۔ [1]

مذکورہ نجاشی فتح مکہ کے بعد غزوۂ تبوک (رجب 9 ھ) سے پہلے فوت ہوگئے۔ نبی ﷺ نے اسی دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی وفات کی اطلاع دے دی اور آپ ﷺ نے وہیں مدینہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے اسی دن ان کی موت کی خبر دی۔ پھر آپ ﷺ عیدگاہ کی طرف گئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں اور آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ» ''اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو۔'' [2]

اس نجاشی کی وفات کے بعد اس کے جانشین کی طرف رسول اللہ ﷺ نے دعوتی خط لکھا۔ اس بدبخت نے نامۂ مبارک پھاڑ دیا۔ نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اسے ہلاک و برباد اور اس کی حکومت کو تباہی سے دوچار کر دے گا۔ [3] صحیح مسلم میں بھی اس بات کی تائید موجود ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ [4]

1 الطبقات لابن سعد: 259/1. 2 صحیح البخاري: 1327 و 1333. 3 مسند أحمد: 442/3. 4 صحیح مسلم: 1774.



تبوک شہر کا جدید منظر (سعودی عرب)

رسول اللہ ﷺ کا سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کو اپنے ایک مکتوب گرامی میں یہ پیغام بھی بھجوایا تھا کہ ابوسفیان بن حرب کی بیٹی ام حبیبہ کی مجھ سے شادی کر دو۔ نجاشی نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے نکاح کر کے آپ ﷺ کی طرف سے حق مہر بھی ادا کر دیا۔[1]

نام ونسب

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام ''رملہ'' اور کنیت ''ام حبیبہ'' تھی۔ ان کے والد کا نام ابوسفیان تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: ''رملہ بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔''

اور والدہ کی طرف سے شجرۂ نسب یہ ہے:

''رملہ بنت صفیہ بنت ابوالعاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔''

مدرسہ ام حبیبہ (سعودی عرب)



ان کی والدہ صفیہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔[2]

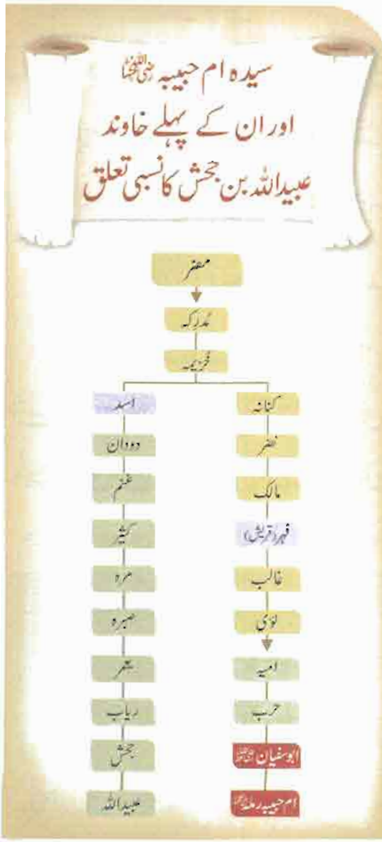
ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے ''رملہ'' بیان کیا ہے اور بعض مؤرخین کے نزدیک ان کا نام ''ہند'' تھا لیکن صحیح نام رملہ ہی ہے۔ یہ عظیم خاتون نام سے زیادہ اپنی کنیت سے معروف ہیں۔[3]

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے 17 سال پہلے پیدا ہوئیں۔[4]

[1] الطبقات لابن سعد: 259/1. [2] الطبقات لابن سعد: 96/8. [3] الاستیعاب، ص: 886، الإصابة: 140/8. [4] الإصابة: 140/8.

پہلا نکاح

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی عبید اللہ بن جحش سے ہوئی۔ وہ حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا تو ان دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ بڑا کٹھن دور تھا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا والد اسلام قبول کرنے والوں کو ظلم و ستم کی چکی میں پیسنے والے مشرکین کا سردار تھا۔ کوئی حربہ اور ظلم ایسا نہ تھا جو ابوسفیان نے مسلمانوں کے خلاف روا نہ رکھا ہو لیکن قدرت کے فیصلے عجیب ہوتے ہیں اور ہمیشہ عجیب ہی رہیں گے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی تھی کہ ابوسفیان جیسا کفر و شرک کا سرغنہ بے پناہ دنیاوی وسائل کے باوجود خود اپنی ہی بیٹی کو اسلام کی کشش و انجذاب سے نہ بچا سکا۔ وہ خود مدتوں کفر و شرک کی پستیوں میں ٹھوکریں کھاتا رہا لیکن اُس کی نیک اختر دختر آفتاب اسلام کی اولین شعاعیں دیکھتے ہی نہ صرف مسلمان ہوگئی بلکہ اس کی تقدیر ایسی چمکی کہ وہ کاشانہ نبوت کی ملکہ بن کر ام المؤمنین کے منصب جلیلہ پر فائز ہوگئی ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾۔



جب مسلمانوں کے لیے مکہ مکرمہ میں رہ کر اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرما دی تاکہ وہ حبشہ میں رہتے ہوئے سکون کے ساتھ اپنے دین پر عمل کرسکیں۔ ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں عیسائیت چھائی ہوئی تھی۔ عبید اللہ بن جحش پہلے ہی سے عیسائیت کی طرف مائل تھا، اس لیے عیسائیوں کے ملک میں پہنچ کر اسلام پر قائم نہ رہ سکا اور عیسائی ہو گیا۔

سیدہ رملہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ میں ایک بچی کو جنم دیا اور اس کا نام ''حبیبہ'' رکھا۔ اسی بچی کے نام پر انھوں نے اپنی کنیت ام حبیبہ رکھی اور نام کے بجائے اسی کنیت سے شہرت پا گئیں۔

عبید اللہ عیسائی ہو گیا تو اس نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھی مرتد ہو جانے اور اسلام چھوڑنے کی ترغیب دی۔ وہ کہنے لگا: میرے خیال میں عیسائیت سے بہتر کوئی دین نہیں ہے، تم بھی عیسائیت اختیار کرلو۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا

ایمان ناقابلِ تسخیر تھا۔ انھوں نے اس کا یہ گمراہ کن مطالبہ ماننے سے یکسر انکار کر دیا اور اسے سمجھایا:

وَاللّٰهِ! مَا خَيْرٌ لَّكَ.

''واللہ! یہ دین تمھارے لیے بہتر نہیں ہے۔''

اسلام ترک کرنے کے بعد عبید اللہ نے عیاشی کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ وہ عیسائیوں کے ساتھ رہتے ہوئے مے نوشی کا بھی عادی ہو گیا اور جلد ہی اسی حالت میں مر گیا۔[1]

نبیِ اکرم ﷺ کی زوجیت میں آمد

خاوند کے مرتد ہونے کے بعد سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا دیارِ غیر میں بے سہارا ہو گئی تھیں۔ اپنے وطن سے دور، اہل وعیال سے بعید، اس غریب الدیار تنِ تنہا خاتون کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ وہ غمگین رہنے لگیں لیکن انھوں نے نہایت صبر و استقامت سے کام لیا اور نامساعدہ حالات کے باوجود اپنی بچی کی تربیت اور پرورش میں لگی رہیں۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عبید اللہ بن جحش کی وفات کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مجھے ''یا ام المومنین'' کہہ کر پکار رہا ہے۔ میں یہ صدا سن کر چونک پڑی۔ پھر یکایک اس خواب کی تعبیر دل میں آئی کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے حرمِ محترم میں آنے کی بشارت ہے۔

اُدھر مدینہ منورہ میں جب نبیِ اکرم ﷺ کو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حبشہ میں بیوہ ہو جانے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی عدت کے دن پورے ہونے پر عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو شاہِ حبشہ اصحمہ نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپ کی طرف سے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح پہنچا دیں۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری عدت ختم ہوئی

[1] الطبقات لابن سعد: 8/97,96، الإصابة: 8/140.

حبشہ (ایتھوپیا) کا خوبصورت پہاڑی علاقہ



تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پیغامِ نکاح آ گیا۔

نجاشی کو رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام ملا تو اس نے اپنی خاص باندی ابرہہ کو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور یہ اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام میرے پاس پہنچا ہے کہ میں آپ کی ان سے شادی کر دوں۔ آپ اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر فرما دیں۔ پھر میں آپ کا نکاح نبی اکرم ﷺ سے کر دوں گا۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ ایمان افروز اور روح پرور پیغام سنا تو معاً باندی کو یہ دعا دی:

بَشَّرَكِ اللّٰهُ بِخَيْرٍ.

''اللہ تجھے بھی خیر کی خوشخبری دے۔''

سیدہ اس خوشخبری سے اس قدر خوش ہوئیں کہ بے اختیار اپنے ہاتھوں سے کنگن، پیروں سے پازیب اور انگلی سے انگوٹھی اتار کر سارا زیور ابرہہ کنیز پر نچھاور کر دیا۔ پھر انھوں نے سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنایا۔ وہ ددھیال کی طرف سے آپ کے رشتہ دار تھے اور ہجرت کر کے حبشہ ہی میں مقیم تھے۔[1]



مسجد جعفر بن ابی طالب (طرابلس، لیبیا)

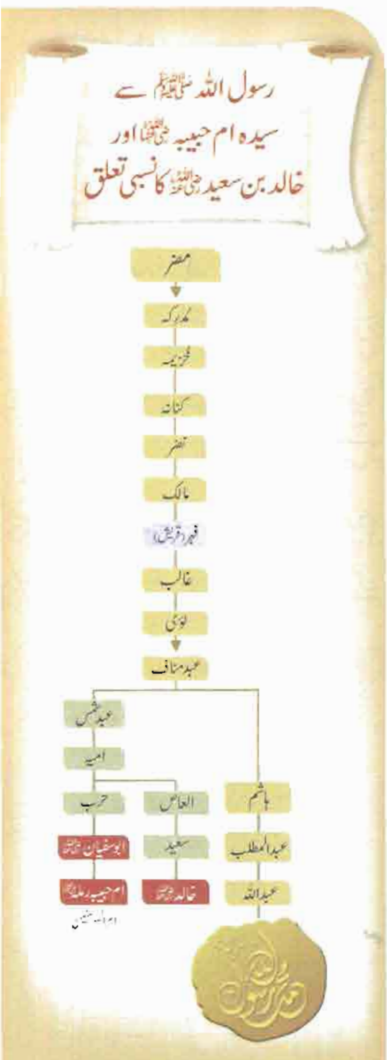
بعدازاں شام ہوئی تو نجاشی نے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور وہاں پر مقیم دیگر مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ پھر اسی باوقار اجتماع میں خطبۂ نکاح پڑھا جس کے الفاظ اس طرح روایت کیے گئے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَ أَنَّهُ الَّذِي بَشَّرَ بِهِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ كَتَبَ إِلَيَّ أَنْ أُزَوِّجَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، فَأَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ، وَقَدْ أَصْدَقْتُهَا أَرْبَعَ مِائَةِ دِينَارٍ.

''تمام تعریفیں اللہ، شہنشاہ، پاک، سلامتی اور امن دینے والے، پناہ میں لینے والے غالب اور اپنی بات

1 الطبقات لابن سعد: 97/8.

منوانے والے کے لیے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور آپ ﷺ وہی پیغمبر ہیں جن کے بارے میں عیسیٰ ابن مریم نے بشارت دی تھی۔ حمد و ثنا کے بعد! رسول اللہ ﷺ نے مجھے مکتوب گرامی ارسال فرمایا ہے کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ام حبیبہ بنت ابی سفیان ؓ کی شادی کر دوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر لبیک کہا اور اس خاتون کو چار سو دینار مہر ادا کیا۔''



پھر سیدہ ام حبیبہ ؓ کے وکیل سیدنا خالد بن سعید بن عاص ؓ نے خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ أَحْمَدُهُ وَ أَسْتَعِينُهُ وَأَسْتَنْصِرُهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَرْسَلَهُ بِالْهُدٰى وَ دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ، أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ أَجَبْتُ إِلٰى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ، وَ زَوَّجْتُهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، فَبَارَكَ اللّٰهُ رَسُولَ اللّٰهِ.

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، میں اسی کی حمد کرتا ہوں، اسی سے مدد و نصرت مانگتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اس نے انھیں ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے ہرچند مشرک اسے ناپسند کریں۔ امابعد! میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر لبیک کہا اور ام حبیبہ بنت ابی سفیان ؓ کی شادی آپ ﷺ سے کر دی۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو برکت سے نوازے۔''

نجاشی نے مہر کی رقم چار سو دینار خالد بن سعید ؓ کے سپرد کی۔

مسلمان اس تقریب کے بعد جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو نجاشی نے کہا: بیٹھ جاؤ۔ انبیاء ؑ کی روایت اور اسوہ یہی رہا ہے کہ انھوں نے جب بھی شادی کی تو کھانے کا اہتمام کیا، پھر اس نے کھانا منگوایا، سب نے مل کر کھایا،

بعدازاں سب گھروں کو چلے گئے۔

جب ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مہر کے چار سو دینار موصول ہوئے تو انھوں نے خوشخبری دینے والی کنیز ابرہہ کو اپنے پاس بلایا۔ وہ مسکراتی ہوئی آئی۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پہلے میں نے تمھیں معمولی تحائف دیے تھے۔ اس وقت میرے پاس ان اشیاء کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے میرے لیے وافر مالی وسائل مہیا کر دیے ہیں۔ یہ لو پچاس مثقال، انھیں بھی اپنے مصرف میں لاؤ۔ کنیز نے یہ بات سنتے ہی ایک تھیلی سیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر دی۔ اس میں اعلیٰ قسم کی خوشبو اور وہ زیور بھی تھے جو اسے ایک روز پہلے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بطور تحفہ مرحمت فرمائے تھے۔

نجاشی نے اپنی تمام بیگمات سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کی خدمت میں خوشبو کا تحفہ ضرور پیش کرو۔

اس کے بعد کنیز ابرہہ نے سیدہ سے عرض کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروکار (مسلمان) ہوگئی ہوں، آپ سے درخواست ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر دیں۔[1]

مدینہ منورہ آمد

شاہِ حبش نے مسلمانوں کے لیے دو کشتیوں کا انتظام کیا اور سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمان مہاجرین کو روانہ کیا۔ ان میں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ شاہ حبش نے سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ روانہ کیا۔

مہاجرین کا یہ قافلہ مدینہ کی قریبی بندرگاہ پر اترا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تشریف فرما تھے۔ یہ واقعہ 7ھ کا ہے، اس وقت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر 32 سال سے زیادہ تھی۔[2]

1 الطبقات لابن سعد: 98,97/8. 2 الطبقات لابن سعد: 99/8.



خیبر کے کھنڈر

جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے ان کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا اور بوسہ دے کر فرمایا:

«وَاللّٰهِ! مَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَفْرَحُ؟ بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَمْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ»

''اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات پر زیادہ خوشی ہو رہی ہے؟ خیبر کی فتح پر یا جعفر کی آمد پر۔'' [1]

ابوسفیان کا اعترافِ شکست

جب نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حرمِ مکرم میں داخل فرمایا، اس وقت ابوسفیان اسلام کے دشمنوں کے لیڈر تھے۔ اس کے باوجود جب انھیں اپنی بیٹی کے نکاح کا علم ہوا تو سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں انھوں نے بے اختیار یہ الفاظ کہے:

هُوَ الْفَحْلُ لَا يُقْدَعُ أَنْفُهُ.

''آپ نہایت معزز و اعلیٰ نسب شخص ہیں۔''

(مطلب یہ تھا کہ محمد ﷺ نہایت نیک نام اور انتہائی معزز شخصیت ہیں۔) ہم ان کی عظمت پر کوئی دھبہ نہیں لگا سکتے۔ ادھر ہم ان سے لڑ رہے ہیں اور اُدھر ہماری بیٹی ان کے نکاح میں چلی گئی ہے۔ ابوسفیان نے اس حقیقت کو تسلیم کر کے ایک طرح سے اعترافِ شکست کر لیا۔ [2]

ابوسفیان کے ساتھ بے لاگ برتاؤ

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ایمان بہت مضبوط تھا۔ دین کے حوالے سے انھوں نے اپنے باپ کی کبھی کوئی بات قبول نہیں کی۔ وہ ایک سعادت مند صاحبزادی ہونے کے ناتے اپنے والد کو بتوں کی پوجا چھوڑنے اور ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اور اس معاملے میں باپ کے رعب و دبدبے کو کبھی خاطر میں نہ لاتی تھیں۔

صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی طرف سے معاہدہ توڑ دیا گیا۔ فتح مکہ سے پہلے معاہدے کی تجدید کی کوشش کرنے کے لیے ان کے والد ابوسفیان مدینہ منورہ گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی تجاویز مسترد کر دیں۔ وہ مایوس ہو گئے۔ مدد حاصل کرنے کی غرض سے اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگے تو ام المومنین نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان بہت برہم ہوئے۔ بیٹی سے پوچھا: تم نے یہ بستر کیوں اٹھایا؟ کیا تم نے

1 دلائل النبوۃ للبیہقی: 246/4. 2 المستدرك للحاكم: 22/4، الطبقات لابن سعد: 99/8، الإصابة: 141/8.

بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا یا مجھے شایانِ بستر نہیں گردانا؟

ام المومنین ام حبیبہ ﷝ نے جواب دیا: آپ مشرک ہیں۔ مشرک نجس ہوتا ہے۔ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کے بستر مبارک پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ابوسفیان نے کہا:

وَ اللّٰهِ! لَقَدْ أَصَابَكِ بَعْدِي يَا بُنَيَّةُ شَرٌّ.

"میری بیٹی! اللہ کی قسم! تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی ہے۔"

سیدہ ام حبیبہ ﷝ نے فرمایا: ہرگز نہیں! مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ ابا جان! آپ قریش کے سردار ہیں۔ افسوس آپ کی عقل پر کہ آپ پتھر کے بتوں کو پوجتے ہیں، حالانکہ وہ کسی نفع یا نقصان کے مالک نہیں۔ [1]

فضل و کمال

سیدہ ام حبیبہ ﷝ نہایت متقی خاتون تھیں۔ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھیں۔ دنیا اور اس کی زیب و زینت کو ہیچ اور ناقابلِ توجہ سمجھتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات نہایت انہماک سے سنتی تھیں اور ان پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ»

"جو شخص ایک دن رات میں بارہ رکعات پڑھ لے، اُسے جنت میں محل عطا کیا جائے گا۔"

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ ﷝ فرماتی ہیں: میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ ارشاد سنا، اس وقت سے آج تک ان بارہ رکعتوں کو کبھی ترک نہیں کیا۔ ان کے شاگرد عنبسہ کہتے ہیں: جب سے میں نے سیدہ ام حبیبہ ﷝ سے یہ حدیث سنی ہے، یہ نوافل کبھی نہیں چھوڑے۔ ان کے شاگرد عمرو بن اوس نے بھی یہ نوافل ہمیشہ پابندی سے پڑھے۔ اسی طرح ان کے شاگرد نعمان بن سالم نے بھی یہی عمل کیا۔ یعنی ان میں سے ہر ایک نے جب اپنے اپنے استاد سے یہ روایت سنی، اس کے بعد زندگی بھر ان نوافل کا التزام کیا۔ [2] محدثین کی اصطلاح میں اسے مسلسل روایت کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ جامع ترمذی میں ان بارہ رکعات کی تفصیل اس طرح ہے: چار رکعات ظہر سے پہلے، دو اس کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ [3]

سیدہ ام حبیبہ ﷝ ہر معاملے میں سنت کا اتباع فرماتی تھیں۔ جب ان کے والد سیدنا ابوسفیان ﷛ کا انتقال ہوا

1 الطبقات لابن سعد: 8/99،100، نساء حول الرسول ﷺ، ص: 82. 2 صحیح مسلم: 728. 3 جامع الترمذي: 415.

تو تین دن بعد انھوں نے خوشبو منگوائی، اپنے چہرے اور بازوؤں پر ملی اور فرمایا:

وَاللّٰهِ! مَالِي بِالطِّيبِ حَاجَةٌ، غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، تُحِدُّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا»

''اللہ کی قسم! مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں (میں تو صرف رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کر رہی ہوں) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، آپ ﷺ نے منبر پر فرمایا تھا: ''کسی عورت کے لیے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتی ہے، حلال نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، البتہ شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن سوگ منائے گی۔'' [1]

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد

جب نبی اکرم ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو سیدہ ام حبیبہ ؓ حرم نبوی کے اندر اپنے گھر ہی میں مقیم رہیں اور انھوں نے نہایت پاکیزہ، عابدانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کی۔ لوگ ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ ہر قسم کے فتنوں سے اپنا دامن بچائے رکھا۔

تمام خلفائے راشدین سیدہ ام حبیبہ ؓ کے بڑے قدر شناس تھے۔ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر ؓ امہات المومنین کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ سیدنا عثمان ؓ تو ان کی خصوصی خبر گیری فرماتے تھے۔

سیدہ ام حبیبہ ؓ نے طویل زندگی پائی۔ انھوں نے اپنے بھائی امیر معاویہ بن ابی سفیان ؓ کا دورِ خلافت بھی دیکھا۔ وہ بھائی کے اصرار پر ان سے ملاقات کے لیے دمشق بھی گئیں۔ انھوں نے سیدہ پر زور دیا کہ آپ یہیں دمشق میں میرے ساتھ رہیں لیکن سیدہ ام حبیبہ ؓ کو مدینہ منورہ سے دوری گوارا نہ تھی، اس لیے امیر معاویہ ؓ کے پاس رہنے کے بجائے پھر مدینہ منورہ واپس آ گئیں۔ انھوں نے ساری زندگی زہد وقناعت سے گزاری۔ [2]

وفات حسرت آیات

سیدہ ام حبیبہ ؓ نے اپنے بھائی امیر معاویہ ؓ کے دورِ حکومت میں 44 ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے سیدہ عائشہ ؓ کو بلا کر کہا کہ ہم سوکنوں کے مابین کچھ باتیں ہوتی رہی ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ

---

1 صحیح مسلم: 1486۔ 2 نساء حول الرسول ﷺ، ص: 83۔

کو معاف فرمائیے۔ یہ سن کر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرط مسرت سے فرمایا:

سَرَرْتِنِي، سَرَّكِ اللّٰهُ.

''آپ نے مجھے خوش کر دیا، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی خوش رکھے!''

اسی قسم کا پیغام انھوں نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھی بھیجا تھا۔[1]

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس مایۂ ناز حالت میں وفات پائی کہ ان کا دل ہر فرد کی طرف سے پاک تھا اور ہر شخص کا دل ان کی طرف سے پاک تھا۔ کینہ یا بغض کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

روایات کی تعداد

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے 65 احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے دو احادیث متفق علیہ ہیں اور دو احادیث میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ان سے کبار صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام نے روایت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔[2]

1 المستدرك للحاكم: 23/4، الطبقات لابن سعد: 100/8. 2 سير أعلام النبلاء: 219/2.



مکتوب گرامی بنام قیصر روم ہرقل اعظم

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رومی حکمران ہرقل کے نام خط بھیجا تھا۔ یہ نامہ مبارک صلح حدیبیہ کے بعد بھیجا گیا جو محرم 7 ھ میں ہرقل کو موصول ہوا۔

الروم یا سلطنتِ روم

قدیم رومی سلطنت کا آغاز اٹلی کے دارالحکومت روم سے ہوا تھا۔ بتدریج یہ سلطنت بحیرۂ روم (البحر الابیض یا البحر المتوسط) کے ارد گرد یورپ، ایشیا اور افریقہ میں پھیل گئی۔ قسطنطین اعظم (306-337ء) پہلا رومی بادشاہ تھا جس نے عیسائیت قبول کی اور یہ سلطنتِ روم کا سرکاری مذہب بن گئی۔ 330ء میں قسطنطین اعظم نے روم کے بجائے بیزنطیم کو دارالحکومت بنالیا اور اسے کانسٹنٹینو پولس (قسطنطنیہ) کا نام دیا جو اب استنبول کہلاتا ہے۔ 395ء میں رومی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ مغربی رومی سلطنت (دارالحکومت روم) 476ء میں ختم ہوگئی مگر قسطنطنیہ مشرقی رومی سلطنت (بازنطینی سلطنت) مزید ایک ہزار برس قائم رہی حتی کہ عثمانی سلطان محمد فاتح نے 857ھ/1453ء میں اسے فتح کرلیا۔ اس رومی یا بازنطینی سلطنت اور اس کے باشندوں کو الروم کہا گیا ہے۔

روم، رومیہ اور روم ثانی

قدیم سلطنت روم کا دارالسلطنت اور موجودہ اٹلی کا دارالحکومت (اطالوی میں Roma اور انگریزی میں Rome)



اگریجنٹو (سسلی، اٹلی) میں ہرکولیس ٹیمپل کے آثار

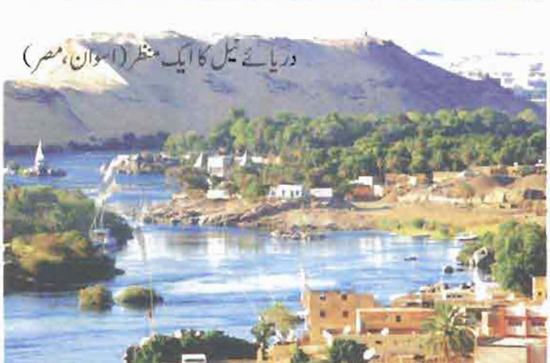
عربی میں رومیہ یا روما کہلاتا ہے۔ 330ء میں قسطنطین اعظم نے بیزنطیم (قسطنطنیہ) کو نیا دارالسلطنت بنایا جسے تاریخ میں روم ثانی یا رومیہ ثانیہ کہا گیا۔ یہ روم ثانی یا قسطنطنیہ قیصر ہرقل کا دارالسلطنت تھا۔ ایرانی دارالسلطنت مدائن کا مغربی دجلہ پار کا حصہ بھی رومیہ کہلاتا تھا۔


پولا (کروشیا) میں قدیم رومی اکھاڑہ

شاہِ روم ہرقل

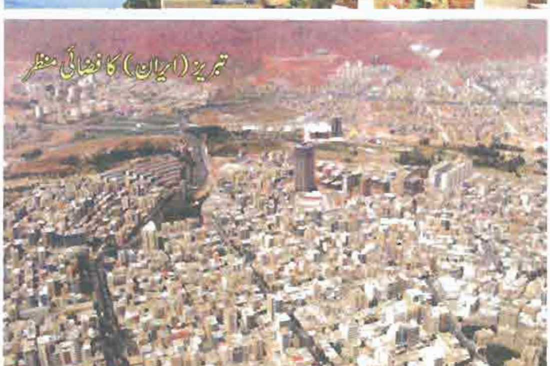
سلطنتِ روم (بازنطینی سلطنت) کے بادشاہ کا نام ہرقل اور لقب قیصر تھا۔ ہرقل کا زمانہ ایک متواتر جنگی زمانہ تھا۔ ہرقل خود بڑا بہادر اور جری انسان تھا۔ جنگ ہوتی تو سب سے آگے آگے وہی ہوتا تھا۔ اس کے دور میں ایرانیوں نے انطاکیہ، القدس اور مصر پر قبضہ کرلیا تھا لیکن چند سال بعد قیصر نے اپنے لشکر منظم کرکے ایرانیوں کو فرات تک دھکیل دیا، تبریز پر قبضہ کرلیا اور صلیب بھی واپس حاصل کرلی۔ یہی وہ دور تھا جب اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا۔


انطاکیہ (ترکی) میں سمنداغ بیشی کلی کے غار


دریائے نیل کا ایک منظر (اسوان، مصر)

سفیرِ نبوی: دِحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ

شاہِ روم کے دربار میں خط لے کر جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ رومی سلطنت کے بادشاہ کا کیا ردعمل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے لیے خود کسی صحابی کو نامزد کرنے کے بجائے صحابہ کے درمیان یہ اعلان فرمایا جیسا کہ صحیح ابن حبان میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:


تبریز (ایران) کا فضائی منظر

«مَنْ يَنْطَلِقُ بِصَحِيفَتِي هٰذِهِ إِلٰى قَيْصَرَ وَلَهُ الْجَنَّةُ؟»

''کون ہے جو میرا یہ خط لے کر قیصر کے پاس جائے، اس کے لیے جنت ہے؟''

ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے قتل نہ کیا جائے، پھر بھی میرے لیے جنت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَإِنْ لَّمْ تُقْتَلْ» ''ہاں، چاہے تمھیں قتل نہ بھی کیا جائے۔''[1]

اس خطرناک مہم کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنے والے یہ عظیم صحابی سیدنا دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے۔ آغاز اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک رہے۔ نہایت خوبصورت تھے۔ ان کی خوبصورتی کی جابجا مثال دی جاتی تھی۔ جبرائیل علیہ السلام بسا اوقات انھی کی شکل وصورت میں وحی لے کر آتے تھے۔ دحیہ رضی اللہ عنہ اس وقت کے شام کے تمام شہروں سے واقف تھے۔ معرکۂ یرموک میں بھی شامل ہوئے تھے۔ انھوں نے چاروں خلفائے راشدین کا زمانہ پایا ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ملک شام میں تقریباً 45ھ میں فوت ہوئے۔[2]

قیصرِ روم کو خط کی ترسیل

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کو ایک خط لکھا جس میں آپ ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہ خط آپ ﷺ نے سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ تم یہ خط بُصریٰ کے حاکم کو دینا، وہ یہ خط آگے ہرقل تک پہنچا دے گا۔



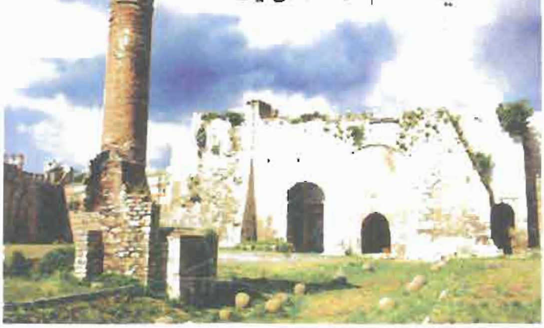
بصریٰ (شام) کا فضائی منظر



حمص کا قدیم شہر

ان دنوں قیصر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے حمص سے ایلیاء (بیت المقدس) جا رہا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایرانیوں کے لشکر پر فتح دی تھی۔[3]

1 صحيح ابن حبان: 357/10. 2 أسد الغابة: 137/2، الإصابة: 322,321/2، الأعلام للزركلي: 337/2. 3 صحيح البخاري: 2940، صحيح مسلم: 1773(4608).


قسطنطنیہ کے قدیم قلعے کا گولڈن گیٹ

طبقات ابن سعد میں ہے کہ قیصر نے نذر مانی تھی کہ اگر روم ایران پر غالب آ گیا تو میں قسطنطنیہ سے ایلیاء تک پیدل چل کر جاؤں گا۔[1] یہ وہ دن تھے جب روم اپنے عروج پر تھا اور ہرقل دنیا کا نہایت طاقت ور شخص تھا۔ ایرانیوں نے اپنی شکست کے بعد تمام مقبوضہ علاقے رومیوں کو واپس کر دیے تھے۔ رومیوں نے ان سے وہ صلیب بھی واپس چھین لی تھی جس کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس پر سولی دی گئی تھی۔ بس انھی باتوں کے شکرانے کے طور پر قیصر حمص سے بیت المقدس جا رہا تھا۔ اُس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ صلیب کو اس کے اصلی مقام پر رکھ دے۔[2]



ہرقل کی پریشانی

سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ زبان نبوت سے جنت کی بشارت سننے کے بعد خط لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ وہ حاکم بُصریٰ کے پاس پہنچے تو اس نے ان کے ساتھ عدی بن حاتم کو روانہ کر دیا تا کہ وہ انھیں قیصر تک پہنچا دیں۔[3] قیصر بیت المقدس کی طرف رواں دواں تھا۔ ابن ناطور ایلیاء (بیت المقدس) کا حاکم، ہرقل کا مصاحب اور شام کے نصاریٰ کا لاٹ پادری تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ہرقل جب ایلیاء پہنچا تو ایک دن وہ صبح کو بڑا پریشان حال اٹھا۔ اس کے پادریوں نے دریافت کیا کہ آج ہم آپ کی صورت بدلی ہوئی پاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ ابن ناطور کا بیان ہے کہ ہرقل علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے ہم نشینوں کے پوچھنے پر بتایا کہ آج رات میں نے ستاروں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ختنہ کرانے والوں کا بادشاہ نمودار ہو گیا ہے۔ اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کراتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہود

1 الطبقات لابن سعد: 259/1. 2 البداية والنهاية: 262/4. 3 السيرة الحلبية: 284/3.

کے سوا کوئی ختنہ نہیں کراتا۔ آپ ان کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ بس سلطنت کے تمام شہروں میں یہ حکم لکھ بھیجیے کہ وہاں جتنے یہودی ہوں، سب قتل کر دیے جائیں۔

ابھی وہ لوگ انھی باتوں میں مشغول تھے کہ ہرقل کے پاس ایک شخص لایا گیا جسے شاہ غسان نے بھیجا تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کے حالات بیان کیے۔ جب ہرقل نے سارے حالات سن لیے تو اس نے کہا: جا کر دیکھو آیا اس نے ختنہ کرایا ہوا ہے یا نہیں؟ انھوں نے اسے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ختنہ شدہ ہے۔ ہرقل نے جب اس شخص سے عربوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ عرب ختنہ کراتے ہیں، تب ہرقل نے کہا: یہی محمد (ﷺ) اس امت کے بادشاہ ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں۔[1]

ابنِ اسحاق کی روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ ایک دن صبح جب قیصر بیدار ہوا تو پریشان دکھائی دے رہا تھا اور بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے پادریوں نے پوچھا: بادشاہ سلامت! آج آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ پادریوں نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا: میں نے آج رات خواب میں دیکھا ہے کہ ختنے والا بادشاہ ظاہر ہو چکا ہے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے علم کے مطابق صرف یہودی ہی ختنہ کراتے ہیں اور وہ آپ کے ماتحت اور آپ ہی کی سلطنت میں ہیں۔ اگر آپ کو ان یہودیوں سے کوئی خدشہ ہے تو آپ اپنی مملکت کے تمام یہودیوں کے سر قلم کرا دیں۔ اس طرح آپ کی پریشانی جاتی رہے گی۔

ابھی وہ انھی باتوں میں مشغول تھے کہ بُصریٰ کے حاکم کا قاصد ایک عربی آدمی کو لے کر وہاں آپہنچا۔ قاصد نے ہرقل سے کہا: بادشاہ سلامت! یہ شخص عرب سے آیا ہے جو اونٹوں اور بکریوں والے لوگ ہیں۔ یہ آپ کو اپنے شہر میں ہونے والے نئے حالات و حوادث کے بارے میں بتائے گا۔ آپ ذرا اس سے پوچھیے۔ بادشاہ نے اپنے ترجمان سے کہا: اس سے پوچھو وہ کیا خبر ہے جو اس کے شہر میں پھیلی ہوئی ہے؟ عربی نے جواب دیا: وہ عرب کا ایک قریشی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی ہے اور اس کی پیروی کر رہے ہیں جبکہ بہت سے لوگ مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کے درمیان کئی جنگیں بھی ہوئی ہیں۔ جس وقت میں اپنے ملک سے چلا تو وہاں یہی صورت حال جاری تھی۔

جب اس نے یہ خبر بتائی تو ہرقل نے کہا کہ اس کے کپڑے اتار کر دیکھو۔ چنانچہ اس کے درباریوں نے دیکھا تو وہ ختنہ شدہ نکلا۔ ہرقل نے کہا: اللہ کی قسم! یہی وہ چیز ہے جو میں نے خواب میں دیکھی ہے۔ جو تم کہہ رہے ہو، وہ بات نہیں ہے۔ اسے اس کے کپڑے دے دو اور چھوڑ دو۔ اس کے بعد ہرقل نے اس عربی سے کہا: جاؤ، تم جا کر اپنا کام کرو۔[2]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ پھر ہرقل نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو اس بارے میں خط لکھا۔ وہ علم نجوم

[1] صحيح البخاري: 7. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 382/4.

میں ہرقل کا ہم پلہ تھا۔ ہرقل خود حمص چلا گیا۔ ابھی وہ حمص ہی میں تھا کہ اس کے دوست کا جوابی خط آ گیا۔ اس کی رائے بھی رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کے مطابق تھی کہ محمد ﷺ پیغمبر ہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے روم کے بڑے بڑے آدمیوں کو حمص کے محل میں طلب کیا۔ بعدازاں اس کے حکم سے محل کے دروازے بند کر دیے گئے۔ پھر وہ اپنے خاص محل سے باہر آیا اور کہنے لگا:

''اے رومیو! کیا کچھ ہدایت اور کامیابی تمھارے لیے بھی ہے؟ اگر تم اپنی سلطنت کی بقا چاہتے ہو تو پھر اس نبی کی بیعت کر لو۔''

یہ سننا تھا کہ وہ سب لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف دوڑے مگر انھیں بند پایا۔ آخر جب ہرقل نے اس بات سے ان کی یہ نفرت دیکھی اور وہ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہنے لگا کہ ان لوگوں کو دوبارہ میرے پاس لاؤ۔ جب وہ دوبارہ آئے تو اس نے کہا: میں نے تم لوگوں سے جو بات کہی تھی، اس سے تمھاری دینی پختگی کی آزمائش مقصود تھی۔ وہ میں نے دیکھ لی ہے۔ یہ بات سن کر سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اس سے خوش ہو گئے۔ [1]

دحیہ رضی اللہ عنہ کا نامۂ مبارک ہرقل کو پہنچانا

سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ جب شاہِ روم ہرقل کے پاس پہنچے تو اس وقت وہ بیت المقدس آ رہا تھا۔ اس کے راستے پر ایک خوبصورت بچھونا (قالین) بچھایا گیا تھا۔ اس بچھونے پر کسی اور کو چلنے کی اجازت نہیں تھی۔ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے نامۂ مبارک ایک ایسی جگہ رکھ دیا جہاں سے قیصر کو گزرنا تھا اور وہ خود ایک طرف ہو گئے۔ جب قیصر وہاں سے گزرا تو اس کی نظر خط پر پڑی۔ اس نے اسے اٹھا لیا اور سردار بشپ کو طلب کر کے وہ خط پڑھوایا تو اس نے ہرقل سے کہا کہ مجھے بھی اس خط کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے جتنا کہ آپ کو ہے۔ ہرقل نے بہ آوازِ بلند اعلان کیا کہ جس نے بھی یہ خط یہاں ڈالا ہے، اسے امان دی جاتی ہے، وہ سامنے آ جائے۔ یہ سن کر دحیہ رضی اللہ عنہ سامنے آ گئے تو اس نے کہا: جب دربار لگے، تم اس وقت آ جانا۔ [2]



قیصرِ روم ہرقل کے نام مکتوبِ نبوی

1 صحیح البخاري: 7. 2 صحیح ابن حبان: 10/358.

قیصرِ روم کے نام خط کا متن

ہرقل کو بھیجے گئے خط کی عبارت درج ذیل تھی:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ: سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ، وَ ﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾»

’’شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، محمد رسول اللہ کی طرف سے شاہِ روم ہرقل کی طرف! جو سیدھے راستے پر چلے اس پر سلام ہو، اما بعد! میں تمھیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ، تم سلامت رہو گے۔ اسلام قبول کرلو، اللہ تعالیٰ تمھیں دہرا ثواب دے گا۔ اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو غریب رعایا کا گناہ بھی تمھی پر ہوگا۔ اور اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنائیں۔ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔‘‘ [1]

سفیرِ نبوی اور ہرقل کا مکالمہ

جب دربار لگا تو سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ شاہِ روم سے ملاقات کے لیے گئے۔ اس نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور اُن کی بات بڑے غور سے سنی۔ دونوں کے مابین جو گفتگو ہوئی، سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفصیل بتائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے قیصر سے کہا: ’’اے قیصر! مجھے تمھارے پاس اس شخصیت نے بھیجا ہے جو تم سے بہتر ہے اور جس ذات نے انھیں مبعوث فرمایا ہے، وہ ان سے اور تم سے بہتر ہے۔ میری بات عاجزی سے سننا اور پھر خیر خواہانہ طریقے سے جواب دینا۔ اگر تم نے میری بات انکسار سے نہ سنی تو تم بات سمجھ نہیں پاؤ گے اور اگر تم خیر خواہی کا جذبہ بروئے کار نہیں لائے تو انصاف کرنے سے قاصر رہو گے۔‘‘

قیصر: ٹھیک ہے، آپ اپنا پیغام سنائیے۔

1 صحيح البخاري: 4553، صحيح مسلم: 1773

دحیہ رضی اللہ عنہ: کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسیح علیہ السلام نماز پڑھتے تھے؟

قیصر: جی ہاں، مجھے معلوم ہے۔

دحیہ رضی اللہ عنہ: تو پھر میں آپ کو اس ذات کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کے لیے مسیح علیہ السلام نماز پڑھتے تھے۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دیتا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کرنے کی تدبیر کی جبکہ مسیح علیہ السلام ابھی اپنی ماں کے پیٹ ہی میں تھے۔ میں تمھیں اُسی نبی کی دعوت پیش کرتا ہوں جن کی بشارت جناب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ اس کے بارے میں خود آپ کے پاس اس قدر معلومات ہیں کہ آپ اس نبی کو نہ بھی دیکھیں تب بھی آپ کی معلومات کفایت کر جائیں گی اور آپ کو صرف خبر ہی پر یقین آجائے گا۔ اگر آپ نے یہ دعوت قبول کر لی تو آپ کو دنیا ملتی رہے گی اور آپ کی آخرت بھی سنور جائے گی۔ اگر آپ نے یہ دعوت قبول نہیں کی تو آخرت تو خراب ہو گی ہی، ساتھ ہی دنیا بھی چلی جائے گی۔ یاد رکھیے! آپ کا ایک رب ہے جو بڑے بڑے جابروں کو ہلاک کر دیتا ہے اور نعمتوں کو چھین لیتا ہے۔

قیصر نے یہ باتیں سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا، پھر کہا: ''اللہ کی قسم! میں نے ساری کتابیں پڑھ رکھی ہیں اور اپنے تمام علماء سے پوچھ لیا ہے۔ بس میں نے خیر ہی دیکھی ہے۔ اب تم مجھے اتنی مہلت دو کہ میں یہ دیکھوں کہ مسیح علیہ السلام کس ذات کے لیے نماز پڑھتے تھے۔ اس لیے کہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ آج تمھیں ایک جواب دوں اور کل اس سے اچھا جواب مل جائے تو مجھے اپنے جواب سے رجوع کرنا پڑے جس سے مجھے نقصان پہنچے اور کوئی فائدہ نہ ہو۔ جب تک میں پوری طرح غور و فکر نہ کر لوں، تم یہیں رہو۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ہرقل کے دربار میں داخل ہوئے تو اس نے محل کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا، پھر اس نے اعلان کرایا: ''سن لو! قیصر نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع قبول کر لی ہے اور عیسائیت چھوڑ دی ہے۔'' یہ سن کر اس کے مسلح سپاہی آگے بڑھے اور انھوں نے اس کے محل کو گھیرے میں لے لیا۔ پھر ہرقل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو مخاطب کر کے کہا: تم دیکھ رہے ہو کہ مجھے اپنی حکومت چھن جانے کا خطرہ ہے، پھر اس نے یہ اعلان کرایا: ''سن لو! قیصر تم سے راضی ہے۔ اس نے محض تمھیں آزمایا تھا کہ تم اپنے دین پر کتنے پکے ہو۔ اب تم لوٹ جاؤ۔'' چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوابی خط لکھا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اس نے آپ کی طرف کچھ دینار بھی تحفے کے طور پر بھیجے۔ قیصر کا جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 الروض الأنف: 390,389/4.

«كَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ، لَيْسَ بِمُسْلِمٍ وَّهُوَ عَلَى النَّصْرَانِيَّةِ»

''اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ وہ ابھی تک عیسائیت ہی پر قائم ہے۔''

بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے قیصر کے بھیجے ہوئے دینار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیے۔[1]

ابوسفیان اور ہرقل کے مابین سوال و جواب

بہرحال ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک وصول کر لینے کے بعد آپ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ اس نے پولیس افسر کو طلب کیا اور حکم دیا کہ پورے شام کو چھان مارو اور جو شخص بھی اس شخص (محمد ﷺ) کی قوم کا ملے، اسے میرے پاس حاضر کرو، چنانچہ انھوں نے تلاش کیا۔ انھیں غزہ کے علاقے میں عرب کے ایک تجارتی قافلے کے لوگ مل گئے۔ ان میں ابوسفیان بھی تھا۔ ان سب کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہرقل کی روداد مجھے ابوسفیان نے خود سنائی۔ اس نے بتایا کہ ہرقل نے ان کے پاس ایک آدمی بھیجا، اس وقت یہ لوگ تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے کفارِ قریش اور ان کے سردار ابوسفیان سے صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔ ہرقل کے بُلاوے پر ابوسفیان اور دوسرے لوگ ہرقل کے پاس ایلیاء (بیت المقدس) پہنچے۔ ہرقل نے انھیں اپنے دربار میں طلب کیا۔ اس وقت اس کے آس پاس سلطنت روم کے بڑے بڑے زعماء بیٹھے ہوئے تھے۔ ہرقل نے قافلۂ قریش کے لوگوں اور اپنے ترجمان کو بلوایا۔ پھر اہلِ قافلہ سے پوچھا کہ تم میں سے وہ شخص کون ہے جو مدعی رسالت کا قریبی عزیز ہے؟

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بول اٹھا کہ میں ہی اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ یہ سن کر ہرقل نے حکم دیا کہ ابوسفیان کو میرے قریب لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس کی پشت کے پیچھے بٹھا دو، پھر اپنے ترجمان سے کہا: ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں ابوسفیان سے اس شخص (محمد ﷺ) کا حال پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر

[1] صحیح ابن حبان: 358/10. [2] دلائل النبوۃ للبیہقی: 382/4.



یہ آدمی مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔ ابوسفیان کا بیان ہے: اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے تو میں محمد (ﷺ) کے بارے میں ضرور جُھوٹی باتیں کرتا۔ ہرقل نے سب سے پہلے یہ پوچھا: تم لوگوں میں اس (محمد ﷺ) کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ تو بڑا عالی نسب ہے۔

ہرقل: اس سے پہلے بھی تم لوگوں میں کسی نے یہ (دینِ اسلام کی) بات کہی تھی؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں، ایسا نہیں ہوا۔

ہرقل: بڑے لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ہے یا کمزور لوگوں نے؟

ابوسفیان: بڑے لوگوں نے نہیں، کمزور لوگوں نے اس کی اتباع کی ہے۔

ہرقل: یہ بتاؤ کہ اس کے پیروکار روز بروز بڑھ رہے ہیں یا کم ہوتے جا رہے ہیں؟

ابوسفیان: اس کے پیروکار بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

ہرقل: کیا اس کے دین کو برا سمجھ کر کوئی اس سے پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: یہ بتاؤ کہ اس کے دعوائے نبوت سے پہلے تم لوگ اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں، اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

ہرقل: کیا وہ بدعہدی کرتا ہے؟

تدمر (شام) کا رومی تھیٹر



ابوسفیان: نہیں، البتہ اب ہماری اس سے صلح کی ایک مدت ٹھہری ہوئی ہے، معلوم نہیں وہ کیا کرتا ہے۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ بس اس بات کے سوا میں اپنی گفتگو میں کوئی اور (جھوٹی) بات شامل نہ کر سکا۔ (ابوسفیان کا جھوٹ اس طرح تھا کہ اسے بخوبی معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ معاہدے کو ہر صورت میں پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی بالکل نہیں کرتے۔ اس کے باوجود اس نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا: ''مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا کرتا ہے۔'')

ہرقل: کیا تمھاری کبھی اس سے لڑائی بھی ہوئی ہے؟

ابوسفیان: ہاں! لڑائی ہوئی ہے۔

ہرقل: تمھاری اس سے جنگ کیسی رہی؟

ابوسفیان: لڑائی ڈول کی طرح ہوتی ہے، کبھی وہ میدان مار لیتے ہیں اور کبھی ہم۔

ہرقل: وہ تمھیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اپنے باپ دادا کی (شرکیہ) باتیں چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔

ابوسفیان کے جوابات پر ہرقل کا تبصرہ

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان سے کہہ دے میں نے تم سے اس کا نسب پوچھا۔ تم نے کہا کہ وہ ہم میں عالی نسب ہے۔ ہاں صحیح بات یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم میں عالی نسب ہی بھیجے جاتے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی اور نے دعوائے نبوت کیا تھا یا نہیں؟ تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ تب میں نے سوچا کہ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے بھی کہی ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ اس شخص نے بھی اُسی بات کی تقلید کی ہے جو پہلے کہی جا چکی ہے۔

میں نے تم سے پوچھا: اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوگزرا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ میں نے سوچ لیا کہ اگر اس کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ ہوگزرا ہوگا تو میں کہہ دوں گا کہ وہ شخص اس بہانے سے اپنے آباء و اجداد کی بادشاہت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

میں نے تم سے پوچھا: کیا دعوائے نبوت سے پہلے تم نے کبھی اس پر دروغ گوئی کا الزام لگایا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ تو میں سمجھ گیا کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ دروغ گوئی سے بچے، وہ اللہ کے بارے میں جھوٹی بات کس طرح کہہ سکتا ہے۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ بڑے لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور لوگ تو تم نے کہا کہ کمزور لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے۔ دراصل ایسے ہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے ساتھی بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔تم نے کہا کہ وہ بڑھ رہے ہیں، واقعی ایمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے حتی کہ وہ کامل ہو جاتا ہے۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کوئی شخص اس کے دین سے ناخوش ہو کر پھر بھی جاتا ہے،تم نے کہا نہیں۔ ایمان کی خاصیت یہی ہے۔ جن دلوں میں ایمان کی مسرت سما جائے، ان دلوں سے ایمان نہیں نکلتا۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے۔تم نے کہا نہیں۔ واقعی پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے۔ وہ عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

اس کے بعد میں نے تم سے پوچھا کہ وہ کس بات کا حکم دیتا ہے۔تم نے کہا کہ وہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، وہ ہمیں بتوں کی پوجا سے روکتا ہے۔ نماز پڑھنے، سچ بولنے اور پاکدامنی کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو، سچ ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کا بھی مالک بن جائے گا جہاں میرے یہ دونوں قدم ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ پیغمبر آنے والا ہے۔ مگر مجھے یہ گمان بھی نہ گزرا تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہوگا۔ اگر میں جانتا کہ اس تک پہنچ سکوں گا تو اس سے ملنے کے لیے ہر تکلیف گوارا کر لیتا۔ اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔

پھر ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب گرامی منگوایا جو آپ ﷺ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے حاکم بُصریٰ کے پاس بھیجا تھا اور اس نے وہ ہرقل کے پاس بھجوا دیا تھا۔ ہرقل نے نبی ﷺ کا خط پڑھا۔ اس مکتوب مبارک کا متن گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ جب ہرقل نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو وہ کہنا چاہتا تھا اور خط پڑھ کر فارغ ہوا تو اس کے اردگرد شور مچ گیا اور بہت سی آوازیں آنے لگیں۔ اس وقت ہمیں فوراً باہر نکال دیا گیا۔ تب میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابوکبشہ (محمد ﷺ) کا معاملہ تو بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اس سے بنو اصفر (رومیوں) کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ مجھے اسی وقت یقین ہو گیا کہ نبی ﷺ عنقریب غالب آ کر رہیں گے حتی کہ اللہ نے مجھے مسلمان کر دیا۔ [1]

اریسین کون لوگ تھے؟

آخر میں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کی طرف جو خط روانہ کیا، اس میں ''اریسیین''

[1] صحيح البخاري: 7.

کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ علمائے حدیث اور اہل لغت اس امر پر اختلاف کرتے ہیں کہ اس لفظ سے کون سی قوم مراد ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ ''اریسیین'' لفظ ''اریسی'' کی جمع ہے اور اس کا مطلب غلام یا کاشت کار ہے۔

علامہ ابوالحسن کے مطابق ''اریسیین'' سے مراد آریوس (Arius) کے پیروکار ہیں جو مصری تھا۔ اس نے ایک مسیحی فرقے کی بنیاد رکھی۔ اس کا مسیحی عقائد کی تاریخ اور دینی اصلاح میں بڑا اہم کردار ہے۔ اس کا بازنطینی حکومت اور مسیحی گرجا پر مدتوں بڑا اثر و رسوخ رہا۔ آریوس وہی شخص ہے جس نے توحید، خالق اور مخلوق میں امتیاز اور باپ بیٹے میں تمیز کی صدا بلند کی اور تادیر جاری رکھی۔

آریوس کا عقیدہ اور دعوت حضرت مسیح کو خدا اور ایک خدا کے مساوی قرار دینے کے عقائد سے عرصۂ دراز تک ٹکراتے رہے۔ باہم لڑائی برابر جاری رہی۔ بازنطینی حکومت کے مشرقی علاقوں میں بہت سے عیسائی اس عقیدے کو اپنا چکے تھے، تاآنکہ تھیوڈوسیس اول (395 - 379ء) نے قسطنطنیہ میں ایک مسیحی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس میں حضرت مسیح کے خدا ہونے اور خدا کا بیٹا ہونے کے عقیدے کا فیصلہ کیا۔ اس مشرکانہ اعلان نے ''آریوس'' کے پھیلائے ہوئے عقیدے کو پس پشت ڈال دیا اور اس طرح وہ پردہ اخفاء میں روپوش ہوگیا۔ لیکن اس کے بعد یہ عقیدہ مکمل طور پر ختم نہیں ہوا بلکہ عیسائیوں کا ایک گروہ اس پر بدستور کاربند رہا جو آہستہ آہستہ ''اریسیہ'' یا ''اریسیین'' کے نام سے مشہور ہوگیا، لہٰذا راجح یہی ہے کہ آپ ﷺ کے نامۂ مبارک میں یہی لوگ مراد تھے۔ یہی گروہ عالمی بازنطینی حکومت میں توحید پرست تھا اور اس گروہ کا سردار خود ہرقل تھا۔[1]

بظاہر متضاد احادیث میں تطبیق

یہاں یہ بیان کر دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ قیصر و کسریٰ کے متعلق دو روایتیں ایسی ہیں جو بظاہر آپس میں متضاد نظر آتی ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ ایک روایت تو صحیح بخاری میں ہے، سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

1. علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی اریسیون کے متعلق یہی رائے ڈاکٹر معروف دوالیبی نے بھی اختیار کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے فرمان عالی میں آریوس کے پیروکار مسیحی فرقے ہی کی طرف حکم فرمایا ہے۔ وہ دنیائے عیسائیت کا واحد رہنما تھا جو بشریت مسیح کا قائل اور الوہیت مسیح کا منکر تھا۔ یہ بحث ''نظرات اسلامیہ''، ص: 83-86 میں بھی قابل مطالعہ ہے۔ ملاحظہ کیجیے: السيرة النبوية للندوي، ص 304-308.

''جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا اور جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان دونوں کے خزانے اللہ کے راستے میں ضرور خرچ کیے جائیں گے۔''[1]

دوسری روایت دلائل النبوہ وغیرہ میں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ کا نامۂ مبارک کسریٰ کو دیا گیا تو اس نے اسے پھاڑ دیا۔ نبی ﷺ نے اُسی وقت فرمایا:

«تمزّق مُلْكُهُ»

''اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔''

کسریٰ کے برعکس قیصر نے نبی ﷺ کے خط کا احترام کیا اور اسے خوشبو میں بسا کر رکھا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

«ثبت مُلْكُهُ»

''اس کا ملک قائم رہے گا۔''

یہ دونوں احادیث جمع کرنے کے لیے امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ اس میں انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ قریش تجارت کی غرض سے اکثر شام جایا کرتے تھے۔ بڑی حد تک ان کی معیشت کا دارو مدار شامی تجارت پر تھا۔ اسی طرح وہ عراق بھی جایا کرتے تھے، چنانچہ جب قریش نے اسلام قبول کرلیا تو انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں اپنے شام اور عراق سے تجارتی روابط منقطع ہونے کا خدشہ ظاہر کیا کیونکہ شام اور عراق کے بادشاہ مسلمانوں کے مخالف تھے۔ اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا:

«إذا هَلَكَ كِسْرٰى فَلا كِسْرٰى بَعْدَهُ»

''جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں آئے گا۔''

چنانچہ کسریٰ (خسرو پرویز) کی ہلاکت کے بعد سرزمین عراق (اور ایران) میں کسی کسریٰ کی پائیدار حکومت قائم نہیں ہوسکی، حتی کہ آخری کسریٰ یزدگرد شاہ کی 31ھ/651ء میں ہلاکت پر ساسانی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ نبی ﷺ نے مزید فرمایا:

«إذا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلا قَيْصَرَ بَعْدَهُ»

[1] صحيح البخاري: 6629.

''جب یہ قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں آئے گا۔''

چنانچہ اس قیصر کی موت کے بعد شام سے رومیوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ اس طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان بالکل سچ ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے عراق اور فارس (ایران) سے کسریٰ کی حکومت ختم کر دی اور شام بھی مکمل طور پر رومیوں کی دسترس سے باہر ہوگیا۔ اور جو قیصر کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

«ثَبَتَ مُلْكُهُ»

''اس کا ملک قائم رہے گا۔''

تو ایسا ہی ہوا، چنانچہ رومیوں کی سلطنت بلادِ روم میں اب بھی قائم ہے،[1] البتہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق شام ان کی سلطنت سے باہر ہوگیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں احادیث کے درمیان جمع و تطبیق ہوگئی۔ واللہ اعلم.[2]

[1] دلائل النبوۃ کے مصنف امام بیہقی (متوفی 458ھ) کے عہد میں بلادِ روم (قسطنطنیہ) میں ابھی بازنطینی رومی سلطنت قائم تھی، تاہم جنگ ملاذکرد 463ھ/1071ء میں رومی بادشاہ دیوجانوس رومانوس کی شکست و گرفتاری کے بعد سلجوقی ترک بیشتر اناطولیہ (ایشیائے کوچک) پر قابض ہوگئے۔ پھر 857ھ/1453ء میں عثمانی ترک سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں بازنطینی رومی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا جب آخری قیصر قسطنطین دوازدہم لڑتا ہوا مارا گیا۔ [2] دلائل النبوۃ للبیہقي: 4/394,393- البدایۃ والنہایۃ: 4/271,270.

بابل (عراق) کے کھنڈر



مکتوبِ گرامی بنام کسریٰ شاہ فارس

اہلِ فارس یعنی ایرانیوں کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ تھا جو فارسی نام خُسرَوْ کا معرّب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو کسریٰ تھا، اس کا نام خُسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا۔ یہ خسرو اول (نوشیروان) کا پوتا اور ساسانیوں کا آخری بڑا بادشاہ تھا۔ اسے خسرو ثانی کہا جاتا تھا۔ اس کا دورِ اقتدار 589ء تا 628ء ہے۔ اس نے 39 سال حکومت کی۔ [1] رسول اللہ ﷺ نے محرم 7 ھ میں اس کے نام مکتوب گرامی بھیجا تھا۔ سیدہ شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی پر سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر کسریٰ کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس خط پر مہر بھی ثبت کرائی تھی۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کسریٰ کے خط کا تذکرہ غزوہ تبوک (9 ھ) ذکر کرنے کے بعد کیا ہے۔ [3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تعدد کا قول ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: اہل مغازی نے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ جب تبوک میں تھے، اس وقت بھی آپ نے قیصر وغیرہ کی طرف خطوط روانہ کیے تھے۔ یہ اس پہلی مرتبہ کے علاوہ ہے جب آپ نے صلح کی مدت میں سات ہجری میں سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ کو خط دے کر قیصر کی طرف بھیجا تھا جیسا کہ روایت میں اس کی صراحت موجود

1 انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 132/2. 2 الاکتفاء: 386/2، عیون الأثر، ص: 425. 3 صحیح البخاري: 4424.



کسریٰ (خسرو پرویز) کی شکارگاہ (کرمانشاہ، ایران)

ہے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ نے شاہانِ فارس کو ایک سے زائد خطوط روانہ کیے ہوں۔

خط کی عبارت

نبی ﷺ نے جو خط بادشاہ فارس کسریٰ (خسرو پرویز) کے نام بھیجا تھا، اس کی عبارت یہ ہے:



شاہانِ فارس کے سکے

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى كِسْرٰى عَظِيمِ فَارِسَ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَآمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَشَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَدْعُوكَ بِدُعَاءِ اللّٰهِ، فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، لِأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا، وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِنَّ إِثْمَ الْمَجُوسِ عَلَيْكَ»

”شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے شاہِ فارس کسریٰ کے نام، سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمھیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تاکہ زندوں کو (ان کے انجام بد سے) ڈراؤں اور کافروں پر حق بات ثابت ہو جائے۔ تم اسلام قبول کر لو، سلامتی کے ساتھ رہو گے۔ اگر تم نے انکار کیا تو مجوسیوں کا گناہ بھی تمھارے سر ہوگا۔“[2]

سفیرِ رسول سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ

یہ خط سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ ان کی کنیت ابوحذافہ ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنوسہم سے ان کا تعلق تھا۔ انھوں نے دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ مہاجرین حبشہ کے دوسرے

[1] فتح الباري: 160/8 و 162. [2] تاريخ الطبري: 296/2، زاد المعاد: 688/3، عيون الأثر، ص: 426،425.

گروہ میں بھی شامل رہے۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی سیدنا خنیس اور قیس رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ خنیس رضی اللہ عنہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پہلے خاوند تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رومیوں نے سیدنا عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو قید کرلیا، عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا اور انھیں شدید تکلیفیں دیں لیکن انھوں نے انکار کردیا۔ آپ بڑے ماہر جنگجو اور شاعر تھے، آواز بھی بہت دلکش تھی۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مصر میں فوت ہوئے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کو خط بھیجنے کے لیے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا کیونکہ یہ بارہا فارس کے شہروں کا دورہ کرچکے تھے اور وہاں کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔[2]

خط کی ترسیل

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کسریٰ کو خط بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ یہ خط بحرین کے حکمران کو دے دینا۔ سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ ارشادِ نبوی کے مطابق بحرین کے حاکم منذر بن ساویٰ عبدی کے پاس پہنچے اور وہ خط اس کے حوالے کردیا۔ اس نے اپنے قاصد کے ذریعے وہ خط کسریٰ تک پہنچا دیا، یا پھر منذر خود ہی کسریٰ کے پاس نامۂ مبارک لے کر چلا گیا۔[3] یہ بھی ممکن ہے کہ حاکم بحرین نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کے پاس بھجوا دیا ہو اور انھوں نے خود ہی وہ خط کسریٰ کے حوالے کیا ہو جیسا کہ ایک روایت میں عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کسریٰ کے ایوان تک پہنچا اور اس کے دربار میں جانے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر میں کسریٰ کے پاس پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک اس کے حوالے کیا۔[4]


منامہ (بحرین) کا ایک جدید ہوٹل

سفیر اور کسریٰ کی باہمی گفتگو

بعض مؤرخین نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کسریٰ کے دربار میں پہنچے تو انھوں نے کسریٰ اور اس کے درباریوں کے روبرو یہ گفتگو کی:

1 أسد الغابة: 2/577،578. 2 الروض الأنف: 4/108. 3 صحيح البخاري: 4424، فتح الباري: 8/159. 4 الاكتفاء: 2/386.



''اے فارسیوں کی جماعت! تم نے ایک طویل مدت سے نبی اور رہنما کتاب کے بغیر اپنی زندگی خوابوں میں بسر کر دی ہے۔''

پھر انھوں نے خاص طور پر بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا:

''تو زمین کے اتنے ہی حصے کا مالک ہے جتنے پر تیرا حکم چلتا ہے۔ وہ زمین اس سے کہیں زیادہ ہے جس پر تیرا حکم نہیں چلتا۔ تجھ سے پہلے بہت سے دنیادار اور آخرت کے طلب گار بادشاہ اس زمین کے مالک بنے اور اس پر ان کی حکومت تھی۔ اہلِ آخرت نے تو آخرت کے ساتھ دنیا کا حصہ بھی حاصل کیا مگر اہلِ دنیا اپنی آخرت گنوا بیٹھے۔ دنیا طلبی کی کوشش میں تو وہ جدا جدا رہے اور آخرت کے عدل میں وہ برابر رہے (اہل دنیا اور اہلِ آخرت کے درمیان دنیا کی مقدار کم اور زیادہ ہوتی رہی لیکن آخرت کے معاملے میں وہ برابر ہیں کہ اہلِ دنیا نے دنیا کمائی مگر ان کی آخرت تباہ ہوئی جبکہ اہلِ آخرت نے اپنی آخرت بھی مکمل طور پر محفوظ کر لی۔) ہمارا اس پیغام کو تم تک پہنچانا تمھارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا، حالانکہ اللہ کی قسم! یہ معاملہ تم تک وہیں سے آیا ہے جہاں سے تمھیں خوف لاحق تھا۔ تمھارا اسے حقیر سمجھنا تمھارے خوف کو زائل نہیں کرے گا، نہ تمھارا اسے جھٹلانا تمھارے لیے خطرے سے نجات کا باعث ہو سکتا ہے۔ واقعۂ ذی قار[1] اس بات کی بڑی واضح دلیل ہے۔''

[1] ذی قار بصرہ کے قریب، کوفہ اور واسط کے درمیان ایک مقام ہے۔ یہاں عربوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگ لڑی گئی تھی۔ علامہ اصفہانی کہتے ہیں: یہ جنگ غزوۂ بدر کے چند ماہ بعد ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے عربوں کی فتح کے لیے دعا کی تھی۔ کہتے ہیں کہ حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر نے کسریٰ کے درباریوں میں سے عدی بن زید کو قتل کر دیا تھا۔ کسریٰ نے نعمان کو گرفتار کرنا چاہا تو اس نے اپنے اہل و عیال اور مال و اسلحہ ہانی بن قبیصہ بن ہانی بن مسعود شیبانی کے پاس بطور امانت رکھا اور خود کو کسریٰ کے حوالے کر دیا۔ کسریٰ نے اسے قید میں ڈالا اور پھر ہلاک کر دیا، نیز ہانی بن قبیصہ سے نعمان کے اہل و عیال اور مال و اسلحہ کا مطالبہ کیا لیکن ہانی نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے ان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ جنگ میں بنو شیبان کو فتح حاصل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کو پتا چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «هٰذَا يَوْمٌ انْتَصَفَ الْعَرَبُ مِنَ الْعَجَمِ وَبِي نُصِرُوا» ''آج کے دن عربوں نے عجمیوں سے بدلہ لے لیا ہے اور میرے ذریعے ان کی مدد کی گئی ہے۔'' (الأغاني للأصفهاني 72/24، الكامل في التاريخ 166/1، معجم البلدان 294,293/4)

سفیرِ رسول عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی اس عمدہ اور جامع گفتگو کا کسریٰ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کی بدبختی اس پر غالب آگئی۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر اسے پھاڑ دیا اور متکبرانہ انداز میں بولا:

''میرے پاس بڑی زبردست حکومت ہے۔ مجھے اس کے چھن جانے کا کوئی خوف نہیں۔ اس میں میرا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ فرعون نے بنی اسرائیل پر حکومت کی تھی، تم لوگ بنی اسرائیل سے بہتر نہیں ہو۔ تم پر حکمرانی کرنے میں بھلا میرے لیے کیا رکاوٹ ہوسکتی ہے جبکہ میں فرعون سے بھی بہتر ہوں؟ رہا یہ ملک تو ہمیں معلوم ہے کہ یہ کتوں کے منہ میں جانے والا ہے۔ اور وہ تم ہی ہو۔ تمھارے پیٹ بھر جاتے ہیں، پر آنکھیں پھر بھی بھوکی رہتی ہیں۔ ذی قار کا واقعہ تو واقعۂ شام [1] کا بدلہ ہے۔'' [2]

ایک روایت میں ہے کہ کسریٰ پرویز نے نامہ مبارک پڑھا تو اسے پھاڑ دیا اور فخر وغرور کرتے ہوئے بولا کہ میرا غلام ہوکر مجھے ایسی بات لکھتا ہے۔ جبکہ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا: ''میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی کہ اس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ [3]

ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مُزِّقَ وَ مُزِّقَتْ أُمَّتُهُ» ''اس کے اور اس کی امت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔'' [4]

---

1 واقعۂ شام سے کسریٰ پرویز کی مراد اس کی فتوحات شام وفلسطین تھیں جب 14-613ء میں اس نے دمشق اور غسانی عرب سلطنت کے علاقے روند ڈالے تھے اور 614ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرکے 90 ہزار عیسائی قتل کر ڈالے تھے۔ (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات، دارالسلام، ص: 158) 2 الاکتفاء: 387/2، الروض الأنف: 108,107/4. 3 تاریخ الطبري: 296/2. 4 المصنف لابن أبي شیبة: 347/7.



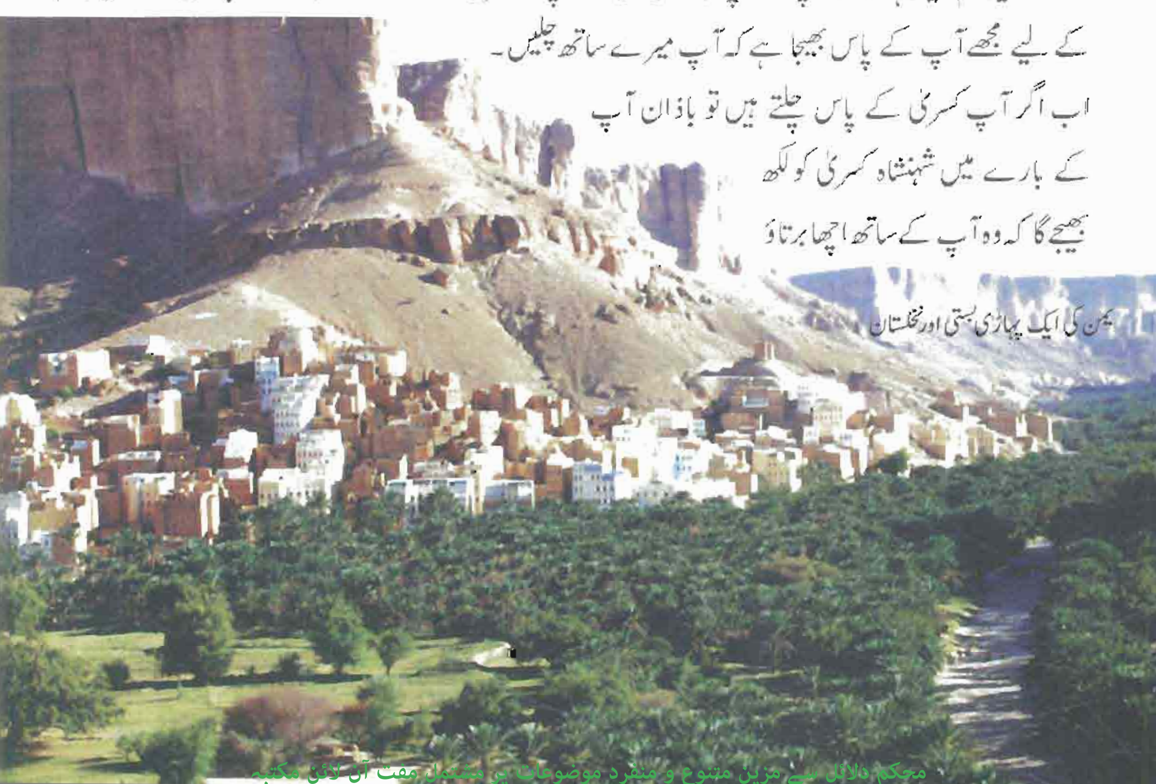
جامعہ ذی قار (عراق)

کسریٰ کی ہلاکت

نامۂ مبارک کو پارہ پارہ کرنے کے بعد کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا: یہ شخص جو حجاز میں ہے، اس کے ہاں اپنے دو مضبوط اور طاقتور آدمی بھیجو کہ وہ اسے گرفتار کر کے میرے حوالے کریں۔ باذان نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دو مضبوط آدمی منتخب کیے۔ ان میں سے ایک کا نام بابویہ تھا۔ یہ اس کا سیکرٹری اور اکاؤنٹنٹ تھا۔ دوسرے کا نام خرخرہ تھا۔ یہ ایرانی تھا۔ اس نے انھیں ایک خط دے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کیا جس میں آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں۔ باذان نے بابویہ سے کہا: اس آدمی کے شہر میں جاؤ، اس سے بات چیت کرو اور واپس آ کر مجھے اس کے حالات سے آگاہ کرنا۔

یہ دونوں شخص نکل پڑے اور طائف جا پہنچے۔ وہاں انھیں قریش کے کچھ لوگ مل گئے۔ ان دونوں نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ مدینہ میں ہیں۔ طائف اور قریش کے لوگ ان دونوں کی آمد پر بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: خوش ہو جاؤ! بادشاہوں کے بادشاہ کسریٰ نے ان (محمد ﷺ) سے دشمنی مول لی ہے۔ تم اس آدمی سے بچا لیے گئے ہو۔ یہ دونوں آدمی طائف سے نکل پڑے۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابویہ نے کہا: ''شہنشاہ کسریٰ نے شاہ باذان کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے پاس آدمی بھیج کر آپ کو کسریٰ کے روبرو حاضر کرے۔ باذان نے اس کام کے لیے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔

اب اگر آپ کسریٰ کے پاس چلتے ہیں تو باذان آپ کے بارے میں شہنشاہ کسریٰ کو لکھ بھیجے گا کہ وہ آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ



یمن کی ایک پہاڑی بستی اور نخلستان

کرے اور اسے اس بات سے روکے گا کہ وہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے اور اگر آپ نے وہاں حاضر ہونے سے انکار کردیا تو آپ اسے جانتے ہی ہیں، وہ آپ کو اور آپ کی قوم کو ہلاک کر دے گا اور آپ کے شہر کو تباہ کر دے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے بڑی خاموشی سے یہ باتیں سنیں اور ان کی دھمکی کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں پر اپنی مبارک نظر ڈالی تو دیکھا کہ انھوں نے داڑھی کو مونڈا ہوا ہے اور بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھنا پسند نہیں کیا اور ان سے دریافت فرمایا: «وَيْلَكُمَا! مَنْ أَمَرَكُمَا بِهٰذَا؟» ''تمھاری ہلاکت ہو! تمھیں اس (داڑھی مونڈنے) کا کس نے حکم دیا ہے؟''

انھوں نے کہا: ہمیں ہمارے رب (کسریٰ) نے اس عمل کا حکم دیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لٰكِنَّ رَبِّي قَدْ أَمَرَنِي بِإِعْفَاءِ لِحْيَتِي وَقَصِّ شَارِبِي»

''لیکن میرے رب نے مجھے داڑھی کو معاف کرنے اور مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: «اِرْجِعَا حَتّٰى تَأْتِيَانِي غَدًا» ''فی الحال تم جاؤ کل میرے پاس آ جانا۔''[1]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب یہ دونوں افراد نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور انھوں نے باذان کا خط آپ ﷺ کے حوالے کیا تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور ان دونوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہ دونوں نبی ﷺ کے رعب سے گھبرائے ہوئے تھے اور ان کا بدن کانپ رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: «اِرْجِعَا عَنِّي يَوْمَكُمَا هٰذَا حَتّٰى تَأْتِيَانِي الْغَدَ فَأُخْبِرَكُمَا بِمَا أُرِيدُ» ''اس وقت تو تم واپس چلے جاؤ۔ کل میرے پاس آنا، پھر میں تمھیں بتاؤں گا کہ میرا کیا ارادہ ہے۔''

ادھر عین اسی وقت جبکہ مدینہ میں یہ کارروائی ہو رہی تھی، خود خسرو پرویز کے گھرانے میں اس کے خلاف بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا۔ قیصر کی فوج کے ہاتھوں فارسی فوجوں کی پے در پے شکست کے بعد اب کسریٰ کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات 10 جمادی الاولیٰ 7 ھ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کا علم وحی کے ذریعے ہوا، چنانچہ اگلے روز جب وہ دونوں افراد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے انھیں یہ خبر سناتے ہوئے فرمایا:

«أَبْلِغَا صَاحِبَكُمَا أَنَّ رَبِّي قَدْ قَتَلَ رَبَّهُ كِسْرٰى فِي هٰذِهِ اللَّيْلَةِ لِسَبْعِ سَاعَاتٍ مَضَتْ مِنْهَا، وَأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى سَلَّطَ عَلَيْهِ ابْنَهُ شِيرَوَيْهِ فَقَتَلَهُ»

1 تاریخ الطبری: 2/297,296، البدایۃ والنہایۃ: 4/269,268.

’’اپنے گورنر کو جا کر بتا دو کہ اس رات کے پچھلے پہر میرے رب نے اس کے رب کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اُسی کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے اور اُس نے اسے قتل کر دیا ہے۔‘‘[1]

یہ سن کر دونوں کہنے لگے: آپ جانتے ہیں کہ آپ کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں؟ ہم نے تو آپ کی اس سے کہیں معمولی بات بھی قابل اعتراض سمجھی ہے۔ کیا ہم آپ کی طرف سے یہ بات لکھ دیں اور بادشاہ باذان کو بتا دیں! نبی ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، أَخْبِرَا بَاذَانَ بِذَالِكَ وَبِمَا أَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ، أَخْبِرَاهُ أَنَّ دِينِي وَسُلْطَانِي سَيَبْلُغُ مَا بَلَغَ كِسْرَى، وَيَنْتَهِي إِلَى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَافِرِ، وَقُولَا لَهُ: إِنْ أَسْلَمْتَ أَعْطَيْتُكَ مَا تَحْتَ يَدِكَ، وَمَلَّكْتُكَ عَلَى قَوْمِكَ مِنَ الْأَبْنَاءِ»

’’ہاں، تم اسے میری بات کی اطلاع دے دو، بلکہ اس سے بھی بڑی بات کہو کہ میرا دین اور میری سلطنت وہاں پہنچے گی جہاں کسریٰ کی حکومت پہنچی ہے بلکہ اس سے بھی آگے وہاں تک چلی جائے گی جہاں تک گھوڑے اور اونٹ پہنچ سکتے ہیں۔ اس سے کہہ دینا: اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو علاقے تمھارے زیر انتظام ہیں، وہ میں تمھی کو دے دوں گا اور تمھیں تمھاری قوم ابناء کا بادشاہ بنا دوں گا۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے خرخرہ کو سونے چاندی سے مزین پٹی دی جو آپ کو کسی بادشاہ نے ہدیے میں پیش کی تھی۔

باذان کا حقیقت پسندانہ جواب

باذان کے بھیجے ہوئے دونوں ایلچی رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر مدینہ سے صنعاء (یمن) واپس پہنچے اور باذان کو رسول اللہ ﷺ کا جواب پہنچایا۔ باذان نے کہا: ’’اللہ کی قسم! یہ کسی بادشاہ کا کلام نہیں ہے۔ میرے خیال میں وہ یقیناً نبی ہی ہیں جیسا کہ وہ خود کہہ رہے ہیں۔ جو کچھ انھوں نے کہا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ اگر یہ (کسریٰ کے قتل ہو جانے والی) بات سچ نکلی تو وہ واقعی اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے سچے نبی ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہم ان کے بارے میں کوئی رائے اختیار کریں گے۔‘‘

اس موقع پر بابویہ نے باذان سے کہا: ’’مجھے زندگی میں بہت سے لوگوں سے بات چیت کرنے کا موقع ملا ہے لیکن میں نے ان (محمد ﷺ) سے زیادہ بارعب شخصیت کبھی نہیں دیکھی۔‘‘ باذان نے کہا: ’’کیا اس کے ساتھ کوئی سپاہی یا محافظ بھی تھے؟‘‘ بابویہ نے کہا: ’’نہیں۔‘‘ اس نے یہ سوال اس لیے کیا تا کہ اسے یہ پہچاننے میں مدد ملے کہ وہ واقعی نبی ہیں۔

[1] الطبقات لابن سعد: 260/1

کسریٰ کی ہلاکت کی تصدیق اور باذان کا قبول اسلام

تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ باذان کو شیرویہ کا خط موصول ہوا، اس میں لکھا تھا:

''امابعد! میں نے کسریٰ کو قتل کر دیا ہے کیونکہ اس نے ایرانیوں پر ظلم کی انتہا کر دی تھی اور انھیں تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ (اے باذان!) تمھیں میرا یہ خط موصول ہو جائے تو اپنے لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لے لینا اور اس شخص کے پاس جاؤ جس کے بارے میں کسریٰ نے تمھیں خط لکھا تھا اور میرا اگلا حکم آنے تک اس سے کوئی تعرض نہ کرنا۔''

باذان نے شیرویہ کا خط پڑھا تو بے ساختہ کہا: فَوَاللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَنَبِيٌّ. ''بلاشبہ وہ شخص (محمد ﷺ) رسول ہی ہیں۔''

اس کے بعد وہ اور یمن میں موجود ابنائے فارس مسلمان ہو گئے۔ باذان نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے قبولِ اسلام کی خبر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھ بھیجی۔ آپ ﷺ نے ان کے اسلام قبول کرنے پر مسرت کا اظہار فرمایا اور انھیں ان کے مناصب پر برقرار رکھا۔

کسریٰ (خسرو پرویز) کے قتل کے بعد ایرانیوں میں خلفشار برپا ہوا اور ان کی حکومت کہیں بھی قائم نہ رہ سکی۔ رومیوں کی حکومت پر بھی اتنا زوال نہیں آیا جتنا زوال ایرانیوں کو دیکھنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بددعا سے کسریٰ اور اس کی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔[1] ایرانی تخت پر قابض ہونے کے بعد شیرویہ صرف چھ مہینے زندہ رہ سکا۔ بعدازاں تخت پر چار سال میں دس حکمران پے در پے آئے۔ حکومت کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں، تاآنکہ لوگ یزدگرد پر متفق ہوئے جو بنو ساسان کا آخری فرمانروا ثابت ہوا۔ یہ شخص ساسانی سلطنت کو زمین بوس کرتی اسلامی یلغار کے سامنے آیا۔ چار سو سال پھلنے پھولنے والی یہ حکومت کلیتاً 637ء میں پارہ پارہ ہو گئی۔ یوں صرف آٹھ سال کی قلیل مدت میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہو گئی۔[2]


قتل گاہ یزدگرد، قلعہ زیبد (گناباد)

1 البداية والنهاية: 4/268، 269، الاكتفاء: 2/386-388. 2 السيرة النبوية للندوي، ص: 300.

نامۂ مبارک کی دریافت

رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کے نام جو خط روانہ فرمایا تھا، وہ مدائن میں پایا گیا۔ اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مدینہ سے مدائن تک کس طرح پہنچا۔ ڈاکٹر مُنجِد کے مطابق یہ مکتوب مبارک ''رق'' یعنی چمڑے کی جھلّی کے ایک ٹکڑے پر لکھا گیا ہے۔ اسے ایک سبز کپڑے پر چسپاں کر کے شیشے کے فریم میں محفوظ کیا گیا ہے اور یہ بوسیدہ ہو چکا ہے۔ اس کا رنگ کہیں کہیں کالا اور زیادہ تر بھورا ہے۔ حاشیے سیاہ پڑ گئے ہیں۔ اس کی لمبائی 28 سینٹی میٹر اور چوڑائی ساڑھے 21 سینٹی میٹر ہے۔ اس کا اوپری حصہ نچلے حصے سے چھوٹا ہے۔ یہ مکتوب گرامی پندرہ سطروں پر مشتمل ہے جن کی لمبائی ڈیڑھ سینٹی میٹر سے ساڑھے اکیس سینٹی میٹر تک ہے۔ خط کے آخر میں ایک تین سینٹی میٹر قطر کی مہر ہے، یہ گول شکل کی ہے۔ اس کی تحریر پر پانی کے بہاؤ کے نشانات بھی ہیں جو اوپر سے نیچے کی طرف جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس وجہ سے چند حروف اور الفاظ مٹ چکے ہیں۔ جگہ جگہ روشنائی مدھم پڑ گئی ہے اور مہر کا مضمون تو بالکل غائب ہو چکا ہے، صرف ایک حرف ''ر'' موجود ہے جو انتہائی دائیں جانب مہر کے بیچ میں ہے۔ غالباً یہ ''ر'' کا حرف لفظِ ''رسول'' سے تعلق رکھتا ہے۔ مکتوب مبارک دیکھ کر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسریٰ نے اسے پھاڑنے کی جسارت کی تھی۔ مکتوب کی تیسری سطر سے لے کر نویں سطر تک شگاف پڑا ہوا ہے جو اسی مذموم جسارت کا نشان ہے۔ یہ نشان خط کے درمیان تک ہے اور انگریزی حرف ''L'' کی الٹی شکل بناتا ہوا نیچے تک چلا گیا ہے۔ چمڑا پھاڑنا آسان نہیں تھا، شاید اسی لیے اس نے تھوڑا سا حصہ پھاڑا اور زمین پر پھینک دیا تھا۔ اس چاک ہو جانے والے حصے کی باریک دھاگے سے سلائی کر دی گئی ہے۔[1] واللہ اعلم.



کسریٰ شاہ فارس کے نام مکتوب نبوی

[1] پیغمبر اسلام از ڈاکٹر حمید اللہ، ص: 372،371، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص: 234، عالمیۃ الإسلام، ص: 130،129.

مکتوب گرامی بنام مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ

حدیبیہ سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے فرمانروائے مصر و اسکندریہ مقوقس کے نام بھی دعوتی خط ارسال فرمایا تھا۔

شاہ مصر کا تعارف

مصر کے بادشاہوں کا لقب مقوقس تھا، اُسی طرح جس طرح ماضی میں مصر کے بادشاہ فرعون کہلاتے تھے۔ مقوقس کے معنی ہیں: عمارت کو بلند کرنے والا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو مقوقس تھا، اس کا نام جریج بن مینا (مَتّٰی) بن قرقوب قبطی تھا۔ یہ عیسائی تھا اور قیصر روم کا تابع تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام بنیامین تھا اور اسی کے عہد میں مسلمانوں نے مصر فتح کیا تھا۔ اس نے رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی۔[1]

معروف مصری محقق احمد عادل کمال کی تحقیق کے مطابق مُقَوقِس یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: بڑی شان والا، معزز اور لائق احترام۔ وہ مقوقس جسے نبی ﷺ کا خط ملا، اس کا نام جارج تھا۔ یہ ان دنوں ہرقل کی طرف سے مصر کا حکمران تھا۔ علاوہ ازیں وہ کلیسائے اسکندریہ کا اسقف اعظم بھی تھا۔ دوسرا مقوقس سیروس یا سائرس ہے جس کا ذکر عربی تواریخ ''قیرس'' یا ''فیرس'' کے نام سے کرتی ہیں۔ فتح مصر کے وقت مقوقس سائرس حکمران تھا۔[2]

1 الإصابة: 296,295/6، السيرة الحلبية: 295/3، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص: 164، عالمية الإسلام، ص: 131 (حاشية). 2 اٹلس فتوحات اسلامیہ (دارالسلام)، ص: 483,482.



اسکندریہ (مصر) میں قدیم قلعے کے آثار

مقوقس کے نام خط کا متن

مقوقس کے نام رسول اللہ ﷺ کے نامۂ مبارک کی عبارت یہ ہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الْمُقَوْقِسِ عَظِيمِ الْقِبْطِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى. أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَ أَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْقِبْطِ، ﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾" (آل عمران 3:64)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے قبطیوں کے حکمران مقوقس کی طرف۔ سلامتی اس کے لیے ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد! میں تمھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ، سلامتی میں رہو گے۔ اسلام قبول کرلو، اللہ تعالیٰ تمھیں دہرا اجر دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو قبطیوں کا گناہ بھی تمھارے ہی سر ہوگا۔ "اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور ہم میں سے بعض لوگ بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔"

اس خط کے آخر میں مہر بھی لگائی گئی۔ [1]

سفیر رسول حاطب رضی اللہ عنہ کا تعارف

رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کو خط روانہ کرنے کے لیے اپنے صحابہ کے درمیان یہ اعلان فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! أَيُّكُمْ يَنْطَلِقُ بِكِتَابِي هٰذَا إِلٰى صَاحِبِ مِصْرَ وَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ؟»

"اے لوگو! کون ہے جو میرا یہ خط شاہ مصر تک پہنچائے، اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سننا تھا کہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ لبیک کہتے ہوئے آگے آگئے اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! یہ خط میں پہنچاؤں گا۔" نبی ﷺ نے فرمایا:

[1] زاد المعاد: 3/691، عیون الأثر، ص: 427.



«بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ يَا حَاطِبُ!»

''اے حاطب! اللہ تعالیٰ تمھیں برکت دے۔''[1]

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ لخمی رضی اللہ عنہ یمن سے مکہ آکر آباد ہو گئے تھے۔ بڑے ذہین و فطین تھے، ماہر تیرانداز تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں عظیم شہسواروں اور بڑے شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ بلحاظِ پیشہ بہت بڑے تاجر تھے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد بھی تمام معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شامل جہاد رہے۔ جب خط لے کر گئے تھے، اس وقت ان کی عمر 42 سال تھی۔ 30ھ میں 65 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔[2]

خط نبوی کی ترسیل

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے نامہ مبارک لیا اور آپ کو اور صحابہ کو الوداع کر کے اپنے گھر آ گیا۔ پھر میں نے فوراً اپنی سواری تیار کی، گھر والوں کو اللہ حافظ کہا اور اپنی منزل کی طرف چل دیا۔[3]

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ مصر پہنچے۔ مقوقس کو وہاں نہ پا کر وہ اسکندریہ گئے۔ انھیں بتایا گیا کہ مقوقس ساحل سمندر کی اونچی جگہ پر ایک مجلس میں موجود ہے۔ حاطب رضی اللہ عنہ کشتی میں سوار ہو کر اس کے سامنے نمایاں ہوئے اور اشارے سے بتایا کہ میرے پاس بادشاہ کے لیے ایک خط ہے۔ جب بادشاہ نے یہ دیکھا تو حکم دیا کہ انھیں میرے پاس لایا جائے۔

حاطب رضی اللہ عنہ اور مقوقس کے درمیان گفتگو

جب حاطب رضی اللہ عنہ دربارِ مقوقس میں پہنچے تو اس نے نامہ مبارک وصول کیا، اسے کھول کر پڑھا، پھر ان میں یہ گفتگو ہوئی:

مقوقس: اب میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اور متمنی ہوں کہ تم میری باتیں سمجھو۔

حاطب رضی اللہ عنہ: جی ہاں! آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، ضرور کہیے۔

مقوقس: مجھے اپنے ساتھی کے بارے میں بتاؤ، کیا وہ نبی نہیں ہیں؟

[1] فتوح الشام للواقدي: 36/2. [2] الإصابة: 5,4/2، الطبقات لابن سعد: 115,114/3. [3] فتوح الشام للواقدي: 36/2.

حاطب رضی اللہ عنہ: کیوں نہیں، یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں۔

مقوقس: پھر جب ان کی قوم نے انھیں ان کے شہر سے نکالا تو انھوں نے ان کے خلاف بددعا کیوں نہیں کی؟

مقوقس نے اپنا سوال دہرایا، پھر خاموش ہوگیا۔

حاطب رضی اللہ عنہ: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول ہیں؟

مقوقس: کیوں نہیں۔

حاطب رضی اللہ عنہ: پھر جب ان کی قوم نے انھیں پکڑ لیا اور قتل کرنا چاہا تو انھوں نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لیے بددعا کیوں نہیں کی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اوپر اٹھالیا؟

مقوقس: بہت خوب! سمجھدار ہو اور نہایت سمجھدار آدمی کی طرف سے آئے ہو۔

حاطب رضی اللہ عنہ: تم سے پہلے ایک شخص (فرعون) تھا، وہ اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اگلے اور پچھلے سب لوگوں کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعے لوگوں سے انتقام لیا، پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا۔ لہٰذا تم دوسروں سے عبرت حاصل کرو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔

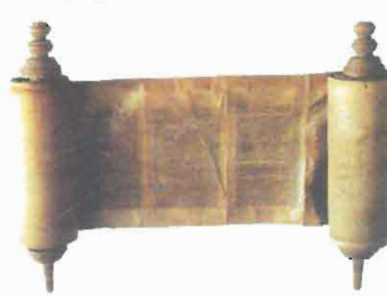
مقوقس: ہمارا ایک دین ہے، اسے ہم اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک ہمیں اس سے اچھا دین نہ مل جائے۔

حاطب رضی اللہ عنہ: ہم تمھیں دین اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں جس کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

اللہ کے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسی دینِ حنیف کی دعوت دی تو انھیں سب سے زیادہ تکلیف ان کے اپنے ہی قبیلے قریش کے لوگوں نے پہنچائی اور اُن سے دشمنی میں یہودی سب سے آگے تھے۔ لیکن عیسائی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر تھے۔ میری عمر کی قسم! جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خوشخبری دی تھی، اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی۔ ہم تمھیں قرآن کی طرف اسی طرح دعوت دیتے ہیں جس طرح تم اہل تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو۔ جو نبی جن لوگوں



انجیل کا 1400 سو سال پرانا نسخہ



تورات کا قدیم نسخہ

کو پاتا ہے، وہ اسی کی امت شمار ہوتے ہیں۔ ان پر لازم آتا ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کریں۔ تم نے نبی آخر الزماں ﷺ کا زمانہ پالیا ہے۔ ہم تمھیں دین مسیح علیہ السلام سے روکتے نہیں بلکہ ہم تو اسی کے حکم کی تعمیل کی دعوت دیتے ہیں۔

مقوقس: میں نے تمھارے نبی کے معاملے پر غور کیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے، نہ کسی مرغوب چیز سے روکتے ہیں۔ میں نے انھیں گمراہ جادوگر نہیں پایا، وہ جھوٹے کاہن بھی نہیں ہیں۔ مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ ان کے پاس نبوت کی نشانی ہے کہ وہ پوشیدہ اُمور ظاہر کرتے اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں۔ بہرحال اس معاملے پر میں مزید غور کروں گا۔

اس کے بعد مقوقس نے نامہ مبارک کو ایک ہاتھی دانت سے بنی ہوئی ڈبیہ میں رکھ دیا، اس پر اپنی مہر لگائی اور اپنی لونڈی کے حوالے کر دیا۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ پھر مقوقس نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت بلوایا۔ اس وقت اس کے پاس صرف ایک عربی ترجمان بیٹھا تھا۔ مقوقس نے کہا:

''میں تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، کیا تم مجھے ان کے بارے میں سچ سچ بتاؤ گے؟ میں جانتا ہوں کہ تمھیں تمھارے نبی نے اپنے دیگر صحابہ کے درمیان سے چن کر بھیجا ہے۔''

حاطب رضی اللہ عنہ: تم مجھ سے جو کچھ پوچھو گے، میں بالکل سچ سچ بتادوں گا۔

مقوقس: محمد ﷺ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

حاطب رضی اللہ عنہ: وہ اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور تمام معبودانِ باطل کو مسترد کر دیں۔ مزید برآں وہ ہمیں نماز کا حکم دیتے ہیں۔

مقوقس: تم لوگ کتنی نمازیں پڑھتے ہو؟

حاطب رضی اللہ عنہ: ہم دن رات میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ نبی ﷺ ہمیں رمضان کے روزے رکھنے، بیت اللہ کا حج کرنے اور وعدہ وفا کرنے کا بھی حکم دیتے ہیں۔ نیز آپ ﷺ ہمیں مردار کھانے اور خون پینے سے روکتے ہیں۔

مقوقس: ان کے پیروکار کون لوگ ہیں؟

حاطب رضی اللہ عنہ: کچھ نوجوان ہیں، ان میں سے کچھ ان کی قوم سے ہیں اور بعض غیر قوم سے ہیں۔

[1] زاد المعاد: 691/3، 692، الاکتفاء: 393/2، 394، السیرۃ الحلبیۃ: 296/3۔

مقوقس: کیا وہ اپنی قوم سے قتال بھی کرتے ہیں؟

حاطب رضی اللہ عنہ: جی ہاں۔

مقوقس: مجھے ان کی صفات بتاؤ۔

حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ صفات بیان کیں لیکن پوری خوبیاں بیان نہیں کرسکا۔

مقوقس نے کہا: تم نے ان کی ساری صفات بیان نہیں کیں۔ اُن کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی رہتی ہے جو شاذ ہی ختم ہوتی ہے۔ ان کے کندھوں کے مابین ختم نبوت ہے۔ وہ گدھے پر سواری کرتے ہیں، چادر اوڑھتے ہیں۔ زبردست حوصلے اور برداشت والے ہیں، کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو خاطر میں نہیں لاتے۔

حاطب رضی اللہ عنہ: جی ہاں! آپ نے بالکل صحیح کہا۔ یہ بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صفات ہیں۔

اس کے بعد مقوقس نے کہا: میں جانتا تھا کہ ابھی ایک نبی کو آنا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اُن کا ظہور شام میں ہوگا کیونکہ ان سے پہلے اکثر نبی اسی علاقے میں آئے تھے۔ اب میرا خیال ہے کہ وہ عرب کی قحط زدہ اور شوریلی زمین سے نمودار ہوگئے ہیں۔ ان کی اتباع کرنے کے معاملے میں قبطی میرا ساتھ نہیں دیں گے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ہماری اس گفتگو کی انھیں کانوں کان خبر ہو۔ وہ بہت سے ملکوں پر غالب آئیں گے اور ان کے ساتھی ان کے بعد ہماری اس مملکت کو بھی فتح کرلیں گے۔ میں قبطیوں کو اس گفتگو کا ایک حرف بھی نہیں بتاؤں گا۔ اب تم اپنے صاحب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس واپس چلے جاؤ۔[1]

مقوقس کی طرف سے خط کا جواب

اس گفتگو کے بعد مقوقس نے اپنے عربی کاتب کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درج ذیل جوابی خط تحریر کرایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، لِمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مِنَ الْمُقَوْقِسِ عَظِيمِ الْقِبْطِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَرَأْتُ كِتَابَكَ، وَفَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ فِيهِ وَمَا تَدْعُو إِلَيْهِ، وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّ نَبِيًّا قَدْ بَقِيَ، وَكُنْتُ أَظُنُّ أَنَّهُ يَخْرُجُ بِالشَّامِ، وَقَدْ أَكْرَمْتُ رَسُولَكَ، وَبَعَثْتُ إِلَيْكَ بِجَارِيَتَيْنِ، لَهُمَا مَكَانٌ فِي الْقِبْطِ عَظِيمٌ وَبِكِسْوَةٍ، وَأَهْدَيْتُ إِلَيْكَ بَغْلَةً لِتَرْكَبَهَا، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ.

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد بن عبداللہ کی طرف، قبطیوں کے فرمانروا مقوقس کی طرف سے۔ آپ پر سلامتی ہو۔ امابعد! میں نے آپ کا نامۂ مبارک پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر کیا اور جس چیز کی طرف

1 الاکتفاء: 395/2، المصباح المضي: 112,111/2.

دعوت دی، اسے سمجھا۔ میں جانتا تھا کہ ابھی ایک نبی کو آنا ہے اور میرا خیال تھا کہ وہ نبی شام میں پیدا ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت و توقیر کی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں دو لونڈیاں روانہ کر رہا ہوں۔ یہ عام لونڈیاں نہیں بلکہ قبطیوں میں ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔ کچھ ملبوسات بھی پیش خدمت ہیں۔ آپ کی سواری کے لیے ایک خچر بھی روانہ کر رہا ہوں۔ والسلام علیک۔"[1]

مقوقس کی طرف سے دیے گئے تحفے

مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو تحفے بھجوائے، ان میں سے کچھ تو وہ تھے جن کا تذکرہ مقوقس نے اپنے خط میں کیا۔ ان کے علاوہ بعض تحائف ایسے بھی تھے جن کے بارے میں اس نے خط میں کچھ نہیں لکھا۔

خط میں دو لونڈیوں کا تذکرہ ہے لیکن حافظ ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ مقوقس نے چار لونڈیاں بھیجی تھیں، ان میں سے ایک ماریہ تھیں جنھیں نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔ دوسری لونڈی کا نام سیرین تھا۔ وہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی گئی۔ اس کے بطن سے عبدالرحمن بن حسان پیدا ہوئے۔[2] تیسری لونڈی کا نام قیسریٰ تھا۔ یہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ سیرین بھی ماریہ ہی کی بہن تھیں، یعنی یہ تینوں بہنیں تھیں۔ چوتھی لونڈی کا نام بریرہ تھا۔ ان کی رنگت سیاہ تھی۔

سیرت حلبیہ میں ان تمام تحفوں کی مکمل تفصیل موجود ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ مقوقس نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی پسندیدہ چیزیں دریافت کی تھیں اور آپ کی پسند کے مطابق ہی تحائف ارسال کیے تھے۔ ان تحائف میں ایک بکس نما چیز بھی تھی جس میں آپ ﷺ اپنی سرمہ دانی، تیل کی شیشی، کنگھی، قینچی، مسواک اور شیشہ وغیرہ رکھتے تھے۔ مقوقس نے آپ کے لیے خاص ایک طبیب بھی بھیجا تھا جسے بعد میں آپ ﷺ نے واپس روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«اِرْجِعْ إِلٰى أَهْلِكَ، نَحْنُ قَوْمٌ لَا نَأْكُلُ حَتّٰى نَجُوعَ، وَإِذَا أَكَلْنَا لَا نَشْبَعُ»

"تم اپنے اہل وطن کے پاس واپس چلے جاؤ۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ جب تک ہمیں شدید بھوک نہ لگے، ہم کھانا نہیں کھاتے اور جب ہم کھاتے ہیں تو سیر ہو کر نہیں کھاتے (اس لیے ہم تندرست رہتے ہیں اور بہت کم بیمار پڑتے ہیں)۔"

مقوقس نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار مثقال سونا، مصر کی بیس قبطی چادریں، دو سادہ موزے، دُلدل نامی

1 الاکتفاء: 394/2، زاد المعاد: 692/3. 2 البدایۃ والنہایۃ: 272/4

سفید خچر، یعفور (عُفَیر) نامی گدھا اور لزاز نامی ایک گھوڑا، مابور نامی غلام، کچھ مصری شہد، عمامے، خوشبو، عود، کستوری، اگربتی اور شیشے کا پیالہ ارسال کیا۔ مقوقس نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو بھی سو دینار اور پانچ چادریں تحفے کے طور پر پیش کیں۔[1]

حاطب رضی اللہ عنہ مدینہ میں

مقوقس مسلمان نہیں ہوا، تاہم اس نے اپنا مذکورہ خط اور تحائف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت محبت اور احترام کے ساتھ بھجوائے۔ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مقوقس مجھ سے بڑی عزت و احترام سے پیش آیا۔ مجھے اس کے دروازے پر زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ میں وہاں صرف پانچ دن رہا۔ پھر میں مدینہ واپس آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کا خط اور تحفے قبول کر لیے اور فرمایا:

«ضَنَّ الْخَبِيثُ بِمُلْكِهِ وَلَا بَقَاءَ لِمُلْكِهِ»

”خبیث اپنی حکمرانی پر ریجھ گیا ہے، حالانکہ اس کی حکومت باقی نہیں رہے گی۔“[2]

یاد رہے کہ مقوقس نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے، جبکہ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کی تھیں۔ ہم وہ سب سیرت انسائیکلو پیڈیا: 2/552-554 میں ذکر کر آئے ہیں۔

مقوقس کے نام مکتوب نبوی کی دریافت



مقوقس کے نام لکھا گیا مکتوب گرامی

یہ مکتوبِ مبارک مصر میں دریافت ہوا۔ اس کی شکل مستطیل ہے۔ یہ کُل 12 سطروں پر مشتمل ہے۔ اس میں بشمول مہر نبوی 67 کلمات مبارک ہیں۔ یہ کالی روشنائی سے ایک صاف چمڑے پر مدنی رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ خط کی ترتیب اور کتابت بہت عمدہ ہے۔ خط کی سطریں سیدھی ہیں، سطروں کے درمیان فاصلہ تقریباً برابر ہے۔ یہ خط اور ہرقل کے نام لکھا گیا خط آپس میں بہت مشابہ ہیں۔[3]

1 زاد المعاد: 122/1، السيرة الحلبية: 3/297-299، البداية والنهاية: 4/272. 2 الطبقات لابن سعد: 1/260،261.
3 عالمية الإسلام، ص: 136، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم، ص: 324-329.

حاکم دمشق حارث بن ابی شمر غسانی کو نامۂ مبارک

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی پر دمشق کے حاکم حارث بن ابی شمر غسانی کے نام بھی خط ارسال فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ حارث قیصر روم کی طرف سے شام (دمشق) کے سرحدی علاقوں کا حاکم تھا۔ اس کی رہائش ''غوطہ دمشق'' یعنی دمشق کے بہت سرسبز و شاداب علاقے میں تھی۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا اور فتح مکہ کے سال فوت ہوگیا۔[1] البدایہ والنہایہ میں حارث کے بجائے منذر بن حارث درج ہے۔[2] لیکن ابن ہشام نے حارث ہی لکھا ہے۔[3] واللہ اعلم بالصواب.

سفیر نبوی سیدنا شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کا تعارف

حارث بن ابی شمر کے نام نامہ مبارک لے کر جانے والے صحابی سیدنا شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی کنیت ابووہب تھی۔ ان کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے ہے۔ یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ انھوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، پھر یہ مکہ واپس آئے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوہ بدر اور دوسرے تمام معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ معرکۂ یمامہ میں شہید ہوگئے۔



دمشق میں قلعے کے آثار

یاد رہے کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شجاع رضی اللہ عنہ کو جبلہ بن ایہم کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ ان دونوں طرح کی روایتوں کے درمیان یہی توجیہ کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں حارث اور جبلہ دونوں حکام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔[4] واللہ اعلم

1 الأعلام للزركلي : 155/2. 2 البداية والنهاية : 267/4. 3 السيرة لابن هشام : 254/4. 4 الإصابة : 256/3، أسد الغابة : 414/2.

نامۂ مبارک کا مضمون

حارث بن ابی شمر غسانی کی طرف لکھے گئے نامہ مبارک کی عبارت درج ذیل ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْحَارِثِ بْنِ أَبِي شَمِرٍ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَآمَنَ بِهِ وَصَدَّقَ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلٰى أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، يَبْقٰى لَكَ مُلْكُكَ»

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے۔ میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، تمھارے لیے تمھاری حکومت باقی رہے گی۔"

محمد رسول اللہ

سیدنا شجاع رضی اللہ عنہ اور حارث کی باہمی بات چیت

سیدنا شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں مدینہ سے نبی ﷺ کا نامہ مبارک لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوگیا۔ ان دنوں حارث غوطہ دمشق میں قیام پذیر تھا۔ میں وہاں پہنچا تو اس کے دربان نے بتایا کہ حارث ان دنوں قیصر کی آمد کے سلسلے میں اس کے استقبال کی تیاریوں میں بہت مصروف ہے۔ قیصر روم بطور شکرانہ اپنی نذر پوری کرنے کے لیے حمص سے ایلیاء (بیت المقدس) پیدل چلا آرہا تھا کیونکہ اسے ایرانیوں پر فتح حاصل ہوئی تھی۔

سیدنا شجاع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حارث کے محل کے دروازے پر دو یا تین دن منتظر رہا۔ میں نے اس کے دربان سے کہا: میں اللہ کے رسول کا قاصد ہوں اور حارث کی طرف آیا ہوں۔ اس نے کہا: فی الحال آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوسکتی۔ وہ فلاں فلاں دن باہر نکلے گا تو پھر ملا جا سکتا ہے۔ دربان رومی نژاد تھا، اس کا نام مُرّیٰ



تھا۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں؟ ان کی دعوت کیا ہے؟ چنانچہ میں اس سے اسی موضوع پر بات چیت کرتا رہا۔ میری باتیں سن کر بسااوقات اس پر رقت طاری ہو جاتی، اس کا دل نرم پڑ جاتا، وہ رونے لگتا اور کہتا: میں نے انجیل پڑھی ہے اور اس میں بالکل اس نبی کی یہی صفات پائی ہیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام میں مبعوث ہوں گے لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قَرَظ (کیکر کے مشابہ درخت) کی زمین (عرب) میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ حارث مجھے قتل کر دے گا۔

شجاع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ میری بہت عزت کرتا اور میری خوب ضیافت کرتا تھا۔ حارث کے متعلق وہ مجھے ناامیدی کی خبر سناتا تھا اور کہتا کہ حارث قیصر سے خوفزدہ ہے۔ ایک دن حارث آ گیا۔ اس نے اپنے سر پر تاج حکمرانی رکھا اور مجھے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ میں نے اسے نامہ مبارک دیا، اس نے اسے پڑھا اور پھینک دیا، پھر کہنے لگا: مجھ سے میرا ملک کون چھینے گا؟! وہ جو بھی ہے، میں اس پر لشکر کشی کروں گا۔ چاہے اب وہ یمن میں بھی ہو، میں وہاں بھی جا دھمکوں گا۔ لوگوں کو میرے پاس بلاؤ۔ رات گئے تک اس کے پاس لوگ آتے رہے، پھر اس نے گھوڑے کو نعل لگانے کا حکم دیا، پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: تم جو کچھ دیکھ رہے ہو، یہ سب کچھ اپنے صاحب کو بتا دینا۔



حارث بن ابی شمر غسانی کو لکھا گیا نامہ مبارک

اس کے بعد اس نے قیصر کو میرے بارے میں اطلاع دی۔ یہ خبر قیصر کو ایلیاء میں موصول ہوئی۔ اس وقت تک سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ بھی قیصر کے پاس رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر پہنچ چکے تھے۔ جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا تو اس نے فوراً حارث کو لکھ بھیجا کہ تم محمد (ﷺ) پر لشکر کشی نہ کرو، اسے چھوڑ دو۔ تم ایلیاء آؤ اور مجھ سے ملو۔

سیدنا شجاع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ خط آیا تو میں وہیں تھا۔ حارث نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ تم کب واپس جاؤ گے؟ میں نے کہا: میں کل واپس جا رہا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا اور رومی باشندے نے بھی چپکے سے میرے لیے کچھ نان نفقہ اور کپڑے وغیرہ بھیجے اور کہا: ''رسول اللہ ﷺ کو میری طرف سے سلام کہنا اور انھیں بتانا کہ میں آپ ﷺ کے دین کا پیروکار ہوں۔''

شجاع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں وہاں سے مدینہ روانہ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا حال

گوش گزار کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَادَ مُلْكُهُ»

''اس کا ملک تباہ ہو جائے گا اور اس کی بادشاہت جاتی رہے گی۔''

میں نے آپ ﷺ کو رومی باشندے مُرّی کا سلام بھی پیش کیا اور اس نے جو پیغام دیا تھا، وہ بھی آپ ﷺ کے گوش گزار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «صدق» ''اس نے سچ کہا ہے۔''[1]

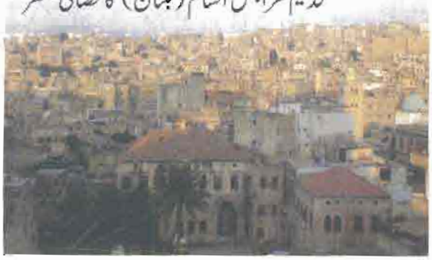
بعض اہل سیرت کا کہنا ہے کہ حارث مسلمان ہو گیا تھا لیکن قیصر کی طرف سے قتل کیے جانے کے خوف سے اُس نے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا۔[2]

[1] الاکتفاء: 2/406، 407، الطبقات لابن سعد: 1/261۔ [2] السیرۃ الحلبیۃ: 3/305

جبلہ بن ایہم غسانی کے نام نبی ﷺ کا مکتوبِ مبارک

رسول اللہ ﷺ نے نواب غسان جبلہ بن ایہم کو قبولِ اسلام کی دعوت کا خط لکھا۔ جبلہ اس دور کے مشہور نوابوں میں سے تھا۔ وہ بہت لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا قد 12 بالشت کے برابر تھا۔ وہ سواری پر سوار ہو جاتا تھا، تب بھی اس کے پاؤں زمین پر لگے رہتے تھے۔ یہ شخص ہرقل کو پسند آ گیا۔ اس نے اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی اور اس کے لیے طرابلس اور لاذقیہ کے درمیان ایک شہر آباد کیا، اس کا نام بھی جبلہ رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کی قبر موجود ہے۔[1]

قدیم طرابلس الشام (لبنان) کا فضائی منظر



جبلہ آخری غسانی بادشاہ تھا۔ اس کی ریاست رومیوں کی باجگزار تھی۔ اس کے انداز سے مسلمان ہونے کا اظہار ہوا مگر اس کو مکر جانے کی عادت تھی، اسی عادت کے زیرِ اثر وہ مکر گیا۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گی۔

قدیم لاذقیہ (شام) کے آثار



جبلہ کی طرف بھی شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ ہی کو بھیجا گیا تھا جیسا کہ پچھلے خط کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ خط کی اصل عبارت تو نہیں مل سکی، البتہ سفیر اور جبلہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی، وہ بعض مصادر میں موجود ہے۔

شجاع رضی اللہ عنہ جبلہ کے دربار میں



جبلہ (شام)

سیدنا شجاع رضی اللہ عنہ جبلہ کے دربار میں پہنچے تو انھوں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے جبلہ! تیری قوم نے اس نبی (محمد) ﷺ کو ان کے گھر

1 السيرة الحلبية 307/3.

سے نکال کر انصار کے گھر پہنچا دیا ہے۔ انصاریوں نے انھیں اپنے ہاں جگہ دی ہے، ان کی حفاظت اور مدد کی ہے۔ یہ دین جس پر تم ہو، یہ تمھارا آبائی دین نہیں ہے۔ تم ملک شام کے بادشاہ بن گئے ہو۔ شام رومیوں کے ماتحت ہے، رومی عیسائی ہیں، اسی لیے تم بھی عیسائی بنے ہوئے ہو۔ اگر تمھاری حکومت ایرانیوں کے ماتحت ہوتی تو تمھارا مذہب اور دین بھی وہی ہوتا جو ایرانیوں کا ہے۔ تمھارے ہم مذہبوں میں سے ایسا شخص اس امی نبی کا اقرار کر چکا ہے جسے ہم تم پر فضیلت دیں تو تم غصے نہیں ہوگے اور اگر ہم تمھیں ان پر فضیلت دیں تو تم خوش نہیں ہوگے۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو اہل شام بھی تمھارے مطیع ہونگے اور رومی بھی تم سے خوف زدہ ہو جائیں گے۔ اگر ایسا نہ بھی ہوا تو انھیں صرف یہ دنیا ملے گی جب کہ تم آخرت کما لو گے۔ تم گرجا گھروں کو مساجد ناقوس کو اذان، عید شعانین کو جمعہ اور صلیب کو قبلے کے ساتھ بدل لو گے۔ یقیناً ہر وہ چیز جو اللہ تعالی کے پاس ہے، وہ سب سے بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

جبلہ نے یہ ساری باتیں سن کر کہا:

''اللہ کی قسم! میں تو چاہتا ہوں کہ یہ سارے لوگ اس نبی پر اس طرح جمع ہو جائیں جس طرح وہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے پر اکٹھے ہوئے ہیں۔ میری قوم اگر اس نبی پر اتفاق کر لیتی ہے تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس (محمد ﷺ) نے بت پرستوں اور یہودیوں کو قتل کیا اور عیسائیوں کو کچھ نہ کہا۔ اس کا یہ عمل مجھے بہت پسند آیا ہے۔ جنگ موتہ کے موقع پر قیصر نے مجھے تمھارے نبی کے صحابہ سے لڑنے کے لیے کہا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا، پھر بھی میں اس نبی کو برحق دیکھ رہا ہوں نہ کہ بر بنائے باطل، اس لیے میں ابھی اس معاملے پر غور کروں گا۔''[1]

بعض روایات میں ہے کہ جبلہ مسلمان ہوگیا تھا اور اس نے نبی ﷺ کے نامہ مبارک کا جواب بھی دیا تھا جس

[1] الاکتفاء: 408/2، الروض الأنف: 392/4، السیرۃ الحلبیۃ: 306/3.


وہ علاقہ جہاں جنگ موتہ کا واقعہ پیش آیا

میں اس نے اپنے اسلام کا اقرار و اظہار کیا تھا اور کچھ تحائف بھی بھیجے تھے۔ وہ اپنے اسلام پر ثابت قدم رہا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس نے حج بھی کیا۔

اس کے برعکس دیگر روایات میں ہے کہ جبلہ نے ہرقل کی حمایت میں جنگ یرموک (636ء) میں حصہ لیا۔ جب شکست خوردہ قیصر قسطنطنیہ واپس چلا گیا تو جبلہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کر لی اور اسلام لے آیا، پھر مرتد ہو گیا۔[1] اس واقعے کی تفصیل درج ذیل ہے:

جبلہ بن ایہم کا ارتداد

جبلہ بن ایہم غسانی مسلمان ہوا تو اس نے اپنے اسلام کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا اور مدینہ آنے کی اجازت چاہی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے اسے مدینہ آنے کی اجازت دے دی، چنانچہ وہ اپنے خاندان کے 250 افراد کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گیا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ گھوڑوں کو سیم وزر کے ہار پہنا دیے اور ریشم و دیباج کی کاٹھیاں کس دیں۔ جبلہ نے اپنے سر پر تاج پہن لیا، اس کی یہ شان و شوکت دیکھنے کے لیے مدینہ کا ہر بچہ، بوڑھا اور جوان باہر نکل آیا۔ جب یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے عزت و توقیر سے نوازا اور اس کے لیے مخصوص نشست کا بندوبست کیا۔ چنانچہ جتنا عرصہ اللہ کو منظور تھا، وہ مدینہ میں عزت کے ساتھ رہا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے روانہ ہوئے تو جبلہ بھی ساتھ چل پڑا۔ بیت اللہ کے طواف کے دوران بنوفزارہ کے ایک شخص کا پاؤں جبلہ کی چادر پر جا پڑا۔ اس وجہ سے چادر اتر گئی۔ جبلہ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے فزاری کو اتنے زور سے طمانچہ مارا کہ اس کی ناک زخمی ہو گئی اور سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبلہ نے فزاری

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 14-535/2.



بنوفزارہ کا علاقہ

کی آنکھ پھوڑ دی۔ فزاری نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے طلب فرمایا اور پوچھا:

''تم نے اس کی ناک کیوں توڑی (یا یہ فرمایا:) تم نے اس کی آنکھ کیوں پھوڑی؟''

اس نے کہا: ''امیرالمؤمنین! اس شخص نے میرا تہبند اتار دیا تھا۔ اگر مجھے بیت اللہ کی حرمت کا لحاظ نہ ہوتا تو میں تلوار سے اس کی گردن مار دیتا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سُن کر فرمایا: ''اب تم نے خود اقرار جرم کرلیا ہے۔ اب دو ہی باتیں ہیں، یا تو اسے راضی کرلو ورنہ قصاص دینے کے لیے تیار ہو جاؤ!''

جبلہ: ''کیا مطلب؟ قصاص میں کیا ہوگا؟''

عمر رضی اللہ عنہ: جیسا برتاؤ تم نے اس کے ساتھ کیا، اب ویسا ہی سلوک تمھارے ساتھ کیا جائے گا۔

جبلہ: کیا؟ اس شخص کے لیے آپ میرے ساتھ برابری کا معاملہ کریں گے؟ حالانکہ میں بادشاہ ہوں اور یہ ایک عام معمولی آدمی ہے؟

عمر رضی اللہ عنہ: اسلام میں تم دونوں برابر ہو۔ تمھیں اس پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوسکتی سوائے اس کے کہ تم تقویٰ کے ذریعے فضیلت حاصل کرلو۔

جبلہ: اگر اس دین کی رُو سے میں اور یہ شخص برابر سرابر ہیں تو میں عیسائیت اختیار کرلوں گا۔ جناب امیرالمؤمنین! میں تو سمجھتا تھا کہ اسلام قبول کرنے سے میری عزت میں اضافہ ہوگا (لیکن اب تو معاملہ الٹ ہو رہا ہے)۔

عمر رضی اللہ عنہ: اگر تو عیسائی ہوا تو ہم تیری گردن اڑا دیں گے (کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر کوئی شخص اس دینِ حق سے منحرف ہوتا ہے تو اس کی لازمی سزا قتل ہے)۔

جبلہ: بہت اچھا! آپ مجھے آج رات کی مہلت دیں۔ میں اس بارے میں غور کرنا چاہتا ہوں۔

عمر رضی اللہ عنہ: یہ بات تم اپنے ملزم سے پوچھو، اگر وہ مہلت دیتا ہے تو ٹھیک ہے۔

فزاری نے کہا: امیر المومنین! میں اسے ایک رات کی مہلت دیتا ہوں۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے خیمے تک جانے کی اجازت دے دی۔ اس مہلت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر جبلہ راتوں رات اپنے ساتھیوں کو لے کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ وہاں اس نے عیسائیت اختیار کرلی اور اسی حالت میں مرگیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بعد میں اسے اپنے مرتد ہونے پر نہایت شرمندگی ہوئی۔ اس نے دوبارہ اسلام قبول کرلیا اور اُسے اسلام ہی کی حالت میں موت آئی۔ [1] واللہ اعلم.

[1] السيرة الحلبية :307,306/3.

ہوذہ بن علی رئیس یمامہ کے نام مکتوب مبارک

رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد جن چھ حکمرانوں کے نام خطوط لکھے، ان میں سے ایک ہوذہ بن علی حنفی ہے۔ اس کا نسب یہ ہے: ہوذہ بن علی بن ثمامہ بن عمرو الحنفی۔ اس کا تعلق بنوحنیفہ سے تھا اور مذہباً عیسائی تھا۔ وہ اپنی قوم کا شاعر اور بہت بڑا خطیب تھا۔ اہم امور کے سلسلے میں کسریٰ سے براہ راست ملاقات کرتا تھا۔ کسریٰ بھی اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ ہوذہ کو صاحبِ تاج بھی کہا جاتا تھا۔ ابن اثیر نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہوذہ کسریٰ کے پاس آیا تو اسے دیکھ کر کسریٰ بہت خوش ہوا اور اس نے موتیوں کا ایک ہار اس کے سر پر منڈھ دیا، اس وجہ سے اسے ''ذوالتاج'' یعنی صاحبِ تاج کہا جانے لگا۔

رسول اللہ ﷺ کے مکتوب مبارک کی وصولیابی کے تھوڑے عرصہ بعد یہ شخص فوت ہوگیا۔[1]

سفیر نبوی سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے ہوذہ کے نام خط مرحمت فرما کر سیدنا سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ ان کا سلسلۂ نسب یوں ہے: سلیط بن عمرو بن عبدشمس عامری۔ انھوں نے شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا، حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات میں نبی ﷺ کے ساتھ رہے۔ یہ اکثر یمامہ جاتے رہتے تھے، اسی لیے یہ

1 الأعلام للزركلي: 102/8.





خط پہنچانے کے لیے آپ ﷺ نے ان کا انتخاب فرمایا۔ سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ 14ھ میں مرتدین کے خلاف جہاد کرتے ہوئے یمامہ ہی میں شہید ہو گئے تھے۔[1]

نامہ مبارک کا متن

رسول اللہ ﷺ نے ہوذہ بن علی حنفی صاحب یمامہ کو مختصر سا نامہ مبارک لکھا، اس کا متن درج ذیل ہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى هَوْذَةَ بْنِ عَلِيٍّ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَاعْلَمْ أَنَّ دِينِي سَيَظْهَرُ إِلٰى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَافِرِ، فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَجْعَلْ لَكَ مَاتَحْتَ يَدَيْكَ»

''بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام۔ سلامتی اسی کے لیے ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ جان لو کہ میرا دین وہاں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک اونٹ اور گھوڑے پہنچ سکتے ہیں۔ مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمھارا مال ومتاع اور ریاست سب کچھ تمھیں عطا کر دوں گا۔''

سلیط رضی اللہ عنہ ہوذہ کے دربار میں

سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ یمامہ پہنچے تو ہوذہ نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا۔ پھر ہوذہ کو نامۂ مبارک پڑھ کر سنایا گیا۔ بعدازاں ان دونوں کے مابین یہ بات چیت ہوئی:

سلیط رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے ہوذہ! تجھے ان ہڈیوں نے سردار بنایا ہے جو فنا ہونے والی ہیں اور جن کی روحیں جہنمی ہیں (مراد کسریٰ ہے کیونکہ کسریٰ ہی نے ہوذہ کو یمامہ کا گورنر مقرر کیا تھا)۔ اصل سردار وہ ہوتا ہے جسے ایمان کی دولت حاصل ہو اور وہ صاحبِ تقویٰ ہو۔ اب ایک قوم تیری رائے اپنا کر اچھی زندگی گزار رہی ہے تو ان کی بدبختی کا باعث نہ بن۔ ہر وہ بھلائی جس کا حکم دیا جانا چاہیے، میں تجھے اس کا حکم دیتا ہوں اور ہر وہ برائی جس سے روکا جانا چاہیے، میں تجھے اس سے منع کرتا ہوں۔ میں تجھے اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے روکتا ہوں۔

[1] أسد الغابة: 366,365، عالمية الإسلام، ص: 142.

اللہ کی عبادت سے جنت ملے گی جبکہ شیطان کے پیچھے چلنے سے جہنم کے شعلے ملیں گے۔ اب اگر تو میری بات قبول کر لے تو تیری تمنائیں پوری ہوں گی اور تیرے خدشات بھی ختم ہو جائیں گے اور اگر تو نے انکار کر دیا تو ہمارے اور تیرے درمیان کھلی جنگ ہوگی۔''

ہوذہ نے کہا: ''اے سلیط! مجھے اس شخص نے سردار بنایا ہے جو تجھے بھی سردار بناتا تو تُو بھی اسے اپنے لیے باعث اعزاز سمجھتا۔ ایک وقت تھا جب میں صاحب الرائے تھا، وہ صفت مجھ سے جاتی رہی۔ اب میرے دل میں اس کی جگہ میری خواہش نے لے لی ہے۔ تم مجھے کچھ وقت دو تا کہ میرا فکر وفہم واپس آ جائے۔ پھر میں ان شاء اللہ مناسب جواب دوں گا۔''

ہوذہ کا جواب

اس کے بعد ہوذہ نے نبی ﷺ کو درج ذیل جوابی خط لکھا:

مَا أَحْسَنَ مَا تَدْعُو إِلَيْهِ وَأَجْمَلَهُ، وَأَنَا شَاعِرُ قَوْمِي وَخَطِيبُهُمْ، وَالْعَرَبُ تَهَابُ مَكَانِي، فَاجْعَلْ لِي بَعْضَ الْأَمْرِ أَتْبَعْكَ.

''آپ کی دعوت بہت عمدہ اور نہایت دلکش ہے۔ میں اپنی قوم کا مشہور شاعر اور خطیب ہوں۔ عرب کے لوگ میری شعلہ بیانی سے ڈرتے ہیں۔ اگر آپ مجھے حکومت میں کچھ اختیار تفویض کریں تو میں آپ کی پیروی کے لیے تیار ہوں۔''

سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ ہوذہ کا یہ خط اور اس کی طرف سے دیے ہوئے کچھ تحفے، جن میں علاقہ ہجر کے کپڑے بھی تھے، لے کر مدینۃ النبی کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے یہ ساری چیزیں نبی ﷺ کے سپرد کیں۔ نبی ﷺ نے خط پڑھ کر فرمایا:

"لَوْ سَأَلَنِي سَيَابَةً مِّنَ الْأَرْضِ مَا فَعَلْتُ، بَادَ وَبَادَ مَا فِي يَدَيْهِ"

''اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگے تو اسے نہیں دوں گا۔ وہ اور جو کچھ اس کے پاس ہے، سب کچھ ہلاک ہو جائے گا۔''

چنانچہ جب نبی ﷺ مکہ فتح کر کے واپس آ رہے تھے تو جبریل علیہ السلام ہوذہ کی ہلاکت کی خبر لے آئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

"أَمَا إِنَّ الْيَمَامَةَ سَيَخْرُجُ بِهَا كَذَّابٌ يَتَنَبَّأُ، يُقْتَلُ بَعْدِي"

''خبردار! یمامہ میں ایک کذاب ہوگا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ وہ میرے فوت ہونے کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔''

کسی نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! اسے کون قتل کرے گا؟''

نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ»

''تو اور تیرے ساتھی اسے واصل جہنم کریں گے۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کے خلاف لشکر بھیجا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

ہوذہ اور دمشق کا عظیم پادری

جب رسول اللہ ﷺ کا خط ہوذہ کے پاس پہنچا، اس وقت اس کے پاس دمشق کا بڑا پادری ارکون بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ہوذہ سے خط کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: مجھے اس نبی کی طرف سے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے لیکن میں نے یہ دعوت قبول نہیں کی۔ پادری نے پوچھا: وہ کیوں؟ اس نے کہا: میں اپنے دین کے بارے میں بخیل ہوگیا ہوں۔ دوسرا یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں نے اس نبی کی اتباع کر لی تو میری حکومت جاتی رہے گی۔

پادری نے کہا: ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے اس نبی (ﷺ) کی پیروی کر لی تو یہ تمھارے اور تمھاری قوم کے حق میں بہت اچھا ہوگا۔ بے شک وہ عربی نبی ہیں، ان کی بشارت جناب عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے دی تھی۔ ان کا نام ''محمد رسول اللہ'' انجیل میں لکھا ہوا ہے۔ ہوذہ نے کہا: یہ بات میں نے بھی انجیل میں پڑھی ہے۔ ارکون (پادری) نے کہا: پھر تم اس کی اتباع کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا: محض حسد اور شراب نوشی کی وجہ سے (کیونکہ اگر میں مسلمان ہوگیا تو پھر شراب چھوڑنی پڑے گی)۔ پادری نے پوچھا: ہرقل نے محمد (ﷺ) کے خط کا کیا جواب دیا ہے؟ ہوذہ نے کہا: وہ اپنے ہی دین پر قائم ہے، تاہم قاصد کے سامنے اس نے اسلام کا اظہار کیا ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کے لوگوں کو (اسلام قبول کرنے کے حوالے سے) جانچا تو انھوں نے سختی سے انکار کر ڈالا، چنانچہ وہ اپنی بادشاہت پر ریجھ گیا۔ ہوذہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ میں ان (محمد ﷺ) کی پیروی کرلوں اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤں کیونکہ میں تو سرزمین عرب ہی میں ہوں۔ پھر (اسلام قبول کرنے پر) وہ میری حکومت کو برقرار رکھیں گے۔ پادری نے کہا: جی ہاں! وہ ایسا ہی کرے گا، لہٰذا تم اس کی پیروی اختیار کرلو۔

چنانچہ ہوذہ نے قاصد کو بلایا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک خط لکھا اور کچھ عطیات بھی دیے۔ یہ دیکھ کر ہوذہ کی قوم اس کے پاس آئی اور کہا: تم اپنا دین چھوڑ کر محمد کی پیروی اختیار کر رہے ہو؟ اب تم ہم پر حکومت نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر ہوذہ ڈر گیا۔ اس نے خط پھینک دیا اور حالتِ کفر ہی میں مر گیا۔[1] واللہ اعلم

1 الاکتفاء: 2/402-405، الطبقات لابن سعد: 1/262، السیرۃ الحلبیۃ: 3/303، 304.

مکتوب گرامی بنام شاہِ بحرین منذر بن ساویٰ عبدی تمیمی

رسول اللہ ﷺ نے یہ خط کس وقت تحریر کرایا، اس بارے میں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مکتوب مقدس فتح مکہ کے بعد جعرانہ سے واپسی سے پہلے بھجوایا تھا۔

دوسرا قول فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔[1] لیکن ابن سید الناس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منذر کو حدیبیہ سے واپسی کے بعد خط لکھا تھا۔[2]

امام زیلعی نے واقدی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منذر کو رجب 9 ھ میں تبوک سے واپسی پر خط بھیجا تھا۔ یہ خط سیدنا علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔[3]

منذر کے ساتھ مسلمانوں کے سفارتی تعلقات خاصے پرانے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی جوانی کے دور میں اس علاقے میں تشریف لائے تھے اور یہاں کے احوال وظروف سے خاصی واقفیت رکھتے تھے۔[4] آپ ﷺ نے اسے متعدد خطوط لکھے تھے۔

منذر بن ساویٰ کا تعارف

شاہِ ایران نے منذر بن ساویٰ کو بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس کا تعلق بنوتمیم سے تھا۔ یہ مجوسی تھا، دور جاہلیت میں

1 زاد المعاد: 123/1۔ 2 عیون الأثر، ص: 428۔ 3 نصب الرایۃ: 420،419/4۔ 4 مسند أحمد: 206/4۔




بحرین میں قلعے کے آثار

علاقہ ہجر کے بازار کے تاجروں سے منافع کا دسواں حصہ وصول کرتا تھا۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مسلمان ہوگئے اور بعد میں بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد بھی بدستور بحرین کے حاکم رہے۔[1]

سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے احوال

منذر کے نام مکتوب مقدس سیدنا علاء بن عبداللہ بن عماد حضرمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ ان کے والد کا تعلق حضرموت سے تھا، اس لیے انھیں حضرمی کہا جاتا تھا۔ ان کے والد نے مکہ میں سکونت اختیار کرلی، پھر وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے والد حرب بن امیہ کے حلیف بن گئے۔ علاء رضی اللہ عنہ مکہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے دعوت اسلام کے آغاز ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ ان کا شمار کاتبین وحی میں ہوتا ہے۔ ان کی دعا قبول ہوتی تھی، اس لیے انھیں ''مجاب الدعوات'' بھی کہا جاتا تھا۔ وہ بڑے فصیح اللسان، قوی البیان اور دانا آدمی تھے۔ ساتویں ہجری میں بحرین چلے گئے اور طویل مدت تک وہیں رہے۔ علاء رضی اللہ عنہ منذر بن ساویٰ کے مقربین میں سے تھے اور امور سلطنت چلانے میں ان کے معاون تھے۔ منذر کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں بحرین کا والی بنادیا۔ بعدازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں اسی منصب پر برقرار رکھا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس انھیں بحرین کا عامل بنایا تھا اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں برقرار رکھا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بصرہ کا والی مقرر کیا تو وہ اپنے عہدے کا چارج لینے کے

1 أسد الغابة: 194/4، معجم البلدان: 348,347/1.



لیے بصرہ روانہ ہو گئے لیکن ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ ارض تمیم کی ایک بستی میں وفات پا گئے۔ یہی علاقہ آج کل کویت کہلاتا ہے۔ یہ 21ھ کی بات ہے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ 14ھ کا زمانہ تھا۔[1] واللہ اعلم

خط کا متن

سیدنا علاء رضی اللہ عنہ منذر بن ساوی کے پاس جو خط لے کر گئے، اس کی عبارت درج ذیل ہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰى، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، أَسْلِمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَكَ مَا تَحْتَ يَدَيْكَ، وَاعْلَمْ أَنَّ دِينِي سَيَظْهَرُ إِلٰى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَافِرِ"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے، منذر بن ساوی کے نام۔ سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پیروکار بنے، امابعد! میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمھاری حکومت برقرار رکھے گا۔ اور جان لو کہ میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اونٹ اور گھوڑے پہنچ سکتے ہیں۔"

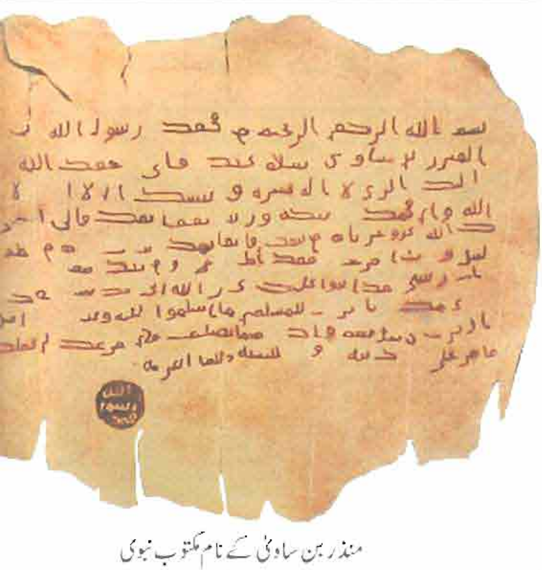
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط کے آخر میں مہر بھی لگائی۔[2]



بصرہ کا فضائی منظر



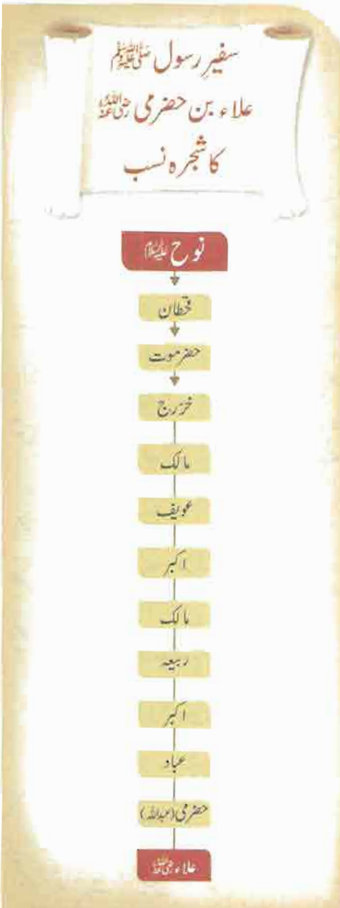
کویت کا فضائی منظر



منذر بن ساوی کے نام مکتوب نبوی

[1] الإصابة: 445/5. [2] نصب الراية: 420/4.

سفیرِ نبوی اور منذر کے مذاکرات



سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ خط لے کر منذر کی طرف روانہ ہوئے۔ اُس وقت ان کے ساتھ کچھ اور صحابہ بھی تھے جن میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں الوداع کرتے ہوئے وصیت فرمائی:

«اسْتَوْصِ بِهِمْ خَيْرًا»

''میں تمھیں تمھارے ان ساتھیوں کے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔''

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

«إِنْ أَجَابَكَ إِلٰى مَا دَعَوْتَهُ إِلَيْهِ، فَأَقِمْ حَتّٰى يَأْتِيَكَ أَمْرِي، وَخُذِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَاءِهِمْ فَرُدَّهَا فِي فُقَرَائِهِمْ»

''اگر وہ تمھاری دعوت قبول کر لے تو تم میرے اگلے حکم تک وہیں رہنا۔ وہاں کے امیروں سے زکاۃ وصول کرنا اور انھی کے غریب لوگوں میں تقسیم کر دینا۔''[1]

سیدنا علاء رضی اللہ عنہ **منذر** کے پاس پہنچے، نامۂ گرامی اس کے سپرد کیا اور فرمایا: ''اے منذر! آپ اس دنیا کے معاملات اچھی طرح سمجھتے ہیں، آپ کو آخرت کے احوال بھی سمجھنے چاہئیں۔ جان لیجیے کہ مجوسیت بدترین مذہب ہے۔ اس مذہب کی تعلیمات کے مطابق اس میں نہ عرب کی عزت و ناموس کا لحاظ ہے، نہ اہل کتاب کے لوگوں کا علم۔ اس مذہب میں بہنوں اور بیٹیوں سے بھی شادی کر لی جاتی ہے جو نہایت شرمناک فعل ہے۔ اس دین کے پیروکار آگ کی عبادت کرتے ہیں، قیامت کے دن یہی آگ انھیں جلائے گی۔ آپ عقل و شعور والے ہیں۔ آپ ہی بتائیے کہ کیا اس شخص کی دعوت مسترد کر دی جائے جس نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا؟ کیا اس عظیم انسان پر یقین نہ کیا جائے جس نے کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا؟ کیا اسے امانت دار قرار نہ دیا جائے جس نے کبھی خیانت نہیں کی؟ اگر ایسا نہیں ہونا چاہیے تو ہمارے نبی امی کی یہی صفات ہیں۔ اللہ کی قسم! جس بات کا وہ حکم دیتے ہیں، اس کے بارے

1 الطبقات لابن سعد: 263/1، نصب الرایۃ: 420/4.

میں کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام نہ کیا جائے اور جن کاموں سے وہ منع کرتے ہیں، انھیں کوئی جائز نہیں کہہ سکتا۔ کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ ﷺ کو سزا دینے میں نرمی کرنی چاہیے اور معافی دینے میں اور زیادہ کشادہ اور وسیع الظرف ہونا چاہیے۔ ہمارے نبی ﷺ کا ہر عمل اور ہر حکم تمام دانش مندوں کی سوچ کے مطابق ہے۔‘‘

منذر نے کہا: ’’مجھے تمھارے دین میں جو چیز سب سے زیادہ پسند آئی ہے، وہ یہ ہے کہ تمھارا دین دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا ضامن اور خازن ہے، جبکہ میرا دین صرف دنیا کی کامیابی کے گر بتاتا ہے، لہٰذا مجھے کیا پڑی ہے کہ میں وہ دین قبول نہ کروں جس میں دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اخروی راحت کا سامان بھی موجود ہے۔ میری حالت یہ تھی کہ کل تک جو شخص اسلام قبول کر رہا تھا، مجھے اس پر تعجب ہوتا تھا لیکن آج صورت حال بالکل مختلف ہے۔ اب جو شخص اسلام قبول نہیں کرتا، مجھے اس پر حیرانی ہوتی ہے۔ جو پیغام آپ لائے ہیں، اس کی تعظیم یہی ہے کہ اس کے بھیجنے والے کی تعظیم و تکریم کی جائے۔ میں مزید غور کروں گا۔‘‘ [1]

بعدازاں منذر نے کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور سیدنا علاء رضی اللہ عنہ کی بہت خاطر مدارات کی۔ منذر صرف اپنے اسلام تک محدود نہیں رہے بلکہ انھوں نے تمام اہل بحرین کو اسلام کی دعوت دی جس کے نتیجے میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے جبکہ بعض اپنے دین پر قائم رہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں منذر کا عریضہ

منذر نے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک خط لکھا اور آپ ﷺ کو اپنے اور اہل بحرین کے اسلام قبول کرنے کی خبر دی۔ یہ جوابی خط سیدنا علاء رضی اللہ عنہ لے کر آئے۔ خط کا متن درج ذیل ہے:

أَمَّا بَعْدُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! فَإِنِّي قَرَأْتُ كِتَابَكَ عَلٰى أَهْلِ الْبَحْرَيْنِ، فَمِنْهُمْ مَّنْ أَحَبَّ الْإِسْلَامَ وَأَعْجَبَهُ وَدَخَلَ فِيهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ كَرِهَهُ، وَبِأَرْضِي مَجُوسٌ وَيَهُودٌ، فَأَحْدِثْ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ أَمْرَكَ.

’’امابعد: اے اللہ کے رسول! میں نے بحرین کے لوگوں کو آپ کا مکتوب گرامی پڑھ کر سنایا۔ اہل بحرین میں سے کچھ لوگوں نے اسلام کو پسند کیا اور مسلمان ہو گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اسے پسند نہیں کیا۔ میری رعایا میں مجوس اور یہودی بھی شامل ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟‘‘ [2]

سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ یہ خط لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کارگزاری گوش گزار کی۔

[1] الروض الأنف: 391,390/4. [2] الطبقات لابن سعد: 263/1، السيرة الحلبية: 301/3.

رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے منذر کے نام ایک اور نامۂ مبارک تحریر کرایا۔ اس میں آپ ﷺ نے بعض احکام کی وضاحت فرمائی۔ یہ مکتوب گرامی بھی سیدنا علاء رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔

منذر بن ساویٰ کے نام دوسرا نامۂ مبارک

رسول اللہ ﷺ نے منذر کے نام جو دوسرا خط ارسال فرمایا، اس کی عبارت درج ذیل ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰى، سَلَامٌ عَلَيْكَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أُذَكِّرُكَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَنْصَحْ فَإِنَّمَا يَنْصَحُ لِنَفْسِهِ، وَ إِنَّهُ مَنْ يُطِعْ رُسُلِي وَيَتَّبِعْ أَمْرَهُمْ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ نَصَحَ لَهُمْ فَقَدْ نَصَحَ لِي، وَإِنَّ رُسُلِي قَدْ أَثْنَوْا عَلَيْكَ خَيْرًا، وَإِنِّي قَدْ شَفَّعْتُكَ فِي قَوْمِكَ، فَاتْرُكْ لِلْمُسْلِمِينَ مَا أَسْلَمُوا عَلَيْهِ، وَعَفَوْتُ عَنْ أَهْلِ الذُّنُوبِ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَإِنَّكَ مَهْمَا تُصْلِحْ فَلَنْ نَعْزِلَكَ عَنْ عَمَلِكَ، وَمَنْ أَقَامَ عَلٰى يَهُودِيَّةٍ أَوْمَجُوسِيَّةٍ فَعَلَيْهِ الْجِزْيَةُ»

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے، منذر بن ساویٰ کے نام۔ تم پر سلامتی ہو، میں تمھارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اما بعد! میں تمھیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ جو شخص میری نصیحت پر عمل کرے گا، وہ اپنا ہی بھلا کرے گا اور جس نے میرے سفیروں کی بات مان لی اور ان کے حکم کے تابع ہوگیا، اس نے گویا میری ہی اطاعت کی۔ جو شخص میرے سفیروں کا خیرخواہ ہوگا، وہ میرا ہی خیراندیش باور کیا جائے گا۔ میں نے اپنے قاصدوں کی زبانی تمھارے اچھے اوصاف سنے۔ میں تمھیں اپنی رعایا سے حسن سلوک کا معاملہ کرنے کی سفارش کرتا ہوں۔ مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں، انھیں اسی پر چھوڑ دو۔ میں نے خطا کاروں کو معاف کر دیا ہے، لہٰذا ان سے (ان کا عذر) قبول کرلو۔ جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کیے رکھو گے، ہم تمھیں تمھارے عمل (منصب) سے معزول نہیں کریں گے اور جو یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہے، اس پر جزیہ ہے۔''[1]

[1] الاکتفاء: 2/397,396.

علامہ ابوعبید قاسم بن سلام نے اپنی سند سے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منذر بن ساوی کو ایک خط لکھا تھا، اس کا متن درج ذیل ہے:

«سَلَامٌ أَنْتَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، أَمَّا بَعْدَ ذَالِكَ: فَإِنَّ مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا، فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ الرَّسُولِ، فَمَنْ أَحَبَّ ذَالِكَ مِنَ الْمَجُوسِ فَإِنَّهُ آمِنٌ وَّمَنْ أَبٰى، فَإِنَّ الْجِزْيَةَ عَلَيْهِ»

''تم پر سلام ہو۔ میں تمھارے سامنے اُس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ امابعد: جو شخص ہماری طرح نماز ادا کرے، ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھائے، وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ و عہد ہے۔ مجوسیوں میں سے جو یہ باتیں بخوشی مان لے، اسے امن حاصل ہوگا اور جو انکار کرے، اس پر جزیہ لاگو ہوگا۔''[1]

منذر کا مال کی وصیت کے بارے میں سوال

منذر بن ساوی بڑی عمدگی کے ساتھ اسلام پر عمل پیرا رہے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے، اس وقت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عمان میں تھے۔ وفات کی خبر سن کر وہ واپس مدینہ روانہ ہوئے۔ جب وہ بحرین سے گزرے تو منذر بن ساوی کے پاس گئے۔ وہ اس وقت بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے۔ منذر نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے مرنے والے کو اپنے مال میں سے کتنے مال کی وصیت کرنے کی اجازت دی ہے؟ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایک تہائی (1/3) کی اجازت دی ہے۔ منذر نے کہا: اب آپ کا کیا مشورہ ہے کہ میں اپنے ایک تہائی مال کے بارے میں کیا وصیت کروں؟ انھوں نے کہا: یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے، چاہیں تو قریبی رشتے داروں میں تقسیم کر دیں اور چاہیں تو اسے مخصوص لوگوں کے لیے وقف کر جائیں، یہ مال آپ کے مرنے کے بعد صدقہ جاریہ کے طور پر انھی لوگوں کے لیے حلال ہوگا جن کے لیے آپ خاص کر جائیں گے۔ منذر کہنے لگے: میں اپنے مال کو اس طرح حرام کر کے نہیں جانا چاہتا جس طرح جاہلیت میں لوگ ''بحیرہ'' ''سائبہ'' ''وصیلہ'' اور ''حام'' چھوڑ کر جاتے تھے بلکہ میں ایسا صدقہ کر جاؤں گا کہ جن کو میں مال دوں گا، وہ اس کے استعمال میں بااختیار ہوں گے۔[2]

منذر کی ان باتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد اسلامی تعلیمات پر کتنی پابندی سے عمل کرتے تھے۔ وہ 11 ھ میں فوت ہوئے۔

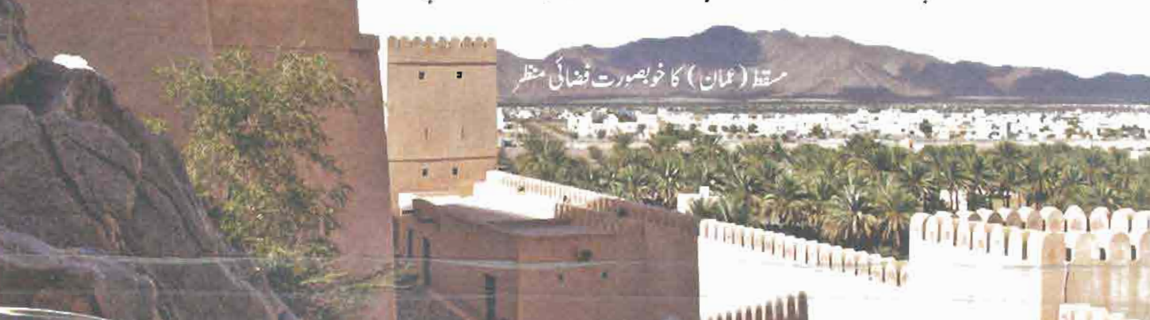
[1] كتاب الأموال للقاسم بن سلام، ص: 20. [2] تاريخ الطبري: 521،520/2.

شاہانِ عُمان کے نام نبی ﷺ کا مکتوب گرامی

رسول اللہ ﷺ نے ذوالقعدہ 8 ھ میں شاہانِ عُمان جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام ایک نامۂ مبارک لکھا۔ ان کے والد کا نام جلندیٰ تھا۔ وہ ازدی اور یمنی نژاد تھے۔ عُمان اور اس کے گردونواح کے حاکم تھے۔ مذہباً عیسائی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان کے نام خط دے کر روانہ کیا۔ خط پڑھنے کے بعد انھوں نے عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا لیکن نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے، البتہ انھوں نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر تسلیم کیا اور صدقے کی وصولی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی بلکہ مخالفت کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعارف

سیدنا عمرو بن عاص سہمی رضی اللہ عنہ قریش کی شاخ بنوسہم سے تعلق رکھتے تھے۔ کنیت ابوعبداللہ تھی۔ عرب کے بڑے سیاسی لیڈروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ مکہ میں پیدا ہوئے۔ زمانۂ جاہلیت میں مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمنوں کی صف میں شامل تھے۔ انھی کو قریش نے نجاشی کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ نجاشی سے گفتگو کر کے مہاجرین کو حبشہ سے نکلوا دیں اور واپس لے آئیں۔ وہ بری اور بحری راستوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ بہت بڑے تاجر تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ دوسرے جلیل القدر صحابہ کے ساتھ مل کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ وہ نبی ﷺ پر نازل ہونے والی وحی اور آپ ﷺ کے خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عُمان جانے کے لیے انھیں منتخب کیا کیونکہ وہ اس علاقے کو اچھی طرح جانتے تھے اور معاملات احسن انداز سے نبھا سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں عمان پر عامل بھی مقرر کیا تھا۔ وہ آپ ﷺ



مسقط (عمان) کا خوبصورت فضائی منظر

کی وفات تک وہیں مقیم رہے۔ انھوں نے 43ھ میں وفات پائی۔ [1]

نامۂ مبارک کی عبارت

رسول اللہ ﷺ نے شاہانِ عمان جیفر اور عبد کے نام جو مراسلہ ارسال فرمایا، اس کی عبارت درج ذیل ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، إِلٰى جَيْفَرٍ وَ عَبْدٍ ابْنَيِ الْجُلَنْدٰى، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكُمَا بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمَا تَسْلَمَا، فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، لِأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، فَإِنَّكُمَا إِنْ أَقْرَرْتُمَا بِالْإِسْلَامِ وَلَّيْتُكُمَا، وَإِنْ أَبَيْتُمَا أَنْ تُقِرَّا بِالْإِسْلَامِ، فَإِنَّ مُلْكَكُمَا زَائِلٌ عَنْكُمَا، وَخَيْلِي تَحُلُّ بِسَاحَتِكُمَا، وَتَظْهَرُ نُبُوَّتِي عَلٰى مُلْكِكُمَا»


بسم الله الرحمن الرحيم
من محمد رسول الله

شاہانِ عمان کے نام مکتوبِ نبوی

''بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد بن عبداللہ کی طرف سے، جلندیٰ کے دونوں بیٹوں جیفر اور عبد کے نام۔ سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پیروکار بنے۔ امابعد! میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم اسلام قبول کرلو، سلامت رہوگے۔ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تاکہ زندوں کو ڈراؤں اور کافروں پر حق بات واضح ہو جائے۔ اگر تم دونوں نے اسلام قبول کر لیا تو میں تم دونوں کو تمھارے منصب حاکمیت پر بحال رکھوں گا۔ اگر تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو تمھاری حکومت جاتی رہے گی، میرے لشکر تمھیں تمھاری سرزمین پر روند ڈالیں گے اور تمھاری بادشاہت پر میری نبوت غالب آجائے گی۔''

اس خط کو تحریر کرنے کی سعادت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنی مہر بھی لگائی۔ [2]

[1] أسد الغابة: 3/384,385، عالمية الإسلام، ص: 153-155. [2] الاكتفاء: 2/398، زاد المعاد: 3/693

سفیر اور جلندیٰ کے صاحبزادوں کے مابین گفتگو

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ سے روانہ ہوا اور عمان پہنچا۔ پہلے عبد کے پاس گیا، وہ بہت نرم خو اور حلیم الطبع آدمی تھا۔ میں نے اس سے کہا: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمھارے اور تمھارے بھائی کی طرف بحیثیت قاصد آیا ہوں۔''

عبد: میرا بھائی بلحاظِ عمر اور حکومت مجھ سے مقدم ہے۔ میں آپ کو اپنے بھائی کے پاس لے جاتا ہوں، وہی وہ مکتوب پڑھے گا جو آپ لائے ہیں۔

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعدازاں اس نے مجھ سے پوچھا: ''آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''میں تمھیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور یہ کہ اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جارہی ہے، اسے چھوڑ دو اور اس بات کی گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

عبد: اے عمرو! آپ اپنی قوم کے سردار کے فرزند ہیں، یہ بتائیے کہ آپ کے باپ (عاص بن وائل) نے اس بارے میں کیا کہا ہے کیونکہ اس بارے میں وہی ہمارے لیے نمونہ ہوں گے۔

عمرو رضی اللہ عنہ: ''وہ اس حالت میں فوت ہوئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں لائے تھے لیکن کاش! وہ ایمان قبول کر لیتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر جاتے۔ پہلے میری رائے بھی انھی جیسی تھی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اب مجھے اسلام کی دولت سے نواز دیا ہے۔''

عبد: ''آپ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کب اختیار کی؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے۔''

عبد: ''جب آپ نے اسلام قبول کیا، اُس وقت آپ کہاں تھے؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''میں اس وقت شاہ حبشہ نجاشی کے پاس تھا۔ نجاشی بھی مسلمان ہو چکا ہے۔''

عبد: ''اچھا پھر اس کی قوم نے اس کی بادشاہت کے بارے میں کیا اقدام کیا؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''انھوں نے بدستور اس کی بادشاہت بحال رکھی ہے اور اس کی پیروی بھی کی ہے۔''

عبد: ''کیا وہاں کے پادریوں اور راہبوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''ہاں، انھوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔''

عبد: ''اے عمرو! غور کرو، تم کیا کہہ رہے ہو، جھوٹ سے بڑھ کر رسوا کرنے والی خصلت اور کوئی نہیں ہوتی۔''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''میں نے جھوٹ نہیں کہا، نہ ہم اپنے دین میں جھوٹ کو حلال سمجھتے ہیں۔''

عبد: ''میرا نہیں خیال کہ ہرقل کو نجاشی کے اسلام کی خبر ہوگی۔''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''ایسی کوئی بات نہیں، ہرقل کو نجاشی کے اسلام کی اطلاع مل چکی ہے۔''

عبد: ''عمرو! یہ بات آپ کیسے جانتے ہیں؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''نجاشی ہرقل کو خراج دیا کرتا تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا اور اس نے محمد ﷺ کی تصدیق کی تو اس نے صاف اعلان کر دیا: ''اللہ کی قسم! اب ہرقل مجھ سے ایک درہم بھی مانگے گا تو ہرگز نہیں دوں گا۔'' ہرقل کو اس بات کا پتا چلا تو اس کے بھائی نیاق نے کہا: کیا تم اپنے غلام کو یونہی چھوڑ دو گے کہ وہ تمھیں خراج نہ دے اور کوئی نیا دین اختیار کر لے؟ ہرقل نے کہا: اس نے اپنے لیے ایک دین پسند کیا اور اسے اختیار کر لیا۔ اب میں اسے کیا کہہ سکتا ہوں؟ اللہ کی قسم! اگر مجھے اپنی سلطنت کے چھن جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں بھی وہی عمل کرتا جو اس نے کیا ہے۔''

عبد: ''عمرو! پھر غور کر لیجیے، آپ کتنی بڑی بات کر رہے ہیں؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''اللہ کی قسم! میں نے جو کچھ کہا ہے، وہ بالکل سچ ہے۔''

عبد: ''اچھا اب یہ بتائیے کہ محمد کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کس بات سے روکتے ہیں؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''محمد ﷺ اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے منع فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نیکی اور صلہ رحمی کی تاکید فرماتے ہیں اور ظلم و زیادتی، زنا، شراب نوشی، بُت پرستی اور صلیب کی پوجا سے منع کرتے ہیں۔''

عبد: ''یہ کتنا اچھا دین ہے جس کی طرف وہ بلاتے ہیں۔ اگر نبی ﷺ کی اتباع پر میرا بھائی مجھ سے اتفاق کر لے تو ہم ان کے پاس جائیں، ان پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کریں، لیکن میرا بھائی اپنی حکمرانی پر ریجھ گیا ہے۔

جیفر و عبد کے قلعے کے آثار (عمان)



وہ حکومت نہیں چھوڑے گا۔''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''اگر وہ اسلام قبول کر لے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اس کی قوم پر بدستور بحیثیت حاکم برقرار رکھیں گے، البتہ وہاں کے مال داروں سے صدقہ وصول کریں گے اور انھی کے غریبوں میں تقسیم کر دیں گے۔''

عبد: ''ارے واہ! یہ تو بڑا اچھا اخلاق ہے لیکن یہ صدقہ کیا ہوتا ہے؟''

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے مختلف اموال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے صدقات کی تفصیل بتائی اور جب مویشیوں کی باری آئی تو اس نے کہا: ''اے عمرو! کیا ہمارے اُن مویشیوں میں سے بھی صدقہ لیا جائے گا جو خود ہی چر لیتے ہیں اور چشموں سے پانی پی لیتے ہیں؟''......سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''جی ہاں!'' یہ جواب سن کر اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! میری قوم اپنے ملک کی وسعت اور تعداد کی کثرت کے باوجود یہ بات نہیں مانے گی۔''

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں چند دن جیفر کے دروازے ہی پر منتظر رہا۔ اس کے بھائی عبد نے اس تک میری باتیں پہنچا دی تھیں۔ ایک دن اس نے مجھے بلا لیا۔ میں اندر داخل ہوا تو اس کے محافظوں نے مجھے میرے بازوؤں سے پکڑ لیا۔ اس نے کہا: اسے چھوڑ دو، پھر جب میں دربار میں بیٹھنے لگا تو انھوں نے مجھے بیٹھنے نہیں دیا۔ میں نے بادشاہ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا: ''تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو، کہو!''

میں نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے مہر توڑی۔ خط پڑھا، جب پورا خط پڑھ چکا تو اسے اپنے بھائی کے حوالے کر دیا۔ اس نے بھی خط پڑھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ نرم خو ہے۔ پھر ہمارے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

جیفر: ''بتاؤ کہ قریش نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا ہے؟''

میں نے کہا: ''قریشیوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں رغبت رکھتے ہوئے یا تلوار کے ڈر سے ان کی پیروی اختیار کر لی ہے۔''

جیفر: ''ان کے ساتھ کون لوگ ہیں؟''

میں نے کہا: ''بہت سے لوگ ہیں۔ انھوں نے اسلام میں رغبت ظاہر کی ہے، دوسرے ادیان چھوڑ دیے ہیں اور اسلام قبول کر لیا ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت کے تحت اپنی عقل سے یہ جان لیا ہے کہ اس سے

پہلے وہ واقعی گمراہی میں مبتلا تھے۔ میں نہیں جانتا کہ اس خطۂ ارض میں تمھارے سوا کوئی اور ایسا شخص باقی ہے جس نے ابھی اسلام قبول نہ کیا ہو۔ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا اور سیدنا محمد ﷺ کی پیروی اختیار نہ کی تو ان کے لشکر تمھیں روند ڈالیں گے اور تمھاری ہریالی کا صفایا کر دیں گے۔ اس لیے خیر اسی میں ہے کہ تم اسلام قبول کرلو۔ اس صورت میں رسول اللہ ﷺ تمھیں ہی تمھاری قوم کا حکمران بنا دیں گے، پھر تمھاری طرف نہ شہسوار آئیں گے، نہ پیادے لشکر۔ تم بالکل امن اور سلامتی کے ساتھ رہو گے۔''

جیفر: ''مجھے غوروفکر کے لیے ایک دن کی مہلت چاہیے۔ آپ کل آجائیں۔''



عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں اس کے بھائی کے پاس آگیا۔ اس نے کہا: اے عمرو! مجھے امید ہے کہ بادشاہت کی حرص غالب نہ آئی تو وہ اسلام قبول کرلے گا۔ دوسرے دن میں پھر بادشاہ کے پاس گیا لیکن اس نے باریابی کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔ میں اس کے بھائی کے پاس واپس آگیا اور بتلایا کہ بادشاہ تک میری رسائی نہیں ہوسکی۔ یہ سُن کر عبد نے مجھے اس تک پہنچا دیا۔ جیفر نے کہا: میں نے تمھاری دعوت پر غور کیا ہے۔ اگر میں بادشاہت ایک ایسے آدمی کے حوالے کردوں جس کے لشکر ابھی یہاں پہنچے ہی نہیں تو میں عرب میں سب سے کمزور سمجھا جاؤں گا۔ اور اگر اس کے شہسوار یہاں آگئے تو ایسا مقابلہ ہوگا کہ اس جیسا مقابلہ اس نے کبھی کسی سے کیا ہی نہیں ہوگا۔ میں نے کہا: اچھا تو میں کل واپس جا رہا ہوں۔ جب اسے میری واپسی کا یقین ہوگیا تو اس نے اپنے بھائی سے علیحدگی میں بات کی اور کہا: یہ پیغمبر جن پر غالب آچکا ہے، ان کے مقابلے میں تو ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اس نے جس کے پاس بھی پیغام بھیجا ہے، اس نے دعوتِ اسلام قبول کرلی ہے، چنانچہ دوسرے دن مجھے صبح سویرے ہی بلا لیا گیا۔ پھر بادشاہ اور اس کے بھائی دونوں نے اسلام قبول کرلیا۔ دونوں نے نبی ﷺ کی تصدیق بھی کی اور صدقہ وصول کرنے اور لوگوں کے مابین فیصلے کرنے کا مجھے پورا اختیار دے دیا۔ جس نے میری مخالفت کی، اس کے خلاف انھوں نے میری بھرپور مدد کی۔ [1]

[1] نصب الرایۃ: 4/424,423، السیرۃ الحلبیۃ: 3/301-303، الاکتفاء: 2/398-401.

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں انھی کے ہاں مقیم رہا یہاں تک کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر آ گئی۔[1]

الروض الانف میں ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جلندیٰ (کے بیٹے) کے پاس پہنچے اور فرمانے لگے:

''اے ابنِ جلندیٰ! ہر چند تم ہم سے دور ہو لیکن اللہ سے دور نہیں۔ جس تن تنہا ذات نے تمھیں پیدا کیا ہے، وہ اس بات کی مستحق ہے کہ صرف اسی اکلوتی قادر مطلق ہستی کی عبادت کی جائے اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کیا جائے کہ اس نے بھی تمھیں پیدا کرنے میں کسی کو ساتھ نہیں لیا۔ جان لو! جس نے تمھیں زندگی دی ہے، وہی تمھیں موت دے گا اور وہی تمھیں دوبارہ پیدا کر دے گا جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا ہے، لہٰذا تم اس اُمی نبی کے بارے میں غور کرو جو دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی لے کر آئے ہیں۔ اگر ان کا مقصد کوئی دنیاوی لالچ ہے یا ان کی کوئی ذاتی تمنا ہے تو بے شک ان پر ایمان نہ لاؤ۔ اُن کے پیغام پر پھر غور کرو، کیا یہ اس طرح کا پیغام اور کلام ہے جو عوام الناس لائے ہیں؟ اگر تمھیں یہ محسوس ہو کہ یہ پیغام عام لوگوں کی خبروں کی طرح ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان لوگوں سے پوچھو اور تحقیق کرو جنھوں نے آپ کو دیکھا ہے، اور اگر تمھیں مشابہت نہ لگے تو پھر جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اسے قبول کرلو اور اُن کی وعیدوں سے ڈرو!''

ان کی گفتگو سن کر جلندیٰ (کے بیٹے) نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! مجھے امی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ جس خیر کے کام کا حکم دیتے ہیں، سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے ہیں اور جس برائی سے روکتے ہیں، سب سے پہلے خود اس سے پرہیز اور گریز کرتے ہیں۔ یہ بھی پتا چلا ہے کہ جب وہ غالب اور فتح یاب ہوتے ہیں تو اتراتے نہیں اور جب مغلوب ہوں تو واویلا نہیں کرتے۔ وہ عہد و پیمان کی خوب پاسداری کرتے اور پردہ پوشی فرماتے ہیں حتی کہ صاحب راز کو بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں۔''[2]

1 الطبقات لابن سعد: 263/1. 2 الروض الأنف: 392,391/4، الاكتفاء: 401,400/2.

مکتوب گرامی بنام ملوکِ حمیر بنوعبد کلال حارث، مسروح اور نعیم

رسول اللہ ﷺ نے بنوحمیر کے حارث، مسروح اور نُعیم بن عبد کُلال کو بھی خط لکھا۔ یہ خط سیدنا عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے دارارقم منتقل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ اس کے بعد یہ مکہ لوٹ آئے تھے اور انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کا اعزاز بھی حاصل کیا تھا۔ جنگ یرموک میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔[1]

مکتوب گرامی کا متن

رسول اللہ ﷺ نے ملوک حمیر کو جو خط بھیجا، اس کی عبارت یہ ہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، إِلَى الْحَارِثِ وَمَسْرُوحٍ وَ نُعَيْمٍ بَنِي عَبْدِ كُلَالٍ مِنْ حِمْيَرَ، سِلْمٌ أَنْتُمْ مَا آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَأَنَّ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، بَعَثَ مُوسٰى بِآيَاتِهِ، وَخَلَقَ عِيسٰى بِكَلِمَاتِهِ، قَالَتِ الْيَهُودُ: عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ، وَقَالَتِ النَّصَارٰى: اللّٰهُ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ، عِيسٰى ابْنُ اللّٰهِ"



وادی یرموک

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حارث، مسروح اور نعیم بنوعبد کلال حمیری کے نام۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس بات کی گواہی دو کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ تم سلامت رہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے کر بھیجا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلمے کے ذریعے پیدا فرمایا لیکن یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا: اللہ تین میں سے تیسرا ہے اور عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں

[1] أسد الغابة: 3/434.

(نعوذ باللّٰہ من ھٰذا القول)۔"

عیاش رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ کو رخصت کیا تو انھیں بڑے خوبصورت انداز میں یہ نصیحت فرمائی:

"إِذَا جِئْتَ أَرْضَهُمْ فَلَا تَدْخُلْ لَيْلًا حَتَّى تُصْبِحَ، ثُمَّ تَطَهَّرْ فَأَحْسِنْ طُهُورَكَ، وَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ، وَسَلِ اللّٰهَ النَّجَاحَ وَالْقَبُولَ، وَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ، وَخُذْ كِتَابِي بِيَمِينِكَ، وَادْفَعْهُ بِيَمِينِكَ فِي أَيْمَانِهِمْ، فَإِنَّهُمْ قَابِلُونَ وَاقْرَأْ عَلَيْهِمْ: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ﴾ فَإِذَا فَرَغْتَ مِنْهَا فَقُلْ: آمَنَ مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ، فَلَنْ تَأْتِيَكَ حُجَّةٌ إِلَّا دَحَضَتْ، وَلَا كِتَابٌ زُخْرِفَ إِلَّا ذَهَبَ نُورُهُ، وَهُمْ قَارِئُونَ عَلَيْكَ، فَإِذَا رَطَنُوا فَقُلْ تَرْجِمُوا، وَقُلْ: حَسْبِيَ اللّٰهُ. ﴿آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾، فَإِذَا أَسْلَمُوا فَسَلْهُمْ قُضُبَهُمُ الثَّلَاثَةَ الَّتِي إِذَا حَضَرُوا بِهَا سَجَدُوا، وَهِيَ مِنَ الْأَثْلِ قَضِيبٌ مُلَمَّعٌ بِبَيَاضٍ وَصُفْرَةٍ، وَقَضِيبٌ ذُو عُجَرٍ كَأَنَّهُ خَيْزُرَانٌ، وَالْأَسْوَدُ الْبَهِيمُ كَأَنَّهُ مِنْ سَاسَمٍ، ثُمَّ أَخْرِجْهَا فَحَرِّقْهَا بِسُوقِهِمْ"

"جب تم وہاں پہنچو تو رات کے وقت ان کے پاس نہ جانا، صبح کا انتظار کرنا، پھر اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرنا۔ اللہ تعالیٰ سے کامیابی اور قبولیت کی دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا۔ یہ میرا خط دائیں ہاتھ سے لے لو، دائیں ہاتھ ہی سے ان کے دائیں ہاتھ میں دے دینا، وہ قبول کر لیں گے۔ پھر ان کے سامنے ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ......﴾ " پڑھنا۔ تلاوت کے بعد کہنا: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ پر) ایمان لا چکے ہیں۔ میں بھی سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہوں۔" تمھارے خلاف ہر دلیل باطل ہو جائے گی اور ہر مزین خط بے رونق ہو جائے گا۔ وہ لوگ تمھارے سامنے خط پڑھیں گے۔ جب وہ اپنی زبان اور لہجے میں پڑھ چکیں تو ان سے کہنا کہ اب تم لوگ اس کا ترجمہ کرو اور اس وقت تم کہنا: "مجھے اللہ ہی کافی ہے۔ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے مابین انصاف کروں۔ اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ ہمارے اور تمھارے مابین کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہمیں جمع کرے گا اور سب کو اسی کی طرف

لوٹ کر جانا ہے۔'' جب وہ مسلمان ہو جائیں تو ان سے ان کے تینوں قضیب (چوبی بُت)، جن کے پاس آ کر وہ انھیں سجدہ کرتے ہیں، لے کر انھی کے بازار میں جلا ڈالنا۔ ان میں سے ایک قضیب پر سفیدی اور زردی سے ملمع کیا گیا ہے، دوسرا بانس کی طرح گانٹھ دار اور تیسرا سیاہ ہے، گویا وہ آبنوس کا ہے۔''

عیاش رضی اللہ عنہ شاہان حمیر کے دربار میں



سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب مبارک لے کر مدینہ سے روانہ ہو گیا اور ٹھیک اسی طرح عمل کیا جس طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا۔ جب میں ملوکِ حمیر کے دربار میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں نے خوب زیب و زینت کا اہتمام کیا ہے اور اپنے آپ کو بہت آراستہ کر رکھا ہے۔ میں چلتا رہا تاکہ انھیں قریب سے دیکھوں۔ وہاں تین محل تھے۔ ان کے دروازوں پر بڑے بڑے پردے لٹک رہے تھے۔ میں نے بیچ کے دروازے کا پردہ اٹھایا اور اندر داخل ہو گیا۔ لوگ صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی ہوں۔ یہ کہنے کے بعد میں نے سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کیا اور ان لوگوں کو مکتوب گرامی دے دیا۔ اسے پڑھ کر ان لوگوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حمیر کے بادشاہوں کا خط موصول ہوا جس میں انھوں نے قبولِ اسلام کا اعلان کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دین سکھانے کے لیے ان کی طرف اپنے کچھ صحابہ کو روانہ فرمایا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا اور انھیں اہل حمیر کے بارے میں چند وصیتیں فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک خط بھی دیا جس میں اوامر و نواہی اور بعض دوسرے مسائل درج تھے۔ اس مکتوب گرامی میں آپ نے انھیں اپنے بھیجے ہوئے صحابہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ اس نامۂ مبارک کی برکت سے وہاں سب لوگ مسلمان ہو گئے اور انھوں نے شرک سے پکی توبہ کر لی۔[1] وباللہ التوفیق!

[1] الطبقات لابن سعد: 1/283,282، عالمية الإسلام، ص: 160 و 161.

اکثم بن صیفی کے نام نامہ مبارک

رسول اللہ ﷺ نے اکثم بن صیفی کو بھی مکتوب مبارک بھیجا تھا، اس کا متن یہ ہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى أَكْثَمَ بْنِ صَيْفِيٍّ، أَحْمَدُ اللّٰهَ إِلَيْكَ، إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقُولَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَقُولُهَا وَ آمُرُ النَّاسَ بِهَا، اَلْخَلْقُ خَلْقُ اللّٰهِ، وَالْأَمْرُ كُلُّهُ لِلّٰهِ، خَلَقَهُمْ وَأَمَاتَهُمْ، وَهُوَ يَنْشُرُهُمْ، وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ، أَدَّبْتُكُمْ بِآدَابِ الْمُرْسَلِينَ، وَلَتُسْأَلُنَّ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ، وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے اکثم بن صیفی کی طرف، میں تمھیں مخاطب کرتے ہوئے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں خود بھی لا الٰہ الا اللہ کہوں اور لوگوں کو بھی اسی کلمے پر ایمان لانے کا حکم دوں۔ ساری کائنات اللہ ہی نے پیدا کی ہے اور حکم بھی تمام تر اسی کا ہے۔ اسی نے پیدا کیا ہے، وہی موت دے گا اور وہی دوبارہ سب کو اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ میں نے تمھیں پچھلے انبیاء اور رسولوں کی تعلیمات بتائی ہیں۔ تم خبر عظیم کے بارے میں پوچھتے ہو۔ تم تھوڑے ہی عرصے بعد اس کی حقیقت اچھی طرح جان جاؤ گے۔"[1]

اکثم بن صیفی کون تھا؟

اکثم بن صیفی اہل حجاز کی مشہور و معروف شخصیات میں سے ہے۔ اس کا تعلق بنوسعد بن زید مناۃ بن تمیم سے تھا، سلسلۂ نسب یوں ہے: اکثم بن صیفی بن عبدالعزیٰ بن سعد بن ربیعہ بن اصرم۔ جب اکثم کو رسول اللہ ﷺ کے ظہور کا علم ہوا تو اس نے آپ ﷺ کی طرف دو آدمی بھیجے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ان کا نسب پوچھیں اور جو پیغام وہ لے کر آئے ہیں، وہ معلوم کر کے آئیں۔ وہ آئے تو نبی ﷺ نے انھیں اپنا نسب اور پیغام بتلایا اور پھر درج ذیل آیت تلاوت فرمائی:

1 عالمية الإسلام، ص: 162، مكاتيب الرسول: 2/372,373.

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝﴾

''بے شک اللہ عدل، احسان اور قریبی رشتہ داروں کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''[1]

وہ دونوں قاصد واپس چلے گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے اکثم کو آگاہ کیا۔ اکثم نے فوراً اپنے لوگوں کو جمع کیا۔ اُنھیں جلد از جلد محمد ﷺ کی پیروی کا حکم دیا اور یہ وصیت کی: ''اے میری قوم! میں دیکھ رہا ہوں کہ محمد ﷺ مکارم اخلاق کا حکم دیتے اور رذائل سے منع کرتے ہیں۔ تم اس معاملے میں سب سے آگے بڑھو اور ایمان لا کر سرفراز ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سب سے آخر میں ایمان لا کر پیچھے رہ جاؤ۔''

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اس پر نزع کا عالم طاری ہوگیا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا: ''میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا اور صلہ رحمی کا خاص خیال رکھنا۔ اس سے اصل بھی قائم رہتی ہے اور فرع بھی جدا نہیں ہوتی۔''[2]

1 النحل 16:90. 2 أسد الغابة: 1/132،133، الإصابة: 1/350-352.

خیبر کے یہودیوں کے نام مکتوب گرامی

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کو درج ذیل خط لکھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ، صَاحِبِ مُوسٰى وَأَخِيهِ، وَالْمُصَدِّقِ لِمَا جَاءَ بِهِ مُوسٰى، أَلَا إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ لَكُمْ: يَا مَعْشَرَ يَهُودَ وَأَهْلَ التَّوْرَاةِ! - وَإِنَّكُمْ تَجِدُونَ ذَالِكَ فِي كِتَابِكُمْ - أَنَّ مُحَمَّدًا ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ وَإِنِّي أُنْشِدُكُمْ بِاللّٰهِ وَبِالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ، وَأُنْشِدُكُمْ بِالَّذِي أَطْعَمَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ أَسْلَافِكُمْ وَأَسْبَاطِكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى، وَأُنْشِدُكُمْ بِالَّذِي أَيْبَسَ الْبَحْرَ لِآبَائِكُمْ حَتّٰى أَنْجَاكُمْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ إِلَّا أَخْبَرْتُمُونَا هَلْ تَجِدُونَ فِيمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِمُحَمَّدٍ؟ فَإِنْ كُنْتُمْ لَا تَجِدُونَ ذَالِكَ فِي كِتَابِكُمْ فَلَا كُرْهَ عَلَيْكُمْ، قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ

نخلستان خیبر کا ایک منظر



الْغَيِّ ، وَ إِنِّي أَدْعُوكُمْ إِلَى اللّٰهِ وَ إِلَى نَبِيِّهِ»

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی، بھائی اور جو کچھ موسیٰ علیہ السلام لائے، اس کی تصدیق کرنے والے اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے: خبردار! اے یہودیوں کی جماعت اور اہل تورات! اللہ تعالیٰ نے تم سے فرمایا ہے: تم اپنی کتاب میں یہ بات پاتے ہو کہ ”محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے لیے نہایت سخت اور آپس میں نہایت رحمدل ہیں۔ آپ انھیں رکوع و سجود کرتے ہوئے پائیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ ان کی خصوصی پہچان ان کے ماتھوں پر سجدوں کا نشان ہے۔ ان کی یہ صفت تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی صفت اس کھیتی کے مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ (پودا تن آور ہوکر) موٹا ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا، وہ کسانوں کو خوش کرتا ہے۔ (اللہ نے یہ اس لیے کیا) تاکہ ان (صحابہ کرام) کی وجہ سے کفار کو خوب جلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔“

میں تمھیں اللہ کی اور جو کچھ اس نے تم پر نازل کیا، اس کی قسم دیتا ہوں اور تمھیں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تم سے پہلے تمھارے اسلاف اور اسباط (نسلوں) کو من اور سلویٰ کھلایا تھا۔ میں تمھیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تمھارے باپ دادا کے لیے سمندر خشک کر دیا تھا اور فرعون اور اس کے عذاب سے تمھیں نجات دی تھی۔ میں تمھیں یہ قسمیں دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم پر نازل ہونے والی کتاب میں اللہ نے تمھیں محمد (ﷺ) پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے؟ اگر تم اپنی کتاب میں یہ بات نہیں پاتے تو تم پر کوئی زور زبردستی نہیں۔ ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکی۔ میں تمھیں اللہ اور اس کے نبی کی طرف بلاتا ہوں۔“ [1]

[1] نصب الرایۃ: 4/419، البدایۃ والنھایۃ: 2/301.

ضغاطر کے نام مکتوبِ گرامی

رسول اللہ ﷺ نے رومی پادری ضغاطر کی طرف بھی دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ دعوتی خط ارسال فرمایا۔ اس نامۂ مبارک کا متن یہ ہے:

"سَلَامٌ عَلٰی مَنْ آمَنَ، أَمَّا عَلٰی أَثَرِ ذٰلِكَ فَإِنَّ عِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ رُوحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰی مَرْیَمَ الزَّكِیَّةِ، وَإِنِّي أُومِنُ ﴿ بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی"

''سلامتی ہو اس پر جو ایمان لائے۔ اما بعد! بے شک عیسیٰ ابن مریم اللہ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اس نے پاکیزہ مریم کی طرف ڈال دیا۔ میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا، جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''[1]

ضغاطر کا قبولِ اسلام

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں قیصر کی طرف روانہ کیا تو قیصر نے انھیں اسقف ضغاطر کے پاس بھیجا کہ وہی اس معاملے میں با اختیار ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسے نبی ﷺ کا پیغام پہنچایا اور اسے آپ ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھ کر سنایا۔ وہ کہنے لگا: یہی وہ نبی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر تمھارا کیا خیال ہے؟ ضغاطر کہنے لگا: میں تو یقیناً انھی کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کی پیروی اختیار کرتا ہوں۔

1 الطبقات لابن سعد: 276،275/1.

دوسری روایت میں ہے کہ جب دحیہ رضی اللہ عنہ ہرقل کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر گئے تو ہرقل نے سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ کو کہا: آپ کا کیا خیال ہے؟ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے آپ جن کی بات کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث نبی ہیں۔ یقیناً ہم انھی کے بارے میں منتظر تھے اور انھی کو اپنی کتابوں میں پاتے تھے۔ لیکن رومیوں سے مجھے جان کا خطرہ ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں ان کی ضرور پیروی اختیار کرتا۔ لیکن آپ اسقف ضغاطر کے پاس جائیں۔ اور انھیں اپنے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتائیں کیونکہ وہ روم میں مجھ سے زیادہ صاحب حیثیت اور صاحب الرائے ہے۔ چنانچہ دحیہ رضی اللہ عنہ ضغاطر کے پاس آئے اور انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ تو وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! آپ کے ساتھی اللہ کی طرف سے مبعوث نبی ہیں۔ ہم انھیں ان کے نام اور صفات سے جانتے ہیں۔ پھر ضغاطر نے اپنے کپڑے تبدیل کیے، سفید لباس زیب تن کیا اور پھر رومیوں کے پاس گیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سچائی کی گواہی دی تو رومیوں نے ضغاطر پر حملہ کیا اور اسے شہید کر دیا۔[1]

[1] فتح الباري: 59/1، الإصابة: 406,405/3.

دیگر مکاتیبِ مقدس

نبی ﷺ نے مذکورہ بالا خطوط کے علاوہ کچھ اور خطوط بھی مختلف لوگوں کو ارسال فرمائے۔ ان میں سے بعض کے متون سیرت کی کتابوں میں درج ہیں اور بعض کی تفصیل موجود نہیں۔ وہ خطوط درج ذیل ہیں:

- رسول اللہ ﷺ نے عُمان کی ایک بستی ''دما'' والوں کو خط لکھا تھا۔ اس بستی پر کسریٰ کا ایک فوجی کمانڈر بستجان حکمران تھا۔ امام اصبہانی نے ''دما'' کے ایک شخص ابوشداد سے روایت کیا ہے کہ ہمارے پاس نبی اکرم ﷺ کا درج ذیل خط آیا جو چمڑے کے ٹکڑے پر لکھا ہوا تھا:

  "مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى أَهْلِ عُمَانَ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ، أَمَّا بَعْدُ: فَأَقِرُّوا بِشَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَأَدُّوا الزَّكَاةَ، وَ خُطُّوا الْمَسَاجِدَ كَذَا وَكَذَا، وَ إِلَّا غَزَوْتُكُمْ"

  ''اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے اہلِ عُمان کے نام۔ تم پر سلام ہو، اما بعد: تم لوگ یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، زکاۃ ادا کرو اور فلاں فلاں طریقے سے مسجدیں بناؤ، ورنہ میں تم پر حملہ آور ہوں گا۔''

  ابوشداد کا کہنا ہے کہ ہمیں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو ہمیں آپ کا نامۂ مبارک پڑھ کر سناتا۔ آخر کار ایک سیاہ غلام ملا جس نے ہمیں وہ خط پڑھ کر سنایا۔[1]

- رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص رِعیہ سُحیمی کے نام بھی خط لکھا تھا۔ یہ یمامہ کا رہنے والا تھا اور بنوحنیفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کا مبارک خط پکڑا اور اس سے اپنے ڈول کو پیوند لگا لیا۔ اس نے مکتوب مبارک میں لکھے ہوئے ارشادات کی کوئی پروا نہ کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف ایک فوجی دستہ بھیجا جس نے اس کا سارا مال اور اہل وعیال قابو کر لیے۔ وہ بڑی ندامت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا، بیعتِ اسلام کی اور اپنے اہل وعیال واپس لے گیا۔[2]

1 معرفة الصحابة: 2931،2930/5، المعجم الأوسط للطبراني: 435،434/7. 2 مسند أحمد: 286،285/5، الإصابة: 405/2.



مسیلمہ کذاب کے نام لکھا گیا نامہ مبارک

رسول اللہ ﷺ نے یمامہ کے سردار مسیلمہ کذاب کے نام بھی ایک خط لکھا اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ کذاب مسیلمہ نے آپ ﷺ کے مکتوب گرامی کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

مِنْ مُسَيْلِمَةَ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أُشْرِكْتُ فِي الْأَمْرِ مَعَكَ، وَأَنَّ لَنَا نِصْفَ الْأَمْرِ، وَلِقُرَيْشٍ نِصْفَ الْأَمْرِ، وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُونَ

”اللہ کے رسول مسیلمہ (کذاب) کی طرف سے، اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف۔ سلام علیک، اما بعد: مجھے بھی آپ کے ساتھ رسالت میں شریک کیا گیا ہے۔ نصف زمین ہمارے لیے ہے اور نصف قریش کے لیے، لیکن قریش ایک ایسی قوم ہے جو زیادتی کرتی ہے۔“

یہ خط دو قاصد لے کر آئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے قاصدوں سے پوچھا: «وَأَنْتُمَا تَقُولَانِ بِمِثْلِ مَا يَقُولُ؟» ”تم دونوں بھی وہی کہتے ہو جو وہ کہتا ہے؟“ انھوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَاللّٰهِ! لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا»

”اللہ کی قسم! اگر یہ قانون نہ ہوتا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جا سکتا تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کو یہ جواب تحریر کرایا:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ، سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَ ﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾»

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ سلام ہو اس پر جو

ہدایت کی پیروی کرے، امابعد! بلاشبہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے اور (اچھا) انجام متقین کے لیے ہے۔''

یہ نامۂ مبارک آپ نے 10 ھ کے آخر میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بھائی سائب بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔[1] لیکن مسیلمہ بدستور اپنی ضد پر قائم رہا۔ اس نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بہت بڑا فتنہ برپا کیا، طرفین کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ بالآخر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا اور اس کے فتنے کا خاتمہ کردیا۔

- رسول اللہ ﷺ نے ایک خط بصریٰ کے گورنر کو لکھا اور حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ موتہ میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں روک کر گرفتار کرلیا، پھر انھیں بے دردی سے شہید کردیا۔ ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قاصد قتل نہیں کیا گیا۔[2] انھی کی شہادت کا انتقام لینے کے لیے بعد میں غزوۂ موتہ برپا ہوا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔
- نبی ﷺ نے بنوبکر بن وائل کو بھی ایک خط لکھا۔ اس کی عبارت یہ تھی:

«مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ: أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا»

''رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بکر بن وائل کی طرف! اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے۔''

اس نامۂ مبارک کو پڑھنے کے لیے انھیں کوئی شخص نہ ملا۔ آخر کار بنوضبیعہ کے ایک شخص نے انھیں یہ خط پڑھ کر سنایا۔[3]

1 الطبقات لابن سعد: 273/1، دلائل النبوة للبيهقي: 332,331/5. 2 المغازي للواقدي: 205/2. 3 مسند أحمد: 68/5.


بصریٰ الشام کے رومی آثار

- رسول اللہ ﷺ نے حمیر کے ایک قبیلے بنو عمرو کو خط لکھا اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ یہ خط تحریر کرنے کا شرف خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو ملا۔[1]
- رسول اللہ ﷺ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو اپنا نامۂ مبارک دے کر ذوالکلاع بن ناکور اور ذوعمرو کی طرف بھیجا اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ یہ دونوں مسلمان ہوگئے بلکہ ذوالکلاع کی بیوی ضُرَیبہ بنت ابرہہ بن صباح بھی مسلمان ہوگئی۔[2]
- رسول اللہ ﷺ نے معدیکرب بن ابرہہ کو خط لکھا اور یقین دلایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو خولان کی سرزمین پر بدستور وہی حکمران رہے گا۔[3]



خولان کی سرزمین (یمن)



ایلہ کا ایک منظر

- رسول اللہ ﷺ نے ایلہ کے حکمران یحنہ بن روبہ اور وہاں کے شرفاء و معززین کو بھی ایک نامہ مبارک ارسال فرمایا۔ اس کا متن درج ذیل ہے:

"سِلْمٌ أَنْتُمْ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكُمُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، فَإِنِّي لَمْ أَكُنْ لِأُقَاتِلَكُمْ حَتّٰى أَكْتُبَ إِلَيْكُمْ، فَأَسْلِمْ أَوْ أَعْطِ الْجِزْيَةَ، وَأَطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَرُسُلَ رَسُولِهِ، وَ أَكْرِمْهُمْ وَاكْسُهُمْ كِسْوَةً حَسَنَةً غَيْرَ كِسْوَةِ الْغُزَاءِ، وَاكْسُ زَيْدًا كِسْوَةً حَسَنَةً، فَمَهْمَا رَضِيَتْ رُسُلِي فَإِنِّي قَدْ رَضِيتُ، وَقَدْ عُلِمَ الْجِزْيَةُ، فَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ يَأْمَنَ الْبَرُّ وَالْبَحْرُ فَأَطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، وَيَمْنَعْ عَنْكُمْ كُلَّ حَقٍّ

1 الطبقات لابن سعد: 1/265. 2 الطبقات لابن سعد: 1/265، 266، دیکھیے: صحیح البخاري: 4359. 3 الطبقات لابن سعد: 1/266.

كَانَ لِلْعَرَبِ وَالْعَجَمِ إِلَّا حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ رَسُولِهِ، وَإِنَّكَ إِنْ رَدَدْتَهُمْ وَلَمْ تُرْضِهِمْ لَا آخُذُ مِنْكُمْ شَيْئًا حَتَّى أُقَاتِلَكُمْ، فَأَسْبِي الصَّغِيرَ وَأَقْتُلَ الْكَبِيرَ، فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ بِالْحَقِّ، أُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَبِالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ أَنَّهُ كَلِمَةُ اللّٰهِ، وَإِنِّي أُؤْمِنُ بِهِ أَنَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ، وَأْتِ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّكُمُ الشَّرُّ، فَإِنِّي قَدْ أَوْصَيْتُ رُسُلِي بِكُمْ، وَأَعْطِ حَرْمَلَةَ ثَلَاثَةَ أَوْسُقٍ شَعِيرًا، وَإِنَّ حَرْمَلَةَ شَفَعَ لَكُمْ، وَإِنِّي لَوْلَا اللّٰهُ وَذٰلِكَ لَمْ أُرَاسِلْكُمْ شَيْئًا حَتَّى تَرَى الْجَيْشَ، وَإِنَّكُمْ إِنْ أَطَعْتُمْ رُسُلِي، فَإِنَّ اللّٰهَ لَكُمْ جَارٌ وَمُحَمَّدٌ وَمَنْ يَكُونُ مِنْهُ، وَإِنَّ رُسُلِي شُرَحْبِيلُ وَأُبَيٌّ وَحَرْمَلَةُ وَحُرَيْثُ بْنُ زَيْدٍ الطَّائِيُّ فَإِنَّهُمْ مَهْمَا قَاضَوْكَ عَلَيْهِ فَقَدْ رَضِيتُهُ، وَإِنَّ لَكُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ إِنْ أَطَعْتُمْ، وَجَهِّزُوا أَهْلَ مَقْنَا إِلَى أَرْضِهِمْ»

’’تم سلامتی پالو۔ میں تمھارے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ مجھے اس وقت تک تم سے قتال نہیں کرنا تھا جب تک کہ میں تمھیں خط نہ بھیج دیتا۔ تم اسلام قبول کرلو یا جزیہ دو۔ اللہ اور اس کے رسول کی اور اس کے رسول کے سفیروں کی اطاعت کرو۔ ان (سفیروں) کی عزت کرو اور انھیں اچھے لباس دو لیکن جنگی لباس نہ دینا۔ زید کو بھی عمدہ لباس دو۔ میرے قاصد راضی ہو جائیں گے تو سمجھو کہ میں بھی راضی ہوگیا۔ جزیے کی ادائیگی تو معلوم ہی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ برو بحر میں امن ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ تم سے عرب و عجم کا ہر حق روک دیا جائے گا، سوائے اللہ اور اس کے رسول کے حق کے۔ اگر تم نے ان (سفیروں) کو خوش کیے بغیر لوٹا دیا تو میں تم سے کوئی چیز نہیں لوں گا یہاں تک کہ تم سے قتال کرلوں، پھر میں تمھارے چھوٹے کو قید اور بڑے کو قتل کروں گا۔ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ میں اللہ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور مسیح ابن مریم پر ایمان رکھتا ہوں کہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں۔ میں اس پر بھی ایمان رکھتا ہوں کہ عیسیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ تم میرے پاس آ جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر کوئی آفت آئے۔ میں نے اپنے سفیروں کو تمھارے بارے میں (حسن سلوک کی) وصیت کی ہے۔ حرملہ کو تین وسق جو دے دو۔ اسی نے تمھاری سفارش کی ہے۔ اگر اللہ کی توفیق اور حرملہ کی سفارش نہ ہوتی تو میں تمھیں خط نہ بھیجتا یہاں تک کہ تم لشکر ہی کو دیکھتے۔ اگر تم میرے سفیروں کی بات مانو گے تو تمھیں اللہ کی اور محمد (ﷺ) اور ان کے نمائندے کی پناہ حاصل ہو جائے گی۔ میرے سفیر شرحبیل، ابی، حرملہ اور حریث

بن زید طائی تم سے جو بھی معاہدہ کرلیں، میں اس سے راضی ہوں اور تمھارے لیے اللہ اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کا عہد و پیمان ہوگا۔ اگر تم اطاعت اختیار کرلو تو تم پر سلامتی ہو۔ مقنا والوں کو ان کی سرزمین تک پہنچنے کے لیے ضروریات فراہم کرو۔‘‘ [1]



مقنا (سعودی عرب)

- رسول اللہ ﷺ نے بنو غامد کے ابوظبیان ازدی کو بھی خط بھیجا۔ وہ اپنی قوم کے چند افراد کو ساتھ لے کر مکہ پہنچا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ [2]
- آپ ﷺ نے ساوہ کے بادشاہ نفاثہ بن فروہ دُئلی کو بھی ایک خط لکھا۔ [3]
- رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کے عامل ہُرمزان کو درج ذیل خط ارسال فرمایا:

«مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْهُرْمُزَانِ: إِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ»

’’محمد رسول اللہ کی طرف سے ہرمزان کے نام۔ میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسے قبول کرکے تم سلامت رہ سکتے ہو۔‘‘ [4]



بنو غامد کا علاقہ (یمن)

ساوہ (عراق) اور دریائے فرات



- رسول اللہ ﷺ نے یمن کے بادشاہ باذان فارسی کو سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ذریعے ایک خط بھیجا۔ اس میں آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ [5] باذان کے قبولِ اسلام کی تفصیل ’’مکتوب گرامی بنام کسریٰ شاہ فارس‘‘ کے ضمن میں بیان ہوچکی ہے۔

1 الطبقات لابن سعد: 278,277/1. 2 الطبقات لابن سعد: 280/1. 3 الطبقات لابن سعد: 284/1. 4 الإصابة: 448/6، مجموعة الوثائق السياسية، ص: 144. 5 مجموعة الوثائق السياسية، ص: 212

نبی اکرم ﷺ نے خالد بن ضماد ازدی کو بھی خط بھیج کر اسلام کی دعوت دی۔ اس خط کو تحریر کرنے کی سعادت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ملی۔ اس میں خالد بن ضماد ازدی کے نام درج ذیل باتیں درج تھیں:

«اَنَّ لَهٗ مَا اَسْلَمَ عَلَيْهِ مِنْ اَرْضِهٖ عَلٰى اَنْ يُّؤْمِنَ بِاللّٰهِ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا، وَيَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، وَعَلٰى اَنْ يُّقِيْمَ الصَّلَاةَ وَ يُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَ يَصُوْمَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَ يَحُجَّ الْبَيْتَ، وَلَا يَأْوِيْ مُحْدِثًا وَّلَا يَرْتَابُ، وَعَلٰى اَنْ يَّنْصَحَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ، وَعَلٰى اَنْ يُّحِبَّ أَحِبَّاءَ اللّٰهِ وَيُبْغِضَ اَعْدَاءَ اللّٰهِ، وَعَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ اَنْ يَّمْنَعَهٗ مِمَّا يَمْنَعُ مِنْهُ نَفْسَهٗ وَمَالَهٗ وَ أَهْلَهٗ، وَ اَنَّ لِخَالِدِ الْاَزْدِيِّ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَ ذِمَّةَ النَّبِيِّ اِنْ وَّفٰى بِهٰذَا»

''اسلام قبول کرنے کی صورت میں اس کی حکمرانی برقرار رہے گی، بشرطیکہ وہ اللہ پر ایمان لائے، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے، اس بات کی گواہی دے کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرے، زکاۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، بیت اللہ کا حج کرے، کسی بدعتی کو پناہ نہ دے، (اسلام کے بارے میں) شک نہ کرے، اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرے، اللہ کے محبوب بندوں سے محبت کرے اور اللہ کے دشمنوں سے نفرت کرے۔ نبی محمد ﷺ کے ذمے ہوگا کہ آپ اس کا ان تمام چیزوں سے دفاع کریں جن سے آپ اپنی جان، مال اور اہل و عیال کا دفاع کرتے ہیں۔ اگر خالد ازدی ان باتوں کو پورا کرے تو اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا عہد و پیمان ہوگا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے بحرین کے ایک حاکم ہلال کو بھی خط کے ذریعے دعوتِ اسلام دی۔ آپ نے اسے یہ پیغام بھجوایا:

«سَلِمْ اَنْتَ، فَاِنِّي أَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، لَا شَرِيكَ لَهٗ، وَاَدْعُوكَ اِلَى اللّٰهِ وَحْدَهٗ، تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَتُطِيعُ وَتَدْخُلُ فِي الْجَمَاعَةِ فَاِنَّهٗ خَيْرٌ لَّكَ، وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى»

''تم سلامتی پالو۔ میں تمھارے روبرو اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں تمھیں ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ تم اس پر ایمان لے آؤ، اطاعت اختیار کرلو اور (مسلمانوں کی) جماعت میں شامل ہو جاؤ کیونکہ یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''[2]

1 الطبقات لابن سعد: 267/1. 2 الطبقات لابن سعد: 276/1

میدان سفارت کے شاہسواروں کے لیے

محمود شیت خطاب نے تمام خطوط و سفراء پر مشتمل ایک منفرد کتاب ''سفراء النبی'' ترتیب دی ہے۔ اس میں انھوں نے آپ ﷺ کے مکاتیب مقدس سے اسلامی سفیر اور پالیسی ساز شخص کے شرائط و اوصاف کا استنباط بھی کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

اسلام کی دعوت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: یہی میری راہ ہے۔ میں (تمھیں) اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ لوگ جنھوں نے میرا اتباع کیا، بصیرت پر ہیں، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔''[1]

جب اُمتِ مسلمہ کے تمام ارکان ہی دینِ اسلام کے داعی ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بادشاہوں کی طرف بھیجے گئے سفیر تو تمام داعیوں میں منتخب روزگار لوگ تھے۔[2]

فصاحت و بلاغت

سیاسی ذمہ داری سنبھالنے والے شخص کے لیے فصاحت و بلاغت، دلنشین الفاظ اور خوبصورت مفاہیم پر قادر ہونا نہایت ضروری ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت ہی کی بنا پر ان کی معیت کی ضرورت ظاہر کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفیر ان حضرات میں سے منتخب فرمائے تھے جنھوں نے عرب میں تربیت حاصل کی اور کبھی کبھی بدویوں کے ماحول میں رہے تھے۔ یہ تمام سفراء نہایت شُستہ اور شائستہ زبان بولتے تھے اور فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے پوری طرح آراستہ تھے۔

حسن اخلاق

نبوی سفراء کے اخلاق وہی تھے جو اسلام کے بنیادی اخلاق ہیں اور جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور

[1] یوسف 108:12. [2] سفراء النبي لمحمود شيت خطاب :258/2.

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں کیا ہے۔ سچائی، تواضع، معاملہ فہمی اور حلم و انکسار کی خوبیاں سفیروں کے لیے شرطِ لازم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ [1]

علم کی اشد ضرورت

رسول اللہ ﷺ کے سفیر علم کی دولت سے مالا مال تھے اور موقع و محل کی مناسبت سے گفتگو کرنا ان کی عظیم خوبی تھی۔ کسی چیز کے تمام پہلوؤں کا بخوبی علم ہونا ایک ایسا وصف ہے جو دوسروں تک اپنے موقف اور نظریات و خیالات کی رسائی میں بڑی مدد دیتا ہے۔ اسی لیے ہم تاریخ کے اوراق میں دیکھتے ہیں کہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے بڑے عمدہ پیرائے میں اظہار خیال کیا، اور پھر برمحل سورۂ مریم کی تلاوت کی۔ [2] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیسے لائق لوگوں کا انتخاب کیا تھا۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے روبرو جو گفتگو کی، اس سے پتا چلتا ہے کہ ایک عالم کی شان کیا ہوتی ہے اور وہ کتنی واضح اور نکھری ہوئی باتیں کرتا ہے اور یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھیں الفاظ کے چناؤ پر کس قدر عبور حاصل تھا۔ [3]

صبر و تحمل

صبر و تحمل سے بڑھ کر ایک داعی کے لیے کوئی پونجی اور زادراہ نہیں ہوسکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی ہر حالت میں صبر و شکر کی عکاسی کرتی ہے۔ طائف میں آپ ﷺ کا کردار ایک زندہ مثال ہے۔ ایک سفیر کو حالات کا پوری استقامت سے مقابلہ کرنا چاہیے اور اس کے لیے عزم و ہمت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

دلیری و بہادری

اسلام کی تاریخ نے مسلمان سفراء اور بادشاہوں کی طرف بھیجے گئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی پوری طرح روشن کردی ہے۔ وہ کسی ملامت گر کی ملامت سے ہرگز نہیں ڈرتے تھے اور نہایت دلیری سے اپنی بات کہتے تھے۔

حکمت و دانائی

رسول اللہ ﷺ کے سفیر نہایت بلند پایہ حکمت و دانائی کے حامل تھے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تو اپنی مثال آپ تھے۔ ان سے پوچھا گیا: ''عاقل کون ہوتا ہے؟'' فرمایا: ''اندازے سے درست نتیجے تک رسائی حاصل کر لینا اور ماضی

---

1 سفراء النبي لمحمود شيت خطاب: 278/2. 2 دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا (اللؤلؤ المکنون) دارالسلام: 346/3-349. 3 الفقه السياسي للوثائق النبوية لخالد الفهداوي، ص: 114.

سے مستقبل کو بھانپ لینا عقلمندی ہے۔ عاقل وہ نہیں جو شر سے خیر کو علیحدہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ عاقل وہ ہے جس کے سامنے دونوں ہی صورتیں شر کی ہوں لیکن وہ ان میں سے بھی خیر کے پہلو نکال لے۔"[1]

چارہ گری کی وسعت

سفیر کے لیے ضروری ہے کہ اس میں سیاسی دور اندیشی ہو، راز دان اور بڑا چارہ گر ہو۔ ان چیزوں کا دارومدار ذہانت و حاضر جوابی پر ہے۔ گویا سفارت کے لیے ذہانت وفطانت کا حامل ہونا لازمی امور میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سفیر عقل و دانش اور ہوشیاری و پُرکاری کے اوصاف سے متصف تھے۔ وہ اچانک پیش آمدہ مسائل کا مناسب حل ڈھونڈ نکالتے تھے اور ہر ناگہانی صورت حال سے خوب نمٹتے تھے۔

شکل وصورت کی زیبائی

باطنی طہارت اور صاف دلی کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سفیر ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے بھی ممتاز تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مذکورہ صفات کے حاملین کے ساتھ ساتھ ایسے سفراء کا انتخاب فرمایا جن میں عقلی اور نفسیاتی خوبیوں کے علاوہ حسن و جمال کی شان بھی موجود تھی۔[2]

یہ وہ اہم صفات تھیں جنھیں محمود شیت خطاب نے نبی اکرم ﷺ کے سفراء کے احوال کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ یہ صفات ہر مسلمان سفیر کے لیے ضروری ہیں۔ ایک اسلامی حکومت کو اس اہم عہدے پر تقرر کے لیے انھی صفات کو معیار بنانا چاہیے۔

مکتوبات نبوی سے ماخوذ حکمتیں، عبرتیں اور فوائد ونصائح

رسول اللہ ﷺ نے شاہانِ عالم کو جو خطوط ارسال فرمائے، ان کا ایک منفرد پہلو یہ تھا کہ جس بادشاہ کا جو عقیدہ یا نظریہ تھا، اس کی طرف دعوت نامے میں اس کا خیال رکھا گیا۔ اس اسلوب کی بنیاد دعوتی حکمت عملی تھی۔ مقوقس کلیتًا الوہیتِ مسیح کا عقیدہ اپنائے ہوئے تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتا تھا، اس لیے رسالت مآب ﷺ نے اس کی طرف ارسال کردہ خط میں اپنے نام کے ساتھ "عبداللہ" تحریر کرایا۔ بسم اللہ کے بعد خط کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے: "اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے قبطیوں کے حکمران مقوقس کی طرف۔" جبکہ کسریٰ پرویز کو لکھے گئے خط میں ایسا نہیں ہے بلکہ صرف "رسول اللہ" لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ عبارت یوں تھی: "اللہ کے

[1] سفراء النبي لمحمود شيت خطاب: 301/2. [2] مقومات السفراء في الإسلام لحسن فتح الباب، ص: 60.

رسول محمد کی طرف سے فارس کے سربراہ کسریٰ کے نام۔'' اسی طرح آپ نے درج ذیل آیت بھی ہرقل اور مقوقس کے نام مکتوبات میں شامل فرمائی:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

''اے اہلِ کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔''[1]

کسریٰ پرویز کو لکھے گئے خط میں یہ آیت بھی نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں ان اہل کتاب سے خطاب ہے جو مسیح علیہ السلام کو الٰہ سمجھتے تھے اور جنھوں نے مسیح ابن مریم اور اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے علاوہ رب بنا رکھا تھا۔ ہرقل بازنطینی حکومت کا سربراہ اور مقوقس مصر کا حکمران تھا۔ دونوں حکمران سیاسی قائد ہونے کے ساتھ ساتھ دنیائے مسیحیت کے بڑے اہم دینی پیشوا بھی تھے۔[2]

ایرانی کسریٰ خسرو پرویز اور اس کی قوم سورج اور آگ کی پوجا کرتے تھے اور دوخداؤں کا نظریہ رکھتے تھے۔ ایک خیر کا خدا ''یزدان'' اور دوسرا شر کا خدا ''اہرمن'' تھا۔ یوں یہ لوگ نبوت کے صحیح مفہوم سے بے خبر اور آسمانی ہدایت کے تصور سے نابلد تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کو جو خط لکھا تھا، اس میں یہ عبارت تحریر کرائی تھی:

«فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا»

''میں تمام لوگوں کی جانب اللہ تعالیٰ کا پیغام رساں ہوں تاکہ جو زندہ (صاحب شعور لوگ) ہیں، ان کو ڈراؤں۔''

حکمرانوں کا ان خطوط کو وصول کرنے کا انداز مختلف تھا۔ ہرقل، نجاشی اور مقوقس نے تو مؤدبانہ انداز اختیار کیا اور اپنے اپنے جواب میں شائستگی کا پہلو اپنایا۔ نجاشی اور مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کے سفیروں کا احترام کیا۔ مقوقس نے تو تحفے تحائف بھی ارسال کیے جن میں کنیزیں بھی تھیں۔

کسریٰ پرویز نے آپ کا خط پھاڑ دیا اور کہا: ''میرا غلام ہوکر مجھے ایسا خط لکھتا ہے۔'' رسول اکرم ﷺ کو اس کے اس طرزِ عمل کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

1 آل عمران 64:3. 2 ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين للندوي، ص: 39،38.

"مزق اللّٰہ ملکہ"

''اللہ تعالیٰ اس کی حکومت پارہ پارہ کر دے۔''[1]

اسی پر بس نہیں کسریٰ نے یمن کے باجگزار اپنے ایرانی گورنر باذان کو حکم دیا کہ اس شخص (محمد) کو میرے دربار میں پیش کیا جائے، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کے متعلق جو بات ارشاد فرمائی تھی، ٹھیک اُسی طرح عمل میں آئی۔ کسریٰ قتل ہو گیا اور ایرانی حکومت کے بھی حصے بخرے ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے خطوط کا عمومی وصف

ایک محقق رسول اللہ ﷺ کے خطوط کا مطالعہ کر کے یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے تمام خطوط میں عمومی تعلیمات ایک جیسی ہیں۔ ان سے ہم درج ذیل امور کا استنباط کر سکتے ہیں:

- جو خطوط رسول اللہ ﷺ نے حاکموں اور گورنروں کو لکھے، وہ سب بسم اللہ سے شروع ہوتے ہیں۔ بسم اللہ کتاب اللہ کی ایک آیت ہے۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ تحریر کی ابتدا بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے تحریروں کا آغاز مستحب ہے۔ آپ ﷺ اپنی تحریریں ہمیشہ اسی سے شروع فرماتے تھے۔
- اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ خط کتابت خواہ کافروں سے ہو، شروع میں بسم اللہ لکھنا صحیح بات ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر قرآن پاک کی ایک یا ایک سے زائد آیات پڑھ سکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کے خطوط میں بسم اللہ اور دیگر آیات درج تھیں۔
- یہ بھی ثابت ہوا کہ جنبی انسان قرآن کی ایک آیت یا اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہے کیونکہ کافروں کی طرف خطوط ارسال کیے گئے تو ان میں بسم اللہ بھی درج تھی، حالانکہ وہ نجاستِ جنابت سے قطعاً پاکیزگی اختیار نہیں کرتے، لہٰذا وہ جنبی ہوتے ہوئے بھی وہ خط پڑھیں گے جس میں قرآنی آیات درج ہوں۔
- دین و دنیا کے معاملات میں کفار سے خط کتابت کا جواز موجود ہے۔
- خطوط میں مرسل اور مرسل الیہ کے ناموں کا اندراج ہونا چاہیے اور خط کا مضمون بقدر ضرورت اختصار کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ اسلام دیتے وقت اختصارِ کلام ہمیشہ ملحوظ رکھا۔

[1] تاریخ الطبری: 90/3

- کافر کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نہیں کہنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی خط میں کسی حکمران کو یہ ''سلام'' نہیں لکھا بلکہ آپ ﷺ نے یہی تحریر کرایا: «اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی» ''جس نے ہدایت کی پیروی کی، اس پر سلام۔'' یعنی دعوت دی کہ اسلام قبول کر کے امن و سلامتی کے سائے میں آ جاؤ۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کافر کو سلام نہیں کہنا چاہیے۔[1]
- خط کے آخر میں مہر لگانا مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خط لکھنے کے بعد اس پر اپنی مہر ثبت فرماتے تھے جس پر یہ تین الفاظ کندہ تھے: ''محمد رسول اللہ۔'' ایک سطر میں لفظ ''اللہ'' دوسری سطر میں ''رسول'' اور تیسری میں ''محمد'' لکھا ہوا تھا۔

مردم شناسی

رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ باذان بن ساسان کامیاب منتظم اور اچھا حکمران ہے تو آپ ﷺ نے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے یمن کی گورنری سے معزول نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی خوبیوں کی قدر افزائی فرماتے اور باصلاحیت انسان کو مناسب جگہ دیتے تھے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے یمنی حکمران کے فوت ہونے پر اس کے بیٹے ''شہر بن باذان'' کو یمن کا حاکم بنایا تھا۔[2]

مجوسیوں سے جزیہ لینا جائز ہے

منذر بن ساوی کو لکھے گئے خط سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مجوسیوں سے جزیہ لینا جائز ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے یہود اور مجوسیوں کے متعلق اپنے موقف کا تذکرہ اس طرح فرمایا تھا: ''جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے، اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔''[3]

امام ابن قیم رحمہ اللہ اور چند دیگر علماء کا خیال ہے کہ جو بھی غیر مسلم جزیہ دے، مسلمان اسے قبول کریں گے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو یا نہ ہو، چاہے وہ عرب علاقوں کا بت پرست ہی ہو۔ زاد المعاد میں مرقوم ہے کہ علماء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جزیہ ہر ایک امت سے قبول کیا جائے گا، جبکہ وہ دینا پسند کرے۔ یہود و نصاریٰ سے کتاب اللہ کی بنا پر اور مجوس سے سنت کی دلیل کے تحت۔ ان کے علاوہ دیگر اقوام کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ مجوس مشرک ہیں۔ ان کے ہاں کوئی کتاب (آسمانی) نہیں۔ ان سے جزیہ وصول کرنے کا مطلب تمام اہل شرک سے جزیہ وصول کرنا ہے۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب کے بت پرستوں سے جزیہ قبول نہیں کیا تو دراصل

1 السيرة النبوية للصلابي: 2/435-444. 2 غزوة الحديبية لأبي فارس، ص: 242. 3 غزوة الحديبية لأبي فارس، ص: 242.

یہ لوگ جزیہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ آیت تبوک کے بعد نازل ہوئی ہے۔[1]

کافر کا ہدیہ قابلِ قبول ہے

رسول اللہ ﷺ کو مصر کے حاکم مقوقس نے حالت کفر میں آپ ﷺ کے سفیر حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کنیزیں، سواری کے لیے خچر اور لباس بطور ہدیہ بھیجا جسے آپ ﷺ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ انھی کنیزوں میں سے ایک ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

یاد رہے کہ ہدیہ لینے اور دینے سے دلوں میں قربت اور محبت پیدا ہوتی ہے، اس لیے کافروں اور مشرکوں سے ہدیے کے تبادلے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ تاہم جہاں کوئی شرعی اور سیاسی مصلحت ہو تو ہدیہ لینے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً کوئی کافر مسلمانوں کے لیے خیر سگالی کا اظہار کرنا چاہتا ہو یا یہ امید ہو کہ اس کے ساتھ محبت و موانست کے اظہار سے وہ اسلام کے قریب ہوگا یا اسلام لے آئے گا تو اس کا تحفہ قبول کر لینا چاہیے (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کے تحائف قبول کر لیے تھے)۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری، کتاب الهبة، باب قبول الهدية من المشركين اور باب الهدية للمشركين میں یہی بات ثابت کی ہے۔

بادشاہوں اور امراء کو بھیجے گئے خطوط کے اثرات و نتائج

رسول اللہ ﷺ نے امور خارجہ میں غیر معمولی سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا اور بعد میں آنے والے حکمرانوں کے لیے ایک یادگار مثال چھوڑ گئے۔ آپ ﷺ نے بڑی قوت، شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ ایسے موقع پر اگر رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی اور شخص ہوتا تو معاملے کے انجام سے ڈر کر دبک جاتا۔ خاص طور پر جبکہ ان میں سے بعض خطوط اپنے وقت کے سب سے طاقتور حکمرانوں ہرقل، کسریٰ اور مقوقس وغیرہ کو بھی لکھے گئے جن کی سرحدیں عرب کے ساتھ ملتی تھیں، رسول اللہ ﷺ اللہ کے دین کی دعوت پہنچانے پر مامور تھے۔ آپ ﷺ نے ابلاغ حق کا فریضہ انتہائی کٹھن حالات میں بھی پوری قوت ارادی سے انجام دیا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کو اللہ رب العزت کی نصرت حاصل تھی۔ آپ ﷺ کی اس دلیرانہ سیاست کے یہ نتائج ظاہر ہوئے:

- رسول گرامی قدر ﷺ نے اس سیاست کے ذریعے سے بین الاقوامی سطح پر ایسے مذہبی تعلقات کی بنیاد رکھی جن سے پورا عالم انسانیت یکسر بے خبر تھا۔
- آپ ﷺ کے دانشمندانہ اقدامات سے اسلامی حکومت کی قوت ہر جگہ تسلیم کر لی گئی۔

1 زاد المعاد: 91/5.

- اس خط کتابت سے رسالت مآب ﷺ کو حکمرانوں اور امراء کی نیتوں کے بھید اور سیاسی پالیسیوں کے اسرار معلوم ہوگئے اور آپ ﷺ کو بخوبی علم ہوگیا کہ وہ لوگ آپ کی دعوت کے متعلق کیا سوچتے ہیں۔
- اسلامی دعوت کے عالم گیر ہونے کی یہ ایک عملی تدبیر تھی کہ آپ ﷺ نے جزیرۂ عرب سے باہر کے حاکموں سے خط کتابت کی۔

حق یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں کے ساتھ جن ممالک کی سرحدیں ملتی تھیں، وہاں کے حکمرانوں اور عرب امراء کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطوط سے آپ کی عالمی سیاست کا آغاز ہوا، اس طرح اسلامی حکومت کا مرتبہ بہت بلند ہوگیا۔ بین الممالک عظیم دینی و سیاسی رتبہ حاصل ہوا۔ یہ سب کچھ فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ اسی سیاست سے ''عام الوفود'' کے لیے بطور تمہید تمام بلاد عرب میں رسول ﷺ کی عظمت و منزلت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔[1]

1 التاريخ السياسي والعسكري للدكتور على معطي، ص: 351

نبی اکرم ﷺ پر جادو کا حربہ

یہودیوں کے دلوں میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جوں جوں اسلام پھیلتا جا رہا تھا اور مسلمانوں کو کامیابیاں نصیب ہو رہی تھیں، اسی نسبت سے یہودیوں کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہودی اتنے گھٹیا اور بے حیا لوگ تھے کہ رحمت دو عالم ﷺ کے خلاف سازشوں سے باز نہیں آتے تھے۔ ان میں انسانیت نام کی ذرا سی رمق بھی باقی نہیں رہی تھی۔ انھوں نے سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کو جادو جیسے گھناؤنے عمل کے ذریعے بھی نقصان پہنچانے کی مذموم جسارت کی۔ جادو نہایت شدید تھا۔ رسول اللہ ﷺ پر اس کا کسی حد تک اثر بھی ہو گیا لیکن اللہ رب العزت نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ یہودیوں کو اپنی اس سازش میں بھی بری طرح ناکامی اور خواری سے دوچار ہونا پڑا۔ آئیے اس سانحے کا تفصیل سے مطالعہ کرتے ہیں۔

لبید سے رؤسائے یہود کی ساز باز

رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ میں حدیبیہ سے واپس تشریف لائے۔ محرم کا مہینہ شروع ہو گیا۔ یہودیوں کے کچھ رؤساء ابھی تک مدینہ میں مقیم تھے۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن اندر سے پکے منافق تھے۔ وہ سب مل کر لبید بن اعصم منافق کے پاس آئے۔ یہ شخص انصار کے قبیلے بنو زُریق میں سے تھا جو یہودیوں کے حلیف تھے۔ اسے جادوگری کا فن آتا تھا۔ یہود کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ آدمی سب سے زیادہ جادو کا علم رکھنے والا اور مختلف نوعیت کے زہروں کے خواص جاننے والا ہے۔ انھوں نے لبید سے کہا: ابوالاعصم! تو ہم سے بڑا جادوگر ہے۔ ہم نے محمد (ﷺ) پر جادو کیا ہے۔ ہمارے کئی مرد اور عورتیں ان پر اپنا جادو آزما چکے ہیں لیکن ہمارا جادو فیل ہو گیا، ہم کچھ نہیں کر سکے۔ تجھے خوب معلوم ہے کہ ہمارے بیچ ان کا کتنا اثر ہے، وہ ہمارے دین کے کس قدر مخالف ہیں، انھوں نے ہمارے بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور بہت سے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا ہے۔ ہم تجھے اس کام کی اجرت دیں گے۔ بس ہماری خاطر ان پر ایسا جادو کر جو ان کا کام تمام کر دے۔

چنانچہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کرنے کے لیے اُسے تین دینار کی پیشکش کی۔

جادو کس طرح کیا گیا؟

لبید بن اعصم رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔[1] اس نے جادو کے لیے رسول اللہ ﷺ کی کنگھی اور اس سے آپ کے جھڑ جانے والے بال حاصل کر لیے۔ اس نے اس میں کئی گرہیں لگا کر تھوک دیا۔ اس کے بعد اسے نر کھجور کے شگوفے میں رکھ دیا، پھر اسے ایک کنویں کے اندر رکھے ہوئے پتھر کے نیچے دبا دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو لبید کی بہنوں نے کیا تھا۔ وہ جادوگری اور خباثت میں اس سے بھی آگے تھیں۔ لبید نے بس اتنا کام کیا تھا کہ اسے لے جا کر کنویں کے اندر پتھر تلے دفن کر دیا تھا۔[2]

جادو کا اثر

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بنو زریق کے ایک آدمی لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا۔ یہ جادو آپ پر اس طرح اثر انداز ہوا کہ آپ بھول چوک کا شکار ہونے لگے۔ کسی کام کے بارے میں آپ خیال فرماتے تھے کہ آپ نے وہ کام کر لیا ہے، حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔[3] دوسری روایت میں ہے کہ آپ کو یوں محسوس ہوتا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کے پاس گئے ہیں، حالانکہ آپ ان کے پاس نہیں گئے ہوتے تھے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب اس طرح کی حالت ہو جائے تو یہ سخت قسم کا جادو ہوتا ہے۔[4] ابن سعد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ اس جادو کی وجہ سے آپ کی بصارت بھی متاثر ہوئی۔[5] ایک دوسری روایت میں ہے کہ قریب تھا کہ آپ کی نظر میں فرق آ جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس شخص جیسے ہو گئے جو اپنی نگاہ پر یقین نہیں کرتا، یعنی جب وہ کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اسے یوں لگتا ہے جیسے وہ چیز اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے لیکن جب وہ غور کرتا ہے تو اسے اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔[6] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ بیمار ہو گئے اور اپنی بیویوں کے پاس جانے اور کھانے پینے سے رک گئے۔[7]

ان سب روایات سے یہ چیز روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ جادو رسول اللہ ﷺ کے مزاج اور ظاہری اعضاء پر اثر انداز ہوا تھا لیکن آپ کے دل و دماغ اور سوجھ بوجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ وحی اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ اس جادو سے بالکل متاثر نہیں ہوا۔ اس دوران میں بھی آپ برابر لوگوں کی رہنمائی فرماتے رہے اور انھیں دنیوی و اخروی کامیابیوں کے طریقے اور سلیقے سکھاتے رہے۔ کسی روایت میں ایسی کوئی بات موجود نہیں کہ اس عرصے میں

1 المستدرك للحاكم: 360/4. 2 الطبقات لابن سعد: 197/2. 3 صحيح البخاري: 5763. 4 صحيح البخاري: 5765. 5 الطبقات لابن سعد: 198,197/2. 6 فتح الباري: 279/10. 7 الطبقات لابن سعد: 198/2.

آپ نے کوئی بات کی ہو اور وہ اس طرح پوری نہ ہوئی ہو جس طرح آپ نے فرمائی تھی۔ [1]

جادو برقرار رہنے کی مدت

رسول اللہ ﷺ پر جادو کتنے عرصے تک اثر انداز رہا، اس کے متعلق سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کئی دنوں تک اس میں مبتلا رہے۔ [2] لیکن ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ چھ مہینے تک جادو کی تکالیف جھیلتے رہے۔ [3] مصنف عبدالرزاق میں یحییٰ بن معمر سے ایک سال کی مدت منقول ہے۔ [4] زیادہ صحیح بات وہی ہے جو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو قابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔ [5]

جادو کی حقیقت کھل گئی

رسول اللہ ﷺ عالم الغیب تو تھے نہیں کہ آپ پر اس معاملے کی حقیقت کھل جاتی، البتہ اتنا ضرور تھا کہ آپ روز بروز کمزور ہوتے جا رہے تھے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کو کمزوری لاحق ہوتی جا رہی تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ تکلیف کیا ہے۔ [6] آخر کار رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے تندرستی کے لیے خوب دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفایاب فرما دیا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے تو آپ نے اللہ سے دعا کی، پھر دوبارہ دعا کی۔ اس کے بعد فرمایا:

«أَشَعَرْتِ يَا عَائِشَةُ! أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ؟»

"عائشہ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو بات پوچھی تھی، اس نے مجھے اس بات کا جواب دے دیا ہے؟"

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! وہ بات کیا ہے؟ [7] آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَانِي رَجُلَانِ فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي، وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَقَالَ الَّذِي عِنْدَ رَأْسِي لِلْآخَرِ: مَا بَالُ الرَّجُلِ؟ قَالَ: مَطْبُوبٌ»

"میرے پاس دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ

1 دیکھیے: فتح الباري: 280,279/10. 2 سنن النسائي: 4085. 3 مسند أحمد: 63/6. 4 المصنف لعبدالرزاق 14/11. 5 فتح الباري: 279/10. 6 دلائل النبوة للبيهقي: 92/7. 7 صحيح البخاري: 5766.

گیا۔ میرے سر کے پاس بیٹھنے والے نے دوسرے آدمی سے پوچھا: ان صاحب کو کیا شکایت ہے؟ اس نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے۔''[1]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ یہ دو فرشتے جبریل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجموع طرق سے یہ پتا چلتا ہے کہ سوال کرنے والے میکائیل علیہ السلام تھے اور جن سے پوچھا گیا، وہ جبریل علیہ السلام تھے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے دونوں فرشتوں کی مزید گفتگو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«قَالَ: وَمَنْ طَبَّهُ؟ قَالَ: لَبِيدُ بْنُ أَعْصَمَ ۔ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي زُرَيْقٍ حَلِيفٌ لِّيَهُودَ كَانَ مُنَافِقًا ۔ قَالَ: وَفِيمَ؟ قَالَ: فِي مُشْطٍ وَّمُشَاطَةٍ، قَالَ: وَأَيْنَ؟ قَالَ: فِي جُفِّ طَلْعَةِ ذَكَرٍ تَحْتَ رَعُوفَةٍ فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ»

''اس (سر کے پاس بیٹھے فرشتے) نے پوچھا: ان پر کس نے جادو کیا ہے؟ اس (دوسرے فرشتے) نے جواب دیا: لبید بن اعصم نے۔ یہ بنو زریق کا ایک منافق آدمی تھا جو یہودیوں کا حلیف تھا۔ پہلے فرشتے نے پوچھا: کس چیز کے ذریعے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: کنگھی اور اس سے جھڑنے والے بالوں کے ذریعے۔ اس نے پوچھا: جادو کی چیز کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: جادو کی چیز نر کھجور کے خوشے کی تھیلی (کور) میں جو ذروان کے کنویں میں پتھر کے نیچے دفن ہے۔''

ایک روایت میں ہے کہ فرشتے نے بتایا:

«فُلَانٌ الَّذِي كَانَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ عَقَدَ لَهُ عُقَدًا فَأَلْقَاهُ فِي بِئْرِ فُلَانٍ الْأَنْصَارِيِّ، فَلَوْ أَرْسَلَ إِلَيْهِ رَجُلًا فَأَخَذَ مِنْهُ الْعُقَدَ فَوَجَدَ الْمَاءَ قَدِ اصْفَرَّ»

''فلاں (لبید بن اعصم) جو ان (رسول اللہ ﷺ) کے پاس آیا کرتا تھا، اس نے ان کے لیے گرہیں لگائی ہیں، پھر اس (جادو) کو فلاں انصاری کے کنویں میں رکھ دیا ہے۔ اگر اس (کنویں) کی طرف کسی شخص کو روانہ کیا جائے اور وہ اس میں سے گرہیں نکال لائے تو وہ پانی کو زرد پائے گا۔''[4]

رسول اللہ ﷺ کی کنویں پر آمد

رسول اللہ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لائے اور اسے دیکھا۔ اس پر کھجور کے درخت بھی

1 صحيح البخاري: 5765. 2 الطبقات لابن سعد: 197/2. 3 فتح الباري: 281/10. 4 المستدرك للحاكم: 360/4.

تھے۔ آپ نے کنویں کے اندر سے جادو کی پوٹلی نکال لی۔[1] ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ نے سیدنا علی اور عمار رضی اللہ عنہما کو کنویں کی طرف روانہ فرمایا۔[2]

ایک تیسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبیر بن ایاس زرقی رضی اللہ عنہ کو، جو بدری صحابی ہیں، طلب فرمایا اور ذروان کے کنویں میں جادو کی جگہ کی نشاندہی فرمائی تو جبیر رضی اللہ عنہ اسے نکال لائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جادو کی پوٹلی قیس بن محصن زرقی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے نکالی۔[3] ان روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کام میں جبیر رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور بنفس نفیس تشریف لے گئے، اس وجہ سے اس (کنویں سے جادو کی پوٹلی نکالنے) کی نسبت آپ کی طرف کر دی گئی۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ نے پہلے ان حضرات کو روانہ فرمایا، پھر خود بھی تشریف لے گئے اور اس کا مشاہدہ کیا۔[4] امام بیہقی رحمہ اللہ کی نقل کردہ روایت میں تو یہ صراحت موجود ہے کہ ایک آدمی کنویں میں اترا اور اس نے پتھر کے نیچے سے کھجور کے خوشے کی تھیلی نکالی تو اس میں رسول اللہ ﷺ کی کنگھی اور آپ کے سر مبارک کے وہ بال موجود تھے جو کنگھی سے گر گئے تھے۔ نیز اس میں رسول اللہ ﷺ کی صورت کا موم کا مجسمہ بھی تھا۔ اس میں سوئیاں چبھی ہوئی تھیں۔ اس پر کمان کی تانت بھی تھی جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔[5]

معوذتین کی برکت سے گرہیں کھل گئیں

اس موقع پر جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) لے کر حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ایک ایک آیت پڑھ کر گرہیں کھولتے جائیں، چنانچہ آپ ﷺ ان سورتوں کی تلاوت کرنے لگے اور ساتھ ساتھ گرہیں بھی کھولتے رہے۔ آپ نے ہر آیت پر ایک گرہ کھولی۔ اس طرح گیارہ آیتوں کے مکمل ہونے پر گیارہ گرہیں کھل گئیں۔ آپ جب ایک سوئی نکالتے تو آپ کو تکلیف محسوس ہوتی، پھر اس کے بعد راحت مل جاتی۔ اس طرح آپ بالکل تندرست ہو گئے اور یوں اٹھ کھڑے ہوئے جیسے آپ زنجیروں کی جکڑ بندی سے آزاد ہو گئے ہیں۔[6]

رسول اللہ ﷺ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور انھیں صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

«وَاللّٰہِ! لَکَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ، وَلَکَأَنَّ نَخْلَهَا رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ»

[1] صحیح البخاري، 5763 و 5765. [2] الطبقات لابن سعد: 198/2. [3] الطبقات لابن سعد: 198،197/2
[4] فتح الباري: 283/10. [5] دلائل النبوة للبيهقي: 94/7. [6] دلائل النبوة للبيهقي: 94/7، مسند عبد بن حميد: 115/1.

''اللہ کی قسم! اس (کنویں) کا پانی مہندی کے عرق کی طرح رنگین ہے اور اس کے کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے ہیں۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! آپ نے اس جادو کا توڑ کیوں نہیں کرایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا اللّٰهُ فَقَدْ شَفَانِي، وَ أَمَّا أَنَا فَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا»

''اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرما دی ہے۔ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ لوگوں پر اس کا شر پھیلاؤں۔''

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے اس کنویں کے بارے میں حکم دیا کہ اسے بند کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حارث بن قیس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے مل کر اس کنویں کو توڑ پھوڑ دیا اور دوسرا کنواں کھودا۔ اس کنویں کی کھدائی میں رسول اللہ ﷺ نے بھی ان سے تعاون کیا۔[2]

دراصل رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے نقصان کا اندیشہ تھا مبادا اس کی وجہ سے لوگوں کی توجہ جادو کی طرف ہو جائے اور وہ اس میں دلچسپی لیتے ہوئے اسے سیکھنا سکھانا شروع کر دیں اور یوں ایک نیا فتنہ کھڑا ہو جائے۔

جانی دشمن کو معاف کر دیا

لبید بن اعصم منافق نے تو جادو کا یہ سارا عمل نہایت خفیہ انداز میں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس شیطانی عمل سے مطلع فرما دیا۔ لبید بن اعصم کے بے نقاب ہونے اور یہودیوں کی سازش کا بھانڈا پھوٹ جانے کے بعد اب سوال یہ تھا کہ اسے اس گھناؤنے جرم کی کیا سزا دی جائے۔ اس نے کائنات کی سب سے عظیم شخصیت، محسنِ انسانیت اور تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار کے خلاف، جن پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو چکا، جادو کر کے ایسا بھیانک قدم اٹھایا تھا جس کی کم سے کم سزا یہ تھی کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ گزارش کی گئی: اللہ کے رسول! اگر آپ اس یہودی کے قتل کا حکم صادر کر دیں (تو اچھا ہوگا)۔ لیکن قربان جائیں رحمۃ للعالمین ﷺ کے اخلاقِ عالیہ پر! آپ نے جواب دیا:

«قَدْ عَافَانِي اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَمَا وَرَاءَهُ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ أَشَدُّ»

''مجھے اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا فرما دی ہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے اللہ کا عذاب ہے، وہ

---

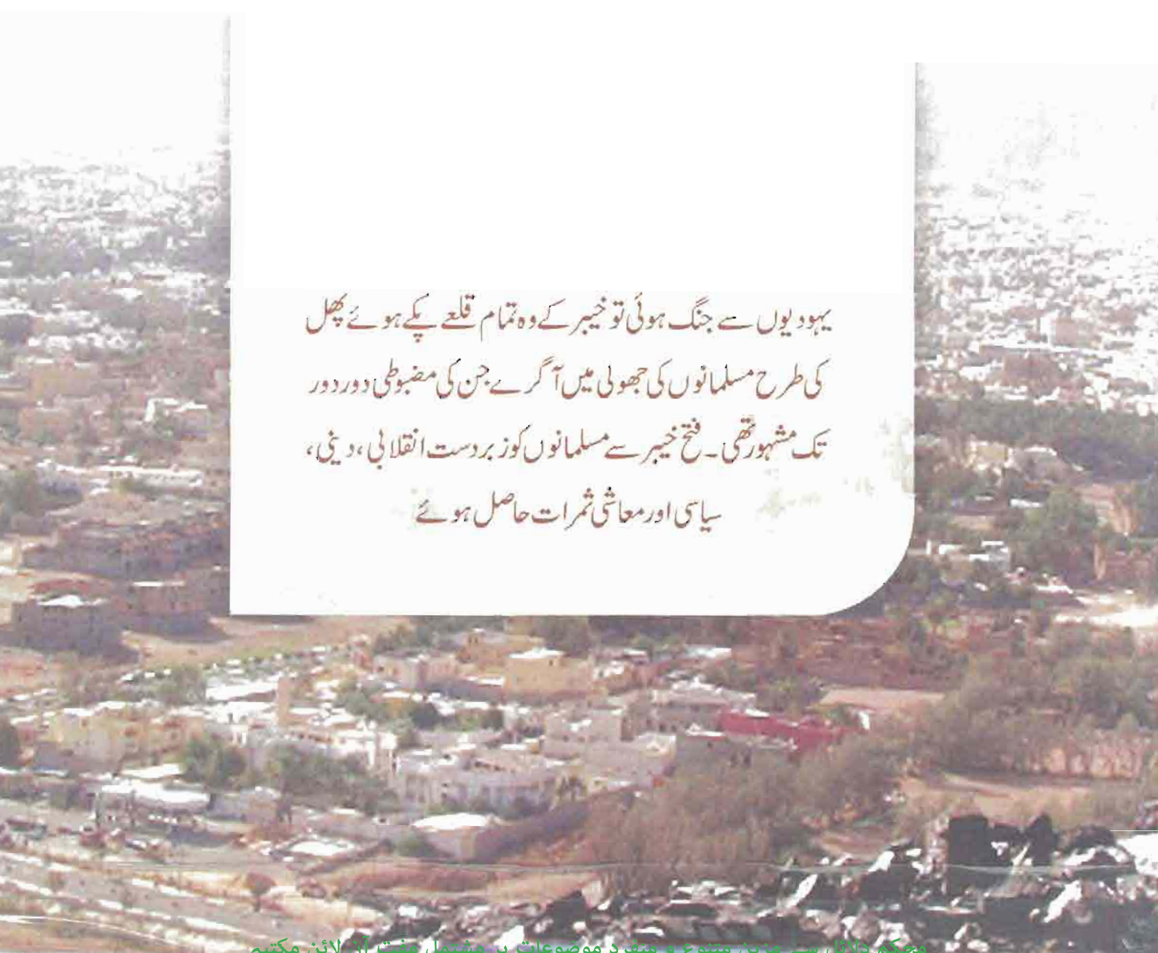
1 صحیح البخاري: 5765، 5766 و 6063۔ 2 الطبقات لابن سعد: 198/2۔

زیادہ سخت ہے۔'' [1]

یوں آپ ﷺ نے اپنے اس خطرناک دشمن سے کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ وہ اس کے بعد بھی آپ کے پاس آتا رہا لیکن آپ نے اس سے اس کا کوئی تذکرہ تک نہیں کیا اور زندگی بھر اسے کوئی سزا نہیں دی۔ [2] اپنے جانی دشمن سے عفو و درگزر کا یہ ایسا زبردست عملی نمونہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ ہمارے عالی قدر پیغمبر ﷺ کی یہی شان تھی کہ آپ اپنی ذات کے معاملے میں کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے بلکہ عفو و درگزر فرماتے تھے۔

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی: 94/7۔ [2] المستدرک للحاکم: 361360/4، السلسلۃ الصحیحۃ: 2761۔

غزوۂ خیبر



یہودیوں سے جنگ ہوئی تو خیبر کے وہ تمام قلعے پکے ہوئے پھل کی طرح مسلمانوں کی جھولی میں آ گرے جن کی مضبوطی دور دور تک مشہور تھی۔ فتح خیبر سے مسلمانوں کو زبردست انقلابی، دینی، سیاسی اور معاشی ثمرات حاصل ہوئے

وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا
وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا
وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا
فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ وَلِتَكُونَ
آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا

’’اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جو وہ حاصل کریں گے۔ اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔ اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، پھر اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کر دیں، اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے، تا کہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے، اور تا کہ وہ تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔‘‘ (الفتح 48: 19، 20)

اس باب میں

آپ کو معلوم ہوگا کہ صلح حدیبیہ سے پہلے جتنے بھی غزوے ہوئے، وہ محض دفاعی نوعیت کے تھے لیکن اب صلح حدیبیہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکینِ مکہ اور ان کے حلیفوں سے صلح کے نتیجے میں فرصت دی تو رسالت مآب ﷺ نے اسلام کے ازلی دشمن یہودیوں کے گڑھ خیبر پر حملہ کر دیا۔ اسلامی فتوحات کی تاریخ میں غزوہ خیبر کی بڑی اہمیت ہے۔ عرب کے وہ قبیلے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، وہ فتح خیبر کی وجہ سے مسلمانوں سے مرعوب ہوگئے۔ انھیں معلوم تھا کہ جدید اسلحہ کی فراوانی، قلعوں کے استحکام، دولت مندی اور غذائی اجناس کے ذخائر کی وجہ سے یہودی مسلمانوں سے بہت مضبوط اور طاقتور ہیں۔ اس کے باوجود یہودی بُری طرح شکست کھا گئے۔ مسلمانوں کی اس فتح کا تمام عرب قبائل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ یوں پورے عرب میں پرچمِ اسلام کی اُڑانوں کی راہ ہموار ہوگئی۔ اس غزوے میں مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت ملا۔ یہی غزوہ ہے جس میں زرعی زمین کی تقسیم کے باقاعدہ اصول مدون ہوئے اور خُمس کی تخصیص کی گئی کہ یہ مال صرف اللہ، اس کے رسول کے لیے ہے۔ اسی غزوے میں سیدہ صفیہ قیدی کی حیثیت سے آئیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے کریمانہ اخلاق سے مسرور اور متأثر ہوکر کاشانۂ نبوت کی ملکہ بن گئیں۔ اسی غزوے میں رسالت مآب ﷺ نے اپنا مبارک لعاب دہن لگایا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں۔ سلام بن مشکم کی یہودی بیوی زینب بنت حارث نے آپ ﷺ کو بکری کا زہر آلود گوشت پیش کرکے آپ ﷺ کا چراغِ حیات بجھانے کی ناپاک کوشش کی۔ تاریخ کے اس عظیم و عجیب باب کے دیگر نادر اسباق اگلے اوراق میں ملاحظہ فرمائیے۔

فتحِ خیبر

خیبر کا تعارف

خَیْبَر، جَعْفَر کے وزن پر ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قوم عمالیق کا ایک شخص جس کا نام خیبر تھا، یہاں آ کر آباد ہوا، اسی کی وجہ سے اس جگہ کا نام خیبر پڑ گیا۔ یہ شخص یثرب کا بھائی تھا۔ اسی کے نام پر مدینہ منورہ کو اسلام سے پہلے یثرب کہا جاتا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہودیوں کی زبان میں لفظ ''خیبر'' کے معنی قلعے کے ہیں۔ اسی وجہ سے اس شہر کو خیابر کہا گیا کیونکہ یہ بہت سے قلعوں پر مشتمل تھا۔ [1] خیبر ایک بڑا شہر تھا، یہ مدینہ منورہ کے شمال میں واقع تھا۔ اس شہر اور مدینہ منورہ کے درمیان آٹھ برید کا فاصلہ تھا جیسا کہ علامہ دمیاطی رحمہ اللہ نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے۔ معجم المعالم الجغرافیہ فی السیرۃ النبویۃ کے مطابق خیبر مدینہ سے 165 کلومیٹر شمال میں ہے۔ [2]

خیبر سطح سمندر سے 2800 فٹ بلند ہے۔ یہ نہایت سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ اس میں بڑی تعداد میں چشمے اور باغات تھے۔ اس کی مٹی نہایت زرخیز تھی۔ ہر طرح کی فصلوں اور پھلوں کے لیے بہت موزوں تھا۔ اسے جزیرہ عرب کے بڑے نخلستانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے ایک نخلستان الکتیبہ میں کھجور کے درختوں کی تعداد 40000 تک تھی۔ [3]

[1] السیرۃ الحلبیۃ: 726/2. [2] معجم المعالم الجغرافیۃ في السیرۃ النبویۃ، ص: 118. [3] البدایۃ والنہایۃ: 203/4، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 67,66/9.



عہد نبوت میں خیبر یہودیوں کا بہت بڑا مرکز تھا، فلسطین سے جلاوطن ہو کر یہودی قبیلے خیبر اور یثرب میں بھی آ بسے تھے۔ خیبر ایک حرّہ (آتش فشانی چٹانوں کا سلسلہ) ہے۔ مدینہ منورہ سے آئیں تو شہر سے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر سفید اور قابلِ کاشت لیکن غیر آباد زمینیں ملتی ہیں، جو دس بارہ کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہیں، اس کے بعد حرّہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس حرّے میں شاہراہ کے دائیں جانب قدیم یہودی کھنڈر میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں جن میں کچھ تالابوں کے منہدم آثار نظر آتے ہیں۔ گرمی میں جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو ان کی تہ میں جمی ہوئی مہین مٹی دور دور تک نظر آتی ہے۔ ان تالابوں میں ایک صہباء نامی تالاب بھی ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی طرف آتے جاتے وقت قیام فرمایا تھا۔ اس کے آگے نشیب میں ایک وسیع وادی ہے جس میں شہر خیبر آباد ہے۔ اس میں نخلستان اس قدر کثرت سے ہیں کہ کسی بلند جگہ سے بھی شہر کے خط و خال بالکل نظر نہیں آتے۔ خیبر کا سب سے بڑا قلعہ ''القموص'' ہے جسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ یہاں ایک وادی کا نام ''نطاۃ'' ہے، اس وادی میں مرحب کا قلعہ اور محل تھے۔ یہ محل فتح کے بعد سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا تھا۔ ''الشق'' میں ''الحمۃ'' نامی ایک چشمہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ''قسمة الملائكة'' کا نام دیا تھا۔ اس کا دو تہائی پانی ایک نالے میں جاتا ہے اور ایک تہائی دوسرے میں۔[1]

خیبر اور حجاز سے یہود کا تعلق

تین ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک نہ صرف یثرب کا علاقہ بلکہ یثرب سے لے کر شام کی حدود تک تمام مشرقی و مغربی علاقے عمالقہ کے زیر تسلط رہے تھے لیکن یہود خیبر میں کب آئے؟ اس زمانے کا تعین مشکل ہے اور اس بارے میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض مؤرخین کے بقول یہود خیبر میں اسی دور میں داخل ہو گئے تھے جب

1 اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 9/67-69

قلعہ خیبر



انھوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اس جنگی مہم کے نتیجہ میں یثرب کو اپنا وطن قرار دیا تھا جو انھوں نے عمالقہ کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمائی تھی، عمالقہ اس دور میں خیبر سمیت یثرب و حجاز کے تمام شمالی، مشرقی اور مغربی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس جنگ میں شامل لوگ عمالقہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے حجاز سے واپس جا رہے تھے کہ اسی دوران سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کی خبر آ گئی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء نے ان لوگوں کو شام میں مقیم ہونے کی اجازت نہیں دی کیونکہ ان کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے عمالقہ کے ایک قیدی کو زندہ چھوڑ دیا تھا اور یہ اقدام شریعت یہود کے اس حکم کے خلاف تھا کہ دشمن کے تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔[1]

ان مؤرخین کے بقول جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء نے ان یہودیوں کو شام میں داخل ہونے سے منع کر دیا تو انھوں نے لوٹ کر یثرب اور حجاز کے شمال مشرقی علاقوں میں اقامت اختیار کر لی اور خیبر کے یہودیوں کا تعلق بھی انھی لوگوں سے تھا جنھوں نے قریباً 1200 سال قبل مسیح یثرب اور خیبر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔[2]



تدمر (شام) کے رومی آثار

مؤرخین کے دوسرے گروہ کی رائے میں یہودی خیبر میں 70ء کے بعد آئے تھے۔



بخت نصر کا سکہ

امام طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہود بخت نصر کے ہاتھوں شام اور بیت المقدس کی تباہی (586 ق م) کے بعد حجاز آئے تھے۔[3]

ڈاکٹر جواد علی کے بقول خیبر کے یہودی ''رکاب'' کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس نے ہیکل اول کی تباہی (586 ق م) کے بعد حجاز کی طرف نقل مکانی کر کے خیبر میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ یہاں آ کر انھوں نے کھجوروں اور دیگر فصلوں کی کاشت کا پیشہ اختیار کیا اور گڑھیاں اور قلعے تعمیر کیے تاکہ بدوؤں کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔ انھیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خیبر سے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔[4]

---

1 کتاب مقدس (استثنا) 13:20. 2 تاریخ ابن خلدون: 100/2، الأغاني للاصبهاني: 108،107/22، وفاء الوفا للسمهودي: 159/1. 3 وفاء الوفاء للسمهودي: 160،159/1 4 المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 526،525/6

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ خیبر کے یہودیوں کا بنی اسرائیل سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ لوگ درحقیقت انھی عربوں کی اولاد ہیں جنھوں نے یہودیت اختیار کر لی تھی۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مشہور یہودی پہلوان مرحب قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتا تھا۔ [1]

ایک اور رائے کے مطابق یہودیوں کا خیبر اور یثرب سے تعلق اللہ تعالیٰ کے نبی اور بادشاہ سیدنا داود علیہ السلام کے عہد میں قائم ہوا، یعنی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے، جیسا کہ سمہودی نے لکھا ہے کہ جب سیدنا داود علیہ السلام نے مدینہ میں عمالقہ سے جنگ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گردنوں پر ایک مخصوص کیڑا مسلط کر دیا جس کی وجہ سے تمام عمالقہ یک قلم ہلاک ہو گئے۔ [2]

بعض مؤرخین نے یہود کے خیبر و حجاز میں آنے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ان کے بعض علماء نے جب تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات بھی لکھی ہوئی دیکھی کہ آپ ایک ایسے شہر کی طرف ہجرت فرمائیں گے جس میں کھجوریں بہت ہوں گی اور وہ دو سیاہ پتھروں والے علاقوں (حرّوں) کے درمیان ہوگا، تو وہ اس علاقے کی تلاش میں شام سے نکلے اور جب انھوں نے تیماء کو دیکھا کہ یہاں کھجوریں بہت ہیں تو ان میں سے ایک گروہ نے اسی علاقے میں ڈیرے ڈال دیے جبکہ دوسرے گروہ نے خیبر کو اس کا مصداق قرار دیتے ہوئے اسے اپنا وطن بنالیا، اور انھی میں سے اکثر یہودیوں خصوصاً اشرافِ یہود نے یثرب کو اس خوشخبری کے مصداق پایا تو انھوں نے وہاں رہنے کو ترجیح دی۔ [3]

غزوۂ خیبر کے اسباب

ظہورِ اسلام کے وقت مدینہ کے یہودیوں کی طرح خیبر کے یہودیوں کا موقف بھی اسلام کے بارے میں مفاہمت کی بجائے عداوت ہی کا تھا، البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ 4 ھ تک یہودِ خیبر اس کشمکش سے بالکل الگ رہے جو مسلمانوں اور مدینہ کے یہودیوں میں جاری تھی اور جس میں مدینہ کے یہودیوں نے اپنے تمام اسباب و وسائل اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی کے لیے وقف کر دیے تھے۔

یہودی قبائل میں سے بنونضیر مدینہ کا سب سے زیادہ طاقتور، اثر و رسوخ کا مالک اور مالدار قبیلہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو حسب و نسب کے اعتبار سے بھی تمام یہودیوں سے برتر سمجھتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ سیدنا ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اسی زعمِ باطل میں انھوں نے یہودِ بنوقینقاع اور یہودِ بنوقریظہ کی طرح سیدالانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

1 السيرة لابن هشام: 348/3. 2 وفاء الوفا للسمهودي: 158/1. 3 وفاء الوفا للسمهودي: 160/1

بنونضیر اور اس کے سردار حُیَی بن اخطب نے ساری زندگی آنحضرت ﷺ سے شدید عداوت رکھی اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف شرارتوں اور سازشوں میں کبھی کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ آنحضرت ﷺ ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیتے رہے۔ اسلام نے ان کے خاص معاملات میں انھیں مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد نہ صرف بنونضیر بلکہ تمام یہودیوں سے عہد و میثاق کیا تھا لیکن اس حسن سلوک کے باوجود یہودی ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ جنگِ بدر (رمضان 2 ھ) کے بعد یہودی قبیلہ بنوقینقاع نے میثاقِ مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شرارت کی تو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا جس کے نتیجے میں انھیں شام کی طرف جلاوطن ہونا پڑا۔

غزوۂ احد کے بعد 4 ھ میں بنونضیر کے یہودیوں کی شرارتوں اور سازشوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا جس کے نتیجے میں بنونضیر پسپا ہوگئے۔ ان کی پسپائی اور ہزیمت کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان سے رحمدلی کا برتاؤ فرمایا اور ایک معاہدے کے تحت ان کی جان بخشی فرماتے ہوئے انھیں امن و امان کے ساتھ جلاوطن ہونے کی اجازت دے دی۔ اس معاہدے کی رو سے یہود بنی نضیر نے مدینہ منورہ سے اپنی جلاوطنی قبول کرلی۔ پھر وہ خیبر منتقل ہوگئے۔ بنونضیر کا سربراہ حُیَی بن اخطب انسان نما شیطان تھا۔ اس کی قیادت میں خیبر کے یہودیوں کے کردار میں جوہری تبدیلی پیدا ہوگئی اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے ارادے خطرناک ہوگئے۔

بنونضیر خیبر میں

جب رسول اللہ ﷺ اور بنونضیر کے یہودیوں کے مابین ان کی جلاوطنی کا معاہدہ طے پا گیا تو ان کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ سارے جزیرۃ العرب سے نکل جائیں بلکہ مقصود صرف یہ تھا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں اور جہاں چاہیں آباد ہو جائیں، لہٰذا انھوں نے خیبر میں رہنا پسند کیا۔ یہ جزیرہ نمائے عرب میں پناہ گزیں یہودیوں کا اتنا بڑا مرکز تھا کہ اس میں اُن کے صرف مسلح جنگجوؤں کی تعداد دس ہزار (10000) تھی۔[1] یعقوبی نے ان کی تعداد بیس ہزار بیان کی ہے۔[2]

اسلام کے خلاف سازشوں کے سرغنے

بنونضیر کے قائدین حُیَی بن اخطب، کنانہ بن ربیع بن ابی الحُقیق اور سلام بن ابی الحُقیق وغیرہ رسول اللہ ﷺ کے

[1] المغازي للواقدي: 114/2. [2] تاريخ اليعقوبي: 37/2

شدید دشمن تھے۔ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے ناپاک منصوبے بناتے رہتے تھے۔ خیبر پہنچنے کے بعد انھوں نے تمام یہودیوں کو اسلام کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ خیبر کے یہودی بھی اب اسلام کی مخالفت میں بے باک ہوگئے۔ بنونضیر کے ناعاقبت اندیش قائدین ہی کی سازش سے ذی قعدہ 5 ھ میں کفارِ مکہ اور مشرکین عرب کا دس ہزار کا انبوہِ کثیر مدینہ منورہ پر چڑھ آیا تھا لیکن نصرتِ الٰہی سے مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہے اور لشکرِ کفار مدینہ کے ایک ماہ کے ناکام محاصرے کے بعد نامراد لوٹ گیا۔ اس دوران میں حُیَی بن اخطب کے اُکسانے پر بنوقریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طے شدہ معاہدہ توڑ دیا تھا۔ اس طرح وہ بھی مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے لیے آنے والی جماعتوں (احزاب) میں شامل ہوگئے تھے۔ اس عہد شکنی اور غداری کی جو سزا بنوقریظہ کو بھگتنی پڑی، اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔[1] یوں خیبر کے یہودی پوری طرح مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوگئے۔

مسلمانوں سے خیبر کی فتح کا وعدہ

6 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے 1400 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کا پروگرام بنایا لیکن مشرکین مکہ نے آپ کو عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں جانے سے روک دیا۔ وہ آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہوگئے اور بعد ازاں مصالحت اور معاہدے کی طرف مائل ہوگئے کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آجائیں۔ یہ بات آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ناپسندیدگی کے باوجود تسلیم فرمالی۔ آپ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح نازل فرمادی جس میں اس صلح کو مصلحت اور انجام کے اعتبار سے فتح مبین قرار دیا اور ساتھ ہی وعدہ فرمایا کہ مسلمان مستقبل میں خیبر فتح کرکے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کریں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝﴾

''اللہ نے تم سے بہت سے غنائم کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، چنانچہ اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کر دیے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے اور وہ تمھیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دے۔''[2]

[1] دیکھیے اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا کی ساتویں جلد کا پانچواں باب۔ [2] الفتح 20:48.

ابن اسحاق نے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ پر مکہ و مدینہ کے درمیان سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے خیبر کی فتح کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا ...... ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سے غنائم کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے......''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے کہ ﴿ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾ ''اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی۔'' کے الفاظ مبارک میں قریب کی فتح سے مراد فتحِ خیبر ہے۔ [2]



خیبر کا نخلستان

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ ان کے اطمینان اور سکون قلب کے لیے فرمایا تھا۔ اس سے ان کے دل اس یقین سے سرشار ہو گئے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں فتح خیبر سے سرفراز فرمائے گا اور خیبر کے لہلہاتے ہوئے کھیت اور سرسبز و شاداب باغات انھیں بطور غنیمت عطا فرمائے گا۔ انھوں نے غمی اور خوشی ہر حال میں صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا تھا اور استقامت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا تھا، حدیبیہ میں صلح کی شرائط کی بنا پر بیت اللہ کی زیارت سے محروم رہنے کے باعث ان کی جو دل شکنی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ان کا مداوا بھی فرمانا چاہتا تھا۔ اس لیے رب العزت نے ان کی دل جوئی کا وعدہ فرمایا۔

[1] زادالمعاد: 317/3. [2] البداية والنهاية: 183/4.

غزوۂ خیبر کے اعلان پر مسرت کی لہر

رسول اللہ ﷺ نے جب جہاد کے لیے خیبر کی طرف کوچ کرنے کا اعلان فرمایا تو اس سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں زبردست مسرت کی لہر دوڑ گئی کیونکہ ان کے دل جذبہ جہاد سے معمور تھے۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان فرما دیا کہ خیبر کے یہودیوں سے جنگ کے لیے وہی صحابہ آپ کے ساتھ جائیں گے جنھوں نے حدیبیہ کے مقام پر ایک درخت کے زیر سایہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور جن کی تعداد چودہ سو (1400) تھی۔ حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والوں (مخلّفین) نے جب آپ ﷺ کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا:

«لَا تَخْرُجُوا مَعِي إِلَّا رَاغِبِينَ فِي الْجِهَادِ فَأَمَّا الْغَنِيمَةُ فَلَا»

''تم صرف جہاد کی رغبت رکھتے ہوئے میرے ساتھ جا سکتے ہو لیکن مالِ غنیمت میں سے تمھیں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔''[1]

اس ارشادِ مبارک سے آپ کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ امتحان لینا چاہتے تھے کہ ان لوگوں میں سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟

خواتین کو لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت

ان چودہ سو (1400) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ آپ ﷺ نے کچھ صحابیات کو بھی لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت عطا فرما دی تھی تاکہ وہ بوقت ضرورت زخمی مجاہدین کی ابتدائی طبی امداد کر سکیں۔ غزوہ خیبر میں شرکت کرنے والی ان خواتین میں ایک ام سنان اسلمیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ چلوں؟ میں مشکیزوں کی سلائی کروں گی، مریضوں اور زخمیوں کا علاج کروں گی، اللہ کرے کہ کوئی زخمی ہی نہ ہونے پائے۔ میں خیموں اور سامان کی حفاظت بھی کروں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اُخْرُجِي عَلَى بَرَكَةِ اللّٰهِ فَإِنَّ لَكِ صَوَاحِبَ قَدْ كَلَّمْنَنِي وَ أَذِنْتُ لَهُنَّ مِنْ قَوْمِكِ وَمِنْ غَيْرِهِمْ، فَإِنْ شِئْتِ فَمَعَ قَوْمِكِ وَ إِنْ شِئْتِ فَمَعَنَا»

1 المغازي للواقدي: 2/113، 114.

’’اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ تم بھی چلو، تمھاری کئی سہیلیوں نے بھی اس بارے میں مجھ سے بات کی ہے اور میں نے انھیں اجازت دے دی ہے، ان میں سے بعض کا تعلق تمھاری قوم سے ہے، بعض کا دوسری قوم سے۔ تم چاہو تو اپنی قوم کے ساتھ روانہ ہو جاؤ اور چاہو تو ہمارے ساتھ چلو۔‘‘

میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَكُونِي مَعَ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجَتِي»

’’تم میری بیوی ام سلمہ کے ساتھ ہو جاؤ۔‘‘

ام سنان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اس سفر میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھی۔ [1]

جن خواتین نے غزوہ خیبر میں شرکت کی سعادت حاصل کی، ان کی تعداد بیس تھی۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1 ام المؤمنین ام سلمہ 2 صفیہ بنت عبدالمطلب 3 ام سنان اسلمیہ 4 ام ایمن 5 سلمٰی، رسول اللہ ﷺ کی باندی 6 ابورافع کی بیوی کعیبہ بنت سعد اسلمیہ 7 ام مطاع اسلمیہ 8 امیہ بنت قیس غفاریہ 9 ام عامر اشہلیہ 10 ام ضحاک بنت مسعود حارثیہ 11 ہند بنت عمرو بن حرام 12 ام منیع بنت عمرو 13 ام عمارہ نسیبہ بنت کعب 14 ام سلیط نجاریہ 15 ام سلیم 16 ام عطیہ انصاریہ 17 ام علاء انصاریہ 18 ام سہلہ، عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ [2] رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ أَجْمَعِينَ.

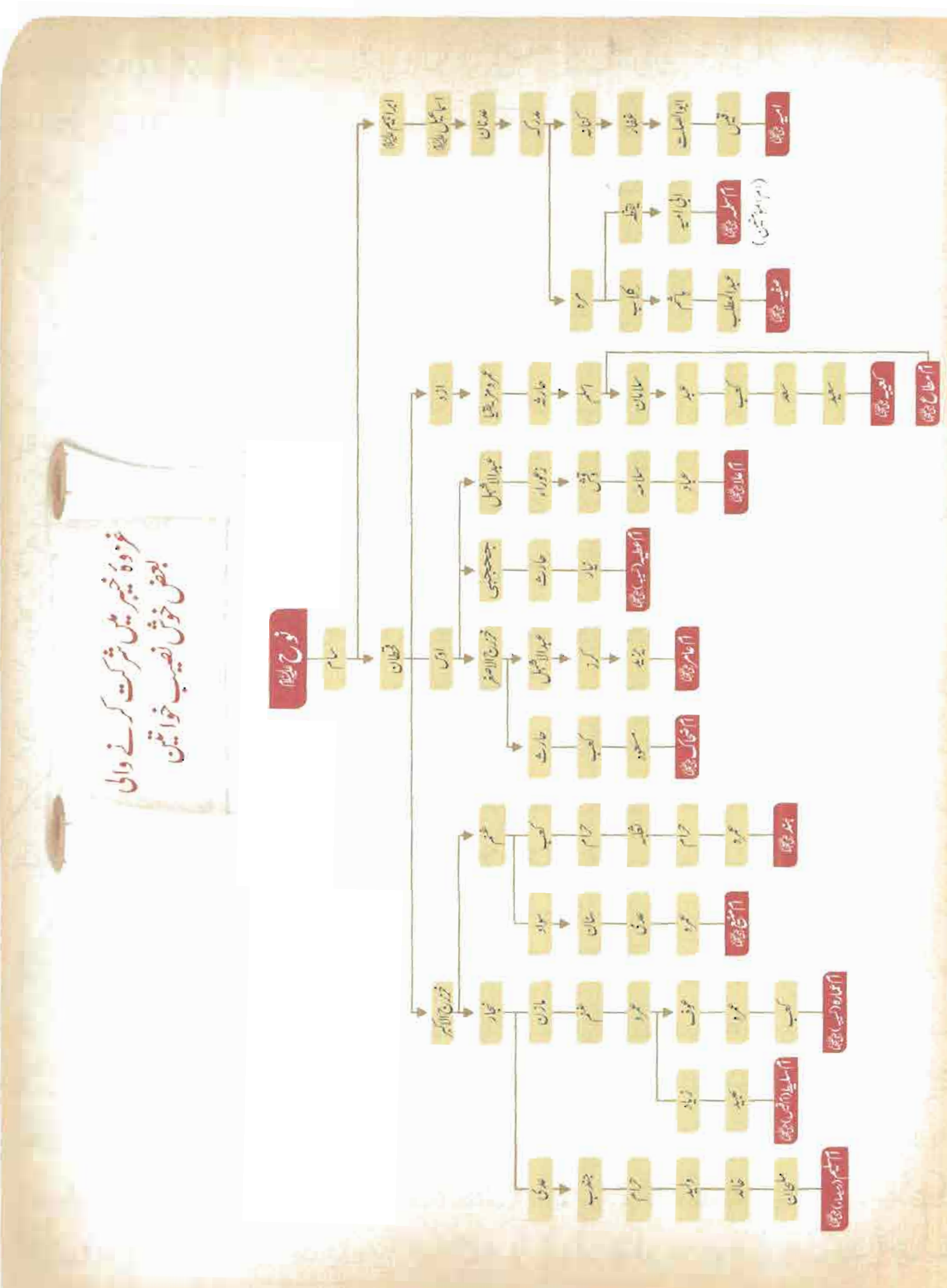
ابن سعد کی ان روایات کی، جن میں خواتین کی غزوہ خیبر میں شرکت کا ذکر ہے، بخاری و مسلم کی ان روایات سے بھی تائید ہوتی ہے جن میں ذکر ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے غزوہ خیبر میں شرکت کی تھی اور جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی پر رستے ہی میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو ام سلیم رضی اللہ عنہا ہی نے انھیں دلہن بنا کر آپ ﷺ کے لیے تیار کیا تھا۔ [3]

جہاد میں خواتین کی شرکت کا مسئلہ

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے، صحیح البخاری میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے جہاد کے بارے میں اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ»

1 الطبقات لابن سعد: 292/8. 2 إمتاع الأسماع: 321/1، المغازي للواقدي: 149/2. 3 صحيح البخاري: 371.


غزوۂ خیبر میں شرکت کرنے والی
بعض خوش نصیب خواتین

"تمھارا جہاد حج ہے۔"[1]

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«لٰكِنَّ أَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُورٌ»

"تمھارے لیے افضل جہاد حج مبرور ہے۔"[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں ابن بطال رحمہ اللہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے لیکن "جِهَادُ كُنَّ الْحَجُّ" "تمھارا جہاد حج ہے۔" کے یہ معنی نہیں کہ عورتیں نفلی طور پر بھی جہاد نہیں کر سکتیں۔[3]

مدینہ کے باقی ماندہ یہودیوں کا طرز عمل

مدینہ میں کچھ ایسے یہودی باقی رہ گئے تھے جن کا وہ انجام نہیں ہوا جو بنو قریظہ کے خائن اور غدار یہودیوں کا ہوا تھا کیونکہ ان لوگوں نے بنو قریظہ کی طرح خیانت اور غداری کا ارتکاب نہیں کیا تھا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انھیں قتل، قید یا جلا وطنی جیسی کوئی سزا نہیں دی، بلکہ یہ مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان کے ذریعے پُر سکون زندگی بسر کر رہے تھے لیکن مسلمانوں کی طرف سے مبنی بر عدل و انصاف سلوک کے باوجود جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ مسلمان خیبر پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں تو انھیں یہ بات بہت گراں گزری کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں نے خیبر کو فتح کر لیا تو اس سے جزیرۂ عرب میں یہودیوں کا وجود ختم ہو جائے گا، لہٰذا ان کی ساری ہمدردیاں خیبر کے یہودیوں کے ساتھ تھیں اور ان کی بھرپور کوشش تھی کہ مسلمانوں کو خیبر پر حملہ آور ہونے سے روکا جائے۔

مدینہ کے یہ یہودی بہت مال دار تھے۔ مسلمانوں کی مالی حالت کمزور تھی، اس وجہ سے وہ ان یہودیوں سے اکثر قرض لیتے رہتے تھے بلکہ اس وقت اقتصادی دباؤ کی وجہ سے اکثر مسلمانوں نے کسی نہ کسی یہودی سے قرضہ لے رکھا تھا، لہٰذا اس موقع پر خیبر کے یہودیوں کی مصلحت کی خاطر انھوں نے مسلمانوں سے یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ ان کے قرض فوراً ادا کر دیے جائیں۔ مثلاً ابوشحم یہودی نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ سے پانچ درہم قرض واپس لینے تھے، تو اس نے بڑی شدت سے اپنے قرض کی وصولی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ عبداللہ نے کہا کہ مجھے کچھ مہلت دو، امید ہے کہ میں ان شاء اللہ تمھارا قرض بہت جلد ادا کر دوں گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو بھی حدیبیہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ انھوں نے

[1] صحيح البخاري: 2875. [2] صحيح البخاري: 1520. [3] فتح الباري: 93/6.

فرمایا: اے ابوشحم! ہم حجاز کے سرسبز و شاداب اور اناج و اموال سے آسودہ علاقے (خیبر) کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ ابوشحم نے حسد و بغض اور نفرت کی آگ میں جھلس کر کہا: تمھارا کیا خیال ہے کہ خیبر میں لڑائی بھی اتنی ہی آسان ہوگی جس طرح تم نے بدوؤں کو آسانی سے شکست دے دی تھی، تورات کی قسم! خیبر میں تو دس ہزار جنگجو موجود ہیں۔ ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے اللہ کے دشمن! کیا تو ہمارے عہد و پیمان میں رہنے کے باوجود ہمیں ہمارے دشمن سے ڈراتا ہے، اللہ کی قسم! میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا، پھر میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ سماعت فرمائیں کہ یہ یہودی کیا کہہ رہا ہے اور اس نے جو کہا تھا، وہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، اسے کوئی جواب نہیں دیا، البتہ میں نے یہ دیکھا کہ آپ کے مبارک ہونٹ حرکت کر رہے ہیں لیکن آپ نے زیر لب جو کچھ فرمایا، میں اسے سن نہ سکا۔ یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے ابوالقاسم! اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے، میرا حق روک رکھا ہے، اس نے مجھ سے اناج لیا تھا، اب مجھے واپس نہیں دے رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «أَعْطِهِ حَقَّهُ» ''اس کا حق اسے دے دو۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس صرف دو ہی کپڑے تھے، میں نے ان میں سے ایک کپڑا تین درہم میں بیچ دیا، پھر باقی دو درہم کا بندوبست کر کے اس کا قرض ادا کر دیا۔ اب سردی سے بچنے کے لیے میں نے اپنا عمامہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ سلمہ بن اسلم نے جب میرا یہ حال دیکھا تو انھوں نے مجھے ایک کپڑا دے دیا۔ میں انھی دو کپڑوں میں مسلمانوں کے ساتھ خیبر کی طرف نکلا، اللہ تعالیٰ نے مجھے خیر و بھلائی عطا فرمائی۔ خیبر کی غنیمتوں میں سے میرے حصے میں ایک ایسی عورت بھی آئی جو ابوشحم یہودی ہی کی قرابت دار تھی، میں نے اسے اسی کے ہاتھ مہنگے داموں بیچ دیا۔[1]

قارئین کرام! رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان عدل و انصاف اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا اندازہ فرمائیں کہ یہ یہودی جو مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان میں منسلک ہونے کے باوجود ان کے دشمن خیبر کے یہودیوں سے ہمدردی رکھتا تھا، ان کی فتح و نصرت کا متمنی تھا، مسلمانوں کو ان کی تعداد کی کثرت اور سامان حرب کی فراوانی سے ڈرا رہا تھا حتی کہ اس نے لشکر اسلام کے ایک مجاہد کو سخت ناراض کر دیا۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کا حق اسے دے دو۔ کیا آج کی نام نہاد مہذب دنیا کے لیڈروں اور آج کی جمہوریت کے علمبرداروں میں سے کوئی شخص اپنے کسی دشمن کے ساتھ اس طرح کا عدل و انصاف کر سکتا

[1] المغازي للواقدي: 114/2.

ہے جس طرح کا معاملہ رحمۃ للعالمین، سید الاولین و الآخرین محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس دشمن کے ساتھ فرمایا تھا؟ بالکل برحق فرمایا ہے اللہ جل شانہ نے:

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴾

''اور یقیناً آپ خلق عظیم پر (کاربند) ہیں۔''[1]

یہودیوں اور منافقوں کی مسلمانوں کے خلاف جاسوسی

مدینہ کے یہودی خیبر کے یہودیوں سے نہ صرف ہمدردی رکھتے تھے بلکہ ان کے لیے مسلمانوں کی جاسوسی بھی کیا کرتے تھے۔ اس غرض کے لیے انھوں نے اجرت پر اشجع قبیلے کے ایک اعرابی کی خدمات حاصل کیں تاکہ وہ خیبر کے یہودیوں کو اسلامی لشکر سے متعلق ضروری معلومات پہنچا دے، نیز وہ انھیں یہ پیغام بھی دے کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ۔ اسلامی لشکر نے اس جاسوس کو گرفتار کر لیا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اسی طرح مدینہ کے منافقین بھی جنھوں نے بظاہر اسلام کا نقاب اوڑھ رکھا تھا، خیبر کے یہودیوں کے لیے مسلمانوں کی جاسوسی کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر کی طرف روانہ ہونے کا عزم فرمایا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے خیبر کے یہودیوں کو فوری اطلاع بھیج دی تاکہ وہ تیاری کر کے ضروری حفاظتی اقدامات کر لیں۔ اس نے یہ اطلاع اپنے ایک معتمد شخص کے ہاتھ یہودیوں کی طرف خط بھیج کر فراہم کی، اس کے خط کا مضمون یہ تھا:

إِنَّ مُحَمَّدًا سَائِرٌ إِلَيْكُمْ فَخُذُوا حِذْرَكُمْ، وَأَدْخِلُوا أَمْوَالَكُمْ حُصُونَكُمْ، وَاخْرُجُوا لِقِتَالِهِ، وَلَا تَخَافُوا مِنْهُ، إِنَّ عَدَدَكُمْ كَثِيرٌ، وَقَوْمُ مُحَمَّدٍ شِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ، عُزْلٌ لَا سِلَاحَ مَعَهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ.

''بے شک محمد (ﷺ) تمھاری طرف آ رہے ہیں۔ تم اپنی حفاظت کے ضروری اقدامات کر لو۔ اپنے اموال اپنے قلعوں میں محفوظ کر لو۔ ان سے جنگ کے لیے نکلو، ان سے نہ ڈرو۔ بے شک تمھاری تعداد بہت زیادہ ہے اور محمد (ﷺ) کے ساتھ تو ایک چھوٹی سی جماعت ہے، ان کے پاس ہتھیار بھی بہت کم ہیں۔''[2]

یہود خیبر کی مقابلے کے لیے تیاری

جب خیبر کے یہودیوں کو اپنے منافق ایجنٹوں کی طرف سے مسلمانوں کی قوت کے بارے میں مکمل معلومات

[1] القلم 68:4. [2] السیرۃ الحلبیۃ 730/2.

حاصل ہوگئیں تو انھوں نے مسلمانوں سے مقابلے کے لیے وسیع پیمانے پر تیاریاں شروع کر دیں۔ ان کی جنگی تیاریاں محض دفاعی نوعیت کی تھیں، حالانکہ مادی اسباب و وسائل کے اعتبار سے انھیں مسلمانوں پر ہر طرح فوقیت حاصل تھی۔ انھوں نے اپنے تمام بچوں، عورتوں اور غذائی اجناس کے ذخیرے اگلے قلعوں سے پچھلے قلعوں کی طرف منتقل کر دیے جو ان کی دوسری دفاعی لائن تھے۔

یہودی سرداروں کا باہمی اختلاف

یہودی سرداروں کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ان پر اپنے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونا چاہتے ہیں تو انھوں نے ایک میٹنگ بلائی تاکہ اس بات کا جائزہ لیا جا سکے کہ اسلامی لشکر کے مقابلے کے لیے بہترین صورت کیا ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں تین آراء سامنے آئیں۔ ایک جماعت کی رائے تھی کہ یہودی اپنے قلعوں میں بند ہو کر مسلمانوں سے جنگ کریں۔ اس جماعت کی دلیل یہ تھی کہ قلعوں کی مضبوطی اور ان میں جنگجوؤں کی کثرت کے باعث مسلمان ان میں داخل نہیں ہو سکیں گے اور تنگ آ کر واپس چلے جائیں گے۔

دوسرے گروہ نے تجویز پیش کی کہ قلعوں میں بند ہونے کے بجائے کھلے میدان میں مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنی چاہیے۔ اس تجویز کے پیش کرنے والوں میں ابو زینب حارث سرفہرست تھا جو مشہور یہودی پہلوان مرحب کا بھائی تھا اور اس کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا۔ ابو زینب نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے دیکھا ہے جن لوگوں نے قلعوں میں بند ہو کر محمد (ﷺ) کا مقابلہ کیا، وہ اپنے وجود کو باقی نہ رکھ سکے۔ محمد (ﷺ) نے ان کا اس قدر شدید محاصرہ کیا کہ وہ مقہور و مغلوب ہو کر رہ گئے اور پھر محمد (ﷺ) نے ان میں سے کچھ لوگوں کو قیدی بنا لیا اور کچھ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دیگر یہودی سرداروں نے قلعوں میں بند ہو کر مقابلہ کرنے کی حمایت اور ابو زینب کی تجویز کی مخالفت کی اور اس سے مخاطب ہو کر کہا:

> ''ابو زینب! ہمارے یہ قلعے ان قلعوں کی طرح نہیں ہیں، بلکہ یہ بے حد مضبوط و مستحکم ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بنے ہوئے ہیں۔'' [1]

تیسرے فریق نے بزعم خویش حارث ابو زینب کی تجویز سے بھی بڑھ کر جرأت مندانہ تجویز پیش کی۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں قلعوں سے باہر نکل کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے بجائے مدینہ پر حملہ کر کے انھیں خیبر کی طرف پیش قدمی کرنے سے قبل ہی ختم کر دینا چاہیے۔ یہ تجویز پیش کرنے والوں میں سلّام بن مشکم نضری پیش پیش تھا،

1 المغازي للواقدي: 2/116.

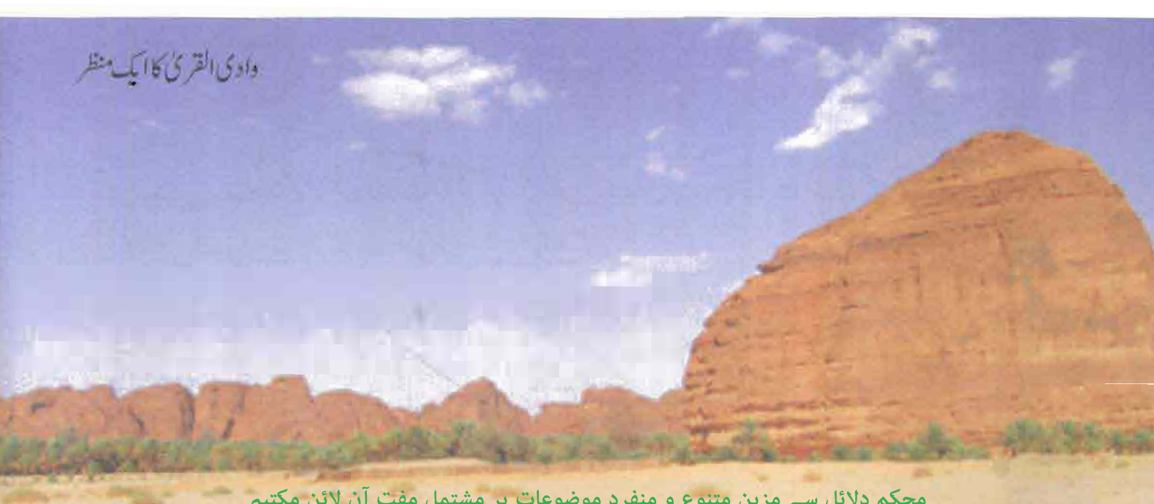
وہ خیبر کی فوجوں کا سپہ سالار تھا اور اسے اپنے زمانے میں جنگی امور کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔[1]

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سلام بن مشکم نے ایک میٹنگ میں کہا تھا کہ یثرب میں یہودیوں خصوصاً بنی قریظہ پر جو افتاد پڑی، وہ سب حیی بن اخطب کی وجہ سے پڑی۔ اس نے ہماری رائے کی مخالفت کی، ہمیں اپنے اموال اور شرف سے محروم کر دیا اور ہمارے بھائی بنو قریظہ قتل ہوگئے۔ اس نے انھیں مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان توڑنے پر مجبور کیا تھا۔ قتل سے بھی بڑھ کر بُری بات یہ ہوئی کہ ان کے بیوی بچوں کو قیدی بنا لیا گیا، اب یہودی حجاز میں کبھی نہیں رہ سکیں گے، کیونکہ ان میں کوئی رائے ہے، نہ عزم و ارادہ کی پختگی! یہودیوں نے کہا: ابو عمرو! آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا: میری رائے سن کر کیا کرو گے جب کہ تمھیں اس کا ایک حرف بھی قبول نہیں ہوگا؟ کنانہ نے کہا: یہ آپس میں ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا وقت نہیں ہے۔ معاملے کی سنگینی تمھارے سامنے ہے۔ اس نے جواب دیا: محمد (ﷺ) یثرب کے یہودیوں سے فارغ ہو کر اب تمھاری طرف آرہے ہیں اور تمھارا حشر بھی وہی کریں گے جو انھوں نے بنو قریظہ کا کیا ہے۔ انھوں نے پوچھا: اب تمھاری کیا رائے ہے؟ سلام بولا: میری رائے یہ ہے کہ ہم خیبر کے یہودیوں کو ساتھ لے کر محمد (ﷺ) کے مقابلے کے لیے نکلیں۔ تیماء، فدک اور وادی القریٰ کے یہودیوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیں


تیماء کے آثار


فدک

[1] المغازي للواقدي: 2/145.


وادی القریٰ کا ایک منظر

لیکن عربوں سے کوئی مدد نہ لیں۔ غزوہ خندق میں تم دیکھ چکے ہو کہ انھوں نے تمھارے ساتھ کیا کیا تھا، حالانکہ تم نے انھیں خیبر کی کھجوریں دینے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر انھوں نے وعدہ توڑ کر تمھیں ذلیل و رسوا کر دیا۔

سلام بن مشکم نے اپنی بات پھر دہرائی کہ نبی (ﷺ) کے خیبر کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ہی مدینہ پر حملہ کر کے اگلے پچھلے تمام حساب چکا دیے جائیں۔ اکثر یہودی سردار سلام بن مشکم کی رائے کی طرف مائل ہو گئے لیکن یہودیوں کے سردار کنانہ بن ابی الحقیق نے اس کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ عرب مشرکین اور محمد (ﷺ) کے مابین شدید دشمنی ہے، اس کے علاوہ ہمارے یہ قلعے یثرب کے قلعوں جیسے کمزور نہیں ہیں، لہٰذا محمد (ﷺ) ہماری طرف ہرگز نہیں آئیں گے۔

کنانہ بن ابی الحقیق کی مخالفت کی وجہ سے سلام بن مشکم بہت ناراض ہوا۔ وہ کنانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا: یہ شخص اس وقت تک لڑائی کے لیے آمادہ نہیں ہوگا جب تک اس کی گردن نہ دبوچ لی جائے۔[1]

نجد کے اعراب سے امداد کی درخواست

خیبر کے یہودیوں کو مدینہ کے منافقین اور یہودیوں سے جب یہ خبریں معلوم ہوئیں کہ محمد (ﷺ) نے خیبر پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو انھوں نے نجد کے اپنے بدوی دوستوں سے مدد طلب کرنے کے لیے چودہ (14) ارکان پر مشتمل وفد ان کی طرف بھیجا۔ وفد کا قائد خیبر کے یہودیوں کا بادشاہ کنانہ بن ابی الحقیق تھا۔ دیگر ارکان میں ایک اور بڑا یہودی سردار ہوذہ بن قیس وائلی نمایاں تھا۔ یہودیوں نے انھیں خیبر کی کھجوروں کی سالانہ پیداوار میں سے نصف پیداوار دینے کی پیشکش بھی کی۔

نجدی قبائل میں سے غطفان اور بنو اسد نے یہودیوں کے مطالبے پر لبیک کہا۔ غطفان نے عیینہ بن حصن فزاری کی قیادت میں اور بنو اسد نے طلیحہ بن خویلد اسدی کی قیادت میں اپنے دستے روانہ کر دیے، اس کے علاوہ یہودیوں کی مدد کے لیے مزید چار ہزار (4000) جنگجو تیار کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ دستے خیبر میں یہودیوں کے قلعوں میں پہنچ گئے تاکہ مسلمانوں کے حملے کے وقت یہودیوں کے ساتھ مل کر ان قلعوں کا دفاع کر سکیں۔[2]

اس طرح مسلمانوں کے مقابلے کے لیے خیبر کے قلعوں میں جمع ہونے والوں کی تعداد چودہ ہزار کے قریب تھی اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف چودہ سو (1400) تھی، لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ ایک بہت دشوار، صبر آزما اور مشکل مہم تھی۔

1 المغازي للواقدي: 30,29/2، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 977,976/1. 2 المغازي للواقدي: 119/2 و 124.

بنو مرہ کا یہودیوں کی مدد سے انکار

غطفان اور بنو اسد کے برعکس نجدی قبیلے بنو مرہ نے یہودیوں کی مدد سے انکار کر دیا۔ ان کے سردار حارث بن عوف نے انھیں نصیحت کی کہ وہ خیبر کے یہودیوں کی ہرگز مدد نہ کریں کیونکہ وہ ان کے اکسانے کی وجہ سے غزوۂ احزاب میں شریک ہو کر بدترین شکست کا سامنا کر چکے ہیں۔

بنو مرہ کے اس عقل مند سربراہ نے احبار یہود سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہودی جب بھی مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے، ناکام و نامراد رہیں گے، اس لیے وہ فوراً سمجھ گیا کہ جس جنگ کا انجام یہودیوں کی شکست اور مسلمانوں کی فتح ہے، اس میں یہودیوں کی مدد کے لیے اپنے لوگوں کو بھیجنا انھیں موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔

حارث بن عوف نے نہ صرف اپنی قوم کو یہودیوں کی مدد سے باز رکھا بلکہ اس نے بنوفزارہ کے سربراہ عیینہ بن حصن کو بھی نصیحت کی کہ وہ یہودیوں کی مدد نہ کرے ورنہ اس کا یہ اقدام انتہائی تباہ کن ثابت ہوگا۔ حارث نے بڑی فصاحت و وضاحت سے کہا:

> ''عیینہ! تمھارا یہ اقدام غلط اور خطرناک ہے کیونکہ محمد (ﷺ) تو مشرق و مغرب پر غالب آجائیں گے، خود یہودیوں ہی نے ہمیں یہ خبریں بتائی ہیں۔ میں نے خود ابو رافع سلاّم بن ابی الحقیق کی زبان سے سنا ہے کہ ہم نبوت ملنے کی وجہ سے محمد (ﷺ) سے حسد کرتے ہیں کیونکہ اس طرح نبوت ہارون (علیہ السلام) کے خاندان سے نکل گئی ہے، ورنہ حق یہ ہے کہ محمد (ﷺ) نبی مرسل ہیں لیکن یہودی میری یہ بات نہیں مانتے۔ ہم ان کے ہاتھوں دو دفعہ ذبح ہوں گے، ایک دفعہ یثرب میں اور دوسری بار خیبر میں۔ میں نے اس سے پوچھا تھا: اے سلاّم! کیا محمد (ﷺ) ساری زمین کے بادشاہ بن جائیں گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہونے والی تورات کی قسم! ایسا ہی ہوگا ...... اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ان کے بارے میں یہودیوں کو میری یہ بات معلوم ہو۔''[1]

غزوۂ خیبر کی تاریخ

موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قریباً بیس (20) راتیں قیام فرمایا، پھر آپ ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح خیبر کا وعدہ فرمایا تھا۔[2]

1 دلائل النبوۃ للبیہقی: 250/4۔ 2 زاد المعاد: 316/3۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ غزوہ خیبر محرم 7 ھ میں ہوا تھا،[1] واقدی کی روایت یہ ہے کہ یہ غزوہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد صفر یا ربیع الاول 7 ھ میں ہوا تھا۔[2] ابن سعد کا موقف ہے کہ یہ جمادی الاولیٰ 7 ھ میں ہوا تھا،[3] جب کہ امام زہری اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس کی تاریخ محرم 6ھ قرار دی ہے، حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کی قطعی رائے یہ ہے کہ بلاشک وشبہ یہ 6 ھ ہی میں ہوا تھا۔[4] ابن اسحاق اور واقدی کے مابین معمولی سا اختلاف ہے، یعنی صرف دو مہینے کا فرق ہے، اسی طرح ان کے اور امام زہری و امام مالک کے درمیان اختلاف کے سبب کے بارے میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی وجہ شاید یہ ہے کہ لوگوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اسلامی کیلنڈر کا آغاز ربیع الاول کے مہینے سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کا مہینہ ہے یا اس کا آغاز سال کے شروع محرم کے مہینے سے ہے۔ جمہور کی رائے میں اسلامی کیلنڈر کا آغاز آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اگلے سال کی ابتداء میں آنے والے محرم سے ہے جب کہ حافظ ابن حزم کی رائے میں اس کا آغاز آپ ﷺ کی مدینہ آمد والے مہینے ربیع الاول سے ہے۔[5] بہرحال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے قول کو واقدی کے قول پر ترجیح دی ہے۔[6] اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی 7 ھ ہی کے سال کو صحیح قرار دیا ہے۔[7] اور جمہور کی بھی یہی رائے ہے کہ غزوہ خیبر 7 ھ میں ہوا تھا۔[8]

رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ میں حدیبیہ سے مدینہ واپس تشریف لائے تھے، آپ نے یہاں (کچھ دن) قیام فرمایا اور پھر محرم میں خیبر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

مدینہ میں نائب کا تقرر

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ ہنگامی حالات میں جب آپ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تو کسی کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرما دیتے تھے۔ اسی معمول کے مطابق خیبر کی طرف روانہ ہوتے وقت آپ نے ابن ہشام کے بقول نُمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا،[9] لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ آئے تو رسول اللہ ﷺ اس وقت خیبر میں تھے اور آپ نے سِباع بن عُرفطہ غطفانی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرما رکھا تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس پہنچا تو (صبح کی نماز کا وقت تھا اور) انھوں نے نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ مریم ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾

1 السيرة لابن هشام: 342/3. 2 المغازي للواقدي: 113/2. 3 الطبقات لابن سعد: 106/2. 4 زادالمعاد: 316/3، البداية والنهاية: 183/4. 5 زادالمعاد: 316/3. 6 فتح الباري: 580/7. 7 البداية والنهاية: 183/4. 8 زادالمعاد: 316/3. 9 السيرة لابن هشام: 342/3.

اور دوسری میں سورۂ مطففین ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾ (ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے) کی قراءت کی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ فلاں شخص کے لیے تو خرابی ہے کیونکہ وہ جب خود ناپ تول کر لیتا ہے تو پورا پورا لیتا ہے اور جب دیتا ہے تو کم دیتا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے ہمیں کچھ زادِ راہ دیا حتی کہ ہم بھی خیبر پہنچ گئے۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی بات کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔[2]

گھڑ سوار دستہ

خیبر کی طرف روانہ ہونے والے 1400 مجاہدینِ صف شکن میں دو سو (200) گھوڑ سوار بھی تھے۔[3] اسلامی تاریخ میں اس وقت تک یہ گھوڑ سواروں کی سب سے بڑی تعداد تھی۔ حمل و نقل کے دیگر اسباب و وسائل مثلاً: اونٹوں وغیرہ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں کیونکہ کتبِ تاریخ و سیرت اس بارے میں خاموش ہیں۔

ہراول دستے کی روانگی

رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہونے سے قبل شہسواروں کا ایک دستہ عباد بن بشر انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرما دیا تھا۔ اس دستے کا کام یہ تھا کہ وہ لشکرِ نبوی کے آگے آگے چلتا رہے اور اس بات کا جائزہ لے کہ رستوں میں دشمن نے اپنی کمین گاہوں اور جاسوسوں کا جال تو نہیں پھیلا رکھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس اقدام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جنگی رموز و معاملات پر زبردست بصیرت و مہارت حاصل تھی اور ایک مدبر اور دور اندیش سپہ سالار کی حیثیت سے آپ ﷺ نے ہر موقع پر بہترین منصوبہ بندی اختیار فرمائی۔

لشکر کے لیے رہبروں کا تقرر

رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خیبر جانے والے راستوں سے روشناس نہ تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے اس علاقے کو بخوبی جاننے والے لوگوں کو بطور رہبر مقرر فرمایا تاکہ وہ خیبر پہنچنے کے لیے لشکر کی راہنمائی کر سکیں۔ نبی مکرم ﷺ نے اس سلسلے میں جن لوگوں کو مامور فرمایا، وہ حُسیل بن خارجہ اور عبداللہ بن نعیم رضی اللہ عنہما تھے، ان دونوں کا تعلق نجد کے قبیلۂ اَشجع سے تھا۔ اس قبیلے کے لوگ زمانۂ جاہلیت میں بھی خیبر کے علاقے میں اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔[4]

[1] مسند أحمد: 346,345/2، دلائل النبوة للبيهقي: 199,198/4. [2] فتح الباري: 580/7. [3] المغازي للواقدي: 152/2 [4] المغازي للواقدي: 116/2، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 981/1.

لشکرِ اسلام کی خیبر کی طرف روانگی

لشکرِ اسلام امام الانبیاء، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں خیبر کی طرف روانہ ہوا۔ اس قدوسی لشکر نے خیبر جانے کے لیے جو راستہ اختیار کیا، مؤرخین کے بقول وہ ثنیۃ الوداع کا رستہ تھا، پھر زُغابہ کا راستہ اختیار کیا گیا، پھر نقمیٰ اور عصر سے ہوتا ہوا لشکرِ اسلام صہباء پہنچ گیا۔ [1] ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ سے خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے عصر کا راستہ اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ کے حکم سے یہاں ایک مسجد بھی بنائی گئی۔ یہاں سے آپ صہباء تشریف لے گئے، پھر آپ نے اپنے لشکر سمیت رجیع نامی ایک وادی میں ڈیرے ڈال دیے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ خیبر اور غطفان کے درمیان سپلائی لائن کاٹ دی جائے تاکہ غطفان کے لوگ خیبر والوں کو کوئی مدد فراہم نہ کر سکیں۔

دوسری طرف غطفان کے لوگوں نے جب یہ خبر سنی تو وہ سب جمع ہو کر یہودیوں کی مدد کے لیے چل پڑے۔ انھوں نے ابھی ایک مرحلہ (تقریباً 33 کلومیٹر کا فاصلہ) ہی طے کیا تھا کہ انھیں اپنے اہل و عیال اور اموال کی طرف سے چیخ پکار سنائی دی۔ انھوں نے سمجھا کہ شاید اسلامی لشکر نے ان پر حملہ کر دیا ہے، لہٰذا وہ فوراً واپس چلے آئے، اپنے گھروں میں مقیم ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ اور خیبر کے بیچ سے ہٹ گئے۔ [2] یاد رہے کہ یہ بات ابن اسحاق نے بیان کی ہے جبکہ واقدی کا کہنا ہے کہ بنو غطفان کا چار ہزار کا لشکر خیبر پہنچ چکا تھا اور وہاں سے چیخ و پکار کی آوازیں سن کر واپس آیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سُوید بن نعمان رضی اللہ عنہ کی روایت کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تھے حتی کہ جب صہباء پہنچے تو یہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھائی، پھر آپ نے کھانا طلب فرمایا تو صرف ستو ہی لائے گئے۔ آپ کے حکم سے ستو تر کر دیے گئے، آپ نے بھی ستو تناول فرمائے اور ہم نے بھی کھائے، پھر آپ نماز مغرب کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی، پھر آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور وضو نہ کیا۔ [3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غزوہ خیبر کے باب میں سب سے پہلے ذکر فرمایا ہے اور اس سے ان کا مقصود یہ بتانا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خیبر کی طرف جاتے وقت صہباء کا راستہ اختیار فرمایا تھا۔ [4] واقدی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو عشاء کی نماز بھی پڑھائی۔

1 المغازي للواقدي: 116/2. 2 السيرة لابن هشام: 344/3، البداية والنهاية: 183/4، 184. 3 صحيح البخاري: 4195. 4 فتح الباري: 580/7.



شاہراہ خیبر

صہباء ہی میں نبی ﷺ نے یہ طے فرمایا تھا کہ آپ خیبر پر اس کی شمالی جانب سے حملہ آور ہوں گے تاکہ یہودی شام کی طرف فرار نہ ہوسکیں۔ آپ ﷺ نے دونوں رہبروں، یعنی حسیل بن خارجہ اشجعی اور عبداللہ بن نُعیم اشجعی کو طلب کیا اور حسیل سے فرمایا:

«امْضِ أَمَامَنَا حَتّٰى تَأْخُذَنَا صُدُورُ الْأَوْدِيَةِ حَتّٰى نَأْتِيَ خَيْبَرَ مِنْ بَيْنِهَا وَبَيْنَ الشَّامِ، فَأَحُولَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الشَّامِ وَبَيْنَ حُلَفَائِهِمْ مِنْ غَطَفَانَ»

''ہمارے آگے آگے چلو۔ ہمیں وادیوں کے دھارے کے ساتھ ساتھ لے چلو حتی کہ ہم ان وادیوں اور شام کے درمیانی رستے سے خیبر پہنچ جائیں۔ اس طرح ہم یہودیوں کا شام سے اور ان کے غطفانی حلیفوں سے راستہ اور رابطہ کاٹ دیں گے۔''

یہ سن کر حسیل رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو اسی رستے سے لے کر چلوں گا۔ چنانچہ وہ آپ کو لے کر ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے خیبر کی طرف مختلف رستے جاتے تھے۔ حسیل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہاں کئی رستے ہیں، یہ سب خیبر کی طرف جاتے ہیں۔ آپ نے حُسَیل سے فرمایا: «سَمِّهَا لِي» ''ان رستوں کے نام بتاؤ۔'' دراصل آپ نیک فال اور اچھے نام پسند فرماتے تھے اور بدشگونی اور برے نام کو ناپسند کرتے تھے۔ رہبر نے بتایا کہ ایک رستے کا نام حزن (سخت اور کھردرا) ہے۔

آپ نے فرمایا: «لَا تَسْلُكْهَا» ''تم اس رستے پر نہ چلو۔'' اس نے دوسرے رستے کا نام شاس (سنگلاخ اور دشوار) بتایا۔ آپ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اس نے تیسرے رستے کا نام حاطب (لکڑیاں جمع کرنے والا)

بتایا۔ آپ نے اس پر جانے سے بھی روک دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس رات جو نام بھی آپ کے سامنے پیش کیے گئے، میں نے نہیں دیکھا کہ ان سے زیادہ کبھی کوئی نام آپ کو برے لگے ہوں۔ رہبر نے بتایا کہ اب صرف ایک ہی رستہ باقی رہ گیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا نام بتاؤ۔ اس نے بتایا کہ اس کا نام مرحب (کشادگی اور فراخی) ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ أَسْلُكُهَا» ''ہاں، اسی رستے پر چلو۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے رہبر سے کہا کہ تم نے آغاز ہی میں اس رستے کا نام کیوں نہیں لیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رستے سے خیبر کے شمالی علاقے کی طرف پہنچ گئے۔ آپ حیاض اور سریر [1] کے درمیان وادیوں کے رستے سفر کرتے ہوئے خرصہ [2] پہنچے اور پھر شق [3] اور نطاۃ [4] کے درمیان سفر جاری رکھا۔ [5]

لشکر اسلام کی روانگی کا ایک منظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلام کی قیادت فرماتے ہوئے خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ صحیح البخاری میں اس سفر کی تفصیل بروایت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اس طرح بیان ہوئی ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ہم رات کو سفر کر رہے تھے کہ ایک شخص نے عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا: عامر! کیا تم اپنے رجزیہ اشعار نہیں سناؤ گے؟ عامر بہت اچھے شاعر تھے، انھوں نے سواری سے اتر کر (اونٹوں کو چلاتے ہوئے) لوگوں کے سامنے حدی کے یہ اشعار پڑھنے شروع کر دیے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

''اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا (تیری توفیق نہ ہوتی) تو ہم راہ ہدایت پر نہ ہوتے، نہ صدقہ کرتے، نہ نماز پڑھتے۔''

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَكَ مَا اتَّقَيْنَا وَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا

''ہم تجھ پر فدا! تو ہمیں بخش دے جب تک ہم تیرے احکام پر عمل کریں اور ہم پر سکینت نازل فرما۔''

وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَتَيْنَا

''اگر دشمن سے ملاقات ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ، ہمیں جب بھی قتال یا حق کی طرف بلایا جاتا ہے تو ہم

1 سریر خیبر کے نزدیک ایک وادی کا نام ہے۔ 2 خرصہ خیبر کے ایک قلعے کا نام تھا۔ 3 شق خیبر کا ایسا علاقہ تھا جس میں بہت سے قلعے تھے 4 ''نطاۃ'' خیبر کا وہ علاقہ ہے جس میں شدید معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ 5 المغازي للواقدي: 119-117/2

حاضر ہو جاتے ہیں۔''

وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

''انھوں نے چلا چلا کر لوگوں کو ہمارے خلاف جمع کر لیا ہے۔''[1]

مسند احمد میں اس رجز میں یہ اضافہ بھی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

''بے شک جن لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ وہ جب فتنہ برپا کرنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کر دیں گے۔''

وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا

''ہم تیرے فضل سے کبھی بے نیاز نہیں رہ سکتے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ هٰذَا السَّائِقُ؟»

''یہ سواریوں کو چلانے والا کون ہے؟''

لوگوں نے بتایا کہ یہ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَرْحَمُهُ اللّٰهُ» ''اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔'' لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے نبی! ان کے لیے شہادت واجب ہوگئی ہے، آپ ہمیں ان سے کچھ اور فائدہ اٹھانے دیتے۔[3]

ابن ہشام کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کا رجز سن کر ارشاد فرمایا: ''تمھارا پروردگار تم پر رحم فرمائے۔'' عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کے لیے تو شہادت واجب ہوگئی ہے، اے کاش! آپ ہمیں اس سے اور فائدہ اٹھانے دیتے۔ پس وہ خیبر میں شہید ہوگئے۔[4]

ایک یہودی جاسوس کی گرفتاری

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے جیش نبوی کے آگے سراغ رسانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے اشجع قبیلے کے ایک مشکوک شخص کو گرفتار لیا۔ وہ یہودیوں کا جاسوس معلوم ہوتا تھا۔

1 صحيح البخاري: 4196، صحيح مسلم: 1802. 2 صحيح البخاري: 2837، صحيح مسلم: 1807، مسند أحمد: 52/4. 3 صحيح البخاري: 4196. 4 السيرة لابن هشام: 343/3.

عباد رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میرے اونٹ گم ہوگئے ہیں اور میں انھیں تلاش کر رہا ہوں۔

عباد رضی اللہ عنہ: کیا تمھیں خیبر کے بارے میں کچھ علم ہے؟

جاسوس: میں نیا نیا خیبر سے آیا ہوں، آپ اس کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟

عباد رضی اللہ عنہ: میں یہودیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

جاسوس: کنانہ بن ابی الحقیق اور ہوذہ بن قیس اپنے حلیف قبیلے غطفان کے پاس گئے تھے۔ وہ انھیں اس شرط پر اپنے ساتھ لے آئے ہیں کہ انھیں خیبر کی ایک سال کی کھجوریں دے دیں گے۔ وہ گھوڑوں اور ہتھیاروں سمیت عتبہ بن بدر کی قیادت میں آئے ہیں اور ان کے قلعوں میں داخل ہوگئے ہیں، جب کہ ان قلعوں میں دس ہزار جنگجو پہلے ہی موجود ہیں۔ خیبر کے یہودی ایسے قلعوں کے مالک ہیں جنھیں فتح نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے پاس اسلحہ اور کھانے پینے کا وافر سامان ہے۔ سالہا سال بھی ان کا محاصرہ کیا جائے تو ان کا غذائی ذخیرہ ان کی ضرورت کے لیے کافی ہوگا۔ ان کے پاس پانی بھی بہت ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی اُن سے مقابلے کی تاب نہیں لا سکتا۔

یہ گفتگو سن کر عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو یقین ہوگیا کہ یہ شخص یہودیوں کا اُجرتی جاسوس ہے۔ انھوں نے اسے کوڑے مارے اور کہا کہ تم یہودیوں کے جاسوس ہو، سب کچھ سچ سچ بتا دو ورنہ میں تمھاری گردن اڑا دوں گا۔

جاسوس: اگر میں سچ بولوں تو کیا آپ مجھے امان دے دیں گے؟

عباد رضی اللہ عنہ: ہاں، تمھیں امان دے دی جائے گی۔

جاسوس: یثرب کے یہودیوں کا تم نے جو حشر کیا تھا، اس کی وجہ سے خیبر کے یہودی تم سے بہت خوف زدہ ہیں۔ میرا ایک چچازاد مدینہ میں اپنا سامان بیچنے آیا تو وہاں کے یہودیوں نے اسے یہ پیغام دے کر کنانہ بن ابی الحقیق کے پاس بھیجا کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہے اور ان کے پاس گھوڑوں اور ہتھیاروں کی بھی کمی ہے، لہٰذا انھیں ایسی ضرب لگاؤ کہ وہ بھاگ کھڑے ہوں کیونکہ ان کا ابھی تک کسی ایسی قوم سے مقابلہ ہی نہیں ہوا جو اچھی طرح جنگ کر سکتی ہو۔ قریش اور عربوں کو یہ معلوم ہے کہ تمھارے پاس افرادی قوت، غذائی ساز و سامان اور اسلحہ وغیرہ کی فراوانی ہے اور تمھارے قلعے بھی بہت مضبوط ہیں، اس لیے انھیں اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ محمد ﷺ تمھاری طرف جا رہے ہیں (کیونکہ ان کے خیال میں جنگ میں تمھیں کامیابی حاصل ہوگی)۔ قریش کہہ رہے ہیں کہ اس جنگ میں یہودیوں کو فتح حاصل ہوگی، جب کہ

محمد ﷺ سے محبت کرنے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ محمد (ﷺ) کو فتح ہوگی، لیکن یاد رہے کہ اگر محمد (ﷺ) کو فتح نصیب ہوئی تو یہ ہم سب کے لیے دائمی ذلت و رسوائی کی بات ہوگی۔

اعرابی نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے یہ ساری گفتگو سن لی تھی، اس لیے کنانہ بن ابی الحقیق نے مجھ سے کہا کہ تم پر کوئی شک و شبہ نہیں ہوگا، تم ان کے سارے حالات معلوم کر کے آؤ اور ہمیں بتاؤ۔ تم ایک فقیر کے بھیس میں ان کے پاس چلے جاؤ، انھیں ہماری افرادی کثرت اور مادی قوت سے مرعوب کرو اور پھر سارے حالات معلوم کر کے جلد ہی ہمارے پاس واپس آ جاؤ۔

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے تحقیق و تفتیش کے بعد جب اس جاسوس کے سارے حالات معلوم کر لیے تو اسے نبی مکرم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور بتایا کہ اس شخص نے یہ اعتراف کر لیا ہے کہ وہ یہودیوں کا جاسوس ہے۔ یہ سن کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جوش میں آ گئے اور کہنے لگے: اس کی گردن اُڑا دی جائے۔

یہ سنتے ہی عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس کو امان دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَمْسِكْهُ مَعَكَ يَا عَبَّادُ! فَأَوْثِقْ رِبَاطًا»

''عباد! اسے اپنے پاس رکھو۔ اور رسی سے باندھ دو۔''

رسول اللہ ﷺ جب خیبر میں داخل ہو گئے تو آپ نے حکم دیا کہ جاسوس کو پیش کیا جائے۔ ارشاد کی تعمیل کی گئی اور جاسوس کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ حالت جنگ میں اگر کفار کا جاسوس پکڑا جائے تو اس کی کم از کم سزا موت ہوتی ہے۔ اب اس جاسوس کے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ اسلام قبول کر لے، چنانچہ نبی رحمت ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا:

«إِنِّي دَاعِيكَ ثَلَاثًا، فَإِنْ لَمْ تُسْلِمْ لَمْ يَخْرُجِ الْحَبْلُ عَنْ عُنُقِكَ إِلَّا صُعُدًا»

''میں تجھے تین بار (اسلام کی) دعوت دیتا ہوں۔ اگر تو مسلمان نہ ہوا تو تجھے قتل کر دیا جائے گا۔''

اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح وہ قتل ہونے سے بچ گیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی دعا

رسول اللہ ﷺ جب خیبر میں داخل ہو گئے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا: «قِفُوا» ''رک جاؤ۔'' تمام

1 المغازي للواقدي: 2/118، 119.

مجاہدین فوراً رک گئے، آپ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْأَرَضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا أَذْرَيْنَ، فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا، أَقْدِمُوا بِسْمِ اللّٰهِ"

''اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے رب اور ان کے جن پر وہ سایہ فگن ہیں، اور ساتوں زمینوں کے مالک اور ان کے جن کو انھوں نے اٹھا رکھا ہے، اور شیطانوں کے رب اور ان کے جن کو انھوں نے گمراہ کیا ہے، اور ہواؤں کے رب اور ان کے جن کو انھوں نے بکھیرا ہے۔ پس ہم تجھی سے اس بستی کی خیر، اس کے باشندوں کی خیر اور جو کچھ اس میں ہے، اس کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور ہم تجھ سے اس بستی کے شر، اس کے باشندوں کے شر اور جو کچھ اس میں ہے، اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اب اللہ تعالیٰ کے نام سے آگے بڑھو!''

رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھ لیا کرتے تھے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی قوم سے جنگ کرتے تو آپ رات کو حملہ نہیں کرتے تھے حتی کہ صبح ہو جاتی۔ اگر آپ اذان کی آواز سن لیتے تو جنگ سے رک جاتے تھے اور اذان کی آواز نہ سنتے تو حملہ کر دیتے تھے۔ خیبر میں ہم رات کے وقت پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے رات وہیں بسر فرمائی اور صبح کے وقت جب اذان نہیں سنی تو آپ سواری پر سوار ہو گئے، آپ کے ساتھ ہم بھی سوار ہو گئے۔ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا، میرے پاؤں رسول اللہ ﷺ کے مبارک پاؤں کو چھو رہے تھے۔[2]

1 السيرة لابن هشام: 343/3، البداية والنهاية: 185/4. 2 صحيح البخاري: 610.



جامع مسجد انس بن مالک رضی اللہ عنہ

خیبر میں تشریف آوری

سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ آپ نے نماز فجر پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد مسلمان اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ اہل خیبر اپنے کھیتی باڑی کے اوزار کدالوں اور ٹوکریوں وغیرہ کے ساتھ اپنی زمینوں کی طرف جا رہے ہیں اور مسلمانوں کی آمد سے بے خبر ہیں۔ خیبر کے یہودیوں نے اچانک لشکر اسلام کو دیکھا تو بدحواس ہو کر چلانے لگے: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) اپنا لشکر لے کر آ گئے ہیں۔ وہ چیخ پکار کرتے ہوئے اپنے قلعوں میں جا گھسے۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ، فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ»

''اللہ اکبر! خیبر تباہ و برباد ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر جاتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ کے الفاظ مبارک استعمال کیے:

﴿ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴾

''مگر جب وہ (عذاب) ان کے میدان میں اترے گا تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بہت بری ہو گی۔''[2]

اس روایت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا گفتگو میں بطور اقتباس استعمال کرنا جائز ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ہاتھوں میں کسیاں، کدالیں وغیرہ آلات ہدم دیکھے تو آپ ﷺ نے اس سے فال لی کہ خیبر عنقریب برباد ہو گا۔ یا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خیبر کی تباہی و بربادی کے بارے میں مطلع فرما دیا تھا، لہٰذا آپ نے یہ بات پیش گوئی کے طور پر فرمائی تھی۔ اس کی تائید آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ ''جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر آتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔''[3]

یہودیوں کی بے خبری

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو مسلمانوں کی آمد سے بے خبر رکھا اور انھیں مسلمانوں کا اس وقت علم ہوا جب بوقت صبح مسلمان خیبر میں داخل ہو گئے، حالانکہ مدینہ کے منافقین اور یہودیوں نے اہلِ خیبر کو مسلمانوں کے روانہ ہونے سے پہلے ہی مطلع کر دیا تھا۔

1 صحیح البخاري: 2991 و 4198. 2 الصّٰفّٰت 37:177. 3 فتح الباري: 585/7

خیبر کے قلعے

خیبر شہر اس وقت دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ہر حصے میں مختلف جنگی قلعے تھے، ان میں سے آٹھ زیادہ مشہور اور بہت اہم تھے۔ شہر کے پہلے نصف حصے میں پانچ قلعے تھے اور انھی میں مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین شدید معرکہ آرائی ہوئی۔ ان پانچ قلعوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

1 حصن ناعم: مسلمانوں نے سب سے پہلے اسی قلعے پر حملہ کیا اور مرحب کو ہلاک کر دیا۔ اس قلعے کا دفاع مرحب اور اس کے بھائیوں کے سپرد تھا۔

2 حصن صعب بن معاذ: اس قلعے سے بہت سی غذائی اجناس اور جنگی ساز و سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

3 حصن زبیر

4 حصن أبي

5 حصن نزار: (بعض نے اس کا نام حصن بزاۃ بھی لیا ہے)

پہلے تین قلعے جس علاقے میں تھے، اسے نطاۃ کہا جاتا تھا اور دوسرے دو قلعے جس علاقے میں تھے، اسے شق کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ خیبر شہر کے نصف دوم میں بھی بہت سے قلعے تھے لیکن ان میں سے زیادہ اہمیت کے حامل درج ذیل تین قلعے تھے:

1 حصن القموص: یہ بنونضیر کے یہودیوں میں سے بنوابی الحقیق کا قلعہ تھا۔

2 حصن الوطیح

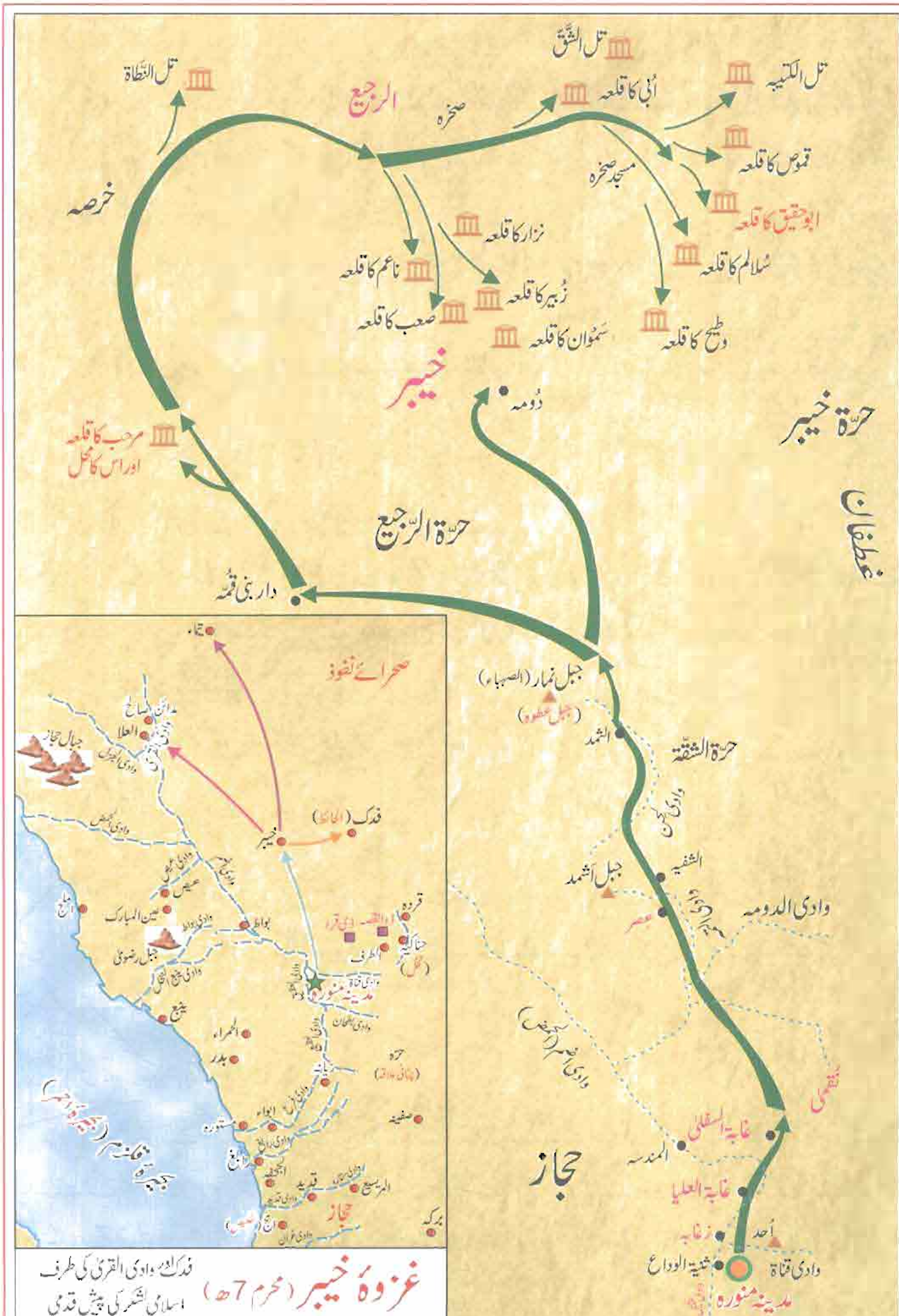
3 حصن السلالم

ان قلعوں کی مضبوطی اور ان میں جنگجوؤں کی کثرت کے باوجود یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی بلکہ ان قلعوں میں رہنے والوں نے مسلمانوں کے شدید محاصرہ کی تاب نہ لاتے ہوئے جلاوطنی قبول کر کے یہ قلعے مسلمانوں کے سپرد کر دیے۔[1]

لشکر کی ترتیب اور جھنڈوں کی تقسیم

رسول اللہ ﷺ نے لشکر اسلام ترتیب دیا اور جھنڈے تقسیم فرمائے۔ خیبر کے دن اعلیٰ قیادت کا پرچم سفید رنگ کا تھا، یہ عقاب کے نام سے موسوم تھا۔ سفید رنگ کے اس پرچم اسلام پر سیاہ حروف میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ یہی پرچم تھا جو بعد میں آپ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔[2] اسی طرح آپ نے دو پرچم مہاجرین

1 موسوعة الغزوات الكبرى: 1/996,995. 2 السيرة الحلبية: 2/735,734


تل النطاۃ
الرجیع
تل الشق
تل الکتیبہ
صخرہ
اُبی کا قلعہ
قموص کا قلعہ
خرصہ
مسجد صخرہ
ابوحقیق کا قلعہ
نزار کا قلعہ
ناعم کا قلعہ
سُلالم کا قلعہ
زُبیر کا قلعہ
صعب کا قلعہ
سموان کا قلعہ
وطیح کا قلعہ
خیبر
دُومہ
حرۃ خیبر
مرحب کا قلعہ اور اس کا محل
غطفان
حرۃ الرجیع
دار بنی قمۃ
جبل نمار (الصہباء)
(جبل عطوہ)
الشمد
حرۃ الشقۃ
الشفیہ
جبل أشمد
عصر
وادی الدومہ
نقمی
حجاز
غابۃ السفلی
المندسہ
غابۃ العلیا
زغابہ
اُحد
ثنیۃ الوداع
وادی قناۃ
مدینہ منورہ
تیماء
صحرائے نفوذ
مدائن صالح
العلا
جبال حجاز
فدک (الحائط)
خیبر
بواط
جبل رضوی
ینبع
الحمراء
بدر
الابواء
مستورہ
رابغ
الجحفہ
قدید
المریسیع
صفینہ
برکہ
حجاز
غزوۂ خیبر (محرم 7ھ)
فدک اور وادی القریٰ کی طرف
اسلامی لشکر کی پیش قدمی

اور دو انصار میں بھی تقسیم فرمائے تھے۔ مہاجرین کے پرچم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیے گئے جب کہ انصار کے پرچم حاصل کرنے کی سعادت سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی تھی۔[1]

علاوہ ازیں آپ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک ایسا فوجی دستہ بھی ترتیب دیا جس کا فرض رات کو لشکر اسلام کی حفاظت ونگہداشت اور دشمنوں کے قلعوں کے گرد چکر لگا کر ان کی حرکات وسکنات پر نظر رکھنا تھا۔[2]

کھیتوں اور باغات پر قبضہ

مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہودیوں کو وارننگ دینے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے پہلا جنگی اقدام ان کے کھیتوں اور باغات پر قبضہ تھا۔ یہودیوں کو مرعوب اور خوف زدہ کرنے کے لیے مسلمانوں نے ان کے باغات میں سے کھجوروں کے چار سو درخت کاٹ دیے، پھر رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کاٹنے سے منع فرما دیا تھا۔ مسلمانوں نے جن کھیتوں پر قبضہ کیا اور کھجور کے درختوں کو کاٹا وہ علاقہ نطاۃ (نصف اول) میں واقع تھے اور اس علاقے میں گھمسان کی جنگ ہوئی تھی۔[3]

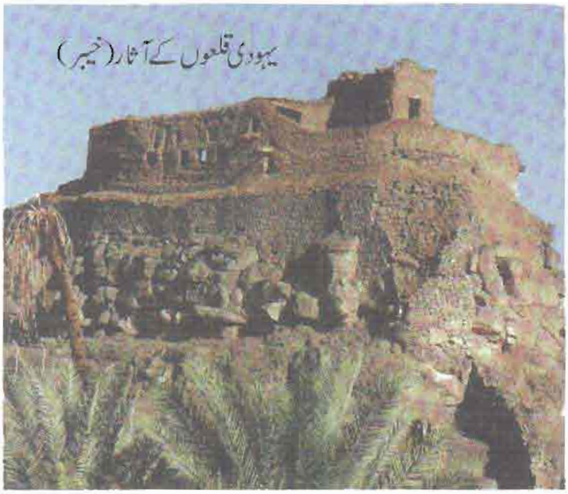
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غطفان سے بات چیت

عیینہ بن حصن کی قیادت میں بنو غطفان کا چار ہزار کا لشکر خیبر پہنچ چکا تھا اور قلعہ ناعم میں موجود تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہر امور جنگ کی حیثیت سے غطفان کے قبائل سے رابطہ قائم کیا اور انھیں نصیحت فرمائی کہ وہ مسلمانوں اور خیبر کے یہودیوں کے مابین کشمکش میں غیر جانب دار رہیں۔ آپ نے انھیں یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خیبر میں فتح عطا فرمائے گا کیونکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے ہمیشہ پورے فرماتا ہے۔

قائد غطفان سے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مذاکرات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا کہ قبیلۂ غطفان نے یہودیوں کی مدد کے لیے مسلح دستے روانہ کیے ہیں تو آپ نے سردار خزرج سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قائد غطفان عیینہ بن حصن کے پاس بھیجا جو اس وقت مرحب کے قلعے

1 الطبقات لابن سعد: 106/2، السيرة الحلبية: 734/2. 2 السيرة الحلبية: 733،732/2. 3 إمتاع الأسماع: 307/1، المغازي للواقدي: 121،120/2.





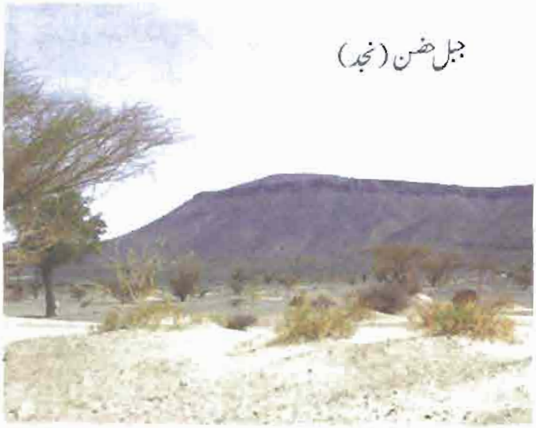
میں موجود تھا۔

عیینہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد کو اس کے پاس بھیجا ہے تو اس نے انھیں قلعے میں بلانا چاہا، لیکن یہودی قائد مرحب نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اسے قلعے کے اندر نہ لاؤ کیونکہ وہ اس طرح قلعے کے تمام احوال اور اس میں داخلے کے تمام راستے معلوم کرلے گا۔ تم خود قلعے سے باہر جا کر اس سے بات کرلو۔ عیینہ نے جواب دیا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ قلعے میں داخل ہو کر دیکھ لے کہ یہ کس قدر مضبوط ہے اور اس میں کتنی کثیر تعداد میں لوگ موجود ہیں لیکن مرحب نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے قلعے کے اندر آنے کی تجویز مسترد کر دی، لہٰذا عیینہ نے قلعے کے دروازے کے پاس سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمھارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ قَدْ وَعَدَنِي خَيْبَرَ فَارْجِعُوا وَكُفُّوا، فَإِنْ ظَهَرْنَا عَلَيْهَا فَلَكُمْ تَمْرُ خَيْبَرَ سَنَةً»

''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فتح خیبر کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا تم باز آ جاؤ اور واپس چلے جاؤ۔ اگر ہم غالب آ گئے تو تمھیں خیبر کی ایک سال کی کھجوریں دے دیں گے۔''

عیینہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم اپنے حلیفوں کو کسی کے سپرد نہیں کریں گے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو یہاں کے یہودیوں سے مقابلے کی تاب نہیں ہے کیونکہ ان کے پاس بڑے مضبوط قلعے ہیں۔ ان کے جنگجوؤں کی تمھارے مقابلے میں تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ ان کے پاس ہر قسم کے اسلحے کی بھی فراوانی ہے۔ اگر تم یہاں ٹھہرے تو اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو جاؤ گے اور اگر تم نے لڑائی کی تو یہ مسلح آدمیوں کے ریلے سے



جبل حضن (نجد)

تمھارا مقابلہ کریں گے اور اللہ کی قسم! یہ لوگ قریش کی طرح نہیں ہیں جو تمھاری طرف چل کر آئے کہ اگر وہ تمھاری بے خبری میں تمھیں کوئی نقصان پہنچا دیں تو یہی ان کا ارادہ ہوتا تھا ورنہ وہ واپس چلے جاتے تھے۔ یہ لوگ تو حیلہ بازی سے تم سے جنگ کریں گے اور اسے خوب طول دیں گے حتی کہ تم خود تنگ آکر انھیں چھوٹ دے دو گے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے واپس ہونے سے قبل عیینہ بن حصن سے کہا: یاد رکھو ہم اسی قلعے میں تمھارے پاس آئیں گے اور اب ہم تمھیں جو پیشکش کر رہے ہیں، اس وقت تم خود ہم سے انھی چیزوں کا مطالبہ کرو گے لیکن اس وقت ہمارے پاس تمھارے لیے تلوار کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ عیینہ! تم یہ منظر پہلے بھی دیکھ چکے ہو کہ جب ہم نے یثرب کے یہودیوں کے علاقے کا رخ کیا تو انھیں پارہ پارہ کر دیا تھا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ عیینہ سے ملاقات کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ انھوں نے عیینہ کی تمام باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیں اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے، وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا اور اپنے دین کو یقیناً غلبہ اور سربلندی عطا فرمائے گا۔ آپ اس بدو (عیینہ) کو ایک کھجور بھی نہ دیں۔ اے اللہ کے رسول! اگر تلوار نے اسے جالیا تو یہ خیبر کے یہودیوں کو چھوڑ کر اپنے علاقے کی طرف بھاگ جائے گا جیسا کہ یہ خندق کے دن بھاگ گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ قبیلۂ غطفان آپ کی طرف سے خیبر کی ایک سال کی کھجوروں کی پیشکش قبول نہیں کر رہا، تو آپ نے اپنی فوجوں کو قلعہ ناعم کا گھیراؤ کرنے کا حکم دے دیا جس میں غطفان کے لوگ بھی یہودیوں کے ساتھ قلعہ بند تھے۔

مسلمانوں کا عزم و ثبات

قبائل غطفان و اسد کے اس اصرار کے باوجود کہ وہ یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کریں گے، مسلمانوں کے پائے استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہ ہوئی بلکہ وہ بلند پایہ ایمانی جذبے، اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی پر مکمل اعتماد اور عزم و اطمینان کے ساتھ اپنے رہبر و راہنما سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں خیبر پہنچے تھے۔

ہر چند وہ تعداد میں صرف چودہ سو (1400) تھے۔ اس کے باوجود چودہ ہزار (14000) کے لشکر جرار سے ٹکرا جانے کے لیے سربکف تھے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی غطفان کا فرار

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ"

''ایک مہینے کی مسافت تک رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔''[1]

یعنی دشمن پر میرا رعب طاری کر کے اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے، چاہے میرا دشمن ایک مہینے کی مسافت پر ہو جیسا کہ غطفان کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے آپ کا رعب طاری فرما دیا تھا جن کی تعداد چار ہزار (4000) تھی۔ ان کے جو لوگ یہودیوں کے ساتھ ان کے قلعوں میں مقیم تھے، انھوں نے چیخ پکار کی صدائیں سنیں تو وہ یہودیوں کو چھوڑ کر کلمۂ فرار پڑھتے ہوئے بھاگ گئے۔

غطفانی جب حیفاء میں اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آئے اور انھیں معمول کے مطابق پایا تو پوچھا: کیا تمھیں کوئی ڈر اور خوف لاحق ہوا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، واللہ! ایسی کوئی بات نہیں، پھر اہل خانہ کہنے لگے کہ ہمارا خیال تھا کہ تم مال غنیمت کے ساتھ لوٹو گے مگر ہم تو تمھارے پاس غنیمت کی کوئی چیز نہیں دیکھ رہے۔ عیینہ بن حصن نے اپنے ساتھیوں سے کہا: واللہ! یہ تو محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کی ایک تدبیر ہے جس کے ذریعے انھوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ حارث بن عوف مری نے پوچھا: کون سا دھوکا؟ اس نے کہا کہ ہم نطاۃ کے قلعے میں تھے، ابھی رات کا ابتدائی حصہ ہی گزرا تھا کہ ہم نے سنا کہ کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا اور ہمیں نہیں معلوم کہ یہ آواز آسمان سے آرہی تھی یا زمین سے کہ اے لوگو! حیفاء میں اپنے اہل و عیال کی خبر لو۔ یہ آواز تین بار سنائی دی۔ حارث بن عوف نے جواب دیا: عیینہ! اللہ کی قسم! تم نے جو آواز سنی، یہ آسمان کی طرف سے تھی، اللہ کی قسم! جو بھی محمد (ﷺ) کے مقابلے میں آئے گا، وہ اس پر غالب آجائیں گے۔ اگر پہاڑ بھی ان کے مقابلہ میں آئیں گے تو وہ ان کو بھی پاش پاش کر دیں گے ؎

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

[1] صحيح البخاري: 335.

عیینہ کچھ دن اپنے اہل خانہ میں مقیم رہا، پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو یہودیوں کی مدد کے لیے نکلنے کی دعوت دی تو حارث بن عوف اس کے پاس آیا اور اس نے کہا: عیینہ! میری بات مانو، اپنے گھر میں رہو اور یہودیوں کی مدد کا خیال دل سے نکال دو۔ ویسے بھی تمھارے خیبر پہنچنے سے پہلے پہلے محمد (ﷺ) نے اسے فتح کرلیا ہوگا۔ ایسی صورت میں تم بھی محفوظ نہیں رہو گے۔ مگر عیینہ نے یہ کہتے ہوئے اس کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میں اپنے حلیفوں کو کسی کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔[1] پھر عیینہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہودیوں کی مدد کے لیے خیبر کی طرف روانہ ہوگیا۔

قلعۂ ناعم پر حملے سے لڑائی کا آغاز

نبی اکرم ﷺ نے پہلا فوجی کیمپ نطاۃ کے بالائی طرف کھلے میدان میں ناعم قلعہ کے قریب قائم فرمایا تھا۔[2] ناعم ہی خیبر کا وہ سب سے پہلا قلعہ تھا جس پر مسلمانوں نے حملہ کیا تھا۔ یہ قلعہ مشہور یہودی شہسوار مرحب کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے لڑائی کے پہلے دن اسی قلعے پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا اور آپ نے بنفس نفیس بھی اس لڑائی میں شرکت فرمائی تھی۔ آپ ظَرِب نامی گھوڑے پر سوار تھے اور آپ ﷺ نے دو زرہیں اور خود زیب تن فرما رکھا تھا، دست مبارک میں نیزہ اور ڈھال بھی تھی۔

قلعہ ناعم کے سامنے مسلمانوں اور یہودیوں میں بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں نے زبردست حملہ کیا، دن بھر معرکہ آرائی جاری رہی۔ یہودیوں کی قیادت مرحب اور اس کے بھائی یاسر اور حارث کر رہے تھے اور ان کی طرف سے مقابلہ اتنا شدید تھا کہ پہلے دن کی اس لڑائی میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ یہودیوں نے قلعہ ناعم کے دفاع میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا حتی کہ قلعے کے دروازے کھول کر مسلمانوں کے بالمقابل صف آرا ہوگئے۔ ان کے شہسوار مرحب کے بھائی حارث کی قیادت میں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر سے انصار کے دستوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے یہودی بھاگ کر قلعے میں گھس گئے اور اپنی جانیں بچانے کے لیے قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد انھوں نے قلعے کا دروازہ کھول کر ایک یہودی سالار اُسَیر کی قیادت میں مسلمانوں پر شدید حملہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن یہودیوں کی تیراندازی سے پچاس مسلمان زخمی ہوگئے۔ اگلے دن ان تمام زخمیوں کو طبی امداد کے مرکز وادی رجیع میں علاج معالجے کے لیے منتقل کر دیا گیا۔[3]

---

[1] المغازي للواقدي: 2/124-126. [2] المغازي للواقدي: 2/126، إمتاع الأسماع: 1/309. [3] المغازي للواقدي: 2/126، 127، موسوعة الغزوات الكبرى للباشميل: 1/1003.

محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ...... خیبر کے پہلے شہید

غزوۂ خیبر میں سب سے پہلے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ انھیں معرکے میں مقابلہ کرتے ہوئے نہیں بلکہ دھوکے سے شہید کیا گیا تھا۔ معرکۂ کارزار میں تو انھوں نے شجاعت و بسالت کے خوب خوب جوہر دکھائے تھے۔ تاہم وہ شدید ترین گرم دن تھا، اس لیے وہ تھوڑی دیر آرام کے لیے قلعہ ناعم سے متصل ایک عمارت کے سائے میں چلے گئے۔ ان کے خیال میں وہاں کوئی یہودی جنگجو نہیں تھا لیکن مرحب نے انھیں دیکھ لیا۔ اُس نے اس عمارت کی چھت پر چڑھ کر چکی کا ایک پاٹ ان کے سر پر گرا دیا جس کی وجہ سے خود ان کے سر میں دھنس گیا۔ زخم اتنا شدید تھا کہ پیشانی کی کھال چہرے پر گر گئی۔ انھیں اسی زخمی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے کھال کو اپنی جگہ پر لوٹا دیا اور ان کے سر پر پٹی باندھ دی، پھر انھیں طبی امداد کے مرکز میں منتقل کر دیا گیا جہاں وادی رجیع میں ان کا علاج ہوتا رہا اور تیسرے دن ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔[1]

اسلامی کیمپ کے پڑاؤ کی تبدیلی

پہلے دن کی اس لڑائی میں مسلمانوں کو بہت سے آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک بڑے قائد حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے جن کا تعلق انصار سے تھا، محسوس کیا کہ جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے مسلمانوں کا کیمپ مناسب جگہ پر نہیں ہے۔ نطاۃ کے قلعے بہت بلندی پر واقع تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تمام حرکات و سکنات پر یہودیوں کی نظر تھی اور مسلمان ان کے تیروں کی زد میں تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس جگہ کا انتخاب فرمایا ہے تو اس میں کسی قیل وقال کی گنجائش نہیں اور اگر آپ نے اپنی رائے سے اسے منتخب کیا ہے تو اس بارے میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَلْ هُوَ الرَّأْيُ» ''میں نے اس جگہ کا انتخاب اپنی رائے سے کیا ہے۔''

حباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے قلعے کے قریب، نخلستان میں ایک نشیبی جگہ کا انتخاب فرمایا ہے۔ مجھے نطاۃ کے باشندوں کے بارے میں علم ہے کہ یہ لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر ہیں۔ ان کے بلندی پر ہونے کی وجہ سے ان کے تیر بھی ہماری طرف نہایت تیزی سے آتے ہیں اور وہ ہم پر شب خون بھی مار سکتے ہیں، لہٰذا ہمیں کسی ایسی جگہ منتقل ہو جانا چاہیے جو نمناک نہ ہو اور اونچی جگہ پر ہو تاکہ ان کے تیر ہم تک نہ پہنچ سکیں۔

[1] المغازي للواقدي: 2/121.

رسول اللہ ﷺ نے حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی رائے کو صائب جانتے ہوئے فرمایا:

«أَشَرْتَ بِالرَّأْيِ، إِذَا أَمْسَيْنَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَحَوَّلْنَا»

''تم نے بڑی اچھی رائے دی ہے، لہٰذا اللہ نے چاہا تو ہم شام کو کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں گے۔''

البتہ رسول اللہ ﷺ کی رائے تھی کہ قلعہ ناعم کے لوگوں کے ساتھ رات تک اسی جگہ جنگ جاری رہنی چاہیے اور پھر رات ہی کو ہمیں دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیے۔

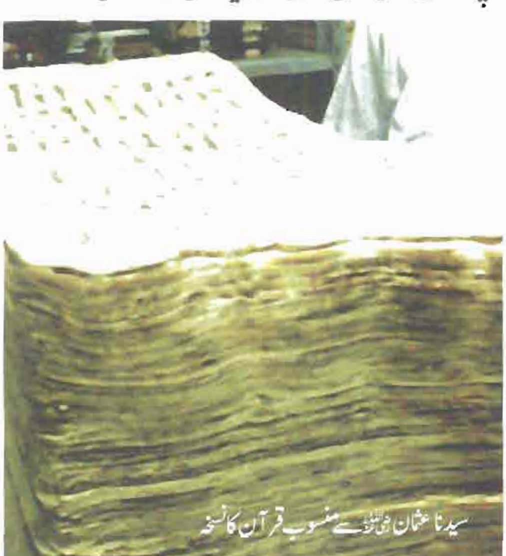
حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے نبی ﷺ نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اُنْظُرْ لَنَا مَنْزِلًا بَعِيدًا مِنْ حُصُونِهِمْ، بَرِيئًا مِنَ الْوَبَاءِ، نَأْمَنُ فِيهِ بَيَاتَهُمْ»

''ہمارے لیے کوئی ایسی مناسب جگہ تلاش کرو جو ان کے قلعوں سے دور ہو، وبا سے پاک ہو اور جس میں ہم ان کی طرف سے شب خون کے خطرے سے بھی محفوظ ہوں۔''

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی ہدایات کے مطابق مناسب جگہ کی تلاش کے لیے گرد و پیش کا جائزہ لینا شروع کیا اور جب انھیں موزوں جگہ مل گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کے فرمان کے مطابق مناسب جگہ تلاش کر لی ہے اور وہ جگہ وادی رجیع ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ» ''اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ (ہم وہاں منتقل ہو جائیں گے)۔''

پھر اسی دن کی شام کو نبی اکرم ﷺ نے لشکرِ اسلام کا کیمپ وادی رجیع میں منتقل کر دیا جس کا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے انتخاب کیا تھا۔



سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب قرآن کا نسخہ

اس نئے کیمپ کا نگران آپ ﷺ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ گویا پہلے دن یہودیوں سے لڑائی نطاۃ کے زیریں علاقے میں کی گئی تھی اور وادی رجیع میں منتقل ہونے کے بعد اس کے بالائی علاقے میں لڑائی کی گئی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خیبر میں فتح عطا فرمائی۔[1]

1 المغازي للواقدي: 121،120/2، السيرة الحلبية: 731/2.

قلعہ ناعم ...... یہود کا مضبوط ترین قلعہ

قلعہ ناعم کے سامنے مسلمانوں کی معرکہ آرائیوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیبر میں سب سے محفوظ اور مضبوط قلعہ تھا اور اس کا دفاع کرنے والے یہودی بھی دلیر اور جنگی امور کے ماہر تھے۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس مضبوط قلعے کے دفاع پر جو فوجی دستہ مامور تھا، اس کی قیادت مرحب اور اس کے دو بھائیوں یاسر اور حارث کے سپرد تھی۔ یہ دونوں بھائی بھی شجاعت و جوانمردی میں مرحب سے کم نہیں تھے۔ یہ تینوں یہودی قائدین دعوت مبارزت میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔ ان کے قتل کے بعد مسلمانوں کے لیے اس قلعے کو فتح کرنا آسان ہوا تھا جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔[1]

عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی شہادت

مسلمانوں نے جب قلعہ ناعم کا محاصرہ کرلیا تو مرحب بڑے غرور سے اکڑ کر چلتا اور اپنی تلوار کو لہراتا ہوا نکلا۔ اس نے دعوت مبارزت دیتے ہوئے یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ ... شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

إِذَا الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

''خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں جو ایک ہتھیار بند بہادر اور تجربہ کار سورما ہے، جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھے (تو میں شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھاتا ہوں)۔''

مرحب کی دعوتِ مبارزت قبول کرتے ہوئے سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ میدان میں آئے اور انھوں نے مرحب کے جواب میں یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي عَامِرُ ... شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرُ

''خیبر کو خوب معلوم ہے کہ میں عامر ہوں۔ میں مسلح ہوں، بہادر ہوں اور قتال کرتے ہوئے موت سے ہرگز نہیں ڈرتا۔''

اس کے بعد عامر رضی اللہ عنہ اور مرحب میں شمشیر زنی کا مقابلہ ہونے لگا۔ مرحب کی تلوار عامر رضی اللہ عنہ کی زرہ میں پھنس گئی۔ عامر رضی اللہ عنہ نے مرحب کو زمین پر رگیدنا شروع کر دیا۔ اسی جد و جہد میں اچانک خود عامر رضی اللہ عنہ کی اپنی ہی تلوار

[1] موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1008/1.

ان کے گھٹنے پر لگ گئی جس سے ان کی رگِ اکحل کٹ گئی اور وہ (بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے) جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر کا عمل باطل ہوگیا کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو خود قتل کیا ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشکبار آنکھوں کے ساتھ حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا عامر کا عمل باطل ہوگیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ قَالَ ذٰلِكَ؟» ''یہ کس نے کہا ہے؟'' میں نے عرض کیا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے یہ بات کہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «كَذَبَ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ، بَلْ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ» ''جس نے بھی یہ کہا ہے، اس نے غلط کہا ہے۔ عامر کے لیے تو دُگنا اجر و ثواب ہے۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیج کر انھیں بلایا[1] جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیماری کے باوجود خیبر میں

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خیبر کی جنگ میں (روانگی کے وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جاسکے تھے کیونکہ ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ انھوں نے کہا (سوچا:) کہ کیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جاؤں؟ (یہ تو مجھے گوارا نہیں) چنانچہ وہ بھی اسلامی لشکر کے ساتھ جا ملے۔[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پرچم عطا فرما کر دعوتِ اسلام دینے کا حکم

قلعہ ناعم کو فتح کرنے کے لیے اب تک کئی کوششیں کی جا چکی تھیں لیکن یہ قلعہ ابھی فتح نہیں ہوا تھا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پرچم دے کر روانہ کیا۔ وہ لڑ کر واپس آگئے پھر اگلے روز عمر رضی اللہ عنہ گئے۔ وہ بھی خوب لڑائی کرکے پلٹ آئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر پرچم ان کے حوالے کیا۔[3]

دراصل اللہ تعالیٰ نے کسی کو کسی لحاظ سے فضیلت بخشی ہے اور کسی کو کسی لحاظ سے۔ اس موقع پر یہ خاص فضیلت و سعادت اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقدر کر رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آنکھوں کی تکلیف کے باعث پہلے پیچھے مدینہ میں رہ گئے، پھر تکلیف کی پروا نہ کرتے ہوئے اسلامی لشکر سے جا ملے۔ خیبر میں بھی تکلیف کے باوجود انھی کو طلب کیا گیا۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 صحيح مسلم: 1807. 2 صحيح البخاري: 4209. 3 البداية والنهاية: 187/4، فتح الباري: 595/7

«لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ، يُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ»

''میں یہ پرچم کل اس شخص کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔''

لوگ ساری رات مضطرب رہے کہ دیکھیں ان میں سے یہ پرچم کس کو عطا ہوتا ہے؟ صبح ہوئی تو لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سبھی امیدوار تھے کہ پرچم انھیں عطا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: «أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ؟» ''علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟'' لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ پھر ان کی طرف پیغام بھیج کر انھیں بلایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور ان کے لیے دعا فرمائی تو وہ اس طرح صحت یاب ہوگئے جیسے انھیں کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔ آپ نے انھیں پرچم عطا فرما دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں ان سے لڑائی کروں حتی کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَ أَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيهِ، فَوَاللّٰهِ! لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ»

''سلامتی کے ساتھ چلتے جاؤ حتی کہ ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ، پھر انھیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر کیا حق واجب ہے۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمھاری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔''[1]


خیبر کی ایک قدیم گزرگاہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ»

[1] صحيح البخاري، 4210.

”میں یہ پرچم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا۔“

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اس دن کے سوا امارت کو کبھی پسند نہیں کیا، البتہ اس دن میں نے اس امید سے امارت کی خواہش کی کہ شاید مجھے بلایا جائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں پرچم عطا فرما دیا اور فرمایا: «امْشِ وَلَا تَلْتَفِتْ حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ» ”چلتے جاؤ، پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا حتی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں فتح عطا فرما دے۔“ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھوڑی دور چلے، پھر رک گئے اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر پوچھا: اے اللہ کے رسول! میں لوگوں سے کس بات پر قتال کروں؟ آپ نے فرمایا:

«قَاتِلْهُمْ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ فَقَدْ مَنَعُوا مِنْكَ دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ»

”ان سے قتال کرو حتی کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو تم سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیں گے سوائے ان کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہوگا۔“ [1]

درج بالا حدیث سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کمال اطاعت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: ”پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔“ چنانچہ انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر ہی سوال کیا۔ علاوہ ازیں سرخ اونٹوں کا تذکرہ اس لیے فرمایا کہ اونٹوں کا یہ رنگ عربوں کے ہاں بہت ہی پسندیدہ تھا۔ آپ کی اس سے مراد کیا تھی؟ اس بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم ایک شخص کی ہدایت کا سبب بن جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تمھارے پاس سرخ رنگ کے اونٹ ہوں اور تم انھیں صدقہ کر دو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عرب سرخ اونٹوں کے مالک ہونے پر فخر کرتے تھے، اس لیے آپ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ یہ بات سرخ رنگ کے اونٹ حاصل کرنے اور ان کا مالک بننے سے بہتر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کرتے ہوئے ان کے اور ان کے ساتھیوں کے لیے نصرت کی دعا بھی کی۔ [2]

ایک یہودی کا علی رضی اللہ عنہ سے مکالمہ

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ قلعۂ ناعم کے پاس پہنچے تو انھوں نے قلعے کے نیچے چٹان پر اپنا

[1] صحيح مسلم: 2405. [2] المغازي للواقدي: 127/2.

جھنڈا گاڑا۔ ایک یہودی نے قلعے کی چھت سے جھانک کر ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں علی بن ابی طالب ہوں۔ یہ سنتے ہی یہودی بولا: غَلَبْتُمْ وَمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُوسٰى. ''موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے دین کی قسم! تم غالب آ گئے۔'' [1]

بہرحال سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق یہودیوں کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی اور انھیں بتایا کہ اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور کفر کی تاریکیوں سے نکل کر توحید کی روشنی میں آ گئے تو انھیں بھی وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کو حاصل ہیں مگر یہودیوں کو اپنی افرادی اور مادی قوت پر بڑا ناز تھا، انھوں نے نہ صرف دعوت اسلام کو مسترد کر دیا بلکہ مسلمانوں سے مقابلے پر اتر آئے۔

حارث جہنم واصل ہوگیا

واقدی کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے مرحب کا بھائی حارث مسلمانوں سے مقابلے کے لیے آیا۔ اس کا حملہ اتنا زبردست تھا کہ مسلمان بکھر گئے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے۔ ان کا حارث کے ساتھ مقابلہ ہوا تو علی رضی اللہ عنہ نے اسے جہنم واصل کر دیا۔ حارث کے قتل ہونے کے بعد اس کے لشکر کے لوگ واپس قلعے میں بھاگ گئے اور انھوں نے قلعے کا دروازہ بند کر لیا۔ اس کے بعد مرحب مقابلے کے لیے نکلا۔ [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مرحب سے مقابلہ

مرحب نے یہ رجز پڑھتے ہوئے دعوت مبارزت دی:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ ... شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

إِذَا الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

''خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں جو ایک ہتھیار بند بہادر اور تجربہ کار سورما ہے، جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھے (تو میں شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھاتا ہوں)۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ رجز پڑھتے ہوئے اس کی دعوت مبارزت کو قبول فرمایا:

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ ... كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ

أُوفِيهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

1 البداية والنهاية: 4/187، 188. 2 المغازي للواقدي: 2/127.

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں جنگلوں کے شیر کی طرح خوف ناک نظر آتا ہوں، میں اُن کے لیے صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تلوار کا ایسا زبردست وار کیا جو مرحب کے آہنی خود کو کاٹ کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کرتا ہوا گردن تک پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی مرحب کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا تھا۔[1] جب کہ موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔[2]

اسی طرح محمد بن اسحاق نے بھی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ مرحب یہودی قلعہ خیبر سے رجز پڑھتا اور دعوتِ مبارزت دیتا ہوا نکلا تو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي كَعْبُ   مُفَرِّجُ الْغُمَّى جَرِيءٌ صُلْبُ

"خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں کعب ہوں، دکھ دور کرنے والا، زبردست بہادر اور نہایت سخت جان!"

إِذْ شُبَّتِ الْحَرْبُ تَلَتْهَا الْحَرْبُ   مَعِي حُسَامٌ كَالْعَقِيقِ عَضْبُ

"جب پے در پے جنگیں بھڑک اُٹھتی ہیں تو میں اپنی ہیرے کی طرح تیز کاٹ دار تلوار لے کر اُن میں کود پڑتا ہوں۔"

نَطَؤُكُمْ حَتّٰى يَذِلَّ الصَّعْبُ   نُعْطِي الْجَزَاءَ أَوْ يَفِيءَ النَّهْبُ

"ہم تمھیں اس طرح روند ڈالیں گے کہ تمام مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ پھر ہم جزیہ لیں گے یا لوٹے ہوئے اموال حاصل کریں گے۔"

بِكَفِّ مَاضٍ لَيْسَ فِيهِ عَتْبُ

"ایسے مضبوط ہاتھ کے ذریعے جس میں کوئی قابلِ ملامت کمزوری نہیں ہے۔"

لیکن مرحب نے بدستور اپنے رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے کہا کہ ہے کوئی جو میری دعوتِ مبارزت قبول کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ لِهٰذَا؟» "کون ہے جو اس کا مقابلہ کرے؟" محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اس سے مقابلے کے لیے تیار ہوں، اللہ کی قسم! میں نے ابھی تک اپنے مقتول کا بدلہ نہیں لیا،

1 صحیح مسلم: 1807. 2 البدایة والنهایة: 190/4، دلائل النبوة للبیهقي: 215،214/4.

لہٰذا میں قاتل کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کل ہی میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: «قُمْ إِلَيْهِ، اَللّٰهُمَّ أَعِنْهُ» ''اس سے مقابلے کے لیے اٹھو! اے اللہ! اس کی (اُس کے خلاف) مدد فرما۔'' جب دونوں مقابلے کے لیے ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو اُن کے درمیان گوند کا ایک پرانا درخت حائل ہوگیا۔ ہر ایک دوسرے سے اس درخت کی آڑ لیتا تھا۔ دونوں میں سے جب کوئی درخت کی آڑ لیتا تو وہ اپنی تلوار سے اس کے آگے سے درخت کاٹ دیتا تھا حتی کہ اس درخت کی ساری شاخیں کٹ گئیں اب دونوں کھلم کھلا ایک دوسرے کے بالمقابل تھے۔ مرحب نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کیا تو انھوں نے اسے اپنی ڈھال پر روکا، اس کی تلوار ڈھال میں پھنس کر رہ گئی۔ اسی اثنا میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کا ایسا زبردست وار کیا کہ مرحب خاک وخون میں تڑپنے لگا۔ [1]

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس واقعے کو ابنِ اسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ [2] اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جب ضرب کاری لگائی تو یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَاضِ ۔۔۔ حُلْوٌ إِذَا شِئْتُ وَسُمٌّ قَاضِي

''خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں اپنے ارادے پورے کر گزرنے والا انسان ہوں، میں جب چاہوں بہت میٹھا بن جاتا ہوں اور جب چاہوں زہر قاتل کی شکل اختیار کر لیتا ہوں۔'' [3]

واقدی نے بھی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر سلف کے حوالے سے لکھا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ہی نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ واقدی نے یہ بھی کہا ہے کہ جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کے دونوں پاؤں کاٹ دیے تو اس نے کہا: مجھے مار ڈالو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں بلکہ اب موت کا ذائقہ اسی طرح چکھ جیسے میرے بھائی نے چکھا ہے۔ اسی وقت وہاں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو انھوں نے فوراً اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور پھر دونوں کا اس کے جسم کے ہتھیاروں کے بارے میں اختلاف ہوا تو دونوں اپنا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے۔ آپ ﷺ نے دونوں کا بیان سن کر مرحب کی تلوار، نیزہ، خود، ڈھال اور اس کا سارا سامان محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔ مرحب کی تلوار پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے:

هٰذَا سَيْفُ مَرْحَبْ ۔۔۔ مَنْ يَذُقْهُ يَعْطَبْ

''یہ مرحب کی تلوار ہے۔ جو اس کا ذائقہ چکھے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا۔'' [4]

[1] السيرة لابن هشام: 348,347/3، البداية والنهاية: 191,190/4. [2] مسند أحمد: 385/3، مجمع الزوائد: 150/6
[3] دلائل النبوة للبيهقي: 215/4. [4] المغازي للواقدي: 130,129/2، البداية والنهاية: 191/4

مرحب کو کس نے واصلِ جہنم کیا؟

مرحب کو کس نے واصل جہنم کیا؟ اس کے بارے میں اگرچہ مختلف اقوال ہیں لیکن ان میں سے راجح قول یہی ہے کہ یہ کارنامہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی نے انجام دیا تھا، جیسا کہ ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات بیان کر آئے ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فتح خیبر کی بشارت اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے پرچم عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

فَضَرَبَ رَأْسَ مَرْحَبٍ فَقَتَلَهُ، ثُمَّ كَانَ الْفَتْحُ عَلٰى يَدَيْهِ.

''پس سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کے سر پر تلوار مار کر اسے قتل کر دیا اور اس طرح آپ کے ہاتھوں ہی فتح ہوئی تھی۔''[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحب کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، البتہ علی رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت ہے کہ میں نے مرحب کا سر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، وہ صحیح نہیں۔[2] ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، واقدی اور کئی دیگر اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کئی قول نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کے بھائی حارث کو قتل کیا تھا لیکن بعض راویوں کو اشتباہ ہو گیا اور انھوں نے حارث کے بجائے مرحب کا نام لکھ دیا ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر معاملہ اس طرح نہیں ہے تو پھر جو صحیح مسلم میں ہے، وہ دیگر کی نسبت بہر حال مقدم ہے۔ حافظ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جس قلعے کو فتح کیا تھا، اس کا نام قموص تھا اور وہ ان کا سب سے بڑا قلعہ تھا اور صفیہ بنت حیی کو بھی اسی قلعے سے گرفتار کیا گیا تھا۔[3] واللہ اعلم۔ یاد رہے کہ حارث کو بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی نے قتل کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

یاسر کی ہلاکت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قلعہ ناعم کا دفاع کرنے والے یہودیوں کے سب سے بڑے جرنیل مرحب کو قتل کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود ابھی تک قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ یہودی بڑی دلیری سے قلعے کا دفاع کر رہے تھے۔ مرحب کی ہلاکت کے بعد اس کا بھائی یاسر بڑے طیش میں ایک زبردست فوجی جتھا لے کر قلعے سے باہر نکل آیا اور

1 صحیح مسلم: 1807. 2 مجمع الزوائد: 152/6. 3 فتح الباري: 597/7.

مسلمانوں کو چیلنج کرنے لگا۔ اس نے اپنا نیزہ قلعے کے سامنے گاڑ دیا، پھر گھوڑے پر سوار ہو کر دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے اس نے یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي يَاسِرُ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرُ

''خیبر والے جانتے ہیں کہ میں یاسر ہوں جو ہتھیار بند، بہادر اور کشتوں کے پشتے لگانے والا ہے۔''

إِذَا اللُّيُوثُ أَقْبَلَتْ تُبَادِرُ وَأَحْجَمَتْ مِنْ هَوْلَتِي الْمَخَاطِرُ

''شیر بھی مجھ پر حملہ آور ہوتے ہیں تو وہ بھی فوراً فرار ہونے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ اور میری دہشت کی وجہ سے سارے خطرات دور ہو جاتے ہیں۔''

إِنَّ حِمَايَ فِيهِ مَوْتٌ حَاضِرُ

''میرے علاقے میں دشمن کے لیے ہر وقت موت منڈلاتی رہتی ہے۔''

یاسر واقعی یہودیوں کا بہادر جرنیل اور سخت جنگجو تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ میدان میں نکلے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں) نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَلِ ابْنُكِ يَقْتُلُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ» ''نہیں بلکہ آپ کا بیٹا ان شاء اللہ اسے قتل کر دے گا۔'' سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے یاسر کے مقابلے میں یہ رجزیہ اشعار پڑھے:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي زَبَّارْ قَرْمٌ لِقَرْمٍ غَيْرُ نِكْسٍ فَرَّارْ

''خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں زبیر ہوں۔ میں بہادر سورماؤں کی ناک پر داغ لگا دیتا ہوں، میں سر جھکانے اور بھاگنے والا آدمی نہیں ہوں۔''

وَابْنُ حُمَاةِ الْمَجْدِ وَابْنُ الْأَخْيَارْ يَاسِرُ لَا يَغْرُرْكَ جَمْعُ الْكُفَّارْ

''میں مجد و شرافت کی حفاظت کرنے والوں کا نورِ نظر ہوں، میں سرداروں کا لختِ جگر ہوں۔ یاسر! کان کھول کر سن لے مبادا کافروں کی جماعت تجھے فریب خوردہ کر دے۔''

فَجَمْعُهُمْ مِثْلُ السَّرَابِ الْجَرَّارْ

''ان کی جماعت تو پانی کی طرح نظر آنے والے سراب کے مانند ہے۔''

کچھ دیر دونوں میں مقابلہ جاری رہا، پھر زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ایسی کاری ضرب لگائی جس نے یاسر کا کام

تمام کر دیا۔[1] یاسر کے قتل کے بعد یہودی اپنے تینوں بڑے جنگجو قائدین سے محروم ہو گئے۔ اس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے جب کہ مسلمانوں میں اس سے خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کے لیے اس قلعے میں داخل ہونا اور اسے فتح کرنا بہت آسان ہو گیا۔ ابن اسحاق نے ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے جب بھی یہ کہا جاتا: واللہ! اس دن آپ کی شمشیر براں تو بہت قاطع تھی، تو وہ جواب دیتے: واللہ! ہرگز قاطع نہیں تھی مگر میں نے اسے قطع کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔[2]

مزید دو یہودی سرداروں کا قتل

مرحب، حارث اور یاسر کے بعد ایک چوتھا یہودی جرنیل بھی قلعے سے نکلا اور دعوتِ مبارزت دیتا ہوا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے لگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اُسے آن کی آن میں تہ تیغ کر دیا۔ اس کا نام عامر تھا اور ان کا پانچواں قتل ہونے والا سردار اُسَیر تھا جسے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا تھا۔[3]

اس طرح پانچ یہودی سورماؤں مرحب، حارث، عامر، یاسر اور اُسَیر کے قتل ہونے کے بعد قلعے کا دفاع کرنے والے یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور ان میں مقابلے کی تاب نہ رہی، چنانچہ مسلمانوں نے قلعے میں داخل ہو کر فتح کے جھنڈے گاڑ دیے۔ یہودی وہاں سے راہِ فرار اختیار کر کے قلعہ صعب میں جمع ہو گئے۔

ایک یہودی کے لیے امان

قلعہ ناعم کے محاصرے کے دنوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو گشت کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ آپ کی ٹیم نے مسلمانوں کے کیمپ کے قریب سے ایک یہودی کو گرفتار کر کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے لیکن اس نے کہا کہ مجھے پہلے اپنے نبی کے پاس لے جاؤ، میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس یہودی کا نام سماک تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے تو آپ نے دریافت فرمایا: تم کون ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ابوالقاسم! اگر میں آپ کو سچ بتاؤں تو کیا آپ مجھے امان دیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: میں نطاۃ کے لوگوں کے پاس سے آ رہا ہوں، ان کے ہاں کوئی نظام ہی نہیں ہے۔ آج رات ان کا پروگرام اس قلعے سے فرار ہو جانے کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے پوچھا کہ وہ کہاں جائیں گے؟ اس نے کہا: زیریں علاقے شق کی طرف۔ وہ آپ سے بہت خوفزدہ ہیں۔ شدت

1 السيرة لابن هشام: 348/3، امتاع الأسماع: 311/1، السيرة الحلبية: 739/2، زاد المعاد: 323,322/3. 2 السيرة لابن هشام: 349,348/3. 3 امتاع الأسماع: 311/1.

خوف سے ان کے دل کانپ رہے ہیں۔ یہودیوں کے اس قلعے میں ہتھیار، کھانے پینے کا سامان اور چربی وغیرہ بھی موجود ہے۔ (اس کا اشارہ قلعہ صعب بن معاذ کی طرف تھا۔ قلعہ ناعم کے بعد یہ دوسرا قلعہ تھا جسے مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ اس قلعے میں خیبر کے تمام قلعوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ کھجوریں، چربی، شکر، گھی، جو، مویشی اور دیگر سازو سامان موجود تھا۔ [1]) اس یہودی نے بتایا کہ اس قلعے میں ان کے مشہور جنگی آلات بھی ہیں جنھیں وہ دشمن کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور اب انھوں نے یہ آلات قلعے میں زیرزمین چھپا دیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی سے پوچھا کہ وہ جنگی آلات کیا ہیں؟ اس نے بتایا: منجنیق، دوDبابے، زرہیں، خود اور تلواریں ہیں۔ کل جب آپ قلعے میں داخل ہوں گے اور ضرور داخل ہوں گے..... اس موقع پر اس کی اس بات پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ، یہ سن کر اس نے بھی کہا: ان شاء اللہ!..... تو میں آپ کو اسلحے کے ذخیرے کے بارے میں بتاؤں گا کیونکہ میرے سوا اور کوئی یہودی اسے نہیں جانتا۔ یہودی نے مزید کہا: ایک اور بات بھی ہے۔ پوچھا گیا: وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا: وہاں سے اسلحہ نکالنے کے بعد منجنیق کو قلعہ شق پر نصب کر دینا ضروری ہے اور دبابوں کو استعمال کرنے کے لیے ان کے نیچے دو آدمی تعینات کر دیے جائیں جو قلعے پر گولہ باری کریں، اس طرح آپ اسی دن قلعہ فتح کر لیں گے۔ قلعہ کتیبہ کی مہم میں بھی یہی عمل دہرایئے، اس طرح وہ قلعہ بھی فتح ہو جائے گا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس یہودی کی گفتگو سن رہے تھے، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! معلوم ہوتا ہے کہ یہ یہودی سچ کہہ رہا ہے۔ یہودی نے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! مجھے جان کی امان عطا فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنْتَ آمِنٌ» ”تجھے امان دے دی گئی۔“ اس نے کہا کہ میری بیوی قلعہ نزار میں ہے، مجھے میری بیوی بھی عطا فرما دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمھاری یہ درخواست بھی قبول ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی سے پوچھا کہ یہودی نطاۃ کے علاقے سے اپنے بچوں کو کیوں منتقل کر رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا: انھوں نے اس قلعے کو اپنے جنگجوؤں کے لیے خالی کر دیا ہے، اس لیے وہ اپنے بچوں کو شق اور کتیبہ میں منتقل کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سماک نامی اس یہودی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے غور کرنے کے لیے چند دن کی مہلت طلب کی تو آپ ﷺ نے اسے یہ مہلت عطا فرما دی۔

ایفائے عہد

جب جنگ ختم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تو سرور کائنات ﷺ نے اس یہودی سے کیا گیا وعدہ پورا فرمایا۔ اسے اس کی بیوی بھی عطا فرما دی، اس کا نام نُفَیلہ تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ کے بے مثل اخلاق سے

[1] السيرة الحلبية: 741/2

متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔[1]

ابتدائی جنگی نقصانات

قلعہ ناعم کے قریب مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی اور بالآخر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمان یہ قلعہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ لڑائی پندرہ دن جاری رہی۔ قلعہ ناعم کے سقوط کے بعد یہودیوں نے اگرچہ اپنی شکست مکمل طور پر تسلیم نہیں کی تاہم وہ اپنے اس مضبوط ترین قلعے کے دفاع میں ناکامی اور اپنے بڑے بڑے بہادر سورماؤں مرحب، یاسر، حارث، عامر اور اُسَیر کے قتل ہونے کی وجہ سے نڈھال ہو گئے، ان کے دل ٹوٹ گئے اور وہ نفسیاتی طور پر بدحواس ہو گئے، تاہم تاریخ کے صفحات یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اس جنگ میں فریقین کا کتنا جانی نقصان ہوا، البتہ یہ بات ضرور واضح ہے کہ غزوۂ خیبر کے پہلے ہی دن پچاس مجاہدین زخمی ہو گئے تھے جنھیں رجیع کے کیمپ میں علاج معالجے کے لیے منتقل کر دیا گیا تھا۔[2] اور تین مجاہدین محمود بن مسلمہ، عامر بن سنان بن اکوع اور ایک حبشی غلام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہود کی قلعہ صعب میں منتقلی

قلعہ صعب بن معاذ نطاۃ کے علاقے میں واقع تھا۔ مضبوطی واستحکام کے اعتبار سے قلعہ ناعم کے بعد یہ دوسرا بڑا قلعہ تھا۔ خیبر کے دفاع کے بارے میں یہودی لیڈروں نے جو حکمت عملی طے کی تھی، اس کے مطابق انھوں نے قلعہ ناعم کو اپنی پہلی دفاعی لائن قرار دیا تھا اور مسلمانوں کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی عورتوں، بچوں اور تمام اموال قلعہ نزار میں منتقل کر کے قلعہ ناعم کو مسلح جنگجوؤں کے لیے خالی کر دیا تھا۔ اس سے ان کا مقصود یہ بھی تھا کہ بوقت ضرورت قلعہ ناعم سے دوسری دفاعی لائن، قلعہ صعب کی طرف آسانی سے منتقل ہو سکیں اور مسلمان قلعہ ناعم کو فتح کر لیں تو عورتیں، بچے اور مال وغیرہ قلعہ صعب میں محفوظ رہے۔ اور فی الواقع ہوا بھی اسی طرح کہ جب مسلمانوں نے قلعہ ناعم کو فتح کر لیا تو یہود آسانی سے قلعہ صعب میں منتقل ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ قلعہ ناعم کی فتح کے موقع پر کوئی یہودی مسلمانوں کے ہاتھ نہ آیا۔

قلعہ صعب کا محاصرہ

قلعہ ناعم کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قلعہ صعب کا محاصرہ کر لیا۔ امام کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلعے پر حملہ کرنے کے لیے لشکر اسلام کا سالار سیدنا حباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کو بنایا اور انھیں پرچم عطا فرمایا۔[3]

1 المغازي للواقدي: 123,122/2. 2 إمتاع الأسماع: 308/1. 3 إمتاع الأسماع: 312/1.

طویل محاصرے اور یہودیوں کی طرف سے زبردست مزاحمت کے باعث اسلامی لشکر کے بعض دستوں کو معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ معتب اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خیبر میں قبیلہ اسلم کے لوگوں کو کھانے پینے کی اشیاء ختم ہوجانے کی وجہ سے شدید بھوک آپڑی۔ ہمارے قبیلے کے لوگوں نے اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ بھوک اور کمزوری کی وجہ سے ہم بڑی مشکل میں مبتلا ہیں، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وَاللّٰهِ! مَا بِيَدِي مَا أَقْرِيهِمْ» ''اللہ کی قسم! میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے جس سے میں ان کی مہمان نوازی کرسکوں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ آواز بلند یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْهِمْ أَعْظَمَ حِصْنٍ فِيهِ أَكْثَرُهُ طَعَامًا وَ أَكْثَرُهُ وَدَكًا»

''اے اللہ! انھیں اس (خیبر) کے سب سے بڑے ایسے قلعے پر فتح عطا فرما جس میں کھانا اور روغن سب سے زیادہ ہو۔''[1]

گدھوں کے گوشت کی حرمت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ جب ہم خیبر پہنچے تو شدید بھوک سے دوچار ہوگئے۔ خیبر میں ان دنوں زبردست خشک سالی اور شدید ترین گرمی تھی۔ ہم نے صعب بن معاذ کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اسی اثنا میں قلعے سے بیس (20) یا تیس (30) گدھے باہر نکل آئے۔ مسلمانوں نے انھیں پکڑ کر ذبح کیا اور آگ جلا کر ان کا گوشت پکانا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیا پک رہا ہے؟ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ گدھوں کا گوشت پکایا جا رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا۔[2]

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم نے خیبر کا محاصرہ کر رکھا تھا تو ہمیں شدید بھوک لاحق ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرما دی۔ جب فتح کے دن کی شام ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت سی آگ جلائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «مَا هٰذِهِ النِّيرَانُ؟ عَلٰى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ؟» ''یہ کیسی آگ ہے؟ تم کیا پکانے لگے ہو؟'' لوگوں نے جواب دیا: گوشت پکانے کے لیے آگ جلائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «عَلٰى أَيِّ لَحْمٍ؟» ''کس چیز کا گوشت؟'' صحابہ نے جواب دیا: پالتو گدھوں کا گوشت۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَهْرِيقُوهَا وَاكْسِرُوهَا» ''اسے ضائع کر دو اور برتن توڑ دو۔'' ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم گوشت ضائع کر کے برتنوں کو دھولیں؟ آپ نے فرمایا: «أَوْ ذَاكَ» ''(ہاں!) تم اس طرح بھی کر سکتے ہو۔''[3]

[1] المغازي للواقدي: 131/2. [2] المغازي للواقدي: 132/2. [3] صحيح البخاري: 4196

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے آپ کے منادی نے یہ اعلان کر دیا تھا:

«إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ، فَإِنَّهَا رِجْسٌ»

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمھیں گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں کیونکہ یہ ناپاک ہے۔''[1]

نبی ﷺ کی بکری کا گوشت کھانے کی آرزو

سیدنا ابوالیسر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شام ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر میں تھے کہ ایک یہودی کی بکریاں آگئیں جو ان کے قلعے میں داخل ہونا چاہتی تھیں لیکن ہم نے یہودیوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ رَجُلٌ يُطْعِمُنَا مِنْ هٰذِهِ الْغَنَمِ؟» ''کون ہے جو ہمیں ان بکریوں کا گوشت کھلائے؟'' ابوالیسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ کام میں کروں گا۔ آپ ﷺ نے اجازت عطا فرما دی تو میں باہر نکل کر شتر مرغ کی طرح بھاگنے لگا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس طرح بھاگتے دیکھا تو آپ نے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ أَمْتِعْنَا بِهِ»

''اے اللہ! ہمیں اس کے ذریعے فائدہ پہنچا۔''

ابوالیسر رضی اللہ عنہ[2] بیان کرتے ہیں کہ میں بکریوں کے پاس اس وقت پہنچا جب ان میں سے اگلے حصے والی بکریاں قلعے کے اندر داخل ہو چکی تھیں۔ میں نے ریوڑ کی آخری دو بکریاں پکڑ لیں اور انھیں اپنی بغل میں داب کر اتنی آسانی سے دوڑنے لگا گویا میرے پاس کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ میں بکریاں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں ذبح کیا اور پھر ان کا گوشت کھایا۔ اس حدیث کے راوی ابوالیسر رضی اللہ عنہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے آخر میں فوت ہوئے تھے۔ وہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو رونا شروع کر دیتے تھے اور فرماتے تھے: واللہ! انھیں میری وجہ سے فائدہ پہنچا اور اب میں ان سب کے بعد فوت ہو رہا ہوں۔[3]

1 صحيح البخاري: 4198. 2 ابوالیسر کا نام کعب بن عمرو بن عباد بن عمرو بن سواد انصاری تھا۔ آپ بیعت عقبہ کے موقع پر موجود تھے، غزوۂ بدر میں شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھائے۔ یہی تھے جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو بدر کے دن قید کیا۔ مدینہ میں 55ھ میں فوت ہوئے۔ ابن اسحاق کے بقول آپ مدینہ میں وفات پانے والے آخری صحابی تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ اہل بدر میں سے فوت ہونے والے یہ آخری صحابی تھے۔ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے آخر میں سیدنا عامر بن واثلہ اللیثی رضی اللہ عنہ فوت ہوئے انھوں نے 100ھ یا 115ھ میں وفات پائی۔ (الإصابة: 193/7). 3 السيرة لابن هشام: 350/3.

کچے پھل کھانے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیمار ہو گئے

ابوعثمان نہدی یا ابوقلابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لائے تو پھل ابھی تک سبز تھے (پکے نہیں تھے۔) لوگوں نے کچے پھل ہی کھانے شروع کر دیے جس سے انھیں بخار ہو گیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ مشکیزوں میں پانی ٹھنڈا کریں، پھر فجر کی دونوں اذانوں (اذان اور اقامت) کے درمیان بسم اللہ پڑھ کر اپنے اوپر وہ پانی ڈالیں (اس سے غسل کریں)، انھوں نے اسی طرح کیا تو وہ صحت یاب ہو گئے۔[1]

چربی سے بھرا ہوا تھیلا

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن ہم محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ کسی شخص نے چربی سے بھرا ہوا ایک تھیلا پھینکا تو میں نے وہ تھیلا اٹھا لیا اور کہا کہ میں اس میں سے کسی کو کچھ بھی نہیں دوں گا لیکن جب میں پیچھے مڑا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے ہیں۔ میں شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔[2]

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ ہم نے خیبر کے محل کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ ایک شخص نے ایک تھیلا پھینکا جس میں چربی تھی۔ میں اسے پکڑنے کے لیے لپکا اور جب میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میں شرمسار ہو گیا۔[3]

ابن اسحاق کی روایت میں سیدنا عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ اس واقعے کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجھے خیبر کے مال فے میں چربی کا ایک تھیلا ملا۔ اسے میں نے اپنی گردن پر لاد لیا تا کہ اپنے پڑاؤ پر اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤں۔ اسی اثنا میں مجھے وہ صاحب (کعب بن عمرو بن زید انصاری رضی اللہ عنہ[4]) ملے جو مال غنیمت جمع کرنے پر مامور تھے۔ انھوں نے اس تھیلے کو ایک کونے سے پکڑ لیا اور کہا: لاؤ، اسے ہم مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ میں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں یہ ہرگز تمھیں نہیں دوں گا۔ انھوں نے مجھ سے تھیلا چھیننے کی کوشش کی۔ ہم آپس میں اسی تکرار میں مصروف تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا، آپ تبسم فرمانے لگے اور پھر ان صاحب سے جن کی غنائم پر ڈیوٹی لگی ہوئی تھی، فرمایا: ''تمھارے باپ کی خیر ہو، اسے چھوڑ دو۔'' پس انھوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں اسے لے کر اپنے پڑاؤ کی جگہ اپنے ساتھیوں کے پاس آ گیا، پھر ہم سب نے اسے کھایا۔[5]

1 دلائل النبوة للبيهقي: 242/4. 2 صحيح البخاري: 4214، صحيح مسلم: 1772، مسند أحمد: 86/4. 3 صحيح البخاري: 3153. 4 فتح الباري: 308,307/6. 5 السيرة لابن هشام: 354/3.

اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء میں خمس نہیں ہے۔ اس کی تائید سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی ؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرات صحابہ کرام ؓ سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کھانے کی اشیاء میں سے بھی خمس ادا کیا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں خیبر کے دن کھانے کی اشیاء ملی تھیں اور ایک شخص آتا اور وہ بقدر کفایت اس میں سے لے کر چلا جاتا تھا۔ اگر غذائی اشیاء زیادہ مقدار میں ہوتی تھیں تو پھر انھیں تمام مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ [1]

قلعہ صعب کی لڑائی

ام مطاع اسلمیہ ؓ جنھیں خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بنو اسلم کے لوگوں نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نازک صورت حال کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا۔ سب لوگ آپ کی آواز سن کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ قلعہ صعب بن معاذ کے پاس سب سے پہلے خاندانِ اسلم ہی کے لوگ پہنچے۔ اس قلعے میں پانچ سو جنگجو تھے مگر اس دن شام ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرما دی۔ لڑائی بہت شدید ہوئی تھی۔ پہلے قلعے سے یوشع نامی ایک یہودی باہر آیا اور اس نے دعوتِ مبارزت دی تو حباب بن منذر ؓ اس کی مبارزت قبول کرتے ہوئے میدان میں آئے۔ دونوں میں شدید مقابلہ ہوا۔ بالآخر سیدنا حباب بن منذر ؓ نے اسے قتل کر دیا، پھر دیال (زیال) نامی ایک یہودی آیا تو سیدنا عمارہ بن عقبہ غفاری ؓ نے اعلان کیا کہ میں غفاری جوان ہوں، لو دیکھو میرا حملہ، پھر ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس یہودی کی کھوپڑی اُڑ گئی۔ لوگوں نے کہا: ان کا جہاد باطل ہوگیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سمع مبارک تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: «مَا بَأْسَ بِهِ يُؤْجَرُ وَ يُحْمَدُ» ”ایسی (فخریہ) بات (دشمن کو للکارنے کے لیے) کہنے میں کوئی حرج نہیں، اس کی بات قابل ستائش ہے اور اسے اجر و ثواب بھی ملے گا۔“ [2]

جب دو بڑے یہودی جنگجو یوشع اور دیال آغازِ معرکہ ہی میں یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تو یہودی آتشِ غضب سے سُلگ اُٹھے۔ انھوں نے مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ وہ مقام ان کا بطورِ خاص ہدف تھا جہاں سرورِ کائنات رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ خیبر کے یہودی تیر اندازی میں بہت ماہر تھے، ان کے تیر آنحضرت ﷺ کے آس پاس گرنے لگے۔ مسلمان آپ ﷺ کے اردگرد ڈھال کی طرح کھڑے ہو گئے

1 سنن أبي داود: 2704، مزید دیکھیے: صحیح البخاري: 3154. 2 المغازي للواقدي: 132,131/2، السيرة الحلبية: 741/2.

تاکہ بارش کی طرح برسنے والے ان تیروں میں سے کوئی آپ کے جسم مبارک پر نہ لگنے پائے۔[1]

یہودیوں کی تیراندازی کے جواب میں مسلمان بھی مسلسل تیراندازی کر رہے تھے لیکن ان کی تیراندازی اتنی مؤثر نہیں تھی جتنی یہودیوں کی تیراندازی مؤثر تھی کیونکہ یہودی قلعے کی دیواروں کی اوٹ سے تیراندازی کر رہے تھے، جب کہ مسلمان قلعے کے سامنے بالکل کھلے میدان میں کھڑے تھے اور اپنی تیراندازی کا ہنر آزما رہے تھے۔

قلعے میں داخل ہونے کی کوشش

تیراندازی کے اس زبردست مقابلے کے بعد مسلمانوں نے عام ہلہ بول کر قلعہ صعب میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن یہودیوں کی طرف سے بڑا سخت مقابلہ ہوا۔ اسی وجہ سے وہ اندر داخل نہ ہو سکے۔

یہودیوں نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ قلعہ صعب کا دفاع کرتے ہوئے اس کے دروازے کھول دیے اور گھمسان کی لڑائی شروع کر دی۔ اس لڑائی میں اسلامی لشکر کی کمان سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ یہودیوں نے اسلامی دستے کو پیچھے دھکیل دیا اور اس جگہ تک پہنچنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا جہاں اللہ کے پیغمبر تشریف فرما تھے۔ دشمنوں کی طرف سے تیروں کی ہولناک بارش ہو رہی تھی اور وہ شدید غیظ و غضب کے عالم میں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوہ عزیمت و استقامت بنے اپنی جگہ پورے وقار سے کھڑے اسلامی لشکر کی قیادت فرما رہے اور دشمن کے مقابلے کے لیے مجاہدوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے۔ جب اسلامی لشکر کے سپہ سالار حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے سوا باقی سب مجاہدین یہودیوں کے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے سے اترے اور انھیں دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمانے لگے۔ آپ کے غلام مِدعَم نے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ **علمبردار** حباب رضی اللہ عنہ نے پرچم تھام رکھا تھا اور وہ اپنے گھوڑے سے دشمنوں پر مسلسل تیر برسا رہے تھے۔ مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پھر میدان میں واپس آ گئے۔ انھوں نے اپنے رہبر اعظم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد حلقہ بنالیا جو اس نازک موقع پر پوری شجاعت اور استقامت سے ڈٹے کھڑے تھے اور عملاً یہ سبق سکھا رہے تھے کہ آشوب و آزمائش کی گھڑی میں باطل کا مقابلہ کتنی ہمت اور ثبات سے کیا جاتا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو ایک تازہ ولولہ ملا اور انھوں نے دوبارہ اس شدت سے حملہ کیا کہ یہودیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ خوف زدہ ہو کر قلعے کے اندر گھس گئے اور دروازے بند کر لیے۔ ان میں اپنے مقتولوں کو اٹھانے کی بھی جرأت نہ رہی۔ مسلمان یہودیوں کے تعاقب میں قلعے کی دیواروں تک پہنچ گئے۔ ادھر یہودیوں نے تیروں کی بارش کر دی۔ تیروں کے ساتھ ساتھ وہ مجاہدین اسلام پر بڑے بڑے پتھر بھی برسا رہے

1 السيرة الحلبية: 741/2، المغازي للواقدي: 2/131-134.

تھے جو انھوں نے قلعے میں ذخیرہ کر رکھا تھا۔ تیروں اور پتھروں کی اس بارش میں مسلمان آگے نہ بڑھ سکے بلکہ انھیں ایک بار پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔

یہودیوں نے مسلمانوں کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو انھوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پہلے سے بھی زیادہ شدید حملہ کر دیا۔ وہ دوبارہ قلعے کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے لیکن اس بار مجاہدین اپنے سالار سیدنا حباب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ انھوں نے بڑی جواں مردی سے یہودیوں کا مقابلہ کیا۔ دونوں لشکروں میں شدید مقابلہ ہوا، بالآخر مسلمانوں ہی کو فتح حاصل ہوئی۔ انھوں نے یہودیوں کا حملہ اتنی شدت سے پسپا کیا کہ وہ دم دبا کر بھاگے اور قلعے میں داخل ہو کر اس کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔

اس دن تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش کیا: 1 ابوضیاح رضی اللہ عنہ، انھیں غزوہ بدر میں بھی شرکت کی سعادت حاصل تھی۔ ایک یہودی نے ان کے سر پر تلوار ماری جس سے سر کی ہڈی کٹ گئی اور وہ شہید ہو گئے۔ 2 عدی بن مرہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ، ان کے سینے پر ایک یہودی نے نیزہ مارا جس سے ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ 3 حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ، انھیں بھی غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل تھی۔ قلعے میں ایک شخص نے انھیں تیر مارا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی، اسی طرح مسلمانوں نے بھی قلعے کے سامنے کئی یہودیوں کو واصل جہنم کیا۔ جب مسلمان کسی کو قتل کرتے تو یہود اس کی لاش اٹھا کر قلعے کے اندر لے جاتے تھے۔[1]

یہودیوں کی شکست

اسلامی لشکر کے کمانڈر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ اور ان کے جانباز مجاہدوں کے مقابلے کی تاب نہ لا کر قلعہ صعب بن معاذ کا دفاع کرنے والے یہودی حوصلہ ہار بیٹھے اور نفسیاتی طور پر شکست کھا چکے تھے۔

دریں اثنا مجاہدینِ اسلام نے قلعے پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ وہ دروازوں کو توڑتے ہوئے قلعے میں داخل ہو گئے۔ یوں انھوں نے شجاعت و بسالت کی ایک نئی تاریخ رقم کرتے ہوئے گھمسان کی جنگ کے بعد قلعہ فتح کر لیا۔ اس میں موجود بھاری اسلحہ اور کھانے پینے کے سامان کا ذخیرہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے لشکرِ اسلام کی وہ مشکلات دور فرما دیں جن میں وہ کئی دنوں سے مبتلا تھے، کیونکہ خیبر کے قلعوں کے طویل محاصرے کے باعث غذائی اجناس ختم ہو چکی تھیں۔ اس قلعے کا دفاع کرتے ہوئے بہت سے یہودی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہو کر قیدی بن گئے۔

1 المغازي للواقدي: 134/2.

قلعہ صعب کا مالِ غنیمت

اس قلعے سے مسلمانوں کو ملنے والا اسلحہ زرہوں، تلواروں، منجنیقوں اور دبابوں پر مشتمل تھا۔ دبابے اس دور کے گویا ٹینک تھے اور انھیں صرف رومی اور ایرانی فوجیں ہی استعمال کرتی تھیں کیونکہ وہ اس دور کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ فوجیں تھیں۔ معلوم نہیں یہودیوں نے دبابے کیسے حاصل کر لیے کیونکہ اس وقت جزیرۃ العرب میں کوئی انھیں بناتا تھا نہ ان کے استعمال سے واقف تھا۔ بعید نہیں کہ یہودیوں نے دبابے شام سے حاصل کیے ہوں یا ممکن ہے کہ خیبر ہی میں تیار کر لیے ہوں۔ اس سے بھی زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ دبابے دفاع کے لیے نہیں بلکہ شہروں اور قلعوں پر حملہ کرنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یہودی تو خیبر میں دفاعی جنگ لڑ رہے تھے، پھر انھوں نے یہ ہتھیار کیوں حاصل کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اسی مذموم مقصد کی خاطر انھوں نے نت نئے آلات جنگ جمع کر رکھے تھے۔

نبوی آدابِ جنگ

جب مسلمانوں نے قلعہ صعب بن معاذ فتح کر لیا تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک منادی نے یہ اعلان کیا کہ کوئی شخص تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز نہ لے، ہاں ضرورت کے مطابق کھانے پینے کی کوئی چیز لے سکتا ہے، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خمس نکالنے سے پہلے اپنے لیے کھانا اور اپنے جانوروں کے لیے چارہ لے لیا اور پھر تمام اموال غنیمت لشکر نبوی کے کیمپ میں پہنچا دیے۔[1]

واقدی نے قلعہ صعب سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں سے مسلمانوں کو یمنی کپڑوں کے بیس گٹھڑ اور پندرہ سو چادریں ملیں۔ ہر مجاہد کو اپنے اہل خانہ کے لیے ایک ایک چادر مل گئی۔ اسی طرح لکڑی کے دس ڈھیر ملے۔ انھیں قلعے سے باہر نکال کر آگ لگا دی گئی جو کئی دن تک جلتی رہی۔ علاوہ ازیں شراب کے مٹکے اور مشکیزے بھی ہاتھ آئے جنھیں توڑ کر شراب بہا دی گئی۔ اس شراب میں سے ایک مسلمان نے بھی شراب پی لی۔ اسے معاً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، آپ ﷺ نے اور وہاں موجود صحابہ نے اسے جوتے مارے، یہ شخص شراب سے باز آنے پر قادر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کئی بار مارا، اس موقع پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت فرما۔ اسے کس قدر مارا جاتا ہے (پھر بھی یہ شراب پی لیتا ہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] المغازي للواقدي: 2/134، 135، إمتاع الأسماع: 1/313، 314.

«لَا تَفْعَلْ يَا عُمَرُ! فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ»

”عمر! اس پر لعنت نہ بھیجو۔ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔“

اس شخص کو عبداللہ حمار کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔[1]

مسلمانوں کی کامیابی

مسلمانوں کے ہاتھوں قلعہ ناعم اور قلعہ صعب کے سقوط کے بعد یہودیوں کے خلاف جنگ میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ یہودیوں کے دلوں پر مایوسی، خوف اور گھبراہٹ طاری ہو گئی اور نفسیاتی طور پر وہ یکسر حوصلہ ہار بیٹھے۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ لشکر اسلام کے صرف چودہ سو مجاہدین کے ہاتھوں شکست کھا جائیں گے۔ وہ کثرت تعداد کے نشے میں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہماری فوج دس ہزار جنگجوؤں سے بھی زیادہ ہے اس لیے جیت ہماری ہو گی۔ مسلمان کھلے میدان میں مقابلہ کر رہے تھے جب کہ وہ اپنے مضبوط قلعوں میں محفوظ تھے اور ان کی صفوں میں ہزاروں ماہر تیر انداز بھی موجود تھے۔ اتنی زبردست قوت کے باوجود وہ حق کے مقابلے میں شکست فاش سے نہ بچ سکے۔

نطاۃ کے دیگر قلعے

مجاہدین اسلام کے سالار اعظم سیدنا محمد ﷺ نے ناعم اور صعب کے قلعے فتح کرنے کے بعد لشکر اسلام کے ایک دستے کو ضروری تفتیش کے لیے نطاۃ کے علاقے ہی میں موجود رہنے کا حکم دیا تاکہ ان قلعوں میں اگر مسلح یہودی چھپے ہوئے ہوں تو ان کا کام تمام کر دیا جائے۔

واقدی نے لکھا ہے کہ یہودی ناعم، صعب اور نطاۃ کے دیگر تمام قلعوں سے قلعہ زبیر میں منتقل ہو گئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ اور لشکر اسلام کے مجاہدین نے آگے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہودیوں نے قلعے کے دروازے بند کر لیے۔ یہ قلعہ بہت بلندی پر تھا، شاہسواروں اور پیادہ لوگوں کے لیے قلعے تک پہنچنا بہت دشوار تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس قلعے کے گرد کچھ مجاہدین متعین کر دیے اور حکم دیا کہ جو بھی باہر نکلے، اسے قتل کر دیا جائے۔[2]

قلعہ زبیر کی فتح

یہودی یہاں قلعہ بند ہو کر مسلمانوں سے جنگ کے لیے تیار تھے۔ انھوں نے قلعے کے برجوں میں جنگجو بھر دیے

1 دیکھیے: صحیح البخاري: 6780، فتح الباري: 12/93، 94۔ 2 المغازي للواقدي: 2/135، 136.

اور تیر انداز دستوں کی ڈیوٹی ایسے مقامات پر لگائی جہاں سے وہ مجاہدین کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا سکیں۔

مسلمانوں نے قلعہ زبیر میں داخل ہوکر اسے فتح کرنے کی کئی کوششیں کیں لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ یہودیوں نے اب کے مقابلے کے لیے نہ قلعے کے دروازے کھولے، نہ دعوت مبارزت دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو اطمینان تھا کہ چونکہ ان کا قلعہ بہت بلندی پر واقع ہے اس لیے وہ محفوظ ہیں، مسلمان اس میں داخل ہی نہیں ہوسکیں گے، نہ وہ اسے اسلحے کے زور پر فتح کرسکیں گے۔

مسلمان نہیں چاہتے تھے کہ قلعے کا محاصرہ طول اختیار کرے بلکہ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ یہودی قلعے سے باہر آکر کھلے میدان میں ان کا مقابلہ کریں کیونکہ انھیں کامل یقین تھا کہ اس معرکے میں بھی اللہ تعالیٰ انھیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔

ابھی مسلمان اسی غور و فکر میں مصروف تھے کہ اس دشوار گزار قلعے کو فتح کرنے کے لیے کون سی حکمت عملی اختیار کی جائے کہ اچانک غزال (عزال) نامی ایک یہودی خفیہ طور پر لشکر اسلام میں آیا اور اس نے سیدنا محمد ﷺ سے ملاقات کی۔ اس نے صاف صاف بتا دیا کہ آپ کا لشکر اس قلعے میں داخل نہیں ہوسکتا، نہ اسلحے کے زور پر اسے فتح کرسکتا ہے۔ قلعے کا محاصرہ کرنے سے بھی یہودیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، چاہے محاصرہ کتنا ہی طویل ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ قلعے میں موجود یہودیوں کے پاس طویل مدت تک کے لیے اپنی ضروریات کی تمام اشیاء موجود ہیں، اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میں آپ کو ایک ایسا طریقہ بتا سکتا ہوں جس سے اس قلعے کو فتح کرنا آسان ہو جائے اور یہودیوں کو قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا جائے بشرطیکہ مسلمان مجھے، میرے جان و مال اور اہل و عیال کو امان دے دیں۔ آنحضرت ﷺ نے اسے، اس کے مال اور اہل و عیال کو امان عطا فرما دی۔

غزال نے آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ قلعہ زبیر کے نیچے زیر زمین پانی کے چشمے اور اشیائے خور و نوش کے ذخیرے ہیں جنھیں یہودیوں نے خاص طور پر جنگ کے دنوں کے لیے محفوظ کر رکھا ہے۔ وہ رات کے وقت سرنگوں کے خفیہ راستوں سے یہاں آتے اور حسب ضرورت کھانے پینے کا سامان لے جاتے ہیں۔ پانی کے یہ چشمے قلعے سے باہر ہیں، اس لیے مسلمان ان پر آسانی سے قبضہ کر سکتے ہیں اور جب مسلمان ان کا پانی بند کر دیں گے تو یہودی خود بخود ہتھیار ڈالنے یا باہر نکل کر جنگ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ پھر غزال یہودی مسلمانوں کو پانی کے ان چشموں پر لے گیا، مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر لیا اور قلعے کی طرف جانے والا پانی بند کر دیا۔ اب یہودیوں کے لیے دو باتوں میں سے ایک بات تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ یا وہ مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں یا باہر نکل کر جنگ کریں اور پانی کے چشمے مسلمانوں سے واپس لے لیں ورنہ پیاسے مر جائیں۔

یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کو ترجیح دی۔ انھوں نے قلعے کے دروازے کھول دیے اور مسلمانوں پر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازا۔ یہودی شکست کھا گئے اور مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا۔ نطاۃ کے قلعوں میں سے یہ آخری قلعہ تھا جس میں یہودیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا۔

معرکہ قلعہ زبیر میں چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا اور دس یہودی واصل جہنم ہوئے۔[1]

سلام بن مشکم کی موت

نطاۃ کے قلعوں کی جنگوں میں سلام بن مشکم بھی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ سلام یہود بنی نضیر کا ایک بڑا سردار اور مرحب کے بھائی حارث کی بیٹی زینب کا شوہر تھا۔ یہ زینب وہی یہودی عورت تھی جس نے غزوۂ خیبر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کر کے بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا تھا۔

سلام بن مشکم ہر چند جنگجو یہودی قوتوں کا قائد تھا لیکن وہ بیمار تھا اس لیے اس نے دیگر یہودی سرداروں مرحب، یاسر، حارث، اسیر اور یوشع کی طرح جنگ میں عملی طور پر کوئی حصہ نہیں لیا۔ اس کے ساتھیوں نے ازراہ ہمدردی اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ کتیبہ کے علاقے میں چلا جائے کیونکہ وہ جگہ محفوظ ہے اور باخبر یہودی یہ توقع رکھتے تھے کہ کتیبہ کے یہودی مسلمانوں سے جنگ نہیں کریں گے بلکہ صلح کر لیں گے لیکن سلام بن مشکم نے دائمی مریض ہونے کے باوجود یہ تجویز قبول نہیں کی حتی کہ وہ نطاۃ ہی میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔[2]

یہودیوں کی ''شق'' کے قلعوں میں منتقلی

نطاۃ کے قلعے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد یہودی ''شق'' کے قلعوں میں منتقل ہو گئے۔ انھوں نے اپنی ساری جنگی قوتیں ایک ہی قلعے میں جمع کر دیں جسے قلعہ ابی کہا جاتا تھا۔ لشکر اسلام سے مقابلے کی تیاری کے لیے وہ اسی قلعے میں بند ہو گئے جبکہ لشکر اسلام ان کے تعاقب میں کشاں کشاں چلا آ رہا تھا۔

قلعہ ابی کا محاصرہ

قلعہ ابی بھی ایک پہاڑ کی بلند و بالا چوٹی پر واقع تھا، اور اس تک پہنچنے کا رستہ بھی بہت دشوار گزار تھا۔ اسلامی لشکر

1 إمتاع الأسماع: 314/1، زاد المعاد: 325،324/3، المغازي للواقدي: 137،136/2، البداية والنهاية: 199/4، السيرة الحلبية: 743،742/2. 2 المغازي للواقدي: 145/2.

نے آگے بڑھ کر اس قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ قیادت کے فرائض آنحضرت ﷺ بنفس نفیس سرانجام دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس قلعے پر حملے کے لیے قلعے سے زیادہ بلند ایک مقام کا انتخاب فرمایا، جسے سموان کہا جاتا تھا۔[1] جبکہ واقدی کی مغازی میں اس کا نام سُمران بتایا گیا ہے۔[2]

یہاں بھی زبردست جنگ ہوئی۔ یہودیوں نے سخت مقابلہ کیا۔ قلعہ ابی کے دفاع کے لیے انھوں نے جان کی بازی لگا دی۔ اس قلعے پر حملے کے لیے جن مجاہدین کو مقرر کیا گیا، ان کے قائد مشہور انصاری شہسوار سیدنا ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

یہودیوں کی طرف سے مبارزت

یہودیوں نے قلعہ ابی کے دفاع کے لیے زبردست جنگ کی۔ انھوں نے قلعے کے دروازے کھول دیے تاکہ اسلامی لشکر کو چیلنج کرسکیں۔ سب سے پہلے عزول (غزال) نامی ایک شخص باہر نکلا، اس نے دعوت مبارزت دیتے ہوئے مسلمانوں کو للکارا۔ سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے فوراً عزول پر حملہ کر دیا اور پہلے ہی وار میں اس کا دایاں ہاتھ آدھی کلائی سے کاٹ دیا۔ عزول زخمی ہوکر واپس قلعے کی طرف بھاگنے لگا تو سیدنا حباب رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کیا اور دوسرا وار کرکے اس کی ایڑی کے اوپر کا پٹھا، یعنی کونچ کاٹ دی اور پھر اس پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ وہ واصل جہنم ہوگیا۔

حباب رضی اللہ عنہ فاتحانہ طور پر اپنی صفوں میں واپس آ گئے۔ عزول کی موت کے بعد ایک اور یہودی قلعے سے باہر آیا ...... مؤرخین نے اس کا نام نہیں لکھا...... اس نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ اس کے مقابلے کے لیے ایک مسلمان آگے بڑھا، اس یہودی نے اس مجاہد کو شہید کر دیا اور مسلمانوں کو دوبارہ للکارنے لگا۔ اب اسلامی صفوں میں سے مشہور انصاری مجاہد سیدنا ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے۔ انھوں نے فوراً اس یہودی پر حملہ کرکے اس کا پاؤں کاٹ دیا، پھر دوسرا وار کرکے اسے جہنم رسید کر دیا۔

قلعہ ابی کی فتح

قلعہ ابی کے سامنے اپنے جنگجوؤں کی لاشیں خاک وخون میں تڑپتی دیکھ کر یہودیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انھوں نے مبارزت کا سلسلہ ختم کرکے قلعے کے دروازے بند کرلیے تاکہ دیواروں کے پیچھے رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرسکیں لیکن مسلمانوں نے انھیں اس کا موقع ہی نہ دیا۔ اس موقع پر اسلامی لشکر کی قیادت کرنے والے ابودجانہ

1 البداية والنهاية: 199/4. 2 المغازي للواقدي: 137/2.

انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے ہر اول دستے کو حکم دیا کہ قلعے پر فوراً پوری قوت سے حملہ کردیا جائے۔ اس حملے کے بعد فریقین میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی، جس میں بالآخر یہودی شکست کھا گئے۔ اور ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے قلعے پر قبضہ کرلیا۔ اس قلعے سے بھی مسلمانوں کو بہت سا مال و دولت، بھیڑ بکریاں، کھانے پینے کا سامان اور اسلحہ ہاتھ لگا۔[1]

قلعہ نزار کی فتح

قلعہ ابی کی فتح کے بعد اس میں موجود جنگجو یہودی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور شق کے قلعہ نزار میں پناہ گزین ہوگئے۔ یہ قلعہ بھی بلندی پر واقع تھا جہاں انھوں نے زبردست حفاظتی انتظامات کر رکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس قلعے کی طرف روانہ ہوگئے۔ جوں ہی لشکر اسلام اس قلعے کے پاس پہنچا، یہودیوں نے شدید تیر اندازی اور سنگ باری بھی شروع کر دی یہاں تک کہ بعض تیر اس جگہ بھی گرے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ان میں سے کچھ تیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں میں بھی الجھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے مٹھی بھر سنگریزے اٹھائے اور انھیں قلعے کی طرف پھینک دیا۔ سنگریزوں کے پھینکتے ہی یہ قلعہ لرز اٹھے حتی کہ زمین میں بھی دھنسنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں نے یہودیوں پر زبردست حملہ کر دیا۔[2]

یہودیوں نے بھی قلعہ نزار کے دفاع میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مسلمانوں نے قلعے میں داخل ہونے کی بار بار کوشش کی مگر یہودیوں نے شدید مزاحمت کی۔ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اس لیے قلعے تک پہنچنا بھی بہت مشکل تھا اور اس کا دفاع کرنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی جو ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے۔ مثبت یا منفی کسی قسم کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ کسی نتیجے کے بغیر طویل محاصرے کے باعث مسلمان پریشان تھے۔

پیدل دستوں کے لیے قلعے کے اندر داخل ہونا محال تھا۔ بلند چوٹی پر واقع ہونے کے باعث گھوڑوں کا وہاں پہنچنا بھی ممکن نہیں تھا۔ قلعہ صعب بن معاذ سے غنیمت کے طور پر کچھ منجنیقیں بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھیں۔ ان حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان آلات کے استعمال کی اجازت دے دی جن سے قلعے کے برجوں اور دیواروں میں شگاف ڈالے جاسکیں۔ منجنیقوں سے گولہ باری کی گئی تو قلعے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ ان شگافوں کے ذریعے مجاہدینِ اسلام قلعے میں داخل ہوگئے اور یہودیوں کو اس قلعے میں بھی عبرت ناک شکست ہوئی۔ وہ ڈھیر سارے مالِ غنیمت کے علاوہ دو ہزار عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔[3]

1 المغازي للواقدي:2/137، البداية والنهاية:4/199,200. 2 المغازي للواقدي:2/137,138. 3 إمتاع الأسماع:1/314.

قلعہ نزار وہ آخری قلعہ تھا جس میں جنگ ہوئی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قلعہ نزار فتح کرلیا اور شق کے دوسرے قلعے باقی رہ گئے تو ان کے رہنے والے کتیبہ، وطیح اور سلالم کے لوگوں کے پاس چلے گئے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قلعہ نزار کی طرف دیکھا اور فرمایا: «هٰذَا آخِرُ حُصُونِ خَيْبَرَ كَانَ فِيهِ قِتَالٌ» ''یہ خیبر کا آخری قلعہ ہے جس میں جنگ ہوگی۔'' اور پھر جب ہم نے یہ قلعہ فتح کرلیا تو واقعی اس کے بعد جنگ نہیں ہوئی حتی کہ رسول اللہ ﷺ خیبر سے واپس تشریف لے گئے۔[1]

خیبر کے دوسرے نصف حصے کی طرف روانگی

خیبر شہر کے پہلے نصف حصے میں جب یہودیوں کو شکست ہوگئی اور نطاۃ اور شق کے پانچوں قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تو شکست خوردہ یہودی ان قلعوں سے نکل کر خیبر شہر کے دوسرے نصف حصے میں موجود اپنی یہودی برادری کے پاس چلے گئے جہاں قموص، وطیح اور سلالم نامی قلعے بہت اہمیت کے حامل تھے۔

دوسرے حصے کی فتح ...... بذریعہ جنگ یا صلح؟

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ خیبر کے دوسرے حصے پر مسلمانوں نے فتح بذریعہ صلح حاصل کی۔ شہر کے پہلے حصے کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی تھی اور اب ان میں مسلمانوں کے مقابلے کی تاب ہی نہیں تھی، لہٰذا انھوں نے صلح کی خاطر نبی اکرم ﷺ کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اسی وجہ سے ان مؤرخین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سارے خیبر کو مسلمانوں میں تقسیم نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے اس کے نصف حصے کو تقسیم فرما دیا اور نصف حصے کو تقسیم نہیں فرمایا بلکہ اسے اپنے تصرف میں رکھا تھا کہ فے ہونے کی وجہ سے اسے مسلمانوں کے مفادات و مصالح میں استعمال کیا جا سکے کیونکہ یہ مال غنیمت نہیں تھا۔[2] ان کی دلیل سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو دو حصوں میں تقسیم فرما دیا تھا: ایک حصہ اپنے لیے اور دوسرا حصہ مسلمانوں کے لیے تھا۔[3]

مؤرخین کے دوسرے گروہ کی یہ رائے ہے کہ خیبر کے دونوں حصے جنگ ہی سے فتح ہوئے تھے۔ جمہور محدثین اور اہل سیر نے بھی اسی بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ وطیح اور سلالم کے دو قلعوں کے سوا خیبر کے باقی تمام قلعے بذریعہ جنگ فتح ہوئے۔ ان دو قلعوں کے باشندوں نے مسلمانوں کی طرف سے شدید محاصرے اور منجنیق کے استعمال کی

1 المغازي للواقدي: 138/2. 2 فے اس مال کو کہتے ہیں جس پر مسلمانوں نے جنگی حالات میں جنگ کے بغیر قبضہ کرلیا ہو۔ جنگ کے بعد دشمن کے جس مال کو اپنے قبضے میں لیا ہو اسے مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ 3 سنن أبي داود: 3010.

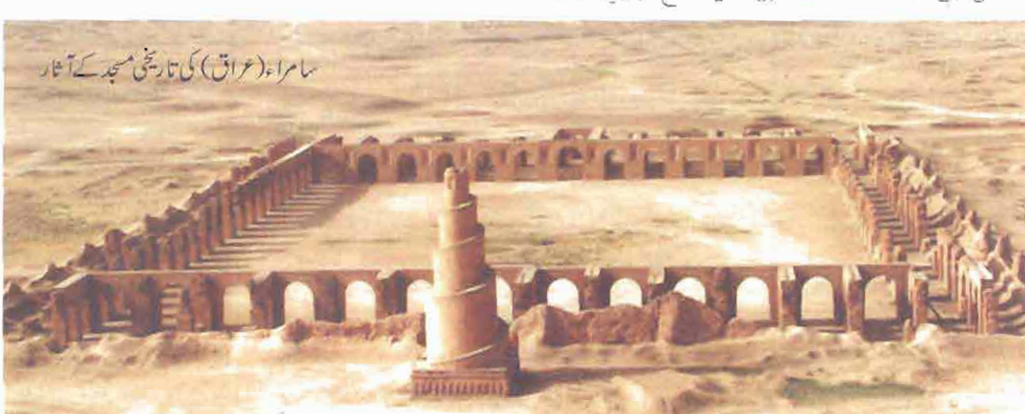
دھمکی کے بعد اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ ان کی جان بخشی کر دی جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی نہ بنایا جائے، ایسی صورت حال کو صلح نہیں بلکہ جنگ ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امام ابوداود رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کر کے خیبر فتح کیا تھا اور جنگ کے بعد یہاں کے لوگوں نے جلاوطنی اختیار کر لی تھی۔[1] لیکن یہ روایت مرسل ہے۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ خیبر کی زمین کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ اس پر فدک کے برعکس زبردستی غلبہ وتسلط حاصل کیا گیا تھا۔[2] رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی اراضی غنیمت حاصل کرنے والوں، گھوڑے دوڑانے والوں اور پیادہ لوگوں میں تقسیم فرما دی تھی اور یہ سب وہ لوگ تھے جنھوں نے حدیبیہ میں شرکت کی تھی۔

اس بارے میں علماء میں اختلاف نہیں ہے کہ خیبر کی زمین کو تقسیم کر دیا گیا تھا، اختلاف اس بات میں ہے کہ علاقہ فتح کرنے کے بعد زمین کو فوراً تقسیم کر دیا جائے یا اسے روک لیا جائے؟ علمائے کوفہ کا قول ہے کہ امام کو اختیار ہے چاہے تو تقسیم کر دے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین تقسیم فرما دی تھی، اور چاہے تو اسے روک لے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سرزمین عراق کو روک لیا تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ساری زمین تقسیم کر دی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین کو تقسیم فرما دیا تھا کیونکہ زمین بھی کفار کے دیگر تمام اموال کی طرح مالِ غنیمت ہی شمار ہوتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اتباع میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ زمین کا معاملہ دیگر سارے اموال غنیمت کی نسبت مخصوص ومختلف ہے، اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کی موجودگی میں یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ اسے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے روک لیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے زید بن اسلم سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد

1 سنن أبي داود: 3018. 2 مزید دیکھیے: فتح الباري: 596/7.



سامراء (عراق) کی تاریخی مسجد کے آثار

فرماتے ہوئے سنا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے کوئی چیز بھی نہیں بچے گی تو مسلمان جس بستی کو بھی فتح کرتے، میں اسے مجاہدین ہی میں تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر تقسیم فرما دیا تھا۔[1]

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ خیبر کا کچھ حصہ جنگ سے اور کچھ صلح سے فتح ہوا تھا، کُتَیْبَہ کا اکثر حصہ جنگ سے اور تھوڑا حصہ صلح سے فتح ہوا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کُتَیْبَہ خیبر کی زرعی اراضی کو کہتے تھے۔ اس میں کھجور کے چالیس ہزار درخت تھے۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کو دو حصوں میں تقسیم فرما دیا تھا، ایک حصہ پیش آنے والے حالات و حوادث و مہمات کے لیے اور دوسرا مسلمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ آپ نے خیبر کے پہلے حصے میں سے شق، نطاۃ اور ان کے گرد و پیش کے علاقے کو مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا تھا اور خیبر کے دوسرے حصے کے وطیح، سلالم، کتیبہ اور ان کے ارد گرد کے علاقے کو مسلمانوں کو پیش آنے والے حالات و معاملات، حوادث و مہمات اور مصالح عامہ کے لیے روک لیا اور اسے تقسیم نہیں فرمایا تھا۔[3]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو چھتیس (36) حصوں میں تقسیم فرما دیا تھا۔ ان میں سے ہر حصہ سو (100) حصوں پر مشتمل تھا، یعنی کل تین ہزار چھ سو (3600) حصے تھے۔ ان میں سے نصف یعنی ایک ہزار آٹھ سو (1800) رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے لیے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا کسی بھی مسلمان کی طرح صرف ایک ہی حصہ تھا۔ آپ نے دوسرے نصف، یعنی ایک ہزار آٹھ سو (1800) حصوں کو آئندہ حالات و معاملات، مہمات و حوادث اور مسلمانوں کو پیش آنے والے مختلف امور کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔[4] امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا اس لیے کیا گیا کہ خیبر کا نصف حصہ قوت و طاقت سے اور نصف حصہ بذریعہ صلح فتح ہوا تھا۔ جو حصہ بزور طاقت حاصل ہوا، وہ آپ نے خمس اور غنیمت کے حق داروں میں تقسیم فرما دیا اور جو حصہ صلح کے ذریعے فتح ہوا، وہ آپ ﷺ نے مہمات و حوادث اور مسلمانوں کو پیش آنے والے امور کے لیے رکھ لیا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ کے اس اصول کی بنیاد پر کہی ہے کہ بذریعہ طاقت فتح کی گئی زمین کو بھی دیگر تمام غنیمتوں کی طرح تقسیم کرنا واجب ہے اور جب انھوں نے خیبر کے نصف حصے کی تقسیم کا حال نہ پایا تو یہ کہہ دیا کہ وہ بذریعہ صلح فتح ہوا تھا، حالانکہ جو شخص بھی سیر و مغازی پر اچھی طرح

---

[1] صحیح البخاري: 3125، سنن أبي داود: 3020، مسند أحمد: 40/1. [2] سنن أبي داود: 3017. لیکن حدیث کی سند ضعیف ہے۔ [3] البدایة والنهایة: 202/4. [4] دیکھیے: سنن أبي داود: 3010-3014.

غور کرے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ خیبر بزور طاقت فتح ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی ساری اراضی پر بزور قوت غلبہ حاصل کیا تھا۔ اگر آپ نے صلح کے تحت فتح کیا ہوتا تو ان کے علاقوں سے یہودیوں کو جلاوطن نہ کرتے۔ جب آپ نے انھیں یہاں سے نکال دینے کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے عرض کیا: آپ کی نسبت ہم زمین کو زیادہ بہتر جانتے ہیں، لہٰذا آپ زمینیں ہمارے پاس ہی رہنے دیں، ہم انھیں آباد رکھیں گے اور ان کی پیداوار کا نصف حصہ آپ کو دے دیں گے۔ یہ بھی اس امر کی بہت واضح دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کو طاقت کے زور پر فتح کیا تھا۔

مسلمانوں اور یہودیوں میں جنگ اور مبارزت ہوئی اور فریقین کا جو جانی نقصان ہوا، وہ معلوم ہے لیکن جب انھیں قلعوں میں محصور کر دیا گیا تو وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔ صلح کی شرط یہ تھی کہ وہ اپنا تمام سونا، چاندی، زرہیں اور ہتھیار رسول اللہ ﷺ کو دے دیں گے، اس کے عوض انھیں جان کی سلامتی کے ساتھ ان کی اولاد سمیت سرزمین خیبر سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ اس صلح میں ایسی ہرگز کوئی شرط نہ تھی کہ خیبر کی زمین کا کچھ حصہ یہودیوں کے پاس بھی رہے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو نبی ﷺ یہ نہ فرماتے کہ ہم جب تک چاہیں گے، تمھیں رہنے دیں گے۔ اگر زمین ان کی اپنی ہوتی تو پھر جب تک چاہنے کا کیا مقصد؟ ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر صحیح بات یہی ہے کہ خیبر طاقت سے فتح کیا گیا تھا اور اس طرح فتح کی گئی زمین کے بارے میں امام کو اختیار ہوتا ہے کہ اسے تقسیم کر دے یا وقف کر دے یا کچھ حصے کو تقسیم کر دے اور کچھ حصہ روک لے۔



وادی مذینب (مدینہ منورہ)

رسول اللہ ﷺ نے یہ تینوں صورتیں اختیار فرمائی تھیں، بنوقریظہ اور بنونضیر کی زمین تقسیم کر دی تھی۔ آپ ﷺ نے سرزمین مکہ کو تقسیم نہیں فرمایا لیکن خیبر کی آدھی زمین تقسیم فرما دی اور نصف کو چھوڑ دیا۔

خیبر کی زمین کو اٹھارہ سو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ حدیبیہ کو رزق عطا فرمایا تھا جن کی تعداد چودہ سو تھی۔ ان کے ساتھ دو سو گھوڑے بھی تھے۔ ہر گھوڑے کو دو حصے دیے گئے، اس طرح ساری زمین اٹھارہ سو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ اس موقع پر سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سوا اہل حدیبیہ میں سے کوئی غیر حاضر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حاضرین ہی کی طرح انھیں بھی حصہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے ہر گھوڑ سوار کو تین حصے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔[1]

1 زاد المعاد: 3/328-330.

کتیبہ بطور خُمس

کتیبہ کی زمین اللہ تعالیٰ کے لیے خمس تھا، یعنی یہ نبی ﷺ کا حصہ، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ تھا۔ اسی سے ازواجِ مطہرات کو نفقہ دیا جاتا تھا، اور ان لوگوں کو بھی دیا جاتا تھا جو اہلِ فدک سے صلح کے لیے نبی ﷺ کے ساتھ گئے تھے۔ ان میں محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے تیس وسق[1] کھجور اور تیس وسق جو عطا فرمائے۔[2]

زمین کی تقسیم اور حساب کتاب کا کام آپ نے بنوسلمہ کے بھائی جبار بن صخر بن امیہ بن خنساء اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا۔

یاد رہے خیبر کی کھجوروں کے تخمینے کے لیے نبی ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ وہ دو سال تک یہ فرض انجام دیتے رہے اور جب وہ غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تو ان کے بعد آپ ﷺ نے ان کی جگہ جبار بن صخر رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا تھا۔[3]

سیدنا ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا تو وہ آپ کی خدمت میں بہت عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟» ”کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح کی ہیں؟“ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! نہیں، ساری کھجوریں اس جیسی نہیں ہیں بلکہ ہم دو صاع کھجوریں دے کر ان کا ایک صاع یا تین صاع دے کر ان کے دو صاع حاصل کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا»

”ایسا نہ کرو بلکہ مختلف قسم کی ملی جلی کھجوروں کو درہموں پر بیچو اور پھر درہموں کے عوض ایسی عمدہ کھجوریں خرید لو۔“[4]

قلعہ قموص کی فتح

قلعہ قموص خیبر کے دوسرے حصے کے قلعوں سے ایک مستحکم قلعہ تھا۔

ابن اسحاق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے قلعہ قموص پر شدید جنگ لڑی اور مجاہدین اسلام نے

1 وسق ایک پیمانہ ہے جو ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے، اور ایک صاع ساڑھے تین سیر (2 کلو گرام) کا ہوتا ہے۔ 2 السیرۃ لابن ہشام: 364,363/3. 3 البدایۃ والنہایۃ: 204,203/4. 4 صحیح البخاري: 2202,2201.

یہودیوں کی طرف سے سخت مقابلے کے بعد اس قلعے پر غلبہ حاصل کیا اور اس مقابلے میں کئی یہودی تہ تیغ ہوئے۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے کہ قلعہ قموص کو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ اسی قلعے میں صفیہ بنت حیی بن اخطب گرفتار ہو کر قیدی بنیں۔[1] علامہ حلبی کے اس قول سے ابن اسحاق کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے قلعہ قموص کو بزور بازو فتح کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ابی الحقیق کے قلعہ قموص کو فتح کر لیا تو آپ کی خدمت میں صفیہ بنت حیی اور ان کے ساتھ ایک اور خاتون کو لایا گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ انھیں لے کر آئے اور لاتے ہوئے یہودیوں کے مقتولوں کے پاس سے گزرے۔ جب اس خاتون نے انھیں دیکھا تو وہ چیخ اٹھی، اپنے چہرے پر طمانچے مارنے اور سر پر مٹی ڈالنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا: «أَغْرِبُوا عَنِّي هٰذِهِ الشَّيْطَانَةَ» ''اس شیطانہ کو مجھ سے دور کر دو۔'' پھر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے حکم سے آپ کے پیچھے بٹھا دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر چادر ڈال دی۔ اس طرح مسلمانوں نے معلوم کرلیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے لیے منتخب فرما لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مذکورہ بالا یہودی عورت کی حالت زار دیکھی تو بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَنُزِعَتْ مِنْكَ الرَّحْمَةُ يَا بِلَالُ! حِينَ تَمُرُّ بِامْرَأَتَيْنِ عَلٰى قَتْلٰى رِجَالِهِمَا؟»

''بلال! کیا تم سے رحمت کو چھین لیا گیا تھا کہ تم دو عورتوں کو ان کے مقتول مردوں کے پاس سے لے کر گزرے؟''[2]

وطیح اور سلالم کا سقوط

دوسرے دو قلعوں وطیح اور سُلَالِم کے بارے میں مؤرخین متفق ہیں کہ ان قلعوں میں بند ہونے والے یہودیوں نے مسلمانوں کی طرف سے شدید محاصرے اور اس کے نتیجے میں اپنی ہلاکت کا یقین ہونے کے بعد ہتھیار ڈال دیے تھے۔[3]

واقدی کے نزدیک یہ تینوں قلعے اس رعب کے نتیجے میں فتح ہوئے جو مسلمانوں کی طرف سے چودہ دن کے محاصرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ واقدی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتیبہ،

1 السیرۃ الحلبیۃ: 744/2. 2 السیرۃ لابن ہشام: 351,350/2. 3 السیرۃ لابن ہشام: 352/3.

وَطِیح اور سُلَالِم کی طرف روانہ ہوئے۔ یہودی ان قلعوں میں بند تھے۔ ان کے ساتھ نطاۃ اور شق کے شکست خوردہ لوگ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان قلعوں پر سنگ باری کے لیے منجنیق نصب کرنے کا بھی ارادہ فرمایا کیونکہ یہودی قلعہ بند ہو گئے تھے اور مبارزت کے لیے کوئی بھی باہر نہیں نکل رہا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کا محاصرہ کیے چودہ دن گزر گئے اور یہودیوں کو اپنی بربادی کا یقین ہو گیا تو کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا کہ ہم اس بنیاد پر آپس میں صلح کے آرزومند ہیں کہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور یہود نے مسلمانوں کی فتح تسلیم کر لی ہے۔ کنانہ بن ربیع وہی شخص ہے جس کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ خیبر کے دوسرے حصے میں وہ ایک بادشاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ کنانہ کی طرف سے بھیجے جانے والے اس وفد کے سربراہ کا نام شماخ تھا۔

شماخ جونہی قلعے سے باہر نکلا، اسلامی لشکر کے جانباز سپاہی اسے پکڑ کر دربار رسالت میں لے آئے۔ اُس نے سرور دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ یہودی سردار کنانہ بن ابی الحقیق کا نمائندہ ہے اور اس نے اسے یہ پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا ہے کہ خیبر کے اس دوسرے حصے کے یہودی آپ سے گفتگو کے لیے تیار ہیں۔ اس سلسلے میں خود کنانہ آپ سے ملاقات کر کے معافی مانگنے کا خواستگار ہے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کنانہ بن ابی الحقیق سے گفتگو پر آمادہ ہو گئے۔

شماخ یہودی کنانہ کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ اس سے ملاقات پر رضامند ہیں۔ کنانہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ لڑائی روک دو۔ پھر وہ یہودی زعماء کے ایک وفد کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسلامی کیمپ میں آ کر اس یہودی وفد نے اسی طرح کی شروط رکھیں اور ضمانتیں حاصل کرنے کی کوشش کی جو ان اہل ذمہ کو حاصل ہوتی ہیں جو اعلانِ جنگ سے قبل ہی اسلامی لشکر کے قائد سے مذاکرات کر کے طے کر لیتے ہیں، اس طرح وہ صلح کر کے اپنے شہروں میں رہنے کا حق بھی حاصل کر لیتے ہیں، اور انھیں یہ ضمانت بھی مل جاتی ہے کہ ان کے مال و جائیداد کی حفاظت کی جائے گی، ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی نہیں بنایا جائے گا اور ان سب کی جان بخشی کر دی جائے گی اور اس کے عوض وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کریں گے، اسلام کا غلبہ تسلیم کریں گے اور اسلامی احکام و قوانین کا احترام کریں گے۔

خون ریزی اور غلامی کی سزا معاف فرما دی

خیبر کے اس دوسرے حصے کے سربراہ کنانہ بن ابی الحقیق اور دیگر یہودی زعماء و قائدین نے صلح کے معاملے میں بہت تاخیر کر دی تھی۔ انھوں نے اپنے قلعوں میں بند ہونے، مسلمانوں کا سخت مقابلہ کرنے، لشکرِ اسلام کو اپنے تینوں

قلعوں میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے سخت جنگ کرنے اور اس میں شکست کھانے کے بعد مجبوراً صلح کی بات کی تھی۔ پندرہ دن تک شدید جنگ اور مزاحمت کے بعد انھیں اپنی ہلاکت صاف نظر آرہی تھی، وہ ڈر رہے تھے کہ ان کے قلعوں اور اراضی پر مسلمان غلبہ حاصل کرلیں گے اور اس کے نتیجے میں ان کے جنگجوؤں کو قیدی، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے گا اور کسی استثنا کے بغیر ان کے تمام اموال غنیمت کے طور پر لے لیے جائیں گے جیسا کہ اس دور کے دستور کے مطابق دشمنوں سے یہی معاملہ کیا جاتا تھا۔ اس قدر محاذ آرائی اور پسپائی کے باوجود ان لوگوں نے صلح کا ہاتھ بڑھایا تو رحمۃ للعالمین، سید الاولین و سید الآخرین ﷺ نے ان ظالموں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرمایا اور اس بات پر اتفاق فرمایا کہ ان کی جان بخشی کر دی جائے گی اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بھی نہیں بنایا جائے گا۔ اگر سرور دو عالم ﷺ رحم دلی کا مظاہرہ نہ فرماتے تو یہودی یہ رعایت کبھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

یہود سے معاہدے کی تفصیلات

اس موقع پر سرور دو عالم ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

1. یہودی اپنے تمام چھوٹے بڑے قلعے خالی کر دیں گے اور ان میں موجود جنگی آلات اور اسلحہ وہیں چھوڑ دیں گے تاکہ اسلامی لشکر انھیں اپنے قبضے میں لے لے۔
2. یہودی اپنے تمام ہتھیار مسلمانوں کے سپرد کر دیں گے اور وہ جب تک خیبر میں ہیں، کوئی ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔
3. نبی ﷺ یہودیوں سے عہد کرتے ہیں کہ ان کی جان بخشی کی جاتی ہے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔
4. یہودیوں پر لازم ہے کہ وہ خیبر سے جلاوطن ہو کر شام کی طرف چلے جائیں۔
5. یہودیوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ جلاوطن ہوتے وقت اپنے ساتھ وہ اموال لے جائیں جو ان کی سواریاں اٹھا سکیں۔
6. یہودی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ مخفی خزانوں سمیت اپنے تمام اموال مسلمانوں کے سپرد کر دیں گے۔
7. یہودی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر انھوں نے اس معاہدے کی کسی دفعہ کی مخالفت کی یا کوئی چیز غائب کی یا کسی ایسی چیز کو چھپایا جسے ظاہر کرنا واجب تھا، تو مسلمانوں کے لیے ان کے خون، اموال اور اولادیں حلال ہوں گی۔

یہ معاہدہ رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ پر ہوا، آپ ﷺ کی طرف سے حضرت ابوبکر، عمر، علی اور زبیر رضی اللہ عنہم گواہ

تھے، جب کہ یہود کی طرف سے دس گواہ تھے۔[1]

اس معاہدے کے بعد یہودیوں نے اپنے چھوٹے بڑے تمام قلعے مسلمانوں کے سپرد کر دیے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں کو اموال، ہتھیار، کھیتوں اور باغات کو اپنے قبضے میں لینے کا حکم دیا۔ اس طرح قریباً دو ماہ تک جاری رہنے والی خون ریز لڑائیوں کے بعد جنگ خیبر ختم ہوگئی جس میں فتح و نصرت کے بعد مسلمانوں کو خیبر پر مکمل کنٹرول حاصل ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کی یہ طویل ترین معرکہ آرائی تھی۔

یہودی استعمار کا خاتمہ

سقوطِ خیبر کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب میں داخل ہونے والے اجنبی فسادی یہودیوں کی آخری جائے پناہ بھی ختم ہوگئی۔ یہ یہودی استعمار قریباً دو ہزار سال سے جزیرۃ العرب خصوصاً یثرب و خیبر میں پنجے گاڑے ہوئے تھا۔ عربوں میں فتنہ و فساد برپا کرنے اور جنگوں کے شعلے بھڑکانے میں اس یہودی استعمار کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ یہودی خوب سمجھتے تھے کہ وہ بلادِ عرب میں ایک اجنبی اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنا وجود صرف اسی صورت میں برقرار رکھ سکتے ہیں کہ اپنے مفسدانہ حربوں کو بروئے کار لاکر عربوں کو باہمی جنگ و جدال میں مبتلا کیے رکھیں ورنہ اُن کا ان لوگوں میں رہنا ناممکن ہوگا جو جنس، زبان، دین، ڈیل ڈول اور ثقافت و معاشرت غرضیکہ ہر اعتبار سے ان سے مختلف ہیں۔ ان میں رہنے کی صرف ایک ہی سبیل ہے کہ انھیں ہمیشہ باہمی انتشار و خلفشار اور جنگ و جدال میں اُلجھائے رکھا جائے۔ یہودی اپنی ان شیطانی منصوبہ بندیوں میں خاطر خواہ کامیاب رہے ورنہ ان کے لیے قرن ہا قرن تک جزیرۃ العرب میں رہنا ناممکن تھا۔

عربوں کے لیے لمحۂ فکریہ

یہودی آج بھی اپنے استعماری مقاصد کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ وہ آج بھی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو یعنی Divide and rule کی پرانی پالیسی کے تحت عربوں میں اپنی سازشوں اور شرارتوں کے ذریعے انتشار و خلفشار پھیلانے میں مصروف ہیں۔ آج فلسطین پر ان کا ناپاک وجود محض ان کی چالاکیوں اور سفاکیوں کی وجہ سے قائم ہے۔ ان کے پاس جدید علوم اور جدید ہتھیار بھی موجود ہیں لیکن وہ ان چیزوں سے زیادہ اِس حکمت عملی سے کام لے رہے ہیں کہ عربوں کی وحدت پارہ پارہ کردی جائے۔ آج جو عرب بھائی عربوں میں اتفاق و اتحاد کے بجائے تفریق اور انتشار و خلفشار پیدا کر رہے ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کہ وہ نعرہ تو وحدت کا لگاتے ہیں لیکن درحقیقت وہ

1 المغازي للواقدي :2/139، 140 - موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل :1/1066-1069.

عربوں کی صفوں میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی مذموم سازشوں کے بیج بو رہے ہیں۔ کیا یہ لوگ اپنے دلوں میں خوف خدا محسوس کرتے ہوئے کبھی راہ راست اختیار کر کے حالات کی سنگینی کا اندازہ کریں گے؟ صدق و اخلاص کے ساتھ موجودہ حالات کو بدلنے کی کوئی کوشش کریں گے؟ کیا انھیں کبھی اس حقیقت کا ادراک ہوگا کہ آج فلسطین میں اجنبی یہودی استعمار کا وجود اپنی طاقت وقوت، جدید جنگی طیاروں یا سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی بقا کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ ماضی کی طرح آج بھی اس نے اپنی سازشوں کے ذریعے عربوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے، انھیں اتفاق و اتحاد سے محروم کر کے انتشار و خلفشار میں مبتلا کر رکھا ہے۔ آج بھی وہ اپنے اسی اصول پر عمل پیرا ہے کہ ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔'' یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ عربوں میں وحدت اور اتفاق و اتحاد صرف اسی صورت میں قائم ہوسکتا ہے جب وہ سب کے سب پرچم اسلام تلے جمع ہو جائیں، انھیں نوٹ کر لینا چاہیے کہ رنگ و نسل کے بتوں کا کوئی نعرہ انھیں قیامت تک جمع نہیں کر سکے گا۔

خیبر سے حاصل ہونے والے اموال غنیمت

شہر خیبر کے دوسرے حصے کے سقوط اور لشکرِ اسلام کے خیبر کے چھوٹے بڑے تمام قلعوں پر قبضے کے بعد مسلمانوں نے اموال غنیمت کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ عہد نبوی میں مسلمانوں نے کسی بھی غزوے میں اس قدر مال غنیمت حاصل نہیں کیا تھا۔ جس کثرت سے انھوں نے اس غزوے میں حاصل کیا۔ ان توپوں اور منجنیقوں کے علاوہ جو خیبر کے پہلے حصے سے مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھیں، انھوں نے دوسرے حصے سے بھی اسلحے کی ایک بہت بڑی مقدار پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے جو اسلحہ اپنی تحویل میں لیا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1. تیر، ایک ہزار (1000)
2. تلواریں، چار سو (400)
3. عربی کمانیں مع ترکش پانچ سو (500)
4. سوزرہیں۔[1]

اس زمانے کے جنگی حالات کے مطابق یہ اسلحے کی بڑی بھاری کھیپ تھی۔

1 إمتاع الأسماع: 315/1.

اسلحہ کے علاوہ دیگر اموال غنیمت

اس فتح عظیم میں لشکر اسلام نے جنگی غنائم کے علاوہ جو دیگر اموال غنیمت حاصل کیے، وہ اس قدر زیادہ تھے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔

سونے چاندی کی بہت بڑی مقدار کے علاوہ مسلمانوں نے یہاں کے کھیتوں، باغات اور کھجوروں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنے قبضے میں لے لیے، جو خیبر شہر کے اردگرد سیکڑوں میلوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ مسلمانوں نے صرف کتیبہ میں کھجور کے چالیس ہزار درختوں کو اپنے قبضے میں لیا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے خیبر کے شکست خوردہ یہودیوں کی جن زرعی زمینوں پر قبضہ کیا تھا، وہ کس قدر زیادہ ہوں گی۔

تورات کے نسخوں کی یہودیوں کو واپسی

مال غنیمت کی تلاش کے دوران حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان قلعوں میں سے تورات کے کچھ صحیفے بھی ملے۔ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ نسخے انھیں واپس دے دیے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ یہودیوں کو یہ نسخے واپس دے دیے جائیں۔

یہودیوں کی عیاری و مکاری

یہودیوں نے ان قلعوں سے نکلتے نکلتے بھی عیاری سے کام لیا اور وہ دو تھیلے غائب کر دیے جو بنی نضیر کے یہودیوں کے زیورات، جواہرات اور موتیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ بنی نضیر کے یہودیوں کو جب مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا تھا، تو یہ سب زروجواہر ان کے پاس تھے۔ ان کا سردار سلام بن ابی الحقیق تکبر وغرور کا اظہار کرتے ہوئے، ان ہیروں، جواہرات کو اچھال اچھال کر مسلمانوں کو دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ مال و دولت ہم نے ایسے ہی ہنگامی حالات کے لیے جمع کر رکھا تھا۔

مسجد اجابہ (مدینہ منورہ)



فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سعید یہودی سے اس خزانے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ تو

جنگی اخراجات میں ختم ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے تحقیق و تفتیش کے لیے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔

کنانہ اور ربیع دونوں بھائی تھے، رسالت مآب ﷺ نے ان سے بھی پوچھا کہ تمھارے وہ زیورات اور برتن کہاں ہیں جو تم مکے والوں کو مستعار دیا کرتے تھے؟ یاد رہے مکے کے سرداروں کے ہاں جب بھی کوئی شادی وغیرہ کی تقریب ہوتی تو وہ یہودیوں سے زیورات وغیرہ مستعار منگوا لیتے تھے، اور ضرورت پوری ہونے کے بعد انھیں واپس کر دیتے تھے۔ اس خدمت کے لیے یہودی ان سے ان کا کرایہ وصول کیا کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے جب ان دونوں بھائیوں سے ان زیورات اور برتنوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ سب چیزیں جنگی اخراجات میں ختم ہو گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو بہت ہی قریبی زمانے کی بات ہے۔ تمھارا مال و زر بہت زیادہ تھا، اتنی جلدی کیسے ختم ہو سکتا ہے؟ اگر تم نے مجھ سے کوئی بات چھپائی اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی تو میں تم دونوں اور تمھارے بیوی بچوں کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دوں گا۔

انھوں نے جواب دیا: بالکل ٹھیک ہے۔ دراصل انھیں اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع فرما دے گا، اس لیے انھوں نے جھوٹ بولا اور کہا کہ اگر ہماری بات غلط ثابت ہو تو بے شک آپ ہمیں قتل کرا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو اس جگہ کے بارے میں بتا دیا جہاں یہودیوں نے یہ خزانہ چھپا رکھا تھا۔ آپ نے ایک انصاری صحابی سے فرمایا کہ تم فلاں جگہ جاؤ، وہاں ایک باغ ہے، اس میں اپنے دائیں ہاتھ اور دوسرے قول کے مطابق بائیں ہاتھ ایک درخت کے نیچے خزانہ چھپا ہوا ہے، اسے نکال کر میرے پاس لے آؤ۔ وہ انصاری آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہاں گیا اور اس خزانے کو نکال کر آپ ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔

اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک کے مطابق اس مدفون خزانے کی جگہ کی نشان دہی سعید نامی یہودی نے کی تھی اور اس دوسری روایت کے مطابق نشان دہی بذریعہ وحی الٰہی کی گئی تھی اور ایک تیسری روایت کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ خزانہ ایک خرابے سے تلاش کیا تھا۔ ان روایات میں تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ پہلے تو اس مدفون خزانے کو تلاش کرنے کی خود ہی کوشش کی گئی، ابھی یہ خزانہ ملا نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی الٰہی اس کی خبر دے دی گئی اور پھر اسے نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

یہ خزانہ سونے کے کنگنوں، بازو بندوں، پازیبوں، گلوبندوں اور بالیوں کے علاوہ زمرد اور دیگر جواہر پاروں پر

مشتمل تھا۔ اس خزانے کی قیمت کا اندازہ دس ہزار دینار لگایا گیا تھا۔

کنانہ کو سزائے موت

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کنانہ اور ایک روایت کے مطابق ابن ربیعہ بن ابی الحقیق کو لایا گیا، اس کے پاس بنونضیر کا خزانہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے اس خزانے کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اسی اثنا میں ایک یہودی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے کنانہ کو روزانہ فلاں خرابے کے چکر لگاتے ہوئے دیکھا ہے۔ کنانہ نے جب اس خزانے سے لاعلمی کا اظہار کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا: «أَرَأَيْتَ إِنْ وَجَدْنَاهُ عِنْدَكَ أَقْتُلُكَ؟» ''کیا خیال ہے، اگر وہ خزانہ مجھے تمھارے ہی پاس مل گیا تو میں تمھیں قتل کر دوں؟'' اس نے جواب دیا: جی ہاں۔ آنحضرت ﷺ کے حکم پر تلاش کے بعد جب خزانے کا کچھ حصہ مل گیا اور آپ ﷺ نے اس سے باقی خزانے کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے اس کے بارے میں سچی بات بتانے سے پھر انکار کر دیا۔ نبی ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس سے سختی سے تفتیش کرو۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اس کے سینے کے پاس چقماق رگڑنے لگے جس سے آگ نکلتی اور اسے اپنی موت کا یقین ہو جاتا۔

بقیہ خزانے کی دستیابی کے بعد آنحضرت ﷺ نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا اور انھوں نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے بدلے میں اس کی گردن اڑا دی۔[1]

اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص جھوٹا ہو، اس سے سچی بات اگلوانے کے لیے اسے جسمانی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس واقعے سے یہ استدلال بھی فرمایا ہے کہ اس سنت صحیحہ سے معلوم ہوا کہ ظاہری اشارات اور صورت حال کے آثار و شواہد پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ جن پر جرائم کی تہمت ہو، انھیں سزا دی جا سکتی ہے۔ مشروط صلح جائز ہے اور شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں عہد و پیمان ٹوٹ جاتا ہے۔[2]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس واقعے سے ماخوذ حکمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو ان کے اپنے ہی ہاتھوں اور اپنے ہی کرتوتوں کے ذریعے ذلیل و رسوا کرنا چاہتا تھا کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس بات پر بھی قادر تھا کہ وہ یہودیوں کے پوشیدہ رکھے ہوئے خزانے پر اپنے رسول ﷺ کو مطلع فرما

1 السيرة لابن هشام: 351/3، تاريخ الطبري: 302/2، زاد المعاد: 327،326/3، سبل الهدى والرشاد: 132،131/5.
2 الطرق الحكمية، ص: 30

دیتا اور آپ ﷺ اسے بزور طاقت اپنے قبضے میں لے لیتے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ وہ کافروں کو خود انھی کے ہاتھوں ذلیل و خوار کرنا چاہتا تھا۔ اس واقعے کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کنانہ کے چچازاد کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور انھوں نے اسے سزا دی تو اس نے مال کی موجودگی کا اعتراف کر لیا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب چور سے مال طلب کیا جائے تو حالتِ کراہت میں بھی اس کا اقرار درست تسلیم کیا جائے گا۔ جب اسے سزا دی جائے کہ وہ مال مسروق کا اقرار کرے، وہ اقرار کر لے اور مال بھی برآمد ہو جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ بلاشبہ یہی موقف درست ہے کیونکہ یہ جبر و اکراہ کے باعث اقرار کی حد نہیں ہے بلکہ یہ تو مال مسروق کے برآمد ہونے کی وجہ سے لاگو ہوئی ہے جو اس کے اقرار کے نتیجے میں برآمد ہوا ہے۔[1]

غنیمت میں غلاموں اور عورتوں کا حصہ

خیبر میں شریک غلاموں اور عورتوں کو غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ تو نہیں دیا گیا تھا، تاہم رسول اللہ ﷺ نے انھیں تھوڑا تھوڑا عطیہ ضرور مرحمت فرمایا تھا[2] جیسا کہ عمیر مولی آبی اللحم سے روایت ہے کہ میں بھی اپنے آقاؤں کے ساتھ خیبر میں حاضر تھا۔ انھوں نے میرے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ نے حکم دیا اور میرے گلے میں ایک تلوار لٹکا دی گئی۔ (تاکہ میں مجاہدین کے ساتھ رہ کر جنگی مہارت حاصل کروں مگر صغر سنی اور چھوٹے قد کی وجہ سے) میں نے اسے گھسیٹنا شروع کر دیا، جب آپ کو میرے بارے میں بتایا گیا کہ میں غلام ہوں تو آپ ﷺ کے حکم سے مجھے کچھ مال و متاع دے دیا گیا۔[3]

محمد بن اسحاق نے بھی لکھا ہے کہ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کچھ خواتین نے بھی شرکت کی۔ آپ نے انھیں غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ نہیں دیا، البتہ کچھ مال و متاع ضرور عطا فرمایا۔[4]

حشرج بن زیاد نے اپنی دادی سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر ہم بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئی تھیں اور میں چھ میں سے چھٹی عورت تھی۔ نبی ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ کے ہمراہ عورتیں بھی ہیں تو آپ نے پیغام بھیج کر ہمیں بلایا۔ ہم نے آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر ناراضی کے آثار دیکھے، آپ نے فرمایا: «ما أخرجكنّ؟ وبأمر من خرجتنّ؟» ''تم کیوں آئی ہو؟ تم کس کے حکم سے نکلی ہو؟'' ہم نے عرض کیا: ہم اس

1 الطرق الحكمية، ص: 31. 2 البداية والنهاية: 205/4. 3 سنن أبي داود: 2730، جامع الترمذي: 1557. 4 السيرة لابن هشام: 356/3.

لیے نکلی ہیں کہ ہم مجاہدوں کو تیر پکڑائیں گی، ستو پلائیں گی، ہمارے پاس زخمیوں کے لیے دوا بھی ہے، ہم سوت کات کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مدد کریں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «قُمْنَ فَانْصَرِفْنَ» ''کھڑی ہو جاؤ اور چلو۔'' جب اللہ تعالیٰ نے خیبر فتح کرا دیا تو آپ ﷺ نے مردوں کے حصوں کی طرح ہمیں بھی حصے دیے، میں نے ان سے پوچھا: دادی جان! آپ کو کیا دیا گیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: کھجوریں۔[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے خواتین کو خیبر کی پیداوار میں سے حصہ دیا تھا، مردوں کی طرح زمین میں سے حصہ نہیں دیا۔[2]

سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آمد

رسول اللہ ﷺ ابھی خیبر ہی میں تشریف فرما تھے کہ حبشہ سے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ ہجرت کرنے والے دیگر مسلمانوں اور ان کے ساتھ شامل ہونے والے اہل یمن کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم یمن ہی میں تھے کہ ہمیں نبی ﷺ کے نکلنے کی خبر پہنچ گئی، چنانچہ ہم بھی آپ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکل پڑے، میرے علاوہ میرے ساتھ دو بھائی تھے۔ میں ان سے چھوٹا تھا، ایک بھائی ابوبردہ اور دوسرا ابورہم تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ میری قوم کے ترپن یا باون آدمی تھے یا انھوں نے یہ کہا کہ پچاس سے کچھ اوپر افراد تھے۔ ہم کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی نے ہمیں نجاشی کے پاس حبشہ پہنچا دیا۔ وہاں ہماری جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، ہم انھی کے پاس ٹھہر گئے حتی کہ ہم سب اکٹھے ہی آئے اور نبی ﷺ سے ہماری ملاقات اس وقت ہوئی جب آپ ﷺ نے خیبر فتح کر لیا تھا۔ کچھ لوگ ہم کشتی والوں سے کہا کرتے تھے کہ ہم تم سے ہجرت میں سبقت رکھتے ہیں۔ اسماء بنت عمیس ...... ہمارے ساتھ ہی آئی تھیں...... وہ نبی ﷺ کی زوجہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لیے آئیں، وہ بھی ان لوگوں میں سے تھیں جنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ...... اسماء رضی اللہ عنہا انھی کے پاس بیٹھی تھیں ...... سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا یہ حبشیہ ہیں؟ کیا یہ سمندر میں سفر کرنے والی ہیں؟ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: جی ہاں۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ہجرت میں تم سے سبقت رکھتے ہیں، لہٰذا تمھاری نسبت ہم رسول اللہ ﷺ کے زیادہ حق دار ہیں۔ (یہ بات سن کر) وہ ناراض ہو گئیں۔ کہنے لگیں: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! تم تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، رسول اللہ ﷺ تمھارے بھوکے

1 مسند أحمد: 371/6، سنن أبي داود: 2729. یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 البداية والنهاية: 206/4

کو کھانا کھلاتے اور تمھارے جاہل کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے، جب کہ ہم حبشہ کی دور دراز ناپسندیدہ زمین میں تھے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے تھا۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر نہ کرلوں جو آپ نے کی ہے۔ ہمیں تو ایذا پہنچائی جاتی تھی اور ڈرایا جاتا تھا۔ میں یہ بات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کر کے آپ سے پوچھوں گی اور اللہ کی قسم! میں جھوٹ بولوں گی، نہ انحراف کروں گی، نہ کچھ اضافہ کروں گی۔

جب نبی ﷺ تشریف لائے تو اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے نبی! عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی ہے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: «فَمَا قُلْتِ لَهُ؟» ''پھر تم نے انھیں کیا جواب دیا؟'' انھوں نے کہا کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے فلاں فلاں باتیں کی ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ بِأَحَقَّ بِي مِنْكُمْ، وَلَهُ وَلِأَصْحَابِهِ هِجْرَةٌ وَاحِدَةٌ، وَلَكُمْ أَنْتُمْ أَهْلَ السَّفِينَةِ هِجْرَتَانِ»

''وہ تمھاری نسبت میرے زیادہ حق دار نہیں ہیں، ان کے لیے اور ان کے ساتھیوں کے لیے ایک ہجرت ہے، جب کہ تم کشتی والوں کے لیے دو ہجرتیں ہیں۔''

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر تو ابوموسیٰ اور کشتی والے میرے پاس فوج درفوج آکر اس حدیث کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ اس سے اس قدر خوش ہوئے کہ اس کے مقابلے میں وہ دنیا کی اور کسی چیز سے خوش نہ تھے اور ان کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی شرف نہ تھا۔ ابوبردہ نے کہا کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار یہ حدیث سنا کرتے تھے۔[1]

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں فتح خیبر کے بعد حاضر ہوئے۔ آپ نے مالِ غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ دیا۔ آپ ﷺ نے ہمارے سوا کسی اور کو جو خیبر میں حاضر نہیں ہوا، حصہ نہیں دیا۔[2]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر نجاشی کے پاس بھیجا کہ آپ کے اصحاب میں سے اب تک جو حبشہ میں باقی ہیں، انھیں بھی بھیج دیا جائے۔ یہ صحابۂ کرام سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں اس وقت واپس آئے جب نبی ﷺ نے خیبر فتح کرلیا تھا، ابن ہشام نے بروایت شعبی ذکر کیا ہے کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس خیبر کے دن پہنچے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، انھیں گلے لگایا اور فرمایا:

---

1 صحيح البخاري: 4230، 4231. 2 صحيح البخاري: 4233.

«مَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَنَا أَسَرُّ: بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَمْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ؟»

’’معلوم نہیں مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہے، فتح خیبر کی یا جعفر ؓ کے آنے کی؟‘‘ [1]

سیدنا جعفر ؓ کے ساتھیوں کے اسمائے گرامی

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اہل مکہ میں سے جو حضرات حبشہ میں پیچھے رہ گئے تھے اور وہ سیدنا جعفر ؓ کے ساتھ خیبر آئے۔ ان کی تعداد سولہ تھی، ان کے اور ان کی بیوی بچوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

1 جعفر بن ابی طالب ہاشمی، آپ کی بیوی اسماء بنت عُمیس اور آپ کا بیٹا عبداللہ جو حبشہ ہی میں پیدا ہوا تھا۔

2 خالد بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبدشمس، آپ کی بیوی اُمَیْنَہ بنت خلف بن اسعد اور بیٹا سعید اور بیٹی اَمَہ، یہ دونوں حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔ 3 عمرو بن سعید بن عاص، ان کی زوجہ فاطمہ بنت صفوان بن امیہ حبشہ ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ 4 مُعَیْقِیب بن ابی فاطمہ، یہ بھی آلِ سعید بن عاص کے حلیف تھے۔ 5 ابوموسیٰ اشعری عبداللہ بن قیس، یہ آلِ عتبہ بن ربیعہ کے حلیف تھے۔ 6 اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد الاسدی۔ 7 جہم بن قیس بن عبد شرحبیل عبدری، آپ کی بیوی ام حرملہ بنت عبدالاسود حبشہ میں فوت ہوگئی تھیں، ان کا بیٹا عمرو اور بیٹی خزیمہ بھی حبشہ میں فوت ہوگئے تھے۔ 8 عامر بن ابی وقاص زہری۔ 9 عتبہ بن مسعود۔ 10 حارث بن خالد بن صخر تیمی، ان کی بیوی ریطہ بنت حارث وہیں فوت ہوگئی تھیں۔ 11 عثمان بن ربیعہ بن اُہبان جُمَحی۔ 12 مُحْمِیہ بن جزء زُبَیدی۔ 13 معمر بن عبداللہ بن نضلہ عدَوِی۔ 14 ابوحاطب بن عمرو بن عبدشمس عامری۔ 15 مالک بن ربیعہ بن قیس بن عبدشمس عامری، ان کے ساتھ ان کی بیوی عمرہ بنت سَعْدِی بھی تھیں۔ 16 حارث بن عبدقیس بن لقیط فہری۔ ؓ [2]

حافظ ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ کے ساتھ آنے والے اشعریوں، یعنی ان کے دونوں بھائیوں ابوبردہ، ابورہم اور ان کے چچا ابو عامر کا ذکر نہیں کیا بلکہ اشعریوں میں سے انھوں نے سیدنا ابوموسیٰ ؓ کے سوا اور کسی

مسجد جعفر بن ابی طالب (مساح)



1 السیرة لابن هشام: 3/4، السنن الکبرى للبیهقي: 101/7. 2 السیرة لابن هشام: 3/4-5.

کا بھی ذکر نہیں کیا، ان کے دونوں بھائیوں کا بھی ذکر نہیں کیا، حالانکہ ان کا ذکر صحیح البخاری میں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اس بارے میں حدیث ابی موسیٰ کا علم نہیں ہو سکا، البتہ انھوں نے دونوں کشتیوں میں سوار مسلمانوں کی ان عورتوں کا ذکر کیا ہے جن کے شوہر حبشہ میں فوت ہو گئے تھے۔[1]

سیدنا ابوہریرہ اور ابان بن سعید رضی اللہ عنہما کے مابین نوک جھونک

عنبسہ بن سعید سے روایت ہے کہ انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بتا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابان کو مدینہ سے نجد کی طرف ایک سریہ میں بھیجا، پھر ابان اور ان کے ساتھی خیبر فتح ہو جانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ان کے گھوڑوں کی پٹیاں (ڈوریں) کھجور کے درخت کی چھال سے بنی ہوئی تھیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! انھیں مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حصہ مت دیجیے۔ ابان نے ازراہِ طعن کہا: یہ بات تو کہتا ہے اے وبر! جو جنگلی بیری کی چوٹی سے نیچے اتر آیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابان! بیٹھ جاؤ۔'' پھر آپ نے انھیں مال غنیمت میں سے حصہ بھی نہیں دیا۔[2]

اسی طرح سعید بن عمرو بن سعید بن عاص سے بھی روایت ہے کہ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ ابن قوقل[3] کا قاتل ہے۔ ابان نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تعجب ہے تجھ پر اے وبر! جو ضان پہاڑی سے اتر آیا ہو، تو مجھ پر ایک ایسے شخص کی موت کا الزام لگاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے عزت بخشی اور اسے اس امر سے روک دیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے مجھے ذلیل کرتا۔[4]

خود سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح خیبر کے بعد حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی (مال غنیمت سے) حصہ عطا فرمائیں۔ آل سعید بن عاص میں سے بعض نے کہا: انھیں حصہ عطا نہ فرمائیں، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ ابن قوقل کا قاتل ہے......[5]

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ وہ فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بات کر کے انھیں بھی مال غنیمت میں شریک فرما لیا۔[6]

1 البداية والنهاية: 208/4. 2 صحيح البخاري: 4238، سنن أبي داود: 2723. 3 ابن قوقل سے مراد نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن اصرم انصاری اوسی ہیں۔ قوقل ثعلبہ یا اصرم کا لقب ہے۔ ابن قوقل احد کے دن شہید ہوئے تھے اور انھیں ابان بن سعید بن عاص نے قتل کیا تھا۔ سعید بن عاص کے ایک بیٹے سے یہی مراد ہیں اور ابان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ (فتح الباري: 41/6)
4 صحيح البخاري: 4239. 5 صحيح البخاري: 2827. 6 مسند أحمد: 346,345/2.

امانت میں خیانت حرام ہے

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر فتح کیا ۔۔۔ پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں وادی القریٰ کی طرف گئے تو آپ کے ساتھ ایک غلام بھی تھا جسے مِدْعَم کہا جاتا تھا۔ بنوضُبَیب میں سے کسی نے یہ غلام آپ کو ہدیہ کیا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے سامان اتار رہا تھا کہ ایک گمنام تیر آیا جس نے اس کا کام تمام کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ اسے شہادت مبارک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَلْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَصَابَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا»

''ہرگز نہیں! اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن (مالِ غنیمت کی) تقسیم سے قبل حاصل کر لی تھی، اس پر آگ کے شعلے بن کر برس رہی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر ایک شخص ایک یا دو تسمے لے آیا اور عرض کیا: یہ میں نے لے لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «شِرَاكٌ أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ» ''(جوتے کے) ایک یا دو تسمے بھی آتشِ دوزخ کا سبب بنیں گے۔''[1]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ خیبر کے دن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور کہنے لگے کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے حتی کہ ایک شخص کے بارے میں کہنے لگے کہ وہ بھی شہید ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ»

''ہرگز نہیں! کیونکہ میں نے اسے اس چادر یا عبا کی وجہ سے جہنم میں دیکھا ہے جس کی اس نے خیانت کی تھی۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ: إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ»

''ابن خطاب! جاؤ لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے باہر نکل کر یہ اعلان کر دیا: (لوگو) خبردار! جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔[2]

خیبر کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرما دیا تھا کہ کوئی مجاہد تقسیم سے قبل مالِ غنیمت میں سے کچھ نہ لے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس فرمانِ نبوی کی پوری پوری تعمیل کی، البتہ واقدی نے لکھا ہے کہ فروہ بن عمرو کی

1 صحیح البخاري: 4234 و 6707. 2 صحیح مسلم، 114.

غنیمتوں کو فروخت کرنے کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ انھوں نے دھوپ سے بچنے کے لیے اپنے سر پر مالِ غنیمت میں سے ایک پٹی باندھ لی۔ جب وہ گھر جانے لگے تو اسے سر سے اتارنا بھول گئے۔ گھر جا کر انھیں یاد آیا تو انھوں نے واپس آ کر اسے اتار پھینکا اور اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عِصَابَةٌ مِنْ نَارٍ عَصَبْتَ بِهَا رَأْسَكَ»

''یہ پٹی جو تم نے اپنے سر پر باندھی تھی، یہ بھی آتشِ دوزخ میں لے جاتی۔''

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے مالِ فے میں سے کچھ دیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِي مِنَ الْفَيْءِ خَيْطٌ وَلَا مِخْيَطٌ لَا آخُذُ وَلَا أُعْطِي»

''میرے لیے مالِ فے میں سے سوئی دھاگا بھی حلال نہیں، اس لیے (تقسیم سے قبل) میں اس میں سے کچھ لیتا ہوں، نہ دیتا ہوں۔''

اسی طرح ایک شخص نے آپ سے رسی کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اموالِ غنیمت کو تقسیم ہو لینے دو، پھر میں رسی اور اگر تم چاہو تو رسہ دے دوں گا۔''

خاندانِ اشجع میں سے ایک شخص فوت ہوگیا۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کے فوت ہونے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ» ''تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ خود پڑھ لو۔'' یہ سن کر لوگوں کے چہرے افسردہ ہوگئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ صَاحِبَكُمْ غَلَّ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» ''تمھارے ساتھی نے اللہ کے رستے میں جہاد کرتے ہوئے مالِ غنیمت میں خیانت کی تھی۔'' زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس سے ایک ستالی (چمڑے میں چھید کرنے کا آلہ) نکلی جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔[1] یاد رہے کہ کھانے پینے کی چیزیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ پیچھے تفصیل سے آچکا ہے۔

ہم یہاں قارئین کرام کی خدمت میں یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہمارے دین میں امانت و دیانت کو لازم پکڑنے اور بددیانتی و خیانت سے اجتناب پر بہت زور دیا گیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے واضح ہے مگر افسوس صد افسوس، مسلمان امانت و دیانت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں اور خیانت و بدیانتی کی وبا پھیلتی جا رہی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے منافق کی علامات میں سے خیانت کو بھی ایک علامت قرار دیا ہے۔[2]

1 المغازي للواقدي: 2/146، 147. 2 صحيح البخاري: 34.

مالِ غنیمت میں غائب لوگوں کی شرکت

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ان لوگوں کو مالِ غنیمت میں شریک نہیں فرماتے تھے جنھوں نے معرکے میں شرکت ہی نہ کی ہو لیکن آپ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر ان آٹھ آدمیوں کو بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ آپ کے حکم سے دیگر فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ اسی طرح خیبر کی غنیمتوں میں سے آپ ﷺ نے کچھ ایسے لوگوں کو بھی حصہ دیا تھا جو اس معرکے میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ خیبر کی غنیمتیں اہلِ حدیبیہ کے لیے مخصوص تھیں، چاہے وہ خیبر میں حاضر تھے یا غائب کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا:

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾ (الفتح 20:48)

''اللہ نے تم سے بہت سے اموالِ غنیمت کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، چنانچہ اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کر دیے۔''

اس آیت کریمہ میں خیبر کی غنیمتوں کی طرف اشارہ ہے، اس لیے اہل حدیبیہ میں سے جو لوگ اس موقع پر موجود نہیں بھی تھے، آپ ﷺ نے انھیں بھی حصہ دیا، ان حضرات کے نام یہ ہیں: مریٰ بن سنان، ایمن بن عبید، سباع بن عرفطہ غفاری، جابر بن عبداللہ اور کئی دیگر رضی اللہ عنہم۔ جبکہ ان میں سے دو فوت ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے اہل فدک کی طرف آنے جانے والے اپنے قاصدوں محیصہ بن مسعود حارثی وغیرہ کو بھی حصہ دیا، اُن تین بیمار مجاہدوں کو بھی حصہ دیا جو اپنی بیماری کے باعث میدان کارزار میں پہنچنے سے معذور رہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سوید بن نعمان، عبداللہ بن سعد بن خیثمہ اور بنو خطامہ میں سے ایک شخص۔ اسی طرح اس غزوے میں شہید ہونے والے مسلمانوں کا حصہ بھی (اُن کے اہل خانہ) کو مرحمت فرما دیا تھا۔[1]

بنوفزارہ کا مطالبہ مسترد ہو گیا

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ بنوفزارہ اہلِ خیبر کے پاس آئے تاکہ ان کی مدد کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے پیغام بھیج کر انھیں ان کی مدد کرنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ خیبر سے نکل جاؤ، تمھیں خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ دیا جائے گا لیکن انھوں نے آپ کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیبر پر فتح عطا فرما دی تو بنوفزارہ کے جو لوگ اس وقت خیبر میں موجود تھے، وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور

[1] المغازي للواقدي: 148/2

کہنے لگے کہ آپ نے جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ''تمھیں ذوالرقیبہ ملے گا۔'' یہ خیبر کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھا۔ انھوں نے کہا: ہم آپ سے جنگ کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''فلاں وقت جنگ کے لیے آ جاؤ۔'' جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو دم دبا کر بھاگ گئے۔ [1]

واقدی نے لکھا ہے کہ ابوشُتَیم مزنی...... جو مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے...... نے بیان کیا کہ جب ہم نے عیینہ بن حصن کے ساتھ اپنے اہل و عیال کی طرف کوچ کیا اور وہاں پہنچے تو وہ سب خیر و عافیت سے تھے، چنانچہ عیینہ ہمیں لے کر واپس آ گیا۔ خیبر پہنچنے سے پہلے ہم نے حطام نامی جگہ پر رات کو پڑاؤ ڈالا تو ہم گھبرا گئے۔ عیینہ نے کہا کہ تمھارے لیے بشارت ہے کہ میں نے آج رات خواب میں یہ دیکھا ہے کہ مجھے خیبر کا پہاڑ ذوالرقیبہ عطا کیا گیا ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ واللہ! میں نے محمد (ﷺ) کی گردن پکڑ لی ہے۔ جب ہم خیبر میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے اور آپ ﷺ وہاں کا مال غنیمت حاصل کر چکے تھے۔ عیینہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! آپ نے میرے حلیفوں سے جو مالِ غنیمت حاصل کیا ہے، اس میں سے مجھے بھی حصہ دیں۔ میں آپ سے پیچھے ہٹ کر لوٹ گیا تھا اور ہم نے آپ کے لیے میدان خالی کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے جو چیخ پکار سنی تھی، اس نے تجھے اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔'' اس نے پھر کہا: اے محمد! مجھے کچھ دے دیجیے۔ آپ نے فرمایا: «لَكَ ذُو الرُّقَيْبَةِ» ''تیرے لیے ذوالرقیبہ ہے۔'' اس نے پوچھا: ذوالرقیبہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْجَبَلُ الَّذِي رَأَيْتَ فِي النَّوْمِ أَنَّكَ أَخَذْتَهُ» ''وہی پہاڑ جس کے بارے میں تو نے خواب میں دیکھا تھا کہ تو نے اسے پکڑ لیا ہے۔'' یہ سن کر عیینہ واپس چلا گیا۔ [2]

ابورافع یہودی کی حقیقت شناسی اور حسد

جب عُیَینہ اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچا تو اُس سے حارث بن عوف ملنے آیا۔ اس نے کہا: کیا میں نے پہلے ہی تجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ تو غلط انداز ے لگا رہا ہے۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) ہر اس علاقے پر غالب آ جائیں گے جو مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ یہود اس بارے میں ہمیں بتایا کرتے تھے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابورافع سلام بن ابی الحقیق کو بیان کرتے ہوئے سنا تھا کہ ہم محمد (ﷺ) سے نبوت کی وجہ سے حسد کرتے ہیں۔ ہمیں صدمہ ہے کہ نبوت بنی ہارون کے گھرانے سے نکل گئی ہے، محمد (ﷺ) نبی مرسل ہیں لیکن یہود میری بات تسلیم نہیں کرتے، ہمیں ان کے ہاتھوں دو بار ذبح ہونا پڑے گا، ایک بار یثرب میں اور دوسری بار خیبر میں۔

1 زاد المعاد: 334/3. 2 المغازي للواقدي: 143,142/2.

حارث نے کہا کہ میں نے سلام سے پوچھا: کیا وہ ساری زمین کے مالک بن جائیں گے؟ اس نے جواب دیا: ہاں! اس تورات کی قسم جو موسیٰ پر نازل کی گئی اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ یہود کو محمد ﷺ کے بارے میں میری یہ تصدیق و گواہی معلوم ہو جائے۔[1]

یہود کو خیبر میں رہنے کی اجازت

معاہدے کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے جب یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کرنا چاہا تو انھوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی کہ اے محمد! خیبر کی زمینوں کو ہم ہی زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں، لہٰذا آپ ہمیں اجازت عطا فرما دیں کہ ہم ان میں آپ کے لیے کام کریں اور آپ ﷺ ہمیں اس کام کی اجرت کے طور پر پیداوار کا نصف حصہ عطا فرما دیا کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرما لی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

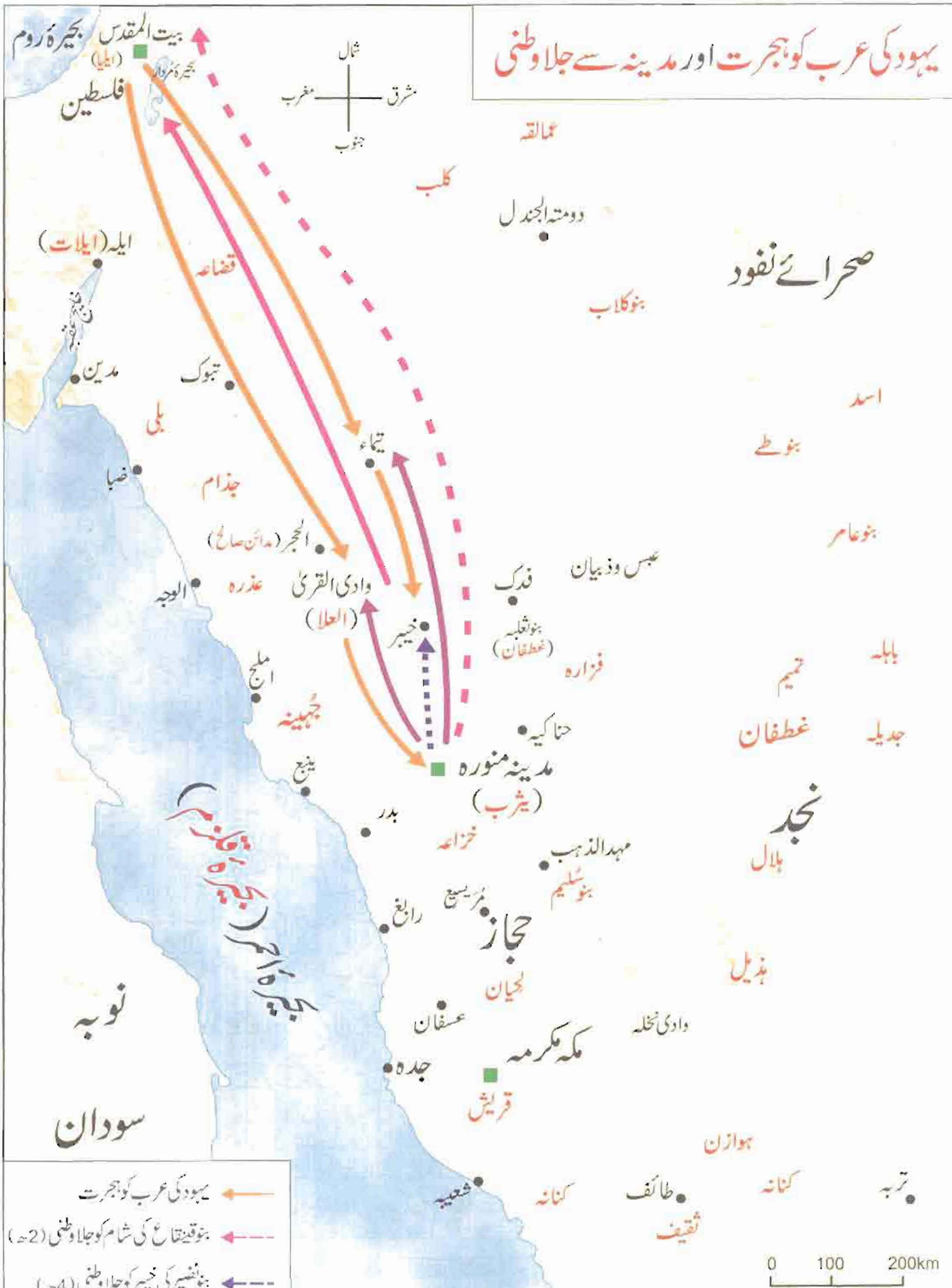
أَعْطَى النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَّعْمَلُوهَا وَ يَزْرَعُوهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا.

"نبی ﷺ نے خیبر یہودیوں کو دے دیا تھا تاکہ وہ اس میں کام کریں، کھیتی باڑی کریں، اور انھیں پیداوار کا نصف حصہ دیا جائے۔"[2]

یہودِ خیبر کی جلاوطنی شرطِ لازم تھی

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو خیبر میں برقرار رکھا تاکہ وہ اپنی جان اور مال بروئے کار لا کر کام کریں اور انھیں کھیتی اور پھلوں کی تمام پیداوار میں سے نصف حصہ دیا جائے گا اور مسلمان جب تک چاہیں گے، انھیں برقرار رکھیں گے، چنانچہ وہ اسی طرح کام کرتے رہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی وہ اسی طرح کام کرتے رہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر خیبر کے یہودیوں نے شدید تشدد کیا، تو آپ نے انھیں خیبر سے جلاوطن کرنے کا حکم دے دیا۔[3] یاد رہے رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا تھا، اس میں بھی واضح طور پر یہ لکھا گیا تھا کہ مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ جب چاہیں یہودیوں کو جلاوطن کر سکیں گے، جیسا کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: ہم خیبر کو زیادہ جانتے

[1] زادالمعاد: 3/335,334۔ [2] صحیح البخاري: 4248 و 2730۔ [3] البداية والنهاية: 4/219-220۔


یہود کی عرب کو ہجرت اور مدینہ سے جلاوطنی
بیت المقدس
(ایلیا)
بحیرۂ روم
فلسطین
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
عمالقہ
کلب
دومۃ الجندل
صحرائے نفود
ایلہ (ایلات)
قضاعہ
بنوکلاب
مدین
تبوک
بلی
اسد
بنو طے
تیماء
ضبا
جذام
بنو عامر
الحجر (مدائن صالح)
عبس وذبیان
فدک
وادی القریٰ
(العلا)
عذرہ
خیبر
بنوثعلبہ
(غطفان)
باہلہ
فزارہ
تمیم
املج
جہینہ
حناکیہ
غطفان
جدیلہ
مدینہ منورہ
(یثرب)
ینبع
نجد
بدر
خزاعہ
مہدالذہب
ہلال
بنوسُلیم
مُریسیع
رابغ
حجاز
بحیرۂ احمر (بحیرۂ قلزم)
ہذیل
لحیان
نوبہ
عسفان
وادی نخلہ
مکہ مکرمہ
جدہ
قریش
سودان
ہوازن
شعیبہ
کنانہ
طائف
کنانہ
تربہ
ثقیف
یہود کی عرب کو ہجرت
بنوقینقاع کی شام کو جلاوطنی (2ھ)
بنونضیر کی خیبر کو جلاوطنی (4ھ)
0
100
200km

اور اسے زیادہ آباد رکھ سکتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے نصف پیداوار پر مصالحت فرمالی اور فرمایا کہ ہم جب تمھیں خیبر سے نکالنا چاہیں گے تو نکال دیں گے۔ [1]

یہودیوں کے اموال پر دست درازی کی ممانعت

نبی اکرم ﷺ نے جب یہودیوں کے ساتھ مساقاۃ (آبپاشی) اور مزارعت کا معاہدہ کر لیا اور انھیں امان دے دی تو مسلمانوں نے ان کے کھیتوں اور باغوں میں جانا شروع کر دیا۔ یہودیوں نے اس کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ لشکرِ اسلام ابھی تک خیبر ہی میں فروکش تھا۔ جب تمام مسلمان جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا: ''یہودیوں نے شکایت کی ہے کہ تم ان کے کھیتوں میں جاتے ہو، حالانکہ ہم نے ان کے خون، ان کے اموال اور ان کی زمینوں وغیرہ کو امن دے رکھا ہے کیونکہ ہم نے ان سے (مزارعت کا) معاملہ کر لیا ہے، لہٰذا معاہدین کے اموال ان کی اجازت کے بغیر حلال نہیں ہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس کے بعد وہ خیبر کی زمینوں کے کسی پھل کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے، بلکہ انھوں نے اس قدر احتیاط کا مظاہرہ فرمایا کہ اگر کوئی یہودی کسی مسلمان کو بلا قیمت پھل وغیرہ دینا چاہتا تو وہ مسلمان اسے قیمت ادا کیے بغیر ہرگز قبول نہ کرتا۔ [2]

ایک حبشی غلام کا قبول اسلام اور شہادت

موسیٰ بن عقبہ نے ایک حبشی غلام کا واقعہ روایت کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان اور شہادت سے بیک وقت سرفراز فرمایا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ اہلِ خیبر میں سے ایک حبشی غلام نے جو اپنے آقا کی بکریاں چرانے کے لیے جا رہا تھا، اس نے جب اہل خیبر کو اس حالت میں دیکھا کہ انھوں نے ہتھیار اٹھا رکھے ہیں، تو اس نے پوچھا: تم لوگوں کے کیا ارادے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہم اس شخص سے جنگ کرنا چاہتے ہیں جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ نبی ﷺ کے ذکر پر وہ چونکا اور بکریوں سمیت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا: آپ کیا کہتے ہیں اور کس کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُو إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَأَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ»

''میں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، یہ کہ تم شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں محمد

1 صحیح البخاري: 2338، جوامع السیرۃ، ص: 213، الکامل في التاریخ: 102/2۔ 2 المغازي للواقدي: 154،153/2.

اللہ کا رسول ہوں، اور یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔''

غلام نے عرض کی: اگر میں یہ شہادت دے دوں اور اللہ پر ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَكَ الْجَنَّةُ إِنْ مُتَّ عَلٰى ذٰلِكَ»

''اگر اسی دین پر تمھاری موت واقع ہو جائے تو تمھیں جنت ملے گی۔''

وہ غلام مسلمان ہوگیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَخْرِجْهَا مِنْ عَسْكَرِنَا وَارْمِهَا بِالْحَصْبَاءِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَيُؤَدِّي عَنْكَ أَمَانَتَكَ»

''انھیں ہمارے لشکر سے باہر نکال کر کنکریاں مار کر بھگا دو، اللہ تعالیٰ تمھاری طرف سے امانت پہنچا دے گا۔''

اس نے اسی طرح کیا تو بکریاں اپنے مالک کے پاس لوٹ گئیں، یوں یہودی کو بھی معلوم ہوگیا کہ اس کا غلام مسلمان ہوگیا ہے۔

اس کے بعد موسیٰ بن عقبہ نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پرچم عطا فرمانے اور علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مرحب کے قتل کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ غلام بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جہاد کرتے کرتے شہید ہوگیا۔ مسلمان اسے اٹھا کر اپنے کیمپ میں لے آئے اور اسے ایک خیمے میں رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خیمے میں دیکھا اور پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوکر فرمایا:

«لَقَدْ أَكْرَمَ اللّٰهُ هٰذَا الْعَبْدَ وَسَاقَهُ إِلٰى خَيْرٍ قَدْ كَانَ الْإِسْلَامُ مِنْ نَفْسِهِ حَقًّا، وَقَدْ رَأَيْتُ عِنْدَ رَأْسِهِ اثْنَتَيْنِ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ»

''اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو عزت عطا فرمائی اور اسے خیر و بھلائی کی طرف پہنچا دیا۔ اس نے دل و جان سے اسلام قبول کیا تھا۔ میں نے اس کے سرہانے موٹی موٹی آنکھوں والی دو حوریں دیکھی ہیں۔''[1]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے غالباً اسی غلام کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں ایسا آدمی ہوں کہ میرا رنگ کالا ہے، چہرہ ناگوار ہے۔ بدبودار ہوں، میرے پاس مال بھی نہیں۔ اگر میں ان یہودیوں سے قتال کرتے ہوئے مارا جاؤں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' یہ سن کر وہ آگے بڑھا، اس نے قتال کیا حتی کہ وہ شہید ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ

1 دلائل النبوۃ للبیہقی: 4/219، 220، البدایۃ والنہایۃ: 4/192، 193.

اس کی لاش کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَطَيَّبَ رُوحَكَ وَكَثَّرَ مَالَكَ»

''اللہ تعالیٰ تمھارے چہرے کو حسین بنا دے، تمھاری بُو کو خوشبو بنا دے اور تمھارے مال کو زیادہ کر دے۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«لَقَدْ رَأَيْتُ زَوْجَتَيْهِ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ تُنَازِعَانِهِ جُبَّتَهُ عَنْهُ يَدْخُلَانِ فِيمَا بَيْنَ جِلْدِهِ وَجُبَّتِهِ»

''میں نے اس کی موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں میں سے دو بیویوں کو دیکھا، وہ اس کا جبہ اتار رہی اور اس کی جلد اور جُبے کے درمیان داخل ہو رہی تھیں۔''[1]

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

امام بیہقی رحمہ اللہ نے شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اعراب میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے اسلام قبول کیا اور آپ کی اتباع اختیار کر لی۔ اس نے عرض کیا: میں آپ کے ساتھ ہجرت کروں گا۔ آپ نے بعض صحابہ کو اس کے بارے میں وصیت فرمائی۔ جب غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کو مالِ غنیمت حاصل ہوا تو آپ نے اسے تقسیم فرما دیا اور اس میں سے اس کا حصہ نکال کر صحابہ کے سپرد کر دیا کیونکہ یہ صحابہ کرام کی سواری کے جانور چراتا تھا۔ جب یہ شخص جانوروں کو واپس لے کر آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے اس کا حصہ دے دیا۔ اس نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ مالِ غنیمت کا وہ حصہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے تمھیں عطا فرمایا ہے۔ وہ اپنا حصہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں نے اس مال کے لیے تو آپ کی اتباع نہیں کی تھی۔ میں نے تو آپ کی اتباع اس لیے کی تھی کہ مجھے اس جگہ تیر لگے...... یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا اور کہا میں اس تیر کی ضرب سے شہید ہونا چاہتا ہوں تاکہ جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: «إِنْ تَصْدُقِ اللّٰهَ يَصْدُقْكَ» ''اگر تم اللہ تعالیٰ سے سچ کہتے ہو تو وہ تمھیں سچا ثابت کر دکھائے گا۔'' پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دشمن سے جنگ کے لیے اٹھے تو وہ بھی اُٹھا اور دشمن سے لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ اس کی لاش اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے لائی گئی، اسے اُسی جگہ تیر لگا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ وہی ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَ اللّٰهَ فَصَدَقَهُ» ''اس نے اللہ سے سچ کہا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسے سچا ثابت کر دکھایا۔'' نبی اکرم ﷺ نے اُسے

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 221/4.

اپنے جبہ مبارک میں کفن دیا، پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ میں آپ نے یہ دعا بھی مانگی:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا عَبْدُكَ خَرَجَ مُهَاجِرًا فِي سَبِيلِكَ قُتِلَ شَهِيدًا، أَنَا عَلَيْهِ شَهِيدٌ»

''اے اللہ! تیرا یہ بندہ تیرے رستے میں ہجرت کے لیے نکلا، شہید کے طور پر قتل ہوا۔ میں بھی اس پر گواہ ہوں۔'' [1]

فدک کے یہودیوں نے اطاعت قبول کرلی

جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے سامنے پہنچے تو آپ نے سیدنا محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فدک کی بستی والوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں لیکن فدک کے یہودیوں کو یقین تھا کہ مسلمان خیبر کو کبھی فتح نہیں کرسکیں گے، لہٰذا انھوں نے اسلام کی دعوت قبول کرنے کے بارے میں لیت و لعل سے کام لیا اور محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوئی واضح جواب نہیں دیا، وہ اس انتظار میں تھے کہ مسلمانوں پر یہودیوں کے غلبہ اور کامیابی کی خبریں آجائیں تاکہ وہ اسلام قبول کرنے سے علی الاعلان صاف انکار کردیں لیکن جب انھیں اپنی توقعات کے برعکس یہ خبر پہنچی کہ قلعہ ناعم کے یہودیوں کو جو کہ سب سے طاقتور یہودی تھے، شکست ہوچکی ہے تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ محیصہ رضی اللہ عنہ کی منتیں کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم نے تم سے جو باتیں کی ہیں، انھیں چھپائے رکھنا کسی پر ظاہر نہ کرنا، ہم تمھیں اس کے بدلے یہ زیورات دے دیں گے.....

باغ فدک



محیصہ رضی اللہ عنہ کو رشوت کا لالچ دینے کے لیے انھوں نے اپنی عورتوں کے بہت سے زیورات جمع کر لیے مگر انھوں نے ان کی اس پیش کش کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے جو جو باتیں کی ہیں وہ میں بلا کم و کاست رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کردوں گا۔ بہرحال فدک کے یہودیوں نے سیدنا محیصہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے قائد نون بن یوشع کی قیادت میں ایک وفد بھی روانہ کیا۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کی طرف سے کی جانے والی تمام باتوں کی رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی۔ اور یہودِ فدک نے اپنی نصف زمین دینے کے معاہدے پر صلح کرلی۔

1 دلائل النبوة للبيهقي: 222/4، سنن النسائي: 1955، البداية والنهاية: 193/4.

معاہدۂ فدک کی شرائط

مؤرخین میں اس امر پر اختلاف ہے کہ فدک کے یہودیوں سے کن شرائط پر مصالحت ہوئی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ مصالحت کے لیے شرط یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ان کی جان بخشی کر کے انھیں جلاوطن فرما دیں گے اور یہودی اپنے سارے اموال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ پیشکش قبول فرمائی تھی۔

بعض مؤرخین کے بقول انھوں نے یہ پیشکش کی تھی کہ وہ اپنے علاقے سے نکل جاتے ہیں، مگر نبی ﷺ کو اپنے اموال میں سے کچھ نہیں دیں گے، جب فصلوں اور پھلوں کی کٹائی کا وقت آئے گا تو وہ خود آ کر کٹائی کریں گے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس شرط کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔

کچھ مؤرخین کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ان کی مذکورہ بالا شرط قبول کرنے سے انکار فرما دیا تو انھوں نے میدان میں مقابلہ کرنے کا پروگرام بنالیا۔ سیدنا محیصہ رضی اللہ عنہ نے انھیں خبردار کرتے ہوئے کہا کہ تم میں مقابلے کی تاب نہیں ہے، تمھارے پاس مقابلہ کرنے والے آدمی ہیں نہ قلعے۔ رسول اللہ ﷺ نے اگر اپنے ایک سو جانباز بھی بھیج دیے تو وہ تمھیں ہانک لے جائیں گے۔ سیدنا محیصہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر وہ گھبرا گئے اور صلح پر آمادہ ہوگئے، رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر ان سے صلح کی کہ فدک کی نصف زمین تمھاری ہوگی اور نصف ہماری۔[1]

یوں لشکر کشی کے بغیر ہی رسول اللہ ﷺ اور فدک کے یہودیوں کے مابین مصالحت ہوگئی، مصالحت کی شرائط کے مطابق فدک کی نصف زمین مسلمانوں کے پاس اور نصف یہودیوں کے پاس رہی حتی کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیبر کے یہودیوں اور ان کے ساتھ ہی فدک کے یہودیوں کو بھی جلاوطن کیا تو آپ نے فدک کی زمینوں کی قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے معاشیات کے ماہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فدک روانہ فرمایا تو انھوں نے فدک کی تمام اراضی اور زرعی زمینوں کی قیمت کا جو اندازہ لگایا، اس کا نصف آپ نے فدک کے یہودیوں کو دے دیا تھا جو پچاس ہزار درہم سے بھی زیادہ تھا۔ پھر آپ نے انھیں خیبر کے یہودیوں کے ساتھ ہی شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔[2]

باغ فدک کا مسئلہ

فدک اور بنو نضیر کے وہ اموال جو مسلمانوں کی طرف سے بغیر کسی جد و جہد اور اونٹ یا گھوڑے دوڑائے بغیر ہی حاصل ہوگئے تھے، وہ سب رسول اللہ ﷺ ہی کے لیے خاص تھے۔ آپ ﷺ ان سے اپنے اہل و عیال کو ایک

1 الكامل في التاريخ: 104/2، السيرة لابن هشام: 368/3، السيرة الحلبية: 760/2، المغازي للواقدي: 165/2.
2 البداية والنهاية: 219/4، المغازي للواقدي: 165/2.

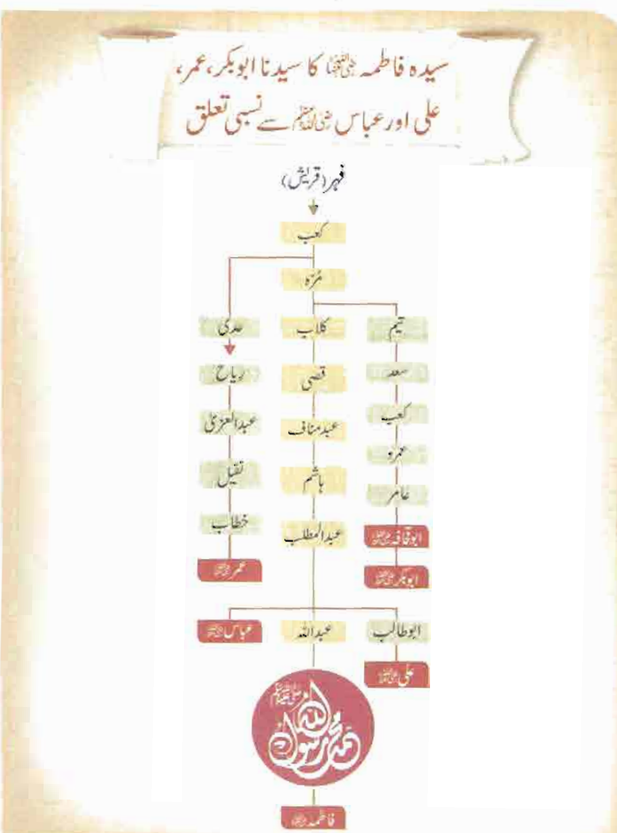
سال کا نان ونفقہ عطا فرما دیتے تھے۔ ان اخراجات کے بعد جو کچھ باقی بچتا تھا، اسے آپ اللہ کا مال قرار دے کر مویشیوں کی افزائش، ہتھیاروں کی تیاری اور مسلمانوں کے مصالح و مفادات کے اُمور پر صرف فرماتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ یہ زمینیں آپ ﷺ کی میراث ہیں۔ انھیں شاید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد مبارک کا علم نہیں تھا:

"لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ"

''ہم (گروہ انبیاء) کا مال وراثت میں تقسیم نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔''[1]

فدک کے بارے میں شیخین کے فیصلے

جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس باغ میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ یہ باغ ان کے سپرد کر دیا جائے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا: "لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ" ''ہمارا مال وراثت میں تقسیم نہیں ہوتا، ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' خلیفۃ الرسول نے مزید فرمایا کہ میں بھی ان کی کفالت کروں گا جن کی رسول اللہ ﷺ کفالت فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بالکل سچ تھا، آپ اس سلسلے میں انتہائی مخلص، نیک نیت اور پوری طرح متبع حق تھے۔ جب ان کی میراث کا مطالبہ ختم ہوگیا، تو سیدنا عباس اور علی رضی اللہ عنہما نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف



1 صحیح البخاری: 3712.

سے یہ مطالبہ پیش کیا کہ اس صدقہ کی دیکھ بھال وہ کریں گے اور اسے انھی مصارف میں صرف کریں گے جن میں رسول اللہ ﷺ اسے خرچ فرمایا کرتے تھے لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرا حق اور فرض ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے قائم مقام کے فرائض انجام دوں اور آپ کے راستے اور طریقے سے سرمو بھی إدھر اُدھر نہ ہوں۔ وہ اور تمام مسلمان خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کیا مقام و مرتبہ حاصل تھا اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارک میں اور بعداز وفات آپ ﷺ کی اور اسلام کی کس کس طرح نصرت و اعانت کی تھی ...... اللہ تعالیٰ انھیں اپنے نبی ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے ......۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سیدنا عباس و علی رضی اللہ عنہما نے پھر سوال کیا کہ اس صدقے کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا جائے اور اس سلسلے میں انھوں نے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ان پر زور بھی ڈلوایا تو انھوں نے یہ مطالبہ تسلیم فرما لیا، اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ بے حد مشغول تھے مملکت بہت وسیع اور رعایا میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا تھا لیکن پھر اس معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے۔ یہ دونوں حضرات اپنا یہ کیس لے کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ دونوں نے اپنی اپنی وکالت کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھی بھیجی اور آپ سے مطالبہ کیا کہ یہ باغ دونوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر ایک اپنے اپنے حصے کی نگہداشت خود کرے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ بات ماننے سے سختی سے انکار فرما دیا کیونکہ آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ تقسیم تو تقسیم میراث کے مشابہ ٹھہرے گی۔ آپ نے فرمایا: تم دونوں مل کر اس کی نگہداشت کرو اور اگر تم ایسا نہ کر سکو تو یہ مجھے لوٹا دو۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں! میں اس بارے میں اس کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ اس فیصلے کے بعد مذکورہ دونوں بزرگ اور ان کی اولاد بنوعباس کے عہد تک اس کی نگہداشت کرتی رہی اور اسے انھی مصارف میں صرف کرتی رہی جن میں رسول اللہ ﷺ اسے صرف فرمایا کرتے تھے۔ [1]

شہدائے خیبر

خیبر کی معرکہ آرائی میں بیس (20) مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

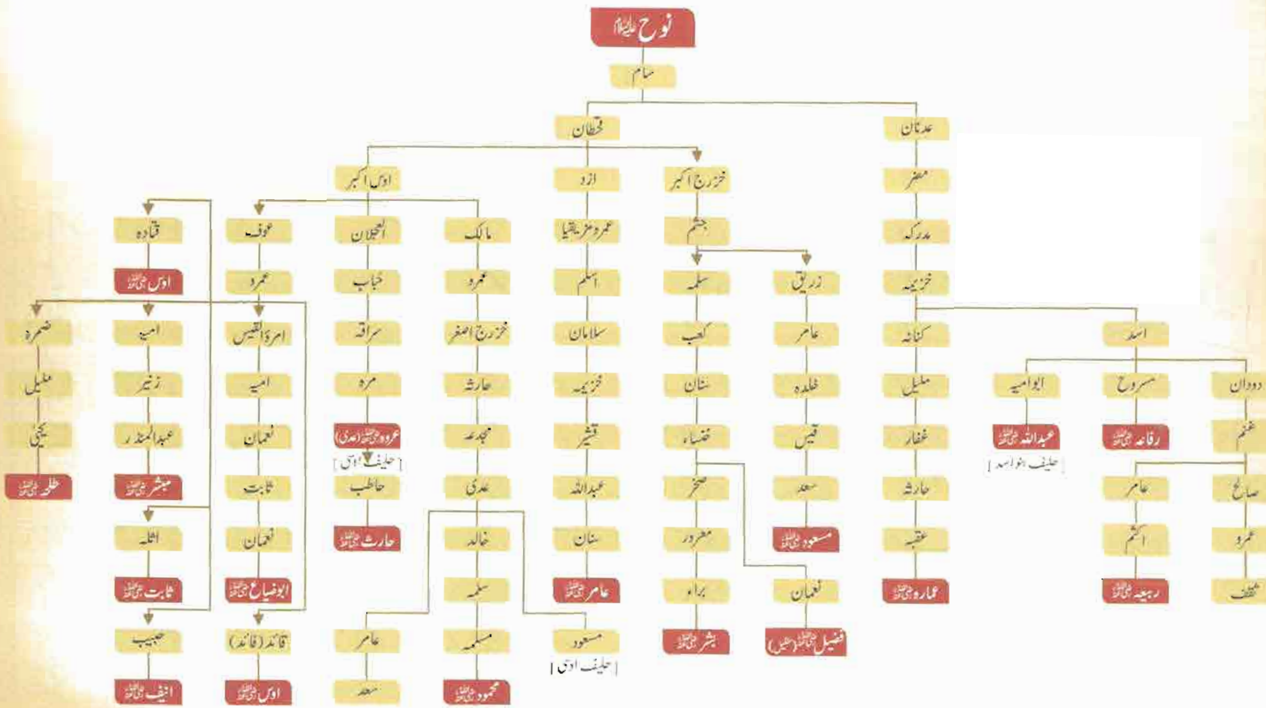
بنوامیہ بن عبد شمس سے

1 ربیعہ بن اکثم بن سخبرہ رضی اللہ عنہ (حلیف)، انھیں نطاۃ میں حارث یہودی نے شہید کیا۔

2 ثقف (ثقیف) بن عمرو رضی اللہ عنہ، انھیں نطاۃ میں اُسیر یہودی نے شہید کیا۔

1 البداية والنهاية: 4/204، 205.

شہدائے خیبر کا شجرہ نسب



3 رفاعہ بن مسروح رضی اللہ عنہ، انھیں بھی نطاۃ میں حارث یہودی نے شہید کیا۔

بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے

1 عبداللہ بن ابی امیہ بن وہب رضی اللہ عنہ (حلیف)، یہ نطاۃ میں شہید ہوئے۔

بنو غفار سے

1 عمارہ بن عقبہ رضی اللہ عنہ، تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔

قبیلہ اسلم سے

1 عامر بن سنان بن اکوع رضی اللہ عنہ، قلعہ ناعم کے پاس مرحب یہودی سے مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ہی تلوار لگنے سے شہید ہو گئے۔

اہل خیبر میں سے

1 سیاہ فام چرواہا، ان کا نام ابن اسحاق نے اسلم اور واقدی نے یسار بیان کیا ہے۔ یہ اسی دن شہید ہو گئے جس دن مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

اشجع سے

1 خاندان اشجع سے بھی ایک شخص شہید ہوا۔

مذکورہ بالا تمام شہداء کا تعلق مہاجرین سے ہے۔ انصار میں سے جام شہادت نوش فرمانے والوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

خزرج سے

1 بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ

2 فضیل (طفیل) بن نعمان رضی اللہ عنہ

3 مسعود بن سعد بن قیس رضی اللہ عنہ

اوس سے

1 محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، انھیں مرحب یہودی نے قلعہ ناعم کے اوپر سے ان کے سر پر چکی کا پاٹ گرا کر شہید کر دیا تھا۔

2 ابوضیاح حارثہ (نعمان) بن ثابت بن نعمان رضی اللہ عنہ

3 حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ

4 عروہ (عدی) بن مرہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

5 اوس بن قائد (فائد) رضی اللہ عنہ

6 انیف بن حبیب رضی اللہ عنہ

7 ثابت بن اثلہ رضی اللہ عنہ

8 طلحہ بن یحییٰ بن ملیل رضی اللہ عنہ

9 مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

10 اوس بن قتادہ رضی اللہ عنہ

بنوزہرہ سے

1 مسعود بن ربیعہ رضی اللہ عنہ (حلیف) [1]

یہودی مقتولین

خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہونے والے یہودیوں کی تعداد ترانوے (93) تھی۔[2] ان میں سے اکثر خیبر شہر کے نصف اول کے علاقوں نطاۃ اور شق کی معرکہ آرائیوں میں مارے گئے۔ یہودی مقتولین میں ان کے گیارہ بڑے بڑے زعماء وقائدین بھی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

1 مشہور یہودی سورما مرحب جس کی مبارزت قبول کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کیا اور ایک قول کے مطابق اُسے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قلعہ ناعم کے سامنے قتل کیا۔

2 ابوزینب حارث، یہ مرحب کا بھائی تھا اور اسے قلعہ ناعم کے سامنے مبارزت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔

3 یاسر کو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے مبارزت میں قلعہ ناعم کے سامنے قتل کیا۔

4 عامر کو علی رضی اللہ عنہ نے مبارزت میں قلعہ ناعم کے سامنے ہلاک کر دیا۔

5 یوشع کو حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے مبارزت میں قلعہ صعب کے سامنے قتل کیا۔

1 البداية والنهاية: 215/4، السيرة لابن هشام: 358,357/3، جوامع السيرة لابن حزم، ص: 215-217، المغازي للواقدي: 160/2.
2 المغازي للواقدي: 160/2.

6 دیال کو عمارہ بن عقبہ غفاری رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

7 سلام بن مشکم، نطاۃ کی معرکہ آرائیوں میں مارا گیا۔

8 عزول (غزال) کو حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے مبارزت کے دوران شق میں قلعہ ابی کے سامنے قتل کیا۔

9 اسیر قلعہ ناعم کے سامنے مبارزت میں مارا گیا۔

10 کنانہ بن ابی الحقیق کو مجرمانہ خیانت اور عہد شکنی کی وجہ سے خیبر کے دوسرے حصے میں ہلاک کر دیا گیا۔

11 ربیع بن ابی الحقیق کو بھی مذکورہ بالا جرم کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔[1]

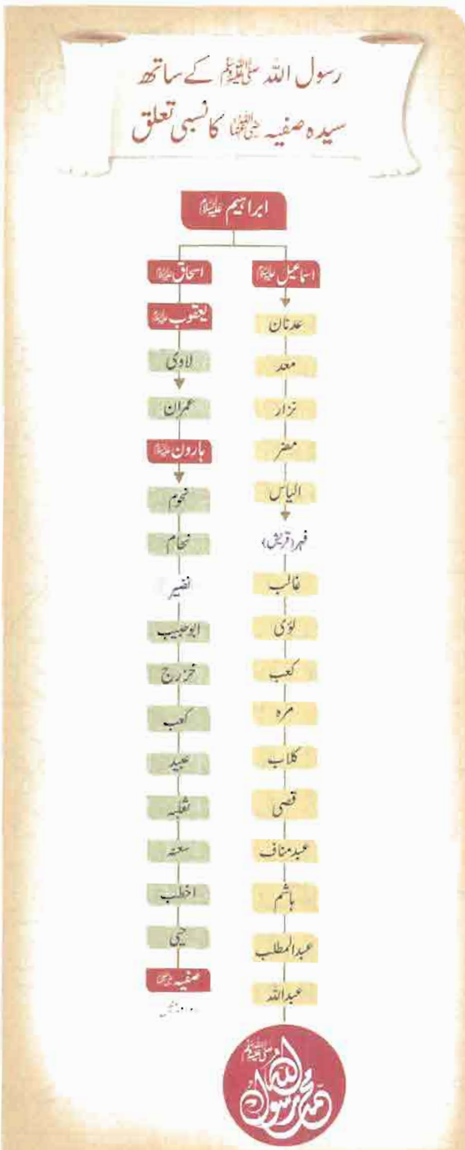
[1] المغازي للواقدي: 2/160، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1/1080، 1081.

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی

مسلمانوں کے ہاتھوں جو خواتین قیدی بن کر آئیں، ان میں صفیہ بنت حُیی بن اخطب بھی شامل تھیں۔ حیی بن اخطب بنونضیر کے یہودیوں کا سردار اور نبی کریم ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا۔ صفیہ خیبر کے سردار کنانہ بن ابی الحُقیق کی بیوی تھیں، اس سے پہلے انھوں نے سلّام بن مشکم سے شادی کی تھی مگر ابھی ان کی رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی کہ اُس نے اُنھیں طلاق دے دی تھی۔[1]

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جب یہودی سردار کنانہ بن ربیع بن ابی الحُقیق کے نکاح میں تھیں، انھوں نے خواب میں دیکھا کہ چاند ان کی گود میں آ گیا ہے۔ انھوں نے اپنے شوہر کنانہ کو یہ خواب سنایا تو اس نے غضبناک ہو کر ان کے چہرے پر اس قدر زور سے تھپڑ مارا کہ آنکھ پر سبز رنگ کا نشان پڑ گیا۔ اس نے بڑی برہمی سے کہا: کیا تو یہ چاہتی ہے کہ بادشاہ یثرب (نبی ﷺ) تیرا شوہر بن جائے۔[2]



1 الطبقات لابن سعد: 120/8، السیرة الحلبیة: 746/2.

2 البدایة والنهایة: 197/4، السیرة لابن هشام: 351/3

سیدہ صفیہ کی تقدیر جگمگا اُٹھی

تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سیدہ صفیہ ؓ مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بن کر آئی تھیں۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ آپ کو قلعہ قموص سے گرفتار کیا گیا تھا جو آپ کے شوہر کنانہ بن ابی الحقیق کا قلعہ تھا اور خیبر کے دوسرے حصے میں واقع تھا۔[1]

واقدی کے بقول آپ کو قلعہ نزار میں پکڑا اور قیدی بنایا گیا تھا، جو خیبر شہر کے پہلے حصے میں واقع تھا اور اس میں ابن ابی الحقیق کا کوئی قلعہ نہیں تھا، واقدی نے اس کا سبب بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے عورتوں اور بچوں کو کتیبہ کی طرف منتقل کر کے نطاۃ کے قلعہ کو جنگجوؤں کے لیے خالی کر دیا تھا، اس لیے مسلمان صرف انھی لوگوں کو قیدی بنا سکے جو قلعہ نزار میں موجود تھے اور ان میں سیدہ صفیہ، ان کی ایک چچازاد بہن اور کچھ دیگر عورتیں بھی تھیں۔ کنانہ بن ابی الحقیق کی رائے کے مطابق قلعہ نزار زیادہ مضبوط تھا۔ جس صبح رسول اللہ ﷺ شق کی طرف روانہ ہوئے، اس رات کو اس نے عورتوں اور بچوں کو قلعہ نزار میں منتقل کر دیا تھا حتی کہ سیدہ صفیہ ؓ، ان کی چچازاد بہن اور ان کے ساتھ یہودیوں کے جو بچے تھے، وہ سب گرفتار ہو گئے۔ کتیبہ میں اس وقت یہودیوں کی دو ہزار سے زیادہ عورتیں اور بچے موجود تھے۔[2]

سیدنا انس ؓ سے روایت ہے کہ دِحیہ ؓ آئے اور انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! قیدیوں میں سے ایک باندی مجھے بھی عطا فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً» ''جاؤ اور ایک باندی لے لو۔'' انھوں نے صفیہ کو لے لیا تو ایک شخص آیا، اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ نے دحیہ کو صفیہ دے دی ہے۔ وہ تو قریظہ و نضیر کی شہزادی ہے، اور آپ ہی کے لیے موزوں ہے۔ آپ نے فرمایا: «ادْعُوهُ بِهَا» ''اسے اس (صفیہ) سمیت بلاؤ۔'' دحیہ ؓ اسے لے کر آ گئے اور جب نبی ﷺ نے صفیہ کی طرف دیکھا تو دحیہ ؓ سے فرمایا: «خُذْ جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا» ''قیدیوں میں سے اس کے سوا کوئی اور باندی لے لو۔'' ...... پھر نبی ﷺ نے صفیہ کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لی۔[3]

اس طرح بنونضیر کے یہودیوں کے سردار اور آنحضرت ﷺ کے شدید ترین دشمن حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ امہات المؤمنین کی صف میں شامل ہو کر ان تمام حقوق اور اعزازات کی مستحق قرار پائیں جو ام المؤمنین عائشہ

1 السيرة لابن هشام: 345,344/3. 2 المغازي للواقدي: 138/2. 3 صحيح البخاري: 371

بنت ابی بکر صدیق، ام المؤمنین سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب اور دیگر تمام ازواج مطہرات کو حاصل تھے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ أَجْمَعِينَ .

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دحیہ رضی اللہ عنہ سے اس لیے واپس لے لیا کہ وہ ایک سردار کی بیٹی اور دوسرے سردار کی بیوی تھیں، لہٰذا اس مرتبے کی خاتون کو دوسری عام باندیوں کی طرح تقسیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سیدہ صفیہ کی تسکین قلب کے لیے یہی ضروری تھا کہ انھیں ازواج مطہرات کی صف میں شامل ہونے کا شرف عطا کیا جاتا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انھیں آزاد کر کے یہ اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہیں تو انھیں پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کے اہل خانہ کے پاس واپس بھیج دیا جائے اور اگر وہ چاہیں تو نبی اکرم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آ جائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی اور انھوں نے برضا و رغبت یہودیت کو خیر باد کہہ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور سید الانبیاء ﷺ سے نکاح کو ترجیح دی۔ یوں وہ امہات المؤمنین کی صف میں شامل ہونے کا لازوال اعزاز و امتیاز پا کر ہمیشہ کے لیے انتہائی محترم شخصیت بن گئیں۔

نبی ﷺ کے بارے میں صفیہ رضی اللہ عنہا کے تاثرات

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب میں گرفتار ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی تو اس وقت مجھے دنیا میں سب سے زیادہ نفرت آپ ہی سے تھی کیونکہ آپ میرے باپ، میرے شوہر اور میری قوم کے قاتل تھے مگر جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”صفیہ! میں نے تمھاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا ہے، اس کے لیے تم سے معذرت کرتا ہوں۔ (تم خود سوچو) ان لوگوں نے میرے بارے میں کیا کیا نہیں کیا اور میرے خلاف کیسی کیسی باتیں کیں۔“ اس طرح کے ارشادات سے آنحضرت ﷺ میرے سامنے معذرت فرماتے رہے، آپ ﷺ نے پوری وضاحت سے فرمایا کہ ہم نے تمھاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا، اس پر ہمیں انھی لوگوں نے اپنی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور شرارتوں کی وجہ سے مجبور کیا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ ارشادات سننے کے بعد وہ جذبہ جو میرے دل میں آنحضرت ﷺ کے خلاف پیدا ہوا تھا، نہ صرف نابود ہو گیا بلکہ اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی میری کایا پلٹ گئی اور میرے دل میں ایسا انقلاب برپا ہو گیا کہ اب رسول اللہ ﷺ میرے لیے دنیا کے ہر انسان سے زیادہ محبوب و مکرم تھے۔[1]

آنحضرت ﷺ بھی سیدہ صفیہ کا بڑا لحاظ رکھتے تھے اور بہت دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو بخوبی

1 السيرة الحلبية: 749/2.

احساس تھا کہ ان کے والد اور شوہر قتل ہوگئے ہیں جو یہودیوں کے بہت بڑے سردار تھے۔ خود سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اس بارے میں بیان کرتی ہیں کہ ازواج مطہرات مجھ پر طنز کیا کرتی تھیں، وہ مجھے کہتی تھیں: اے یہودی کی بیٹی! لیکن رسول اللہ ﷺ مجھ سے بے حد لطف و کرم اور محبت و شفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ تشریف لائے۔ میں رو رہی تھی، آپ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، میں نے جواب دیا: آپ ﷺ کی بیویاں مجھ پر طنز کرتی ہیں اور مجھے یہودی کی بیٹی کہہ کر مخاطب کرتی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ بہت ناراض ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قَالُوا لَكِ أَوْ فَاخَرُوكِ فَقُولِي: أَبِي هَارُونُ وَ عَمِّي مُوسٰی»

''جب وہ تم پر طنز کریں یا فخر کا اظہار کریں تو ان سے کہنا کہ میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔''[1]

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب عروسی

جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاص ایام سے پاک ہوگئیں تو آپ نے انھیں ام سلیم رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا تا کہ وہ انھیں بنا سنوار دیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے قبے ہی میں ان کے ساتھ شب عروسی بسر فرمائی۔ اس رات سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ کے قبہ کے باہر ننگی تلوار لیے پہرہ دیتے ہوئے چاروں طرف گھومتے رہے۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ کو قبہ کے باہر کھڑے دیکھا۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: «مَا لَكَ يَا أَبَا أَيُّوبَ؟» ''ابوایوب! کیا بات ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ ﷺ کے بارے میں اس خاتون کی طرف سے بڑا خطرہ تھا کیونکہ اس کا باپ، شوہر اور اس کی قوم کے لوگ قتل ہوئے ہیں اور اس خاتون کو کفر چھوڑے ہوئے بھی زیادہ دیر نہیں گزری، اس لیے میں رات بھر آپ کی حفاظت کے خیال سے یہیں پہرہ دیتا رہا ہوں۔

ابوایوب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

اس پر نبی ﷺ نے سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی:

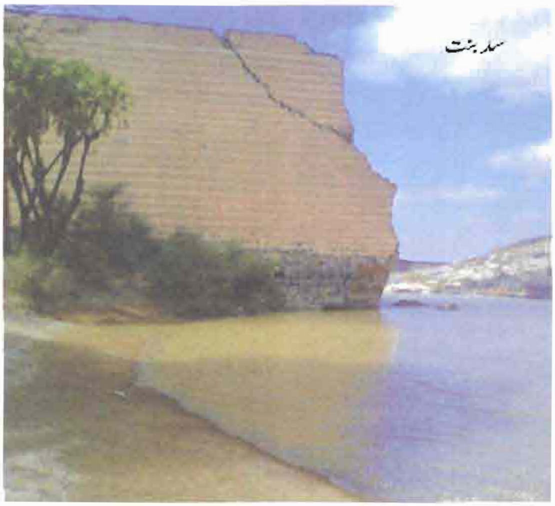
«اَللّٰهُمَّ احْفَظْ أَبَا أَيُّوبَ كَمَا بَاتَ يَحْفَظُنِي»

''اے اللہ! ابوایوب کی بھی اسی طرح حفاظت فرما جس طرح اس نے رات بھر میری حفاظت کی ہے۔''[2]

[1] المغازي للواقدي: 142/2. [2] السيرة لابن هشام: 355,354/3، المستدرك للحاكم: 29,28/4.

دعوت ولیمہ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے موقع پر دعوت ولیمہ کا واقعہ سنایا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم خیبر میں آئے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلعے پر فتح عطا فرما دی تو آپ کے



سامنے صفیہ بنت حیی بن اخطب کے حسن و جمال کا ذکر کیا گیا، وہ ابھی دلہن ہی بنی تھیں کہ ان کا شوہر قتل ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے لیے منتخب فرما لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے اور جب ''سدالصہباء''[1] کے مقام پر پہنچے تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے ایام سے فارغ ہوگئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ شب زفاف بسر فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حیس''[2] تیار کرایا جسے چمڑے کے چھوٹے سے دستر خوان پر رکھا گیا، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: «آذِنْ مَنْ حَوْلَكَ» ''اپنے آس پاس کے لوگوں کو بلالو۔'' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ولیمہ تھا، پھر ہم مدینہ کی طرف چل پڑے۔ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو چادر سے ڈھانپ رہے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا گھٹنا رکھا اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھ کر اُونٹ پر سوار ہو گئیں۔[3]

دوسری روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین راتیں قیام فرمایا اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ میں نے مسلمانوں کو بلایا، چمڑے کے دستر خوان بچھائے گئے اور ان پر کھجور، پنیر اور گھی رکھ دیا گیا۔ مجاہدین نے پوچھا: کیا صفیہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں شامل ہیں یا آپ کی باندی ہیں؟ میں نے کہا کہ اگر انھوں نے حجاب کرلیا تو وہ امہات المومنین میں سے ہیں اور اگر حجاب نہ کیا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے کوچ فرمایا تو انھیں اپنے پیچھے سوار کرایا اور ان پر حجاب ڈال دیا۔[4]

1 سد کے معنی پہاڑ کے ہیں اور صہباء ایک جگہ کا نام ہے جو خیبر سے ایک برید یعنی تقریباً 22 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ (النهاية: 353/2، فتح الباري: 480/7) 2 حیس ایک کھانا ہے جو کھجور، گھی اور ستو سے تیار کیا جاتا ہے۔ 3 صحيح البخاري: 4211.
4 صحيح البخاري: 4213

حجاج بن علاط کا قبولِ اسلام

خیبر ہی میں حجاج بن علاط سُلمی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ یہ بہت دولت مند آدمی تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا مال مکے میں میری بیوی کے پاس ہے اور وہاں کے تاجروں میں بھی بٹا ہوا ہے، لہٰذا مجھے اجازت عطا فرمائیں کہ میں مکے میں جا کر اپنا مال و دولت لے آؤں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب میرا قبولِ اسلام پوشیدہ رہے۔ اگر مکے والوں کو میرے اسلام کے بارے میں معلوم ہو گیا تو وہ قطعی طور پر مجھے میرا مال نہیں دیں گے۔

حرم مکہ



رسول اللہ ﷺ نے انھیں اجازت دے دی۔ حجاج نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ان سے مال واپس لینے کے لیے یہ ضرورت بھی ہوگی کہ میں ان سے حیلوں بہانوں سے مال وصول کروں اور کچھ خلاف واقعہ باتیں بھی کہوں۔ آپ ﷺ نے انھیں اس کی بھی اجازت دے دی۔ حجاج کہتے ہیں کہ میں آپ سے اجازت لے کر مکے پہنچا اور سیدھا حرم میں گیا۔ وہاں قریش کی محفل برپا تھی۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کے خیبر پر حملہ آور ہونے کی خبر معلوم ہو چکی تھی۔ قریش خیبر والوں کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ لوگ بہت طاقتور ہیں اور ان کے حفاظتی انتظامات بھی بہت اچھے ہیں۔ اب قریش اس بارے میں مزید خبریں معلوم کرنے کے لیے بے قرار تھے کیونکہ انھوں نے آپس میں سو اونٹوں کی شرط لگا رکھی تھی۔ حویطب بن عبدالعزیٰ اور کچھ دوسرے لوگ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو فتح ہوگی اور عباس بن مرداس اور اس کے بعض ساتھی کہتے تھے کہ خیبر والوں کو فتح ہوگی۔

خیبر کے بارے میں قریش کے لیے ''خوش کن'' خبر

جیسے ہی ان لوگوں نے حجاج بن علاط کو حرم میں داخل ہوتے دیکھا تو وہ بے ساختہ پکار اٹھے کہ لو حجاج آ گئے ہیں، اللہ کی قسم! ان کے پاس ضرور تازہ خبریں ہوں گی۔ انھیں حجاج کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خبر نہیں تھی۔ انھوں نے

پوچھا کہ اے حجاج! ہم نے سنا ہے کہ قاطع ،یعنی ایک سے دوسرے کو کاٹنے والے ..... وہ ظالم رسول اللہ ﷺ کو اس نام سے پکارتے تھے...... نے خیبر کی طرف کوچ کیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے پاس ایسی خبریں ہیں جن سے تمھارے دل خوش ہو جائیں گے۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ میرے اردگرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ حجاج! وہ خبریں کیا ہیں؟ میں نے کہا: خیبر کے لوگوں سے بہتر جنگجوؤں سے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اب تک واسطہ نہیں پڑا تھا، لہٰذا خیبر میں مسلمانوں کو شکست فاش ہوئی ہے،خود محمد ﷺ گرفتار ہو گئے ہیں۔خیبر والوں نے کہا ہے کہ ہم انھیں یہاں قتل نہیں کریں گے بلکہ مکے لے جائیں گے اور وہاں سب کے سامنے قتل کریں گے۔

یہ سنتے ہی مکے کے لوگ خوشی سے اُچھل پڑے اور چلا چلا کر کہنے لگے: لو خبر آ گئی ہے کہ محمد ﷺ آنے والے ہیں۔انتظار کرو، انھیں یہیں لایا جائے گا اور تمھارے سامنے قتل کیا جائے گا۔

حجاج کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے قریش سے کہا: میرا مال اکٹھا کرنے میں میری مدد کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ خیبر پہنچ کر میں بھی وہ مالِ غنیمت حاصل کروں جو محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے قبضے سے ملا ہے تا کہ دوسرے تاجر مجھ سے پہلے وہاں پہنچ کر فائدہ نہ اٹھالیں۔

قریش نے نہایت مستعدی اور سرگرمی سے میرا مال لا کر ایک جگہ جمع کر دیا۔ مکے میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی جس کی وجہ سے مشرکین خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔ دوسری طرف مکے میں رہنے والے مسلمانوں کو اس خبر سے بے حد صدمہ ہوا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی بے کلی

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بھی یہ وحشت اثر خبر سنی تو صدمے سے نڈھال ہو گئے۔ انھوں نے فوراً اپنا ایک غلام حجاج کے پاس بھیجا جس نے اللہ کا واسطہ دے کر ان سے پوچھا کہ تم جو خبر لائے ہو، کیا وہ واقعی سچ ہے؟ حجاج نے اسے جواب دیا کہ عباس کو میرا سلام پہنچا دو اور کہو کہ اپنے گھر کے کسی علیحدہ کمرے میں میرا انتظار کریں، میں ان کے پاس آ کر انھیں ایسی خبر سناؤں گا جس سے ان کا سارا غم دور ہو جائے گا لیکن انھیں چاہیے کہ وہ میری آمد کو سب سے مخفی رکھیں۔

عمِ رسول کی بے تحاشا مسرت

غلام نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام سنایا تو وہ خوشی سے اچھل پڑے، اسی وقت اس غلام کو آزاد کر دیا اور قسم کھا کر کہا کہ مجھ پر دس غلام آزاد کرنے واجب ہو گئے ہیں۔

حجاج سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ سب سے پہلے آپ قسم کھا کر یہ عہد کریں کہ تین دن تک میرے معاملے کو کسی پر ظاہر نہیں کریں گے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے یہ وعدہ کرلیا تو حجاج نے انھیں بتایا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں، میرا تمام مال یہاں میری بیوی کے پاس ہے اور لوگوں سے مجھے بہت سا قرض بھی لینا ہے۔ اگر ان لوگوں کو میرے مسلمان ہونے کا علم ہوگیا تو میرے سارے مال پر قبضہ کرلیں گے۔ صورت حال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو فتح فرما لیا ہے۔ خیبر سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حصے بھی تقسیم ہو چکے ہیں، یہودیوں کا سردار ابن ابی الحقیق بھی قتل ہو چکا ہے اور رسول اللہ ﷺ یہودیوں کے بادشاہ حُیی بن اخطب کی بیٹی سے شادی کر چکے ہیں۔

حجاج شام کو اپنا مال سمیٹ کر مکے سے واپس روانہ ہوگئے۔ ادھر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو یہ تین دن گزارنے بہت مشکل ہورہے تھے جن میں انھوں نے اس معاملے کو رازداری میں رکھنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ حجاج کے چلے جانے کے تین دن بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا بہترین حلّہ نکال کر زیب تن فرمایا، بہترین خوشبو استعمال کی اور پھر ہاتھ میں چھڑی لے کر خراماں خراماں قریش کی مجلس میں چلے گئے۔ قریش نے ان سے کہا: ''ابوالفضل! تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ تمھارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اللہ کی قسم! یہ تو سخت مصیبت کے وقت صبر و استقامت کے مظاہرے کا موقع ہے۔''

قریش کی ندامت

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: ''ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہے! اللہ کا شکر ہے میرے لیے تو خیر ہی خیر ہے۔ حجاج نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خیبر پر فتح عطا فرمائی ہے۔ وہاں سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حصے بھی جاری ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے سربراہ حیی بن اخطب کی بیٹی سے شادی بھی کرلی ہے۔ حجاج نے تم سے جو باتیں کی ہیں، وہ تمھارے قبضے سے اپنا مال نکالنے کے لیے کی ہیں ورنہ وہ تو مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔

یہ سنتے ہی غم و فکر کی جو گھٹائیں تین دن سے مسلمانوں کے سروں پر چھائی ہوئی تھیں یک بیک مشرکین مکہ پر برسنے لگیں۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور کہنے لگے: اللہ کا دشمن حجاج بچ کر نکل گیا۔ اللہ کی قسم! اگر اس وقت ہمیں صحیح صورت حال معلوم ہو جاتی تو ہم اس کا بہت برا حال کر دیتے۔

اس کے بعد جلد ہی کئی دوسرے لوگوں نے بھی مکہ پہنچ کر صحیح حالات بتائے جس سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی بات

کی تصدیق ہوگئی۔ [1]

عباس رضی اللہ عنہ کا حجاج اور ان کی زوجہ سے مکالمہ

اس واقعے کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوہ میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ حجاج بن علاط نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکے جانے اور اپنا مال نکالنے کے لیے خلاف واقعہ باتیں کہنے کی اجازت لے لی اور پھر مکے پہنچ کر سیدھے اپنی بیوی کے پاس گئے۔ انھوں نے بیوی سے کہا کہ میرے متعلق کسی کو کچھ نہ بتانا، تمھارے پاس میرا جو مال ہے، وہ مجھے دے دو۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے چھینا ہوا مالِ غنیمت خریدنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ سب پکڑے گئے ہیں اور ان کا مال و دولت یہودیوں کے قبضے میں آگیا ہے۔ یہ خبر مکے میں فوراً پھیل گئی اور سب لوگ بے پناہ خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ مشرکین کو اس بات سے جتنی خوشی ہوئی، مسلمانوں کو اتنا ہی شدید رنج و ملال ہوا۔ پھر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے حجاج کے پاس اپنا آدمی بھیجا تو انھوں نے کہا کہ میرا انتظار کرو، پھر حجاج نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ کر فتح کی خوشخبری سنائی اور بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ بنت حیی بن اخطب کو اپنے لیے منتخب فرما کر انھیں اختیار دیا کہ اگر ان کی مرضی ہو تو آپ انھیں آزاد کرکے ان سے شادی کرلیں یا وہ اپنے رشتہ داروں کے پاس واپس چلی جائیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی پسندیدگی ظاہر کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں آزاد ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرنے کو ترجیح دوں گی۔ اپنے رشتہ داروں کے پاس واپس نہیں جاؤں گی۔ پھر حجاج نے کہا کہ میں تو یہاں صرف اپنا جمع شدہ مال واپس لینے آیا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لی تھی کہ اپنا مال نکالنے کے لیے میں یہاں موقع محل کی مناسبت سے کوئی بھی بات کہہ سکتا ہوں، پھر انھوں نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے تین دن تک راز داری کا حلف لیا، ادھر ان کی بیوی نے مال جمع کرلیا اور یہ اپنا مال لے کر مکے سے چلے گئے۔

تین دن کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ حجاج کی بیوی کے پاس پہنچے۔ انھوں نے پوچھا: تمھارے شوہر کیا کر گئے ہیں؟ اس نے کہا: وہ تو چلے گئے مگر اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی غم نہ دے، آپ نے بھی وہ خبر سنی ہوگی۔ آپ کے اس غم میں ہم بھی شریک ہیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے غموں سے دور ہی رکھا ہے، وہاں جو کچھ پیش آیا ہے، وہ وہی ہے جس کی مجھے آرزو تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو خیبر میں فتح عطا فرمائی ہے، صفیہ بنت حیی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کرلی ہے۔ اب اگر تمھیں اپنے شوہر کی ضرورت ہے تو تم اسی

[1] المغازي للواقدي: 2/161-164، السيرة لابن هشام: 3/359-361.

کے پاس چلی جاؤ۔

اس عورت نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں نے تو آپ کو ہمیشہ سچا سمجھا ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں سچ کہہ رہا ہوں، واقعہ اسی طرح ہے۔ پھر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ قریش کی مجلس میں آئے اور وہی باتیں کیں جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ [1]

نبی اکرم ﷺ کو شہید کرنے کی سازش

سرور دو عالم ﷺ چاہتے تو یہودیوں کے ساتھ کوئی سخت رویہ بھی اختیار فرما سکتے تھے، انھیں خیبر سے فی الفور مکمل طور پر جلاوطن کر سکتے تھے، ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے سکتے تھے، ان سب کو غلامی کی زنجیریں پہنائی جا سکتی تھیں مگر رحمۃ للعالمین ﷺ نے ان سے رحمت و شفقت کا معاملہ فرمایا اور انھیں بدستور خیبر کے باغوں اور کھیتوں میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کے باوجود یہودیوں کی شرارتوں اور خباثتوں میں کوئی کمی نہ آئی۔ انھوں نے رحمت کائنات فخر موجودات ﷺ کو شہید کرنے کی ایک ناپاک اور مذموم سازش تیار کی اور اس کے لیے ایک یہودی عورت کو آلۂ کار بنایا جس کا نام زینب بنت حارث تھا۔ وہ سلام بن مشکم ...... جو قلعہ نطاۃ میں مارا گیا تھا ...... کی بیوی اور مرحب کے بھائی حارث کی بیٹی تھی۔ اس نے نبی ﷺ کی دعوت کی اور کھانے میں بھنی ہوئی بکری پیش کی جس کا گوشت زہر آلود تھا۔ اس نے یہ بات پہلے ہی معلوم کر لی تھی کہ آپ ﷺ کو دستی کا گوشت زیادہ پسند ہے، اس لیے اس نے دستی کے گوشت میں بہت زیادہ زہر ڈال دیا تھا۔ آپ ﷺ نے دستی کا گوشت لے کر اس میں سے ایک ٹکڑا چبایا لیکن نگل نہ سکے، چنانچہ آپ نے فوراً لقمہ منہ سے نکال دیا۔ [2] آپ ﷺ کو گوشت کے ٹکڑے نے بتا دیا کہ مجھے زہر لگایا گیا ہے۔ [3]

نبی ﷺ نے فرمایا:

«اجْمَعُوا إِلَيَّ مَنْ كَانَ هٰهُنَا مِنَ الْيَهُودِ»

''یہاں جس قدر بھی یہودی ہیں، ان سب کو میرے پاس جمع کرو۔''

ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے جب سب کو جمع کر لیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا:

«إِنِّي سَائِلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ، فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقُونِي عَنْهُ؟»

1 دلائل النبوة للبيهقي: 4/265-267، مسند أحمد: 3/138، 139. 2 السيرة لابن هشام: 3/352. 3 سنن أبي داود: 4510، البداية والنهاية: 4/210، 211.

''میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟''

انھوں نے جواب دیا: جی ہاں ابوالقاسم! رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: «مَنْ أَبُوكُمْ؟» ''تمھارا باپ کون ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ہمارا باپ فلاں ہے۔ آپ نے فرمایا: «كَذَبْتُمْ، بَلْ أَبُوكُمْ فُلَانٌ» ''تم جھوٹ بولتے ہو، تمھارا باپ تو فلاں شخص ہے۔'' انھوں نے کہا: آپ بالکل سچ فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا: «هَلْ أَنْتُمْ صَادِقُونِي عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ؟» ''اگر میں تم سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟'' انھوں کہا: ہاں ابوالقاسم! اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا جیسا کہ اپنے باپ کے بارے میں ہمارا جھوٹ آپ کو معلوم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَهْلُ النَّارِ؟» ''دوزخ میں کون جائیں گے؟'' انھوں نے کہا: تھوڑی دیر کے لیے ہم اس میں جائیں گے، پھر ہمارے بعد آپ اس میں آ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: «اخْسَئُوا فِيهَا، وَاللّٰهِ! لَا نَخْلُفُكُمْ فِيهَا أَبَدًا» ''تم ہی ذلیل و رسوا ہو کر اس میں رہو گے، اللہ کی قسم! ہم تمھارے بعد اس میں کبھی نہیں آئیں گے۔'' پھر آپ نے فرمایا: «هَلْ أَنْتُمْ صَادِقُونِي عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ؟» ''میں اگر تم سے کوئی سوال پوچھوں تو کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟'' انھوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: «هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هٰذِهِ الشَّاةِ سَمًّا؟» ''کیا تم نے اس بکری (کے گوشت) میں زہر ڈالا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: «مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ؟» ''تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ہم نے یہ چاہا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں، تو ہم آپ سے نجات پالیں گے اور اگر آپ نبی ہیں تو اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔[1]

اس یہودی عورت کو بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا جس نے یہ حرکت کی تھی۔ اس نے اعتراف کرلیا کہ میں نے آپ کو قتل کرنا چاہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُسَلِّطَكِ عَلٰى ذَاكِ»

''اللہ تعالیٰ تجھے کبھی اس میں کامیاب نہیں ہونے دے گا۔''

صحابہ کرام نے عرض کیا: کیا ہم اس کو قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' آپ ﷺ نے اس سے درگزر فرمایا اور اسے کوئی سزا نہ دی۔[2] پھر آپ نے گردن کے قریب پشت کے بالائی حصے پر پچھنا لگوالیا۔ عورت کے قتل کیے جانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام زہری کا قول ہے کہ وہ مسلمان ہوگئی تھی، اس لیے اسے چھوڑ دیا گیا

1 صحيح البخاري: 5777. 2 السيرة لابن هشام: 353,352/3، سنن أبي داود: 4508

تھا اور معمر کا قول ہے کہ نبی ﷺ نے اسے قتل کرا دیا تھا۔ سنن ابی داود میں ہے کہ اس زہر آلود گوشت کھانے سے سیدنا بشر بن براء بن معرور ؓ فوت ہو گئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس عورت کو قتل کر دیا گیا۔ [1]

دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے پہلے تو قتل نہیں کرایا تھا لیکن جب بشر ؓ فوت ہو گئے تو آپ ﷺ نے بطور قصاص اس کے قتل کا حکم صادر فرما دیا۔ [2]

اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ کیا نبی ﷺ نے یہ زہر آلود گوشت کھایا تھا یا نہیں؟ اکثر روایات میں ہے کہ آپ نے کھانا چاہا تھا لیکن نہیں کھا سکے اور اس کے بعد آپ تین سال حیات رہے حتی کہ آپ ﷺ نے مرض وفات میں فرمایا:

«ما أزالُ أجدُ ألمَ الطّعامِ الّذي أكلتُ بخيبرَ فهٰذا أوانُ وجدتُ انقطاعَ أبهري من ذالك السُّمّ»

''خیبر کے دن میں نے بکری کے گوشت کا جو لقمہ چبایا تھا، اس کی وجہ سے ہمیشہ تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں اور اس کی وجہ سے اب یہ میری شہ رگ کٹ رہی ہے۔''

(گزشتہ اوراق میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ آپ ﷺ یہ گوشت نگل نہیں سکے بلکہ اسے تھوک دیا تھا لیکن یہ گوشت اس قدر زہریلا تھا کہ زہر آپ ﷺ کے بدن مبارک میں سرایت کر گیا۔)

امام زہری ؒ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ بھی شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔ [3]

[1] سنن أبي داود: 4514. [2] عون المعبود: 573,572/7. [3] صحيح البخاري: 4428، دلائل النبوة للبيهقي: 264/4

غزوہ خیبر اور چند فقہی احکام

غزوہ خیبر میں پیش آنے والے حالات و واقعات سے ائمہ سلف اور فقہائے محدثین نے بہت سے فقہی احکام و مسائل کا استنباط فرمایا ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

حرمت والے مہینوں میں کفار سے جنگ

غزوہ خیبر سے استدلال کیا گیا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں کفار سے جدال و قتال جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ میں حدیبیہ سے واپس تشریف لائے اور چند روز مدینہ منورہ میں قیام کے بعد محرم میں خیبر تشریف لے گئے تھے۔ امام زہری نے عروہ رحمہ اللہ سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ واقدی نے بھی کہا ہے کہ آپ 7 ھ کے آغاز ہی میں روانہ ہوئے تھے لیکن حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال محل نظر ہے کیونکہ آپ محرم کی ابتدا میں نہیں بلکہ آخر میں روانہ ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے ماہ صفر میں خیبر فتح فرمایا۔

اس سے زیادہ قوی استدلال بیعت رضوان سے ہے کہ آپ نے یہ بیعت قتال کے لیے لی تھی اور اس لیے لی تھی کہ اگر میدان میں لڑنے کی نوبت آئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈٹ کر لڑیں گے۔ راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے اور یہ بیعت ذی قعدہ میں ہوئی تھی لیکن اس واقعے سے استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ آپ نے یہ بیعت اس افواہ کے بعد لی تھی کہ مکے والوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے اور اب وہ آپ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی اور اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ حرمت والے مہینے میں اس وقت قتال جائز ہے جب دشمن کی طرف سے آغاز ہو۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ قتال کا آغاز مسلمان کریں۔ جمہور نے اسے جائز قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال کی حرمت منسوخ ہے۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔[1]

امام عطاء اور کئی دیگر ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ حرمت برقرار ہے، منسوخ نہیں ہے۔ امام عطاء تو اللہ تعالیٰ کی قسم

1 تفسیر ابن کثیر، المائدۃ 2:5.

کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ حرمت والے مہینے میں قتال حلال نہیں، اور نہ کسی چیز نے اس کی حرمت کو منسوخ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے محاصرہ طائف سے استدلال ان دونوں استدلالوں سے زیادہ قوی ہے کیونکہ آپ طائف کی طرف شوال کے آخر میں روانہ ہوئے تھے۔ آپ نے بیس سے زیادہ دنوں تک طائف کا محاصرہ کیے رکھا، ان میں سے کچھ دن راتیں ماہ ذی القعدہ کے تھے کیونکہ آپ نے مکہ مکرمہ 20 رمضان کو فتح فرمایا تھا۔ فتح کے بعد آپ نے انیس دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور ان دنوں میں آپ نماز قصر ادا فرماتے رہے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ، فَنَحْنُ إِذَا سَافَرْنَا تِسْعَةَ عَشَرَ قَصَرْنَا، وَإِنْ زِدْنَا أَتْمَمْنَا.

''نبی ﷺ نے انیس (19) دن قیام فرمایا اور آپ نماز قصر ادا فرماتے رہے، پس ہم جب انیس دن سفر کرتے تو قصر کرتے تھے اور اس سے زیادہ دن ہوتے تو پوری نماز ادا کرتے تھے۔''[1]

شوال کے ابھی بیس دن باقی تھے کہ آپ ﷺ ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہوازن پر فتح عطا فرمائی۔ آپ نے وہاں کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں، پھر طائف کی طرف تشریف لے گئے اور آپ نے اس کا بیس دنوں سے زیادہ مدت تک محاصرہ کیے رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے ذوالقعدہ کا کچھ حصہ یقیناً طائف میں بسر فرمایا۔

ایک قول کے مطابق آپ نے دس سے زیادہ دنوں تک محاصرہ فرمایا۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یقیناً یہی قول صحیح ہے لیکن امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا اس قدر وثوق کے ساتھ اسے صحیح قرار دینا تعجب انگیز ہے کیونکہ صحیحین میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قصہ طائف کے سلسلے میں مروی ہے:

فَحَاصَرْنَاهُمْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فَاسْتَعْصَوْا وَتَمَنَّعُوا.

''پس ہم نے ان کا چالیس دن تک محاصرہ جاری رکھا لیکن وہ سخت جان اور طاقتور ثابت ہوئے۔''[2]

یہ محاصرہ بلاشک و شبہ ذی القعدہ میں ہوا تھا، اس کے باوجود یہ قصہ بھی دلیل نہیں بن سکتا، اس لیے کہ غزوہ طائف، غزوۂ ہوازن ہی کا تکملہ تھا۔ ہوازن نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کا آغاز کیا تھا اور جب انھیں شکست ہوگئی تو ان کا سردار مالک بن عوف نضری ثقیف کے ساتھ طائف کے قلعے میں داخل ہوگیا تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ

[1] صحیح البخاري: 1080. [2] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو ''صحیحین'' کے حوالے سے بیان کیا ہے لیکن صحیحین کی روایات میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ مزید دیکھیے: صحیح مسلم: 1059.

کے ساتھ جنگ کریں۔ گویا طائف والوں کے ساتھ جنگ اسی جنگ کا تکملہ تھا جو آپ نے ہوازن سے لڑی تھی۔ واللہ اعلم۔

سورۃ المائدہ جو قرآن مجید کی سب سے آخری نازل ہونے والی سورت ہے اور اس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُحِلُّواْ شَعَٰٓئِرَ ٱللَّهِ وَلَا ٱلشَّهْرَ ٱلْحَرَامَ وَلَا ٱلْهَدْىَ وَلَا ٱلْقَلَٰٓئِدَ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینوں کی، نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ پٹے پہنائے ہوئے جانوروں کی۔''[1]

اور سورۃ البقرہ میں فرمایا:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلشَّهْرِ ٱلْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ﴾

''(اے نبی!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''[2]

یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں اور ان کے نزول میں آٹھ سال کا فرق ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں ان کے حکم کی ناسخ کوئی دلیل نہیں۔ امت کا اس کے نسخ پر اجماع بھی نہیں ہے اور جو شخص: ﴿ وَقَٰتِلُواْ ٱلْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً ﴾ ''اور تمام مشرکین سے لڑو۔'' (التوبۃ 36:9) جیسے عمومات سے استدلال کرے، تو نسخ کے لیے یہ استدلال صحیح نہیں ہے اور جو شخص یہ استدلال کرے کہ نبی ﷺ نے ابو عامر کو سریہ اوطاس میں ذی القعدہ میں روانہ فرمایا تھا تو یہ استدلال بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ بھی اس غزوے کا تکملہ تھا جس میں مشرکین کی طرف سے لڑائی کا آغاز ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا آغاز نہیں ہوا۔[3]

پالتو گدھوں کا گوشت حرام ہے

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا اور یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے حرمت کا سبب یہ بیان فرمایا کہ یہ ناپاک ہیں[4] اور یہ قول ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے مقدم ہے جنھوں نے یہ کہا ہے کہ 1 ان کی حرمت کا سبب یہ تھا کہ یہ سواری اور باربرداری کے لیے تھے۔ جب آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ گدھوں کے کھائے جانے کی وجہ سے سواریاں ختم ہوگئی ہیں تو آپ

1 المآئدۃ 2:5۔ 2 البقرۃ 217:2۔ 3 زادالمعاد 3/339-341۔ 4 صحیح البخاری: 5528۔

نے انھیں حرام قرار دے دیا۔ 2 بعض نے کہا ہے کہ انھیں حرام اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ ان میں سے خمس ادا نہیں کیا گیا تھا۔ 3 یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھیں اس لیے حرام قرار دیا گیا تھا کہ بستی کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ گندگی کھاتے تھے۔ یہ تمام اقوال صحیح بخاری میں موجود ہیں۔[1] لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان کہ ''یہ ناپاک ہیں۔'' ان تمام اقوال سے مقدم ہے۔[2]

اس حرمت اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں کوئی تعارض نہیں ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر جو اسے کھائے، حرام ہو مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سؤر کا گوشت کیونکہ وہ ناپاک ہے یا وہ فسق ہو کہ (ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔''[3]

اس آیت کریمہ کے نزول کے وقت کھانے کی چیزوں میں سے صرف یہی چار چیزیں حرام تھیں اور محرمات میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ اس کے بعد گدھوں کی حرمت کا حکم مستقل تھا۔[4] واللہ اعلم

- خیبر کے موقع پر خچروں کا گوشت کھانے سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔[5]
- اسی طرح درندوں میں سے ہر کچلی والے اور پرندوں میں سے ہر پنجے سے کھانے والے پرندے کے کھانے سے بھی منع کر دیا گیا۔[6]
- گندگی کھانے والے جانور پر سواری کرنے،[7] اس کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع کر دیا گیا۔ البتہ ایسے جانور کو باندھ کر پاکیزہ خوراک دینے سے جب اس کے دودھ، یا پسینے سے بدبو دور ہو جائے تو پھر اس پر سواری کرنا، اس کا دودھ اور گوشت استعمال کرنا جائز ہے۔[8]

کیا متعہ کو خیبر کے دن حرام قرار دیا گیا؟

صحیح بات یہی ہے کہ متعہ کو خیبر کے دن حرام قرار نہیں دیا گیا تھا بلکہ اسے فتح مکہ کے سال حرام قرار دیا گیا، جیسا کہ ربیع بن سبرہ جہنی سے روایت ہے کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ ہم فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے

1 صحیح البخاري: 4220 و 4227. 2 فتح الباري: 811/9. 3 الأنعام 145:6. 4 زادالمعاد: 343/3. 5 مسند أحمد: 362/3. 6 سنن أبي داود: 3805. 7 جو اونٹ، بکری یا مرغی گندگی کھائے حتی کہ اس کا گوشت، دودھ یا انڈے بدبودار ہو جائیں تو اسے جلالہ کہتے ہیں۔ 8 سنن أبي داود: 3785 و 3811

ساتھ تھے، آپ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الِاسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهُ، وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا»

''اے لوگو! میں نے تمھیں عورتوں سے متعہ کی اجازت دی تھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت کے دن تک حرام قرار دے دیا ہے، پس جس کے پاس متعہ والی عورتوں میں سے کوئی ہوتو وہ اسے چھوڑ دے اور تم نے انھیں جو دیا ہو، اس میں سے کوئی بھی چیز واپس نہ لو۔''[1]

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسے خیبر کے دن حرام قرار دیا گیا تھا اور انھوں نے ''صحیحین'' میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ.

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔''[2]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متعہ کے سوا مجھے اور کوئی ایسی چیز معلوم نہیں جسے حرام قرار دیا گیا ہو، پھر جائز ٹھہرا دیا گیا ہو اور پھر حرام قرار دے دیا گیا ہو۔ دوسرے لوگوں نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ متعہ کو فتح مکہ ہی کے موقع پر حرام قرار دیا گیا، اس سے پہلے یہ جائز تھا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے متعہ اور پالتو گدھوں کی حرمت کی خبروں کو اکٹھا بیان فرما دیا، اس لیے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ان دونوں کو جائز قرار دیتے تھے، چنانچہ انھوں نے ان دونوں کی تردید میں نبی اکرم ﷺ سے ان کی حرمت کے بارے میں احادیث کو یکجا کرکے بیان فرما دیا۔ گدھوں کی حرمت کا حکم بلاشک وشبہ خیبر ہی کے دن ہوا تھا، لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گدھوں کی حرمت کے حوالے سے اس دن کا ذکر فرمایا جب کہ متعہ کی حرمت کو مطلق رکھا اور اسے کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا جیسا کہ مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا تھا، آپ ﷺ نے عورتوں سے متعہ کو بھی حرام قرار دیا ہے......'' اس سے بعض راویوں نے یہ گمان کیا کہ ان دونوں کی حرمت کا تعلق یوم خیبر سے ہے۔

1 صحيح مسلم: 1406. 2 صحيح البخاري: 4216، صحيح مسلم: 1407.

خیبر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہودی عورتوں سے ہرگز متعہ نہیں کیا، نہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت طلب کی۔ غزوۂ خیبر میں متعہ کے بارے میں کسی سے کوئی روایت منقول نہیں۔ دونوں روایتوں میں تطبیق کی سب سے زیادہ صحیح صورت یہی ہے۔

ان روایات میں تطبیق کے لیے ایک تیسرا طریقہ بھی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے بالکل حرام قرار نہیں دیا تھا بلکہ اس صورت میں حرام قرار دیا تھا جب اس کی ضرورت نہ ہو اور بوقت ضرورت اسے جائز قرار دیا تھا۔ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف تھا اور اسی کے مطابق وہ فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ مردار، خون اور سؤر کے گوشت کی طرح ہے، لہٰذا یہ صرف بوقت ضرورت اور زنا میں مبتلا ہونے کے اندیشے کی صورت میں جائز ہے۔ اکثر لوگوں نے آپ کی بات کو نہ سمجھا اور آپ کی طرف یہ بات منسوب کر دی کہ آپ اسے مطلقاً جائز سمجھتے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انھوں نے اس کی حرمت کے قول کو اختیار فرما لیا۔ [1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث میں تقدیم و تاخیر ہے اور اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور آپ نے عورتوں سے متعہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت بھی خیبر کے دن ہوئی تھی کیونکہ غزوۂ خیبر میں تو متعہ کا معاملہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ [2]

یاد رہے کہ متعہ کے معنی فائدہ حاصل کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد نکاح موقت ہے، یعنی ایک متعین مدت تک کسی عورت سے نکاح کرنا اور اس کی صورت یہ ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں کسی عورت سے باقاعدہ نکاح ایک مخصوص اور متعین مدت تک کے لیے ہو اور مدت مکمل ہونے کے بعد طلاق کے بغیر ہی شوہر اور بیوی میں تفریق ہو جائے گی۔ تفریق کے بعد عورت ایک حیض تک انتظار کرے گی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس شوہر سے اسے حمل تو نہیں، اسے استبرائے رحم کہا جاتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں متعہ...... نکاح موقت...... کی یہ صورت جائز تھی، بعد ازاں اسلام نے نکاح کی اس صورت کو حرام قرار دے دیا۔

متعہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے کہے کہ میں ایک دن یا دو چار دن کے لیے تجھے بیوی بناتا ہوں اور تیرا مہر اتنا ہوگا۔ یہاں مہر کا لفظ استعمال کیا جائے یا اجرت کا یہ بہرحال اجرت ہی ہے۔ متعہ کی یہ صورت جو شیعہ حضرات کے ہاں مروج ہے، اسلام میں کبھی جائز تھی، نہ ہے، نہ کبھی ہو سکتی ہے کیونکہ اس صورت میں اور زنا میں قطعاً کوئی فرق نہیں۔ یہ صورت تو سابقہ ادیان و مذاہب میں سے کسی بھی مذہب میں کبھی جائز نہیں رہی۔ [3]

1 زادالمعاد: 345/3. 2 فتح الباری: 603/7. 3 حرمت متعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے: أحکام القرآن للجصاص: 184/2-194.

آب پاشی اور مزارعت کا جواز

مساقاۃ (آب پاشی) اور مزارعت کی یہ صورت جائز ہے کہ باغات اور کھیتوں کی پیداوار کے ایک حصے پر معاملہ طے کر لیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا۔ اس کے جواز کی یہ صورت آپ کی وفات تک رہی اور کبھی منسوخ نہیں ہوئی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا۔ یہ اجرت کی صورت نہیں بلکہ مشارکہ ومضاربہ کی صورت ہے، جو شخص مضاربہ کو تو جائز ٹھہرائے اور مزارعت کو حرام قرار دے، وہ دراصل ایک ہی جیسی دو چیزوں میں فرق کرتا ہے۔

نبی ﷺ نے خیبر کی زمین اس شرط پر یہودیوں کے سپرد کی تھی کہ وہ کام کریں گے اور مال بھی خود ہی خرچ کریں گے، یعنی آپ ﷺ انھیں بیج وغیرہ نہیں دیتے تھے، نہ مدینہ سے انھیں کچھ بھیجتے تھے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا طریقہ مبارک یہ ہے کہ مزارعت میں یہ شرط عائد نہ کی جائے کہ بیج زمین کے مالک کے ذمے ہوگا، آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ تھا اور صحیح قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔[1]

پھلوں کا اندازہ لگانا جائز ہے

کھجور کے درختوں پر موجود پھل کا اندازہ لگانا اور اندازے سے تقسیم کرنا جائز ہے۔ اندازہ لگانے اور تقسیم کرنے کے لیے ایک ہی شخص پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے۔

صلح کا جواز

عقدِ صلح جائز ہے اور امام جب چاہے اسے فسخ کر سکتا ہے۔ عقدِ صلح و امان کو مشروط قرار دینا بھی جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مال کے بارے میں یہ شرط عائد فرمائی تھی کہ یہودی اس میں سے کچھ غائب کریں گے نہ چھپائیں گے۔

تحقیق و تفتیش کے لیے سزا دی جا سکتی ہے

جس شخص پر تہمت ہو، تحقیق و تفتیش کے لیے اُسے جسمانی سزا دینا جائز ہے، یہ عادلانہ شریعت ہے، ظالمانہ سیاست نہیں۔[2]

1 زاد المعاد: 346/3. 2 زاد المعاد: 346/3.

قرائن کی بنیاد پر فیصلہ

قرائن اور علامات کی بنیاد پر فیصلہ کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے کنانہ سے فرمایا تھا:

«اَلْمَالُ كَثِيرٌ، وَالْعَهْدُ قَرِيبٌ»

''مال بہت زیادہ ہے اور زمانہ قریب کی بات ہے۔''

یوں نبی ﷺ نے اس کے اس جھوٹ پر استدلال کیا تھا کہ ''وہ مال جنگوں اور دیگر اخراجات میں خرچ ہو گیا ہے'' یعنی جس شخص کے کذب کا قرینہ موجود ہو، اس کی بات نا قابلِ التفات ہوگی اور اسے خائن سمجھا جائے گا۔[1]

اہل ذمہ طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی کریں تو ان کی جان و مال کا ذمہ کالعدم ہوگا

اہل ذمہ جب شرائط کی مخالفت کریں تو ان کا ذمہ باقی نہیں رہتا، ان کے خون اور اموال حلال ہو جاتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے عقد مصالحت کیا تھا اور شرط عائد فرمائی تھی کہ وہ کوئی چیز غائب کریں گے نہ چھپائیں گے اور اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کے خون اور اموال حلال ہو جائیں گے۔ انھوں نے یہ طے شدہ شرط پوری نہیں کی تو حسب معاہدہ آپ ﷺ نے ان کے خون اور اموال کو حلال قرار دے دیا۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اہل ذمہ کے ساتھ شرائط میں اسی اصول کو پیشِ نظر رکھا کہ انھوں نے طے شدہ شرائط میں سے اگر کسی شرط کی بھی مخالفت کی تو ان کے ساتھ مخالفت اور عداوت کرنے والوں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

عمل درآمد سے قبل حکم کو منسوخ کرنا جائز ہے

عمل درآمد سے قبل حکم کا نسخ بھی جائز ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے پہلے ہانڈیوں کے توڑ دینے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ نے اسے منسوخ کر کے انھیں دھونے کا حکم دے دیا۔

حرام جانور ذبح کرنے کے باوجود پاک نہیں ہوتا

جس جانور کا گوشت حرام ہے، وہ ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا۔ اس کی کھال اور اس کا گوشت بھی ناپاک ہوتا ہے، اس کا ذبیحہ بھی مردہ جانور ہی کے حکم میں ہوتا ہے، ذبح کرنے کا عمل مأکول اللحم، یعنی حلال جانوروں کے لیے ہے۔[2]

[1] زاد المعاد: 346/3. [2] زاد المعاد: 347/3.

تقسیم غنیمت سے پہلے کچھ لے لینا سخت گناہ ہے

جو شخص مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہی کچھ لے لے تو وہ اس کا مالک نہیں بنتا، چاہے وہ اس کے حصے سے کم مقدار کی چیز ہو۔ وہ مالک اسی وقت ہوگا جب باقاعدہ تقسیم کے بعد اسے ملے۔ اسی وجہ سے آپ نے اس شخص کے بارے میں جس نے چادر کی خیانت کی تھی فرمایا تھا کہ ''وہ اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے'' اور جس نے جوتی کے تسمے کی خیانت کی تھی، اس سے فرمایا تھا کہ ''تسمہ بھی جہنم کی آگ کا باعث بنے گا۔''[1] البتہ کھانے پینے کی اشیاء اس سے مستثنیٰ ہیں۔

بذریعہ جنگ حاصل کی گئی زمین کی تقسیم

جس زمین پر جنگ کر کے زبردستی قبضہ کیا گیا ہو، اس کے بارے میں امام کو اختیار ہے کہ وہ اسے مجاہدین میں تقسیم کر دے یا بغیر تقسیم کے باقی رہنے دے یا اس کے کچھ حصے کو تقسیم کر دے اور کچھ باقی رہنے دے۔

جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ آنے والے مہاجرین حبشہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت سے جو حصہ دیا تھا، اس سے یہ اصول اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد جو مجاہدین مدد کے لیے پہنچیں، انھیں لشکر کی اجازت اور رضامندی ہی سے مالِ غنیمت سے حصہ دیا جا سکتا ہے۔[2]

فال لینا جائز ہے

کسی چیز کو دیکھ کر یا سن کر ایسی فال لینا جائز بلکہ مستحب ہے جو اسلام کے فتح و غلبے کا سبب بنے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے لوگوں کے ہاتھوں میں پھاوڑے، کدالیں، درانتیاں اور ٹوکرے دیکھے جو عمارتوں مسمار کرنے کے کام آنے والی چیزیں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ فال لی کہ ان کی حویلیاں اور قلعے مسمار اور تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے یہ بات دراصل دعا کے طور پر فرمائی تھی جسے آپ نے خبر کے انداز میں بیان فرمایا۔[3]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کی تباہی کی اطلاع دے دی تھی، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات پیش گوئی کے طور پر فرمائی تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات وحی الٰہی کی بنیاد پر فرمائی تھی۔[4] اس کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے:

1 زاد المعاد: 347/3. 2 زاد المعاد: 342/3. 3 السیرۃ الحلبیۃ: 730/2. 4 فتح الباری: 585/7.

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ»

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ خیبر تباہ ہوگیا۔ جب ہم ان لوگوں کے روبرو نازل ہوتے ہیں جن کو ڈرایا جا چکا ہے، تو ان کی صبح بہت بری ہو جاتی ہے۔'' [1]

زیرِ ضرورت اہل ذمہ کو جلا وطن کیا جا سکتا ہے

جب اہل ذمہ کی ضرورت نہ رہے تو انھیں دارالاسلام سے جلاوطن کرنا جائز ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہودِ خیبر سے فرمایا تھا کہ ''ہم تمھیں اس وقت تک یہاں رہنے دیں گے جب تک اللہ تعالیٰ تمھیں رہنے دے گا۔'' آپ ﷺ نے ان کے ایک سردار سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب تمھاری سواری تمھیں آئے دن شام سے قریب سے قریب تر کر دے گی؟'' پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں خیبر سے جلاوطن کر دیا۔ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ بوقت ضرورت و مصلحت اہل ذمہ کی جلاوطنی جائز ہے۔ [2]

جھوٹ کے جواز کی بعض صورتیں

انسان کے لیے اس صورت میں اپنے یا کسی اور کے لیے جھوٹ بولنے کا جواز موجود ہے جب اس سے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچے اور اس کے بغیر اپنا حق وصول نہ کیا جا سکتا ہو جیسا کہ حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے بارے میں جھوٹ بولا کہ انھیں شکست ہوگئی ہے۔ اس طرح انھوں نے مکہ میں آسانی سے اپنا مال وصول کر لیا لیکن اس جھوٹ سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ہر چند مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو اس سے جو ذہنی اذیت پہنچی اور غم لاحق ہوا، اس کی خرابی اس مصلحت کے مقابلے میں بہت کم ہے جو اس جھوٹ کی وجہ سے حاصل ہوئی، خصوصاً وہ فرحت و مسرت اور ایمان میں اضافہ جو اس جھوٹ کے بعد سچی خبر معلوم ہونے کی صورت میں حاصل ہوا۔ یہ کذب اس راجح مصلحت کے حصول کا سبب تھا۔ اسی مثال کے مطابق اگر کوئی امام اور حاکم حق معلوم کرنے کے لیے معاملے کے کسی فریق کو خلاف حق وہم یا وسوسے میں مبتلا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے جیسا کہ سیدنا سلیمان بن داود علیہ السلام نے یہ فرما کر دو میں سے ایک عورت کو وہم میں مبتلا کر دیا تھا کہ میں بچے کو تم دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیتا ہوں۔ [3]

[1] صحیح البخاری: 4198,4197. [2] زاد المعاد: 348/3. [3] زاد المعاد: 250/3، صحیح البخاری: 3427، صحیح مسلم: 1720.

سفر میں شبِ عروسی

سفر میں اپنی بیوی کے ساتھ شب باشی اور اسے لشکر میں اپنی سواری پر اپنے ساتھ سوار کرنا جائز ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے سفر ہی میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شبِ عروسی بسر فرمائی اور انھیں اپنے ساتھ سواری پر سوار کرلیا تھا۔[1]

بذریعہ زہر قتل کی صورت میں قصاص

جو شخص کسی کو زہر دے کر ہلاک کر دے تو اسے قصاص کے طور پر قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ اس یہودی عورت کو قتل کر دیا گیا جس کے زہر آلود کھانے سے سیدنا بشر بن براء رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔[2]

اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہے

اہلِ کتاب کا ذبیحہ کھانا جائز ہے، ان کا کھانا حلال ہے اور ان کے ہدیے بھی قبول کیے جا سکتے ہیں جیسا کہ اس زہر آلود بکری کے واقعے سے یہ مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

خیبر کے دیگر مسائل

خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے حاملہ باندیوں سے مباشرت، نیز استبرائے رحم سے قبل مباشرت سے منع فرما دیا تھا۔ حنش صنعانی سے روایت ہے کہ ہم نے رُوَیفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ المغرب میں جہاد کیا۔ انھوں نے مغرب کی بستیوں میں سے ایک بستی کو فتح کیا، جسے جَرْبہ کہا جاتا تھا، پھر انھوں نے کھڑے ہو کر ہم سے یہ خطاب کیا: اے لوگو! آج میں تم سے وہی بات کہوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن ہم سے مخاطب ہو کر فرمائی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

- جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو پانی دے (یعنی حاملہ باندیوں سے مباشرت کرے)۔
- جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ استبرائے رحم سے قبل کسی باندی سے جنسی تعلق قائم کرے۔
- جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت کو بیچے۔

1 زاد المعاد: 350/3. 2 زاد المعاد: 351/3.

- جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ مال غنیمت میں سے کسی جانور کو سواری کے لیے استعمال کرے اور پھر جب اسے لاغر کر دے تو واپس کر دے۔
- جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ مسلمانوں کے مال غنیمت سے کوئی کپڑا استعمال کرے اور جب وہ بوسیدہ ہو جائے تو اسے واپس کر دے۔[1]

[1] السيرة لابن هشام:3/345، 346، سنن أبي داود: 2158، 2159، جامع الترمذي: 1131.

غزوۂ خیبر کے دوران معجزات کا ظہور

غزوۂ خیبر کے موقع پر امام کائنات، فخر موجودات سیدنا محمد ﷺ کے دست مبارک پر کئی معجزات کا بھی ظہور ہوا، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشگی خبر

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا رسول اللہ ﷺ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خیبر جا رہے تھے تو سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے حدی کے طور پر بلند آواز سے اشعار پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اشعار سن کر فرمایا کہ حدی خوانی کے ذریعے سواریوں کو تیز چلانے والا کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یہ عامر بن اکوع ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔'' قوم میں سے ایک شخص نے کہا اور مسلم کی روایت کے مطابق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو اپنے اونٹ پر سوار تھے، بلند آواز سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! آپ نے ہمیں عامر سے کچھ اور فائدہ اٹھانے کا موقع کیوں نہ عطا فرمایا؟ انھوں نے یہ اس لیے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی انسان کے لیے بطور خاص اس طرح کی دعا فرماتے تو اسے شہادت نصیب ہو جاتی تھی۔ سیدنا عامر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی طرح ہوا کہ جب مسلمانوں اور یہودیوں کا مقابلہ جاری تھا تو سیدنا عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے ایک یہودی کی پنڈلی پر وار کرنا چاہا مگر ان کی تلوار چھوٹی ہونے کی وجہ سے دشمن کی پنڈلی تو نہ کاٹ سکی، البتہ ان کی تلوار کی نوک خود اُنھی کے اپنے گھٹنے پر آ لگی جس سے ان کی وفات ہوگئی۔ [1]

آنحضرت ﷺ کا سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے لیے بطور خاص رحمت اور مغفرت کی دعا کرنا اور اس کے نتیجے میں ان کا جامِ شہادت نوش کرنا آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔

خیبر کی تباہی کی پیش گوئی

آنحضرت ﷺ اپنے جانباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جب صبح سویرے خیبر میں داخل ہوئے تو خیبر کے وہ لوگ

1 صحیح البخاري: 4196، صحیح مسلم: 1807.

جو پھاوڑے، کدالیں، درانتیاں اور ٹوکرے وغیرہ اٹھائے ہوئے اپنے کام کاج پر جانے کے لیے نکلے تھے، آپ ﷺ کو دیکھ کر وہ بے ساختہ چلا اٹھے: ''اللہ کی قسم! محمد آ گئے۔ اللہ کی قسم! محمد اپنا لشکر لے کر آ گئے۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ»

''خیبر تباہ و برباد ہوگیا۔ جب ہم ان لوگوں کے روبرو آ پہنچے تو جن لوگوں کو ڈرایا جا چکا ہے، ان کے لیے (یہ) بہت بری صبح ہے۔''[1]

نبی ﷺ نے پھاوڑے، کدالیں، درانتیاں اور ٹوکرے وغیرہ جو عمارتوں کو مسمار کرنے کا سامان ہے، دیکھ کر فال کے طور پر یہ بات فرمائی ہو یا وحی الٰہی کی بنیاد پر پیش گوئی کے طور پر، دونوں صورتوں میں یہ آپ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے وقت سے پہلے ہی خیبر کی تباہی و بربادی کی خبر دے دی تھی۔

ایک شخص کے جہنمی ہونے کی پیش گوئی

خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے دعوے دار ایک شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ جہنمی ہے لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو اس نے جنگ میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور وہ زخموں سے چور چور ہوگیا حتی کہ بعض لوگوں کو شک گزرنے لگا کہ جو شخص اس قدر شدت سے جنگ لڑ رہا ہو حتی کہ زخموں سے چور چور ہوگیا ہو، وہ جہنمی کیسے ہو سکتا ہے؟ شہداء سے تو اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے لیکن اس شخص نے جب زخموں کے درد و الم کی شدت محسوس کی تو صبر نہ کرسکا۔ اس نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر اس سے اپنے آپ کو ہلاک کرلیا۔ مسلمانوں نے یہ بات بڑی شدت سے محسوس کی۔ اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بات کو سچ ثابت کر دکھایا ہے، فلاں شخص نے خودکشی کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا:

«قُمْ يَا فُلَانُ! فَأَذِّنْ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ، إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ»

''اے فلاں! کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد فاجر آدمی کے ساتھ بھی فرما دیتا ہے۔''[2]

[1] صحيح البخاري: 4197. [2] صحيح البخاري: 4204، صحیح مسلم کی روایت (111) میں خیبر کے بجائے حنین کا ذکر ہے لیکن قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خیبر کا ذکر ہی صحیح ہے۔ (شرح مسلم للنووي: 122/2)

لعاب دہن سے زخم اور آشوب چشم کا علاج

یزید بن ابی عبید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں زخم کا نشان دیکھا تو میں نے پوچھا: اے ابومسلم! یہ نشان کیسا ہے؟ انھوں نے فرمایا: یہ اس زخم کا نشان ہے جو مجھے خیبر کے دن لگا تھا۔ لوگ کہنے لگے کہ سلمہ تو گیا! میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میرے زخم پر تین بار دم کیا تو مجھے اب تک اس زخم سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔[1]

آپ کے مبارک لعابِ دہن سے زخم کا مکمل طور پر ٹھیک ہو جانا بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

خیبر کے دن سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور ان کے لیے دعا کی تو وہ اس طرح صحت یاب ہو گئے گویا انھیں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔[2]

زہر آلود گوشت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو

جب یہودی عورت زینب بنت حارث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کے بھنے ہوئے گوشت کا ہدیہ پیش کیا، جس میں اس نے زہر ڈال دیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے قوت گویائی عطا فرمائی اور اس نے آپ کو بتایا کہ وہ زہر آلود ہے، لہٰذا آپ اسے نہ کھائیں۔[3]

رزق کی فراوانی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

علامہ حلبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قلعہ صعب کے محاصرے کے وقت مسلمانوں کو کھانے پینے کی سخت تنگی ہوگئی اور وہ بھوک سے نڈھال ہونے لگے تو بنو اسلم کے مسلمانوں نے اسماء بن حارثہ اور اس کی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بنو اسلم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھوک سے نڈھال ہوگئے ہیں۔ اس پر لوگوں نے انھیں ملامت بھی کی کہ تم عربوں کے درمیان موجود ہوتے ہوئے ایسی بات کہہ رہے ہو۔ اس پر اسماء کے بھائی زید بن حارثہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں آرزومند ہوں کہ یہ وفد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا ہے، خیر و برکت کی کنجی ثابت ہو، اس کے بعد اسماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انھوں نے آپ کو بنو اسلم کا پیغام پہنچایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ قَدْ عَرَفْتَ حَالَهُمْ وَأَنْ لَيْسَ بِهِمْ قُوَّةٌ، وَأَنْ لَيْسَ بِيَدِي شَيْءٌ أُعْطِيهِمْ إِيَّاهُ»

1 صحيح البخاري: 4206. 2 البداية والنهاية: 191/4. 3 المغازي للواقدي: 144/2، 145.

’’اے اللہ تجھے ان کا حال معلوم ہے کہ ان کے پاس کوئی قوت اور استطاعت نہیں ہے، میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے جو ان کو دے سکوں‘‘...... اس کے بعد آپ ﷺ نے عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ افْتَحْ أَكْثَرَ الْحُصُونِ طَعَامًا وَوَدَكًا»

’’اے اللہ! ان میں سے اکثر قلعوں پر اس حال میں فتح عطا فرما کہ ان میں گھی اور رزق کی فراوانی ہو۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور اس معجزہ کا اس طرح ظہور ہوا کہ اس قلعے سے گیہوں، کھجور، گھی، زیتون کا تیل، چربی اور دیگر غذائی اجناس کے بھاری ذخیرے برآمد ہوئے اور یہ ذخائر مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے، علاوہ ازیں بہت سے مویشی اور دیگر بھاری مال و متاع بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔[1]

[1] السيرة الحلبية: 742,741/2

وادی القریٰ کی فتح

وادی القریٰ مدینہ منورہ سے تقریباً 350 کلومیٹر شمال میں ایک سرسبز و شاداب وادی ہے جو آج کل وادی العلاء کہلاتی ہے۔ فتح خیبر کے وقت یہاں بہت سے یہودی آباد تھے جو بڑی طاقت و دولت کے مالک تھے۔ سقوط خیبر کے بعد یہ وادی القریٰ ہی کے یہودی تھے جنھوں نے مسلمانوں کا غلبہ قبول کرنے کے بجائے مقابلہ کرنے کو ترجیح دی۔ خیبر کی طرح وادی القریٰ کے یہودیوں کے پاس بھی کئی جنگی قلعے تھے۔ انھوں نے ان بہت سے بُت پرست اعراب کی بھی مدد حاصل کرلی تھی جو خیبر سے وادی القریٰ کی طرف جاتے ہوئے مسلمانوں کے رستے میں پڑتے تھے۔

وادی القریٰ کے دو مناظر





یہودیوں کی طرف سے جنگ کا آغاز

رحمۃ للعالمین ﷺ کا معمول تھا کہ آپ کسی قوم سے اس وقت تک جنگ شروع نہیں فرماتے تھے جب تک اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت پیش نہ فرما دیتے اور اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں اس کے خوفناک انجام سے خبردار نہ کر دیتے تھے۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیتے تو آپ ﷺ ان سے جنگ نہ کرتے اور انھیں امت مسلمہ کے افراد قرار دے کر اپنا دینی بھائی بنا لیتے تھے لیکن وادی القریٰ کے یہودیوں نے اس قدر تیزی دکھائی کہ انھوں

نے آپ کو اسلام کی دعوت پیش کرنے کا موقع ہی نہ دیا بلکہ اسلامی لشکر کے وادی القریٰ میں پہنچتے ہی انھوں نے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے غلام مدعم کو قتل کر دیا۔

اس کی ہلاکت کی وجہ سے جب لوگوں نے یہ کہا کہ اسے جنت مبارک ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کی غنیمتوں کی تقسیم سے قبل ہی لے لی تھی، اس پر آگ بن کر برس رہی ہے۔ [1]

مسلمانوں کی جنگ کے لیے تیاری

وادی القریٰ کی صورت حال سے عہدہ برا ہونے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگ کے لیے تیار کیا۔ آپ نے بڑا پرچم اسلام سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور چھوٹے پرچم حباب بن منذر، سہل بن حنیف اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کو عنایت فرمائے، پھر آپ ﷺ نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور انھیں بتایا کہ اسلام قبول کرنے کی صورت میں ان کی جان بھی بچ جائے گی اور مال و متاع بھی محفوظ ہو جائے گا اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہوگا لیکن انھوں نے دعوت اسلام قبول کرنے کے بجائے جنگ کو ترجیح دی۔ ان میں سے ایک شخص مقابلے کے لیے میدان میں آیا تو اسے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر قتل کر دیا۔ دوسرا آدمی باہر نکلا تو وہ بھی انھی کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ پھر تیسرا آدمی مقابلے کے لیے آیا تو اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کر دیا اور چوتھے آدمی نے مبارزت کی دعوت دی تو اسے سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ٹھکانے لگا دیا۔ پانچواں شہسوار نکلا تو انھوں نے اسے بھی ڈھیر کر دیا۔ اس طرح مجاہدین اسلام کے ہاتھوں گیارہ یہودی قتل ہوگئے۔ ان میں سے جب بھی کوئی یہودی قتل ہو جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ انھیں پھر اسلام کی دعوت دیتے تھے اور جب بھی نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ انھیں پھر اسلام قبول کرنے اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرف آجانے کی دعوت دیتے تھے۔ شام تک اسی طرح لڑائی جاری رہی۔ صبح ہوئی تو پھر لڑائی شروع ہوگئی لیکن ابھی سورج طلوع ہوا ہی تھا کہ انھوں نے یکایک ہتھیار ڈال دیے اور اپنی شکست تسلیم کر لی۔ اس طرح وادی القریٰ بھی اللہ کے فضل و کرم سے فتح ہوگئی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے

[1] صحیح البخاري: 6707,4234، صحیح مسلم: 115، المغازي للواقدي: 167/2

مسلمانوں کو بہت سے اموال اور بہت سے سامانِ غنیمت سے نوازا۔ رسول اللہ ﷺ نے وادی القریٰ میں چار دن قیام فرمایا اور مجاہدین میں اموالِ غنیمت تقسیم فرما دیے، البتہ زمین اور کھجوروں کے باغات یہودیوں ہی کے پاس رہنے دیے اور ان کے بارے میں ان سے معاملہ طے کر لیا۔[1]

اہلِ تیماء کی طرف سے جزیہ کی پیشکش

وادی تیماء خیبر کے شمال میں واقع ہے۔ یہاں بھی یہودیوں نے بڑے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے لیکن جب انھیں یہ خبر ملی کہ خیبر، فدک اور وادی القریٰ مسلمانوں کے تابع فرمان ہو چکے ہیں تو انھوں نے از خود رسول اللہ ﷺ کی طرف صلح کا پیغام بھیج دیا اور کہا کہ وہ جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہیں، چنانچہ مجاہدینِ اسلام نے بھی ان کی کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا، اس لیے کہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں وہ اہل ذمہ قرار پا گئے تھے، ان کی حالت اس دشمن سے مختلف تھی جس نے جنگ و جدل کے بعد تھک ہار کر ہتھیار ڈالے ہوں۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جب خیبر اور فدک کے یہودیوں کو جلاوطن کیا تو تیماء اور وادی القریٰ کے یہودی جلاوطن نہیں کیے، اس لیے کہ یہ دونوں علاقے ارضِ شام میں واقع تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے میں وادی القریٰ سے مدینہ کی طرف کا علاقہ حجاز میں اور وادی القریٰ کے پیچھے کا علاقہ شام میں داخل تھا۔[2]

''جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا تھا: «لَا يَجْتَمِعُ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ دِينَانِ» ''جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔'' تو انھوں نے یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں جلاوطن کرنے کی اجازت دے دی ہے کیونکہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک معلوم ہوا ہے: ''جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں رہ سکتے۔'' سو جس شخص کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی عہد ہو، وہ میرے پاس آجائے تاکہ میں اسے پورا کردوں اور جس شخص کے پاس کوئی عہد نہ ہو، وہ جلاوطنی کے لیے تیار ہو جائے۔ پس جن کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی عہد نہیں تھا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں جلاوطن کر دیا۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے اس لیے بھی جلاوطن کر دیا کہ یہودیوں کی سازشیں اور مکاریاں انتہا کو پہنچ چکی تھیں۔ انھوں نے بعض صحابہ کو دھوکے سے شہید کر ڈالا تھا اور بعض کو زخمی بھی کر دیا تھا۔ ذیل میں ہم اس کے متعلق کچھ واقعات بیان کرتے ہیں۔

1 المغازی للواقدی 2/167، 168. 2 البدایۃ والنھایۃ: 4/219. 3 السیرۃ لابن ہشام: 3/371.

عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش

عبداللہ بن سہل [1] اور محیصہ رضی اللہ عنہما [2] مالی مشکلات کی وجہ سے خیبر گئے تو یہود نے عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے ان کی لاش ایک کنویں میں پھینک دی۔ محیصہ رضی اللہ عنہما نے یہودیوں سے کہا: اللہ کی قسم! تم لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ محیصہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور اس واقعے سے آگاہ کیا، پھر وہ، ان کا بڑا بھائی حویصہ اور عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محیصہ نے جو خیبر گئے تھے گفتگو کرنا چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: پہلے بڑے کو بات کرنے دو، چنانچہ پہلے حویصہ نے اور پھر محیصہ نے بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب دو صورتیں ہیں: 1 وہ لوگ تمھارے ساتھی کی دیت دیں۔ 2 یا ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی طرف وضاحت طلب خط لکھا تو انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویصہ اور عبدالرحمن سے دریافت فرمایا: کیا تم قسمیں کھا کر اپنے ساتھی کے خون کے دعویدار بن سکتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: جی نہیں، ہم تو وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہود تمھارے سامنے قسمیں کھائیں، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: اگر یہود پچاس قسمیں کھائیں، تو کیا تم اپنے دعوے سے دستبردار ہو جاؤ گے؟ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ تو مسلمان نہیں ہیں اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ بھلا ہم کافروں کی قسموں کو کیسے قبول کر سکتے ہیں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دیت کے طور پر ایک سو اونٹ ان کے گھر بھجوا دیے تھے۔ [3]

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«تَأْتُونَ بِالْبَيِّنَةِ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُ؟»

''گواہی لاؤ کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟''

انھوں نے عرض کیا: ہمارے پاس گواہی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَيَحْلِفُونَ» ''پھر وہ قسمیں کھائیں گے۔'' انھوں نے عرض کیا: ہم یہودیوں کی قسمیں پسند نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوارا نہ فرمایا کہ اس کا خون رائیگاں جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کے اونٹوں سے اس کی دیت ادا فرما دی۔ [4]

1 عبداللہ بن سہل بن زید انصاری حارثی عبدالرحمن کے بھائی اور حویصہ و محیصہ کے چچا زاد تھے۔ 2 محیصہ اور حویصہ دونوں مسعود بن زید کے بیٹے اور عبداللہ بن سہل اور عبدالرحمن بن سہل کے چچا زاد بھائی تھے۔ 3 صحيح البخاري: 3173 و 7192. 4 صحيح البخاري: 6898.

مطہر رضی اللہ عنہ کے خلاف یہود کی سازش

مطہر بن رافع رضی اللہ عنہ ملک شام سے دس موٹے تازے اور محنت کش غلام لے کر خیبر آئے۔ یہاں ان کی زمین تھی اور وہ ان غلاموں سے اپنی زمین میں کاشت کاری کرانا چاہتے تھے۔ سیدنا مطہر رضی اللہ عنہ خیبر میں تین دن قیام کرنا چاہتے تھے۔ اس دوران میں خیبر کے یہودیوں میں سے ایک شخص نے ان دس مزدوروں سے کہا: تم لوگ نصرانی ہو اور ہم یہودی ہیں مگر تمھارا یہ آقا تو عرب کی قوم میں سے ہے۔ ان لوگوں نے ہمیں تلواروں کے ذریعے دبا رکھا ہے۔ دیکھو تم دس افراد ہو اور وہ تن تنہا ایک آدمی تمھیں ہنکائے پھرتا ہے، تم سے سخت محنت کا کام لیتا ہے اور تم مصیبتیں اٹھا رہے ہو، تم ہمت کرو تو تمھیں آزادی مل سکتی ہے بس تم ایسا کرو کہ اس بستی سے نکلنے کے بعد فوراً اپنے آقا کو قتل کر دو۔

ان نصرانیوں نے کہا کہ ہمارے پاس تو ہتھیار ہی نہیں ہیں۔ یہ بات سن کر یہودیوں نے انھیں خفیہ طور پر دو یا تین چھریاں دے دیں۔ اس کے بعد جب یہ لوگ خیبر سے روانہ ہوئے تو بستی سے باہر نکل کر انھوں نے سیدنا مطہر رضی اللہ عنہ پر چھریوں سے حملہ کر دیا۔ سیدنا مطہر رضی اللہ عنہ فوراً تلوار نکالنے کے لیے اپنی اونٹنی کی طرف لپکے جو اونٹنی پر میان کے اندر رکھی ہوئی تھی مگر ان نصرانی غلاموں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے اونٹنی تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا، پھر بھاگ کر خیبر میں داخل ہو گئے۔ یہودیوں نے پہلے تو ان لوگوں کو پناہ دی اور پھر انھیں ملک شام کی طرف بھگا دیا۔ بعد ازاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مطہر رضی اللہ عنہ کے قتل اور ان کے خلاف یہودیوں کی سازش کا علم ہوا۔[1]

ابن اسحاق نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ میں، زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم خیبر میں اپنے اموال دیکھنے گئے اور وہاں پہنچ کر اپنے اپنے اموال میں الگ الگ ہو گئے۔ رات کو جب میں اپنے بستر پر سو رہا تھا تو کسی نا معلوم شخص نے مجھ پر حملہ کر کے میرے دونوں ہاتھوں کی کہنیوں سے جوڑ نکال دیے۔ جب میں نے چیخ پکار کی اور اپنے دونوں ساتھیوں کو بلایا تو وہ میرے پاس آئے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ پر یہ ظلم کس نے کیا ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ انھوں نے میرے ہاتھوں کا علاج کیا اور پھر مجھے میرے والد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ آپ نے فرمایا: یہ یہودیوں کا کام ہے، پھر انھوں نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے معاہدے میں یہ طے فرمایا

1 السیرة الحلبیة: 773,772/3

تھا کہ ہم جب چاہیں گے، انھیں نکال دیں گے۔ انھوں نے عبداللہ بن عمر پر حملہ کیا ہے اور اس کے ہاتھوں کے جوڑ نکال دیے ہیں جیسا کہ آپ کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے۔ اس سے پہلے وہاں ایک انصاری پر بھی حملہ ہو چکا ہے اور ہمیں کوئی شک نہیں کہ وہ حملہ بھی یہودیوں ہی کی طرف سے تھا کیونکہ وہاں یہودیوں کے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں۔ پس جس کا خیبر میں مال ہو، وہ جا کر اپنا مال لے لے کیونکہ میں یہودیوں کو وہاں سے نکالنے والا ہوں۔ پھر انھوں نے یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا۔[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام یہودیوں کو جلا وطن کر دیا

یہود اپنی عیاری و مکاری اور شاطرانہ ذہنیت کے باعث اپنی تاریخ کے ہر دور میں ہر جگہ فتنہ و فساد برپا کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کی شرارتوں اور سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مناسب کارروائی ضروری ہوگئی تھی چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا جو اقدام کیا، وہ انتہائی ضروری اور برمحل تھا بلکہ یوں سمجھیے کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہی کے حکم کی تعمیل تھی۔ آپ ﷺ زمین میں فساد برپا کرنے والے یہودیوں کی فتنہ انگیزیوں سے خوب آگاہ تھے، اس لیے آپ ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت مسلمانوں کو جو خاص وصیتیں فرمائی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی:

«أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ»

''مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔''[2]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتّٰى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا»

''میں یہود و نصاریٰ کو یقیناً جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا حتی کہ یہاں میں صرف مسلمان ہی کو رہنے (کی اجازت) دوں گا۔''[3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، لَا يَبْقَيَنَّ دِينَانِ فِي أَرْضِ الْعَرَبِ»

[1] السيرة لابن هشام: 372/3. [2] صحيح البخاري: 3053. [3] صحيح مسلم: 1767

’’اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ و برباد کرے۔ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ سرزمین عرب میں ہرگز دو دین نہ رہنے پائیں (صرف ایک ہی دین اسلام ہونا چاہیے)۔‘‘[1]

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دنیا سے رخصت ہوتے وقت) جو آخری بات ارشاد فرمائی، وہ یہ تھی:

«أَخْرِجُوا يَهُودَ أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِ نَجْرَانَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَاعْلَمُوا أَنَّ شِرَارَ النَّاسِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

’’حجاز اور نجران کے یہود کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا اور یاد رکھو بدترین لوگ وہ ہیں جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔‘‘[2]

ام المومنین سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری بات ارشاد فرمائی، وہ یہ فرمائی تھی:

«لَا يُتْرَكُ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ دِينَانِ»

’’جزیرہ عرب میں دو دین نہ رہنے دیے جائیں۔‘‘[3]

جزیرۃ العرب کا حدود اربعہ

جزیرۃ العرب (جزیرہ نمائے عرب) سے مراد کون سا علاقہ ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اور مشرکین کو نکال دینے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

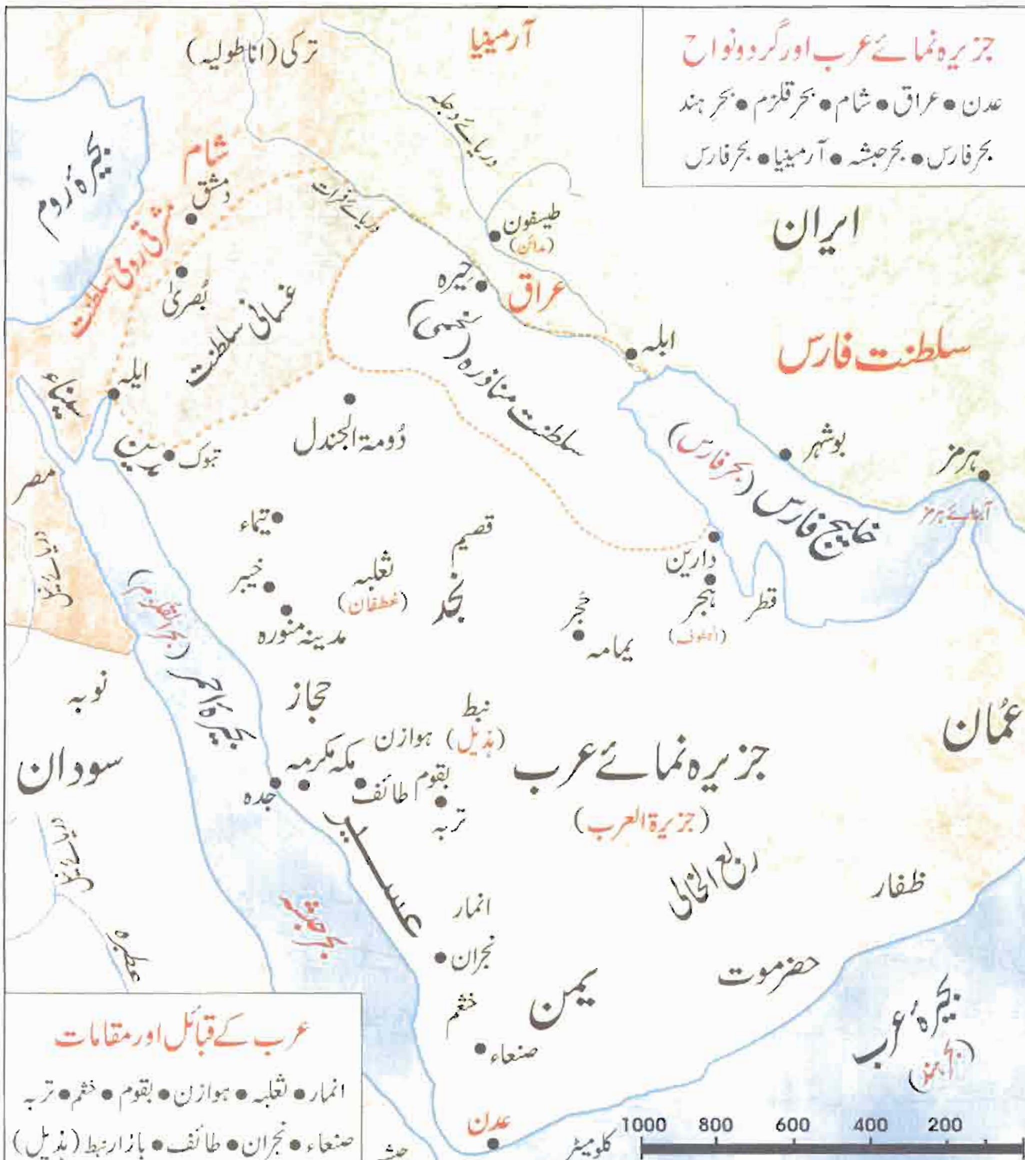
یہ علاقہ طولاً عدن (یمن) سے لے کر عراق کے مضافات تک اور عرضاً جدہ اور اس کے اردگرد سے لے کر شام کے اطراف تک ہے۔ اسے جزیرۃ العرب اس لیے کہا جاتا ہے کہ سمندروں نے اس علاقے کو گھیر رکھا ہے، یعنی بحر ہند (بحیرہ عرب)، بحر قلزم (جو آج کل بحیرہ احمر کے نام سے مشہور ہے)، بحر فارس (الخلیج العربی یا خلیج فارس) اور بحر حبشہ (خلیج عدن) نے چاروں طرف سے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔[4]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جزیرہ نمائے عرب بحیرہ قلزم سے لے کر بحر بصرہ (خلیج فارس) تک اور یمن کے ساحل سے لے کر شام کے آغاز تک ہے۔ یمن جزیرہ نمائے عرب کے اندر شامل ہے لیکن شام شامل نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اور اس سے پیشتر عرب اسی علاقے میں ہوا کرتے تھے۔ جب

1 السنن الكبرى للبيهقي: 135/6. 2 مسند أحمد: 195/1. 3 مسند أحمد: 275/6. 4 فتح الباري: 205/6.

دعوتِ اسلام کا ظہور ہوا اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو عرب شرقاً غرباً دور دور تک سب شہروں اور ملکوں میں آباد ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ شام اور آرمینیا کے ساحلوں تک پہنچ گئے، جب کہ اس سے پہلے یہاں صرف اہل فارس، رومی اور بربر وغیرہ ہی آباد تھے۔[1]

[1] اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیۃ، ص: 200.



حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرتے ہوئے جزیرۂ عرب کو مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے پاک کر کے ہی دم لیا اور کفار و مشرکین کے سارے صنم کدے پیوندِ زمین کر دیے۔

یہود کا وضع کردہ ایک جعلی مکتوب

جیسا کہ قبل ازیں واضح کیا جاچکا ہے یہود اپنی عیاری و مکاری اور شاطرانہ ذہنیت کے باعث ہر دور میں بدنام رہے ہیں۔ ان کی اسی شاطرانہ ذہنیت کا شاہکار ایک واقعہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے: تیسری صدی ہجری کے بعد خیبر کے یہودیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جزیہ معاف کر دیا تھا۔ یہود کے اس فریب سے دھوکہ کھا کر بعض علماء نے ان سے جزیہ ساقط ہونے کا فتویٰ بھی دے دیا تھا۔ ان میں سے شافعی عالم ابوعلی بن خیرون بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مستقل کتاب میں اس خط کے باطل ہونے کے کئی وجوہ بیان کیے ہیں جیسا کہ اور بھی کئی مصنفین نے اپنی کتابوں میں اسے باطل قرار دیا ہے، مثلاً ابن الصباغ نے ''مسائل'' میں اور شیخ ابوحامد نے اپنی ''تعلیقات'' میں اسے باطل ہی ٹھہرایا ہے۔ ابن مسلمہ نے تو اس کی تردید میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ ساتویں صدی کے بعد یہودی پھر متحرک ہوگئے اور انھوں نے پھر ایک خط ایجاد کر ڈالا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ بالکل جھوٹا خط ہے کیونکہ اس میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی گواہی درج ہے، جبکہ وہ تو غزوۂ خیبر سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ اس میں دوسری گواہی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی ہے، حالانکہ وہ اس وقت مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے اور چونکہ مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے اس لیے ان کی ''گواہی'' کہاں سے آگئی؟ مزید برآں اس خط میں بطور کاتب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہوا ہے یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ اس میں جزیہ کی معافی کا ذکر ہے جبکہ جزیہ کا تو اس وقت تک کوئی حکم ہی نازل نہیں ہوا تھا۔ جزیہ کا حکم نازل ہونے کے بعد سب سے پہلے اہلِ نجران سے جزیہ لیا گیا تھا اور علمائے سِیَر نے لکھا ہے کہ اہلِ نجران کا وفد سن نو ہجری میں آیا تھا۔[1]

عرب میں غیر مسلموں کو لانا حرام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نہایت واضح ارشادات کے باوجود نہایت افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ آج جزیرۃ العرب کے اکثر و بیشتر شہروں میں غیر مسلم بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں کام کر رہے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں اور دیگر غیر مسلموں کے لیے باقاعدہ

1 البدایۃ والنھایۃ: 220/4۔

عبادت کدے بھی تعمیر کیے گئے ہیں۔ اس افسوس ناک صورت حال سے متعلق ایک انٹرویو میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث صحیح طور پر ثابت ہے: «لا يجتمع دينان في جزيرة العرب» ''جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہ ہونے پائیں۔'' آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ یہاں صرف مسلمان ہی رہ سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت بھی امت کو یہی وصیت فرمائی تھی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا جائے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بلا شک و شبہ ثابت ہے، لہٰذا حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت پر اسی طرح عمل کریں جس طرح امیرالمومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کر کے رسالت مآب ﷺ کی وصیت پر عمل کیا تھا۔ سعودی حکام، خلیج اور جزیرہ نمائے عرب کے تمام حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ عیسائیوں، بدھوں، بت پرستوں، ہندوؤں اور دیگر تمام کافروں کو جزیرہ عرب سے نکال دینے کی پوری کوشش کریں اور مسلمانوں کے سوا یہاں باہر سے کسی کو نہ لایا جائے۔ یہ مسلمان حکمرانوں کا فرض ہے اور قواعد شریعت کی رو سے اس کی فرضیت پوری طرح روشن ہے۔ فرض و واجب یہ ہے کہ تمام کفار کو جزیرہ نمائے عرب سے نکال دیا جائے اور کام کاج کے لیے اللہ کی زمین سے یہاں صرف مسلمانوں ہی کو آنے دیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ یہاں آنے والے مسلمانوں کے بارے میں بھی تحقیق کی جائے کیونکہ کچھ لوگ محض برائے نام مسلمان ہوتے ہیں، حقیقت میں مسلمان نہیں ہوتے اور ان میں بے انتہا شر موجود ہوتا ہے۔ جو لوگ مسلمانوں کو اجرت پر کام کے لیے باہر سے لانا چاہتے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ پہلے واقفانِ حال سے ساری صورت معلوم کر لیا کریں تاکہ یہاں صرف ایسے مسلمان آسکیں جو نیکی و تقویٰ اور صالحیت میں معروف اور پابند نماز ہوں۔ یہاں کفار کو کام کے لیے رکھنا قطعاً جائز نہیں، سوائے اس کے کہ کوئی شرعی اضطرار ہو اور حکمران اس اضطرار کا تعین بھی شریعت اسلامی کی بنیاد پر کریں گے۔''[1]

سماحۃ الشیخ الامام ابن باز رحمہ اللہ ہی جزیرہ عرب میں کافر ملازمین اور خدام کو لانے کی حرمت کا ایک اور فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر وہ مسلمان جو اپنے بچے کی پرورش کے لیے بطور آیا کسی عیسائی، یہودی، بدھ یا کسی اور کافر کو برطانیہ، حبشہ یا

[1] مجموع فتاوی و مقالات متنوعة، شيخ عبدالعزيز بن باز: 286,285/3.

فلپائن وغیرہ سے منگواتا ہے تو وہ بدترین جرم اور گناہ عظیم کا ارتکاب کرتا ہے جس پر اسے فوراً توبہ کرنی چاہیے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کفار ملازمین کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے ختم کرے، اس گناہ پر ندامت کا اظہار کرے، اس سے فوراً رک جائے اور آیندہ ایسا عمل نہ کرنے کا عزم کرے کیونکہ یہ فعل بدترین گناہوں میں شامل ہے۔ اس سے اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو تباہ کر دینے والے بے شمار مفاسد جنم لیتے ہیں، اس سے عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو اپنے گھناؤنے مقاصد پورے کرنے میں مدد ملتی ہے۔ غیر مسلم آیاؤں وغیرہ کے ہاتھ میں بچے کو دینے کا مطلب اسے اسلام کے بجائے دیگر مذاہب میں دھکیلنا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے غصے اور عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ نعوذ باللّٰہ من ذٰلك.

علاوہ ازیں ہر مسلمان کو یہ بخوبی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اس کا اولین فرض ہے کہ وہ اپنے بچے کی اچھی تعلیم و تربیت کرے، اسے اسلامی آداب سکھائے، اسلامی شعائر اور فرائض کی اس کے دل میں محبت پیدا کرے۔ اپنے اس فرض کو ادا کرنے کے لیے ہر مسلمان کو مقدور بھر خود کوشش کرنی چاہیے اور اگر دوسروں کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ صالح و مخلص، مسلمان عربی مردوں اور عورتوں کی مدد حاصل کرے تاکہ دنیا و آخرت میں انسان اپنے فرائض سے عہدہ برا ہو اور اس کی اولاد اس کا وہ عمل صالح قرار پائے جس کا اجر و ثواب اسے مرنے کے بعد بھی ملتا رہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

''جب ابن آدم فوت ہو جاتا ہے تو ان تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے: صدقہ جاریہ، نفع بخش علم (جو وہ لوگوں کو سکھا جاتا ہے) اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔'' [1]

لشکر اسلام کی واپسی

لشکر اسلام جن اعلیٰ ایمانی و روحانی جذبات کے ساتھ سوئے خیبر روانہ ہوا تھا، واپسی پر بھی اس کی وہی نرالی اور البیلی شان تھی۔ طاغوتی فوجیں جب کسی علاقے کو فتح کرتی ہیں تو وہ فتح کے نشے میں بدمست ہو کر ایسے ایسے گھناؤنے اور شیطانی حربے اختیار کرتی ہیں کہ انسانیت کا دامن تار تار ہو جاتا ہے مگر قدوسیوں کا یہ لشکر جب بے مثال فتح و نصرت حاصل کر کے خیبر پر پرچم اسلام لہرانے کے بعد واپس آ رہا تھا تو ان کے دل فخر و غرور کی آلائش سے

1 صحیح مسلم: 1631

بالکل پاک تھے۔ ان کے دن اور راتیں رب تعالیٰ کی عبادت میں صرف ہو رہی تھیں۔ ان کی صبح و شام اپنے آقا و مولیٰ جل شانہ کے ذکر و فکر سے مہک رہی تھی۔ ان کی زبانوں پر اسی رب ذوالجلال کی وحدانیت و کبریائی کے ترانے تھے جس نے انھیں بہت قلیل تعداد اور سامان جنگ کے فقدان کے باوجود کئی گنا بڑے اور بھاری دشمن پر فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا تھا۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرزندانِ توحید کی خیبر سے واپسی کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں جنگ کی ..... یا انھوں نے یہ کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے ..... تو لوگ ایک وادی میں پہنچے ٹیلے پر چڑھ گئے اور انھوں نے بلند آواز سے تکبیر پڑھنا شروع کر دی: اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ارْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ»

''تم اپنے آپ پر کچھ نرمی کرو۔ تم کسی بہرے یا غائب کو تو نہیں پکار رہے، تم تو اس ذات گرامی کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے۔''

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ کہتے ہوئے سنا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ''اے عبداللہ بن قیس!'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِّنْ كَنْزٍ مِّنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟»

''کیا میں تمھیں ایک ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے؟''

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں، میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کلمہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔''[1]

اس حدیث پاک کے ابتدائی الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کی طرف جاتے وقت پیش آیا تھا لیکن یہ بات درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ خیبر سے واپسی کا ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تو سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتح خیبر کے بعد حبشہ سے واپس آئے تھے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس حدیث کے ابتدائی الفاظ سے جو تأثر ملتا ہے، اس کے ازالے کے لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہاں اختصار ہے اور عبارت درحقیقت اس طرح تھی: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے، آپ نے

[1] صحيح البخاري: 4202.

اس کا محاصرہ فرما لیا، اس محاصرے کے نتیجے میں آپ ﷺ نے خیبر کو فتح کر لیا، پھر جب فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے ..... [1]

طلوعِ آفتاب کے بعد نمازِ فجر

رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی کی راہ پر چلتے چلتے نیند کے غلبہ کی وجہ سے رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «اكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَ» ”آج رات ہمارا پہرہ دینا۔“ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رات کو حسب مقدور نماز پڑھی، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محو استراحت ہو گئے۔ فجر کے قریب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سواری کے ساتھ ٹیک لگا کر مشرق کی جانب منہ کر کے بیٹھ گئے، اس حالت میں ان پر بھی نیند غالب آ گئی۔ رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے نہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کوئی بیدار نہ ہو سکا حتی کہ سورج طلوع ہو گیا۔ جب دھوپ پڑی تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ ہی بیدار ہوئے۔ آپ نے گھبراہٹ کے عالم میں آواز دی: «أَيْ بِلَالُ!» ”اے بلال!“ انھوں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں! میرے نفس کو بھی اُسی نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑا تھا، یعنی مجھ پر بھی نیند اسی طرح غالب آ گئی جس طرح آپ پر غالب آ گئی تھی۔“ آپ نے حکم دیا کہ اپنی سواریوں کو آگے بڑھاؤ، چنانچہ انھوں نے اپنی سواریوں کو ہانکا حتی کہ اس وادی سے نکل گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس وادی میں شیطان تھا۔“ وادی سے نکل جانے کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سواریوں سے اتر جائیں اور وضو کریں، پھر آپ ﷺ نے فجر کی سنتیں ادا کیں، پھر بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انھوں نے اقامت کہی اور امام کائنات ﷺ نے نماز فجر کی امامت فرمائی، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف رخ انور کیا، جب ان کے چہروں پر گھبراہٹ کے آثار دیکھے تو فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ أَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا إِلَيْنَا فِي حِينٍ غَيْرِ هٰذَا، فَإِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا، ثُمَّ فَزِعَ إِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيهَا فِي وَقْتِهَا»

”لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض فرما لیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت بھی انھیں ہماری طرف لوٹا سکتا تھا۔ تم میں سے جب کوئی شخص نماز سے (بے خبر) سویا رہے یا اسے بھول جائے اور پھر گھبراہٹ کے عالم میں نماز کی طرف متوجہ ہو تو وہ نماز اسی طرح ادا کرے جیسے اس کے وقت میں ادا کرتا ہے۔“

1 فتح الباري: 587/7.

پھر رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف التفات کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ أَتَى بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَأَضْجَعَهُ، فَلَمْ يَزَلْ يُهَدِّئُهُ كَمَا يُهَدَّأُ الصَّبِيُّ حَتَّى نَامَ»

''بلال جب کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے تو شیطان ان کے پاس آیا، اس نے انھیں لٹا دیا اور اس طرح تھپکیاں دینے لگا جس طرح بچے کو تھپکیاں دی جاتی ہیں حتی کہ وہ سو گئے۔''

پھر بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور انھیں اسی جیسی بات بتائی جو آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بتائی تھی۔ اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پکار اٹھے: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''[1]

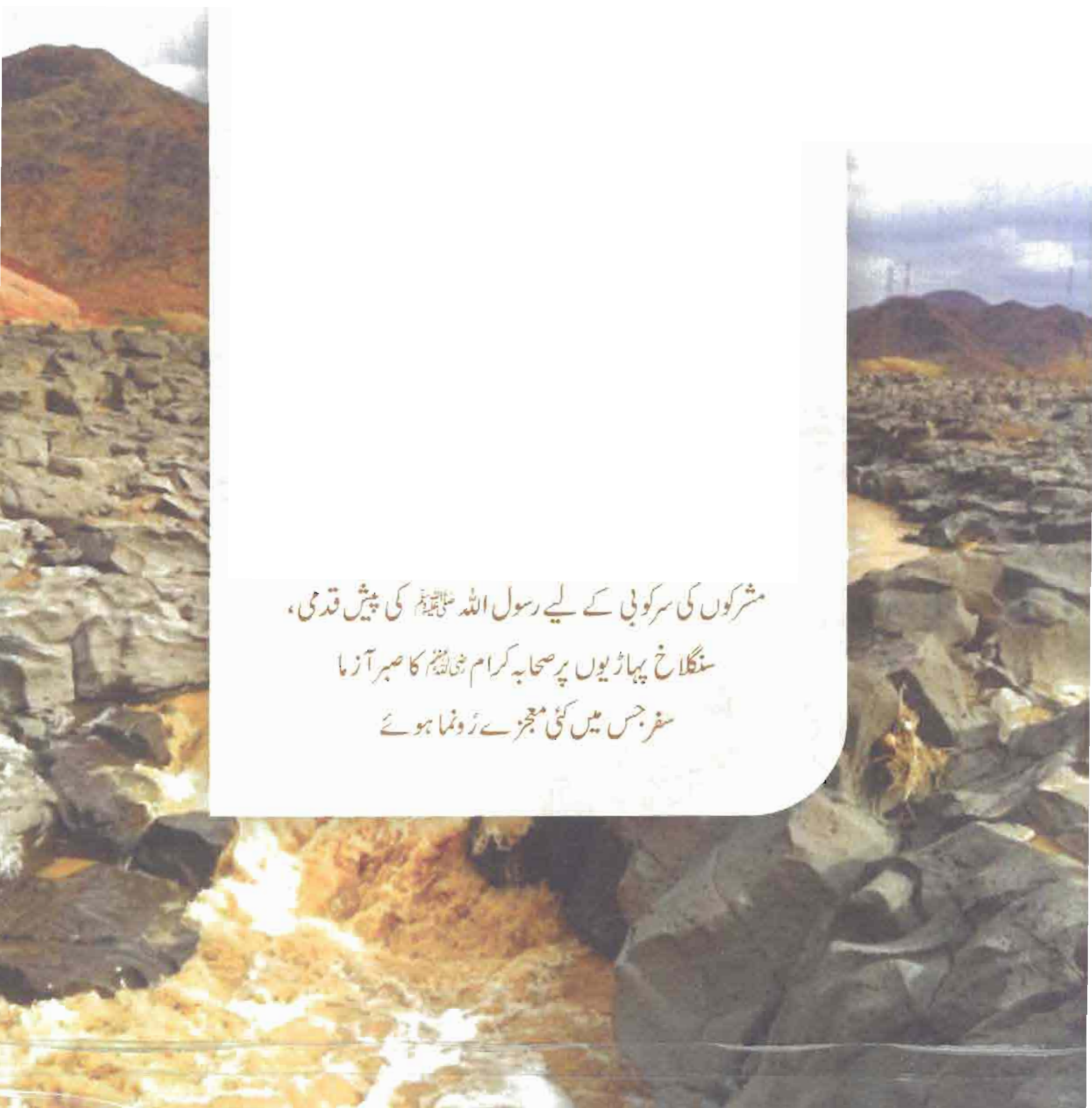
انصار کو عطیات کی واپسی

رسول اللہ ﷺ جب فتح و نصرت اور غنیمت و شادمانی کے ساتھ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو مہاجرین نے اپنے انصار بھائیوں کو کھجوروں کے وہ تمام درخت لوٹا دیے جو انھوں نے انھیں عطیہ کے طور پر دیے تھے کیونکہ اب خیبر میں ان کا مال بھی تھا اور کھجوروں کے درخت بھی۔ ام سُلَیم رضی اللہ عنہا...... والدہ ماجدہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ... نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پھل دار کھجوروں کے درخت پیش کیے تھے، آپ ﷺ نے وہ درخت اپنی باندی ام ایمن کو دے دیے تھے، جو سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ نے بھی سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ان کے درخت لوٹا دیے اور ام ایمن کو اپنے باغ سے ہر درخت کے بدلے میں دس درخت عطا فرما دیے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی کے بعد شوال تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ اس اثنا میں آپ ﷺ نے کئی سرایا روانہ فرمائے۔[3]

1 صحیح مسلم: 680، سنن أبي داود: 435، سنن الترمذي: 3163، سنن ابن ماجه: 697، الموطأ للإمام مالك: 15.14، زاد المعاد: 3/357,356. مزید دیکھیے: اسی جلد کے باب: 1، ''صلح حدیبیہ'' میں زیر عنوان: رستے میں سونے کے لیے قیام اور فجر کی نماز سے لیٹ ہونا۔'' 2 صحیح البخاري: 2630 و 4120، صحیح مسلم: 1771. 3 زاد المعاد: 3/359.

غزوۂ ذات الرقاع



مشرکوں کی سرکوبی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیش قدمی، سنگلاخ پہاڑیوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صبر آزما سفر جس میں کئی معجزے رُونما ہوئے

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ
فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ
فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ
أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا

”اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیار لیے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ آئے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی (وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے)۔“

(النسآء 4:102)

اس باب میں

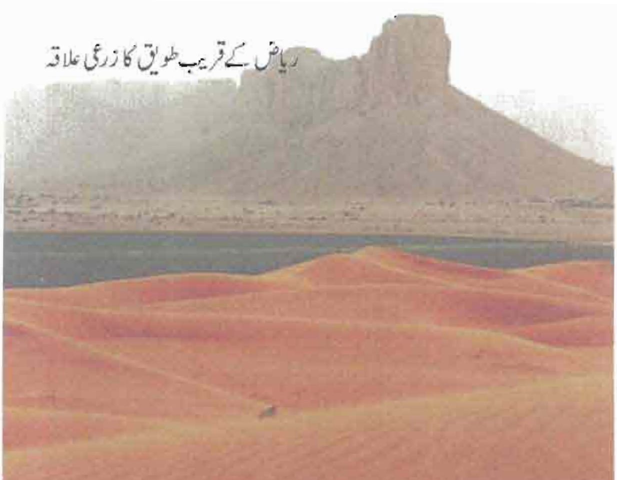
آپ کو غزوۂ ذات الرقاع کی بہت اہم اور چشم کشا تفصیلات ملیں گی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک تاجر مدینہ منورہ آیا۔ اُس نے باتوں باتوں میں بتایا کہ بنو محارب و ثعلبہ لڑاکا جتھے جمع کر رہے ہیں اور کسی بڑی لڑائی کی فکر میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ خطرے کے سدباب کے لیے فوراً سرگرم عمل ہوجاتے تھے۔ اس طرح جہاں مسلمانوں کی حفاظت کا پیشگی بندوبست ہوجاتا تھا، وہیں مفسد مشرکوں کے ناپاک حربے بھی بے کار ہو جاتے تھے۔ بنو محارب و ثعلبہ کی جتھا بندیوں کی اطلاع پاتے ہی آپ ﷺ ان کی سرکوبی کے لیے نجد کی طرف چل دیے۔ اِس راستے میں بڑے سخت مرحلے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت سنگلاخ اور دشوار گزار وادیوں سے گزرنا پڑا۔ نوکیلے پتھروں پر چلتے چلتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں پھٹ گئے، انھوں نے پاؤں میں چیتھڑے باندھ لیے، اٹک اٹک کر چلتے رہے مگر ان کے عزم و ہمت نے ساتھ نہ چھوڑا اور انھوں نے راہِ جہاد سے منہ نہ موڑا۔ اسی غزوے سے واپسی پر پڑاؤ کے دوران آپ ﷺ ایک درخت تلے استراحت فرما رہے تھے کہ مشرکین کا ایک سرغنہ آدھمکا اور تلوار سونت کر پوچھنے لگا: اب آپ کو کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے نہایت سکون اور وقار سے فرمایا: اللہ! یہ سن کر اُس شخص پر لرزہ طاری ہوگیا۔



محارب و بنو ثعلبہ پر لشکر کشی

جب رسول اکرم ﷺ نے مشرکین مکہ اور ان کے ہمنوا قبائل کی قوت کا خاتمہ کر دیا، یہودیوں کی سازشیں ناکام بنا دیں اور یہودی قبائل کو ان کی بدعہدی اور مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کی پاداش میں مدینہ منورہ سے بے دخل کر دیا تو آپ ﷺ نے ان بدوؤں کی طرف توجہ دی جو نجد کے صحرا میں خیمہ نشین تھے اور وقتاً فوقتاً چوری اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں کر کے مسافروں کو پریشان کرتے تھے۔ یہ لوگ کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرتے تھے، اس لیے ان پر قابو پانا خاصا مشکل کام تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف مؤثر کارروائی کا فیصلہ کر لیا اور ان کے فتنے کو ختم کرنے کے لیے بنفسِ نفیس فرزندانِ توحید کی قیادت فرمائی۔

وجہ تسمیہ



یہ غزوہ کتب تاریخ میں متعدد ناموں سے معروف ہے۔ سب سے زیادہ مشہور نام ''غزوۂ ذات الرقاع'' (چیتھڑوں والا غزوہ) ہے۔ اس غزوے کو یہ نام کیوں دیا گیا؟ اس کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس غزوے کو ''ذات الرقاع'' اس لیے کہتے ہیں کہ مجاہدین نے اپنے جھنڈوں پر پیوند لگائے تھے۔ یا یہ اس علاقے کے ایک درخت کا نام تھا۔[1]

کچھ مؤرخین کہتے ہیں کہ جس علاقے میں یہ غزوہ ہوا، اس کی زمین سرخ، سفید اور سیاہ رنگ کی دھاریوں والی

[1] السیرۃ لابن ہشام: 214/3.

تھی، اس لیے دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ رنگا رنگ چیتھڑے ہوں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ مجاہدین کے گھوڑوں یا پہاڑ کا رنگ سفید و سیاہ تھا، اس وجہ سے اس کا نام ''ذات الرقاع'' پڑ گیا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں:

''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے کے لیے گئے۔ ہم چھ ساتھی تھے اور ہمارے پاس سواری کے لیے صرف ایک اونٹ تھا جس پر ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ (پیدل، طویل اور پُر مشقت سفر کی وجہ سے) ہمارے پاؤں پھٹ گئے اور شدید زخمی ہو گئے۔ میرے پاؤں بھی شدید زخمی ہوئے، حتی کہ میرے ناخن جھڑ گئے، اس وجہ سے ہم اپنے پاؤں پر پٹیاں باندھ کر چل رہے تھے۔ اس لیے اس غزوے کا نام ''غزوۂ ذات الرقاع'' (چیتھڑوں یا پٹیوں والا غزوہ) پڑ گیا۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کیا لیکن بعد ازاں انھیں یہ واقعہ بیان کرنا مناسب معلوم نہ ہوا، اس لیے فرمایا: مجھے یہ (پٹیاں باندھ کر پُر مشقت سفر کرنے کا) واقعہ بیان نہیں کرنا چاہیے تھا۔ دراصل وہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کیے گئے عمل ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔''[2]

اصحاب المغازی نے جو وجوہ بیان کی ہیں، وہ سبھی ممکن ہیں لیکن راجح وجہ وہی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بیان کی ہے کیونکہ وہ صحیح ترین سند کے ساتھ منقول ہے۔ امام سہیلی اور نووی رحمہما اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔[3] ابن اسحاق نے بھی اسے راجح قرار دیا ہے۔[4]

اس غزوے کے دیگر نام

1 غزوۂ نجد: کیونکہ یہ غزوہ نجد کے علاقے میں ہوا تھا۔

2 غزوۂ محارب و بنوثعلبہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو قبائل کے بدوؤں کا پیچھا کیا تھا، اس لیے اس غزوے کا نام غزوۂ محارب اور غزوۂ بنوثعلبہ پڑ گیا۔

3 غزوۃ الأعاجیب: اس غزوے میں رونما ہونے والے معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درخشاں واقعات کی وجہ سے اسے غزوۃ الأعاجیب کا نام دیا گیا ہے۔[5]

4 غزوۂ بنوانمار: اس غزوے میں بنوانمار کی سرکوبی بھی مطلوب تھی، اس لیے اسے غزوۂ بنوانمار بھی کہا جاتا ہے۔

1 فتح الباري: 523/7، البداية والنهاية: 85/4. 2 صحيح البخاري: 4128. 3 فتح الباري: 523/7. 4 السيرة لابن إسحاق: 387/2. 5 سبل الهدى والرشاد: 175/5، زاد المعاد: 250/3.

5 غزوۂ صلاۃ الخوف: نبی کریم ﷺ نے اس غزوے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ خوف پڑھائی تھی، اس لیے اس کا نام غزوۂ صلاۃ الخوف پڑ گیا۔[1]

غزوے کی تاریخ

غزوۂ ذات الرقاع کب ہوا؟ اس بارے میں اصحاب مغازی کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ خیبر سے پہلے ہوا مگر ان کے نزدیک تاریخ میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں: 4 ھ میں نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بنونضیر کے بعد ربیع الثانی اور جمادی اولیٰ کے چند ایام مدینہ منورہ میں بسر فرمائے، پھر آپ ﷺ نے غطفانی قبائل بنومحارب اور بنوثعلبہ سے نجد کے علاقے میں جنگ کی۔[2]



الابرق (نجد) کا علاقہ

علامہ ابن سعد اور ابن حبان کے نزدیک یہ غزوہ 5 ھ میں ہوا۔[3] جبکہ ابومعشر سندھی بیان کرتے ہیں کہ یہ غزوہ 5 ھ میں غزوۂ بنوقریظہ کے بعد ہوا۔ اس طرح یہ غزوہ 5 ھ کے آخر اور 6 ھ کے شروع میں ہوا کیونکہ بنوقریظہ سے اسلامی لشکر کی واپسی ذوالحجہ کے آخر میں ہوئی تھی۔[4]

موسیٰ بن عقبہ نے بھی اسے پورے وثوق کے ساتھ غزوۂ خیبر سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے لیکن وہ اس بارے میں شدید متردد ہیں کہ یہ غزوہ بدر سے پہلے ہوا یا بعد میں، یا یہ غزوہ احد سے قبل ہوا یا بعد میں۔

اصحاب المغازی کے برعکس امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد دلائل کے ساتھ اس کی تاریخ غزوۂ خیبر کے بعد ثابت کی ہے۔ آیئے وہ دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

1 امام صاحب فرماتے ہیں: بَابُ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ وَهِيَ غَزْوَةُ مُحَارِبٍ ..... وَهِيَ بَعْدَ خَيْبَرَ لِأَنَّ أَبَا مُوسَى جَاءَ بَعْدَ خَيْبَرَ.

''غزوۂ ذات الرقاع کا بیان اور اس غزوے کو غزوۂ محارب بھی کہا جاتا ہے ..... یہ غزوۂ خیبر کے بعد ہوا کیونکہ اس غزوے میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے شرکت کی ہے اور وہ (حبشہ سے) غزوہ خیبر کے بعد واپس آئے تھے۔''[5]

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 521/2. [2] السيرة لابن إسحاق: 387/2. [3] الطبقات لابن سعد: 61/2، الثقات لابن حبان: 96/1. [4] شرح الزرقاني على المواهب: 522/2. [5] صحيح البخاري، قبل حديث: 4125.

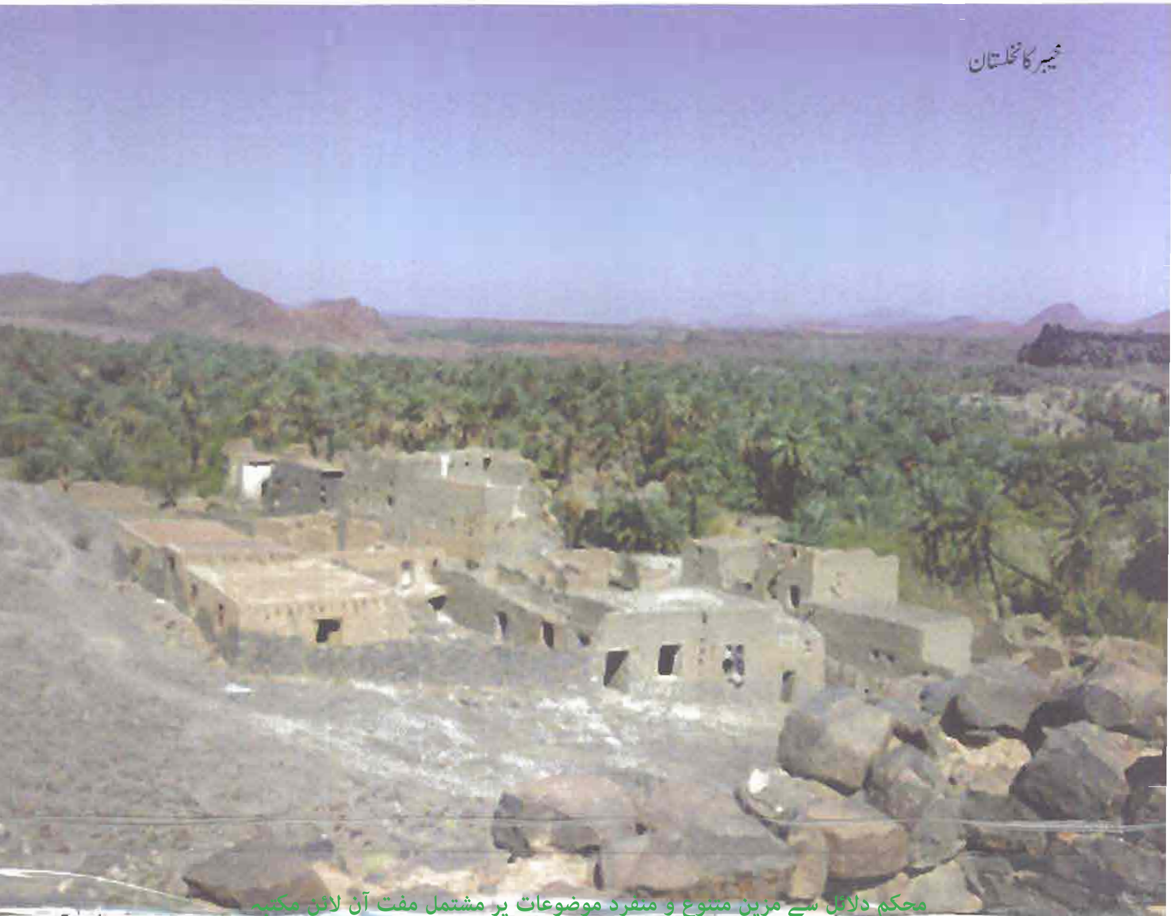
سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے غزوۂ خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی دلیل بھی صحیح بخاری میں موجود ہے۔ [1]

2 سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نجد کے علاقے میں ہونے والے غزوے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں غزوۂ خیبر کے دوران میں پہنچے تھے۔ [2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ منورہ تشریف لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے روانہ ہو چکے تھے، لہٰذا سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد جب خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خیبر فتح ہو چکا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی غنیمت میں سے حصہ دیجیے۔ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے تھے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! اسے حصہ مت دیجیے گا۔ اس پر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ شخص ابن قوقل (نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ) کا قاتل ہے۔ اس پر ابان رضی اللہ عنہ نے کہا: کتنی

1 دیکھیے: صحیح البخاري: 3136، 2 صحیح البخاري: 4137.


خیبر کا نخلستان

عجیب بات ہے کہ یہ وبر (بلی سے ملتا جلتا جانور) یعنی ابوہریرہ ابھی ابھی پہاڑ کی چوٹی سے بکریاں چراتے یہاں اُتر آیا ہے اور ایک مسلمان کے قتل کا الزام مجھ پر دھر رہا ہے، اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں سے عزت (شہادت) بخشی اور مجھے ان کے ہاتھوں سے ذلیل ہونے سے بچا لیا۔ (اگر اس وقت ابان رضی اللہ عنہ، نعمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے جاتے تو جہنمی ہوتے کیونکہ وہ اس وقت کافر تھے)۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ خیبر کے بعد ہوا۔

3 سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوۂ نجد میں شرکت کی۔ جب ہم دشمن کے سامنے پہنچے تو ہم نے صف بندی کی۔ [2]

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ غزوۂ ذات الرقاع غزوہ خندق کے بعد ہوا ہے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلی لڑائی غزوۂ خندق ہی میں لڑی تھی۔ [3]

4 سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں غزوے، غزوۂ ذات الرقاع میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ خوف پڑھائی۔ [4]

یہ روایت بھی اس بات کی قوی دلیل ہے کہ غزوہ ذات الرقاع، غزوۂ خیبر کے بعد ہوا کیونکہ وہ غزوات جن میں باقاعدہ لڑائی بھی ہوئی، وہ یہ ہیں: پہلا: غزوۂ بدر، دوسرا: غزوۂ احد، تیسرا: خندق، چوتھا: بنوقریظہ، پانچواں: مریسیع، چھٹا: خیبر اور ساتواں: ذات الرقاع۔

اور اگر مطلق ساتواں غزوہ مراد لیا جائے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس شریک ہوئے ہر چند اس میں لڑائی نہ بھی ہوئی ہو تو اس صورت میں ساتواں غزوہ احد سے پہلے بنتا ہے۔ جبکہ کوئی بھی مؤرخ اس بات کا قائل نہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع احد سے پہلے ہوا تھا۔ [5]

5 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ علامہ واقدی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کی طرف نکلے تو میں (رستے میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عسفان میں ملا۔ میں آپ کے سامنے آیا اور آپ کے برابر کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی۔ ہم نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن ہم ایسا نہ کر سکے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ارادوں سے باخبر کر دیا تو آپ نے صحابہ کرام کو عصر کی نماز، نمازِ خوف کے طریقے پر پڑھائی.....۔

1 دیکھیے: صحیح البخاري: 2827. 2 صحیح البخاري: 4132. 3 دیکھیے صحیح البخاري: 4097. 4 صحیح البخاري: 4125. 5 فتح الباري: 7/524.

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے عسفان میں جو نمازِ خوف ادا کی، وہ غزوۂ ذات الرقاع میں ادا کی گئی نمازِ خوف کے علاوہ ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں قصے بیان کیے ہیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ابوزبیر نے واقعہ عسفان کی روایت بیان کی ہے جبکہ ابوسلمہ، وہب بن کیسان اور ابوموسیٰ مصری نے غزوۂ ذات الرقاع والی روایت ان سے بیان کی ہے، لہٰذا جب یہ بات طے ہوگئی کہ سب سے پہلی نمازِ خوف عسفان میں ادا کی گئی اور واقعہ عسفان عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر ہوا تھا اور حدیبیہ غزوۂ خندق اور بنوقریظہ کے بعد ہے اور غزوۂ ذات الرقاع میں بھی نمازِ خوف ادا کی گئی ہے جبکہ غزوہ ذات الرقاع عسفان کے بعد ہوا ہے، تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوہ خندق، بنوقریظہ اور حدیبیہ کے بعد ہے۔ اس سے ان علماء کے قول کو تقویت ملتی ہے جو کہتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ خیبر کے بعد ہے کیونکہ غزوہ خیبر، حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہوا تھا۔

امام غزالی رحمہ اللہ کا یہ دعویٰ کہ غزوۂ ذات الرقاع آخری غزوہ ہے، بالکل غلط ہے۔ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے۔ پھر امام غزالی رحمہ اللہ کے ہمنواؤں میں سے کسی نے یہ کہہ دیا کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ غزوۂ ذات الرقاع وہ آخری غزوہ ہے جس میں نمازِ خوف ادا کی گئی ہے۔ لیکن اس کی تردید کے لیے سنن ابوداود میں سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہی کافی ہے کہ "انھوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نمازِ خوف پڑھی ہے۔"[1] کیونکہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ طائف کے موقع پر 8 ھ میں مسلمان ہوئے تھے اور غزوۂ طائف یقیناً غزوۂ ذات الرقاع کے بعد ہوا ہے۔[2]

نواحِ طائف کا ایک خوش نما منظر



متذکرہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ خیبر کے بعد 7 ھ میں ہوا اور اس سلسلے میں امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہی راجح ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔[3]

1 دیکھیے: سنن أبي داود، حديث: 1248. 2 فتح الباري: 529/7. 3 زاد المعاد: 251/3-254.

اسباب و محرکات

غزوۂ ذات الرقاع کا ایک سبب پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نجد کے علاقے میں بعض لوگ وقتاً فوقتاً چوری اور ڈاکہ زنی کا ارتکاب کرتے تھے اور عام لوگوں کے لیے عذاب بنے ہوئے تھے۔

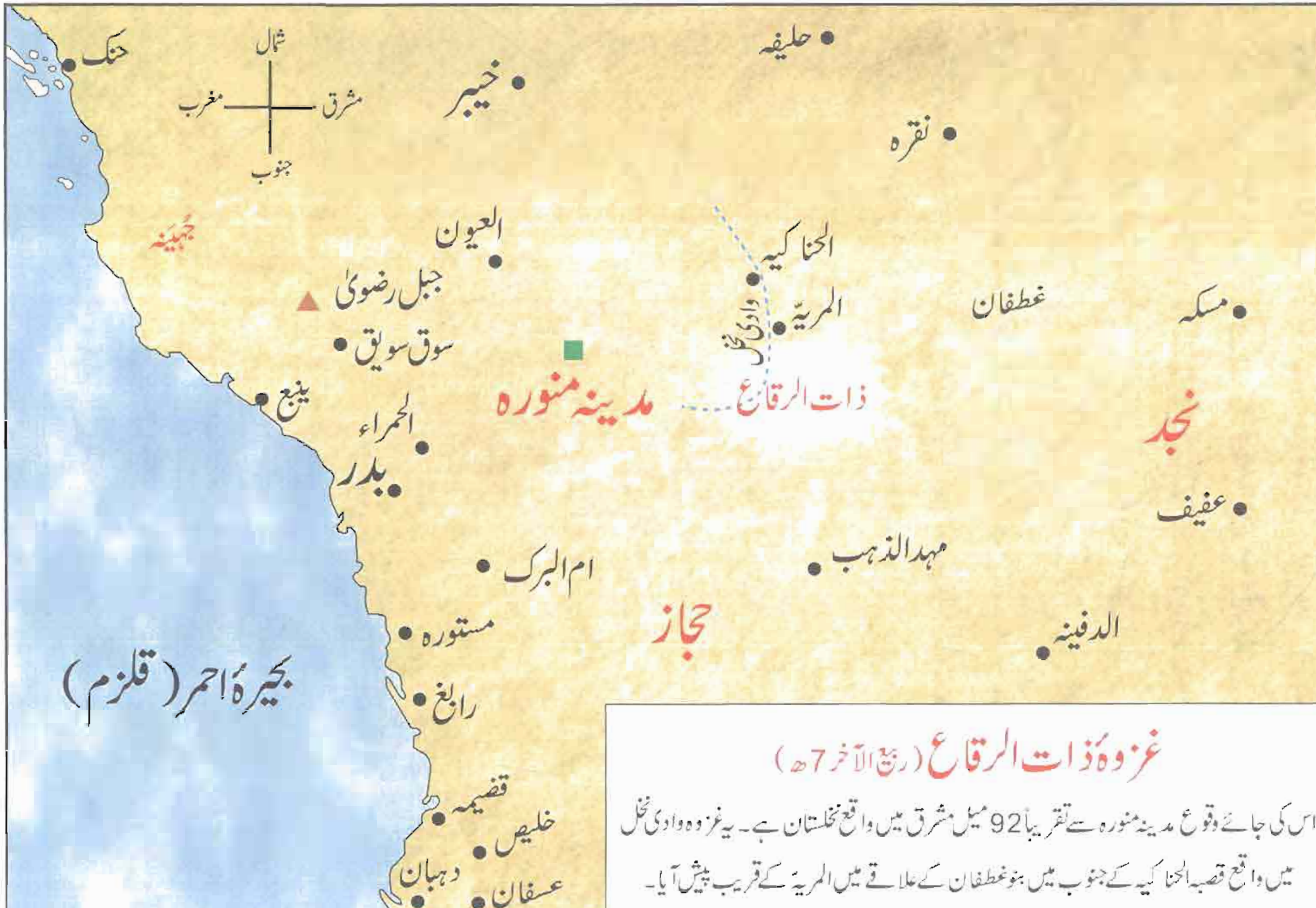
اس غزوے کا دوسرا سبب علامہ واقدی بیان کرتے ہیں کہ ایک تاجر سامانِ تجارت لے کر مدینہ منورہ آیا اور بازارِ نبط میں خرید و فروخت کرتا رہا۔ اس دوران میں وہ اہلِ مدینہ کا بغور مشاہدہ کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ ان کا دشمن تو ان پر یلغار کے لیے بھر پور تیاریاں کر رہا ہے مگر یہ لوگ بے فکر ہیں۔ ایک روز چند لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم یہ سامانِ تجارت کس علاقے سے لائے ہو؟ اس نے بتایا کہ میں نجد سے سامان لایا ہوں۔ میں نے وہاں دیکھا ہے کہ بنو انمار اور بنو ثعلبہ تمھارے خلاف لشکر تیار کر رہے ہیں لیکن تم لوگ ایسی کوئی تیاری کرتے دکھائی نہیں دیتے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس معاملے کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ یا سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنایا اور خود چار سو جانبازوں، اور بروایت بعض مورخین سات سو یا آٹھ سو جاں نثاروں کے ساتھ ان قبائل کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گئے۔ [1]

محلِ وقوع



رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نجد کے علاقے کی طرف روانہ ہوئے اور وادی نخل میں پڑاؤ ڈالا۔ وادی نخل مدینہ منورہ سے شمال مشرق میں تقریباً 100 کلومیٹر کے فاصلے پر بہتی ہے۔ اسے وادی الحناکیہ بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ ذات الرقاع الحناکیہ نامی قصبے کے قریب پیش آیا تھا جو وادی نخل (وادی الحناکیہ) میں واقع ہے۔ [2]

[1] المغازي للواقدي: 333/1، السيرة لابن هشام: 225/3. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، 317



غزوۂ ذات الرقاع (ربیع الآخر 7ھ)

اس کی جائے وقوع مدینہ منورہ سے تقریباً 92 میل مشرق میں واقع نخلستان ہے۔ یہ غزوہ وادی نخل میں واقع قصبہ الحنا کیہ کے جنوب میں بنو غطفان کے علاقے میں المریّہ کے قریب پیش آیا۔

فرزندانِ توحید مشرکوں کے تعاقب میں

رسول اللہ ﷺ مضیق کے علاقے سے گزرتے ہوئے وادی الشقرہ پہنچے اور وہاں ایک دن قیام فرمایا۔ آپ ﷺ نے دشمن کی سرگرمیوں کا کھوج لگانے کے لیے مجاہدین کے دستے چاروں طرف روانہ کیے۔ شام تک تمام دستے واپس آگئے۔ انھوں نے خبر دی کہ انھیں پورے علاقے میں کوئی دشمن نہیں ملا، نہ ان کی کسی سرگرمی کی کوئی اطلاع ہے، اس کے بعد رسول اکرم ﷺ اپنے جانبازوں کو لے کر دشمن کے تعاقب میں نکلے۔ جب ان کے گھروں تک پہنچے تو انھیں خالی پایا۔ وہاں صرف عورتیں اور بچے موجود تھے جبکہ تمام مرد بھاگ کر پہاڑ کی چوٹیوں میں جا چھپے تھے۔ اسلامی لشکر نے عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا۔ جس وقت یہ کارروائی ہورہی تھی، بزدل مشرکین پہاڑی چوٹیوں سے یہ سارا رسوا کن منظر دیکھ رہے تھے۔[1]

لشکرِ اسلام اور بنو غطفان آمنے سامنے

علامہ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ اسلامی لشکر کا سامنا بنو غطفان کے لشکر سے ہوا۔ دونوں لشکر صف آرا ہوئے لیکن ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے گریز کرتے رہے، بس ایک دوسرے کو مرعوب کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ اسلامی لشکر کو خدشہ تھا مبادا دشمن اچانک حملہ کردے، اور مشرکین کو یہ خوف لاحق تھا کہ مسلمان ان کا قلع قمع کیے بغیر نہیں ٹلیں گے۔ اسی دوران میں نمازِ ظہر کا وقت ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے عین دشمن کے رُوبرو سرِ میدان نماز باجماعت ادا کی۔ جب مسلمان اپنے رب کے سامنے سربسجود تھے، بزدل دشمن نے ارادہ کیا کہ اسی وقت دھاوا بول دیں۔ پھر آپس میں کہنے لگے: ذرا صبر کرو، تھوڑی دیر بعد یہ ایک اور نماز پڑھیں گے جو انھیں اپنے جگر گوشوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ اس وقت یہ لوگ خوب منہمک ہوں گے، بس وہی موقع ہوگا جب تم انھیں بآسانی قتل کرسکو گے۔ اس وقت یہ مدافعت بھی نہیں کر پائیں گے۔

اللہ رب العزت نے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے اپنے نبی ﷺ کو دشمن کے گھناؤنے منصوبے سے بروقت آگاہ کردیا۔ نبی مکرم ﷺ نے عصر کی نماز، نمازِ خوف کے خاص طریقے پر ادا کی۔ یوں دشمن اپنے مذموم ارادوں کو عملی شکل نہ دے سکا اور مسلمان بخیر و عافیت سرورِ عالم ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جُعَال بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ اہلِ مدینہ کو اسلامی لشکر کی سلامتی اور کامیاب جنگی مہم کی خوش خبری

[1] المغازي للواقدي: 1/333، 334

سنائیں۔ نبی مکرم ﷺ اس مہم کے دوران میں پندرہ دن تک مدینہ منورہ سے باہر رہے۔ بقول علامہ ابن سعد اس مہم میں ادا کی جانے والی نمازِ خوف پہلی نمازِ خوف تھی۔[1]

غزوۂ ذات الرقاع: غزوۃ الاعاجیب

غزوۂ ذات الرقاع میں نبی کریم ﷺ کے متعدد معجزات رونما ہوئے، کچھ حیرت انگیز واقعات اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری کی چند انمول داستانیں بھی رقم ہوئیں۔ انھی وجوہ کی بنا پر اس غزوے کو غزوۃ الاعاجیب بھی کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ان واقعات میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ صراحت ہے کہ وہ غزوۂ ذات الرقاع ہی کے موقع پر پیش آئے اور کچھ ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ صراحت تو نہیں ہے لیکن مؤرخین نے انھیں غزوۂ ذات الرقاع کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ آیئے غزوۃ الاعاجیب کے دلچسپ واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

پھر آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

نبی مکرم ﷺ غزوۂ ذات الرقاع میں نجد کے علاقے میں موجود تھے۔ ایک دن وادیٔ نخل میں قیلولے کے وقت آپ ﷺ ایک کانٹے دار درخت کے سائے میں محو استراحت تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی عمومی طریقے کے مطابق سایہ دار درخت کی چھاؤں آپ ﷺ کو پیش کر کے خود وادی میں جہاں جہاں سایہ ملا، وہاں جا کر آرام کرنے لگے۔ سفر کی تھکاوٹ اور دوپہر کی گرمی میں سایہ دار درخت میسر آنے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور نبی رحمت ﷺ جلد ہی میٹھی نیند سے لطف اندوز ہونے لگے۔

وادیٔ نخل کا ایک منظر

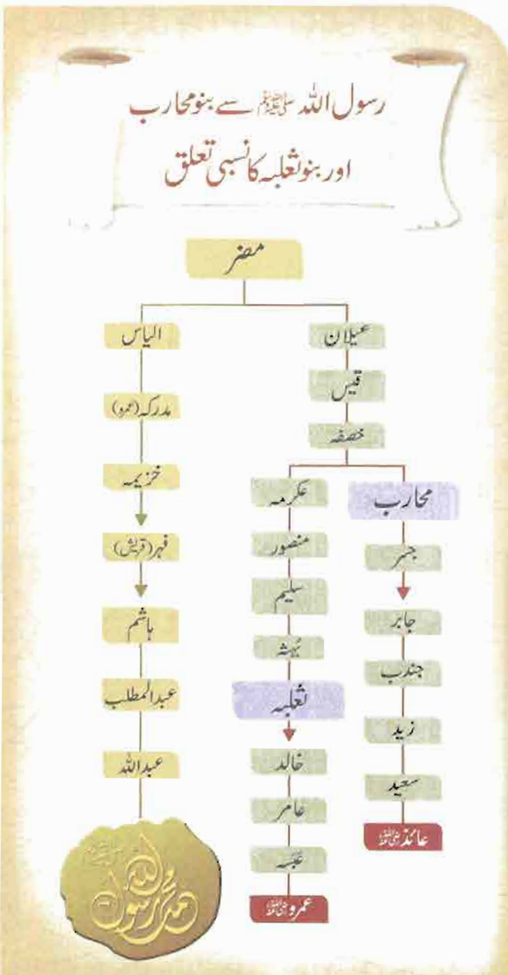


دشمنوں نے مسلمانوں کو سوتے دیکھا تو بنو محارب کا ایک شخص غورث بن حارث کہنے لگا: کیا میں تمھارا کام آسان کرنے کے لیے محمد (ﷺ) کا سر قلم کر کے تمھیں پیش کروں؟ انھوں نے پوچھا: تم اتنا مشکل کام کیسے کرو گے؟ وہ کہنے لگا کہ میں اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ (ﷺ) کو دھوکے سے قتل کر دوں گا، چنانچہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے آنکھ بچا کر نبی کریم ﷺ تک پہنچ گیا۔ آپ ﷺ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی۔ اُس نے میان سے تلوار

1 السيرة لابن إسحاق: 387/2، المغازي للواقدي: 334/1، سبل الهدى والرشاد: 175/5، الطبقات لابن سعد: 61/2.

نکالی اور چیلنج کرنے لگا: اب آپ کو کون بچائے گا؟ نبی کریم ﷺ کی آنکھ کھلی تو سامنے دشمن تلوار سونتے کھڑا تھا اور آپ کو چیلنج کر رہا تھا: اب آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ نبی کریم ﷺ نے اس کی اس گستاخانہ حرکت کا کمال صبر اور انتہائی جرأت سے جواب دیا: «اَللّٰہُ» ”میرا اللہ مجھے بچائے گا۔“

نبی کریم ﷺ کے اس جواب باصواب سے اس کا دل دہل گیا، ہاتھ کانپا اور تلوار گر گئی۔ اب آپ ﷺ نے تلوار اُٹھالی اور پوچھا:



«مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي الْيَوْمَ؟»

”آج تمھیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟“

خوف کے مارے اس کی جان پہلے ہی نکل رہی تھی، اب آپ ﷺ کے اس سوال پر اس کی رہی سہی قوت بھی جواب دے گئی۔ اس نے نہایت لجاجت سے عرض کیا: آپ بڑے رحم دل محسن ہیں، میری غلطی معاف فرما دیجیے۔ رحمت عالم ﷺ نے اُسے معاف فرما دیا، پھر اسے دعوتِ اسلام دی اور پوچھا:

«أَتَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

”کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟“

اس نے کہا: جی نہیں، البتہ میں یہ وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ میں اب کبھی آپ کے خلاف نہیں لڑوں گا، نہ کبھی آپ کے دشمن کا ساتھ دوں گا۔ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ پھر آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں اسی غورث اعرابی کا سارا قصہ سنایا جو اس وقت بڑی شرم ساری کی حالت میں آپ ﷺ کے قدموں میں بیٹھا تھا۔

پھر نبی کریم ﷺ نے اسے واپس جانے کی اجازت دے دی، وہ چلا گیا۔ قوم اس کی کامیابی کی خبر سننے کی شدت سے منتظر تھی۔ جب وہ ان کے پاس پہنچا تو اس کا اترا ہوا چہرہ کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔ قوم کے استفسار پر اس نے نبی مکرم ﷺ کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا: ''میں اس وقت دنیا کی سب سے افضل و اعلیٰ شخصیت کی زیارت کر کے آ رہا ہوں۔''[1]

سفرِ جہاد میں اسلامی لشکر کی راحت اور حفاظت کے پیشِ نظر کسی جگہ پڑاؤ کرتے وقت انھیں خصوصی ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اکٹھے رہیں اور منتشر نہ ہوں۔ سیدنا ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (سفرِ جہاد میں پڑاؤ کرتے وقت) مجاہدین وادیوں اور گھاٹیوں میں بکھر جاتے تھے۔ (جس کو جہاں مناسب جگہ ملتی وہ وہیں آرام کر لیتا تھا۔)

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِي هٰذِهِ الشِّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ إِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ»

''تمھارا ان وادیوں اور گھاٹیوں میں بکھر جانا شیطان کی طرف سے ہے۔''

چنانچہ اس کے بعد جب بھی آپ کسی منزل پر پڑاؤ کرتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے اتنے قریب رہتے حتیٰ کہ کہا جاتا: اگر ان پر ایک ہی کپڑا تان دیا جائے تو وہ سب کو ڈھانپ لے۔[2]

دورِ حاضر میں بھی مجاہدینِ اسلام کو اپنی حفاظت اور راحت کے لیے ان ہدایات پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

رحمتِ عالم کی دعا، مرگی کے مارے کو شفا

حرہ واقم میں بہتی ندی



غزوۂ ذات الرقاع کے لیے جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ حرۂ واقم پہنچے تو آپ ﷺ کو ایک پریشان حال ماں ملی۔ اس کا بچہ مرگی کے مرض میں مبتلا تھا۔ آپ ﷺ کی سواری دیکھ کر وہ تیزی سے آپ کی طرف لپکی، اُس نے التجا کی: اے اللہ کے رسول! میرا بیٹا شدید بیمار ہے، اس کی وجہ سے سارے

1 صحيح البخاري: 4136 و 4139، صحيح مسلم: 843، السيرة لابن إسحاق: 388/2، البداية والنهاية (محقق): 271،270/4، فتح الباري: 534/7، دلائل النبوة للبيهقي: 373/3-376. 2 سنن أبي داود: 2628.

گھر والے پریشان ہیں۔ اسے ایک دن میں کئی کئی بار مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: «ناولینیه» ''لاؤ بچہ مجھے دو۔'' اس نے بچہ آپ کے دستِ مبارک میں دے دیا تو آپ ﷺ نے نہایت شفقت سے اسے اپنی گود میں لے لیا۔ پھر اس کا منہ کھول کر تین بار اپنا لعاب دہن ڈالا، پھر فرمایا:

«بِسْمِ اللّٰهِ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، اخْسَأْ عَدُوَّ اللّٰهِ!»

''میں اللہ کا نام لے کر (دم کرتا ہوں)، میں اللہ کا بندہ (اور اس کا رسول محمد ﷺ) ہوں۔ اے اللہ کے دشمن (شیطان!) دفع ہو جا۔''

یہ دم کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بچہ اس کی ماں کے حوالے کیا اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

«شَأْنُكِ بِابْنِكِ لَيْسَ عَلَيْهِ بَأْسٌ فَلَنْ يَعُودَ إِلَيْهِ شَيْءٌ مِمَّا كَانَ يُصِيبُهُ»

''پریشان مت ہونا، ان شاء اللہ تمھارا بچہ تندرست ہو جائے گا اور یہ شیطان اسے دوبارہ تنگ نہیں کرے گا۔''

پھر فرمایا:

«الْقَيْنَا فِي الرَّجْعَةِ فِي هٰذَا الْمَكَانِ، فَأَخْبِرِينَا مَا فَعَلَ»

''اب تم جاؤ اور جب ہم واپس آئیں تو اس کی صحت کے بارے میں ضرور مطلع کرنا۔''

جب نبی کریم ﷺ غزوے سے واپس تشریف لائے تو وہ عورت اسی مقام پر آپ ﷺ کی منتظر تھی۔ وہ نہایت خوش و خرم تھی اور آپ ﷺ کو ہدیہ پیش کرنے کے لیے تین بکرے بھی لائی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«مَا فَعَلَ صَبِيُّكِ؟»

''تمھارے بیٹے کا کیا حال ہے؟''

اس نے عرض کیا: اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے! میرا بچہ بالکل تندرست ہے۔ جس دن سے آپ نے دم کیا ہے، اسے دوبارہ مرگی کی تکلیف نہیں ہوئی۔ یہ بکرے میں آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ لائی ہوں، آپ انھیں قبول فرمائیں۔ آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«انْزِلْ فَخُذْ مِنْهَا وَاحِدَةً وَرُدَّ الْبَقِيَّةَ»

''سواری سے اترو اور ایک بکرا وصول کرلو۔ باقی اسی عورت کو دے دو۔''

اس طرح رسول اللہ ﷺ کی دعا اور دم سے بیمار بچہ مکمل صحت یاب ہوگیا اور اس کے خاندان کو پریشانیوں سے نجات مل گئی۔

رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں اونٹ کی فریاد

ابھی نبی کریم ﷺ حرہ واقم سے نکل ہی رہے تھے کہ ایک کمزور و لاغر اونٹ بلبلاتا ہوا آیا، آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا اور اپنے انداز میں اپنی دکھ بھری داستان سُنانے لگا۔ جب وہ اپنی داستانِ غم سنا چکا تو نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا:

«أَتَدْرُونَ مَا قَالَ هٰذَا الْجَمَلُ؟»

”کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس اونٹ نے مجھ سے کیا کہا ہے؟“

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا جَمَلٌ جَاءَنِي يَسْتَعِيذُنِي عَلٰى سَيِّدِهِ يَزْعُمُ أَنَّهُ كَانَ يَحْرُثُ عَلَيْهِ مُنْذُ سِنِينَ حَتّٰى إِذَا أَجْرَبَهُ وَ أَعْجَفَهُ وَكَبُرَ سِنُّهُ أَرَادَ أَنْ يَنْحَرَهُ، اذْهَبْ مَعَهُ يَا جَابِرُ! إِلٰى صَاحِبِهِ فَأْتِ بِهِ»

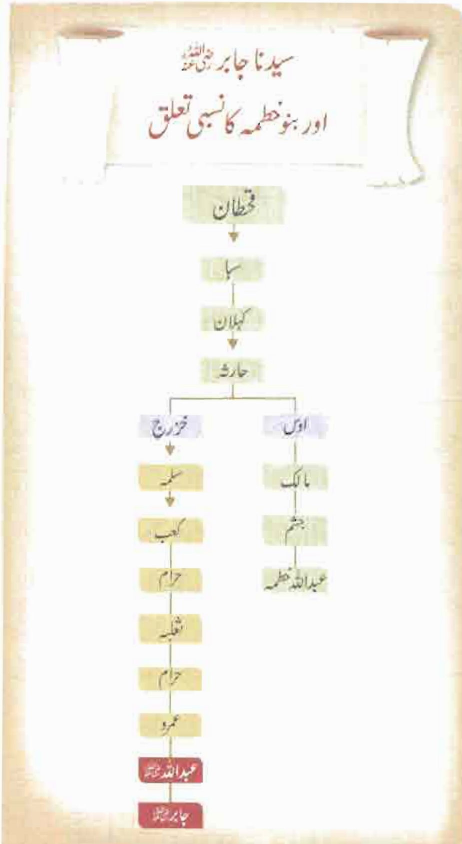
”یہ اونٹ مجھ سے اپنے مالک کی شکایت کر رہا ہے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ اس کا مالک ایک طویل عرصے سے اس کے ذریعے سے کھیتی باڑی کرتا رہا اور اپنی ضروریات پوری کرتا رہا۔ اب جبکہ یہ کمزور، بیمار اور بڈھا ہوگیا ہے تو وہ اسے ذبح کرنا چاہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اونٹ کی دادرسی کے لیے جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم اس کے ساتھ جاؤ، اس کے مالک کو بلا لاؤ۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! میں اس کے مالک کو نہیں جانتا۔ میں اس تک کیسے پہنچوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ سَيَدُلُّكَ عَلَيْهِ»

”یہ تمھیں اپنے مالک تک پہنچا دے گا۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ چلے تو اونٹ ان کے آگے آگے چلنے لگا۔ وہ چلتے چلتے بنوخطمہ کی ایک مجلس میں پہنچ کر رک گیا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ حاضرین مجلس نے بتایا کہ اس کا مالک فلاں شخص ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچے اور کہا: چلو تمھیں رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اونٹ کا



مالک بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا، آپ نے اس سے فرمایا:

«إِنَّ جَمَلَكَ هٰذَا يَسْتَعِيذُنِي عَلَيْكَ يَزْعَمُ أَنَّكَ حَرَثْتَ عَلَيْهِ زَمَانًا حَتّٰى أَجْرَبْتَهُ وَأَعْجَفْتَهُ وَكَبِرَ سِنُّهُ ثُمَّ أَرَدْتَ أَنْ تَنْحَرَهُ»

”تمھارے اونٹ نے مجھ سے تمھاری شکایت کی ہے کہ تم نے سالہا سال اس سے کھیتی باڑی کی خدمت لی ہے۔ اب جبکہ یہ کمزور اور بیمار ہوگیا ہے، اس کی عمر زیادہ ہوگئی ہے تو تم اسے ذبح کرنے کی فکر میں ہو۔“

اُس شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اونٹ نے بالکل سچ کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «بِعْنِيهِ» ”تم یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔“ اس نے وہ اونٹ آپ ﷺ کے ہاتھ فروخت کردیا۔ آپ ﷺ نے اسے جنگل میں چرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ وہ تھوڑے دنوں میں پھر سے تندرست اور توانا ہوگیا۔ اہل مدینہ کے انصار و مہاجرین میں سے جس کے گھریلو کام کاج کا اونٹ بیمار ہوتا، نبی مکرم ﷺ اسے اپنا اونٹ مرحمت فرما دیتے تھے۔ اس طرح یہ اونٹ طویل عرصے تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت گزاری کرتا رہا۔[1]

ماْمتا کی محبت

علامہ واقدی نے غزوۂ ذات الرقاع کے ضمن میں بچوں کے لیے ماں کی مامتا میں بھیگا ہوا یہ حیرت انگیز واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محوِ سفر تھے، اچانک آپ ﷺ نے ایک خوبصورت چڑیا کی دلگیر آوازیں سنیں۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک صحابی اس چڑیا کے ننھے منے بچے اپنے ہاتھوں میں لیے چلا آرہا ہے اور ان کی ماں اس صدمے سے نڈھال ہو رہی ہے کہ اس کے خوبصورت بچے قیدی بنا

1 المعجم الأوسط للطبراني: 10/49-51، مسند أحمد: 4/170، دلائل النبوة للبيهقي: 6/19-23.

لیے گئے ہیں۔ وہ ان کی آزادی کی فریاد کر رہی تھی اور بے قرار ہو کر صحابی کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ صحابی رسول ننھے منے بچے ہاتھوں میں لیے لطف اندوز ہو رہا تھا، ماں اپنے بچوں کی قید برداشت نہ کر سکی، وہ خود بھی صحابی کے ہاتھوں میں آ گری۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئے کہ کس طرح ایک ماں نے اپنے بچوں کی خاطر اپنے آپ کو صیاد کے حوالے کر دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ابھی یہ منظر دیکھ ہی رہے تھے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَتَعْجَبُونَ مِنْ هٰذَا الطَّائِرِ أَخَذْتُمْ فَرْخَهُ فَطَرَحَ نَفْسَهُ رَحْمَةً لِفَرْخِهِ، وَاللّٰهِ! لَرَبُّكُمْ أَرْحَمُ بِكُمْ مِنْ هٰذَا الطَّائِرِ بِفَرْخِهِ»

''کیا تم اس چڑیا کی بے قرار ممتا پر حیرت زدہ ہو رہے ہو، جس کے بچے تم نے پکڑ لیے تو اس نے اپنے بچوں کی محبت کے باعث خود کو تمھارے حوالے کر دیا۔ اللہ کی قسم! اس چڑیا کو اپنے بچوں سے جس قدر محبت ہے، تمھارا رب تم پر اس سے بھی بڑھ کر رحم و کرم فرمانے والا ہے۔''[1]

ارشادِ نبوی پر درخت بھی چل پڑے

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سفر کے دوران میں رونما ہونے والے ایک اور معجزے کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک وسیع و عریض وادی میں چل رہے تھے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے نکلے۔ میں بھی ایک برتن میں وضو کا پانی لے کر آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت مبارک کے مطابق قافلے سے دور جا رہے تھے تاکہ باپردہ جگہ پر اوٹ میں ہو کر قضائے حاجت کریں مگر کوئی مناسب اوٹ نہیں مل رہی تھی۔ اس دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دور وادی کے کنارے دو درخت نظر آئے۔ آپ ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی شاخ پکڑ کر فرمایا:

«اِنْقَادِي عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ»

''(اے درخت!) اللہ کے حکم سے میرے فرمانبردار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔''

وہ درخت نکیل ڈالے ہوئے فرمانبردار اونٹ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑا۔ جب دونوں درختوں کے درمیان پہنچے تو اسے چھوڑ دیا، وہ درخت وہیں رک گیا۔ پھر آپ دوسرے درخت کے پاس گئے۔ اس کی ایک شاخ کو پکڑا اور فرمایا:

1 دلائل النبوۃ للبیہقی: 379/3، المغازی للواقدی: 335/1

«انْقَادِي عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ»

’’اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرا کہنا مانو اور میرے ساتھ چلو۔‘‘

یہ حکم سن کر وہ درخت بھی نہایت فرمانبرداری سے آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا۔ جب آپ دوسرے درخت کے قریب پہنچے تو آپ نے دونوں درختوں کو جمع کرتے ہوئے فرمایا:

«الْتَئِمَا عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ»

’’اللہ کے حکم سے میرے لیے اکھٹے ہو جاؤ۔‘‘

وہ دونوں مل گئے۔ اب رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت کے لیے اوٹ میسر آ گئی تو میں وہاں سے ہٹ کر دور چلا گیا تاکہ میری موجودگی کی وجہ سے آپ کوئی کوفت محسوس نہ فرمائیں۔ میں کچھ دیر اپنے آپ سے باتیں کرتا رہا اور درختوں کی اطاعت وفرمانبرداری دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتا رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ فراغت پا کر تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے آتے ہی دونوں درخت بھی تن کر سیدھے کھڑے ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں واپسی کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ پھر آپ ﷺ میرے پاس پہنچے تو فرمایا:

«يَا جَابِرُ! هَلْ رَأَيْتَ مَقَامِي؟»

’’اے جابر! میں جہاں کھڑا تھا، وہ جگہ تم نے دیکھی ہے؟‘‘

میں نے عرض کیا: جی ہاں دیکھی ہے۔ آپ نے مجھے حکم دیا:

«فَانْطَلِقْ إِلَى الشَّجَرَتَيْنِ فَاقْطَعْ مِنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا غُصْنًا فَأَقْبِلْ بِهِمَا حَتَّى إِذَا قُمْتَ مَقَامِي فَأَرْسِلْ غُصْنًا عَنْ يَمِينِكَ وَغُصْنًا عَنْ يَسَارِكَ»

’’جاؤ، دونوں درختوں سے ایک ایک شاخ کاٹ لاؤ اور میری اسی جگہ پر کھڑے ہو کر دائیں بائیں ایک ایک شاخ رکھ دو۔‘‘

میں آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لیے گیا۔ شاخ کاٹنے کے لیے میں نے ایک پتھر توڑ کر تیز دھار ٹکڑا لے لیا۔ اس سے دونوں درختوں سے ایک ایک شاخ کاٹی اور رسول اللہ ﷺ کی مقررہ جگہ پر آ کر دائیں بائیں ایک ایک شاخ رکھ دی۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے یہ شاخیں کیوں رکھوائی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنِّي مَرَرْتُ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ، فَأَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِي أَنْ يُرَفَّهَ ذَاكَ عَنْهُمَا مَا دَامَ الْغُصْنَانِ رَطْبَيْنِ"

''میں اس جگہ دو قبروں کے پاس سے گزرا۔ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا تھا، میں نے ان کی سفارش کر دی۔ جب تک یہ شاخیں تر و تازہ رہیں گی، ممکن ہے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔''[1]

ہمیشہ یاد رکھنے والی بات

یہ بات یاد رہے کہ قبروں پر تازہ شاخیں نصب کرنا رسول اللہ ﷺ ہی کا خاصا تھا کیونکہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے سے بتایا گیا تھا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی سفارش سے عذاب میں تخفیف کی امید پیدا ہوئی۔

چونکہ عام انسانوں کو عذاب قبر کا علم ہونا ممکن نہیں، نہ کسی شخص کی سفارش میں وہ تاثیر ہے جو تاثیر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی سفارش میں رکھی ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ کے بعد کسی شخص کو قبر پر سبز شاخیں لگانے کی اجازت نہیں ہے۔

مزید برآں نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے عمل کو دلیل بنا کر اپنے فوت شدگان کی قبروں پر شاخیں نصب کیں، اس لیے آج کسی بھی شخص کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس عقیدے سے قبروں پر شاخیں نصب کرے کہ اس سے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر اس قبر والے کو عذاب ہی ہو رہا ہو جس کی قبر پر سبز شاخیں نصب کی جا رہی ہوں، ہوسکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنتی ہو اور معطر ہواؤں اور نرم بچھونوں سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

آپ ﷺ کی مقدس اُنگلیوں سے چشمہ پھوٹ پڑا

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ امین ﷺ کو بے شمار برکتوں، رحمتوں اور نوازشوں سے مالا مال کیا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات عالی، آپ کے افعال اور اقوال سبھی بابرکت ہیں۔ آپ ﷺ کے برکات و حسنات سے پورا ایوانِ تاریخ جگمگا رہا ہے۔ آئیے ایک نظارہ جمال دیکھیے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم قافلے میں واپس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا:

"يَا جَابِرُ! نَادِ بِوَضُوءٍ"

1 صحیح مسلم: 3012، صحیح ابن حبان: 3118، 3119.

”جابر! منادی کرو کہ سب لوگ وضو کریں (تاکہ نماز ادا کی جا سکے۔)“

میں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ سب لوگ وضو کر کے نماز کی تیاری کریں۔ اعلان ہوتے ہی صحابہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! پورے قافلے کے پاس پانی ختم ہو چکا ہے۔ کسی کے پاس ایک بوند بھی دستیاب نہیں۔ آپ نے مجھے حکم دیا:

«اِنْطَلِقْ إِلٰى فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ الْأَنْصَارِيِّ، فَانْظُرْ هَلْ فِي أَشْجَابِهِ شَيْءٌ؟»

”فلاں بن فلاں انصاری کے پاس جاؤ اور دیکھو اس کے مشکیزے میں کچھ (پانی) ہے؟“

وہ انصاری صحابی ایک مشکیزے میں پانی ٹھنڈا کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ میں ان کے پاس پہنچا، اُن کے مشکیزے میں چند قطرے تھے۔ اگر مشکیزے کو انڈیلا جاتا تو خشک مشکیزہ وہ قطرے بھی پی جاتا۔ میں نے خدمت نبوی میں پہنچ کر صورت حال عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِذْهَبْ فَأْتِنِي بِهِ»

”جاؤ، مشکیزہ میرے پاس لے آؤ۔“

رسول اللہ ﷺ کو مشکیزہ پیش کیا گیا۔ آپ نے مشکیزہ اپنے ہاتھوں میں لیا، اُسے دبایا اور برکت کی دعا کی۔ پھر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جس کے پاس بڑا پیالہ ہو، وہ لے کر حاضر ہو۔ آپ ﷺ کے پاس ایک بڑا پیالہ لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس میں رکھا اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے کہا:

«خُذْ يَا جَابِرُ! فَصُبَّ عَلَيَّ وَقُلْ: بِاسْمِ اللّٰهِ»

”جابر! لو پکڑو اور بسم اللہ پڑھ کر مشکیزہ میرے ہاتھوں پر انڈیل دو۔“

مشکیزے سے چند قطرے آپ ﷺ کے دست مبارک پر گرے اور آپ ﷺ کی مقدس انگلیوں سے آب رواں کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ جب پیالہ لبریز ہو گیا تو آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا جَابِرُ! نَادِ مَنْ كَانَ لَهُ حَاجَةٌ بِمَاءٍ»

”جابر! اعلان کر دو کہ جسے پانی کی ضرورت ہو، وہ پانی لے جائے۔“

چنانچہ لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی نوش کیا، اپنی سواریوں کو پلایا اور خالی مشکیزے پانی سے بھر لیے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے لوگوں سے کہا: اگر کوئی حاجت مند باقی ہو تو وہ اپنی ضرورت پوری کر لے۔ جب اور کوئی

ضرورت مند نہ آیا تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھا لیا، ہم نے دیکھا کہ پیالہ ابھی تک لبالب بھرا ہوا ہے۔ [1]

شتر مرغ کے انڈوں کی ضیافت

رسول اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محو گفتگو تھے۔ اسی دوران میں سیدنا علبہ بن زید حارثی رضی اللہ عنہ شتر مرغ کے تین انڈے لے کر حاضر ہوئے۔ انھیں یہ انڈے ریت میں دبے ہوئے ملے تھے۔ وہ یہ انڈے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تاکہ ان انڈوں سے نبی کریم ﷺ کی تواضع کی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا جابر کو حکم دیا:

«دُونَكَ يَا جَابِرُ! فَاعْمَلْ هٰذِهِ الْبَيْضَاتِ»

''جابر! یہ انڈے لے لو اور ان کا سالن بنا لاؤ۔''

وہ فوراً اٹھے اور انڈوں کا سالن بنا لائے۔ پھر وہ روٹی ڈھونڈنے لگے مگر پورے قافلے میں کسی سے روٹی میسر نہ آسکی۔ یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت دی کہ آؤ اس نعمت ربانی سے لطف اٹھاؤ۔ سب نے بسم اللہ پڑھ کر مزیدار انڈے کھانے شروع کر دیے۔ جب سب سیر ہو کر اٹھے تو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابھی تک برتن سالن سے پہلے کی طرح لبریز تھا۔ ذرا بھی کم نہ ہوا تھا۔ برکتِ رسالت کا یہ نظارہ دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دولتِ ایمان میں زبردست اضافہ ہو گیا۔

یہ لذیذ کھانا تناول کرنے کے بعد جب دھوپ ڈھل گئی اور موسم خوشگوار ہوا تو سفر دوبارہ شروع کر دیا گیا۔ [2]

نبی ﷺ کی سرزنش جنت کی بشارت بن گئی

رحمتِ عالم ﷺ کی شفقت و رحمت مومنوں کے لیے جنت کا حصول آسان بنا دیتی ہے۔ آپ ﷺ کی ڈانٹ ڈپٹ بھی مومنوں کے لیے رحمتِ الٰہی کے حصول اور گناہوں کی بخشش کے ساتھ ساتھ قربِ ربانی کا سبب بنتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان عالی ہے کہ ''میں نے اپنے رب سے یہ طے کر رکھا ہے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَيُّ الْمُسْلِمِينَ لَعَنْتُهُ أَوْ سَبَبْتُهُ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَّ أَجْرًا»

''اے میرے پروردگار! بلاشبہ میں بھی ایک انسان ہوں، لہٰذا میں جس مسلمان پر لعنت بھیج دوں یا اسے برا بھلا کہہ دوں تو اس مسلمان کے لیے میری ملامت کو بھی بخشش گناہ اور اجر و ثواب کا باعث بنا دے۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

---

1 صحیح مسلم: 3013، دلائل النبوۃ للبیہقی: 6/10,9. 2 المغازی للواقدی: 1/336.

«فَاجْعَلْهَا لَهُ زَكَاةً وَرَحْمَةً»

''تو اسے گناہوں کی مغفرت اور رحمت کا باعث بنا دے۔''

جبکہ صحیح بخاری میں ہے:

«فَاجْعَلْ ذٰلِكَ لَهُ قُرْبَةً إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''تو اسے قیامت والے دن اپنے تقرب کا سبب بنا دے۔''[1]

غزوۂ ذات الرقاع میں ایک خوش نصیب کو اسی طرح شہادت و جنت کی بشارت ملی۔ آئیے اس خوش نصیب کی داستان سُنیے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ایک چرواہا تھا۔ ایک دن وہ اونٹ چرانے کے لیے جانے لگا تو تاجدار مدینہ کی نظر اس کے بہت پھٹے پرانے کپڑوں پر پڑی۔ آپ ﷺ کو اس کی خستہ حالی ناگوار گزری۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«أَمَا لَهُ ثَوْبَانِ غَيْرُ هٰذَيْنِ؟»

''کیا اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی لباس نہیں ہے؟''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے اسے نیا جوڑا دیا تھا، وہ اس کے تھیلے میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا:

«فَادْعُهُ فَمُرْهُ فَلْيَلْبَسْهُمَا»

''اسے بلاؤ اور حکم دو کہ (یہ پرانا لباس اتارو) اور دوسرا (نیا) جوڑا پہن لو۔''

جب وہ نیا جوڑا پہن کر جانے لگا تو رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

«مَا لَهُ، ضَرَبَ اللّٰهُ عُنُقَهُ، أَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا؟»

''کیا یہ خوبصورت لباس نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ ہے (کہ یہ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر پھر رہا تھا؟) اللہ اس کی گردن مارے۔''

اس شخص نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ ڈانٹ سنی تو عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا میری

1 صحيح البخاري :6361، صحيح مسلم :2600، 2601.

یمامہ کا خوبصورت منظر



گردن میدانِ جہاد میں کٹے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے کٹے گی۔'' آپ ﷺ کی دعا پوری ہوئی اور یہ صحابی جنگ یمامہ میں شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔[1]

مجاہدین کے لیے مچھلی کی ضیافت

جب مسلمان اللہ کے دین کی سرفرازی کے لیے اپنا مال اور جان پیش کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اُن کے لیے اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور انھیں اپنی بے پایاں نوازشات سے شاداب کرتا رہتا ہے۔ چاہے وہ ویرانے میں ہوں یا انجمن میں، لق و دق صحراؤں میں ہوں یا بستیوں میں، پہاڑوں کی سربفلک چوٹیوں پر ہوں یا درندوں سے بھرے ہوئے جنگلوں میں، دشمن کی فوجوں میں ہوں یا سمندر کی موجوں میں، اللہ کی ذات بابرکات ان کی ہر طرح حفاظت فرماتی ہے۔ ان کی ضروریات زندگی کے لیے طرح طرح کے انعامات ہر لمحے تیار رہتے ہیں۔ درج ذیل واقعہ بھی مجاہدین اسلام پر ربانی نوازشات کی ایک دل آویز تصویر ہے۔ آئیے یہ روداد پڑھتے ہیں۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجاہدین نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی: اللہ کے رسول! کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا، مجاہدین بھوکے ہیں۔ بھوک کی شدت سے سفر دشوار ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

1 الموطأ للإمام مالك: 497/2، صحيح ابن حبان: 236/12، دلائل النبوة للبيهقي: 244/6. یاد رہے کہ موطا میں غزوۂ بنو انمار کے الفاظ بیان ہوئے ہیں۔ اسے غزوۂ نجد، غزوۂ غطفان اور غزوۂ ذات الرقاع بھی کہا جاتا ہے۔

«عَسَى اللّٰهُ أَنْ يُّطْعِمَكُمْ»

''عنقریب تمھارا رب تمھاری ضیافت کرے گا۔''

یہ ارشاد نبوی سن کر سب کے چہرے کھل اٹھے کہ اب دعوتِ ربانی سے لطف اندوز ہوں گے۔ چلتے چلتے مجاہدین ساحلِ سمندر پر پہنچے تو ان کی ضیافت کا سامان تیار تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر نے مجاہدین کی دعوت کے لیے ایک بہت بڑی مچھلی ساحل پر ڈال دی تھی۔ مجاہدین نے یہ نعمت ربانی دیکھی تو اُن کی بھوک اور تیز ہوگئی، فوراً آگ جلائی اور مچھلی کا سالن تیار کرنے کے لیے دیگیں چڑھا دیں، بعض مجاہدین نے مچھلی روسٹ کر کے کھانی شروع کردی حتی کہ سب مجاہدین نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

یہ مچھلی کس قدر پلی ہوئی تھی؟ اس کا اندازہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے لگائیے۔ وہ فرماتے ہیں: میں اپنے پانچ ساتھیوں کے ساتھ مچھلی کی آنکھ کے ڈھیلے میں داخل ہوا تو ہم اس میں چھپ گئے، باہر سے ہمیں کوئی دیکھ نہ سکا۔ جب ہم باہر نکلے تو اس کی ایک پسلی کو کمان کی شکل میں ریت میں نصب کیا۔ پھر ہم نے مجاہدین میں سے سب سے اونچے قد کے مجاہد کو سب سے بلند اونٹ پر بٹھا کر اس کے نیچے سے گزرنے کے لیے آگے بڑھایا تو وہ سر جھکائے بغیر اس کے نیچے سے گزر گئے۔

گویا یہ مچھلی اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی ضیافت ہی کے لیے پالی تھی۔ [1]

مچھلی ملنے کا ایسا ہی ایک واقعہ قبل ازیں سریہ خبط میں گزر چکا ہے۔ [2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درج بالا حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس غزوے میں پیش آیا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لیکن الفاظ کو اگر اس طرح مقدر مان لیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سفر کے لیے روانہ فرمایا اور ہم ساحلِ سمندر پر پہنچے...... تو اس سے یہ ایک ہی قصہ قرار پائے گا جو صحیح بخاری کی حدیث (4361) میں بیان ہوا ہے۔ [3]

قرآنِ مجید سے والہانہ محبت کا نادر مظاہرہ

قرآن مجید کلامِ الٰہی ہے۔ اس کی لذت سے آشنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اس کی تلاوت کرتے تو دنیا و ما فیہا سے بے پروا ہو جاتے تھے۔ پھر انھیں کلامِ الٰہی سے وہ سکون اور لذت ملتی کہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔

1 صحیح مسلم، 3014، سبل الھدی والرشاد: 179،178/5. 2 دیکھیے: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا، جلد: 7 کے آخر میں۔
3 فتح الباري، 101/8.

خصوصاً رات کی تاریکی اور تنہائی میں جب وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر کلام پاک کی والہانہ تلاوت کرتے تو ان کی قراءت سننے کے لیے فرشتے بھی آسمانوں سے قطار در قطار اتر آتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآن مجید سے والہانہ محبت اور اس کی تلاوت کا ذوق درج ذیل واقعے سے عیاں ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کفار کے ایک نخلستان سے گزرے۔ وہاں ایک خوبصورت نوجوان عورت ملی، اسے قیدی بنا لیا گیا۔ اس کا خاوند اس سے بڑی محبت کرتا تھا۔ وہ اس وقت اپنے گھر میں موجود نہیں تھا۔ جب وہ واپس آیا اور اسے اپنی بیوی کے قید ہو جانے کا علم ہوا تو اسے شدید صدمہ پہنچا، اس نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں سے انتقام لے گا اور اپنی بیوی کو آزاد کرا کے رہے گا، اگر اس کے لیے اُسے خونریزی بھی کرنی پڑی تو ضرور کرے گا۔ وہ غصے اور انتقام کی آگ بجھانے کے لیے مسلمانوں کے تعاقب میں نکل پڑا۔ دوران سفر میں تیز آندھی چل پڑی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت پڑاؤ کے لیے ایک پہاڑی درے کا انتخاب کیا۔ قافلے کو درے سے گزر کر آرام کرنے کی اجازت دی اور مجاہدین سے پوچھا:

«مَنْ رَجُلٌ يَكْلَؤُنَا اللَّيْلَةَ؟»

''آج رات ہماری حفاظت کی ذمہ داری کون لے گا؟''

سیدنا عمار بن یاسر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! ہم حاضر ہیں۔ آج رات قافلے کی حفاظت ہم کریں گے۔ سکیورٹی کی ذمہ داری لینے والے یہ دونوں صحابی درے کے دہانے پر جا بیٹھے، بقیہ قافلہ آرام کرنے لگا، آندھی بدستور بڑے زور سے چل رہی تھی۔ سیدنا عمار اور عباد بن بشر کچھ دیر بیٹھے رہے، پھر دونوں ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ اس طرح بیٹھے بیٹھے رات گزارنا مشکل ہے، اس لیے ایک ساتھی ابھی سو لے اور دوسرا پہرہ دے، پھر دوسرا ساتھی رات کے آخری حصے میں آرام کر لے اور پہلا ساتھی پہرے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ اس پر دونوں نے اتفاق کیا۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سو گئے اور سیدنا عباد رضی اللہ عنہ پہرے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پھر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریزی سے لطف اندوز ہوا جائے۔ اب آندھی تھم گئی تھی۔ رات کی خاموشی اور تنہائی میں تلاوت قرآن مجید سے لذت آشنائی کا سنہرا موقع ان کے ہاتھ آ گیا تھا، انھوں نے فوراً نفل نماز کی نیت کی اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ وہ اپنی محبوب سورت الکہف کی خوب مزے لے لے کر تلاوت فرما رہے تھے

کہ دشمن آ پہنچا۔

دشمن نے دور سے دیکھا کہ درے کے دہانے پر ایک ہیولا کھڑا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ یقینا مسلمانوں کا محافظ ہے۔ اس نے تاک کر تیر مارا جو سیدنا عباد رضی اللہ عنہ کے جسم میں پیوست ہوگیا۔ انھوں نے کمال بے نیازی سے تیر نکال پھینکا اور تلاوت جاری رکھی۔ خون کا فوارہ نکلا اور زمین کو سیراب کرتا چلا گیا مگر سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے قرآن مجید کی تلاوت کے ذوق میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ مسلسل کلامِ الٰہی کی تلاوت کرتے رہے۔ ادھر دشمن نے دوسرا تیر مارا، سیدنا عباد رضی اللہ عنہ نے یہ تیر بھی نکال کر پھینک دیا، بہتے ہوئے خون کی پروا نہیں کی، نماز اور تلاوت جاری رکھی۔ دشمن نے تیسرا تیر چلایا، یہ تیر بھی سیدنا عباد رضی اللہ عنہ کے جسم میں اتر گیا، اب بہت سا خون بہ چکا تھا، کمزوری کے باعث مزید قیام و تلاوت جاری رکھنا ممکن نہ رہا، انھیں اسلامی مورچے کی حفاظت بھی دامن گیر ہوئی، فوراً نماز مکمل کرکے اپنے بھائی کو جگایا۔ سیدنا عمار سے کہا: عمار! اٹھو، دشمن نے مجھے شدید زخمی کردیا ہے۔ اب تم درے کی حفاظت کا کام سنبھالو۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو زخموں سے چور دیکھا تو نہایت بے قرار ہوکر کہا: محترم بھائی! آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ جگا دیا۔ جب دشمن نے پہلا وار کیا تھا، آپ کو چاہیے تھا کہ مجھے اسی وقت جگا دیتے تاکہ میں اس کا مقابلہ کرتا اور آپ کو اتنے مہلک زخم نہ لگتے۔ اس پر سیدنا عباد رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید سے اپنی والہانہ محبت اور تلاوت قرآن مجید کی جمال آشنائی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

كُنْتُ فِي سُورَةٍ أَقْرَأُهَا وَهِيَ سُورَةُ الْكَهْفِ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَقْطَعَهَا حَتَّى أَفْرُغَ مِنْهَا، وَلَوْلَا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ أُضَيِّعَ ثَغْرًا أَمَرَنِي بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا انْصَرَفْتُ وَلَوْ أُتِيَ عَلَى نَفْسِي.

''میں اپنی محبوب سورت، سورۃ الکہف کی تلاوت کر رہا تھا، اسے مکمل کیے بغیر چھوڑنا مجھے گوارا نہ تھا۔ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ جس درے کی حفاظت کا حکم مجھے رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے، میں اس کی حفاظت میں ناکام ہو جاؤں گا (اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا) تو میں نماز و تلاوت ہرگز ختم نہ کرتا، چاہے میری جان ہی چلی جاتی۔''

اس دوران میں دشمن نے جب ایک اور مجاہد کو اپنے مقابلے کے لیے تیار دیکھا تو وہ فوراً وہاں سے بھاگ گیا۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 1/335,334، السيرة لابن إسحاق: 2/390، مزید دیکھیے: سنن أبي داود: 198

تھکا ہارا مریل اونٹ چُست و چنچل ہو گیا

رحمتِ عالم ﷺ ایک عظیم سپہ سالار اور محبوب قائد تھے۔ آپ اپنے جاں نثاروں سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اُن کی ضروریات اور مسائل سے ہر دم آگاہ رہتے تھے اور انھیں سہولت بہم پہنچانے کی ہر ممکن کوشش بھی فرماتے تھے۔ اپنے مجاہدین کے حالات سے مکمل آگاہی کے لیے آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ آپ سفر سے واپسی پر قافلے کے پیچھے پیچھے رہتے تاکہ بوقتِ ضرورت صحابہ کی مدد کر سکیں۔ اگر کسی کی سواری تھک ہار جائے تو اسے متبادل سواری دے سکیں۔ اگر کوئی صحابی بیمار ہو جائے تو اس کی دوا دارو اور تیمار داری کر سکیں۔

غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی پر نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ قافلے سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ سب صحابہ آگے نکل چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے مشفقانہ انداز میں دریافت کیا: «ما لبعيرك؟» "(جابر!) تیرے اونٹ کو کیا ہوا؟" سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے غمگسار قائد کی آواز سنی تو عرض کی: اللہ کے رسول! میرا اونٹ بیمار اور کمزور ہے۔ سفر کرتے کرتے تھک گیا ہے، اب چند قدم بھی چلنے سے قاصر ہے، اس لیے میں مدد کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«أمعك ماء؟»

"کیا تمھارے پاس پانی ہے؟"

میں نے پانی پیش کیا تو آپ ﷺ نے پانی پر دم کر کے اونٹ کے سر، کمر اور پشت پر ڈالا، پھر فرمایا:

«أعطني عصا»

"مجھے ایک چھڑی دو۔"

میں نے آپ ﷺ کو چھڑی دی تو آپ نے اپنے بابرکت ہاتھ سے اونٹ کو چند ضربیں لگائیں۔ آپ کی مبارک ضربوں سے اونٹ کی تھکی ماندی مردہ رگوں میں نئی جان پڑ گئی اور اس کے ناتواں بدن میں بجلیاں کوندنے لگیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہوئے تو وہ سبک رفتاری سے دوڑنے لگا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے اونٹ سے بھی آگے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اسے بمشکل روک روک کر چلتے رہے۔

جب سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا اونٹ رسول اللہ ﷺ کی سواری کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تو تاجدارِ مدینہ نے اپنے پیارے صحابی رضی اللہ عنہ سے شفقت بھری گفتگو شروع کر دی۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«يا أبا عبدالله! أتزوجت؟»

''اے ابو عبداللہ! کیا تم نے شادی کر لی ہے؟''

میں نے عرض کیا: جی ہاں، اللہ کے رسول! شادی کر لی ہے، اسی لیے جلدی گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟»

''کنواری لڑکی سے شادی کی ہے یا شوہر دیدہ سے؟''

میں نے عرض کیا: بیوہ خاتون سے شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟»

''تم نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی؟ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے والد گرامی جنگ احد والے دن شہید ہو گئے تھے اور میری سات بہنیں ہیں۔ میں نے ایک تجربہ کار جہاندیدہ خاتون سے شادی کی ہے تاکہ وہ میری کمسن بہنوں کی دیکھ بھال کر سکے اور انھیں امور خانہ داری کی تربیت دے سکے۔ آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی تحسین فرمائی، ارشاد ہوا: «أَصَبْتَ» ''تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے (یقیناً اس میں خیر و برکت ہوگی)۔''

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا لَوْ قَدِمْنَا صِرَارًا أَمَرْنَا بِجَزُورٍ فَنُحِرَتْ وَأَقَمْنَا عَلَيْهَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَسَمِعَتْ بِنَا فَنَفَضَتْ نَمَارِقَهَا»


وادی صرار

''جب ہم صرار پہنچیں گے تو ایک دن وہاں قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، کھانا کھائیں گے، اس دوران ہماری اطلاع مدینہ پہنچ جائے گی اور تمھاری بیوی تمھارا بستر اور گھر کے پردے وغیرہ دھو کر صاف ستھرے کر دے گی (تاکہ تمھارا پرتپاک استقبال ہو)۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! بھلا ہم غریبوں کے گھر میں بچھونے اور پردے وغیرہ کہاں جن کی صفائی کی ضرورت پیش آئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهَا سَتَكُونُ، فَإِذَا قَدِمْتَ فَاعْمَلْ عَمَلًا كَيِّسًا»

''آگاہ رہو! عنقریب یہ نعمتیں میسر آئیں گی۔ تم جب مدینہ پہنچو تو (اللہ تعالیٰ سے اولاد مانگنا۔ اولاد مانگنے کے سلسلے میں) عقلمندی کا مظاہرہ کرنا۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے ارشادات پر عمل کی پوری کوشش کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے محبت و الفت کے اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«بِعْنِي جَمَلَكَ هٰذَا يَا جَابِرُ!»

''جابر! تم اپنا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔''

جابر رضی اللہ عنہ: اللہ کے رسول! یہ اونٹ میں آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں، آپ قبول فرمائیے۔

رسول اللہ ﷺ: «لَا، بَلْ بِعْنِيهِ» ''نہیں، تم اسے میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔''

جابر رضی اللہ عنہ: جی بہت بہتر، آپ اس کی قیمت لگائیے۔

رسول اللہ ﷺ: «فَإِنِّي أَخُذُهُ بِدِرْهَمٍ» ''میں یہ اونٹ ایک درہم میں خریدتا ہوں۔''

جابر رضی اللہ عنہ: اللہ کے رسول! کچھ قیمت بڑھائیے۔ یہ تو بہت کم ہے۔

رسول اللہ ﷺ: دو درہم..... دس درہم..... چلو چالیس درہم میں بیچ دو۔ کیا اس قیمت پر راضی ہو؟

جابر رضی اللہ عنہ: جی اللہ کے رسول! میں اس قیمت پر بیچنے کے لیے تیار ہوں۔ اب یہ اونٹ آپ کا ہوا لیکن مدینہ تک میں اس پر سواری کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ: «فَظَهْرُهُ لَكَ حَتّٰى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ» ''تم اس پر مدینہ تک سواری کر سکتے ہو۔ مدینہ پہنچ کر اونٹ دے دینا (اور قیمت وصول کر لینا)۔''

جب ہم صرار پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے اونٹ ذبح کر کے دعوت تیار کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کے حکم پر اونٹ نحر کیے گئے اور گوشت تیار کر کے مجاہدین کی ضیافت کی گئی۔ اس دوران میں مجاہدین کی آمد کی خبر مدینہ میں پہنچ گئی اور اہل خانہ مجاہدین کے پرتپاک استقبال کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر ہم رات کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے۔ میں نے اپنے سفر کی دلچسپ روداد اپنی اہلیہ کو سنائی اور آپ کا خصوصی ارشاد بھی گوش گزار کیا۔ بیوی نے آپ ﷺ کا

ارشادِ گرامی سنا اور گویا ہوئی: سَمْعٌ وَ طَاعَةٌ ''ہم نے آپ کا فرمان عالی سن لیا اور اطاعت کے لیے بسر و چشم تیار ہیں۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت اونٹ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے قریب بٹھایا اور آپ کا انتظار کرنے لگا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ رہا آپ کا اونٹ، وصول کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فَدَعْ جَمَلَكَ فَادْخُلْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ"

''اونٹ کو یہیں چھوڑ و اور مسجد میں جا کر دو رکعت نفل ادا کرلو۔''

پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جابر کو چالیس درہم (چاندی) دے دو اور کچھ زیادہ بھی دینا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بھتیجے! بلال سے قیمت لے لو اور یہ اونٹ ہماری طرف سے تحفہ قبول کرلو۔ (قیمت اور اونٹ دونوں تمھارے ہوئے۔)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ کے حکم پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مجھے چالیس درہم کے ساتھ ایک یا دو قیراط چاندی مزید عطا کی۔ میں یہ دونوں تحائفِ نبوی لے کر خوشی خوشی گھر لوٹا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عطیہ ہمارے لیے ہمیشہ باعث برکت رہا۔ ہمارے گھر میں ہمیشہ وہ بڑھتا رہا اور ہم اسے استعمال کرتے رہے حتی کہ فتنۂ حرہ کے روز وہ قیراط ہم سے چھن گئے۔[1]

قصۂ جابر رضی اللہ عنہ سے مستنبط چند مسائل

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا درج بالا قصہ جہاں تاجدارِ مدینہ کی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت و الفت کا ثبوت ہے، وہاں اس میں امت کے لیے بھی نہایت اہم احکام و اسباق چمک رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں چند آداب و مسائل درج ذیل ہیں۔

1. سفر سے بحفاظت واپسی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق مسجد میں دو رکعت نفل نماز ادا کرنی چاہیے۔[2]
2. طویل سفر سے واپسی پر اہل خانہ کو باقاعدہ اطلاع کرنا ضروری ہے تاکہ اہل خانہ اس کے استقبال کے لیے

1 صحيح البخاري: 2097 و 2604 و 2967، السيرة لابن إسحاق: 389,388/2، المغازي للواقدي: 336/1-338.
2 صحيح البخاري: 443 و 3087.

مناسب تیاری کرسکیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اچانک گھر پہنچنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔[1] اس ادبِ نبوی سے معلوم ہوا کہ موجودہ دور میں مغربی تہذیب کے دلدادہ حضرات میں Surprise دینے کی جو رسمِ بد رواج پا گئی ہے، وہ اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی ہے، لہٰذا مسافر کو کسی صورت بلا اطلاع اچانک گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے بلکہ جدید ذرائع ابلاغ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی آمد کی پیشگی اطلاع ضرور دینی چاہیے۔

3 خرید و فروخت کرتے وقت ایسی شرط لگانا جائز ہے جو تجارت کے مقصد کے منافی نہ ہو جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ بیچتے وقت مدینہ منورہ تک سواری کرنے کی شرط کے ساتھ آپ ﷺ کے ہاتھ اونٹ بیچ دیا۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ شرط قبول فرمالی۔[2]

4 بیع مکمل ہونے کے بعد بائع کو طے شدہ قیمت سے زیادہ رقم مانگنا جائز نہیں۔ لیکن اگر مشتری ادائیگی کرتے وقت یا مقروض قرض کی ادائیگی کے وقت اپنی خوشی سے زائد رقم ادا کرے تو یہ جائز ہے اور ایسی صورت میں بائع یا قرض خواہ کا زائد رقم وصول کرنا درست ہے۔[3]

5 مسجد کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کی جائے۔ اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ مسجد میں اعلان نہ کرائے۔ یہ دونوں چیزیں منع ہیں، البتہ مسجد کے اندر مقروض سے ادائے قرض کا مطالبہ یا قرض وصول کرنا یا قرض خواہ اور قرض دہندہ کا تصفیہ کرانا درست ہے۔[4]

6 جانوروں کی ادھار خرید و فروخت جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے راستے میں ادھار اونٹ خریدا تھا اور مدینہ پہنچ کر رقم ادا کی تھی۔[5]

7 سفر سے کامیاب واپسی اور بخیر و عافیت گھر پہنچنے پر اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کی دعوت کرنا بھی مسنون ہے۔[6]

8 نبی کریم ﷺ نے کنواری عورتوں سے شادی کرنے کی ترغیب دلائی ہے جبکہ بیوہ اور مطلقہ عورت سے شادی کرنا بھی جائز ہے۔ آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے بیوہ عورت سے شادی کرنے کے عمل کو سراہا ہے کیونکہ انھیں اپنی بہنوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک تجربہ کار خاتون کی ضرورت تھی۔

نبیِ کریم ﷺ کے اس اسوۂ حسنہ سے ہمارے معاشرے میں پائے جانے والے اُن باطل نظریات والوں کی پوری طرح تردید ہو جاتی ہے جو ہندو مذہب کی تقلید میں بیوہ یا مطلقہ سے شادی کرنا بہتر خیال نہیں کرتے۔ یہ بڑی

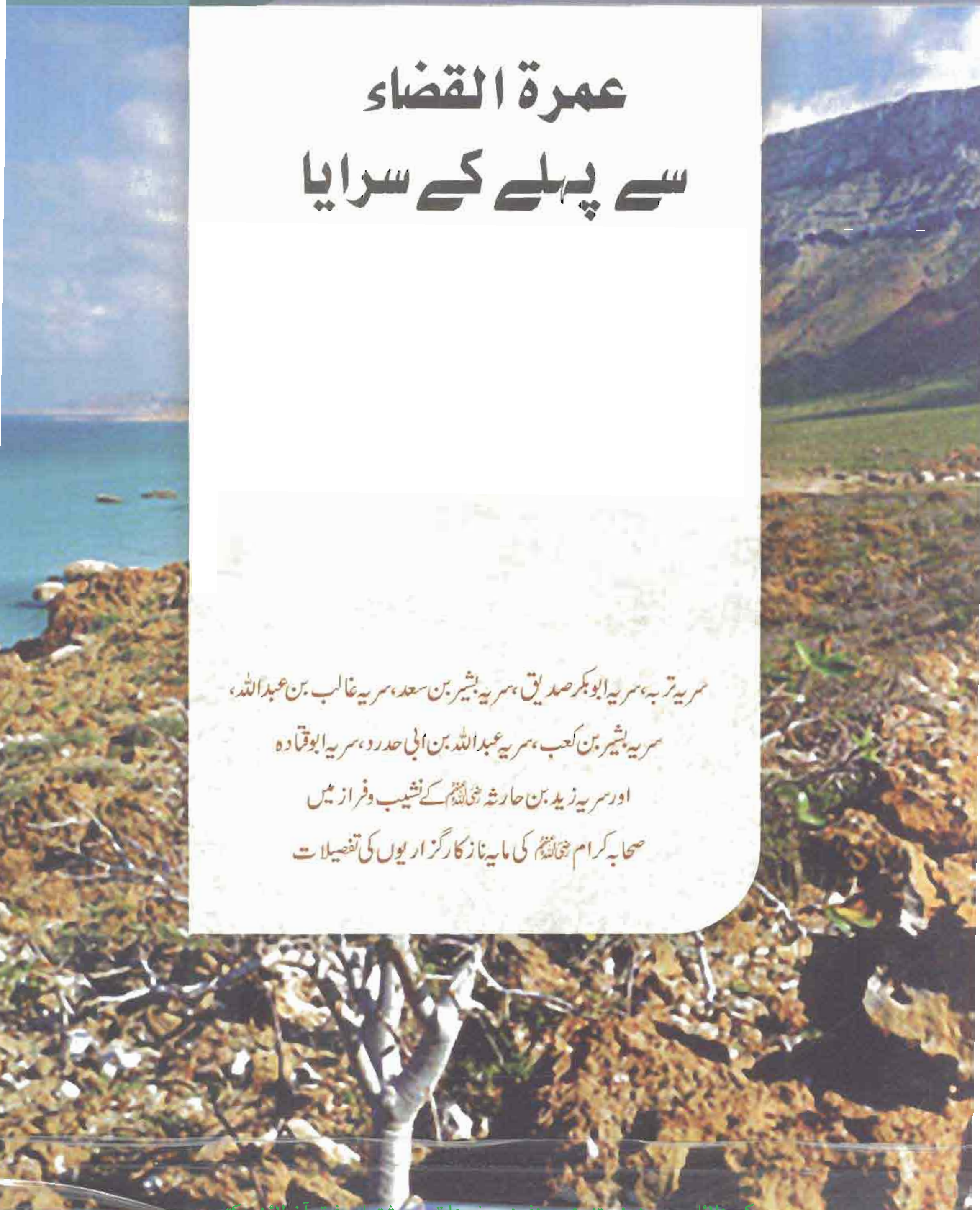
---

1 صحیح البخاري: 1801و 5243. 2 صحیح البخاري: 2718. 3 صحیح البخاري: 443و 2394. 4 صحیح البخاري: 443. 5 صحیح البخاري: 2385. 6 صحیح البخاري: 3089.

غلط اور گھٹیا حرکت ہے کہ ہمارے ہاں بیوہ یا مطلقہ خواتین کے نکاح پر بھی انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں اور انھیں نکاح ثانی سے روکنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے جاتے ہیں، مثلاً: بعض علاقوں میں انھیں مقدس ہستیاں ٹھہرا کر بند حجروں میں عبادت و ریاضت کے نام پر قید کر دیا جاتا ہے اور انھیں جائز انسانی مطلوبات وضروریات سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ اسلام بیوہ اور مطلقہ کو نکاح ثانی کی مکمل اجازت دے کر ان کے جائز حقوق کی پاسداری کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا تمام نکاح بیوہ یا مطلقہ عورتوں سے کیے ہیں۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ بوقت ضرورت یا ایسی عورتوں کی خوبیوں کی بنا پر انھیں کنواری عورتوں پر ترجیح دیا کرتے تھے۔[1]

9 شادی کا مقصد جہاں جائز انسانی خواہش کی تکمیل ہے، وہاں امت محمدیہ میں اضافے کے لیے حصول اولاد بھی ایک اہم مقصد ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جب مدینہ پہنچ جاؤ تو بیوی سے یکجائی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے بچے طلب کرو۔[2]

1 صحیح البخاري: 5079 و 5367. 2 صحیح البخاري: 5245



عمرة القضاء سے پہلے کے سرایا

سریہ تربہ، سریہ ابوبکر صدیق، سریہ بشیر بن سعد، سریہ غالب بن عبداللہ،
سریہ بشیر بن کعب، سریہ عبداللہ بن ابی حدرد، سریہ ابوقتادہ
اور سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نشیب و فراز میں
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مایہ ناز کارگزاریوں کی تفصیلات

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ

”اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو (جہاد کرو) جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تم انھیں جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کر دو اور تم انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے اور تم ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انھیں قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔“ (البقرۃ 2:190، 191)

اس باب میں

آپ کو معلوم ہوگا کہ رسالت مآب ﷺ عمرۂ قضاء سے پہلے سریہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر سریہ عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تک دس سرایا کی مہمات سے عہدہ برآ ہوئے۔ ان سرایا میں اطاعتِ رسول کے انتہائی بیش قیمت اسباق چمک رہے ہیں۔ محض انھی سریوں پر ایک سرسری سی نظر ڈالتے ہی یہ ولولہ انگیز حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ صحابہ کی پاکیزہ رُوحیں جذبہ جہاد سے کس درجہ سرشار تھیں۔ ان سریوں میں شامل مجاہدین کرام انتہائی خطرناک اور دشوار گزار علاقے عبور کر کے اپنے اپنے ہدف تک پہنچے اور جان و دل کی گہرائیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا حکم پورا کر کے واپس آئے۔ یوں تو ہر سریہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اللہ اور اس کے رسول سے بے پایاں محبت کا آئینہ دار ہے تاہم ان میں سریۂ حرقہ ایک خاص معنویت رکھتا ہے۔ اس سریے میں سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک مفرور مشرک کا تعاقب کیا۔ پھر اُسے دبوچ کر اپنی جوہردار شمشیر لہرائی تو اس نے فوراً کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا لیکن سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے ہلاک کر دیا۔ یہ سانحہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے علم میں آیا تو آپ تڑپ اُٹھے۔ بار بار بے قرار ہو کر دریافت فرماتے رہے: اے اسامہ! کل جب یہ شخص خونچکاں حالت میں لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہوا رب کریم کے حضور پیش ہوگا تو تُو اُس کے بہتے ہوئے خون کا کیا جواب دے گا؟ ...... جس شخص کو سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا وہ کلمہ پڑھنے کے بعد صرف ایک لمحہ زندہ رہا اور اگلے لمحے موت کی نیند سو گیا۔ صرف اس ایک لمحے کے مسلمان کی ہلاکت پر بھی رحمت دو عالم ﷺ کا قلب اطہر کس قدر بے قرار رہا؟ اکرامِ مسلم کا سبق دینے والی درد و کرب کی یہ لہریں تاریخ نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لی ہیں۔ اگلے اوراق میں ان سرایا کے بے پایاں اثرات، برکات اور حسنات ملاحظہ فرمائیے۔

سریۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

شعبان 7 ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہادی دستہ نجد کے علاقے ضریہ روانہ کیا۔ اس دستے کے قائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امتِ مسلمہ کی سب سے بڑی شخصیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ لشکرِ اسلام میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

آیئے اس سریے کی روداد سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی سنیے۔ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر بنوفزارہ پر چڑھائی کے لیے نجد کے علاقے ضریہ بھیجا۔ میں بھی ان کے لشکر میں شامل تھا۔ لشکر مسلسل سفر کرتے ہوئے بنوفزارہ کے قریب پہنچا تو امیرِ لشکر نے مجاہدین کو رات کے آخری پہر آرام کرنے کا حکم دیا۔ لشکرِ اسلام میٹھی اور بھرپور نیند سے لطف اندوز ہوا، فجر کے وقت بیدار ہوا۔ سب نے نمازِ فجر ادا کی، پھر امیرِ لشکر نے حکم دیا کہ دشمن کو چاروں طرف سے گھیر لو اور یکبارگی پوری قوت سے حملہ کر دو۔ چنانچہ دشمن کو دفاع کا موقع دیے بغیر ہی گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ ایک جماعت تیزی سے پہاڑوں کی طرف بھاگ رہی ہے تاکہ پہاڑوں میں روپوش ہو کر جان بچا سکے۔ اس میں بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے ان کا تعاقب نہ کیا تو یہ ہاتھ سے نکل جائیں گے اور یہ پہاڑوں میں چھپ گئے تو انھیں ڈھونڈنا اور گرفتار کرنا دشوار ہو جائے گا، لہٰذا میں نے ایک تیر خوب تان کر ان کے آگے پھینک دیا جو ان کے اور پہاڑوں کے بیچ جا گرا۔ تیر دیکھ کر وہ لوگ ٹھٹک گئے اور سمجھ گئے کہ اب کوئی راہِ فرار نہیں۔ وہ اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ جہاں تھے وہیں جم گئے۔ میں لپک کر ان تک پہنچا اور سب کو قیدی بنا کر امیرِ لشکر کے پاس لے آیا۔ قائدِ لشکر نے میری اس جرأت اور عقل مندی کو بہت سراہا۔ اس جماعت میں ایک عورت کے ساتھ اس کی نہایت حسین و جمیل بیٹی بھی تھی۔ امیرِ لشکر نے میری بہادری کے انعام میں وہ لونڈی مجھے بطور انعام عطا کی اور غنیمت کا حصہ بھی دیا۔

لونڈی کے بدلے مسلمان قیدیوں کی رہائی

پھر ہم مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ میری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «یا سلمۃ!

هَبْ لِي الْمَرْأَةَ" "سلمہ! اپنی لونڈی مجھے ہبہ کر دو۔" میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے وہ بہت پسند آئی ہے اور میں نے تو ابھی تک اس کا کپڑا ابھی نہیں ہٹایا (اس سے کوئی فائدہ ہی نہیں اٹھایا)۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ دوسرے دن ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا: "يَا سَلَمَةُ! هَبْ لِي الْمَرْأَةَ لِلّٰهِ أَبُوكَ" "سلمہ! وہ لونڈی مجھے ہبہ کر دو، تمھارے باپ کا بھلا ہو۔"

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے ابھی تک اس کا کپڑا ابھی نہیں سرکایا۔ بس اب میں وہ لونڈی آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔ آپ قبول فرمائیے۔ آپ ﷺ نے وہ لونڈی قبول فرما کر مشرکین مکہ کو بھیج دی جن کے قبضے میں کچھ مسلمان قیدی تھے۔ آپ ﷺ نے ان قیدیوں کی رہائی کے لیے یہ لونڈی انھیں بطور فدیہ دے دی۔[1]

سریے سے حاصل ہونے والے اہم اسباق و احکام

1 ایسے کافر جنھیں اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو اور وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے ہوں، اسلام دشمنی میں پیش پیش ہوں، انھیں اچانک حملہ کر کے مغلوب کرنا صحیح اقدام ہے۔ جبکہ عمومی اصول یہ ہے کہ کافروں کو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ یا جزیے کے عوض اسلامی حکومت کے تابع ہونے کا حکم دیا جائے۔ اگر یہ دونوں طریقے ناکام ہو جائیں تو پھر ان کافروں سے جنگ کی جائے گی۔

2 جنگ میں بہادری کے خصوصی جوہر دکھانے والے مجاہد کو امیر لشکر خصوصی انعام سے نواز کر اس کی حوصلہ افزائی کر سکتا ہے۔

3 نابالغ غلاموں کو ان کی ماں سے الگ کر کے بیچنا یا مجاہدین میں تقسیم کرنا منع ہے۔ لیکن بالغ غلام یا لونڈی کو اس کی ماں سے الگ کرنا ٹھیک ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک خوبصورت لونڈی بطور انعام عطا کی جبکہ اس کی ماں بھی اس کے ساتھ موجود تھی۔ مگر وہ کسی اور صحابی کے حصے میں آئی۔

4 رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ کمزور اور غریب مسلمانوں کے لیے آپ ﷺ کی ہمدردی اور رحمت دو چند ہو جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے سیدنا سلمہ سے لونڈی لے کر ان مجبور و لاچار مسلمانوں کی رہائی کا بندوبست کیا جو مشرکین مکہ کی قید میں تھے اور انتہائی اذیت ناک صورت حال سے دوچار تھے۔

5 مسلمانوں میں تحائف کا تبادلہ باہمی محبت میں اضافے کا باعث ہے۔ اگر تعلقات نہایت پختہ اور محبت و اکرام والے ہوں تو تحفہ طلب بھی کیا جا سکتا ہے۔

1 صحیح مسلم: 1755، زاد المعاد: 359/3.

سریہ تُربہ

ماہِ شعبان 7 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر تربہ روانہ کیا۔ اس لشکر کا ہدف بنو ہوازن تھے۔ یہ لوگ اس وقت صنعاء اور نجران کے راستے پر مکہ مکرمہ سے تقریباً چار راتوں کی مسافت پر آباد تھے۔ اس لشکر میں تیس مجاہد اور بنو ہلال سے تعلق رکھنے والا ایک رہبر شامل تھا۔ اس لشکر کو یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ دن کے وقت چھپ جاؤ، رات کی تاریکی میں سفر کرو، چپ چاپ دبے پاؤں دشمن کے سر پر جا پہنچو اور اس سے پہلے کہ انھیں ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ سنبھلنے کا موقع ملے، ان پر ٹوٹ پڑو اور انھیں ان کی سرکشی کا مزہ چکھا دو۔ لشکرِ اسلام اسی طرح سفر کرتے ہوئے بنو ہوازن پہنچا۔ ان لوگوں کو اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع اپنے جاسوسوں کے ذریعے پہلے ہی مل چکی تھی۔ لہٰذا وہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے مال مویشی سمیٹ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مجاہدین کو ان کے علاقے میں کوئی فرد نہ ملا۔ لہٰذا دشمن کے دلوں میں رعب و دبدبہ ڈال کر اور انھیں پسپائی پر مجبور کر کے اسلامی لشکر کامیابی سے واپس مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

اطاعت رسول ﷺ کا ایمان افروز مظاہرہ

اسلامی لشکر واپسی کے لیے روانہ ہوا تو رہبرِ لشکر نے امیرِ لشکر کو مشورہ دیا کہ اس علاقے میں خثعم قبیلہ بھی موجود ہے، وہ اپنے علاقے کی خشک سالی سے تنگ آکر اس علاقے میں آگیا ہے۔ اگر آپ جاتے جاتے ان کی بھی سرکوبی کر جائیں تو بڑا مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا۔ یہ مشورہ سن کر امیرِ لشکر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے رسول اللہ ﷺ نے ان پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا، اس لیے میں ان پر حملہ نہیں کروں گا۔''[1]

گویا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لشکرِ اسلام کو یہ پیغام دیا کہ ہم اس علاقے میں جوانمردی کے ذاتی جوہر دکھانے نہیں آئے۔ نہ مالِ غنیمت ہمارا مقصود ہے بلکہ ہم اپنے ہادی و راہنما کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے آئے ہیں۔

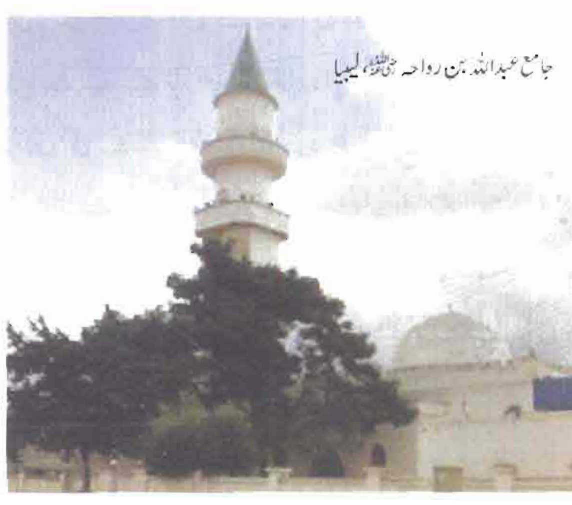
یقیناً ایک مسلمان کو ہمیشہ اطاعتِ نبوی کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ ایسے خوش نصیب قیامت والے دن خصوصی انعاماتِ ربانی سے نوازے جائیں گے۔

1 زاد المعاد: 360،359/3

سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے یہودی سردار ابورافع سلام بن ابی الحقیق کو جہنم رسید کر دیا تو خیبر کے یہودیوں کی سیادت و قیادت کا تاج اسید بن رزام کے سر پر رکھ دیا گیا۔ اس نئے سردار نے اپنے ایجنڈے کا علان کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! آج تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب چاہا اور جہاں چاہا حملہ کر کے یا اپنے فوجی دستوں کے ذریعے سے یہودیوں کو برباد کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں وہ حکمت عملی اپناؤں گا جو میرے پیش رو اپنانے میں ناکام رہے۔ لوگوں نے پوچھا: تمھارا پلان کیا ہے؟ تم مسلمانوں کا مقابلہ کس طرح کرو گے؟ اور یہودیوں کے مفادات کی مؤثر حفاظت کا کیا انتظام کرو گے؟ اسیر نے اپنی حکمت عملی واضح کرتے ہوئے بتایا: میں غطفان قبیلے میں جاؤں گا۔ ان کے تمام سرکردہ لوگوں سے ملاقات کر کے انھیں مسلمانوں سے فیصلہ کن معرکے کے لیے تیار کروں گا۔ پھر ہم سب مل کر مسلمانوں کے گھر میں گھس کر یلغار کریں گے۔ کیونکہ جب بھی کوئی لشکر کسی قوم کے مرکز پر حملہ کرتا ہے تو حملہ آور اپنے مقاصد میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ لہٰذا آئندہ جنگ مسلمانوں کے شہر ہی میں لڑی جائے گی۔ ہم ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی ان پر کاری وار کریں گے۔

یہودی اپنے لیڈر کی یہ حکمت عملی سن کر بڑے خوش ہوئے اور سردار کی سوچ کو سراہتے ہوئے کہنے لگے: ''آپ کی پلاننگ بڑی شاندار ہے۔'' یقیناً یہی پلاننگ یہودیوں کے تحفظ کی ضامن ثابت ہوگی۔ چنانچہ اسیر، غطفان اور دوسرے قبیلوں کو اپنا ہمنوا بنانے اور انھیں جنگ کے لیے بھڑکانے کی غرض سے ان قبائل کی طرف چل دیا۔


جامع عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، لیبیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے اس منصوبے کا علم ہوا تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو دیگر تین ساتھیوں کے ساتھ اس خبر کی تصدیق کے لیے

روانہ فرمایا۔ یہ ماہِ رمضان کا واقعہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے زیر کمان یہ دستہ خیبر کے قریب پہنچا اور پھر مجاہدین امیر لشکر کے حکم پر مختلف باغات میں منتشر ہوگئے۔ یہ حضرات تین دن تک اسیر بن رزام اور اس کے ہمنواؤں کی خبریں ٹٹولتے رہے۔ بعدازاں واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشاہدات اور اطلاعات سے آگاہ کیا۔ اسی دوران حسیل الاشجعی مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی خیبر کے حالات و واقعات کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ انھوں نے بھی رپورٹ دی کہ اسیر بن رزام مدینہ منورہ پر لشکر کشی کے لیے یہودیوں کے جتھے بنا رہا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان یہودیوں کی سرکوبی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ پھر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر خیبر روانہ کیا گیا۔ اس لشکر میں سیدنا عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔

آیئے! اب اس سریے کی کارروائی سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیے۔

وہ فرماتے ہیں: ہم سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت خیبر پہنچے۔ ہم نے یہودی سردار اسیر کو پیغام بھیجا کہ ہمیں اتنی دیر کے لیے امان دے دو کہ ہم تمھارے پاس پہنچ کر تمھیں ایک اہم پیغام دے سکیں۔ اس نے جواب دیا: ٹھیک ہے، میں نے تمھیں امان دی۔ اور میری بھی یہی شرط ہے کہ تم مجھے امان دو گے۔ ہم نے اس کی شرط تسلیم کرلی۔ پھر ہم اس کے پاس گئے تو ہم نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم ان کی خدمت میں مدینہ پہنچو۔ وہ تمھیں خیبر کا رئیس مقرر کرنا اور تمھارے ساتھ احسان واکرام کا سلوک فرمانا چاہتے ہیں۔ صحابہ کرام کی مسلسل گفت وشنید کے بعد وہ مدینہ چلنے پر آمادہ ہوگیا اور امارت کی طمع کرنے لگا۔ پھر اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے مشورہ کیا تو انھوں نے مخالفت کردی۔ وہ کہنے لگے: یہ کیسے ممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی یہودی کو خیبر کا امیر مقرر کردیں؟'' اسیر بولا: بھلا یہ کیوں ممکن نہیں؟ میں تو ان جنگوں سے تنگ آچکا ہوں۔ اگر یہ معاملہ صلح کے ذریعے خوش اسلوبی سے طے پا جائے تو میں مدینہ جانے کے لیے تیار ہوں۔ لہٰذا وہ اپنی قوم کی مخالفت کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ چل دیا۔ اس کے ساتھ تیس یہودی بھی تھے۔ یہ قافلہ سوئے مدینہ چلا تو ہر یہودی کے پیچھے ایک ایک مسلمان سواری پر بیٹھ گیا۔ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اسیر بن رزام کو اپنے اونٹ پر سوار کرلیا۔

ہم اسی طرح چلتے رہے حتی کہ جب قرقرہ نیار کے مقام پر پہنچے تو اسیر کو اپنے فیصلے پر پشیمانی ہوئی۔ اس نے دھوکے سے میری تلوار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ میں اس کی سازش بھانپ گیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا: ''اے اللہ کے دشمن! تو غداری پر تُل گیا ہے۔'' میں نے اپنی سواری کو تیز کیا اور کھسک کر اسیر کے اور زیادہ قریب ہوگیا تاکہ میں یہ دیکھوں کہ یہ کیا کرتا ہے۔ اس نے میری تلوار اُچک لی۔ میں نے اپنے اونٹ کو چابک رسید کیا اور

اونچی آواز سے کہا: کون ہے جو سواری سے اتر کر اونٹوں کو چلائے؟ جب کوئی بھی نہ اترا تو میں نے اتر کر اونٹوں کو چلانا شروع کر دیا۔ میں اونٹوں کو چلاتا رہا حتی کہ اسیر اکیلا رہ گیا۔ پھر میں نے کاری وار کر کے اس کی ٹانگ کاٹ ڈالی۔ وہ اونٹ سے لڑھک کر نیچے گر پڑا مگر اس نے گرتے گرتے میرے سر پر اپنا ڈنڈا دے مارا۔ میرا سر پھٹ گیا اور زخم دماغ کے اندر سرایت کر گیا۔ بعدازاں ہم اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور آن کی آن میں سب کو کاٹ کے رکھ دیا۔ صرف ایک آدمی زندہ بچا۔ وہ اتنی تیزی سے نکل بھاگا کہ ہم میں سے کوئی بھی اسے پکڑ نہ سکا۔

اس طرح مسلمانوں کے ایک بڑے دشمن کا صفایا کرنے کے بعد اسلامی لشکر بخیر و عافیت واپس مدینہ پہنچ گیا۔

اُس وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ان کے ساتھ محوِ گفتگو تھے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا تذکرہ چل نکلا۔ کچھ صحابی کہنے لگے: آؤ ثنیۃ الوداع (مدینے کے خارجی دروازے) تک چل کر ان کی کوئی خیر خبر لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب وہ ثنیہ گھاٹی تک آئے تو ہمارے تیز رفتار ساتھیوں سے ملاقات ہوگئی۔ وہ انھیں لے کر خوشی خوشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ ہم نے اپنے سفر کی مکمل روداد آپ کو پیش کی۔ آپ نے فرمایا:

«قَدْ نَجَّاكُمُ اللّٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ»

''اللہ تعالیٰ نے تمھیں ظالم قوم سے نجات دے دی ہے۔''

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر اپنا زخم دکھایا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن میرے زخم پر لگایا تو میری ساری تکلیف اسی وقت دور ہوگئی۔ اس دن کے بعد اس زخم سے پیپ نکلی نہ کبھی درد ہوا۔ حالانکہ میرے سر کی ہڈی چٹخ چکی تھی۔ آپ نے میرے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور برکت کی دعا دی۔ پھر مجھے اپنا عصائے مبارک عطا کیا اور فرمایا:

«أَمْسِكْ هٰذِهِ مَعَكَ عَلَامَةً بَيْنِي وَبَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْرِفُكَ بِهَا فَإِنَّكَ تَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُتَخَصِّرًا»

''یہ عصا سنبھال کر رکھنا۔ یہ تمھاری نشانی ہے۔ میں قیامت کے دن تمھیں اسی سے پہچان لوں گا۔ تم اسی کا سہارا لے کر آؤ گے۔''

جب سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو یہ عصا ان کی میت کے ساتھ رکھ کر انھیں دفنا دیا گیا۔[1]

1 مسند أحمد 496/3، دلائل النبوة للبيهقي 43/4، زاد المعاد 360/3، سبل الهدى والرشاد 112,111/6.

سریہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ

7ھ ماہِ شعبان ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ فدک کی طرف روانہ کیا۔ اس علاقے میں بنومرہ آباد تھے۔ ان کے خلاف تادیبی کارروائی کے لیے تیس مجاہدین کا تقرر ہوا۔ ان کے امیر سیدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ قبیلہ خیبر اور مدینہ منورہ کے درمیان آباد تھا۔ جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ صرف چند چرواہے پھر رہے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ بنومرہ کہاں ہیں؟ تو انھوں نے بتایا کہ وہ اپنی محفلوں میں مشغول ہیں۔ سردی کا موسم تھا، لوگ گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ خاص طور پر مرد شعر و شاعری اور ناؤ نوش کی محفلوں میں دادِ عیش دے رہے تھے۔ چنانچہ مسلمان معمولی سی مزاحمت کے بعد ان کے اونٹ اور دیگر مال مویشی ہانک کر لے گئے۔ اس دوران میں ایک شخص نے چیخ کر اپنی قوم کو اطلاع دی کہ ان کے مویشی مسلمانوں کے قبضے میں آگئے ہیں اور وہ انھیں ہانک کر مدینہ لے جارہے ہیں۔ یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری اور ہر شخص اپنے جانور چھڑانے کے لیے بھاگا۔ رات کے وقت مسلمانوں کو گھیر لیا گیا اور دونوں طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ مسلمانوں نے نہایت جوانمردی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ رات بھر تیروں سے جنگ جاری رہی۔ صبح ہوئی تو مسلمانوں کے تیر ختم ہو چکے تھے اور دشمن نے انھیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اب دو بدو لڑائی شروع ہوئی تو مسلمان ایک ایک کرکے جامِ شہادت نوش کر گئے۔ امیر لشکر سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ کو بھی شدید زخم آئے، دشمن انھیں مردہ سمجھ کر مقتولین میں چھوڑ گئے اور اپنی بکریاں اور اونٹ لے کر واپس چلے گئے۔ سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ کو شدید زخمی حالت میں فدک لایا گیا۔ وہ صحت یاب ہونے تک فدک کے یہودیوں کے پاس رہے۔ پھر تندرست ہوجانے کے بعد مدینہ واپس آئے۔ ان سے پہلے سیدنا علبہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ مجاہدین کی شہادت کی خبر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے چکے تھے۔[1]



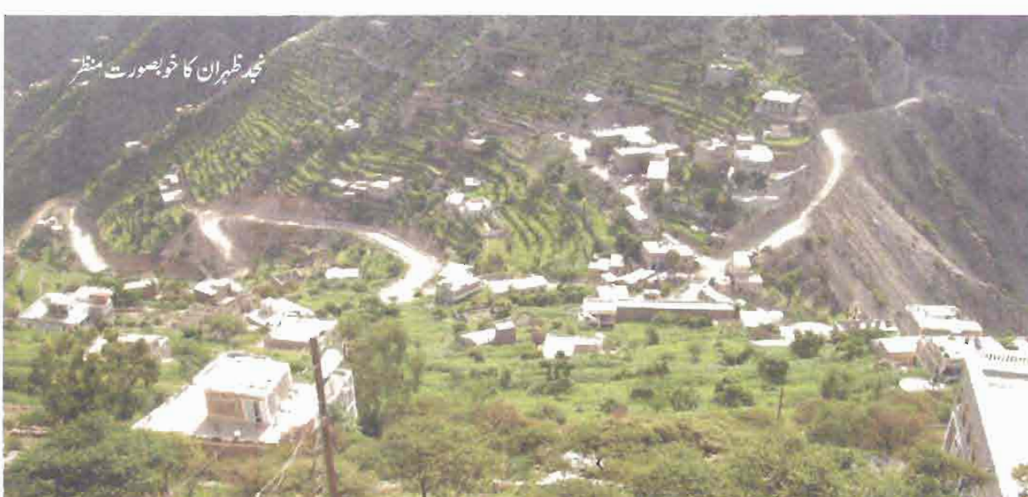
الحائط (سابقہ فدک) کا صدر دروازہ

1 الطبقات لابن سعد: 119،118/2، زاد المعاد: 361،360/3

سریہ حرقہ

رسول اللہ ﷺ نے جہینہ کے علاقے حرقہ [1] کی طرف بھی ایک سریہ روانہ فرمایا تھا، اس سریے میں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ جب یہ سریہ اس علاقے میں پہنچا تو امیر سریہ نے جاسوسوں کو مخبری کے لیے آگے روانہ کر دیا۔ جب وہ ان کی خبریں معلوم کر کے واپس آئے تو امیر نے رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد جب کہ انھوں نے اپنے جانوروں کا دودھ دوھ لیا تھا اور وہ آرام کر رہے تھے، ان سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا: ''میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے تقویٰ کو اختیار کرو، میری اطاعت کرو، میری نافرمانی نہ کرو، نہ میرے حکم کی مخالفت کرو کیونکہ جس کی اطاعت نہ کی جائے، اس کی کوئی رائے نہیں۔'' پھر انھوں نے اپنے تمام ساتھیوں کے جوڑے بنائے اور کہا: اے فلاں اور فلاں، اے فلاں اور فلاں! تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہو۔ تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے ساتھ رہے، اس سے جدا نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میں کسی سے پوچھوں کہ تمھارا ساتھی کہاں ہے؟ تو وہ جواب دے کہ مجھے معلوم نہیں۔ جب میں اللہ اکبر کہوں تو تم بھی اللہ اکبر

1 جہینہ کا سردار جہیش بن عامر حرقہ کے نام سے موسوم تھا، اس کی نسبت سے میفعہ (نجد) کے علاقے کو حرقہ کہا جاتا تھا۔ حرقہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس نے بہت سے لوگوں کو جلا کر مار دیا تھا، اس لیے اسے حرقی کہا جاتا تھا۔



کہو اور اپنی تلواریں میان سے نکال لو۔ اس کے بعد انھوں نے اللہ اکبر کہہ کر یک دم حملہ کر دیا اور دشمن قوم کا احاطہ کر لیا۔ اللہ کی تلواروں نے دشمنوں کو پکڑ لیا کہ انھیں جہاں چاہیں اور جس حال میں چاہیں رکھیں۔ اس دن ان کا شعار ''أَمِتْ أَمِتْ'' تھا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے مرداس بن نہیک نامی ایک شخص کا تعاقب کیا۔ جب اس کے قریب پہنچ کر انھوں نے اپنی تلوار سونتی تو اس نے فوراً کہا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لیکن سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی بکریوں، اونٹوں اور بچوں کو لے گئے۔ ان میں سے ہر ایک کو مال غنیمت میں سے چار اونٹ یا ان کے برابر بکریاں ملیں۔

جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کو اسامہ رضی اللہ عنہ کے واقعے کے بارے میں خبر دی گئی۔ یہ سن کر آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا:

«يَا أُسَامَةُ! أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟»

''اسامہ! تم نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟''

اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس نے تو جان بچانے کے لیے یہ کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ» ''کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَكَ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟»

''روز قیامت تمھیں لا الٰہ الا اللہ سے کون بچا سکے گا؟''

آپ بار بار یہی ارشاد فرماتے رہے حتی کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے تمنا کی کہ اے کاش! وہ اُسی دن مسلمان ہوئے ہوتے۔[1] انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے کسی شخص کو قتل نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد (بھی)؟'' اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں! آپ کے بعد بھی۔[2]

[1] صحيح البخاري: 4269، صحيح مسلم: 97,96، سنن أبي داود: 2643، مسند أحمد: 207/5. [2] زاد المعاد 362,361/3، المغازي للواقدي: 2/178-180، السيرة لابن هشام: 271/4

سریہ غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے غالب بن عبداللہ کلبی لیثی رضی اللہ عنہ کو کدید کے بنو ملوح کی طرف بھیجا اور انھیں ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جندب بن مکیث جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں بھی اس سریے میں شامل تھا۔ جب ہم قُدَید [1] کے مقام پر پہنچ گئے تو وہاں ہمیں حارث بن مالک بن برصاء لیثی ملا، ہم نے اسے پکڑ لیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہوں۔ غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اگر تم مسلمان ہونے کے لیے آئے ہو تو ایک دن رات تک تمھیں باندھے رکھنا تمھارے لیے نقصان دہ نہیں ہے اور اگر تمھارا مقصد کچھ اور ہے تو ہم وہ مقصد معلوم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ہم نے اسے باندھ دیا۔ اس پر سیاہ رنگ اور چھوٹے قد کے ایک آدمی کو نگران مقرر کر دیا اور اس سے کہا: ہماری واپسی تک اسی کے پاس رہو، اگر یہ تم پر غالب آنے کی کوشش کرے تو اس کا سر تن سے جدا کر دو۔ پھر ہم آگے چل دیے اور عصر کے بعد کدید پہنچ گئے۔ میرے ساتھیوں نے مجھے دشمن کا پتا لگانے کے لیے ان کی طرف بھیجا تھا۔ میں ایک ایسے ٹیلے پر چڑھ گیا جہاں سے میں تمام حاضرین کو دیکھ سکتا تھا۔ میں اس ٹیلے پر منہ کے بل لیٹ گیا۔ یہ غروب آفتاب سے پہلے کا وقت تھا، ان لوگوں میں سے ایک آدمی نکلا، اس نے مجھے ٹیلے پر لیٹے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: مجھے اس ٹیلے پر ایک ایسا سایہ سا نظر آ رہا ہے جو میں نے دن کے ابتدائی حصے میں نہیں دیکھا تھا، دیکھو کہیں کتے تمھارا کوئی برتن نہ لے گئے ہوں۔

وادی قدید کا ایک پہاڑی منظر



1 یاد رہے کہ قُدَید اور کَدِید دونوں الگ الگ ہیں۔ قدید ایک وادی ہے جو مکہ سے 120 کلومیٹر شمال میں ہے جبکہ کدید ایک مقام ہے جو مکہ سے 90 کلومیٹر شمال میں اَمَج (خُلَیص) اور عُسفان کے درمیان واقع ہے۔ کدید کو ان دنوں حمض کہا جاتا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافیۃ فی السیرۃ، ص: 263، سیرت انسائیکلو پیڈیا (دارالسلام): 206/1)

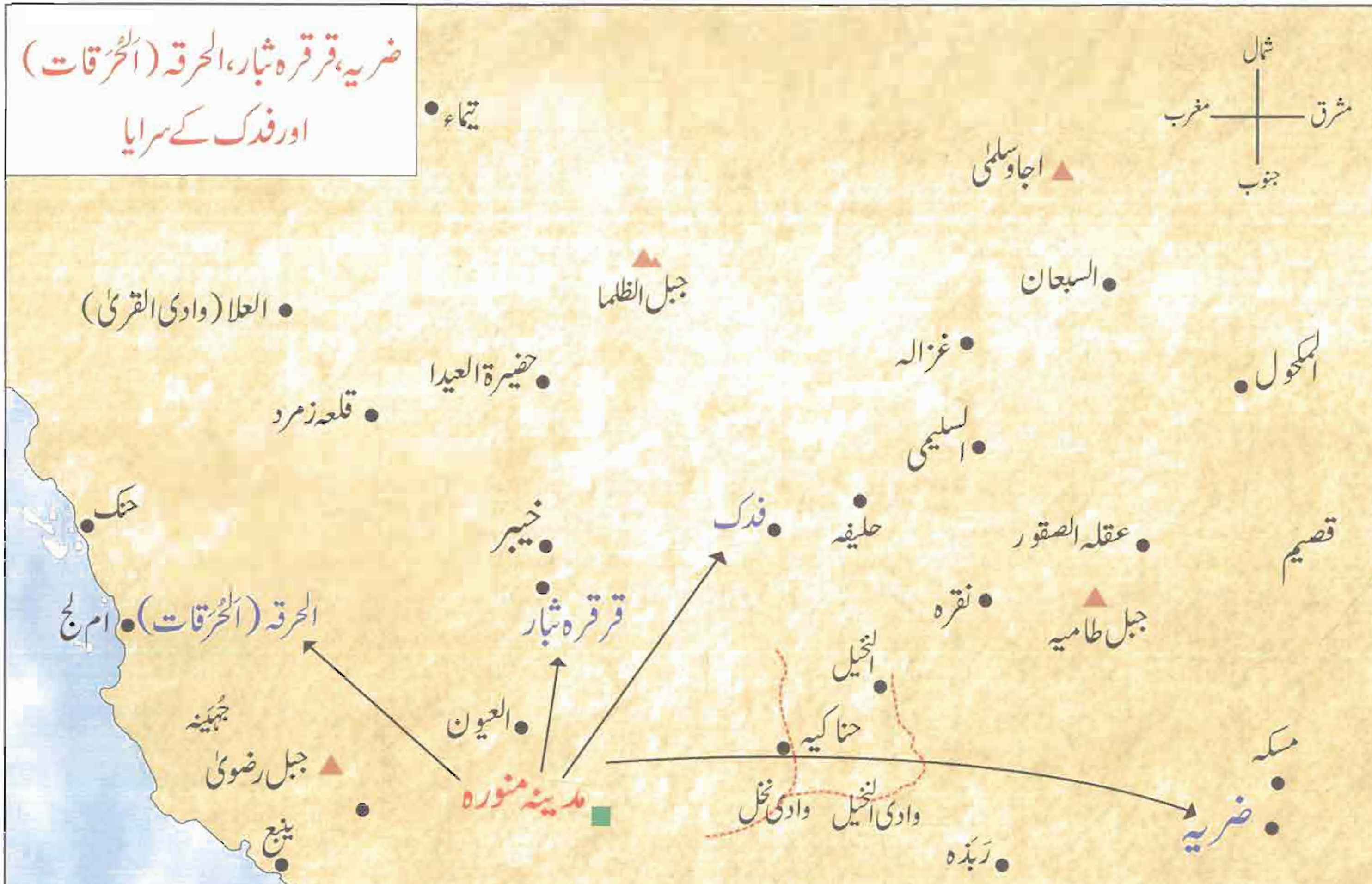
اس نے دیکھا تو کہا: واللہ! میری کوئی چیز گم نہیں ہوئی۔ اس نے کہا: مجھے میری کمان اور ترکش سے تیر نکال کر دو۔ بیوی نے اسے یہ چیزیں دے دیں۔ اس نے مجھے تیر مارا جو میرے پہلو میں لگا۔ میں نے اسے نکال کر رکھ دیا اور کوئی حرکت نہ کی۔ اس نے دوسرا تیر مارا جو میرے کندھے پر لگا۔ میں نے وہ بھی نکال کر رکھ دیا اور کوئی حرکت نہ کی۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: اللہ کی قسم! اسے میرے تیر لگے ہیں، اگر وہ کوئی جاندار ہوتا تو ضرور حرکت کرتا، جب صبح ہو تو میرے دونوں تیر ڈھونڈ لانا تاکہ کتے انھیں خراب نہ کر دیں۔ یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔ ہم نے انھیں مہلت دیے رکھی حتی کہ جب وہ اپنے جانوروں کا دودھ دوہ کر سو گئے اور رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو ہم نے ان پر حملہ کر کے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا اور ان کے اونٹ ہانک لائے۔ ہم واپس آ رہے تھے کہ ان میں سے ایک فریاد کرنے والے نے چیخ چیخ کر اپنی قوم کو مطلع کیا مگر ہم تیزی سے نکل آئے اور حارث بن مالک اور اس کے ساتھی کو بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ اس دوران ہمیں لوگوں کی چیخ پکار کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر ہمارے تعاقب میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ آ پہنچے کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے اور ان کے درمیان صرف وادی قدید حائل تھی۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے وادی (ندی) میں سیلاب بھیج دیا، حالانکہ اس سے پہلے کوئی بارش نہیں ہوئی تھی۔ وادی میں اس قدر شدید سیلاب آ گیا کہ ان میں سے کوئی بھی اسے عبور نہ کر سکا۔ وہ دوسرے کنارے پر کھڑے ہماری طرف دیکھ رہے تھے لیکن کسی میں پیش قدمی کی ہمت نہیں تھی۔ ہم ان کے اونٹوں کو ہانکتے ہوئے تیزی سے چلے آئے حتی کہ ہم انھیں مشلل کی بلندی سے اُتار لائے اور وہ اپنے مال مویشی واپس لینے سے عاجز رہے۔[1]

وادی قدید کا خوبصورت علاقہ



حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سریہ اور اس سے پہلے بیان کیا گیا سریہ دونوں ایک ہی ہیں۔ واللہ اعلم[2]

1 السیرۃ لابن ہشام: 259,258/4، مسند أحمد: 468,467/3. 2 زاد المعاد: 363/3.


ضریہ،قرقرہ ثبار،الحرقہ (الحُرُقات)
اور فدک کے سرایا
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
تیماء
اجاوسلمٰی
جبل الظلما
السبعان
العلا (وادی القریٰ)
حضیرۃ العیدا
غزالہ
المکحول
قلعہ زمرد
السلیمی
حنک
خیبر
فدک
حلیفہ
عقلہ الصقور
قصیم
الحرقہ (الحُرُقات)
اُم لج
قرقرہ ثبار
نقرہ
جبل طامیہ
النخیل
جُہینہ
العیون
حناکیہ
مسکہ
جبل رضویٰ
مدینہ منورہ
وادی نخل
وادی النخیل
ضریہ
ینبع
رَبذہ

سریۂ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کو خیبر کے علاقے میں راستہ بتانے والے سیدنا حسیل بن نویرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: ''خیبر کی کیا خبر ہے؟'' انھوں نے عرض کی: یمن، غطفان اور حیان قبیلے لشکر جمع کر رہے ہیں۔ عیینہ بن حصن فزاری نے بھی انھیں پیغام بھیجا ہے کہ اپنی فوجیں لے کر میرے پاس آجاؤ یا میں اپنا لشکر لے کر تمھارے پاس آجاتا ہوں تاکہ مل کر مسلمانوں پر لشکر کشی کریں۔ ان قبائل نے عیینہ بن حصن کو اپنے پاس بلا لیا ہے اور وہ مدینہ پر چڑھائی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ یا کسی مسلمان قبیلے کو لوٹ مار کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے وزراء کو مشورے کے لیے طلب کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ دونوں وزیروں نے مشورہ دیا کہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر ان قبائل کی سرکوبی کے لیے روانہ فرما دیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے شوال 7 ھ میں سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو مجاہدین کا ایک لشکر ان قبائل کی تادیب کے لیے روانہ کیا۔ لشکر کو ہدایت کی کہ دن کے وقت سفر موقوف رکھو اور چھپ کر آرام کرو۔ رات کو سفر جاری رکھتے ہوئے اچانک دشمن تک پہنچ جاؤ اور انھیں ان کی سرکشی کا سبق سکھاؤ۔ اسلامی لشکر دشمنوں کی نظر سے چھپتا ہوا خیبر کے قریب پہنچ گیا۔ اس دوران میں ان قبائل کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہ بزدلوں کی طرح مال مویشی چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ اسلامی لشکر نے ان کے مویشیوں پر قبضہ کرلیا اور پیش قدمی کرتے ہوئے ان کے گھروں تک پہنچ گئے۔ مگر وہاں سناٹا تھا، کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اسلامی لشکر دشمن کے سینوں میں رعب و دبدبہ ڈال کر واپس روانہ ہوگیا۔ اس لشکر کو غنیمت میں بڑی



جبل طویق (نجد)

تعداد میں مویشی ملے۔ واپسی پر مسلمانوں کو سلاح نامی جگہ پر عیینہ بن حصن کا ایک جاسوس ملا، اُسے قتل کر دیا گیا۔ پھر اسلامی لشکر کی مڈھ بھیڑ عیینہ کے لشکر سے ہوئی جبکہ عیینہ کو مسلمانوں کے قریب آ پہنچنے کی بالکل خبر نہ تھی۔ مسلمانوں نے اپنے نیزوں سے دشمن کی خوب خبر لی۔ چند ہی لمحوں میں ان سورماؤں کو اندازہ ہوگیا کہ جن پر حملہ کرنے کے لیے وہ مدینہ منورہ جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ وہ شیر تو خود ان کے گھروں میں انھیں ٹھکانے لگانے کے لیے آ پہنچے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب دم دبا کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، دو فزاری سورماؤں کو گرفتار کر لیا اور انھیں لے کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ بعد ازاں یہ دونوں مسلمان ہوگئے اور آزاد کر دیے گئے۔

اس طرح مسلمانوں نے یمن، غطفان، اور فزاری جمعیت کے خلاف کامیاب کارروائی کر کے ان کے دلوں پر اپنی ہیبت طاری کر دی اور بھاری مالِ غنیمت بھی حاصل کیا۔

مخالفتِ رسول ﷺ کا نتیجہ ذلت و رسوائی ہے

عیینہ بن حصن شکست کھانے کے بعد سخت خوفزدہ ہو کر بھاگ رہا تھا، راستے میں اسے حارث بن عوف ملا۔ اس نے عیینہ سے کہا: رکو، اس قدر تیز کیوں بھاگے جا رہے ہو؟ اس نے گھوڑا بھگاتے ہوئے کہا: میں ہرگز رک نہیں سکتا، میرے پیچھے فوج لگی ہوئی ہے۔ حارث نے کہا: کیا اب بھی تمھارے لیے غور و فکر کا وقت نہیں آیا جبکہ محمد (ﷺ) مسلسل سارے علاقے فتح کیے جا رہے ہیں۔ اور تم ان کی مخالفت کر کے ذلیل و رسوا ہو رہے ہو۔ وہ یہ باتیں سن کر فرار ہوگیا۔ حارث بیان کرتے ہیں: میں شام تک وہیں ٹھہرا رہا۔ مجھے کوئی فوج دکھائی نہ دی۔ مگر عیینہ کا خوف اسے بھگائے لیے جا رہا تھا۔[1]

1 زاد المعاد: 364,363/3.



سریۃ عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے قبیلے اسلم کی ایک عورت سے شادی کی اور اسے 200 درہم حق مہر دینے کا وعدہ کیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ادائے مہر کے لیے تعاون کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: «وَكَمْ أَصْدَقْتَ؟» ''تم نے کتنا حق مہر طے کیا ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! 200 درہم دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تعجب سے فرمایا:

«لَوْ كُنْتُمْ تَأْخُذُونَ الدَّرَاهِمَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ مَا زِدْتُمْ، وَاللّٰهِ! مَا عِنْدِي مَا أُعِينُكَ بِهِ»

''اگر تم یہ درہم کسی وادی میں گرے پڑے پاتے تب بھی تم اس قدر زیادہ حق مہر نہیں دے سکتے (اب جبکہ تمھارے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تو تم نے اتنی بھاری رقم طے کر لی ہے)۔ اللہ کی قسم! تمھاری مدد کے لیے میرے پاس بھی کچھ نہیں۔''

اس کے بعد کئی دن گزر گئے لیکن حق مہر ادا کرنے کے لیے میرے پاس رقم کا بندوبست نہ ہو سکا، پھر اہل مدینہ کو خبر ملی کہ رفاعہ بن قیس اپنے قبیلے بنوجشم بن معاویہ کو لے کر الغابہ پہنچ گیا ہے۔ اسکا ارادہ یہ تھا کہ قیس قبیلے کو ساتھ ملا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرے۔ رفاعہ بن قیس بنوجشم کا سرکردہ لیڈر تھا اور نہایت معزز سمجھا جاتا تھا۔

دشمن کی سرگرمیوں کا سراغ لگانے کا حکم

سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میرے دو ساتھیوں سمیت طلب کیا۔

کوہ احد کے مغرب میں الغابہ کا سرسبز منظر



آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا:

«اُخْرُجُوا اِلَى هٰذَا الرَّجُلِ حَتّٰى تَأْتُوا مِنْهُ بِخَبَرٍ وَعِلْمٍ»

''جاؤ رفاعہ کے بارے میں مکمل معلومات لے کر آؤ۔''

آپ ﷺ نے سواری کے لیے ہمیں نہایت دبلی پتلی اونٹنی دی۔ ہم میں سے ایک ساتھی اس پر سوار ہوا تو اللہ کی قسم! وہ اٹھ ہی نہ سکی حتی کہ کچھ لوگوں نے زور لگا کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔ وہ کھڑی ہوگئی مگر لگتا تھا کہ یہ سفر نہیں کر سکے گی۔ مگر آپ ﷺ کا حکم یہی تھا: «تَبَلَّغُوا عَلَيْهَا وَاعْتَقِبُوهَا» ''اس اونٹنی پر مہم کے لیے روانہ ہو جاؤ، راستے میں باری باری سواری کرنا۔'' لہٰذا ہم اپنے تیر اور تلواریں لے کر نکل پڑے۔ جب ہم رفاعہ کی منزل کے قریب پہنچے تو شام کے سائے اُتر رہے تھے اور سورج غروب ہونے والا تھا۔ میں ایک طرف چھپ گیا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو دوسری طرف چھپ جانے کا حکم دیا۔ اور تاکید کی کہ جب میں نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے اپنی طرف کے دشمن پر حملہ کروں تو تم بھی میرے ساتھ حملہ آور ہو جانا۔ اس منصوبے کے تحت ہم مختلف جگہوں پر چھپ گئے اور مناسب موقع کا انتظار کرنے لگے۔ رات دھیرے دھیرے اُتر رہی تھی۔ اس دوران اہل قبیلہ نے محسوس کیا کہ آج ان کے چرواہے کو خلاف معمول دیر

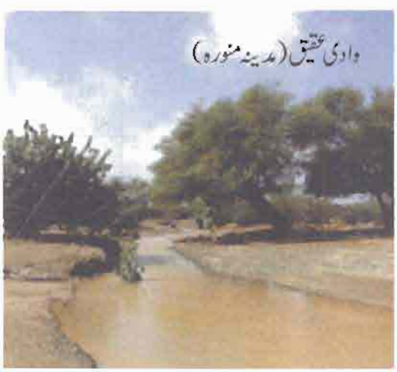
وادی قناۃ نزد مدینہ منورہ



وادی بطحان (مدینہ منورہ)



وادی عقیق (مدینہ منورہ)



وادی الخلیل (مدینہ منورہ)



ہوگئی ہے۔ وہ ابھی تک مویشی لے کر نہیں لوٹا تھا۔ وہ اس کے متعلق مختلف اندیشوں میں مبتلا ہوگئے، مبادا کہیں اسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہو یا اس پر کسی نے حملہ کر دیا ہو۔ رفاعہ بن قیس اٹھا۔ اس نے اپنی تلوار گلے میں لٹکائی اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں اپنے اس چرواہے کی خبر لے کر آتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی مصیبت کا شکار ہوگیا ہے۔ اس کے ساتھی بولے: اللہ کی قسم! تم یہ زحمت نہ کرو۔ یہ کام ہمارے حوالے کرو، ہم ابھی اس کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ رفاعہ نہ مانا اور بولا: واللہ! میں تن تنہا ہی جاؤں گا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے پھر کہا کہ ہمیں بھی ساتھ جانے کی اجازت دیجیے۔ مگر اس نے سختی سے انکار کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آئے گا۔ وہ اکیلا ہی نکل پڑا۔ جب وہ میرے پاس سے گزرنے لگا تو مجھے اپنی کارروائی کا موقع مل گیا۔

دشمن کو مارنے کا حربہ

عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رفاعہ کو تاک کر ایک تیر مارا جو اس کے دل کے آر پار ہوگیا، وہ پھڑکا بھی کھانے نہ پایا اور کوئی ہائے وائے کیے بغیر ہی ڈھیر ہوگیا۔ میں فوراً چھلانگ لگا کر کمین گاہ سے باہر نکلا اور اس کا سر کاٹ کر تن سے جدا کر دیا۔ پھر میں نے بلند آہنگ نعرہ لگایا اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ میرے دونوں ساتھیوں نے بھی بلند آواز سے نعرہ لگایا اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ بس پھر کیا تھا۔ ہر طرف ''بچاؤ بچاؤ'' کی دہائی سنائی دینے لگی۔ ہر شخص اپنی جمع پونجی میں سے بآسانی نقل وحمل والی چیز اٹھا کر بھاگ نکلا۔ نفسانفسی کا عالم برپا ہوگیا۔ کوئی اپنی عورت کو بچانے بھاگ رہا تھا تو کسی کو بچوں کی فکر دامن گیر تھی اور کوئی اپنی جان بچانے کے لیے فرار ہونے کی کوشش میں تھا۔ اس طرح آن کی آن میں پورا قبیلہ بستی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ہم بہت سارے اونٹ اور بکریاں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ میں نے رفاعہ کا سر آپ کی خدمت میں پیش کیا اور اپنی کامیابی کی خبر سنائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان اونٹوں میں سے تیرہ اونٹ ادائے حق مہر کے لیے عطا فرمائے۔ میں وہ اونٹ لے کر خوشی خوشی اپنے گھر چلا گیا۔[1]

[1] زاد المعاد 3/365.364، السیرة لابن هشام 4/279.278.

سریہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک فوجی دستہ اضم کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ تین وادیوں بطحان، عقیق اور قناۃ کے ملاپ سے بننے والی ایک وادی کا نام ہے۔ احد اور شرقاء کے درمیان وادی اضم کا حصہ وادی الخلیل کہلاتا ہے۔ اس مہم میں سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد اور مُحلّم بن جَثّامہ رضی اللہ عنہما بھی ہمراہ تھے۔ جب اسلامی لشکر اضم کے وسط میں پہنچا تو اچانک اس کا آمنا سامنا عامر بن اضبط اشجعی سے ہوگیا۔ وہ اپنے جوان اونٹ پر بھاگا جا رہا تھا۔ اس کے پاس تھوڑا سا سامان اور دودھ کا مشکیزہ تھا۔ اس نے مسلمانوں کو اسلامی طریقے کے مطابق سلام کیا۔ لہٰذا اسلامی لشکر نے مسلمان سمجھتے ہوئے اس سے کوئی تعرض نہ کیا مگر محلم بن جثامہ نے اپنی پرانی رنجش کی بنا پر اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ پھر اس کے اونٹ اور سامان پر قبضہ کرلیا۔

جب اسلامی لشکر واپس مدینہ منورہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع دی گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ ﴾ (النسآء 4:94)


مدینہ کے شمال میں وادی اضم (الحمض)



”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کے راستے میں نکلو تو تحقیق کرلیا کرو، اور جو شخص تمھیں سلام کرے تو اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو، تو اللہ کے پاس (تمھارے لیے) بہت سے اموالِ غنیمت ہیں۔ تم اس سے پہلے خود بھی اس حالت میں مبتلا رہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا معاملے کی تحقیق کرلیا کرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔“[1]

رسول اللہ ﷺ نے عامر بن اضبط کے قتل پر شدید ناراضی کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے محلم سے مؤاخذہ کرتے ہوئے فرمایا:


بنوغطفان کا علاقہ (نجد)

«أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ آمَنْتُ بِاللّٰهِ؟»

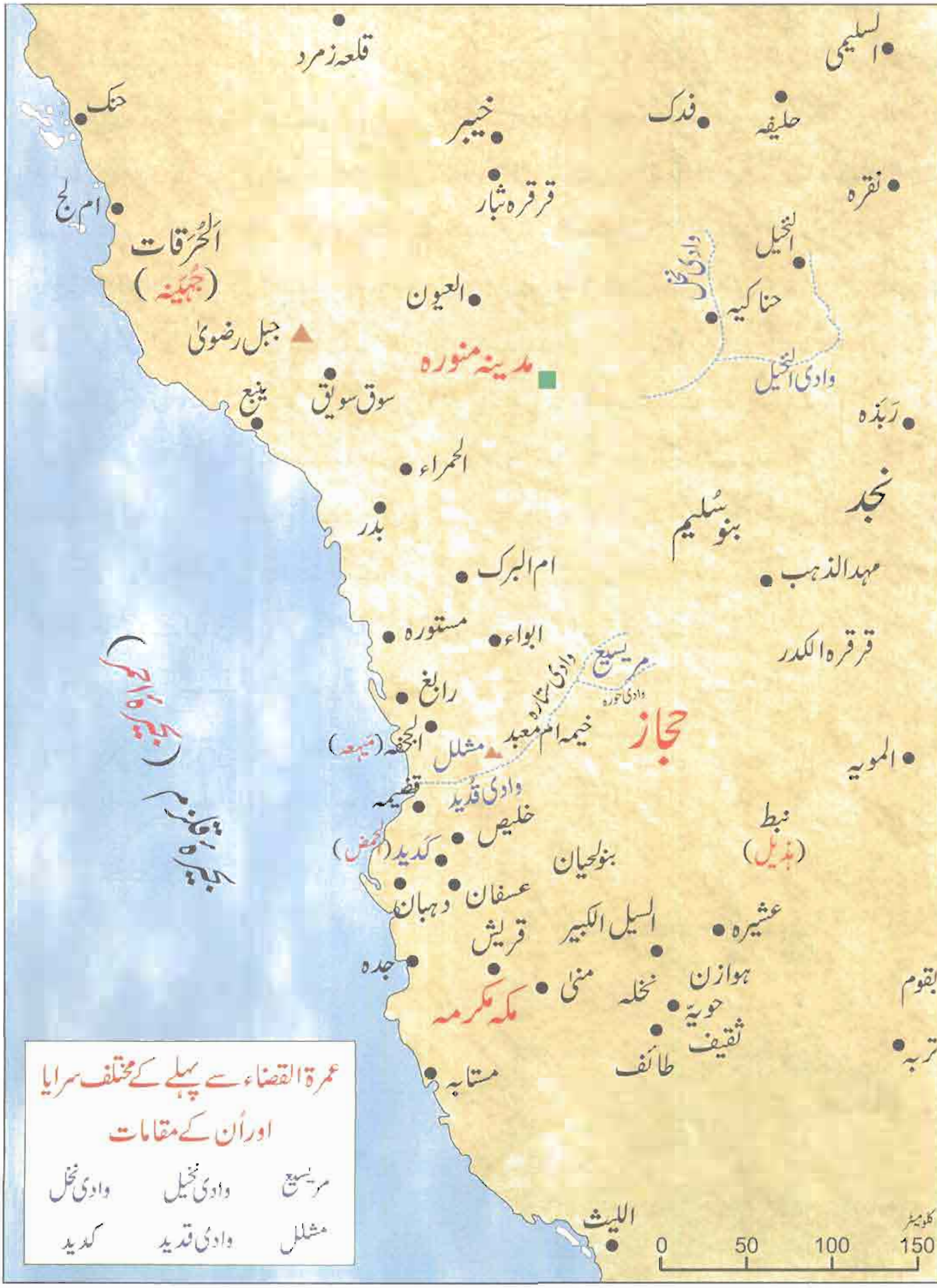
”کیا تم نے اس کے یہ کہنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا کہ میں اللہ پر ایمان لایا ہوں؟“

پھر غزوۂ خیبر والے سال عیینہ بن حصن، عامر بن اضبط کے خون کا بدلہ طلب کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اس وقت غطفان قبیلے کا سردار تھا۔ اسی لیے اپنے قبیلے کے مقتول کا قصاص لینے آیا تھا۔ اُدھر محلم کے قبیلے خندف کے سردار اقرع بن حابس بھی اپنے آدمی کے دفاع کے لیے آ پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے دونوں قبائل کی صلح کے لیے عامر کی قوم سے فرمایا:

«هَلْ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا الْآنَ مِنَّا خَمْسِينَ بَعِيرًا وَّ خَمْسِينَ إِذَا رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ؟»

1 دلائل النبوة للبيهقي: 303/4، البداية والنهاية: 225/4، زاد المعاد: 367,366/3، مسند أحمد: 11/6.



قلعہ زمرد
السلیمی
حنک
خیبر
فدک
حلیفہ
قرقرہ ثبار
نقرہ
ام لج
الحُرقات
(جُہینہ)
النخیل
وادی نخل
العیون
حناکیہ
جبل رضویٰ
مدینہ منورہ
وادی النخیل
ینبع
سوق سویق
رَبَذہ
الحمراء
بدر
نجد
بنو سُلیم
ام البرک
مہد الذہب
مستورہ
ابواء
قرقرہ الکدر
بحیرہ احمر
مریسیع
رابغ
وادی غزال
وادی حورہ
الجحفہ
(مہیعہ)
خیمہ ام معبد
حجاز
مشلل
المویہ
وادی قُدید
قضیمہ
خلیص
نبط
(ہذیل)
کدید
(الحمض)
بنولحیان
عسفان
دہبان
السیل الکبیر
عشیرہ
قریش
ہوازن
جدہ
منیٰ
نخلہ
حویہ
مکہ مکرمہ
ثقیف
بقوم
طائف
تربہ
مستابہ
عمرۃ القضاء سے پہلے کے مختلف سرایا اور اُن کے مقامات
مریسیع
وادی نخیل
وادی نخل
مشلل
وادی قدید
کدید
اللیث
کلومیٹر
0
50
100
150

’’کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ ہم سے دیت کے پچاس اونٹ ابھی لے لو اور بقیہ پچاس اونٹ ہم تمھیں مدینہ پہنچ کر دے دیں گے؟‘‘

عیینہ بن حصن نے یہ پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں قاتل کو اس وقت تک معاف نہیں کروں گا جب تک اس کے گھرانے کی عورتوں کو اسی صدمے کا مزہ نہ چکھا دوں جو میرے قبیلے کی عورتوں نے چکھا ہے۔ دونوں سرداروں کی باہمی بحث وتکرار اور طعن وتشنیع سے شور وغل ہونے لگا اور ماحول بہت بوجھل ہوگیا۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ عیینہ کو دیت قبول کرنے پر راضی کرتے رہے۔ لیکن اس نے یہی جواب دیا: اللہ کی قسم! میں ان کے خاندان سے جنگ کروں گا اور جب تک ان کی عورتوں کو دکھی اور غمزدہ نہ دیکھ لوں، انھیں معاف نہیں کروں گا۔ پھر بنولیث کا ایک آدمی کھڑا ہو گیا۔ اس نے ہتھیار لگا رکھے تھے، اس کے ہاتھ میں ڈھال بھی تھی۔ اس کا نام مُکَیتَل تھا۔ وہ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ابتدائے اسلام میں ہونے والے اس واقعے کی مثال تو ایسی ہے جیسے پانی کے گھاٹ پر آنے والی بکریوں میں سے پہلی بکری کو کنکری مارو تو پچھلی بکریاں بھی بھاگ جاتی ہیں (یعنی اس قتل کا قصاص ضرور ہونا چاہیے تاکہ آئندہ لوگ اس سنگین جرم سے باز رہیں) یا اس کی مثال اس طرح بھی دی جا سکتی ہے کہ آج ایک طریقہ اختیار کرو اور کل اسے بدل ڈالو۔

یعنی اگر آج آپ نے قصاص نہ لیا تو پھر لوگ قصاص لینے میں لاپرواہی کریں گے۔ لہٰذا آپ آج قصاص نافذ کر کے اپنی سنت کو پختہ کر دیں۔ اس کے بعد بے شک اسے تبدیل کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک بلند کر کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور فرمایا:

«تَأْخُذُونَ الدِّيَةَ خَمْسِينَ فِي سَفَرِنَا هٰذَا وَ خَمْسِينَ إِذَا رَجَعْنَا»

بنولیث کا پہاڑی علاقہ وشار الحصن (نجد)



''تم اس سفر میں ہم سے دیت کے پچاس اونٹ لے لو اور بقیہ اونٹ ہم مدینہ منورہ پہنچ کر دے دیں گے۔''

بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی ہو گئے۔

امام ابن اسحاق نے ان کی رضامندی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ عیینہ بن حصن کی اس تکرار کے بعد اقرع بن حابس عیینہ اور قیس والوں کو ایک طرف لے گیا اور کہنے لگا: تم نے رسول اللہ ﷺ کی صلح کی پیش کش منظور نہیں کی، یہ تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ رسول اللہ ﷺ تم سے ناراض ہو جائیں اور آپ ﷺ کی ناراضی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو جائے۔ یا اللہ کے رسول ﷺ تم پر لعنت بھیج دیں تو تم پر اللہ کی لعنت بھی برس پڑے؟

اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں اقرع کی جان ہے! تم رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم کر لو ورنہ میں اپنے قبیلے بنوتمیم سے 50 گواہ پیش کر دوں گا جو اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے دیں گے کہ تمھارا مقتول کافر تھا۔ وہ مسلمان ہی نہیں ہوا تھا۔ اس نے کبھی نماز نہیں پڑھی۔ اس طرح اس کا خون رائیگاں جائے گا۔ جب انھوں نے اقرع کی یہ دھمکی سنی تو وہ دیت لینے پر راضی ہو گئے۔

مسلمان کے قاتل کو قبر نے بھی اُگل دیا

اس دوران رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں محلم بن جثامہ کو پیش کیا گیا تا کہ آپ اس کے لیے بخشش کی دعا کریں۔ محلم طویل قامت تھا، وہ اپنے قتل کے لیے تیار ہو کر آیا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمھارا کیا نام ہے؟ اس نے عرض کی: میں محلم بن جثامہ ہوں۔ وہ رو رہا تھا اور اپنی غلطی پر پشیمان تھا۔ کہنے لگا: اللہ کے رسول! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ مگر ایک مسلمان کو قتل کرنے کی وجہ سے آپ اس سے شدید ناراض تھے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور تین بار یہ دعا کی: ''اے اللہ! محلم کو معاف نہ فرما۔''

محلم شدید مایوسی کی حالت میں آپ کی خدمت اقدس سے روتا ہوا اور اپنے آنسو پونچھتا ہوا اُٹھ گیا۔

اس کے بعد امام ابن اسحاق ایک اور روایت بیان کرتے ہیں کہ جب محلم رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر بیٹھا تو آپ ﷺ نے اسے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ''تم نے اسے اللہ کی امان دینے کے باوجود قتل کر دیا۔'' پھر آپ نے محلم کے لیے بددعا کی۔ اس کے سات دن بعد محلم فوت ہو گیا۔ اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے اگل دیا۔ اس کی قوم نے اسے دوبارہ دفن کیا تو زمین نے اسے دوبارہ اُگل دیا۔ تیسری بار دفن کیا تو زمین نے پھر باہر نکال پھینکا۔ بالآخر اُس کی قوم نے تھک ہار کر اس کی لاش ایک نالے میں ڈال دی اور اس کے اوپر پتھر رکھ کر اسے ڈھک دیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کو محلم کے بارے میں بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْأَرْضَ لَتَقْبَلُ مَنْ هُوَ أَشَرُّ مِنْهُ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَحَبَّ أَنْ يُرِيَكُمْ تَعْظِيمَ حُرْمَةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

''زمین اس سے بھی بڑے گناہ گاروں کو قبول کر لیتی ہے۔ لیکن (اسے قبول نہیں کر رہی کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمھیں لا الہ الا اللہ کی حرمت و تعظیم دکھانا چاہتا ہے۔''

محلم کی قوم کا کہنا ہے کہ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے محلم کے لیے دعائے مغفرت کر دی تھی۔ [1]

تین ہولناک گناہ جن کی سزا قتل ہے

اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا نہایت سنگین جرم ہے۔ کسی مسلمان کو صرف تین طرح کے جرائم کی پاداش میں قتل کرنا جائز ہے۔ اُن جرائم کے علاوہ اس کا قتل حرام ہے۔ وہ تین جرائم یہ ہیں: کسی مسلمان کو قتل کرنا، کسی مسلمان کا اسلام سے سرکشی کر کے مرتد ہو جانا، اور کسی شادی شدہ شخص کا بدکاری کرنا۔ [2] اگر کوئی شخص ان جرائم میں سے کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو حکومت وقت عدالت کے ذریعے اس کا جرم ثابت ہونے پر اسے سزائے موت دے گی۔ ذاتی اور انفرادی طور پر کسی شخص کو یہ اجازت نہیں کہ وہ ان سزاؤں کو ازخود نافذ کرے۔

1 زاد المعاد: 367,366/3، السيرة لابن هشام: 277,276/4، سنن أبي داود: 4503، سنن ابن ماجه: 3930,3929

2 صحيح البخاري: 6878.

سریہ عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کو ایک سریے کا قائد مقرر فرمایا اور انھیں روانہ فرماتے ہوئے آپ نے ان کے ماتحت مجاہدین کو حکم دیا کہ ان کی سمع و طاعت بجا لائیں۔ انھوں نے کسی وجہ سے اپنے اس قائد کو ناراض کر دیا تو اس نے انھیں حکم دیا کہ ایندھن اکٹھا کرو۔ انھوں نے ایندھن اکٹھا کر دیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے آگ لگا دو۔ انھوں نے جب اسے آگ لگا دی تو اس نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے تمھیں میری سمع و طاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں آپ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ اس نے کہا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ یہ حکم سن کر وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، انھوں نے کہا کہ ہم تو آگ ہی سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے ہیں، اور آپ ہمیں دوبارہ آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں؟ ابھی وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اس کا غصہ فرو ہو گیا اور آگ بجھا دی گئی، جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے تو انھوں نے یہ واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

''اگر یہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی باہر نہ نکل پاتے، طاعت تو صرف نیکی میں ہے۔''[1]

یہ امیر عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

1 صحيح البخاري: 4340، صحيح مسلم: 1840، مسند أحمد: 82/1 و 124.



جزیرہ سقوطرہ (یمن) کا ساحل

سیدنا علقمہ بن مُجزز رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ فرمایا، میں بھی اس میں شامل تھا۔ وہ لشکر منزل مقصود پر پہنچ گیا یا ابھی رستے ہی میں تھا کہ فوج کے ایک حصے نے (دشمن پر حملہ کرنے کی) اجازت طلب کی۔ علقمہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اجازت دے کر سیدنا عبداللہ بن حذافہ بن قیس سہمی رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیا۔ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے اس امیر سیدنا عبداللہ بن حذافہ کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ وہ ابھی رستے ہی میں تھے کہ ان لوگوں نے سردی سے بچنے کے لیے یا کوئی چیز پکانے کے لیے آگ جلائی۔ عبداللہ کی طبیعت میں کچھ مزاح تھا، انھوں نے کہا: کیا میرے حکم کی سمع و طاعت بجالانا تم پر فرض نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں فرض ہے۔ انھوں نے پوچھا: میں تمھیں جو حکم دوں گا کیا تم اس کی تعمیل کرو گے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ تب انھوں نے کہا: میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اس آگ میں چھلانگ لگا دو، بعض افراد اُٹھے اور چھلانگیں لگانے کو تیار ہو گئے۔ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ لوگ چھلانگیں لگانے کے لیے تیار ہیں تو انھوں نے کہا: رک جاؤ میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا۔ (راوی کا بیان ہے) جب ہم واپس آئے تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَمَرَكُمْ بِمَعْصِيَةٍ مِنْهُمْ فَلَا تُطِيعُوهُ»

''ان (حکمرانوں) میں سے جو بھی تمھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے، اس کی اطاعت مت کرو۔''[1]

یہاں ہم قارئین کرام کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت کے حوالے سے یہ واقعہ پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے کہ اس سریہ میں شامل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ واپس آکر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا» ''اگر یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکل سکتے۔'' آپ نے یہ بات ان لوگوں کے بارے میں فرمائی تھی جنھوں نے اپنے حاکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ اپنے حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے بے گناہ مسلمانوں کو شدید ترین سزائیں دیتے ہیں، ان کا انجام کیا ہو گا؟

[1] السيرة لابن هشام: 289/4.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلو پیڈیا

(جلد 8)

اعلام

خندف: الیاس بن مضر کی ایک بیوی کا نام خندف بنت حلوان بن عمران بن الحافی بن قضاعہ تھا۔ اس بیوی سے الیاس کی اولاد اپنی ماں کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اس لیے انھیں خندف کہا جاتا ہے۔ جبکہ معجم المعالم الجغرافیہ کے مولف نے الیاس کی بیوی کا نام لیلیٰ بنت حلوان لکھا ہے۔ یہ قضاعہ قبیلے سے ہیں، علامہ حمد الجاسر لکھتے ہیں کہ خندف: مختلف قبائل کے مجموعے کا نام ہے۔ یہ قبائل نسب کے لحاظ سے دور پرے کا رشتہ رکھتے تھے۔ ان میں قبیلہ مطیر، ہذیل، سلیم، ثقیف، سبیع، البقوم، غامدہ اور بجیلہ شامل ہیں۔ (معجم البلدان: 40/1- أطلس الحديث النبوي: 163)

اماکن

تربہ: مشرقی حجاز کی ایک طویل وادی ہے۔ یہ وادی چشموں، سرسبز و شاداب کھیتیوں اور چھوٹی بڑی بستیوں سے معمور ہے۔ اس کے بالائی علاقے میں غامد قبیلہ، وسطی علاقے میں البُقوم اور زیریں علاقے میں سُبیع قبیلہ آباد ہے۔ طائف شہر کے مشرق میں تقریباً 200 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک شہر آباد ہے جسے تُربۃ البُقوم کہا جاتا ہے۔ آج کل تربہ سے مراد یہی شہر لیا جاتا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 62)

ثنیۃ الوداع: ثنیۃ الوداع مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں ایک بڑی گزرگاہ تھی۔

الرجیع: معروف الرجیع (موجودہ الوطیہ) مکہ سے 70 کلومیٹر شمال میں ہے، اس لیے غزوۂ خیبر میں مذکور الرجیع کو بے موقع یا بگڑا ہوا نام قرار دیا گیا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 211)

زُغابہ: زُغابہ مدینہ کے شمالی جانب چند میل کی مسافت پر جرف اور غابہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔

صہباء: صہباء خیبر کے جنوب میں ایک سرخ پہاڑ ہے۔ آج کل یہ جبل عطوہ کہلاتا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 211)

عضر: عضر مدینہ اور وادی فرع کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (معجم البلدان: 128/4) عاتق بن غیث البلادی نے یاقوت

کی اس بات کو عجیب قرار دیا ہے کیونکہ وادی فرع مدینہ کے جنوب میں ہے اور خیبر (اور عصر) شمال میں ہیں۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص :211)

الغابہ: جبل احد کی مغربی ڈھلان سے متصل زمین کو الغابہ کہا جاتا ہے۔ یہ مدینہ کے شمال مغرب میں 6 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (اطلس الحديث النبوي، ص :283) وادی الخلیل، بطحان، وادی العقیق اور قناۃ کے ملاپ سے بنتی ہے اور تمام تر غابہ کے علاقے میں بہتی ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص :223)

فدک: حجاز کی ایک بستی ہے۔ مدینہ منورہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر ہے۔ یہ بستی 7ھ میں صلح کے ذریعے فتح ہوئی۔ اس بستی کا موجودہ نام ''الحائط'' ہے۔ آج کل یہ ایک آباد شہر ہے جو بکثرت کھجوروں کے باغات اور لہلہاتی ہوئی فصلوں پر مشتمل ہے۔

قمی: قمی احد پہاڑ کی مغربی جانب ایک مقام تھا۔

سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبر انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوام عالم کو ایسے روحانی اور معاشی وسیاسی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتب سیرت کی کہکشاں میں دار السلام کا جدید انداز کا "سیرت انسائیکلوپیڈیا" "اللؤلؤ المکنون" اپنی نوعیت کا نہایت معتبر، منفرد اور ممتاز علمی وتحقیقی ارمغان عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم وبصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی آٹھویں جلد ہے۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ سیرت مقدسہ کے ان انقلابی پہلوؤں سے آگاہ ہوں گے جن کی بدولت تاریخ عالم کا دھارا بدل گیا۔ قیصر وکسریٰ سمیت دنیا بھر کے حکمرانوں کو پہلی بار معلوم ہوا کہ جنگ کے شعلے بھڑکائے بغیر محض مذاکرات کے ذریعے فتح مبین (صلح حدیبیہ) کس طرح حاصل کی جاتی ہے اور رہبر اعظم ﷺ کی اطاعت کا حق کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔ اسی جلد میں آپ اس بوریہ نشین نبی امی ﷺ کو خارجہ پالیسی کے رموز سکھاتے دیکھیں گے جو اپنے دعوتی خطوط کے ذریعے ساری دنیا کے جابر فرمانرواؤں کو انتباہ کر رہا تھا کہ اوہام واصنام کی پوجا کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہوا۔ اب تمھیں صرف اسی قادر مطلق کی بندگی کرنی ہوگی جو وحدہ لاشریک ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ یہ حیرت ناک منظر بھی دیکھیں گے کہ سید الاولین والآخرین ﷺ نے کتنی کامیاب جنگی حکمت عملی سے خیبر کے ناقابل تسخیر قلعے فتح کر لیے۔ یہ بھی معلوم ہوگا کہ شادی کرنا ایک پاکیزہ سماج کی بنیاد ہی نہیں بلکہ اس عمل سے کفار ومشرکین کو دین حنیف کا ہمنوا بھی بنایا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیدہ صفیہ سے شادی انھی مقاصد جلیلہ کی آئینہ دار ہے۔

دار السلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
9786036002981